# تفسیر قرطبی مترجم

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ۔ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

# تفسیر قرطبی

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان
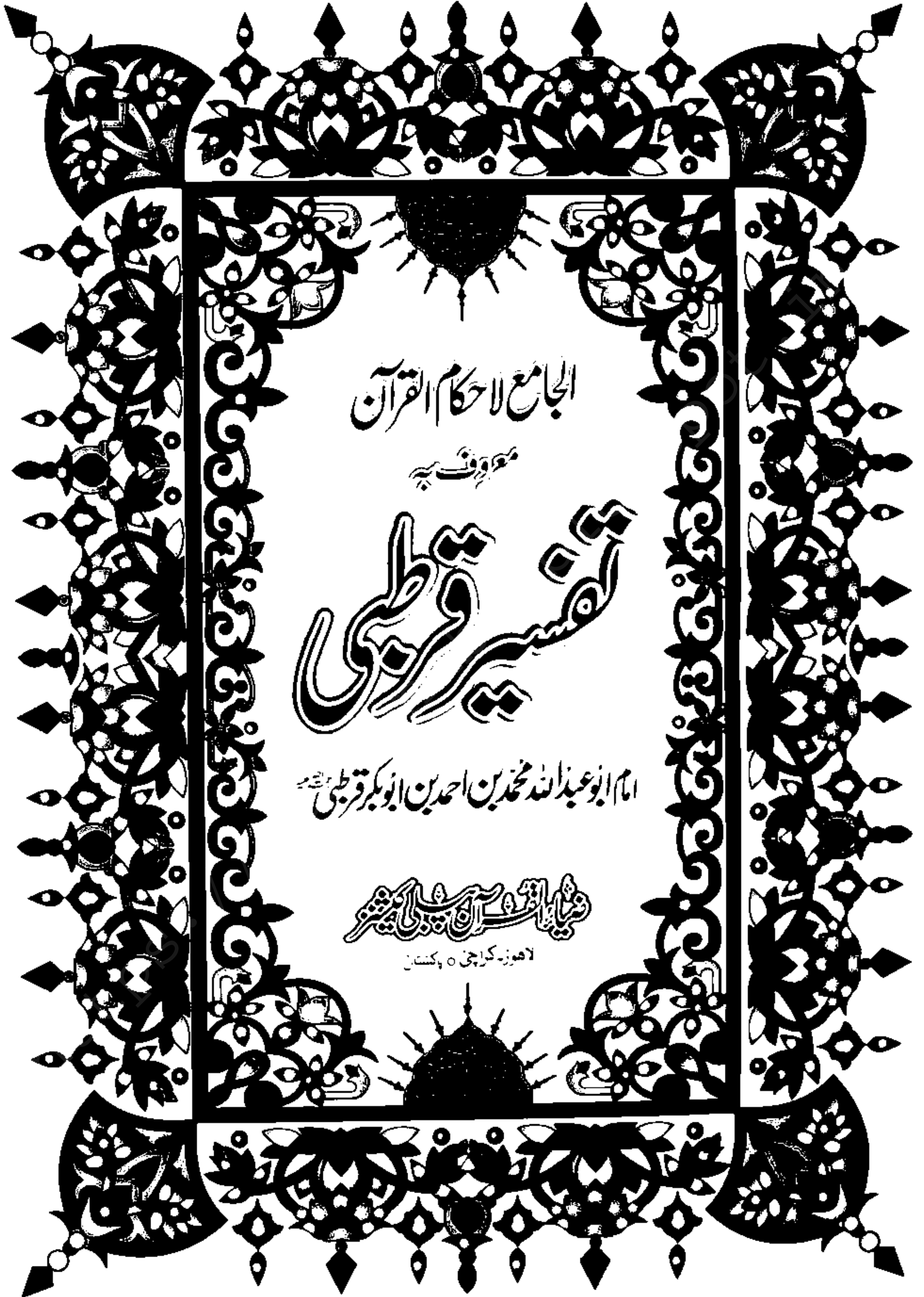
# الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

# تفسیر قرطبی جلد ہشتم

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ


متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان　　مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی　　مولانا شوکت علی چشتی



زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور- کراچی ۰ پاکستان

| | |
|---|---|
| نام کتاب | تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد ہشتم) |
| مفسر | امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ |
| متن قرآن کا ترجمہ | حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ |
| مترجمین | مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی |
| | مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی |
| | من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف |
| زیر اہتمام | ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف |
| ناشر | محمد حفیظ البرکات شاہ |
| | ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور |
| سال اشاعت | اکتوبر 2012ء، بار اول |
| کمپیوٹر کوڈ | QT54 |

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

# فہرست مضامین

## سورۂ یٰسٓ

# سورہ یٰسٓ

آیاتہا ۸۳ ۳۶ سورۃ یٰسٓ مکیۃ ۴۱ رکوعاتہا ۵

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اس کی تراسی (83) آیات ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ** انصار کے خاندان بنی سلمہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوا جب انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں آجائیں جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ابوداؤد میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے مردوں پر سورۂ یٰسٓ پڑھو(1)'' آجُرّی نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس میت پر سورۂ یٰسٓ پڑھی جاتی ہے اس پر معاملہ آسان کر دیا جاتا ہے(2)۔ مسند دارمی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی رات بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر سورۂ یٰسٓ پڑھی اسے اسی رات بخش دیا جاتا ہے(3)''۔ اسے ابونعیم حافظ نے نقل کیا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إن لكل شئ قلبا و قلب القرآن يٰس و من قرأ يٰس كتب الله له بقرأتها قرأة القرآن عشر مرات (4)۔ ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے جس نے سورۂ یٰسٓ پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کی وجہ سے اسے دس دفعہ قرآن پڑھنے کا ثواب دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے اس کی سند میں ہارون بن محمد مجہول ہے۔ اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے جبکہ سند کے اعتبار سے ان کی حدیث صحیح نہیں اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خبردار! قرآن میں ایک سورت ہے یہ اپنے پڑھنے والوں کے حق میں شفاعت کرتی ہے، اس کے سننے والے کو بخش دیا جاتا ہے۔ خبردار! وہ سورۂ یٰسٓ ہے اسے تورات میں معمہ کہتے ہیں''۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ معمہ کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ اپنے قاری کو دنیا کی ہر بھلائی پہنچانے والی ہے اور یہ آخرت کی تمام ہولناکیوں سے دور کرنے والی ہے، اسے دافعہ اور قاضیہ بھی کہتے ہیں''۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کس طرح؟ فرمایا: ''وہ اپنے قاری سے ہر برائی کو ختم کرتی ہے، اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتی ہے جس نے اس سورت کی قراءت کی یہ سورت اس کے بیس حجوں کے برابر ہو جائے گی، جس نے اسے سنا اس کے لئے ایک ہزار دیناروں کے برابر ہو جائے گی جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، جس نے اسے لکھا اور اسے پی لیا تو اس کے پیٹ میں ہزار

---

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب القرأة عند الميت، جلد 2، صفحہ 89

2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 563، حدیث نمبر 42186

3۔ شعب الایمان للبیہقی، جلد 2، صفحہ 480، حدیث نمبر 2464

4۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی یس، جلد 2، صفحہ 112

دوائیاں، ہزار نور، ہزار یقین، ہزار رحمتیں، ہزار شفقتیں، ہزار ہدایتیں داخل کی جائیں گی اور اس سے ہر بیماری اور ہر گناہ، کھوٹ کو دور کر دیا جائے گا'' اسے ثعلبی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند روایت کیا ہے (1)۔

مسند دارمی میں شہر بن حوشب سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''جس نے صبح کے وقت سورۂ یٰسٓ پڑھی تو اسے شام تک آسانی دے دی جائے گی جس نے رات کے شروع میں اسے پڑھا تو اسے صبح تک رات کی آسانی دے دی جائے گی''۔

نحاس نے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت نقل کی ہے کہ ہر شے کا دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے جس نے دن کے وقت اسے پڑھا تو یہ اس کے کاموں کے لیے کافی ہو جائے گی جس نے رات کے وقت اسے پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

شہر بن حوشب نے کہا اہل جنت صرف سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ پڑھتے ہیں۔ دارمی نے ان تینوں روایات کو مرفوع نقل کیا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل یٰسٓ ہے جس نے اسے کسی رات میں پڑھا تو اسے اس رات کی آسانی دے دی جاتی ہے جس نے اسے دن کے وقت پڑھا تو اسے اس دن کی آسانی دے دی جائے گی، جنتیوں سے قرآن اٹھا لیا گیا ہے وہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ کے علاوہ کوئی چیز نہیں پڑھتے'' (2)۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے سورۂ یٰسٓ رات کے وقت پڑھی وہ صبح تک خوش خوش رہے گا جس نے صبح کے وقت اسے پڑھا تو وہ شام تک خوش خوش رہے گا (3)۔ جس نے اس کا تجربہ کیا تھا اس نے مجھے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ ثعلبی اور ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں عبدالاعلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں محمد بن صلت نے عمرو بن ثابت سے وہ محمد بن مروان سے وہ ابو جعفر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جس کے دل میں سختی ہو تو وہ زعفران سے کسی جام میں سورۂ یٰسٓ لکھے اور اسے پی لے۔

مجھے میرے والد نے انہوں نے اصرم بن حوشب سے وہ بقیہ بن ولید سے وہ معمر بن اشرف سے وہ حضرت محمد بن علی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا قرآن ہر چیز سے افضل ہے قرآن حکیم کی باقی کلاموں پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر فضیلت ہے، جس نے قرآن کی عزت کی اللہ تعالیٰ اسے عزتیں دے گا جس نے قرآن کی عزت نہ کی اللہ تعالیٰ اسے عزتوں سے نہیں نوازے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی حرمت اس طرح ہے جس طرح اولاد کے ہاں والد کی حرمت ہوتی ہے، قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 335　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 35　3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 445

شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایسا جھگڑا کرنے والا ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے قرآن جس کے حق میں شفاعت کرے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور جس کے حق میں جھگڑا کرے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ جو آدمی اسے امام بنائے قرآن اسے جنت کی طرف لے جاتا ہے اور جو اسے اپنے پیچھے رکھے وہ اسے جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن کے حاملین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گھرے ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا نور زیب تن کرایا جاتا ہے انہیں کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان لوگوں سے دوستی کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی جس نے ان سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عزت کر کے اس کی دعوت پر لبیک کہو اللہ تعالیٰ تمہاری محبت میں اضافہ فرمادے گا۔ اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنادے گا۔ قرآن سننے والے سے دنیا کی آزمائش دور کردے گا اور قرآن کی تلاوت کرنے والے سے آخرت کی آزمائش دور فرمادے گا جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت کو سنا تو یہ عمل عرش سے لے کر تحت الثری تک جو کچھ ہے، اس سے اس کے لیے بہتر ہوگا۔ کتاب اللہ میں ایک سورت ہے جسے عزیزہ کہتے ہیں قیامت کے دن اس کے پڑھنے والے کو شریف کے نام سے یاد کیا جائے گا اس کی تلاوت کرنے والے کی شفاعت ربیعہ اور مضر قبیلہ کے افراد سے زیادہ افراد کے حق میں قبول کی جائے گی وہ سورۂ یٰسٓ ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے جمعہ کی رات سورۂ یٰسٓ پڑھی تو وہ صبح اس حالت میں کرے گا کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہوگی''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو قبرستان میں داخل ہوا اس نے سورۂ یٰسٓ پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس روز اہل قبور سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا اور پڑھنے والے کے لیے اس کے حروف کی تعداد کے برابر نیکیاں ہونگی''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝

''اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں یقیناً آپ راہ راست پر ہیں نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم) عزیز (اور) رحیم نے''۔

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ یٰسٓ میں قراءت کی کئی صورتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور نسائی نے نون کو واو میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابو عمرو، اعمش اور حمزہ نے یٰسٓ کو نون کے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے عیسیٰ بن عمر نے یَسِنَ یعنی نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن ابی اسحاق اور نصر بن عاصم نے اسے نون کے کسرہ کی ساتھ پڑھا ہے۔ ہارون اعور اور محمد بن سمیقع نے یَسِنُ نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ پانچ قرائتیں ہیں۔ پہلی قراءت ادغام کے ساتھ ہے جس

طرح لغت عربیہ میں ضروری ہے کیونکہ نون کو واو میں مدغم کیا جاتا ہے جس نے ادغام کے بغیر پڑھا ہے اس نے کہا: حروف ہجاء کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر وقف کیا جائے ادغام تو درمیان کلام میں ہوتا ہے وقف پر نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے نصب کا ذکر کیا ہے اور نصب دو وجوہ سے ذکر کی ہے: (1) ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ مفعول ہے وہ اسے منصرف قرار نہیں دیتے کیونکہ اس کے نزدیک یہ عجمی لفظ ہے اور ہابیل کے قائم مقام ہے تقدیر کلام یہ ہے اذکر یٰسین سیبویہ نے اسے سورت کا نام بنا دیا ہے (2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مبنی بر فتحہ ہے جیسے کیف اور این ہے۔ جہاں تک کسرہ کا تعلق ہے فراء نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ عربوں کے قول: جیرِ افعل کے مشابہ ہے اس سورت میں یس قسم ہوگی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ امسِ، حَزامِ، ھولاءِ اور رقاشِ کے مشابہ ہے۔ جہاں تک اس کے مضموم ہونے کا تعلق ہے تو اس صورت میں یہ منذ، حیث اور قط کے مشابہ ہے اور منادی مفرد کے مشابہ ہے جب تو کہے: یا رجل جو آدمی اس پر وقف کرتا ہے ابن سمیقع اور ہارون نے کہا: اس کی تفسیر میں یا رجل کہا ہے، مناسب اس پر ضمہ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے کہا یہ سورت کا آغاز ہے تو اس کے لیے وقف کرنا اچھا ہے جس نے کہا: یٰسٓ کا معنی یا رجل تو اس پر وقف نہ کرے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اے انسان، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ (الصافات) کے بارے میں کہا یعنی آل محمد پر سلامتی ہو (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ سورت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اس کی دلیل اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ہے سید حمیری نے کہا:

یانفس لاتمحضی بالنُّصحِ جاهدةً عَلَى المودَّةِ إلا آلَ یاسینَ(2)

اے نفس! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے سوا کسی سے محبت کرنے میں نصیحت کو خالص نہ کر جبکہ تو کوشش کرنے والا ہو۔

ابوبکر وارق نے کہا: اس کا معنی ہے اے سید البشر! ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ امام مالک کا قول ہے، اشہب نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہا: جس نے آپ سے پوچھا کیا کسی کے لیے مناسب ہے کہ اپنا نام یاسین رکھ لے؟ فرمایا: میں تو اسے مناسب خیال نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ میرا نام یٰسٓ ہے ابن عربی نے کہا: یہ بہت عمدہ کلام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے رب کے اسماء میں سے ایسا نام رکھ لے جبکہ اس بندے میں اس کا معنی موجود ہو جس طرح عالم، قادر، سید اور متکلم ہے امام مالک نے یٰسین نام رکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے جس کا معنی معلوم نہیں بعض اوقات کوئی ایسا وصف ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہوتا ہے تو اس لیے یہ جائز نہیں کہ بندہ اس پر آگے بڑھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ (الصافات)

ہم اس کا جواب دیں گے: یہ حروف تہجی کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لیے اس کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے یہ یٰسٓ ایسا اسم ہے جس کے ہجے نہیں لکھے گئے؛ امام مالک نے اس کے بارے میں یہی گفتگو کی ہے کیونکہ اس میں اشکال موجود ہے؛ اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 341 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 445

بہتر جانتا ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز یاء اور سین کے ساتھ کیا ہے ان دونوں میں خیر ہی خیر ہے شروع کرنے والے کی اس پر راہنمائی کی گئی ہے کہ یہ سورت دل ہے اور دل جسم کا امیر ہے اسی طرح یٰسٓ تمام دوسری سورتوں کی امیر ہے تمام قرآن کے معانی پر مشتمل ہے۔

علماء نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا: یہ حبشہ کی لغت کا لفظ ہے۔ شعبی نے کہا: یہ بنوطی کی لغت کا لفظ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ بنوکلب کی لغت کا لفظ ہے۔ کلبی نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، عربوں نے اپنی زبان میں اسے استعمال کیا تو یہ ان کی لغت کا ایک لفظ بن گیا۔ یہ بحث سورۂ طٰہٰ اور کتاب کے مقدمہ میں مفصل گزر چکی ہے۔ قاضی عیاض نے یٰسٓ کے معنی کے متعلق مفسرین کے اقوال اچھی طرح بیان کیے ہیں ابو محمد مکی نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میرے، میرے رب کے ہاں دس نام ہیں ان میں سے طٰہٰ اور یٰسٓ کا ذکر کیا۔

میں نے کہا: ماوردی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں میرے سات ناموں کا ذکر کیا ہے محمد، احمد، طٰہٰ، یٰس، مزمل، مدثر اور عبداللہ (1)'' یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے اے سید! اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یٰس کا معنی ہے اے انسان! اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہے، کہا: یہ قسم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے؛ زجاج نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے محمد! ایک قول یہ کیا گیا: اے مرد! ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! ابن حنفیہ سے مروی ہے یٰسٓ سے مراد ہے اے محمد! کعب سے مروی ہے یٰسٓ سے مراد قسم ہے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم اٹھائی فرمایا: اے محمد! تو مرسلین میں سے ہے پھر فرمایا: وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو اس میں تعظیم کا پہلو موجود ہوگا اس پر دوسری قسم کا جو عطف کیا گیا ہے اس کے ساتھ پہلی قسم کو مؤکد کیا گیا ہے اگر یہ ندا کے معنی میں ہو تو اس کے بعد قسم اس لیے آئی ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر گواہی دی جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف وحی کی، آپ ایمان کے صراط مستقیم پر ہیں یعنی یہ ایسا راستہ ہے جس میں کوئی کمی نہیں اور حق سے کوئی اعراض نہیں۔ نقاشی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی رسالت کے لیے قسم نہیں اٹھائی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عظمت اور شرف کا اظہار ہے۔ یہ تعبیر اس کے مطابق ہے جس نے اس کی یہ تاویل کی یا سید کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں (2)'' ان کی گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 5
2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر فی سورۂ اسراء، جلد 2، صفحہ 143

قشیری نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: قریش کے کفار نے کہا تو مرسل نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری طرف مبعوث نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر فرمایا: آپ رسولوں میں سے ہیں۔ حکیم کا معنی محکم ہے یہاں تک کہ باطل اور تناقض لاحق نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (ہود: 1)

اسی طرح یہ قرآن نظم اور معنی میں محکم ہے اسے کوئی خلل لاحق نہیں ہوتا بعض اوقات لفظ حکیم اللہ تعالیٰ کے حق میں محکم کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہوتا ہے۔

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ یعنی دین مستقیم پر ہوتا ہے اس سے مراد اسلام ہے۔ زجاج نے کہا: اس سے مراد ہے آپ سابقہ انبیاء کے طریقہ پر ہیں۔ کہا: لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ان کی خبر ہے(1) اور عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دوسری خبر ہے یعنی آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنہیں استقامت پر بھیجا گیا تو اس صورت میں عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، الْمُرْسَلِيْنَ کا صلہ ہوگا، یعنی آپ ان رسولوں میں سے ہیں(2) جنہیں صراط مستقیم پر بھیجا گیا تھا؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ (شوریٰ) یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ ابن عامر، حفص، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی، اور خلف نے تنزیل پڑھا ہے یعنی یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یہ ہے۔ نزّل اللّٰہ ذالك تنزیلا(3) مصدر کو مضاف کیا تو وہ معرفہ ہوگیا جس طرح یہ قول ہے: فَضَرْبَ الرِّقَابِ (محمد: 4) یہ اصل میں ضرب بالله قاب تھا باقی قراء نے تنزیل کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو گی تقدیر کلام یہ ہوگی ھو تنزیل یا تقدیر یہ ہوگی الذی انزل الیك تنزیل العزیز الرحیم(4)۔ اس نقطہ لطیفہ کو محفوظ کرلو۔ اسے تنزیلِ کر کے بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ قرآن سے بدل ہوگا اور تنزیل قرآن کی طرف لوٹے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹ رہا ہے معنی یہ بنے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولوں میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عزیز و رحیم کی تنزیل ہیں، اس صورت میں تنزیل، ارسال کے معنی میں ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا (الطلاق) یہ جملہ بولا جاتا ہے: أرسل اللہ المطر و انزلہ۔ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کی۔ جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولوں میں سے ہیں جسے عزیز و رحیم کی جانب سے بھیجا گیا ہے الْعَزِيْزِ یعنی اپنے مخالف سے انتقام لینے والا۔ الرَّحِيْمِ اہل اطاعت پر رحیم ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝

''تا کہ آپ ڈرا سکیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لیے وہ غافل

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 272 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ہیں۔ بے شک (ان کے پیہم کفر و عناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں''۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ اکثر علماء تفسیر کے نزدیک ما کا اعراب میں کوئی محل نہیں، ان میں سے قتادہ بھی ہیں کیونکہ یہ نافیہ ہے(1) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جسے آپ سے قبل کسی ڈرانے والے نے نہیں ڈرایا، یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: ما اور فعل مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوئی لتنذر قوما ما انذار آبائهم۔ ایک قول یہ کیا گیا: ما، الذی کے معنی میں ہے(2) معنی یہ ہوگا آپ انہیں ڈرائیں جس طرح ان کے آبا کو ڈرایا گیا۔ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ عربوں کو تواتر سے انبیاء کی خبریں پہنچی ہوں معنی یہ ہوگا انہیں میں سے کسی رسول میں سے انہیں نہ ڈرایا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ انہیں خبر تو پہنچی ہو لیکن انہوں نے غفلت کی ہو، اعراض کیا ہو اور وہ بھول گئے ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس قوم کو خطاب ہو جن تک کسی نبی کی خبر نہ پہنچی ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ۝ (سبا) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (القصص) یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ جس نے یہ کہا ان تک انبیاء کی خبریں پہنچیں تو اس کا معنی ہوگا وہ اب اعراض کرنے والے ہیں اس سے جان بوجھ کر غافل بنتے ہیں۔ جو آدمی کسی چیز سے اعراض کرتا ہے اسے غافل کہتے ہیں: ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے غافل ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی ان میں سے اکثر پر عذاب ثابت ہو چکا ہے وہ آپ کے خبردار کرنے پر ایمان نہیں لائیں گے یہ پھر ان لوگوں کے بارے میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی تھا کہ وہ کفر پر مریں گے(3)۔ پھر انہوں نے جو ایمان ترک کیا اس کا سبب ذکر کیا فرمایا: اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت ابو جہل بن ہشام اور اس کے دو مخزومی ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اس کی وجہ یہ بنی، ابو جہل نے قسم اٹھائی اگر اس نے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ان کا سر پتھر سے کچل دے گا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ مارنے کے لیے گیا، پتھر اٹھایا، جب پتھر مارنے کا قصد کیا تو اس کا ہاتھ گردن کی طرف لوٹ آیا اور پتھر اس کی گردن کے ساتھ چمٹ گیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو جو کچھ دیکھا وہ بتایا۔ ایک آدمی جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا اس نے کہا: میں اس کا سر کچل دوں گا۔ وہ پتھر مارنے کے لیے آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سن رہا تھا مگر دیکھتا نہیں تھا وہ اپنے ساتھیوں کی

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 272 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 6-5، صفحہ 273

طرف لوٹا مگر اپنے ساتھی بھی نظر نہیں آئے یہاں تک کہ انہوں نے اسے ندا دی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسے دیکھا نہیں، اس کی آواز سنی ہے۔ تیسرے نے کہا: میں اس کا سر پیس دوں گا پھر پتھر اٹھایا وہ چلا پھر پچھلے پاؤں واپس پلٹا یہاں تک کہ اپنی گدی کے بل گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا اسے کہا گیا: تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرا معاملہ بڑا عظیم ہے میں نے اسے دیکھا جب میں اس کے قریب ہوا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نر اونٹ اپنی دنب ہلا رہا ہے میں نے اس جیسا بڑا نر کبھی بھی نہیں دیکھا وہ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا لات و عزی کی قسم! اگر میں اس کے قریب ہوتا تو وہ مجھے کھا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے یوں پڑھا ہے انا جعلنا فی ایمانھم۔ زجاج سے اسے انا جعلنا فی ایدیھم پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت تفسیر ہے۔ مصحف کے برعکس قراءت نہیں کی جائے گی جماعت کی قراءت میں کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی انا جعلنا فی أعناقھم و فی أیدیھم أغلالا فھی إلی الأذقان عرب اس قسم کے الفاظ کو حذف کر دیتے ہیں اس کی مثل سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) تقدیر کلام یہ ہوگی وسرابیل تقیکم العبرد تو اس کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ جو چیز گرمی سے بچاتی ہے وہ سردی سے بچاتی ہے کیونکہ طوق جب گردن میں ہوتا ہے تو لازماً ہاتھ میں ہوتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ اس سے مراد ہاتھ ہیں پس وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوں گے وہ انہیں نیچے کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ جس کا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو اس کا سر بلند ہوتا ہے۔

عبد اللہ بن یحییٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے انہیں الاقماح کا طریقہ بتایا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی داڑھی کے نیچے رکھا دونوں کو ساتھ چمٹایا اور اپنے سر کو اوپر اٹھایا(1)۔ اس لفظ کے معنی کی تعبیر میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں سے یہ ذی شان ہے، یہ معنی اس چیز سے ماخوذ ہے جو اصمعی نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اقحمت الدابۃ جب تو اس کی لگام کو کھینچے تا کہ اپنے سر کو اوپر اٹھائے۔ نحاس نے کہا: قاف، کاف سے بدلا ہوا ہے کیونکہ یہ اس کا قریبی لفظ ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: قھرتہ، کھرتہ۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اکمحت الدابۃ۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کی لگام کھینچے یہاں تک کہ وہ اپنا سر اوپر اٹھا لے، اسی معنی میں یہ قول ہے: والراس مکمح سر اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ جملے بولے جاتے ہیں اکمحتھا، اکفحتھا اور کبحتھا۔ سب کا معنی ایک ہے کبحتھا باب افعال کے وزن پر نہیں، اصمعی سے یہ بھی مروی ہے قمح البعیر قموحا جب اونٹ حوض پر اپنے سر کو اٹھا لے اور وہ پانی پینے سے رک جائے، اسی سے بعیر قامح اور قمح ہے یہ بھی جملہ بولا جاتا ہے: شرب فتقمح وانقمح دونوں کا معنی ایک ہے جب وہ اپنا سر اٹھا لے اور سیراب ہونے کی وجہ سے پانی پینے سے رک جائے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد قامحت إبلك جب وہ پانی پر وارد ہو اور پانی نہ پیئے اس نے اپنا سر کسی بیماری کی وجہ سے اٹھا لیا یا سردی کی وجہ سے ایسا کیا اس کے ساتھ یوں صفت بھی ذکر کی جاتی ہے ابل مقامحۃ، بعیر مقامح، ناقۃ مقامح اس کی جمع خلاف قیاس قماح آتی ہے؛ بشر کشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

ونحن علی جَوانبھا تُعُودٌ نَغُض الطرفَ کالإبل القِمَاحِ(2)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 447 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 8

''ہم کشتی کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے ہم آنکھیں بند کئے ہوئے تھے جس طرح وہ اونٹ آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو پانی پینے سے رک جاتے ہیں''۔ اقماح کا معنی سر اٹھانا اور آنکھیں بند کرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقمحہ الغلُّ جب وہ تنگی کی وجہ سے اپنا سر اوپر کو اٹھا لے، شہر قماح ایسا مہینہ جس میں سخت سردی ہوتی ہے وہ دونوں دسمبر اور جنوری ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اونٹ جب پانی پر وارد ہوتا ہے تو پانی کی ٹھنڈک اسے اذیت دیتی ہے تو وہ اپنا سر اوپر کو اٹھا لیتا ہے اسی سے ایک جملہ قمحت السویق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمائی ہے کہ وہ ہدایت سے یوں رکے ہوئے ہیں جس طرح وہ آدمی رکا ہوتا ہے جس کے گلے میں طوق ڈالا گیا ہو؛ یہ یحییٰ بن سلام اور ابو عبیدہ نے کہا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان حمار یعنی وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لھم عن الرشد اغلال واقیاد

ہدایت پانے میں انہیں طوق اور بیڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ذؤیب دور جاہلیت میں ایک عورت سے محبت کرتے تھے جب وہ مسلمان ہو گئے تو اس عورت نے انہیں بہلانا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے:

فلیس کعھدِ الدار یا أم مَالكِ ولكن أحاطت بالرقاب السلاسل

وعاد الفتی كالكهلِ لیس بقائلٍ سِوى العدل شیأ فاستراح العوذِلُ

انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا کہ اسلام کے احکام نے ہمیں بدکاری اور فسق سے روک دیا ہے۔ فراء نے بھی یہی کہا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہمیں روک دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ (الاسراء: 29) یہ ضحاک کا قول بھی ہے

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حق کو قبول کرنے سے تکبر میں اس طرح ہو گئے ہیں جس طرح وہ آدمی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں طوق ہے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہو وہ ہمہ وقت سر اٹھائے ہی رہتا ہے وہ اسے جھکا نہیں سکتا وہ اپنی آنکھ بند رکھتا ہے وہ اسے کھولتا نہیں۔ متکبر کی صفت بھی اسی چیز کے ساتھ لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنی گردن کھڑی کئے ہوئے ہے۔ ازہری نے کہا: جب ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں تو ان طوقوں نے ان کی ٹھوڑیوں کو اوپر اٹھا دیا جبکہ ان کے سر سیدھے کھڑے ہیں جس طرح وہ اونٹ ہوتے ہیں جو اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں یہ رکاوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ ایک قوم کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے سزا کے طور پر توفیق سلب کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا جائے گا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور بیڑیاں ہونگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ (غافر: 71) ماضی کے لفظ کے ساتھ اسے تعبیر فرمایا یعنی فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا۔ مُقْمَحُوْنَ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: مُقْمَحُوْنَ کا معنی ہے انہیں ہر بھلائی سے روک دیا گیا ہے۔

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝

''اور ہم نے بنادی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو صرف اس کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمٰن سے بن دیکھے پس مژدہ سنایئے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا''۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا مقاتل نے کہا: جب ابوجہل اپنے ساتھیوں کے پاس گیا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ پایا تھا اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا تو بنی مخزوم کے ایک اور آدمی نے پتھر اٹھایا اور کہا: میں اسے اس پتھر کے ساتھ قتل کروں گا جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو بے نور کر دیا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا تو وہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ ساتھیوں نے اسے ندا دی؛ آیت کا یہ معنی ہے۔

محمد بن اسحاق نے اپنی روایت میں کہا: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے ابوجہل اور امیہ بن خلف بیٹھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاڑ میں تھے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچا سکیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف نکلے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ یس پڑھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں مٹی بھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف وہ مٹی پھینکی اور پڑھا وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا انہوں نے سر نیچے کر لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزر گئے۔ سورۂ سبحان میں اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے سورۂ کہف میں سَدًّا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ سدا سین کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یہ دونوں اس کی لغتیں ہیں۔

فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور یحییٰ بن نعیم نے اسے فاعشیناھم پڑھا ہے(1)۔ یہ عشا سے عین کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے اس کی نظر کمزور ہے وہ رات کو نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر نے کہا:

متی تاتہ تعشوالی ضور نارہ

جب تو اس کے پاس آتا ہے تو تو اس کی آگ کی روشنی سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ (الزخرف:36) دونوں الفاظ کے معنی قریب قریب ہیں معنی ہے ہم نے انہیں اندھا کر دیا جس طرح شاعر نے کہا:

ومن الحوادثِ لا أَبَالَكَ أَنَّنی ضُرِبَتْ علی الأرض بالأَسْدَادِ

---

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 274

لا أهتدی فیها لموضع تَلْعَةٍ بین العُذَیْبِ وبینَ أرضِ مُرَادِ

تیرا باپ نہ رہے حوادثات زمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ مجھ پر زمین پہاڑوں کے ساتھ پھینک دی گئی ہے ان میں میں عذیب اور مراد کے علاقہ کے درمیان تلعۃ کی جگہ کو نہیں پاتا۔

وہ ہدایت کو نہیں دیکھ سکتے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ ضحاک نے کہا: آیت میں مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا سے مراد دنیا ہے اور وَّمِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا سے مراد آخرت ہے یعنی وہ دوبارہ اٹھائے جانے سے اندھے ہو گئے اور دنیا میں شرائع کو قبول کرنے سے اندھے ہو گئے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَیَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوۡا لَهُمۡ مَّا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ (حم سجدہ: 25) یعنی ان شیطانوں نے ان کے لیے دنیا کو مزین کیا اور آخرت کو جھٹلانے کی دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا: مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا سے مراد ہے دنیا کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا ہونا اور مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا سے مراد آخرت کو جھٹلانا۔ ایک قول کیا گیا ہے: مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سے مراد آخرت ہے اور مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سے مراد دنیا ہے۔

وَ سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۞ سورۂ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ آیت قدریہ اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔

ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے غیلان قدری کو طلب کیا پوچھا: اے غیلان! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو تقدیر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! لوگ مجھ پر جھوٹ بولتے ہیں پھر کہا: اے امیر المومنین! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آپ نے نہیں دیکھا: اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ٭ نَّبۡتَلِیۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ۞ اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوۡرًا ۞ (الدہر) حضرت عمر بن عبد العزیز نے ارشاد فرمایا: اے غیلان! آگے پڑھو یہاں تک کہ اس نے فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیۡلًا ۞ (المزمل) تک پڑھا۔ فرمایا: آگے پڑھو تو اس نے وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الدہر: 30) تک پڑھا کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! میں جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اے غیلان! سورۂ یٰس کا ابتدائی حصہ پڑھو تو اس نے پڑھا یہاں تک کہ وہ اس حد تک پہنچا وَ سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۞ غیلان نے کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! گویا میں نے اس سے قبل کبھی بھی اسے نہیں پڑھا، اے امیر المومنین! گواہ رہیے میں توبہ تائب ہوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس پر نظر رحمت فرما اور اسے ثابت قدم رکھ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اس آدمی کو مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے مومنوں کے لیے نشانی بنا دے۔ ہشام نے اسے پکڑ لیا اور غیلان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ ابن عون نے کہا: میں نے اسے دمشق کے دروازے پر سولی پر لٹکا ہوا دیکھا ہم نے اس سے پوچھا: اے غیلان! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے ایک صالح شخص حضرت عمر بن عبد العزیز کی بددعا لگی ہے۔ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّ اَجۡرٍ كَرِیۡمٍ ۞

ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی اس پر عمل کیا۔ بِالْغَيْبِ سے مراد جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آگ سے غائب ہوا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہوئے اور تنہا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے گناہ کی بخشش اور جنت کی بشارت دیجئے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ۣ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

"بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں ان کے اعمال کو جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں"۔

(1) اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے مقصود کافروں کا رد ہے۔ ضحاک اور حسن نے کہا: ہم انہیں جہالت کے بعد ایمان کے ساتھ زندہ کرتے ہیں (1)۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے ہم جزا کے لیے بعث کے ساتھ انہیں زندہ کریں گے پھر تمام اعمال لکھنے کے ساتھ انہیں دھمکی دی۔

(2) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا شمار کیے ہوئے ہے اور انسان جو کچھ کرتا ہے اسے شمار کیے ہوئے ہے۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس نے جو عمل کیا۔ مجاہد اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿۵﴾ (الانفطار) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾ (القیامۃ: 13) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر: 18) انسان کے اعمال جو باقی رہیں گے اور جنہیں ذکر کیا جائے گا خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں اس پر انہیں بدلا دیا جائے گا اچھا عمل جیسے علم جس کی اس نے تعلیم دی، جیسے کتاب جو اس نے تصنیف کی، وقف جو اس نے وقف کیا یا ایسی عمارت جو انہوں نے بنائی وہ مسجد ہو، سرائے اور پل وغیرہ۔ یا برا عمل ہو جس طرح کوئی ایسا ٹیکس ہو جو کسی ظالم حکمران نے مسلمانوں پر لگایا ہو یا ایسی گلی جو اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی ہو یا کوئی ایسی چیز جو اس نے مسلمانوں کو ذکر سے روکنے کے لیے بنائی ہو جس طرح گانے بجانے کے مراکز، لہو ولعب کے میدان اسی طرح ہر اچھی سنت اور بری سنت جس پر عمل کیا جاتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو مسجد کی طرف پیدل آنے والوں کے قدموں سے بنتے ہیں؛ اس آیت کا یہی معنی حضرت عمر، حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان کیا ہے (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ وَ اٰثَارَهُمْ کا معنی ہے مساجد کی طرف جاتے ہوئے ان کے قدم۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے ان سب میں سے یہ بہترین معنی ہے کیونکہ نحاس نے کہا: یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انصار کے مکانات مسجد سے دور تھے ایک حدیث مرفوع میں ہے: يكتب له برجل حسنة وتحط

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 343

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ باب الابعد فالابعد من المسجد اعظم اجرا، حدیث نمبر 776، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عنه برجل سيئة ذاهبا و راجعا إذا خرج إلى مسجد ایک قوم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک قدم پر ایک برائی مٹادی جاتی ہے یہ صورت مسجد آتے اور جاتے ہوئے ہوتی ہے جب وہ مسجد کی طرف نکلے۔

میں کہتا ہوں: ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنوسلمہ مدینہ طیبہ کی ایک جانب رہتے تھے انہوں نے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں'' تو وہ مسجد کے قریب منتقل نہ ہوئے (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے اور ثوری سے مروی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنوسلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آ جائیں جگہ بھی خالی تھی، یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو ارشاد فرمایا: ''اے بنوسلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں'' انہوں نے کہا: ہم منتقل ہوتے تو یہ چیز ہمیں خوش نہ کرتی (2)۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت انس بن مالک کے ساتھ نماز کی طرف نکلا تو میں نے جلدی کی تو انہوں نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہوگئی تو کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہوگئی تو فرمایا: ''کیا تو نہیں جانتا کہ یہ قدم لکھے جاتے ہیں (3)'' آیت کا مصداق بھی یہی ہے۔

قتادہ، مجاہد اور حسن بصری نے کہا: اس آیت میں آثار سے مراد قدم ہیں۔ ثعلبی نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آثار سے مراد جمعہ کی طرف جانے والے قدم ہیں (4)۔ آثار کا واحد اثر ہے اسے اثر بھی کہتے ہیں۔

(3) یہ احادیث جو آیات کی تفسیر بیان کرتی ہیں ان میں اس امر پر دلیل ہے کہ مسجد سے دوری افضل ہے۔ اگر کوئی آدمی مسجد کے پڑوس میں ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسجد سے دور چلا جائے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ قضائے حاجت کی جگہ دور اختیار کرے۔ دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ جو آدمی مسجد سے جتنا دور ہوگا اس کا اجر اتنا ہی بڑا ہوگا حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے اسے مکروہ جانا ہے کہا: وہ مسجد کے پڑوس کو نہ چھوڑے کیونکہ کوئی دوسرا آ جائے گا؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ اپنی مسجد کو چھوڑ کر بڑی مسجد میں جانے میں دو قول ہیں: (1) ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کا اپنے گھر کے قریب والی مسجد میں نماز ایک نماز ہے اور قبائل کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازیں ہیں اور وہ نماز جو جامع مسجد میں پڑھی جائے وہ پانچ سو نمازیں ہیں'' (5)۔

(4) دیارکم، اغراء کے طریقہ پر منصوب ہے یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو۔ تُكْتَبُ امر کے جواب کے طور پر مجزوم ہے۔ كُلَّ کا لفظ فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے جس پر اَحْصَيْنٰهُ دلالت کرتا ہے گویا کلام یوں ہے وأحصينا كل شئ

---

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۂ یٰسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ، جلد 1، صفحہ 235

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 448

4۔ ایضاً

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیہا، باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی المسجد الجامع، جلد 1، صفحہ 103

احصیناہ۔ اسے مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مبتدا بن سکتا ہے تاہم نصب دینا بہتر ہے تاکہ فعل جس پر عمل کر رہا ہے اس کا اس پر عطف کیا جائے جس پر فعل نے عمل کیا؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا قول ہے۔ الامام سے مراد وہ کتاب ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے وہ حجت ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ابن فرید نے کہا: امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اس سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّاۤ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

''اور بیان فرمایئے ان کے سمجھانے کے لیے مثال اس گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں ہمارے رسول۔ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی انہیں ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے انہیں کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بستی والوں نے کہا: نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند اور نہیں اتاری رحمن نے کوئی چیز، نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ پیغام حق کھول کر پہنچا دیں۔ وہ کہنے لگے: ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں دردناک عذاب۔ رسولوں نے کہا: تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو حیرت ہے اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو''۔

خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے سامنے اصحاب قریہ کا واقعہ بیان کریں (1)۔ ماوردی نے بیان کیا ہے کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس بستی سے مراد انطاکیہ ہے یہ اہل انطیس کی طرف منسوب ہے یہ اس آدمی کا نام ہے جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا جب اسے عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس میں تبدیلی کر دی گئی؛ یہ قول امام سہیلی نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں ایک لفظ یہ بھی ہے ان تاکیہ یعنی طاء کی جگہ تاء ہے وہاں ایک بادشاہ تھا جسے انطیخس بن انطیخس کہا جاتا، وہ بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ابوجعفر نے اسے کعب اور وہب سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسولوں کو بھیجا وہ حضرت صادق، حضرت مصدوق اور حضرت شمعون تھے شمعون ہی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 10

تیسرا تھا؛ یہ طبری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ حضرت شمعون اور حضرت یوحنا تھے۔ نقاش نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت شمعون اور حضرت یحییٰ تھے دونوں نے حضرت صادق اور حضرت مصدوق کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مثلاً اور اصحاب قریہ، اضرب کے دونوں مفعول ہوں یا اصحاب قریہ، مثلاً سے بدل ہو تقدیر کلام یوں ہوگی اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ ان مشرکین کو اس عذاب سے ڈرائیں کہ ان مشرکوں پر وہ عذاب نازل ہوسکتا ہے جو اس بستی کے کفار پر نازل ہوا تھا جن کی طرف تین رسول بھیجے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسل من الله، مبتدا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان تین افراد کو انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا تا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بھیجنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے انہیں بھیجا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا تو لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے دونوں کو مارا اور دونوں کو قیدی بنالیا تو ہم نے تیسرے کے ساتھ انہیں قوت بخشی اور تیسرے کے ساتھ رسالت کو پختہ کیا۔

ابو بکر نے عاصم سے یہ قراءت نقل کی ہے فعززنا بثالث جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے قوت بخشی اور مضبوط کیا اس حساب سے دونوں قرائتیں ایک معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تخفیف کی صورت میں یہ غلبنا اور قہرنا کے معنی میں ہے اس معنی میں ہے وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ (ص) تشدید قوینا اور کثرنا کے معنی میں ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے متلمس کے لیے شعر پڑھا:

أُجُدُّ إذا رَحَلَت تَعَزَّزَ لَحْمُها وإذا تُشَدِّ بنسعها لا تَبْبِسُ

قصہ میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف دو قاصد بھیجے وہ ایک بوڑھے کو ملے جو اپنی بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا وہ حبیب نجار صاحب یس تھا دونوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں ہم تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اس نے دونوں سے معجزہ طلب کیا دونوں نے کہا: ہم مریض کو شفاء دیتے ہیں۔ اس حبیب نجار کا ایک بیٹا مجنون تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ بستر پر مریض پڑا تھا دونوں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اللہ کے حکم سے صحیح وسالم اٹھ کھڑا ہوا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہی وہ آدمی تھا جو شہر کے دور دراز علاقہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا اس نے دونوں کے امر کو ظاہر کر دیا دونوں نے بہت سے لوگوں کو شفا عطا فرمائی۔

بادشاہ نے دونوں کو بلا بھیجا جبکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتا تھا تا کہ دونوں کے احوال کو سمجھے دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا: تمہاری نشانی کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادرزاد اندھوں، کوڑھ کے مریضوں کو اور دوسرے مریضوں کو اللہ کے حکم سے درست کرتے ہیں اور ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں بادشاہ نے ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ وہب نے کہا: بادشاہ نے دونوں کو گرفتار کرلیا اور دونوں کو سو کوڑے مارے یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے تیسرے قاصد کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ شمعون صفا تھا جو حواریوں کا سردار تھا دونوں کی

مدد کے لئے اسے بھیجا اس نے بادشاہ کے ہم نشین کے ساتھ راہ و رسم پیدا کیے یہاں تک کہ وہ ان کے ہاں ذیشان ہو گیا اور وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے انہوں نے اس کی بات بادشاہ تک پہنچائی وہ بھی اس سے مانوس ہو گیا پھر ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے ان دو افراد کو قید کر رکھا ہے جنہوں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تھی کاش! تو ان سے پوچھتا اس کا پس منظر کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا: غصہ میرے اور ان کے سوال کے درمیان غالب آ گیا تھا اس آدمی نے کہا: کاش! تو انہیں حاضر ہونے کا حکم دیتا؟ اس نے ایسا ہی کیا شمعون نے دونوں سے کہا: تم جو دعویٰ کرتے ہو اس پر دلیل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادر زاد اندھوں کو اور برص کے مریضوں کو شفایاب کرتے ہیں۔ ایک ایسا لڑکا لایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان ہی نہ تھے اس کی آنکھوں کی جگہ ایسی تھی جس طرح پیشانی ہوتی ہے دونوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی تو آنکھ کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے ڈھیلے لیے اور اس کے رخسار پر رکھ دیئے تو دونوں اس کی آنکھیں بن گئیں جن کے ساتھ وہ دیکھنے لگا۔ بادشاہ متعجب ہوا اس نے کہا: یہاں ایک لڑکا ہے جو سات دن پہلے فوت ہو گیا ہے میں نے اسے دفن نہیں کیا یہاں تک کہ اس کا باپ آئے کہا: کیا تمہارا رب اسے زندہ کر سکتا ہے؟ دونوں نے اعلانیہ دعا کی اور شمعون نے آہستہ دعا کی وہ مردہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: میں سات دن پہلے مر گیا تھا مجھے مشرک کی حیثیت سے پایا گیا مجھے آگ کی سات وادیوں میں داخل کیا گیا جس حالت پر ہوں اس سے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں پھر آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تو میں نے ایک خوبصورت چہرے والے جوان کو دیکھا جو ان تین افراد کے حق مین سفارش کر رہا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ شمعون بھی انہیں کا ساتھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں یہ ان سے افضل ہے۔ شمعون نے لوگوں کو بتایا کہ اسے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف بھیجا تھا اس کی گفتگو بادشاہ پر اثر انداز ہوئی اس نے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی بادشاہ بے شمار لوگوں کے ساتھ مومن ہو گیا اور دوسرے بے شمار لوگوں نے کفر اختیار کیا۔

قشیری نے یہ ذکر کیا ہے کہ بادشاہ تو ایمان لے آیا تھا لیکن اس کی قوم مومن نہ ہوئی تھی، حضرت جبریل امین نے ایک چیخ ماری تو باقی ماندہ سب کافر مر گئے۔

یہ روایت کی گئی ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس بستی کی طرف جائیں تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم ان لوگوں کی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی تو اسی جگہ پر سو گئے وہ نیند سے اٹھے تو فرشتوں نے انہیں اٹھایا اور انطاکیہ میں جا پہنچایا تو ان میں سے ہر ایک ان کی زبان میں بات کر رہا تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرۃ: 87) کا یہی مفہوم ہے سب نے کہا: ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا: تم تو محض ہماری طرح انسان ہو تم کھانا کھاتے ہو اور بازاروں میں چلتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نازل نہیں کی جس کے ساتھ وہ حکم دے یا منع کرے تم تو اپنی رسالت کے دعویٰ میں جھوٹ بولتے ہو، رسولوں نے کہا: ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ

ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اگر چہ تم ہمیں جھٹلاؤ ہمارے ذمے تو یہ پیغام پہنچانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ لوگوں نے ان سے کہا: ہم نے تم سے فال بدلیا۔ مقاتل نے کہا: تین سال تک ان سے بارش روک لی گئی۔ لوگوں نے کہا: یہ تمہاری نحوست ہے۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: دس سال تک انہیں ڈراتے رہے لوگوں نے کہا: اگر تم ہمیں ڈرانے سے نہ رکے تو ہم تمہیں رجم کر دیں گے۔ فراء نے کہا: ہم تمہیں قتل کر دیں گے (1)۔ کہا: قرآن حکیم میں رجم سے مراد قتل کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد پتھر مار مار کر مار ڈالنا ہے۔ ایک قول یہ ہے: کہا گیا ہے اس کا معنی ہے ہم تمہیں گالیاں دیں گے۔ سب بحث پہلے گزر چکی ہے۔

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۞ سے مراد قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تکلیف دہ عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد قتل سے قبل تکلیف دہ عذاب ہے جیسے کھال اتارنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی پر لٹکانا۔ رسولوں نے کہا: خیر اور شر میں سے حصہ تمہارا ہے اور تمہاری گردنوں میں لٹکا ہوا ہے وہ سب کچھ ہماری نحوست کی وجہ سے نہیں؛ یہ معنی ضحاک نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا رزق اور تمہارا عمل ہے، معنی ایک ہی ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے اطّیرکم پڑھا ہے جو تطیرکم کے معنی میں ہے ائن ذکرتم قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہوگی ان ذکرتم تطیرتم اس میں نو قرائتیں ہیں۔ اہل مدینہ نے اسے أین ذکرتم یعنی دوسرے ہمزہ میں تخفیف ہے اہل کوفہ نے أان دونوں ہمزوں کو ثابت رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں ہمزوں کے درمیان الف فاصل ہے کیونکہ دو ہمزوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے ہمزہ کے بعد الف ہے اور الف کے بعد ہمزہ مخففہ ہے۔ پانچویں صورت دو مفتوح ہمزوں کے درمیان الف ہے۔ چھٹی صورت یہ ہے دونوں مفتوح ہمزوں کو ثابت رکھا گیا ہے۔ فراء نے کہا: یہ قراءت ابورزین کی قراءت ہے۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اسے زر بن حبیش اور ابن سمیقع سے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں اس کی قراءت کی قالوا طائرکم معکم اَیْنَ ذکرتم، این جوحیث کے معنی میں ہے۔ یزید بن تعقاع، حسن بصری اور طلحہ نے کہا: ذُکِرتم تخفیف کے ساتھ ہے۔ نحاس نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں۔ مہدوی نے طلحہ بن مصرف اور عیسیٰ ہمدانی سے نقل کیا ہے آن ذکرتم یعنی مد کے ساتھ اسے پڑھا ہے کہ ہمزہ استفہام، ہمزہ مفتوحہ پر داخل ہوا ہے ماجشون نے کہا: ان ذکرتم ایک ہمزہ مفتوح کے ساتھ ہے، یہ نو قرائتیں ہیں۔ ابن ہرمز نے اسے طَیْرُکُمْ مَعَکم، أَئِن ذُکِّرتم پڑھا ہے کیونکہ انہیں نصیحت کی گئی، یہ نیا کلام ہے یعنی اگر تمہیں نصیحت کی جائے تو تم فال پکڑنے لگتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس وقت فال بدلیا جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو دعوت دی تو انہوں نے وہ دعوت قبول نہ کی ان کا انجام ہلاکت ہے۔

قتادہ نے کہا: تم فال پکڑنے میں اسراف سے کام لینے والے ہو۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: تم اپنے کفر میں اسراف کرنے والے ہو۔ ابن بحر نے کہا: سرف سے یہاں مراد فساد ہے اس کا معنی ہے بلکہ تم لوگ فسادی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تم مشرک ہو (2)۔ اسراف کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے مشرک بھی حد سے تجاوز کرتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 276     2۔ ایضاً

وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْــٴَـلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْــٴًـا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

''دریں اثناء آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا اس نے کہا: اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی پیروی کروان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں بنالوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ ہرگز نہیں اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔ (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر پس میرا اعلان سن لو۔ حکم ہوا: جا جنت میں داخل ہو جا، وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس کی شہادت کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے''۔

رَجُلٌ سے مراد حبیب بن مری ہے وہ بڑھئی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسکاف (جوتا) بنانے والا تھا۔ ایک قول کیا گیا: وہ دھوبی تھا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور مقاتل نے کہا: وہ حبیب بن اسماعیل نجار تھا وہ بت تراشا کرتا تھا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جبکہ درمیان میں چھ سو سال کا عرصہ ہے جس طرح تبع اکبر ورقہ بن نوفل اور دوسرے لوگ ایمان لائے کوئی فرد کسی نبی پر ایمان نہیں لایا تھا مگر اس وقت جب وہ نبی ظاہر ہو چکا تھا (1)۔

وہب نے کہا: حبیب کو جزام کا مرض تھا اس کا گھر شہر کے دروازوں میں سے آخری دروازے کے پاس تھا وہ ستر سال تک بتوں کی عبادت میں مصروف رہا اور دعا کرتا رہا ممکن ہے وہ بت اس پر رحم کریں اور اس کی تکلیف رفع کر دیں تو بتوں نے اس کی کوئی دعا قبول نہ کی۔ جب قاصدوں نے اسے دیکھا تو اسے اللہ کی طرف دعوت دی تو اس نے پوچھا: کوئی نشانی بھی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 10

ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم قادر رب کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو جو تکلیف تجھے لاحق ہے اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دور کر دے گا پوچھا: وہ ایک دن میں کیسے اس تکلیف کو دور فرما دے گا؟ انہوں نے کہا: ہاں ہمارا رب جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے، یہ بت تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان کر سکتے ہیں۔ وہ ایمان لے آیا۔ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تکلیف کو رفع کر دیا گویا اسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں پھر وہ اپنی کمائی کی طرف متوجہ ہوا جب اس نے شام کی تو اپنی کمائی کو صدقہ کر دیا اس نے نصف اپنے عیال کو کھلایا اور نصف صدقہ کیا۔ جب اس کی قوم نے قاصدوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا: بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو۔ قتادہ نے کہا: وہ ایک غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا جب اس نے بھیجے گئے افراد کے بارے میں سنا تو وہ دوڑتا ہوا آیا تو اس نے بھیجے گئے افراد سے کہا: تم جو کچھ لائے ہو اس پر اجر بھی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اسے ان کی صداقت کا یقین ہو گیا اور وہ ان پر ایمان لے آیا اور اپنی قوم کی طرف اس قول کے ساتھ متوجہ ہوا: اے میری قوم! ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، ان کی اتباع کرو جو کوئی اجر طلب نہیں کرتے اگر یہ جھوٹے ہوتے تو تم سے اجر طلب کرتے، وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

قتادہ نے کہا: اس کی قوم نے پوچھا: تو ان لوگوں کے دین پر ہے؟ تو جواب دیا: مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں اس کی اتباع نہ کروں کیونکہ تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ ان کے خلاف اس کی طرف سے حجت قائم کرنا تھا۔

فطرت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر نعمت ہے جو شکر اور دوبارہ اٹھائے جانے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہ وعید ہے جو اجر کا تقاضا کرتی ہے گویا نعمت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا یہ شکر کو زیادہ نمایاں کرنے والا ہے اور دوبارہ اٹھائے جانے کو کافر کی طرف منسوب کرنا شر میں زیادہ بلیغ ہے(1)۔

**اٰلِهَةً** سے مراد بت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے یعنی جو اسے بیماری لگی ہے تو ان بتوں کی شفاعت کچھ نفع نہ دے گی اور وہ مجھے آزمائش سے چھٹکارا نہ دلا سکیں گے اور میں ایسا کروں تو میں واضح خسارے میں ہوں گا، میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے گواہ بن جاؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے بھیجے گئے افراد سے خطاب کیا کہ وہ انکے رب پر ایمان لے آیا ہے۔ اور **فَاسْمَعُوْنِ** کا معنی ہے تم میرے ایمان لانے پر گواہ بن جاؤ۔ کعب اور وہب نے کہا: اس نے یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی میں تمہارے اس رب پر ایمان لایا ہوں جس کا تم نے انکار کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے اپنی قوم سے کہا ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، تم اس کی پیروی کرو جو تم سے اجر کا سوال نہیں کرتے تو لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا: تو نے ہمارے دشمنوں کی پیروی کی ہے۔ اس نے ان کے ساتھ گفتگو کو طویل کیا تا کہ اس کے ذریعے بھیجے گئے افراد کے قتل سے انہیں غافل کر دے یہاں تک کہ اس نے کہا: **اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ** تو وہ اس پر جھپٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے اسے اپنے پاؤں سے روند ڈالا یہاں تک کہ اس کی انتڑیاں اس کی دبر سے

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 277

نکل آئیں اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا، وہی رس ہے وہ اصحاب رس ہیں (1)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے: لوگوں نے ان تینوں افراد کو قتل کر دیا۔ سدی نے کہا: انہوں نے اسے پتھر مارے جبکہ وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہاں تک کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا (2)۔ کلبی نے کہا: انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں اسے ڈال دیا اور اس پر مٹی ڈال دی اور وہ مٹی کے نیچے دب کر مر گیا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اسے آگ میں جلا دیا (3) اسے شہر کی فصیل سے لٹکا دیا اس کی قبر انطاکیہ کی دیوار میں ہے؛ یہ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ قشیری نے کہا: حضرت حسن بصری نے کہا: جب قوم نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان کی طرف اٹھا لیا تو وہ جنت میں ہے وہ نہیں مرے گا مگر جب آسمان فناء ہو جائے گا اور جنت ہلاک ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ جنت کو دوبارہ لوٹائے گا تو اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا (4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اسے آری کے ساتھ چیر دیا یہاں تک کہ وہ اس کی دو ٹانگوں کے درمیان سے نکلی اللہ کی قسم! اس کی روح نہیں نکلی مگر اسے جنت میں داخل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا یہی معنی ہے جب اس نے جنت کا مشاہدہ کیا تو اس نے کہا: ہائے کاش! میری قوم وہ کچھ جان لیتی جو میرے رب نے مجھے بخشا ما فعل کے ساتھ ملکر مصدر کے حکم میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ الذی کے معنی میں ہے ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استفہامیہ ہے جو تعجب کے معنی میں ہے گویا کہا: کاش! میری قوم جانتی کہ کس وجہ سے میرے رب نے مجھے بخشا ہے؟ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی نے اس پر اعتراض کیا ہے اس نے کہا: اگر یہ صحیح ہو تو بم کا لفظ کہتا۔ فراء نے کہا کہ ما الف کے ساتھ کہا جائے یہ استفہامیہ ہے اور اس میں کئی اشعار پڑھے۔

زمخشری نے کہا: الف کے بغیر پڑھنا زیادہ اچھا ہے اگرچہ الف کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد علمت بما صنعتَ ھذا وبم صنعت۔ مہدوی نے کہا: استفہامیہ کی صورت میں الف کو ثابت رکھنا قلیل ہے اس صورت میں یعلمون پر وقف کیا جائے گا۔

ایک جماعت نے کہا: ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا معنی ہے تیرے لیے جنت ثابت ہو گئی۔ یہ خبر ہے تو جنت میں داخل ہو جا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا وہ اس میں زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ جس طرح آل عمران میں پہلے گزر چکا ہے۔

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ سائل کے سوال کی وجہ سے کلام ذکر کی گئی ہے جو سوال اتنی بڑی کامیابی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جو بخشش اور تکریم کی صورت میں متحقق ہوئی اسے مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس تمنی میں دو قول ہیں:

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 10
2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 278
3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 344
4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 245

(1) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے حال سے آگاہی حاصل کریں تا کہ اس کے حسن انجام اور پسندیدہ عاقبت سے آگہی حاصل کریں (2) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے ایمان کی مثل ایمان لائیں اور اس کی حالت جیسی حالت والے ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے اپنی قوم کو زندہ اور مردہ حالت میں نصیحت کی (1)۔ قشیری نے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ ''اس نے اپنی زندگی اور موت کے بعد انہیں نصیحت کی''۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: امتوں کے سابقین تین افراد ہیں (2) انہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یہ ان میں سے افضل ہیں، آل فرعون کا مومن اور صاحب یٰسٓ یہ صدیق ہیں؛ زمخشری نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں عظیم تنبیہ ہے (3) اور غصہ پی جانے، جہلاء سے حلم کرنے، جو آدمی اپنے آپ کو شریر اور باغیوں کی آبادی میں پھنسا لے اس پر شفقت کرنے، اس کو چھٹکارا دلانے میں کوشش کرنے، اس کا فدیہ دینے میں مہربانی کرنے، اس کے دشمنوں کو خوش کرنے والے عمل سے اور اسے بددعا دینے سے اعراض کرنے کے وجوب پر دلالت موجود ہے کیا تم دیکھتے نہیں اس نے اپنے قاتلوں کے لیے، اس کے لیے ہلاکت چاہنے والوں کے لیے خیر کی تمنا کی جبکہ وہ کافر تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ جب حبیب کو قتل کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے غضبناک ہو گیا اور قوم پر جلد عذاب کو مسلط کر دیا، جبریل امین کو حکم دیا اس نے ان پر ایک چیخ ماری تو وہ سب کے سب مر گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ کا یہی مفہوم ہے، یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد ان پر کوئی نبی اور رسول مبعوث نہ کیا؛ یہ قتادہ، مجاہد اور حسن کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جند سے مراد لشکر ہیں (4) یعنی ان کو ہلاک کرنے کے لئے لشکروں کو بھیجنے کا محتاج نہیں بلکہ میں انہیں ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دوں گا؛ یہ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے معنی بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ان کے امر کو حقیر قرار دینا ہے یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد یا آسمان کی طرف اٹھانے کے بعد ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کے پہلوؤں پر اسے نازل کرنے والے نہ تھے۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ کہے: یوم بدر اور یوم خندق کو کیوں لشکر نازل کیے گئے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب: 9) اللہ تعالیٰ کا فرمان: اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ (آل عمران)

میں جواب دوں گا: ایک فرشتہ ہی کافی تھا قوم لوط کے شہر حضرت جبریل امین کے ایک پر سے ہلاک کر دیئے گئے (5)، قوم ثمود کے شہر اور قوم صالح کے شہر ایک چیخ سے برباد کر دیئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور اولی العزم رسولوں پر فضیلت دی۔ حبیب نجار کی کیا حیثیت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرامت اور اعزاز کے اسباب عطا فرمائے جیسے

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 11
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 10
3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 11
4۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345
5۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 12

اسباب کسی اور کو عطا نہ فرمائے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان سے لشکر نازل فرمائے گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا وَمَآ اَنْزَلْنَا۔۔۔ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ کیونکہ لشکروں کو نازل کرنا عظیم امور میں سے ہے جن کا تیرے سوا کوئی اہل نہیں اور ہم تیرے سوا کسی اور کے لیے کچھ بھی کرنے والے نہیں۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً عام قراءت واحدۃ نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ماکانت عقوبتهم الاصیحة واحدة۔

ابوجعفر بن قعقاع، شیبہ اور اعرج نے صیحةٌ (مرفوع) پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً میں کون کو وقوع اور حدوث کے معنی میں لیا ہے گویا یوں کلام کی: ماوقعت علیهم الاصیحه واحدة۔ ابوحاتم اور دوسرے بہت سے نحویوں نے تانیث کے سبب اس قراءت کو ناپسند کیا ہے جبکہ یہ قول ضعیف ہے جس طرح ماقامت إلاهند ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے معنی ہے ماقام احد الاهند۔ ابوحاتم نے کہا: اگر بات اس طرح ہو جس طرح ابوجعفر نے قراءت کی ہے تو کلام یوں ہوتی ان کان الاصیحة نحاس نے کہا: ان میں سے کوئی شے بھی ممتنع نہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماجائتنی إلاجاریتك تو اس معنی میں ہے ماجائتنی إمراۃ او جاریة إلاجاریتك۔ رفع کی صورت میں قراءت میں تقدیر کلام یوں ہوگی جو ابواسحاق نے کہا ہے کہا: اس کا معنی ہے إن کانت علیهم صیحة إلاصیحة واحدة۔ دوسرے علماء نے اس کی یوں تقدیر کلام ذکر کی ہے ماوقعت علیهم صیحة واحدة۔ کان کالفظ وقع کے معنی میں کلام عرب میں اکثر واقع ہوتا ہے؛ عبدالرحمن ابن اسود نے اس کی یوں قراءت کی۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: حضرت عبداللہ کی قراءت میں بھی اسی طرح ہے ان کانت الازَقیةً واحدة یہ مصحف کے مخالف ہے نیز یہ بھی ہے کہ معروف لغت زقا یزقو ہے جس کا معنی ہے چیخنا اس معنی میں ضرب المثل ہے: أثقلُ من الزَّواق۔ اس صورت میں نقیة کی جگہ یزقو زقوۃ کالفظ ہوگا، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جوہری نے کہا الزقو اور الزقی مصدر ہیں قد زقا الصدی یزقو زقاء اس نے چیخ ماری ہر چیخ مارنے والے کو زاق کہتے ہیں اور زَقیة کا معنی چیخ ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے کہا جاتا ہے زَقوۃ اور زَقیة دو لغتیں ہیں قراءت صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝ تو اچانک وہ مردہ تھے۔ انہیں ٹھنڈی راکھ کے ساتھ تشبیہ دی قتادہ نے کہا: خٰمِدُوْنَ کا معنی ہلاک ہونے والے ہیں۔ معنی سب کا ایک ہے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝

''صد افسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا

انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا اور وہ آج تک ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا''۔

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ، حسرۃ منصوب ہے کیونکہ نکرہ کو ندا کی جارہی ہے۔ بصریوں کے نزدیک نصب کے علاوہ کوئی صورت جائز نہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں یا حسرۃ العباد یعنی حسرۃ کا لفظ مضاف ہے(1)۔ لغت میں حسرت کا معنی یہ ہے کہ انسان کو شرمندگی لاحق ہو جس کی وجہ سے یہ حسیر یعنی افسوس کرنے والا ہو جائے۔ فراء نے کہا: پسندیدہ قراءت نصب ہے۔ اگر نکرہ کو رفع دیا جائے جو صلہ کے ساتھ ملا ہوا ہو تو یہ بھی صورت درست ہے اور چند چیزوں سے دلیل قائم کی ہے ان میں سے یہ ہے کہ انہوں نے عربوں سے سنا یا مُهْتَمُّ بأمرنا لاتهتم اور یہ مصرعہ پڑھا:

یادارُ غَیَّرَھا البِلَی تَغْیِیْرًا

اے گھر! جسے بوسیدگی نے تبدیل کر دیا۔

نحاس نے کہا: اس میں تو نداء کے تمام احکام یا اکثر احکام کا ابطال ہے کیونکہ وہ خالص نکرہ کو رفع دیتا ہے اور اسے جو اپنی طوالت میں مضاف کے قائم مقام ہوتا ہے اس کو رفع دیتا ہے اور تنوین کے حذف کے ساتھ رفع دیتا ہے جبکہ وہ متوسط ہو اور اسے رفع دیتا ہے جو معنی میں مفعول ہو جبکہ ایسی علت نہ ہو جو اسے واجب کرے۔

عربوں سے جو کچھ اس نے حکایت بیان کی ہے وہ تو اس کے مشابہ نہیں جس کو اس نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یا مُهْتَمُّ بأمرنا لاتهتم کی تقدیر تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے معنی ہے یا یها المُهْتَمَّ لاتهتم بأمرنا اس مصرعہ کی تقدیر کلام یوں ہے یا ایتها الدار پھر خطاب کو تبدیل کیا اور کہا: اے لوگو! اس گھر کو بوسیدگی نے بدل دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ (یونس: 22) حسرۃ کا لفظ ندا کی وجہ سے منصوب ہے جس طرح تو کہتا ہے: یا رجلاً اقبل۔ ندا کا مطلب یہ ہوگا یہ حسرت کے حاضر ہونے کی جگہ ہے۔ طبری نے کہا: معنی ہے بندوں کی اپنی ذاتوں پر حسرت اور شرمندگی ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے ہائے بندوں پر ہلاکت۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ لوگ اس جگہ واقع ہوتے ہیں جن پر حسرت کی جاتی ہے۔

ربیع نے انس سے وہ ابوالعالیہ سے روایت نقل کرتے ہیں: یہاں عباد سے مراد رسول ہیں اس کی وجہ ہے کفار نے جب عذاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ تو انہوں نے قتل کرنے، ایمان کو ترک کرنے پر حسرت کا اظہار کیا انہوں نے اس وقت ایمان کی تمنا کی جب ایمان انہیں کوئی نفع نہ دے سکتا تھا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: جب کفار نے رسولوں کو جھٹلایا تو فرشتوں نے کفار پر حسرت کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ اس آدمی کا قول تھا جو شہر کے دور دراز حصہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا جب قوم کے لوگ اسے قتل کرنے کے لیے جھپٹ پڑے تھے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 13

ایک قول یہ کیا گیا کہ ان تین افراد نے یہ بات کہی تھی جب قوم نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا اور بھیجے گئے افراد ان سے جدا ہو گئے تھے یا انہوں نے تین بھیجے گئے افراد کے ساتھ اس آدمی کو بھی قتل کر دیا جس طرح روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے: ہائے ان بھیجے گئے افراد پر افسوس! اس آدمی پر افسوس کاش! ہم ان پر اس وقت ایمان لاتے جس وقت ایمان انہیں نفع دیتا۔ اس کے بارے میں گفتگو مکمل ہو چکی ہے پھر نئے سرے سے گفتگو شروع کی فرمایا: مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ۔

ابن یزید، مسلم بن جندب اور عکرمہ نے یاحسرۃ علی العباد پڑھا ھاء کو ساکن پڑھا ہے مقصود بیان پر حرص دلانا اور نفس میں معنی کو پختہ کرنا ہے کیونکہ موقع وعظ ونصیحت کا تھا عرب اس موقع پر اس قسم کا عمل کرتے ہیں اگر چہ وقف کا موقع نہ بھی ہو اس معنی میں وہ روایت بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک حرف (1) قراءت کرتے مقصود بیان اور سمجھانے پر حرص دلانا تھا گو یاحسرۃ پر وقف کو مقدر کیا اور ھاء کو کسرہ دیا پھر کہا: علی العباد یعنی میں بندوں پر حسرت کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس، ضحاک اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے یاحسرۃ العباد میں حسرۃ کا لفظ مضاف ہے اور علی کا لفظ محذوف ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو العباد اس کا فاعل ہوگا گویا جب انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے حسرت کا اظہار کیا تو یہ کلام تیرے اس قول کی طرح ہوگی: یاقیام زید۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول کی طرف مضاف ہونے سے تعلق رکھتی ہو اس صورت میں عباد کا لفظ مفعول ہوگا گو یا بندوں پر وہ حسرت کا اظہار کرتا ہے جو ان پر شفقت کرتا ہے، جس نے یاحسرۃ علی العباد کی قراءت کی ہے وہ اس معنی کو قوت بخشتی ہے۔ سیبویہ نے کہا أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ میں ان، کم اھلکنا سے بدل ہے یہاں کم خبریہ ہے اس وجہ سے اس سے اس چیز کو بدل بنانا جائز ہے جو استفہام نہ ہو معنی اس کا یہ بن جائے گا: کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا ہے وہ ان کی طرف لوٹنے والے نہیں۔

فراء نے کہا: کم دو وجہ سے محل نصب میں ہے: (1) یروا کی وجہ سے، اس پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات سے پیش کی ہے وہ قراءت اس طرح ہے الم یروا من اھلکنا (2) أَهْلَكْنَا کی وجہ سے کم منصوب ہے۔

نحاس نے کہا: پہلا قول محال ہے کیونکہ کم میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا کیونکہ یہ استفہامیہ ہے اور یہ بات محال ہے کہ استفہام ماقبل کی خبر پر داخل ہو جب یہ خبریہ ہو تو اس وقت بھی اس کی صورت حال یہی ہوگی اگر چہ سیبویہ نے ان میں سے بعض چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور انھم کو کم سے بدل بنایا ہے۔ محمد بن زید نے اس کا شدید ترین رد کیا ہے اور کہا کم اھلکنا کی وجہ سے منصوب ہے اور انھم محل نصب میں ہے اس کے نزدیک معنی یہ ہوگا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں من اھلکنا ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے إنھم الیھم لایرجعون پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے (2)، یہ آیت اس آدمی کا رد ہے جو

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث نمبر 2847، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 5، صفحہ 14

یہ گمان کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جو موت کے بعد قیامت سے پہلے لوٹیں گیں۔

وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ سے مراد یوم قیامت ہے، جزا کے لیے انہیں حاضر کیا جائے گا۔ ابن عامر، عاصم، اور حمزہ نے لَمَّا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے لما پڑھا ہے۔ ان مثقلہ سے مخففہ ہے اس کا مابعد مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اس کا مابعد خبر ہے جب اس کا لفظ بدل گیا تو اس کا عمل باطل ہو گیا اس کی خبر پر لام کا داخل کرنا لازم ہے تاکہ ان تاکید یہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ ابو عبیدہ کے نزدیک ما زائدہ ہے اس کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہوگی وان کل لجمیع۔ فراء نے کہا: جس نے اسے مشدد پڑھا ہے اس نے لما کو الا کے معنی میں بنایا ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے جس طرح یہ قول ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ (المومنون: 25) وہ نہیں مگر ایسا آدمی جس کو جنون ہے۔ سیبویہ نے سألتك بالله لما فعلت میں حکایت بیان کی ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معروف نہیں۔ یہی بحث سورۂ ہود میں گذر چکی ہے۔ حضرت ابی کی قراءت میں وان منهم الا جمیع لدینا محضرون ہے۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۖۚ اَحْیَیْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

"اور ایک نشانی ان کے لیے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا اس کو ان کے ہاتھوں نے کیا وہ ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ ابھی نہیں جانتے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے انہیں مردوں کے زندہ کرنے پر متنبہ کیا اور ان کے سامنے اپنی توحید اور کمال قدرت کا ذکر کیا یہ مردہ زمین ہے جسے نباتات اور نباتات سے دانہ نکالنے کے ساتھ اسے زندہ کیا اس دانہ سے تم غذا حاصل کرتے ہو اہل مدینہ نے المیتة کے لفظ کو مشدد پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ اور ہم نے اس زمین میں باغات بنائے کھجور اور انگوروں کا خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ قسم کے پھل ہیں ان باغات میں ہم نے چشمے جاری کر دیئے ثمرہ میں جو ضمیر ہے وہ عیون کے پانی کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ پھل اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جرجانی، مہدوی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن کا ہم نے ذکر کیا وہ اس کے پھل کھائیں جس طرح ارشاد فرمایا: وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ (النحل: 66) حمزہ اور کسائی نے اسے من ثمرہ پڑھا ہے

جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ اعمش نے یہ لفظ ثاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس بارے میں گفتگو الانعام میں گذر چکی ہے۔

وَ مَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ میں ما کا لفظ محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف من ثمرہ پر ہے یعنی ممّاعملته ایدیھم کوفیوں نے اسے ھاء کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے اپنے اصل پر حذف کے بغیر پڑھا ہے۔ کلام میں ضمیر عائد کا حذف اکثر ہوتا ہے کیونکہ اسم طویل ہوتا ہے (کیونکہ اسم موصول صلہ کے ساتھ ملکر ایک اسم کے حکم میں ہوتا ہے) یہ بھی جائز ہے کہ مانافیہ ہو اس کا اعراب میں کوئی محل نہ ہوا سے صلہ اور ضمیر عائد کی کوئی ضرورت نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اگائی ہے وہ ان کے ہاتھوں کے پیدا کردہ نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، ضحاک اور مقاتل کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کا معنی ہے ان پھلوں میں سے جو ان کے ہاتھوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں اور میٹھی اور کھانے کی مختلف اقسام میں سے اور وہ چیزیں جو کسی خاص طریقہ سے دانوں سے بناتے ہو جس طرح روٹی اور تیل جو تلوں اور زیتون سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس طرف راجع ہے جسے لوگ کھاتے ہیں، یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ۝ کا مفعول نعمہ ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اللہ تعالیٰ نے کفار کے قول سے اپنی پاکی بیان کی ہے کیونکہ کفار نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کے آثار کو دیکھنے کے بعد غیر اللہ کی عبادت کی۔ اس کلام میں فعل امر کی تقدیر ہے مراد یہ ہے سبّحوہ ونزّھوہ عمالایلیق بہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی میں تعجب کا معنی ہے یعنی ان کافروں کے کفر پر تعجب ہے جو ان آیات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو کسی چیز پر تعجب کا اظہار کرتا ہے تو وہ سبحان اللہ کہتا ہے۔ ازواج کا معنی انواع واصناف ہیں ہر زوج صنف ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ رنگ، ذائقہ، شکل، چھوٹے بڑے ہونے میں مختلف ہوتے ہیں ان کا اختلاف ہی ان کا ازدواج ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد مذکر اور مؤنث ہے۔

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ سے مراد نباتات ہیں کیونکہ اس کی اقسام ہوتی ہیں وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ سے مراد ایسی اولاد ہے جو جوڑے جوڑے ہیں ان میں سے مذکر اور مؤنث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے خشکی، سمندر، آسمان اور زمین میں ایسی مخلوقات میں سے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے پیدا فرماتا ہے اسے کوئی انسان نہ جانتا ہو اور فرشتے اسے جانتے ہوں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس مخلوق کو کوئی دوسری مخلوق نہ جانتی ہو۔ اس آیت میں استدلال کی صورت یہ ہے کہ جب وہ پیدا کرنے میں منفرد ہے تو مناسب نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ۝۳۷ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۝۳۸

''اور دوسری نشانی ان کے لیے رات ہے ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یوں وہ یکلخت اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، یہ آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف، یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز

(اور) علیم ہے''۔

یہ الله تعالیٰ کی توحید، اس کی قدرت اور اس کی اہمیت کے ثبوت پر علامت ہے سلخ کا معنی اتارنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سلخه الله من دینه الله تعالیٰ نے اسے اپنے دین سے الگ کر دیا پھر یہ نکالنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے روشنی جانے اور تاریکی کے آنے کو، کسی شے سے چمڑے کو اتارنے اور جسم کے ظاہر ہونے کی طرح ہے پس یہ اشارہ ہے مُّظْلِمُوْنَ۝ وہ تاریکی میں داخل ہونے والے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اظلمنا ہم رات کی تاریکی میں داخل ہوتے ہیں أظهرنا ہم ظہر کے وقت میں ہوتے ہیں اسی طرح أصبحنا، أضحینا اور أمسینا ہے، یعنی ہم صبح کے وقت، چاشت کے وقت اور شام کے وقت میں داخل ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا منه، عنه کے معنی میں ہے اس کا معنی ہے ہم نے اس سے دن کی روشنی کو الگ کر دیا تو اچانک وہ تاریکی میں تھے کیونکہ دن کا نور ہوا میں داخل ہوتا ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے جب وہ ہوا سے نکل جاتا ہے تو وہ تاریک ہو جاتا ہے (1)۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا یہ جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو آیة لهم الشمس۔ یہ بھی جائز ہے کہ الشمس اس فعل کی وجہ سے مرفوع ہو جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الشمس مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔ تَجْرِیْ خبر ہے جو جاریة کے معنی میں ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سے الله تعالیٰ کے فرمان: وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا: ''اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے (2)'' اس بارے میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' صحابہ نے عرض کی کہ الله اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ عرش کے نیچے اپنے سفر کی انتہا کرتا ہے پھر وہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے وہ اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ اسے کہا جاتا ہے: تو اٹھ اور جہاں سے تو آیا ہے اس کی طرف واپس لوٹ جا تو وہ صبح کے وقت اپنے مطلع سے طلوع کرتا ہے، پھر وہ چلتا رہتا ہے لوگ اس سے کوئی عجیب چیز نہیں دیکھتے یہاں تک کہ وہ عرش کے نیچے اس ٹھکانے تک جا پہنچتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: اٹھ تو مغرب سے کل صبح طلوع کر تو وہ مغرب سے طلوع کرے گا''۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا اس نے اپنے ایمان میں کوئی خیر کا عمل نہ کیا تھا''۔

بخاری شریف کے الفاظ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہیں (3) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا جب سورج غروب ہوا: ''کیا تو جانتا ہے سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی: الله اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ''یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے وہ اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے ممکن ہے وہ سجدہ کرے تو اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے وہ اجازت طلب کرے تو اسے اجازت نہ دی جائے اسے کہا جائے: جہاں

---

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 280 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 542 3۔ صحیح بخاری، سورۂ یٰسین، جلد 2، صفحہ 709

سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جاتو وہ مغرب کی جانب سے طلوع کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ کا یہی مفہوم ہے۔

ترمذی شریف کے الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہیں (1): جب سورج غروب ہو گیا تو میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ''یہ جاتا ہے سجدہ کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے گویا اسے کہا جاتا ہے جہاں سے آیا ہے وہاں سے طلوع ہو تو وہ مغرب سے طلوع کرتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت کی''۔ ذالك مستقرها کہا: یہ حضرت عبداللہ کی قراءت ہے۔ امام ترمذی حضرت ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عکرمہ نے کہا: سورج جب غروب ہوتا ہے وہ عرش کے نیچے ایک محراب میں داخل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے یہاں تک کہ وہ صبح کرتا ہے جب وہ صبح کرتا ہے تو باہر آنے سے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے: کس لیے؟ سورج عرض کرتا ہے: جب میں نکلوں گا تو تیرے سوا میری عبادت کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: نکل اس وجہ سے تجھ پر کوئی قدغن نہیں میں ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی طرف جہنم بھیجوں گا وہ اسے کھینچتے ہوئے لائیں گے یہاں تک کہ فرشتے ان سب کو جہنم میں داخل کریں گے''۔ کلبی اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کا معنی وہ غروب میں بعید ترین منزل کی طرف چلے گا پھر وہ قریب ترین منزل کی طرف لوٹے گا اس کا ٹھکانہ اس کا اس جگہ تک پہنچنا ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جاتا بلکہ اس جگہ سے لوٹ آتا ہے جس طرح ایک انسان ہے وہ مسافت طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری منزل تک پہنچتا ہے اور اپنا کام مکمل کرتا ہے پھر اس پہلی منزل کی طرف لوٹ آتا ہے جہاں سے اس نے اس سفر کا آغاز کیا تھا سورج کا اپنی آخری منزل تک پہنچنا جبکہ وہ اس کا مستقر ہے جب وہ ہنعہ (جیسے تیئس 23 جون) کو طلوع ہوتا ہے یہ سال کا سب سے لمبا دن ہوتا ہے اور اس کی رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات نو گھنٹے کی ہوتی ہے پھر دن کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سورج لوٹ آتا ہے جب ثریا طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں تو رات اور دن میں سے ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کے ہو جاتے ہیں پھر وہ قریبی منزل تک پہنچ جاتا ہے اور نعائمہ (تیئس 23 دسمبر) کو طلوع ہوتا ہے۔ یہ سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے اور رات پندرہ گھنٹے کی ہوتی ہے یہاں تک کہ فرغ دلو موخر (تیئیس 23 مارچ) کو طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں ہر رات دن سے ہر روز گھنٹے کا تیئسواں حصہ لیتی ہے ہر دس دن گھنٹے کا ایک تہائی لیتے ہیں اور ہر ماہ ایک گھنٹہ لیتا ہے یہاں تک کہ رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں اور رات حصہ لیتی رہتی ہے یہاں تک کہ پندرہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن بھی رات سے اسی طرح حصہ لیتا رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج کے سال میں تین سو ساٹھ مطلع ہوتے ہیں ہر روز ایک مطلع میں نزول کرتا ہے پھر ایک سال تک اس میں نزول نہیں کرتا وہ انہیں منازل میں گردش کرتا رہتا ہے (2) یہی

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، فی سورۂ یٰسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3151، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345

اس کا مستقر ہے یہ معنی میں اس جیسا ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سورج غروب ہوتا ہے اور اس جگہ تک جا پہنچتا ہے جس سے آگے تجاوز نہیں کرتا تو وہ طلوع ہونے تک اس کے نیچے قرار پر رہتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے وہ تمام اقوال کو جامع ہے اس میں غور کرو۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یوں قراءت کی والشمس تجری لمستقر لھا کہ وہ رات اور دن میں جاری رہتا ہے اس میں نہ ٹھہراؤ ہے نہ ہی قرار ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے گرا دے گا۔ جس نے مصحف کی مخالفت کی اس نے کہا: میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت کو پڑھتا ہوں۔ ابن انباری نے کہا: جس نے یہ قول نقل کیا ہے وہ باطل ہے اس پر اسے لوٹا دیا جائے گا، کیونکہ ابوعمر نے مجاہد سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابن کثیر نے مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا یہ دونوں سندیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہیں جن کی صحت پر اجماع گواہی دیتا ہے اور جو ضعیف سند کے ساتھ جماعت اور امت کے متفق علیہ مذہب کی مخالفت کرتا ہے یہ دونوں سندیں اس کو باطل کر دیتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: وہ ثابت شدہ احادیث جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کے قول کو رد کر دیتی ہیں اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ اللہ پر کتنا جری ہے۔

قول لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا میں لام، الی کے معنی میں ہے۔ مستقر سے مراد قرار کی جگہ ہے یعنی رات، دن اور سورج کا جو مقام ذکر کیا گیا ہے یہ عزیز و علیم و تقدیر ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾

''اور ذرا چاند کو دیکھ ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَالْقَمَرَ اس کی تقدیر کلام یوں ہے وآیة لھم القمر۔ یہ بھی جائز ہے کہ القمر مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو کوفیوں نے اسے والقمر منصوب پڑھا ہے کیونکہ فعل مضمر ہے؛ یہ ابوعبیدہ کا پسندیدہ مسلک ہے، اس نے کہا: اس سے قبل نسلخ فعل ہے اور اس کے بعد قدرناہ فعل ہے۔ نحاس نے کہا ہے: میرا جہاں تک علم ہے تمام عربی اس قول کی مخالفت کرتے ہیں جو ابوعبیدہ نے کیا۔ ان میں سے ایک فراء ہے اس نے کہا: رفع مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے ان کے نزدیک رفع زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس کا ماقبل پر عطف ہے اس سے مراد وآیة لھم القمر ہے اس کا قول اس سے پہلے نسلخ فعل ہے اس سے قبل جو فعل زیادہ قریبی ہے وہ تجری ہے اور اس سے قبل والشمس رفع کے ساتھ ہے اس نے اس کے بعد جس فعل کا ذکر کیا ہے وہ قدرناہ ہے وہ ھاء میں عامل ہے۔ ابوحاتم نے کہا: اس میں رفع بہتر ہے کیونکہ تو نے ضمیر کی وجہ سے فعل کو اس سے غافل کر دیا ہے تو تو اسے رفع دے گا۔ یہ قول کیا جاتا ہے: چاند کی منازل نہیں ہوتیں تو پھر کیسے ارشاد فرمایا: قَدَّرْنٰهُ

مَنَازِلَ اس بارے میں دو جواب ہیں: (1) اس سے مراد ہے ہم نے اسے منازل والا بنادیا ہے جس طرح وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) سے مراد اھل قریۃ ہے (2) اصل کلام یوں تھا قدرنالہ منازل پھر لام کو حذف کردیا گیا اس کا حذف بہت اچھا ہے تاکہ فعل دو مفعولوں کی طرف واسطہ کے بغیر متعدی ہو جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا (الاعراف: 155) منازل اٹھائیس ہیں۔ چاند ہر روز ایک منزل میں اترتا ہے وہ شرطان، بطین، ثریا، دبران، ہقعہ، ہنعہ، ذراع، نثرہ، طرف، جبہہ، خراتان، صرفہ، عواء، سماک، غفر، زبانیان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم، بلدہ، سعد الذابح، سعد بلع، سعد السعود، سعد الاخبیہ، الفرغ المقدم، الفرغ الموخر اور بطن الحوت (1)۔

جب چاند اس آخری منزل میں پہنچتا ہے تو پھر پہلے کی طرف لوٹ آتا ہے وہ فلک کو اٹھائیس راتوں میں طے کرتا ہے پھر چھپ جاتا ہے پھر ہلال کی صورت میں طلوع کرتا ہے اور فلک طے کرنے میں منازل کی طرف لوٹ آتا ہے یہ بروج پر منقسم ہے ہر برج دو منزلیں اور ایک تہائی ہے حمل کے لیے شرطان، بطین اور ثریا ایک تہائی ہے، ثور کے لیے ثریا کے دو ثلث اور دبران اور ہقعہ کے دو تہائی ہیں ہر باقی کے لیے بھی یہی صورتحال ہے۔ سورۂ حجر میں بروج کے ناموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ الحمد اللہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا ہے پھر طلوع کے وقت انہیں نور کا لباس عطا کیا جہاں تک سورج کے نور کا تعلق ہے تو وہ عرش کے نور سے ہے جہاں تک چاند کے نور کا تعلق ہے تو وہ کرسی کا نور ہے وہ ان کی پیدائش کی اصل اور یہ ان کا لباس ہے جہاں تک سورج کا تعلق ہے تو اس کے لباس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ شعاع والا اور روشن ہوتا رہے جہاں تک چاند کا تعلق ہے روح الامین نے اپنے پروں کو اس کے چہرہ پر پھیرا تو اس کی روشنی کو پروں کے غلبہ سے مٹا دیا کیونکہ وہ روح ہیں اور روح اس کی سلطان ہے جو تمام اشیاء پر غالب ہے اس کا محو باقی رہا جیسا اسے مخلوق دیکھتی ہے پھر اسے پانی کے غلاف میں رکھ دیا پھر اس کے لیے گذرگاہ بنائی ہر رات مخلوق کے لیے اس غلاف سے اس قدر چاند ظاہر ہوتا ہے جس قدر وہ ان کے لیے ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا ظہور ان کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور مخلوق اس چاند کو مکمل اور پورا گول دیکھتی ہے پھر ہر رات اس میں سے کچھ حصہ اس غلاف کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اسی مقدار سے دکھائی دینے میں کم ہوتا جاتا ہے جس قدر ظاہر ہونے میں ظاہر ہوا تھا اور اسی جانب سے نقصان میں کمی شروع ہو جاتی ہے جس جانب سورج اسے نہیں دیکھتا وہ اس کی غروب کی جانب ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتی ہے وہ قوس دار ٹہنی ہے اس کی وجہ اس کا خشک ہونا اور باریک ہونا ہے۔ اسے قمر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی سفیدی کی وجہ سے فضا کو سفید کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ چھپ جاتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ زجاج نے کہا: یہ کھجور کی ایسی شاخ ہے جس پر چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں (2) یہ **انعراج** سے فعلون کا وزن ہے انعراج کا معنی مڑ جانا ہے یعنی وہ اپنی منازل میں چلتا ہے جب وہ آخری منزل میں پہنچتا ہے تو وہ باریک ہو جاتا ہے،

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 16    2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 17

قوس دار ہو جاتا ہے اور تنگ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر نون زائدہ ہے۔ قتادہ نے کہا: عرجون سے مراد کھجور کی خشک مڑی ہوئی شاخ ہے۔ ثعلب نے کہا العرجون سے مراد کھجور کا گھچا جب کاٹا جائے تو جو باقی رہ جائے وہ عرجون ہے القدیم سے مراد بوسیدہ ہے۔ خلیل نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے یہ زرد رنگ کی چوڑی ہوتی ہے جب چاند ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو اسے اس شاخ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ جوہری نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے جس کی چھوٹی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں تو وہ کھجور کے درخت پر ہی باقی رہتی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَرْجَنَه اسے شاخ کے ساتھ مارا ان لوگوں کے قول کے مطابق نون اصلیہ ہے اسی معنی میں اعشیٰ بن قیس کا شعر ہے:

شرق المسكُ والعبير بها فهي صفراء كعرجون القمر

کستوری اور عبیر اس پر چمک اٹھی وہ زرد ہے جس طرح چاند جب شاخ کی طرح ٹیڑھا ہوتا ہے

کھجور کی شاخ جب خشک اور قوس دار ہو جاتی ہے تو چاند کی باریکی اور زردی میں اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسے اہان، کباسہ اور قنو بھی کہتے ہیں، اہل مصر اسے اسباطہ کہتے ہیں۔ اسے عِرجون بھی پڑھتے ہیں(1) یہ فرحون کا وزن ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح بُزیون اور بِزیون۔ زمخشری نے یہ ذکر کیا ہے اور کہا: عرجون کھجور کی شاخ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کے پتوں کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھ سال چار موسموں پر منقسم ہے ہر موسم کی سات منازل ہیں پہلا موسم بہار ہے اس کا آغاز آذار (مارچ) کی پندرہ تاریخ سے ہوتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برج حمل، ثور، اور جوزاء اور سات منازل شرطان، بطین، ثریا، دبران، ہقعہ، ہنعہ اور ذراع کو عبور کرتا ہے پھر موسم گرما حزیران (جون) کی پندرہ تاریخ کو داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برجوں شرطان، اسد اور سنبلہ اور سات منازل کو طے کرتا ہے وہ سات منازل نثرہ، طرف، جبہہ، خراتان، صدفہ، عواء اور سماک ہیں، پھر ایلول (ستمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم خزاں داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد اکانوے (91) ہے اس موسم میں سورج تین برجوں یعنی میزان، عقرب اور قوس اور سات منازل یعنی غفر، زبان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم اور بلدہ کو طے کرتا ہے کانون اوّل (دسمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم سرما داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد نوے ہے بعض اوقات اس کے دنوں کی تعداد اکانوے ہوتی ہے اس موسم میں سورج تین برجوں یعنی جدی، دلو اور حوت کو طے کرتا ہے اور سات منازل کو طے کرتا ہے سعد الذابح، سعد بلع، سعد سعود، سعد اخبیہ، فرغ مقدم، فرغ موخر اور بطن حوت۔ یہ سریانیوں کی مہینوں کی تقسیم ہے تشرین الاول (اکتوبر) تشرین الثانی (نومبر) کانون الاول (دسمبر) کانون الثانی (جنوری) اشباط (فروری) آذاد (مارچ) نیسان (اپریل) ایار (مئی) حزیران (جون) تموز (جولائی) آب (اگست) ایلول (ستمبر) سب اکتیس دن کے ہوتے ہیں مگر تشرین ثانی (نومبر) نیسان (اپریل) حزیران (جون) اور ایلول (ستمبر) یہ تیس دن کے ہوتے ہیں اشباط (فروری)

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 17

اٹھائیس مکمل اور 1/4 دن کا ہوتا ہے اس سے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ کا یہی مفہوم ہے جب سورج ایک منزل میں ہوتا ہے تو ہلال اس کے بعد والی منزل میں پڑاؤ کرتا ہے اور فجر دو منزلیں اس سے پہلے ہوتی ہیں جب سورج اپریل کی پچیس تاریخ کو ثریا میں ہوتا ہے تو فجر شرطین میں ہوتی ہے اور چاند دبران میں پڑاؤ کرتا ہے پھر ہر رات میں اس کی ایک منزل ہوتی ہے یہاں تک کہ اٹھائیس راتوں میں وہ اٹھائیس منزلیں طے کرتا ہے سورج نے دو منزلیں طے کی ہوتی ہیں تو چاند ان دونوں کو طے کرتا ہے پھر وہ سورج کی منزل کی بعد والی میں طلوع کرتا ہے یہی عزیز وعلیم کی تقدیر ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ زمخشری نے قدیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ شاخ پرانی ہوجاتی ہے تو وہ باریک ٹیڑھی اور زرد ہوجاتی ہے چاند کو اس کے ساتھ تین وجوہ سے تشبیہ دی جاتی ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کی صفت قدیم کے لفظ کے ساتھ بیان کی گئی ہو اس کا کم سے کم عرصہ سال ہوتا ہے اگر کوئی آدمی کہے: کل مملوك لی قدیم فهو حر یا اس نے اپنی وصیت میں یہ قول کیا ہو تو جو غلام ایک سال یا اس سے زیادہ اس کی ملک میں رہا ہو تو وہ آزاد ہوجائے گا۔

میں کہتا ہوں: چاند پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے الحمد اللہ۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

”نہ سورج کی یہ مجال کہ پیچھے سے چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے اور سب سیارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں“۔

لفظ الشَّمْسُ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور لا معرفہ میں عمل نہیں کرتا۔ علماء نے اس آیت کے معنی میں گفتگو کی ہے بعض نے کہا: اس کا معنی سورج چاند کو نہیں پا سکتا کہ اس کی حقیقت اور افادیت کو باطل کردے ہر ایک کی اپنے دائرہ کار میں حاکمیت ہے ان میں سے کوئی ایک بھی دائرے پر اس طرح داخل نہیں ہوسکتا کہ اس کی حکومت کو ختم کردے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو تدبیر فرمائی ہے اس کو باطل کردے تو سورج اس کے مغرب سے طلوع ہوجائے جس طرح اس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چاند کی روشنی نہیں ہوتی اور جب چاند طلوع ہوتا ہے تو سورج کی روشنی نہیں ہوتی (2)؛ یہ معنی حضرت ابن عباس اور ضحاک سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: ایک روشنی دوسرے کی روشنی جیسی نہیں ہوتی (3)۔ قتادہ نے کہا: ہر ایک کی حد اور نشانی ہے نہ وہ اس سے تجاوز کرتا ہے اور نہ اس سے پہلے ہی رک جاتا ہے جب ایک کی حکومت آتی ہے تو دوسرے کی حکومت ختم ہوجاتی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ دونوں آسمان میں جمع نہیں ہوتے خصوصاً چاند کی رات جمع نہیں ہوتے یعنی سورج باقی نہیں

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 17 2۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 12 3۔ ایضاً

رہتا یہاں تک کہ چاند طلوع ہوتا ہے لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو چاند طلوع ہو جاتا ہے (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: معنی ہے چودھویں رات کی چاند خاص کر سورج چاند کو نہیں پاتا کیونکہ چاند سورج کے طلوع ہونے سے قبل غروب ہونے میں جلدی کرتا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ آسمان میں جمع ہوتے ہیں وہ منازل میں ایک دوسرے سے آگے ہوتے ہیں دونوں ان میں شریک نہیں ہوتے (3)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: چاند آسمان دنیا میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے سورج اس کو نہیں پا سکتا؛ یہ نحاس اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس کے معنی میں جو سب سے اچھا اور واضح قول کیا گیا ہے جس کا رد نہیں کیا جا سکتا کہ چاند کی رفتار تیز ہے سورج چال میں چاند کو نہیں پا سکتا؛ یہ مہدوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ (القیامہ) یہ اس وقت ہوگا جب سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا جائے گا جس کی وضاحت سورۃ الانعام کے آخر میں گزر چکی ہے اور سورۃ القیامۃ میں بھی آئیگی ان دونوں کا جمع ہونا یہ دنیا کہ ختم ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کی علامت ہوگی۔

سورج اور چاند اپنے فلک میں رواں دواں ہیں۔ ایک قول کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چکر لگا رہے ہیں یہاں تسبیح کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ اپنے فعل کے ساتھ صفت بیان کی جس کے ساتھ ذوالعقول کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج، چاند اور ستارے آسمان و زمین کے درمیان فلک میں ہیں اس کے ساتھ چمٹے ہوئے نہیں اگر یہ چمٹے ہوئے ہوتے تو نہ چلتے (4)؛ یہ ثعلبی اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

بعض نے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کہ دن کو رات سے قبل بنایا گیا رات خلق میں اس سے سبقت نہیں لے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے وقت پر آتا ہے ان میں سے کوئی اپنے ساتھی پر سبقت نہیں لے جاتا یہاں تک کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا جس طرح فرمایا: وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ (القیامۃ) اس وقت یہ آگے پیچھے اس لیے آرہے ہیں تاکہ بندوں کے مصالح مکمل ہوں اور تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کو جان لو، رات آرام کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ (النباء) یعنی نیند کو دن کے کام کاج سے تمہارے بدنوں کو آرام پہنچانے کے لیے بنایا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ رات دن پر غالب آنے والی نہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: سبق فلاں فلانا۔ فلاں فلاں پر غالب آ گیا۔ مبرد نے ذکر کیا ہے میں نے عمارہ کو ولا اللیل سابقُ النہار پڑھتے ہوئے سنا میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے سابق النہار کا ارادہ بیان کیا ہے میں نے تنوین کو حذف کر لیا ہے کیونکہ یہ خفیف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے النہار تنوین کے بغیر منصوب ہو اور تنوین اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو۔

وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 18 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر حسن البصری، جلد 4، صفحہ 347

یَرْكَبُوْنَ ۝ وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

''اور ایک نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جا سکیں بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں''۔

اٰيَةٌ لَّهُمْ میں تین معانی کا احتمال ہے: (1) یہ ان کے لیے عبرت ہے کیونکہ آیات میں عبرتیں ہیں (2) ان پر نعمت ہے کیونکہ آیات میں انعام ہے (3) انہیں خبردار کرنا ہے کیونکہ آیات میں خبردار کرنے کا پہلو موجود ہوتا ہے (1)۔

اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ سورت میں مشکل ترین آیت ہے کیونکہ انہیں ہی کشتی میں سوار کیا گیا تھا، ایک قول یہ کیا گیا: اہل مکہ کے لیے نشانی ہے کہ ہم نے سابقہ قوموں کی اولادوں کو بھری کشتی میں سوار کیا۔ دونوں ضمیریں مختلف ہیں؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا ہے اور اس کی حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دونوں ضمیریں اہل مکہ کے لیے ہیں کہ ذُرِّيَّتَهُمْ سے مراد ان کی اولادیں اور ان کے ضعیف لوگ ہیں پہلے قول کے مطابق الفلك سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے اور دوسری تاویل کی بنا پر یہ اسم جنس ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و احسان کا ذکر کیا کہ اس نے کشتیوں کو پیدا کیا ان میں انہیں سوار کر دیا جس کے لیے چلنا اور سواری پر سوار ہونا مشکل ہوتا ہے جیسے اولادیں اور کمزور لوگ۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں ضمیریں متفق ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ذرية سے مراد آباء واجداد ہیں (2) اللہ تعالیٰ نے جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا آباء ذریت ہیں، اور ابناء بھی ذریت ہیں اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے یہ ابو عثمان کا قول ہے۔ آباء کو ذریت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ انہیں میں سے بیٹوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ایک چوتھا قول یہ بھی ہے: ذرية سے مراد نطفے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے پیٹوں میں اٹھایا اور ان پیٹوں کو فلک مشحون سے تشبیہ دی؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سورۃ البقرہ میں لفظ ذرية کا اشتقاق اور اس کے بارے میں مفصل گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔ مشحون کا معنی بھری ہوئی ہے۔ فلك کا لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ سورۂ یونس میں اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔

مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ اصل میں ما یرکبونہ ہے اسم موصول کی طوالت کی وجہ سے صلہ کی ضمیر حذف ہے اور اس لیے بھی کہ یہ آیت کا سرا ہے اس کے معنی میں تین قول ہیں: (1) مجاہد، قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ من مثلہ سے مراد اونٹ ہے، اونٹ خشکی میں سواری کے لیے اسی طرح پیدا کیا گیا ہے جس طرح سمندر میں سواری کے لیے کشتی پیدا کی گئی ہے۔ عرب اونٹوں کو کشتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں، طرفہ نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 19    2۔ ایضاً    3۔ ایضاً

كَأَنَّ حُدُوجَ الْمَالِكِيَّةِ غُدْوَةً خَلَايَا سَفِينٍ بِالنَّوَاصِفِ مِنْ دَدِ(1)

گویا صبح کے وقت مالکیہ کے حودج بڑی کشتیاں ہیں جو دد کے کھلے میدان میں ہیں۔

خلایا، خلیۃ کی جمع ہے جس کا معنی بڑی کشتی ہے۔

(2) اس سے مراد اونٹ، چوپائے اور سواری کا ہر جانور ہے۔

(3) اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ قول صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند متصل کے ساتھ مروی ہے کہ **وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ** سے مراد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کشتیاں بنائیں جو اونٹوں کی مثل ہیں جن میں وہ سوار ہوتے ہیں۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد چھوٹی کشتیاں ہیں(2) جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی کشتیوں کی طرح بنایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے۔ ضحاک اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بعد بنایا گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی تاویل کے نتیجے میں یہ پانچواں قول سمجھ آتا ہے کہ فلك مشحون میں ذریۃ سے مراد وہ نطفے ہیں جو عورتوں کے بطن میں ہیں کہ اس کا معنی یہ ہو کہ عورتیں اس لیے پیدا کی گئیں ہیں تاکہ خاوندان پر سوار ہوں(3)، لیکن میں نے کسی کو یہ بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

**وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ** یعنی ہم انہیں سمندر میں غرق کر دیتے۔ ضمیر اصحاب ذریت کی طرف لوٹے گی یا سب کی طرف لوٹے گی یہ تاویل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جس نے یہ کہا: من مثله سے مراد کشتیاں ہیں اونٹ نہیں تو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا(4)؛ یہ سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے۔ شیبان نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے: ان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی۔ دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔ صریخ، مصرخ کے معنی میں ہے یعنی فعیل، مفعل کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے **فَلَا صَرِیْخٌ لَهُمْ** کیونکہ اس کے بعد ایسی چیز ہے جس میں رفع کے بغیر کوئی چیز جائز نہیں، نحوی یہ پسند کرتے ہیں لا رجل فی الدار ولا زید۔

**لَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ** کا معنی ہے انہیں غرق ہونے سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا مگر ہماری رحمت ہی انہیں عذاب سے بچائے گی۔ کسائی نے کہا: **اِلَّا رَحْمَةً** یہ مستثنیٰ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی رحمت کے لیے **مَتَاعًا** اس کا معطوف ہے۔ **حِیْنٍ** سے مراد موت ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: قیامت تک مراد ہے معنی ہوگا مگر یہ کہ ہم ان پر رحمت کریں اور ان کی آجال تک انہیں لطف اندوز ہونے دیں(5)۔ اللہ تعالیٰ سابقہ امتوں کا عذاب جلدی لے آیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عذاب کو موت اور قیامت تک موخر کر دیا اگر چہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں۔

**وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَ مَا تَاْتِیْهِمْ**

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 20 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ٭ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۷﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً تَاۡخُذُهُمۡ وَ هُمۡ یَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ تَوۡصِیَةً وَّ لَاۤ اِلٰۤی اَهۡلِهِمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو عذاب سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے، تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو: کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو اور کافر کہتے ہیں: یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو تو اس کا مقررہ وقت بتادو۔ یہ انتظار نہیں انتظار کر رہے مگر ایک گرج کا جو اچانک انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے، پس نہ وہ اس وقت کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے“۔

قتادہ نے کہا: مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ سے مراد تم سے قبل کی امتوں کے واقعات ہیں (1) اور وَ مَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد آخرت ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور مجاہد نے کہا: مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ سے مراد سابقہ گناہ ہیں (2) اور وَ مَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد آنے والے گناہ ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ سے مراد جو تمہاری عمر گذر چکی ہے (3) اور وَ مَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد جو باقی ماندہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ سے مراد دنیا ہے اور وَ مَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد عذاب آخرت ہے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس قول نقل کیا ہے کہ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ سے مراد امر آخرت اور اس کے لیے اعمال ہیں اور وَ مَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد دنیاوی امور ہیں ان سے بچو اور اس کے ساتھ دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ سے مراد جو تمہارے لیے ظاہر ہے اور وَ مَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد جو تمہارے لیے مخفی ہے (4)۔ جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: اذا قیل لهم ذلك أعرضوا اس کی دلیل مابعد قول ہے: وَ مَا تَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۶﴾ جواب کی بجائے اس دلیل پر اکتفا کیا۔

اَنۡفِقُوۡا سے مراد فقراء پر صدقہ کرو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہودیوں کو جب فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضمیر کا مصداق مشرکین ہیں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقراء صحابہ نے یہ کہا (5): تم اپنے اموال میں سے جن کے

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 17　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 348
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 21　5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 19

بارے میں یہ خیال کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ ہمیں دو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا (الانعام: 136) وہ اسی پر دلالت کرتا ہے، تو انہوں نے فقراء کو محروم رکھا اور مذاق کے طور پر کہا: اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں کھلاتا ہم تمہیں کچھ بھی نہ کھلائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے دین کی طرف لوٹو۔ انہوں نے کہا: کیا ہم تمہیں دیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے کھلاتا۔ انہیں مسلمانوں کا یہ قول پہنچا تھا کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے تو انہوں نے مذاق کے انداز میں کہا: کیا ہم اسے کھلائیں کہ اللہ تعالیٰ اگر اسے کھلانا چاہتا تو اسے غنی کر دیتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں زنادقہ تھے (1) جب انہیں مساکین پر صدقہ کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ کہتے: اللہ کی قسم! نہیں کیا اللہ تعالیٰ تو اسے فقیر بنائے اور ہم اسے کھلائیں؟ وہ مومنوں کی باتیں سنا کرتے وہ افعال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق کرتے وہ کہتے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو غنی کر دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو عزت دے دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس طرح ہو جاتا۔ انہوں نے یہ جواب مومنوں کا استہزاء کرنے کے لیے نکالا اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے دیا جو مومن امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف معلق کر دیتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ قول اس لیے کیا تھا تا کہ مومنوں کے قول کو اپنے ساتھ مشروط کر دیں اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمہیں بھی رزق دے تو پھر تم ہم سے کیوں رزق طلب کرتے ہو؟ یہ استدلال باطل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو مال کا مالک بناتا ہے پھر اس میں حق لازم کر دیتا ہے گویا اتنا حصہ اس سے الگ کر دیا تو اعتراض کی کوئی وجہ نہیں رہتی وہ اپنے اس قول لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ میں سچے تھے لیکن دلیل میں جھوٹے تھے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا (الانعام: 148) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار کا مومنوں کے حق میں قول ہے یعنی تم جو مال کا سوال کرتے ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہو اس میں تم گمراہی میں مبتلا ہو۔ کہا: یہ مقاتل اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا کفار کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے حق میں قول ہے جب انہوں نے اس جواب کے ساتھ رد کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے تو ابوجہل ان سے ملا اور کہا: اے ابوبکر! کیا تیرا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقراء کو کھانا کھلانے پر قادر ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، اس نے پوچھا: کیا وجہ ہے اس نے ان کو نہیں کھلایا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو فقر کے ساتھ آزمایا اور کچھ لوگوں کو غنا کے ساتھ آزمایا ہے، فقراء کو صبر کا حکم دیا اور اغنیا کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا۔ تو ابوجہل نے کہا: اللہ کی قسم! اے ابوبکر! تو گمراہ ہے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلانے پر قادر ہے اور وہ انہیں نہیں کھلاتا پھر تو انہیں کھلاتا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: فَاَمَّا مَنْ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 19

اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی ﴿۵﴾ وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ﴿۶﴾ (اللیل) نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت زنادقہ کے حق میں نازل ہوئی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زندیق تھے وہ اس کائنات کے صانع پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس قول کے ذریعے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے قشیری اور ماوردی نے اس کا ذکر کیا (1)۔

جب کفار کو یہ کہا گیا: اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ مَا خَلۡفَکُمۡ تو انہوں نے کہا: مَتٰی ھٰذَا الۡوَعۡدُ یہ قیامت کب برپا ہوگی؟ یہ کفار کی جانب سے استہزاء تھا یعنی یہ وعید متحقق نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ صرف حضرت اسرافیل کے نفحہ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی جبکہ وہ دنیا کے امور میں جھگڑ رہے ہوں گے تو وہ اسی جگہ مرجائیں گے، یہ صعق کا نفحہ ہے۔

یَخِصِّمُوۡنَ میں پانچ قرائتیں ہیں: ابوعمرو اور ابن کثیر نے یَخَصِّمون پڑھا ہے یعنی یاء اور خاء کو مفتوح اور صاد پر شد پڑھی ہے ورش نے نافع سے اسی طرح روایت کی ہے۔

اصحاب قراءات اور ورش کے سوا اصحاب نافع نے یَخصِّمون روایت کیا ہے یعنی خاء کو ساکن اور صاد کو مشدد پڑھا ہے یعنی دو ساکنوں کو جمع ذکر کیا ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے اسے یَخۡصِمون پڑھا ہے خاء کو ساکن اور صاد کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ خَصَمہ سے مشتق ہے۔ عاصم اور کسائی نے اسے یَخِصِّمون پڑھا ہے یعنی خاء مکسور اور صاد مشدد ہے اس کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا۔ نفحہ انہیں آ پہنچے گا جبکہ وہ آپس میں یہ دلائل قائم کر رہے ہوں گے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (2)۔ ابن جبیر، ابوبکر سے وہ عاصم سے اور حماد، عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: پہلی قراءت ان سب سے واضح ہے اصل میں یہ یختصمون تھا تاء کو صاد میں مدغم کر دیا گیا اس کی حرکت خاء کی طرف نقل کر دی گئی۔ ابی کی قراءت میں یختصمون خاء کو ساکن کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں دو ساکنوں کا اجتماع ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حرف مدہ اور لین نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خاء کو اپنے اصل پر رکھتے ہوئے ساکن پڑھا ہے معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کلام اس معنی میں ہو یَخۡصِمون مجادلهم عند انفسهم تو مفعول کو حذف کر دیا گیا۔

ثعلبی نے کہا: یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے۔ نحاس نے کہا: یَخِصّمون کی اصل یختصمون ہے تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے خاء کو کسرہ دیا گیا۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ یہ قراءت سب سے عمدہ اور اکثر مروی ہے اور جو صورت بہتر تھی اس کو ترک کر دیا یعنی تاء کی حرکت خاء کو دی اور اس کے لیے ایک اور حرکت لے آیا اور پھر یاء اور کسرہ کو جمع کر دیا اور گمان یہ کیا۔ یہ عمدہ اور اکثر مستعمل ہے۔ یہ اکثر کی قراءت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ فتحہ کے ساتھ قراءت اہل مکہ، اہل بصرہ، اور اہل مدینہ کی قراءت ہے؟ عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ کے ساتھ جو مروی ہے وہ اتباع کی وجہ سے ہے۔ یہ بحث یخطف میں سورۂ بقرہ میں اور یھدی میں سورۂ یونس میں گذر چکی ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21　　2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 20

عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً کے بارے میں کہا: اس سے مراد صور میں پہلا نفحہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ بازاروں میں ہوں گے کوئی دودھ دوہ رہا ہوگا، کوئی کپڑا ماپ رہا ہوگا اور کوئی کام کاج میں مصروف ہوگا کہ صور پھونک دیا جائے گا۔

نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت برپا ہو جائے گی جبکہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کے لیے اسے پھیلائے ہوئے ہوں گے وہ اسے ابھی نہیں لپیٹیں گے یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا تاکہ وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلائے ابھی وہ اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا ترازو نیچے جھکائے گا ابھی وہ اسے اوپر نہیں اٹھائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا لقمہ منہ کی طرف اٹھائے گا ابھی وہ اسے نہیں نگلے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی''(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے ''سب سے پہلے جو آدمی صور کی آواز سنے گا وہ وہ آدمی ہوگا جو اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا وہ چیخ مارے گا اور دوسرے لوگ بھی چیخ ماریں گے''(2)۔

وہ ایک دوسرے کو تو بہ وغیرہ کی وصیت کی طاقت نہ رکھیں گے بلکہ اپنے بازاروں اور اپنے اپنے مواقع پر ہی مر جائیں گے جب وہ مر جائیں گے تو وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے کہ وہ ان کے لیے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ نہیں کہیں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے کیونکہ ان کے ساتھ بہت جلد معاملہ کیا گیا ہے۔

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

''اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے (اس وقت) کہیں گے: ہائے ہم برباد ہو گئے کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہماری خواب گاہوں سے؟ آواز آئے گی: یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا اس کے رسولوں نے: نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج ظلم نہیں کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 22
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ، باب خروج الدجال، جلد 2، صفحہ 403
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 22

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ یہ دوبارہ اٹھانے کے لیے دوسرا نفخہ ہے(1)۔ سورۂ نمل میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ نفخے دو ہیں تین نہیں ہیں، یہ آیت اسی معنی پر دال ہے۔ مبارک بن فضالہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا پہلے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر زندہ چیز کو موت عطا فرمائے گا اور دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر مردہ چیز کو زندہ کرے گا''(2)۔ قتادہ نے کہا: صور، صورۃ کی جمع ہے صورۃ اور صور اسی طرح ہیں جس طرح عمارت کی سورۃ (دیوار) اور سور ہوا کرتی ہے۔ عجاج نے کہا:

سرت إليه في أعالي السُّورِ

میں اس کی طرف بلند دیواروں میں چلا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ☆ سے مروی ہے کہ انہوں نے وَنُفِخَ فِي الصُّوَرِ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: الصُّوْر ہے یعنی واو ساکن ہے اس سے مراد سینگھ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے اور کلام عرب میں یہ اسی طرح مروی ہے۔ اہل لغت نے یوں کہا:

نحنُ نَطَحْنَاهُمْ غَداةَ الْغَوْرَيْن بالضَّابحاتِ في غُبَار النَّقْعَيْن

نَطْحًا شديدًا لا كَنَطْحِ الصُّوَرَيْن

ہم نے غورین کے دن آواز نکالنے والے گھوڑوں کے ساتھ شدید جنگ کی جبکہ غبار شدید تھا وہ جنگ سینگھ لڑانے والی جنگ نہ تھی۔

یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گذر چکی ہے۔ الاجداث سے مراد قبریں ہیں اسے الاجداف بھی پڑھا گیا ہے(3)؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے یہ کہا جاتا ہے: جدث، جدف فصیح لغت جدث ہے اس کی جمع أجدث اور أجداث آتی ہے متنخل ہذلی نے کہا: عرفتُ بأجْدُثٍ میں نے قبروں کو پہچان لیا۔ اجتدث یعنی اس نے قبر بنائی۔

إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ وہ نکلتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے(4) اس معنی میں بچے کو نسل کہتے ہیں کیونکہ وہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ جلدی کرتے ہیں کیونکہ نسلان اور عسلان جلدی جلدی چلنے کو کہتے ہیں، اسی معنی میں بھیڑیے کی چال ہے۔ شاعر نے کہا:

بَرَدَ الليلُ عليه فَنَسَلْ(5)

رات اس پر ٹھنڈی ہوئی اور وہ تیز چلا یہ جملہ بولا جاتا ہے: عسل الذئب ونسل، ليعسل وينسل الذئب۔ یہ ضَرَبَ يَضْرِبُ کے باب سے ہے ينسل بھی کہتے ہیں اس سے مراد تیز چلنا ہے، معنی ہے وہ تیزی سے نکلتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28) يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ (القمر) يَوْمَ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 23 | 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 439 | 3۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 21

4۔ ایضاً | 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 23 | ☆ ایک نسخہ میں ابن ہرمز ہے یہی صحیح ہے۔

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (المعارج) یعنی وہ بتوں کی طرف جلدی جاتے ہیں حدیث طیبہ میں ہے ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کمزوری کی شکایت کی تو فرمایا: ''علیکم بالنسل تم جلدی چلا کرو کیونکہ یہ انسان کو چست بنا دیتا ہے (1)''۔

ابن انباری نے کہا: یٰوَیْلَنَا پر وقف اچھا ہے پھر مَنْۢ بَعَثَنَا سے آغاز کرے بعض قراء سے مروی ہے یٰوَیْلَنَا مِنْۢ بَعْثِنَا، من کا میم اور بعثنا کا ثاء مکسور ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا سے بھی مروی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق یٰوَیْلَنَا پر وقف کرنا اچھا نہیں یہاں تک کہ وہ پڑھے مِنْ مَّرْقَدِنَا۔

حضرت ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق مِنْ مَّرْقَدِنَا کے ساتھ وصل ہے تو یہ عام لوگوں کے مذہب کی صحت کی دلیل ہے۔ مہدوی نے کہا: ابن ابی لیلی نے قالوا یاویلتنا قراءت کی ہے یہ ویلکی تانیث ہے اس کی مثل یٰوَیْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ (ہود: 72) حضرت علی شیر خدا نے یاویلتا من بعثنا قراءت کی ہے من ویل سے متعلق ہے یا ویلتا سے حال ہے تو من محذوف کے متعلق ہوگا گویا یہ کہا یاویلتا کائنا من بعثنا جس طرح جار مجرور کو ویل سے خبر بنانا صحیح ہے اسی طرح اس سے حال بنانا صحیح ہے مِنْ مَّرْقَدِنَا جار مجرور بعث کے متعلق ہے پھر یہ کہا گیا: انہوں نے یہ بات کیسے کہی جبکہ وہ تو اپنی قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہوں گے؟ اس کا جواب ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا: وہ سو رہے ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے: وہ کہیں گے۔ ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا ہے؟ ابوبکر انباری نے کہا: یہ حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ ھبنا کا لفظ قرآن کا حصہ ہے جس طرح وہ آدمی کہتا ہے جو قرآن پر طعن کرتا ہے بلکہ یہ تو بعثنا کی تفسیر ہے یا یہ اس کے کسی معنی کی تعبیر ہے۔

ابوبکر نے کہا: میں نے من ھبنا الف کے بغیر یاد کیا ہے جبکہ من کا نون ساکن ہے۔ لغت کے طریقہ کے مطابق یہ صحیح ہے من اھبنا نون کو فتحہ دیا کہ اھبّ کے ہمزہ کے فتحہ کو من کے نون کو دیا اور ہمزہ کو ساقط کر دیا جس طرح عرب کہتے ہیں: مَن اخبرك، مَن اعلمت وہ اس سے مراد منْ اَخبرك لیتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اھببت النائم فھب النائم میں نے سونے والے کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا۔ احمد بن یحییٰ نحوی نے ہمیں یہ سنایا:

وعاذلۃ ھَبَّت بلَیْلٍ تَلُوْمُنِی

مجھے ملامت کرنے والی اٹھی اور ملامت کرنے لگی۔

ابو صالح نے کہا: جب پہلا نفخہ ہوگا تو اہل قبور سے عذاب اٹھا لیا جائے گا تو وہ دوسرے نفخہ تک سو جائیں گے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا اسی وجہ سے ان کا یہ قول ہوگا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔

علماء معانی نے کہا: کفار جب جہنم اور اس کے عذاب کی انواع کو دیکھیں گے تو انہیں قبروں میں جو عذاب دیا گیا تھا وہ جہنم

---

1۔ النہایہ لابن الاثیر، جلد 5، صفحہ 49

کے عذاب کے مقابلے میں نیند کی طرح ہوگا۔ مجاہد نے کہا: مومن انہیں کہیں گے: یہ ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جسے ہدایت دی ہوگی وہ ان کفار کو یہ کہیں گے: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ فراء نے کہا: فرشتے انہیں یہ کہیں گے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام اقوال متفق ہیں کیونکہ ملائکہ مومنوں میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝ (البینہ) اسی طرح یہ حدیث ہے المؤمن عند اللہ خیر من کل ما خلق (1) مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فرشتوں اور دوسرے مومنوں نے انہیں یہ بات کہی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جب کفار نے ایک دوسرے کو کہا: کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا تو انہوں نے جب اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کی انبیاء نے انہیں خبر دی تھی تو انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی پھر انہوں نے کہا: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور مرسلین نے سچ بولا تھا اور ہم نے اس کو جھٹلایا تھا، انہوں نے اس وقت اقرار کیا جب اقرار نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بعض قاری یعنی حفص مِنْ مَّرْقَدِنَا پر وقف کرنے اور پھر کلام کو شروع کرتے هٰذَا ابوبکر بن انباری نے کہا: مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا پر عطف بہت اچھا ہے پھر تو کلام کو شروع کرے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ یہ بھی جائز ہے کہ تو هٰذَا پر وقف کرے اور مرقد کی اتباع میں هٰذَا کو جر دے اور مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ سے کلام کا آغاز کرے معنی ہوگا تمہارا اٹھایا جانا رحمن کا وعدہ ہے۔ نحاس نے کہا: کلام مِنْ مَّرْقَدِنَا پر مکمل ہو جاتی ہے اور هٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے اور اس کی خبر مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ ہے۔ یہ بھی جائز ہے هٰذَا، مَّرْقَدِنَا کی صفت ہونے کی حیثیت سے مجرور ہو تو اس صورت میں کلام مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا پر مکمل ہوگی اور مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ تین وجوہات سے محل رفع میں ہوگی۔

ابو اسحاق نے اس کی دو وجوہ ذکر کی ہیں: (1) هٰذَا مضمر ہے (2) کلام اس معنی میں ہو حقّ ما وعد الرحمن بعثکم (3) کلام اس معنی میں ہو بعثکم ما وعد الرحمن۔

ان کو دوبارہ اٹھانا اور انہیں زندہ کرنا ایک چیخ کی صورت میں ہوگا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ کہنا ہے: اے بوسیدہ ہڈیو! اے ٹوٹے ہوئے جوڑ اور ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے اکٹھے ہو جاؤ، حق کے قول کا بھی یہی معنی ہے یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ (ق) اور مُّهْطِعِیْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر: 8) کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت اگر واقعی یہ آپ سے ثابت ہے ان كانت إلا زقية واحدة اس میں زَقْیَة کا معنی چیخ ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ هم ضمیر مبتدا ہے اس کی خبر جمیع ہے جو نکرہ ہے اور مُحْضَرُوْنَ اس کی صفت ہے محضرون کا معنی ہے انہیں جمع کیا جائے گا، انہیں حساب کے موقف میں حاضر کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ (النحل: 77) کی طرح ہے۔

---

1۔ سنن ابن ماجہ، باب المسلمون فی ذمة اللہ، حدیث نمبر 3936، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس روز ان کے حساب میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ میں ما دو وجوہ سے محل نصب میں ہوگی: (1) فعل مجہول کا مفعول ثانی ہے، حرف جر حذف کر دیا گیا اصل میں بما کنتم تعملون تھا۔ یعنی تعملونہ۔ پس اسے حذف کر دیا گیا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۸﴾ وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

''بے شک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں طرح طرح کے لذیز پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔ تم سلامت رہو انہیں یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے۔ اور حکم ہوگا: اے مجرمو! میرے دوستوں سے آج الگ ہو جاؤ''۔

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ اور مجاہد نے کہا: باکرہ عورتوں کے ساتھ حقوق زوجیت نے انہیں غافل کر دیا ہوگا۔ ترمذی حکیم نے اپنی کتاب ''مشکل القرآن'' میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہمیں محمد بن حمید رازی نے انہوں نے یعقوب قمی سے انہوں نے حفص بن حمید سے انہوں نے شمسر بن عطیہ سے، انہوں نے شفیق بن سلمہ سے انہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ باکرہ بیویوں سے حقوق زوجیت نے انہیں مشغول کر رکھا ہوگا (1)۔

محمد بن حمید، ہارون بن مغیرہ سے وہ نہشل سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

ابو قلابہ نے کہا: اسی اثنا میں کہ ایک جنتی اپنے اہل کے ساتھ مصروف ہوگا کہ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو وہ کہے گا: اپنے اہل کے ساتھ مشغول ہوں۔ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جنتی جنت کی لذات اور نعمتوں میں مصروف ہوں گے انہیں نافرمانوں کے جہنم میں جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور اس میں جو دردناک عذاب ہوگا اس کی کوئی پرواہ نہ ہوگی اگرچہ ان لوگوں میں اس کے قریبی رشتہ دار اور گھر والے ہوں گے؛ یہ سعید بن مسیب اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ وکیع نے کہا: شغل کا معنی سماع ہے۔ ابن کیسان نے کہا: فی مشغل کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی ملاقات میں مصروف ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی ضیافت میں مصروف ہوں گے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کو یاد رکھا؟ وہ کھڑے ہوں گے گویا ان کے چہرے چودھویں کے چاند اور روشن ستارے ہوں گے وہ نور کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے ان کی لگامیں یاقوت کی ہونگی جو لوگوں کے سروں پر سے انہیں لے کر اڑتی

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 23

ہوں گی یہاں تک کہ وہ عرش کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے ان بندوں پر سلام جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کی حفاظت کی، میں نے تمہیں چن لیا، میں نے تمہیں منتخب کرلیا ہے اور میں نے تمہیں اختیار کیا ہے جاؤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ، نہ آج تم پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے، وہ پل صراط سے اچکنے والی بجلی کی طرح گزر جائیں گے، ان کے لیے دروزے کھول دیئے جائیں گے پھر مخلوق ابھی میدان محشر میں کھڑی ہو گی تو وہ ایک دوسرے کو کہیں گے: اے قوم! فلاں کہاں ہے؟ فلاں کہاں ہے؟ جس وقت وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے تو ایک منادی ندا کرے گا: اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ ۔

شُغُل اور شُغْل اس میں دو لغتیں ہیں دونوں کے ساتھ اسے پڑھا بھی گیا ہے جس طرح رُعُب اور رُعْب، سُحُت اور سُحْت یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: فٰكِهُوْنَ کا معنی مسرورون ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی فرحون ہے (2)۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی معجبون ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ناعمون ہے۔ سب کا معنی باہم قریب ہے۔ فکاھت کا معنی بھی مزاح اور اچھی گفتگو ہے۔

ابو جعفر، شیبہ اور اعرج نے کہا فَكِهُوْنَ الف کے بغیر ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح فارِہٌ اور فرِہٌ اور حاذِر اور حذِر؛ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی اور ابو عبیدہ نے کہا: الفاکہ سے مراد ذو الفاکھة ہے یعنی اسم فاعل نسبت کے معنی میں ہے جس طرح شاتم، لاحم، تامر اور لابن ہے اور فَكِهٌ سے مراد متفکہ اور متنعم ہے۔ فکھون قتادہ کے قول میں الف کے بغیر ہے جس کا معنی معجبون (خوش ہونے والے) ہے۔ ابو زید نے کہا: یہ کہا جاتا ہے: رجل فکہ جب خوش ہونے والا اور مسکرانے والا ہو۔ طلحہ بن مصرف نے فاکِھِین پڑھا ہے یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ مبتدا اور خبر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھم تاکید ہو اور أزواجھم کا عطف ضمیر پر ہو اور متکئون، فاکھون کی صفت ہوئی۔ عام لوگوں کی قراءت فِیْ ظِلٰلٍ ظاء کے کسرہ اور الف کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن مسعود، عبید بن عمیر، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے اسے فی ظُلَل پڑھا ہے ظاء پر ضمہ ہے اور الف کے بغیر ہے ظِلال، ظل کی جمع ہے اور ظُلَل، ظلة کی جمع ہے۔

ارائك سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں اس کا واحد اریکہ ہے جس طرح سفینہ کی جمع سفائن آتی ہے شاعر نے کہا:

كَاَنَّ احمرارَ الوردِ فوق غُصُونه بوقتِ الضحی فی روضةِ المتضاحِكِ
خُدُودُ عذارَی قد خَجِلن من الحَیَا تَهَادَیْنَ بالریحان فوق الأَرَائِكِ

گویا گلاب کے پھول کی سرخی اس کی ٹہنیوں پر چاشت کے وقت مسکراتے باغیچے میں کنواری عورتوں کے رخسار ہیں جو حیاء کی وجہ سے شرمندہ ہیں جو پلنگوں پر ریحان کا پھول باہم تحفہ دیتی ہیں۔

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 351 2۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 25

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنتی جب بھی اپنی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کر چکیں گے تو ان کی عورتیں باکرہ ہو جائیں گی (1)“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک جنتی ستر سال تک حور سے معانقہ کرے گا نہ مرد اس سے اکتائے گا اور نہ وہ مرد سے اکتائے گی جب بھی وہ جنتی اس کے پاس آئے گا اسے باکرہ پائے گا جب بھی اس حور کی طرف لوٹے گا تو مرد کی شہوت لوٹ آئے گی وہ اس حور کے ساتھ ستر مردوں کی قوت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے گا ان کے درمیان منی نہ ہوگی وہ منی کے بغیر آئے گا اور وہ منی کے بغیر آئے گی۔

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ یہ مبتدا اور خبر ہیں لَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ میں دوسرا دال اصل میں تاء ہے کیونکہ دَعَا سے یفتعلون کے وزن پر ہے یعنی وہ جو طلب کرے گا وہ چیز اسے عطا کر دی جائے گی؛ یہ ابو عبید نے معنی بیان کیا ہے۔ يَدَّعُوْنَ کا معنی ہے وہ آرزو کریں گے یہ دعا سے مشتق ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے جو جس چیز کا دعویٰ کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی فطرت پر پیدا کیا ہوگا کہ وہ ایسی چیز کا ہی دعویٰ کریں گے جو ان کے لیے جمیل اور حسین ہوگی۔ یحییٰ بن سلام نے کہا يَدَّعُوْنَ کا معنی ہے وہ خواہش کریں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سوال کریں گے۔ معنی قریب قریب ہے ابن انباری نے کہا: وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ پر وقف کرنا اچھا ہے پھر سَلٰمٌ سے تو کلام کو شروع کرے معنی یہ ہوگا: ذلك لهم سلامر، سلامر کو اس طریقہ پر رفع دینا بھی جائز ہے وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ مسلم خالص جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے لیے وہ مسلم اور خالص ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر مَا يَدَّعُوْنَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ زجاج نے کہا: سلامر یہ ما سے بدل کے طور پر مرفوع ہے معنی یہ بنے گا: ولهم أن سلامر الله عليهم ان کا حق ہے اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجے یہ جنتیوں کی خواہش ہوگی۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اسی اثنا میں کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے کہ ان کے لیے نور چمکے گا وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اوپر کی جانب سے ظاہر ہوگا فرمایا: اے جنتیو! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلٰمٌ ۚ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ کا یہی مفہوم ہے (3)، اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور وہ اس کا دیدار کریں گے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے اس وقت تک وہ جنت کی کسی اور نعمت کی طرف متوجہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حجاب میں ہو جائے گا جبکہ اس کا نور اور اس کی برکات ان کے گھروں میں باقی رہیں گے (4)؛ یہ ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے اس کا معنی صحیح مسلم میں بھی ثابت ہے ہم نے اس کی وضاحت سورۂ یونس آیت 26 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ میں بیان کر دی ہے یہ بھی جائز ہے کہ ما نکرہ ہو اور سلاما اس کی صفت ہو معنی ہو جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں وہ ان کے لیے مسلم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع اور سلاما اس کی خبر ہو ان صورتوں میں وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں سلاما

---

1۔ المجمع الزوائد، کتاب اهل الجنة، باب ما جاء فی نساء اهل الجنة، جلد 10، صفحہ 771

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 26　　3۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 479، حدیث نمبر 39339

4۔ سنن ابن ماجہ، باب فیما انکرت الجهمية، حدیث نمبر 179، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مفعول مطلق ہے اگر تو چاہے تو اسے حال کی حیثیت سے منصوب تسلیم کر لے تقدیر کلام یوں ہوگی ولهم ما يدعون ذا سلام أو سلامة او مسلما اس تاویل کی صورت میں يَدَّعُوْنَ پر وقف اچھا نہیں۔ محمد بن کعب قرظی نے سِلْمٌ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا: ذلك سلم لهم اس میں وہ کوئی تنازع نہیں کرتے تو اس صورت میں ولهم يدعون مکمل جملہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے سَلٰمٌ، وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ سے بدل ہو اور مَّا يَدَّعُوْنَ کی خبر لهم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے سلام دوسری خبر ہو تو اس صورت میں کلام کا معنی ہو وہ انہیں کے لیے خالص ہے اس میں کوئی نزاع کرنے والا نہیں قَوْلًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قال الله ذالك قولا یا يقوله قولا فعل محذوف پر مصدر کا لفظ دلالت کرتا ہے اور دوسرے مذہب کی بنا پر يَدَّعُوْنَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ سجستانی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان سَلٰمٌ پر وقف مکمل ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ قول ماقبل سے خارج ہے۔

یہ کہا جاتا ہے: تميزوا، امازوا اور امتازوا کا معنی ایک ہی ہے اور مجرد سے یوں مطاوعت کا صیغہ آتا ہے مُزْتُه فانماز و امتاز اور تفعیل سے یوں صیغہ آتا ہے ميزته فتميز جب جنتیوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا تو سوال کے لیے جب وہ کھڑے ہوں گے تو اس وقت انہیں یہ بات کہی جائے گی، یعنی ان سے نکل جاؤ۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے یہ بہشت سے الگ کر دیئے گئے (1)۔ ضحاک نے کہا: مجرم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے (2)، یہودی ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، نصاریٰ ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، مجوسی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے، صابی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے اور بت پرست ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: ہر جماعت کا جہنم میں ایک کمرہ ہوگا جس میں اسے داخل کر دیا جائے گا اور وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ کسی کو دیکھیں گے اور نہ وہ کسی کو دکھائی دیں گے۔ داؤد بن جراح نے کہا: مسلمان مجرموں سے الگ ہو جائیں گے مگر خواہش کے پجاری مجرموں کے ساتھ ہوں گے (3)۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۛؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

”کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے، گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے“۔

آیت کریم میں عہد سے مراد وصیت ہے کیا میں نے تم کو وصیت نہیں کی اور رسولوں کی زبانوں پر تمہیں پیغام حق نہیں

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 29　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 25　　3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 27

پہنچایا کہ تم میری نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کی اطاعت نہیں کرو گے۔ کسائی نے کہا لا نہی کے لیے ہے اَنِ اعْبُدُوْنِیْ یہ نون کے کسرہ کے ساتھ اپنے اصل پر ہے جس نے اسے ضمہ دیا ہے اس نے کسرہ کے بعد ضمہ کو ناپسند کیا ہے۔

اضل کا معنی اغوی ہے یعنی اس نے گمراہ کیا جبلا کا معنی مخلوق ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی جموعا کثیرہ ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی امما کثیرہ ہے معنی سب کا ایک ہی ہے۔ اہل مدینہ اور عاصم نے جِبِلًّا پڑھا ہے ابو عمرو اور ابن عامر نے جُبلا پڑھا ہے باقی قراء نے جُبُلا پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، عبداللہ بن عبید اور نضر بن انس نے اسے مشدد پڑھا ہے یہ پانچ قراءتیں ہیں۔ مہدوی اور ثعلبی نے کہا: سب لغتیں خَلق کے معنی میں ہیں۔ نحاس نے کہا: سب سے واضح پہلی قراءت ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ سب نے اتفاق کیا ہے کہ انہوں نے وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۞ (الشعرا) پڑھا ہے تو جبلا، جبلۃ کی جمع ہے سب کا اشتقاق ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا۔ اس میں چھٹی قراءت بھی ذکر کی گئی ہے وہ ہے جِبلا ضحاک سے یہ مروی ہے کہ ایک جبل سے مراد ستر ہزار افراد ہیں کثیر سے مراد ہے کہ جس کا شمار اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی نہیں کرسکتا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ کیا تم شیطان کی عداوت کو نہیں جانتے اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تو تم نے اسے جھٹلایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ انسانوں، جنوں، اولین و آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا پھر جہنم کی گردن مخلوقات پر جھانکے گی تو وہ ان سب کو گھیر لے گی پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۞ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞ اس موقع پر لوگ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جائیں گے ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہو جائے گی، تو لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھے گا جبکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے''۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۞ وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۞ وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّ لَا يَرْجِعُوْنَ ۞ وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۞

''آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان بدکاریوں پر جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان اندھوں کو راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 27

انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر وہ نہ آگے جاسکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو پھر کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے"۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو کس وجہ سے میں ہنسا ہوں؟" ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "بندہ اپنے رب سے جس انداز میں خطاب کرتا ہے اس وجہ سے میں ہنسا ہوں بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تم نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ بندہ عرض کرتا ہے: میں اپنے سوا کسی کو اپنے اوپر گواہ جائز نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تجھ پر تیرا نفس اور کراما کاتبین ہی گواہ کافی ہیں۔ فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی تو اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بول تو وہ عضو اس کے اعمال کے بارے میں بات کرے گا پھر اس کے اور ان کی گفتگو کے درمیان رکاوٹیں ختم کردی جائیں گی تو وہ اعضاء کو کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا میں اس لیے تمہاری حفاظت کرتا رہا؟"(1)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے اس میں ہے "پھر اسے کہا جائے گا: اب ہم تم پر کوئی گواہ لاتے ہیں، وہ اپنے بارے میں سوچ و بچار کرے گا مجھ پر کون گواہی دے گا؟ تو اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: بول تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بتائیں گی۔ یہی وہ شخص ہے جو گناہ کیا کرتا تھا، یہی منافق تھا اور یہی وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا"۔

امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: "یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں سوار اور پیدل جمع کیا جائے گا تمہیں قیامت کے روز کھینچا جائے گا تمہارے مونہوں پر چھینکے ہوں گے تم سترویں امت کو پورا کرو گے تم ان میں سے بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ہو، تمہارے اعضاء میں سے سب سے پہلے جو اظہار کرے گی وہ اس کی ران ہوگی"۔ دوسری روایت میں "اس کی ران اور اس کی ہتھیلی ہوگی"۔ فدام سے مراد وہ کپڑا ہے جو کوزے اور لوٹے کے اوپر باندھا جاتا ہے؛ یہ لیث نے کہا۔

ابو عبیدہ نے کہا: یعنی انہیں گفتگو سے روک دیا جائیگا یہاں تک کہ ان کی رانیں گفتگو کریں گی۔ تو گفتگو سے روکنے کے عمل کو اس کپڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے لوٹے پر باندھا جاتا ہے منہ پر مہر لگانے کی چار وجوہ ذکر کی گئی ہیں: (1) انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے ہمارے رب ہم شرک کرنے والے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مونہوں پر مہریں لگادیں یہاں تک کہ ان کے اعضاء نے گفتگو کی؛ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے۔

(2) اہل موقف انہیں پہچان لیں اور ان سے ممتاز ہو جائیں گے؛ یہ ابن زیاد کا قول ہے۔

(3) غیر ناطق کا اقرار اس کے اقرار سے دلیل میں یہاں بلیغ ہوتا ہے جو گفتگو کرسکتا ہو کیونکہ اس کی گفتگو معجزہ کے حکم میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، جلد 2، صفحہ 409

ہوتی ہے اگرچہ اس دن کسی معجزہ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(4) تا کہ وہ خود جان لے کہ اس کے اعضاء اس کے بارے میں مددگار تھے تو وہ اس کے رب کے حق میں گواہ ہو گئے

اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیوں فرمایا: وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ ہاتھ کے اظہار کو کلام اور پاؤں کے اظہار کو گواہی قرار دی؟ اس کا جواب دیا جائے گا: ہاتھ خود عمل کرتا ہے اور پاؤں حاضر ہوتا ہے اور حاضر کا قول غیر پر گواہ ہوتا ہے فاعل کا اپنے بارے میں قول اقرار ہوا کرتا ہے خواہ وہ قول کرے یا عمل کرے اسی وجہ سے ہاتھوں سے جو کچھ صادر ہوگا اس کو قول سے تعبیر کیا اور جو کچھ پاؤں سے صادر ہوا اس کو شہادت کہتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس روز منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس روز جو ہڈی سب سے پہلے کلام کرے گی وہ بائیں ٹانگ کی ران ہوگی''، یہ ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جو گمان کرتا ہوں کہ انسان کی ہڈی جو سب سے پہلے گفتگو کرے گی وہ اس کی دائیں ران ہوگی؛ یہ بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا: یہ احتمال موجود ہے کہ اعضاء میں سے پہلے ران گفتگو کرے گی کیونکہ وہ گناہوں کی لذت کا ادراک ان حواس سے کرتا ہے جو اس کے نچلے دھڑ میں ہوتے ہیں ان میں سے ران بھی ہے تو کیونکہ وہ قریب تر عضو ہے اس لیے وہ گواہی دینے میں سب سے پہلے ہوگی کہا: بائیں ران پہلے گواہی دے گی کیونکہ دائیں اعضاء میں شہوت بائیں اعضاء کی بنسبت قوی ہوگی اسی وجہ سے بائیں ران، دائیں ران پر گواہی دینے میں مقدم ہوگی کیونکہ اس میں شہوت کم ہوتی ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: یا اس کے برعکس ہوگا کیونکہ شہوت کا غلبہ ہوگا یا دونوں رانیں اور ہتھیلی اکٹھے گواہی دیں گے کیونکہ اس کے مجموعے سے ہی شہوت اور لذت مکمل ہوتی ہے۔

کسائی نے یوں حکایت بیان کی ہے: طَمَسَ، یَطْمِسُ، یَطْمُسُ اہل لغت کے نزدیک مطموس اور طمس اس اندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں میں شق ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں ہدایت سے اندھا کر دیا وہ کبھی بھی حق کے راستہ کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔ حضرت حسن بصری اور سدی نے کہا: ہم نے انہیں اندھا بنا کر چھوڑ دیا وہ متردد گھومتے پھرتے ہیں اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اندھا بنا دیا وہ اپنے گھروں اور دوسری جگہ اپنے تصرفات کے طریقہ کو نہیں دیکھتے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطۂ نظر ہے۔

پس انہوں نے راستہ کی طرف جلدی کی تا کہ وہ گذر جائیں تو وہ کہاں سے دیکھیں۔ عطا، مقاتل اور قتادہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی گمراہی کی آنکھوں کو پھاڑ دیتے ہم انہیں ان کی گمراہی سے اندھے کر دیتے اور ان کی نظروں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیر دیتے پس وہ ہدایت پا جاتے، اپنی ہدایت کو دیکھ لیتے اور آخرت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 28

کے راستہ کی طرف جلدی کرتے جبکہ ہم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا تو وہ کیسے ہدایت پا سکتے تھے جبکہ ہدایت کی آنکھ ہی بند تھی اور گمراہی پر باقی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام سے سابقہ گفتگو سے مختلف مروی ہے انہوں نے یہ تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کہا: جب قیامت کا دن ہوگا پل کو بچھا دیا جائیگا ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی امت کھڑی ہو جائے تو ان میں سے نیک و بد سب کھڑے ہو جائیں گے وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلیں گے تا کہ وہ پل صراط سے گذر جائیں پھر ایک منادی اعلان کرے گا: چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کھڑی ہو۔ آپ علیہ السلام اور آپ کی امت کھڑی ہوگی تو نیک و گناہگاران کے پیچھے چل پڑیں گے تو ان کا راستہ وہی ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہوگا باقی ماندہ انبیاء کی حالت بھی ایسے ہی ہوگی؛ نحاس نے یہ ذکر کیا ہم نے اس کا ذکر ''تذکرہ'' میں کیا ہے یہ اسی کے مناسب ہے جو ابن مبارک نے ''رقائق'' میں ذکر کیا ہے اور قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسود بن اسود نے ایک پتھر اٹھایا جبکہ اس کے ساتھ بنی مخزوم کی ایک جماعت تھی اس نے پتھر اس لیے اٹھایا تھا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسے پھینکے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کو بند کر دیا پتھر کو اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹا دیا نہ اس نے دیکھا اور نہ اس نے ہدایت پائی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ مطموس اسے کہتے ہیں جس کی پلکوں کے درمیان شق نہ ہو یہ طمس الریح الاثر سے مشتق ہے؛ یہ اخفش اور قتبی نے کہا۔

مسخ سے مراد خلقت کو تبدیل کر دینا ہے اسے پتھر، جماد یا چوپایا بنا دینا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: معنی ہے ہم نے انہیں بٹھا دیا وہ طاقت نہیں رکھتے کہ آگے گزریں اور پیچھے ہٹیں اسی طرح جامع چیز آگے اور پیچھے نہیں ہو سکتی بعض اوقات مسخ انسان کو چوپایا بنانے کی صورت میں ہوتا ہے پھر وہ چوپایا کسی ایسے موقع و محل کی سمجھ نہیں رکھتا کہ جس کا وہ قصد کرے پس وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم ان کے مسکنوں میں ہی انہیں ہلاک کر دیتے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم اسے اس جگہ پر مسخ کر دیتے جہاں اسنے نافرمانی کی جرأت کی تھی۔ حضرت ابن سلام نے کہا: یہ سب کچھ قیامت کے روز ہوگا اللہ تعالیٰ پل صراط پر سے گذرتے وقت ان کی آنکھوں کو مسخ کر دے گا۔ حضرت حسن بصری، سلمی، زر بن حبیش اور عاصم نے ابوبکر کی روایت میں مکاناتھم جمع کا صیغہ ہے جبکہ باقی نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے ابوحیوہ نے فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا قراءت کی ہے۔ المضی جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے جس کا معنی جانا ہے۔

عاصم اور حمزہ نے نُنَكِّسْهُ پڑھا ہے یہ تنکیس سے مشتق ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نَنْكُسْه پڑھا ہے یہ نکست الشئ انکسه نکسا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے سر کے بل الٹایا تو وہ الٹ گیا۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ نے اسے اس بڑھاپے کی حالت کی طرف پھیرا جو بچے کی حالت کے مشابہ ہے۔ سفیان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ اسی سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں تبدیلی آ جاتی ہے اور اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے (3)۔ شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 353 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 29 3۔ ایضاً

من عاش أخلقتِ الأيامُ جِدَّتَهُ وخانه ثِقَتَاهُ السَّمْعُ والبصرُ(1)

جو آدمی طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے تو ایام اس کی تروتازگی کو بوسیدہ کر دیتے ہیں اور اس کی دو قابل اعتماد چیزیں یعنی قوت سماعت اور قوت بصارت اس کے ساتھ خیانت کرتی ہیں۔

لمبی عمر جوانی کو بڑھاپے، قوت کو ضعف، زیادتی کو نقص میں تبدیل کر دیتی ہے یہی غالب طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی (2)۔ سورۂ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس نے ایسا کیا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ نافع اور ابن ذکوان نے تعقلون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یَعْقِلُوْنَ پڑھا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

"اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے، نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے تاکہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام کر دے کفار پر"۔

اس آیت میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حال کی خبر دی اور کفار کے قول کا رد کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور قرآن شعر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہیں کہتے تھے اور نہ موزوں کلام کیا کرتے تھے جب آپ کوئی مثال بیان کرنے کے لیے کوئی مصرعہ کہنے کا ارادہ کرتے تھے تو اس کے وزن کو توڑ دیتے آپ صرف معانی کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (3) طرفہ کا شعر پڑھا:

سَتُبْدِي لك الأيام ماكنتَ جاهلًا ويأتيكَ من لم تزوّده بالأخبار(4)

زمانہ تیرے لیے وہ چیز ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف تھا اور تیرے لیے وہ خبریں لے آئے گا جس کو تو نے زاد راہ نہ دیا۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر پڑھا:

ألم تریانی کلما جئت طارقًا وجدتُ بها وان لم تطيَّب طيبًا(5)

ایک روز آپ نے یہ شعر پڑھا:

أتجعلُ نَهْبِی ونَهْبَ العبيد بين الأقرع وعُيَيْنَه(6)

---

1۔ الحماسہ، صفحہ 144 مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب استعاذۃ من ارذل العمر، جلد 2، صفحہ 943

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461

4۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیئذان، باب ماجاء فی انشاد الشعر، جلد 2، صفحہ 108

5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461

6۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب اعطاء المؤلفۃ، جلد 1، صفحہ 339

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید ہی کبھی صحیح شعر پڑھا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا شعر پڑھا:

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عن فِرَاشِهِ إذا استثقلت بالمشركين المضاجِعُ(1)

اس کا پہلو بستر سے الگ تھلگ رات گزارتا ہے جبکہ بستر مشرکین سے بوجھل ہو جاتے ہیں۔ حضرت حسن بن ابی الحسن نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

كَفَى بالإسلامِ والشيبِ للمرءِ ناهيا(2)

اسلام اور بڑھاپا انسان کو خبردار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نے تو کہا ہے:

هريرةَ وَدِّعْ إن تَجهّزْتَ غاديا كَفَى الشيبُ والإسلامُ للمرءِ ناهيًا

حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ خلیل بن احمد سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شعر سب سے مرغوب کلام تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعر کہتے نہیں تھے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** کبھی کبھی صحیح وزن سے کلام کرنا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعر جانتے تھے اس طرح آپ نثر میں سے ایسا کلام کرتے تھے جو موزوں ہوتا جس طرح یوم حنین اور دوسرے مواقع پر فرمایا۔

هل أنت إلا إصبعٌ دَمِيتِ وفي سبيلِ الله مالَقِيتِ(3)

تو تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی تو نے اللہ کی راہ میں دشمن سے ملاقات نہیں کی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا:

أنا النبيُّ لا كَذِبْ أنا ابن عبدِالمطلبْ(4)

میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

آپ قرآن کی آیات اور ہر کلام میں اسی طرح کا انداز اپناتے نہ وہ شعر ہوتا اور نہ ہی اس کے معنی میں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:92) اللہ تعالیٰ کا فرمان: نصر من الله وفتح قريب۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (سبا:13) اس کے علاوہ کئی اور آیات ہیں۔ ابن عربی نے ان میں سے آیات کا ذکر کیا ہے ان پر گفتگو کی اور وزن سے خارج کیا کہا: ابو الحسن اخفش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انا النبی لا کذب کے بارے میں کہا: یہ شعر نہیں۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب هجاء المشركين، جلد 2، صفحہ 909
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 353
3۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، جلد 1، صفحہ 393
4۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب من قاد دابة، جلد 1، صفحہ 401

خلیل نے کتاب ''العین'' میں کہا: جو تبع دو جزءوں میں آئے وہ شعر نہیں ہوتا ان سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ منہوك الرجز(1) میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منہوك الرجز میں سے نہیں ہوتا مگر جب لا کذب اور عبد المطلب کی باء پر وقف کیا جائے کسی کو یہ معلوم نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کہا۔ ابن عربی نے کہا: غالب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا کذب کی باء کو مرفوع کہا اور عبد المطلب کی باء کو اضافت کی وجہ سے مکسور پڑھا ہے۔

نحاس نے کہا: بعض نے کہا روایت اعراب کے ساتھ ہے جب روایت اعراب کے ساتھ ہو تو وہ شعر نہیں ہوگا کیونکہ وہ جب پہلے بیت کی باء کو فتحہ دیں یا ضمہ دیں یا تنوین دیں اور دوسرے مصرعے کی باء کو کسرہ دیں تو وہ شعر کے وزن سے نکل جائے گا۔ بعض نے کہا: یہ وزن شعر کا نہیں یہ بڑے لوگوں کا مکابرہ ہے کیونکہ عربوں کے اشعار اس وزن پر خلیل اور دوسرے علماء نے روایت کیے ہیں جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے هل أنت إلا إصبعٌ دَمِيتِ (2) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ بحر سریع میں سے ہے یہ اس وقت ہوگا جب تو دمیت کی تاء کو کسرہ دے اگر اسے ساکن پڑھا جائے تو کسی صورت میں بھی شعر نہیں ہوگا کیونکہ اس حقیقت پر دونوں کلمے فعول کا وزن ہوتا ہے جبکہ بحر سریع میں فعول کا کوئی دخل نہیں شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تاء ساکنہ یا تاء متحرکہ کی اتباع کے بغیر کہا ہو۔ انفعال کی صورت میں اعتماد اس پر ہوگا کہ اسے شعر تسلیم کر لیا جائے اور اعتراض ساقط ہو جاتا ہے اس سے پھر بھی لازم نہیں آتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعر کا علم رکھتے تھے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ آپ شاعر تھے بیت نزر کی شکل اختیار کرنا اور رجز وغیرہ کے دو قافیوں کا پانا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ اس کا قائل شعر کو جانتا ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے شاعر نہیں کہتے جس طرح کوئی آدمی ایک دفعہ کپڑا سی لے تو اسے خیاط نہیں کہتے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا کہ وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کا معنی ہے کہ ہم نے اسے شاعر نہیں بنایا یہ اس کے مانع نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہیں۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے یہ اس میں سے بہترین گفتگو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی مگر اس کی خبر نہیں دی کہ آپ شعر نہ کہیں یہی کلام کا ظاہر معنی ہے اس میں ایک واضح قول کیا گیا ہے۔ قول کرنے والے نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ اہل لغت کا اجماع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے کہا ہے: جس نے کوئی موزوں کلام کیا جس کے ساتھ وہ شعر کا قصد نہیں کرتا تھا تو وہ شعر نہیں ہوتا وہ شعر کے موافق ہوتا ہے، یہ واضح قول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے جس چیز کی نفی کی ہے وہ شعر اس کے اصناف قوافی کے علم کی نفی ہے اور اس کے ساتھ متصف ہونے کی نفی کی ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ متصف نہ تھے کیا تم دیکھتے نہیں کہ قریش آپس میں مشورہ کرتے تھے کہ موسم حج کے موقع پر جب عرب ان کے پاس آئیں گے تو وہ انہیں کیا کہیں گے؟ بعض نے کہا: ہم کہیں گے وہ شاعر ہے؛ ان میں سے بعض ذہین لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! عرب تم کو جھٹلا دیں گے کیونکہ وہ شعر کی اصناف کو خوب سمجھتے ہیں اللہ کی قسم! ان کا کلام تو شعروں میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں اور نہ ہی ان کا قول شعر ہے۔ حضرت انیس جو حضرت ابوذر کے بھائی تھے کہا: تحقیق میں نے ان کے کلام کو

---

1۔ بحر رجز کے دو ثلث (دو تہائی) کو حذف کرنا بقیہ کو منہوک کہتے ہیں۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب من ينكب، جلد 1، صفحہ 393

شعر کی اصناف پر پیش کیا تو یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ وہ شعر ہے؛ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت انیس عربوں کے عمدہ شاعر تھے۔ اسی طرح عتبی بن ربیعہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو کہا: اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، وہ کہانت نہیں، وہ جادو نہیں جس کی وضاحت سورۂ فصلت میں انشاء اللہ آئے گی اس کے علاوہ بھی عرب کے فصحاء اور بلغاء نے یہی کہا ہے۔ زبان پر جو کلام موزوں جاری ہوتا ہے اسے شعر نہیں کہتے اس موزوں کلام کو شعر شمار کیا جاتا ہے جو شعر کے وزن پر ہو اور شعر کا قصد بھی کیا جائے کوئی کہنے والا کہتا ہے: ایک بزرگ نے ہمیں بیان کیا ینادی یا صاحب الکسائی۔ اسے شعر شمار نہیں کیا جاتا۔ ایک آدمی اپنی مرض میں یوں ندا کیا کرتا تھا: اذھبوابی إلی الطبیب وقولوا قد اکتوی یہ کوئی شعر نہیں۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے شعر کہنے کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: زیادہ شعر نہ کہا کرو اس کا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے پاس شعراء کو جمع کرو اور ان سے شعر کے بارے میں پوچھو کیا ان کے ہاں شعر کی پہچان باقی ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے لبید کو حاضر کیا کہا: اس نے انہیں جمع کیا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا: ہم شعر پہچانتے ہیں اور ہم شعر کہتے ہیں، انہوں نے لبید سے سوال کیا تو لبید نے کہا: جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام: الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ سنا میں نے شعر نہیں کہا۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت شعر کا عیب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ (عنکبوت:48) کتابت کے عیب میں سے نہیں ہے جب امیت خط کے عیب میں سے نہیں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کی نفی شعر کا عیب نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مامون نے ابوعلی منقری سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو امی ہے تو شعر صحیح نہیں کہہ سکتا اور تو غلطی کر جاتا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! جہاں تک غلطی کا تعلق ہے بعض اوقات سبقت لسانی سے ایسا ہو جاتا ہے جہاں تک امی ہونے اور شعر کو توڑ دینے کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو نہیں لکھتے تھے اور شعر درست نہیں پڑھتے تھے تو مامون نے کہا: میں نے تجھ سے تین عیبوں کے بارے میں پوچھا تھا تو نے چوتھے کا اضافہ کر دیا ہے وہ جہالت ہے اے جاہل! جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس وصف کا تعلق ہے وہ فضیلت ہے جبکہ تجھ میں اور تیرے جیسے دوسرے افراد میں نقص ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روکا گیا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تہمت کو ختم کیا جائے شعر اور کتابت میں کسی عیب کی وجہ سے ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ شعر کہنا آپ کے لیے مناسب نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات میں سے ایک علامت بنایا ہے تاکہ جن کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معبوث کیا گیا ہے انہیں اشتباہ نہ ہو تو اس سے یہ گمان پیدا نہ ہو کہ آپ قرآن پر اس لیے قوی تھے کیونکہ آپ کو شعر کہنے کی قوت حاصل ہے ملحد کو اس بنا پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں کہ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں وزن اتفاقاً پایا جا رہا ہے کیونکہ جس کا وزن شعر کے وزن کے موافق ہے جبکہ شعر کا قصد نہیں کیا تو وہ شعر نہیں ہوتا تو عام لوگوں میں سے جو بھی موزون کلام کرتا وہ شعر ہوتا جبکہ لوگ اسے شاعر نہیں کہتے، جس کی وضاحت پہلے

گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے کسی کا شعر دہرانا اور اپنی جانب سے شعر کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسان نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تم پر تلاوت کرتے ہیں وہ ذکر اور قرآن حکیم ہے۔

حَیًّا سے مراد دل کا زندہ ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: حَیًّا سے مراد دانشمند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ڈرائیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب تاء کے ساتھ قراءت ہو اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لوٹے گا یا فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن حکیم کی طرف منسوب ہوگا۔ ابن سمیقع سے لِیَنْذَرَ مروی ہے۔ وَ یَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ۝ یعنی کافروں پر قرآن کے ذریعے حجت ثابت ہو چکی ہے۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ۝ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ۝

"کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لیے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی مویشی پھر اب یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان مویشیوں میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے"۔

آیت میں رؤیت سے مراد دل کا دیکھنا ہے یعنی کیا وہ نظر و فکر نہیں کرتے، عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچ و بچار نہیں کرتے ان اعمال میں جو ہم نے بغیر مثال کے کیے ہیں اور واسطہ، وکالت اور شراکت کے بغیر کیے ہیں مِّمَّا میں ما، الذی کے معنی میں ہے ضمیر عائد اسم کی طوالت کی وجہ سے حذف کر دی گئی اگر ما کو مصدریہ بنایا جائے تو ضمیر حذف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انعام یہ نعم کی جمع ہے اور نعم مذکر ہے۔ اب یہ لوگ ان جانوروں کے مالک ہیں اور ان پر غالب ہیں (1)۔ ہم نے ان جانوروں کو ان کے لیے مسخر کیا ہے (2) یہاں تک کہ ایک بچہ بڑے اونٹ کی مہار کو پکڑ کر چلتا ہے، اسے مارتا ہے جیسے چاہتا ہے اس سے کام لیتا ہے اور اس کی طاعت سے نہیں نکلتا ان جانوروں میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر سواری کی جاتی ہے رکوب کی عام قراءت راء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس طرح حلوب محلوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اعمش، حسن بصری اور ابن سمیقع نے رُکوبھم پڑھا ہے یعنی راء مضموم ہے اور مصدر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اسے رکوبتھم پڑھا ہے ان کے مصحف میں بھی ایسا ہے۔ رکوب اور رکوبۃ کا معنی ایک ہی ہے جس طرح حلوب اور حلوبہ، حمول اور حمولہ۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 27
2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 292

نحوی کوفیوں نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب کہتے ہیں: امراۃ صبور، شکور اس کے آخر میں ھاذکر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں شاۃ حلوبۃ، ناقۃ رکوبۃ کیونکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس امر میں فرق کریں کہ کس کا فعل ہے اور کس پر فعل واقع ہو رہا ہے؟ فاعل سے انہوں نے ھاء کو حذف کر دیا ہے اور مفعول میں اسے ثابت رکھا جس طرح شاعر نے کہا:

فيها اِثْنتانِ وأربعون حَلُوبَةً سُودًا كخافيةِ الغرابِ الأسْحَمِ(1)

''ان میں بیالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جنہیں دوہا گیا ہے وہ سیاہ رنگ کی ہیں جس طرح سیاہ کوے کے پر ہیں''۔ اس تعبیر کی بنا پر رکوبتھم ہونا واجب ہے۔ جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے وہ کہتے ہیں: ھاء تانیث نسبت کی وجہ سے حذف ہے۔ پہلے قول کی دلیل وہ ہے جو جرمی نے ابوعبیدہ سے نقل کی ہے کہا: رکوبۃ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے ہے اور رکوب صرف جمع کے لیے ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ جمع کے مذکر ہونے کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا: فَمِنْهَا رُكُوْبُهُمْ راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ وہ مصدر ہے اور رکوب اسے کہتے ہیں جس پر سوار ہوا جاتا ہے، فراء نے اسے جائز قرار دیا ہے یعنی راء کے ضمہ کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فمنها أكلهم و منها شربهم ان میں سے کچھ ان کا کھانا ہے اور ان میں سے کچھ ان کا مشروب ہے اور ان کے گوشت تم کھاتے ہو ان کے کئی اور منافع بھی ہیں یعنی اون، بال وغیرہ ان کی چربیاں اور گوشت وغیرہ۔ مشارب سے مراد ان کے دودھ ہیں (2)۔ یہ منصرف نہیں کیونکہ دونوں جمع ہیں واحد میں ان کی کوئی مثال نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

''اور ان ظالموں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شائد وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو اے حبیب! ان کا قول، ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں''۔

ان لوگوں نے ہماری قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھا ہے پھر انہوں نے ہمیں چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی فعل پر قدرت نہیں رکھتے جبکہ وہ ان کی اس وقت مدد کی امید رکھتے ہیں اگر ان پر عذاب نازل ہو عرب یوں کلام کرتے ہیں لعله ان يفعل جبکہ وہ معبودان باطلہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ بتوں کے لیے فعل واو نون کے ساتھ جمع ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے بارے میں خبر دی گئی ہے جس طرح انسانوں کے بارے میں خبر دی جاتی ہے۔

جبکہ کفار ان جھوٹے معبودوں کے حاضر لشکر ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان معبودوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: کفار دنیا میں ان کے لیے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفار ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں پس کفار ان کے لیے لشکر کے حکم میں ہوتے ہیں جبکہ یہ

1۔ دیوان عنترہ، صفحہ 12 2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 293 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 357

معبودان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معبودان باطلہ، اپنے عبادت گذاروں کے لشکر ہوں گے ان کے ساتھ جہنم میں حاضر ہوں گے ان میں سے بعض کا دفاع نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے بت جہنم میں ان کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کے لشکر ہوں گے کیونکہ یہ بت ان مشرکوں پر لعن طعن کریں گے اور ان کی عبادت سے براءت کا اظہار کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معبودان باطلہ ان کے لشکر ہوں گے قیامت کے روز انہیں حاضر کیا جائیگا تا کہ یہ بت ان کے گمانات میں ان کی مدد کریں۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''یہ قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کیا کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت دی جائیگی وہ قوم جہنم کی طرف اس معبود کے پیچھے پیچھے چلے گی پس وہ کفار ان کے حاضر لشکر ہوں گے''۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ترمذی شریف میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ قوموں کو کھلے میدان مین جمع کرے گا پھر اللہ رب العالمین ان کی طرف جھانکے گا ارشاد فرمائے گا: خبردار! ہر انسان اس کے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا، صلیب کی پوجا کرنے والے کے لیے صلیب کو مثالی صورت دی جائے گی، تصاویر کی پوجا کرنے والے کے لیے تصویر کو مثالی صورت دی جائیگی اور آگ کی پرستش کرنے والے کے لیے آگ کو مثالی صورت دی جائے گی تو جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے وہ ان کے پیچھے چلیں گے اور مسلمان باقی رہ جائیں گے (1)'' اور طویل حدیث ذکر کی۔

اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گفتگو غمگین نہ کرے یَحْزُنْكَ کو مجرد سے معروف پڑھنا یہ فصیح لغت ہے عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: یُحْزِنک اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے یعنی ان کا یہ کہنا: وہ شاعر ہے، جادوگر ہے تجھے غمگین نہ کرے گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۞ یعنی اللہ تعالیٰ قول و عمل کو جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور جسے وہ ظاہر کرتے ہیں پس ہم اس کے مطابق انہیں بدلہ دیں گے۔

اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۞

''کیا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ ہمارا کھلا دشمن بن بیٹھا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان سے مراد عبداللہ بن ابی ہے (2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ عاصی بن وائل سہمی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ ابی بن خلف جمحی ہے؛ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ابن وہب نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

نطفہ سے مراد تھوڑا سا پانی ہے نطف سے مراد ہے جب وہ ٹپکائے۔ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۞ سے مراد ہے (3) وہ خصومت میں

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ماجاء فی خلود أهل الجنة وأهل النار، جلد 2، صفحہ 79، ایضاً، حدیث 2480، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 38 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 33

جدال کرنے والے اور حجت کو بیان کرنے والا ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ بعد اس کے کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اب جھگڑنے والا اور حجت کو بیان کرنے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک پرانی ہڈی لایا اس نے کہا: اے محمد! کیا تیری یہ رائے ہے کہ اس ہڈی کے بوسیدہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اللہ تعالیٰ تجھے زندہ کرے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا☆'' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ۞ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ ۞

''اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لیے عجیب وغریب مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا ہے اپنی پیدائش کو، گستاخ کہتا ہے: اجی! کون زندہ کرسکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ آپ فرمائیے: اے گستاخ! سن زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وہ بھول گیا کہ ہم نے اسے مردہ نطفہ سے پیدا کیا اور ہم نے اس میں زندگی کو رکھ دیا یعنی اس کی ذات میں ہی جواب موجود ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا(1)'' اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منکرین بعث کے خلاف پہلی دفعہ پیدا کرنے سے استدلال کیا ہے۔

رَمِیْمٌ کا معنی بوسیدہ ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: رَمَّ العظمُ فھو رَمِیمٌ و رِمَام۔ رمیم فرمایا رمیمہ نہیں کہا کیونکہ یہ فاعلة سے معدول ہے جو کلمہ اپنے وزن سے معدول ہوا سے اعراب سے بھی پھیر دیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۞ (مریم) بَغِیًّا کے آخر سے یاء کو گرادیا کیونکہ اسے باغیة سے پھیرا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کافر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: بتائیے اگر میں اسے پیس دوں اور ہوا میں بکھیر دوں کیا اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا(2)؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی فرما دیجئے: وہ ذات اسے زندہ کرے گی جس نے اسے پہلی بار بغیر مثال کے پیدا کیا تو وہ دوبارہ کسی شے کو پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے(3) وہ شے عَجْمُ الذَّنَب ہے اسے عَجْبُ الذَّنَب بھی کہتے ہیں۔ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ۞ وہ ہر چیز کو جانتا ہے یعنی کیسے اسے پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور کیسے اسے دوبارہ پیدا کرتا ہے(4)۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ہڈیوں میں زندگی ہے اور موت کے ساتھ وہ ناپاک ہو جاتی ہیں؛ یہ امام ابوحنیفہ اور بعض اصحاب شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: ہڈی میں کوئی زندگی نہیں۔ یہ بحث سورۂ نحل میں پہلے گذر چکی ہے۔

اگر یہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ سے مراد اصحاب عظام لیے ہیں اور مضاف الیہ کا مضاف کی جگہ واقع ہونا

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 553 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 33 4۔ ایضاً ☆ تفسیر طبری، الدرالمنثور

لغت میں بہت زیادہ ہے اور شریعت میں بھی موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ اس وقت ہوتا ہے جب ضرورت ہو جبکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں جو اس اضمار کا باعث ہو یہاں تک کہ اس تقدیر کلام کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے اور وہ اس پر قادر ہے حقیقت اس کی گواہی دیتی ہے کیونکہ احساس جو زندگی کی علامت ہے اس میں موجود ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰ اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ۝۸۱ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۸۲ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۳

”جس نے اپنی حکمت سے رکھ دی تمہارے لیے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی چھوٹی سے مخلوق بے شک وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس۔ وہ ہر عیب سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائیگا“۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر متنبہ فرمایا اور مردوں کو زندہ کرنے کے ساتھ اپنی کمال قدرت پر دلیل قائم کی ان چیزوں سے جنہیں وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ تر لکڑی سے ایسی چیز نکالی جو جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور خشک ہوتی ہے اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ کافر نے کہا: نطفہ زندگی کی طبیعت کی وجہ سے گرم تر ہے اور ہڈی موت کی طبیعت کی بنا پر ٹھنڈی اور خشک ہے تو اس سے زندگی کیسے نکلتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ سرسبز درخت پانی سے جنم لیتا ہے پانی ٹھنڈا تر ہے جو آگ کی ضد ہے یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ نے اس سے آگ کو پیدا کیا تو وہ اس پر قادر ہے کہ ضد کو ضد سے نکالے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے مراد مَرْخ اور عَفَار میں جو آگ ہے، یہ عربوں کی زناد ہے؛ اسی سے ان کا قول ہے: فی کل شجرنار واسْتَمْجَدَ المَرْخُ والعَفَار۔(1) ہر درخت میں آگ ہے مرخ اور عفار نے خوب حصہ لیا عفار کو زند کہتے ہیں یہ اوپر والی لکڑی ہے مرخ زندہ ہے یہ نیچے والی لکڑی ہے؛ دونوں سے دو ٹہنیاں لی جاتی ہیں جس طرح دو مسواک ہوتے ہیں دونوں پانی گرا رہی ہوتی ہیں ایک کو دوسری کے ساتھ رگڑا جاتا ہے تو ان دونوں سے آگ نکلتی ہے۔

**الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ** فرمایا الخضراء نہیں فرمایا جبکہ یہ جمع ہے(2) کیونکہ اسے (الأخضر) کے لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ عربوں میں سے کچھ یہ بھی کہتے ہیں: الشجر الخضراء جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 31

2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 295

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ (الواقعہ) پھر الله تعالیٰ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ، مثلهم سے مراد بعث کا انکار کرنے والوں کی مثل ہے سلام، ابومنذر اور یعقوب حضرمی نے يَقْدِرُ على ان يخلق مثلهم پڑھا ہے کہ يقدر فعل ہے۔ بَلٰى: کیوں نہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق ان کو پیدا کرنے سے بہت بڑھ کر ہے وہ ذات پاک جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ انہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ وہ خلاق وعلیم ہے حضرت حسن بصری نے اسے خالق پڑھا ہے (1)۔

کسائی نے فیکون نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا عطف یقول پر ہے یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مشقت وتھکاوٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ اس کے ذریعے الله تعالیٰ نے اپنی ذات کی عجز وانکساری سے پاکی بیان کی ہے ملکوت اور ملکوتی عربوں کے کلام ہیں ملک کے معنی میں ہے عرب کہتے ہیں: جبروتی خیر من رحموتی۔ میرا جبروت، میرا رحموت سے بہتر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ سے مراد ہر شے کی چابیاں ہیں۔ طلحہ بن مصرف، ابراہیم تیمی اور اعمش نے اسے ملكة پڑھا ہے یہ ملکوت کے معنی میں ہے مگر یہ مصحف کے خلاف ہے۔

وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ تمہاری موت کے بعد اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا عام قراءت تاء کے ساتھ ہے اور خطاب کا صیغہ ہے۔ سلمی، زر بن حبیش اور حضرت عبدالله کے شاگردوں نے یرجعون پڑھا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 295

# سورة الصافات

آیاتہا ۱۸۲ ﴿۳۷ سُورَۃُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ۵۶﴾ رکوعاتہا ۵

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

''قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر خوب جھڑ کنے والوں کی، پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا''۔

ان تین آیات کی جو قراءت مروج ہے یہی اکثر قراء کی قراءت ہے۔ حمزہ نے ان میں ادغام کے ساتھ قراءت کی ہے یہ وہ قراءت ہے جب امام احمد بن حنبل نے اسے سنا تو اسے ناپسند کیا۔ نحاس نے کہا: تین وجوہ سے لغت عربی میں یہ بعید ہے: (1) تاء صاد کے مخرج میں سے نہیں، زاء کے مخرج میں سے نہیں، ذال کے مخرج میں سے نہیں نہ ہی ان کے اخوات کے مخرج میں سے ہے اس تاء کی اخت، طاء اور ذال ہے زاء کی اخت، صاد اور سین ہے ذال کی اخت، ظاء اور ثاء ہے۔ (2) تاء ایک کلمہ میں ہے اور دوسرے حروف دوسرے کلمہ میں ہیں۔ (3) جب تو انہیں جمع کرے گا تو تو دو کلموں کے دو ساکنوں کو جمع کریگا اس جیسی صورت میں دو ساکنوں کو اس وقت جمع کرنا جائز ہوتا ہے جب وہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں جس طرح دابۃ، شابۃ۔

حمزہ کی قراءت کے جواز کی صورت یہ بنتی ہے کہ تاء ان حروف کا قریب المخرج ہے الصّٰٓفّٰتِ یہ قسم ہے یہاں واؤ، باء کا بدل ہے معنی ہے صافات کے رب کی قسم فَالزّٰجِرٰتِ کا اس پر عطف ہے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ یہ جواب قسم ہے کسائی نے قسم میں ان کے ہمزہ کو فتحہ دینا جائز قرار دیا ہے الصافات سے لے کر التالیات تک سے مراد فرشتے ہیں(1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ فرشتے آسمان میں اسی طرح صف باندھتے ہیں جس طرح دنیا میں مخلوقات نماز کے لیے صفیں باندھتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فضا میں اپنے پروں کو صف در صف کیے ہوتے ہیں (2) وہ فضا میں کھڑے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز کا حکم دیتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح غلام اپنے مالکوں کے سامنے صفیں بنائے کھڑے ہوتے ہیں۔

1۔ المستدرک مع التلخیص، جلد 2، صفحہ 429

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 36

حضرت حسن بصری نے کہا: مراد ہے وہ اپنے رب کے حضور نماز کے لیے صفیں بناتے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: صافات سے مراد پرندے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ (الملک: 19) صف کا معنی ہے جمعیت کو ایک لائن میں ترتیب دینا جس طرح نماز میں صف باندھی جاتی ہے۔ الصافات اس کی جمع ہے یہ کہا جاتا ہے: جماعة صافة پھر اس کی جمع صافات بنائی جاتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: الصّٰفّٰتِ سے مراد مومنوں کی جماعت ہے (1) جب وہ نماز یا جہاد میں صف میں کھڑے ہوتے ہیں؛ یہ امام قشیری نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، مسروق اور دوسرے علماء کے نزدیک فَالزّٰجِرٰتِ سے مراد فرشتے ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ بادلوں کو جھڑکتے ہیں اور انہیں ہانکتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے یا اس لیے کیونکہ نصیحتوں کے ذریعے معاصی سے جھڑکتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن کے زواجر ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مجاہد، جبیر اور سدی کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے سب سے بڑے ہیں تو وہ لشکروں اور متبعین سے خالی نہیں ہوتے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن اور اس کی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن کی آیات ہیں، آیات کی صفت تلاوت سے اسی طرح لگائی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (نمل: 76) قرآن کی آیات کو تالیات کہنا اس لیے بھی جائز ہے کیونکہ بعض حروف بعض کے پیچھے ہوتے ہیں؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے کہ تالیات سے مراد انبیاء ہیں جو وحی کو اپنی اپنی امت کی طرف تلاوت کرتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ صفات میں فاء عاطفہ کس حیثیت سے آئی ہے؟ اسے کہا جائے گا: یا تو یہ وجود (پائے جانے) میں معانی کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے جس طرح یہ شعر ہے:

یَالَهفَ زَیَابَةَ للحارثِ الصابِحِ فالغَانِمِ فالآیِبِ (3)

''زیابہ کا حارث کے لیے افسوس جس نے صبح کے وقت حملہ کیا غنیمت حاصل کی اور صحیح وسالم واپس لوٹ گیا''۔ یا بعض اعتبارات سے باہم فرق کی بنا پر انہیں مرتب کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: خذ الافضل فالاکمل۔ و اعمل الاحسن والاجمل۔ افضل کو پھر اکمل کو لو۔ احسن پھر اجمل کام کرو یا صفات کے موصوفات میں ترتیب ثابت کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: رحم اللہ المحلقین فالمقصرین (4) حلق کرانے والوں پر رحم فرما پھر قصر کرانے والوں پر رحم فرما۔ ان تین قوانین کی بناء پر صفات میں فاء عاطفہ لایا جاتا ہے؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 36
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 358
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 34
4۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تفضیل الحلق علی التقصیر، جلد 1، صفحہ 420

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ۝ یہ جواب قسم ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کفار نے کہا: تو تمام معبودوں کو ایک معبود بناتا ہے وہ ایک خدا تمام مخلوقات کو کیسے کافی ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے عظمت و شان کو ظاہر کرنے کے لیے ان صفات کے ساتھ قسم اٹھائی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن انباری نے کہا: یہاں پر وقف کرنا اچھا ہے پھر رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے تو ابتدا کرے معنی یہ ہوگا وہ آسمانوں کا رب ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد سے بدل ہو۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں صورتوں میں لواحد پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ اخفش نے رب السموات و رب المشارق پڑھا ہے اس صورت میں یہ ان کے اسم کی صفت ہوگی یعنی آسمان اور زمین کا خالق اور ان لوگوں کا مالک۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا کہ وہ رب السموات والارض یعنی ان کا خالق و مالک ہے۔

وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۝ یعنی سورج کے مطالع کا مالک۔ حضرت ابن عباس نے کہا: سورج کا ہر روز ایک مشرق اور مغرب ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے مطلع کے لیے تین سو پینسٹھ روشن دان بنائے ہیں اسی طرح مغرب میں دنوں کی تعداد کے مطابق غروب ہونے کے لیے روشن دان بنائے ہیں ہر روز ان میں سے ایک روشن دان سے وہ طلوع ہوتا ہے اور ایک روشن دان میں غائب ہوتا ہے۔ وہ اگلے سال اسی روشن دان سے طلوع ہوتا ہے وہ طلوع نہیں ہوتا مگر مجبوری کے عالم میں ہی طلوع ہوتا ہے وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے اپنے بندوں پر طلوع نہ کر کیونکہ وہ تیری نافرمانی کرتے ہیں؛ ابوعمر نے اسے کتاب التمہید میں ذکر کیا ہے۔ ابن انباری نے کتاب الرد میں عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: مجھے بتایئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امیہ بن صلت کے بارے میں مروی ہے امن شعرُہ و کفر قلبُہ فرمایا: وہ حق ہے تم نے اس میں سے کس چیز کو عجیب جانا ہے؟ میں نے کہا: ہم نے اس کے اس قول کو عجیب و غریب جانا ہے:

والشمسُ تطلُعُ كلَّ آخِرِ ليلةٍ حمراءَ يُصبحُ لونُها يَتورّدُ
ليست بطالعةٍ لَهُمْ في رِسْلِها إلّا مُعَذَّبَةً وَإلّا تُجْلَدُ

"سورج ہر رات کے آخر میں سرخ طلوع ہوتا ہے صبح کے وقت اس کا رنگ گلاب کے پھول کی طرح ہو جاتا ہے وہ ان پر طلوع نہیں ہوتا مگر اسے عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے اور کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں"۔ کیا وجہ ہے کہ سورج کو کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! سورج کبھی بھی طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار فرشتے اسے کچوکے دیتے ہیں، فرشتے اسے کہتے ہیں: تو طلوع ہو، تو طلوع ہو۔ وہ کہتا ہے: میں اس قوم پر طلوع نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری اطاعت کرتی ہے۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور انسانوں کی روشنی کے لیے اسے اوپر اٹھاتا ہے، شیطان اس کے پاس آتا ہے وہ اسے طلوع ہونے سے روکنے کا ارادہ کرتا ہے سورج اس کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سورج کے نیچے جلا دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا بھی یہی

مطلب ہے: ''یہ شیطان کے دوسینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس کے دوسینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور جب بھی غروب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتا ہے، شیطان اس کے پاس اسے سجدے سے روکنے کے لیے آتا ہے تو وہ اس کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس کے نیچے جلا دیتا ہے''۔ یہ انباری کے الفاظ ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیہ بن ابی صلت کے اس شعر کی تصدیق کی۔

زُحَلٌ وثَوْرٌ تحتَ رِجلِ يَمِينِهِ والنَّسرُ لأُخرى وليثٌ مُرْصَدُ

والشَّمسُ تَطلعُ كلَّ آخرِ ليلةٍ حمراءَ يصبِحُ لونُها يَتَوَرَّدُ

ليست بطالعةٍ لهم في رِسْلِها إلّا مُعذَّبةً وإلّا تُجْلَدُ

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: اے میرے آقا! کیا سورج کو بھی کوڑے مارے جاتے ہیں؟ فرمایا: اسے سیرابی نے کوڑوں پر مجبور کرایا لیکن وہ عقاب سے ڈرتا ہے مطالع کا ذکر مغارب پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) مشارق کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ طلوع غروب سے پہلے ہوتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ مشرقین سے مراد وہ دور دراز کا مطلع ہے جہاں سے طویل ترین دن سورج طلوع ہوتا ہے اور سال کے چھوٹے ترین دن میں جہاں سے طلوع ہوتا ہے جس طرح سورۂ یٰسٓ میں گزرا ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

''بلا شبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے اور اسے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان کی رسائی سے نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے ان کو بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ''۔

قتادہ نے کہا: ستارے تین مقاصد کے لیے پیدا کئے گئے ہیں (1)، شیاطین کو رجم کرنے کے لیے، ایسے نور کے لیے جس کے ساتھ راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور آسمان دنیا کی زینت کے لیے۔ مسروق، اعمش، نخعی، عاصم اور حمزہ نے بزینۃ پڑھا ہے یعنی مجرور اور منون اور الکواکب کو زینۃ سے بدل کے طور پر مجرور پڑھا ہے کیونکہ کواکب ہی زینت ہیں۔ ابو بکر نے اسی طرح پڑھا ہے مگر الکواکب کو زینۃ مصدر کی وجہ سے نصب دی ہے اس کا معنی ہے ہم نے آسمانوں سے ستاروں کو مزین کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اعنی کی وجہ سے منصوب ہو گویا کہا: ہم نے اسے زینت سے مزین کیا ہے یعنی ستاروں سے مزین کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زینۃ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے زینۃ الکواکبِ پڑھا جائے معنی ہوگا اس کی زینت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 38

ستارے ہیں یا معنی ہو یہی کواکب ہیں۔ باقی قراء نے اسے اضافت کے ساتھ بزینة الکواکب پڑھا ہے معنی ہے ہم نے آسمان دنیا کو کواکب کی تزیین کے ساتھ مزین کیا یعنی ان کے حسن کے ساتھ مزین کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ قراءت تو اس کی قرءت کی طرح ہو جس نے اسے تنوین دی مگر تخفیف کے لیے اسے حذف کر دیا و حفظا یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی حفظناہ حفظا۔

**مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۝** جب الله تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ فرشتے آسمان سے وحی کے ساتھ نازل ہوتے ہیں تو یہ بھی واضح کیا الله تعالیٰ نے کواکب کے ساتھ آسمان کو مزین کرنے کے بعد آسمان کی اس چیز سے حفاظت کا اہتمام کیا کہ کوئی چوری چھپے آسمان کی خبریں سن لے۔ مارد جنوں اور انسانوں میں سے جو سرکش ہوتا ہے اسے کہتے ہیں، عرب اسے شیطان کہتے ہیں۔

**لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى** ابو حاتم نے کہا کلام اس طرح ہے لئلا یسمعوا پھر ان کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو رفع دیا گیا **الْمَلَاِ الْاَعْلٰى** سے مراد آسمان دنیا اور دوسرے آسمانوں والے ہیں۔ تمام کو اعلیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زمین کے مکینوں کی بنسبت وہ اعلیٰ ہیں **يَسَّمَّعُوْنَ** میں ضمیر شیاطین کے لیے ہے۔ جمہور نے اسے يَسْمَعُوْنَ پڑھا ہے یعنی سین ساکن ہے اور میم مخفف ہے حمزہ اور عاصم نے حفص کی روایت میں لَا يَسَّمَّعُوْنَ پڑھا ہے اس وقت یہ تسمیع سے مشتق ہے☆، پہلی قراءت کی صورت میں اس کے سماع کی نفی کردی ہے اگرچہ وہ سننے کی کوشش کریں گے۔ یہی صحیح معنی ہے اس کی تائید الله تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: **اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ۝** (الشعراء)

دوسری قراءت کی صورت میں ان سے استماع اور سماع دونوں کی نفی واقع ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ سننے کی کوشش کریں گے اور سن نہ سکیں گے **يَسَّمَّعُوْنَ** کی اصل یتسمعون ہے(1) تاء کو سین میں مدغم کر دیا گیا ہے کیونکہ تاء سین کا قریب المخرج ہے؛ ابو عبیدہ نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ عرب کم ہی کہتے ہیں: سمعت إلیه وہ کہتے ہیں تسمعت إلیه و یقذفون من کل جانب انہیں ہر جانب سے شہاب ثاقب مارے جائیں گے۔ دحورا مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے کیونکہ **يُقْذَفُوْنَ** کا معنی بھی یدحرون ہے دحرته دحرا و دحورا یعنی میں نے اسے دھتکار دیا۔ سلمی اور یعقوب حضرمی نے دَحُوْرًا پڑھا ہے اس وقت یہ فَعول کے وزن پر مصدر ہوگا جہاں تک فراء کا تعلق ہے انہوں نے اسے اسم فاعل کی حیثیت دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقذفون بما یدحرهم یعنی دحور سے پہلے باء حذف ہے کوفی اس کو اکثر استعمال کرتے ہیں جس طرح انہوں نے یہ شعر کہا:

تَمُرُّوْنَ الدِّيَارَ وَلَمْ تَعُوْجُوْا

یہاں الدیار سے پہلے باء حذف ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ شہاب ثاقب کے ساتھ مارنا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تھا یا بعثت کی وجہ سے اس کے بعد تھا اس بارے میں دو قول ہیں: اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے روایات سورۂ جن میں آئیں گی۔ ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے جنہوں نے یہ کہا: شیاطین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 35

☆ متن میں اسی طرح ہے مگر یہ درست نہیں صحیح تسمع ہے۔

بعثت سے قبل نہیں مارا جاتا تھا پھر انہیں مارا جانے لگا یعنی انہیں ایسا نہیں مارا جاتا تھا جو انہیں سننے سے روک دے لیکن انہیں کسی وقت مارا جاتا اور کسی وقت نہ مارا جاتا، ایک جانب سے مارا جاتا اور دوسری طرف سے نہ مارا جاتا شاید اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۞ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۞ سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے انہیں بعض جوانب سے ہی مارا جاتا تھا تو اب ان کے لیے دائمی عذاب ہے اس سے قبل وہ انسانوں کی جانب سے جاسوسی کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی اس کی حاجت پوری کر دیتا اور کوئی اسے پورا نہ کر سکتا کوئی محفوظ رہتا اور کوئی محفوظ نہ رہتا بلکہ اسے پکڑ لیا جاتا اور اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آسمان کی حفاظت میں اضافہ کر دیا گیا ان کے لیے ایسے شہاب تیار کیے گئے جو پہلے تیار نہیں کیے گئے تھے تاکہ آسمان کی تمام جوانب سے انہیں پتھر مارے جائیں پہلے جن جگہوں پر وہ بیٹھتے تھے وہ اب وہاں نہ بیٹھ سکیں جو چیز آسمان میں جاری ہوتی اب وہ اس کے سماع پر قادر نہیں مگر یہ کہ کوئی چیز تیزی سے اچک لیں تو زمین کی طرف آنے اور اپنے دوستوں تک اسے القاء کرنے سے قبل کوئی شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرے اور اسے جلا دے اس طرح کہانت باطل ہو گئی اور رسالت و نبوت حاصل ہو گئی۔

اگر سوال کیا جائے: اگر یہ شہابچوں کے ساتھ مارنا نبوت کی وجہ سے تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی یہ سلسلہ کیوں جاری رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت دائمی ہے اس لیے یہ سلسلہ بھی قائم و دائم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہانت کے باطل ہونے کی خبر دی ہے فرمایا: لیس منا من تکھن جس نے کہانت کی وہ ہم میں سے نہیں۔

اگر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حفاظت و نگہبانی کا سلسلہ نہ ہوتا تو جن پھر سننا شروع کر دیتے اور کہانت لوٹ آتی تو یہ باطل ہونے کے بعد جائز نہیں کیونکہ جب حفاظت نبوت کی وجہ سے ہوئی تھی تو حفاظت و نگہداشت کا ختم ہونا اور کہانت کا دوبارہ شروع ہونا ضعیف مسلمانوں کے لیے شبہ کا باعث ہوتا اور اس کا خوف موجود تھا کہ لوگ یہ گمان کرتے کہ کہانت اس لیے لوٹ آئی ہے کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے تو یہ بات صحیح ہے کہ حکمت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی اس کی حفاظت ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۞ ۔ واصب کا معنی دائم ہے یہ مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی شدید ہے۔ کلبی، سدی اور صالح نے اس کا معنی موجع کیا ہے یعنی جس کا درد دل تک جا پہنچتا ہے۔ یہ وصب سے ماخوذ ہے جس کا معنی مرض ہے (1)۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ یہ وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۞ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء غیر وحی کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۞ فرشتے ایک دوسرے کو جو بات پہنچاتے یہ ان میں سے کوئی چیز چوری چھپے سن لیتے یہ ان امور میں سے ہوتے جو عالم میں وقوع پذیر ہونے والے ہوتے جبکہ اہل زمین کو اس کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 39

ابھی علم نہ ہوتا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا کیونکہ شیاطین کے اجسام خفیف ہوتے تو اس وقت انہیں شہابچوں سے مارا جاتا۔

اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں کی طرف بلند ہوتے (1) وہ ایک دوسرے کے اوپر سننے کے لیے بیٹھتے سب سے زیادہ جسارت کرنے والا آسمان کے زیادہ قریب ہوتا پھر اس طرح یکے بعد دیگرے دوسرے ہوتے اللہ تعالیٰ اہل زمین کے بارے میں حکم دیتے اہل سموات اس کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے تو قریبی شیطان اسے سن لیتا اور وہ اسے نیچے والے کی جانب القا کرتا کبھی شہابچہ اسے جلا دیتا اور بعض اوقات وہ کلام القا کر لیتا اور شہابچہ اسے نہ جلاتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو وہ بات کاہنوں تک جا پہنچتی وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے اور وہ بات سچی ہوتی جس طرح ہم نے سورۃ الانعام میں بیان کیا ہے جاہل سب کو سچ تسلیم کر لیتے۔

جب اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا تو آسمان کی شدت سے حفاظت کی گئی تو کوئی شیطان نہ بچا جس نے کوئی حتمی بات سنی مارے جانے والے ستارے وہی ہیں جنہیں لوگ ٹوٹتا ہوا دیکھتے ہیں۔

نقاش اور مکی نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے نہیں جو آسمان میں جاری ہیں کیونکہ ان کی حرکت نہیں دیکھی جاتی یہ پھینکے جانے والے ستارے ہیں جن کی حرکت دیکھی جاتی ہے کیونکہ یہ ان ستاروں میں سے قریب ترین ہیں۔ سورۂ حجر میں اس کے بارے میں کافی وضاحت گذر چکی ہے۔ ہم نے سورۂ سباء میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے اس میں ہے: ''شیاطین ایک دوسرے کے اوپر تھے''۔ (2) اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''شیاطین تیزی سے اچک لیتے ہیں (3) تو انہیں شہابچے مارے جاتے ہیں وہ ان باتوں کو اپنے دوستوں کی طرف القا کرتے ہیں جو وہ بات اس طریقہ پر کریں تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس میں اضافہ کر دیتے ہیں'' کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ خطف کا معنی تیزی سے کسی چیز کو لے لینا ہے۔ یہ لفظ یوں استعمال ہوتا ہے خَطَف، خَطِف، خَطَّف، خِطَّف اور خِطِّف۔ مشدد میں اصل اختطف ہے تاء کو طاء میں مدغم کیا گیا کیونکہ یہ اس کی اخت ہے خاء کو فتحہ دیا گیا ہے کیونکہ تاء کی حرکت اس پر ڈالی گئی ہے۔ جس نے اسے کسرہ دیا تو وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے جس نے طاء کو کسرہ دیا ہے تو اس نے کسرہ کو کسرہ کے تابع کیا ہے۔

ثاقب سے مراد روشن ہے؛ یہ ضحاک، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد آگ کے ستارے ہیں جو ان کا پیچھا کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سمندر میں گرا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الشهب کے بارے میں فرمایا: وہ ان شیاطین کو موت کے بغیر جلاتے ہیں وہ شہابچے جن کے ساتھ لوگوں کو مارا جاتا ہے وہ ان ثابت ستاروں سے نہیں ہوتے اس پر ان کی حرکات کا دکھائی دینا دلالت کرتا ہے ثابت کواکب چلتے ہیں ان کی دوری کی وجہ سے ان کی حرکات دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ بحث بھی گذر چکی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 466   2۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ سبا، جلد 2، صفحہ 154

3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 155، ایضاً، باب و من سورۃ سبا، حدیث 3148، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شہاب کی جمع شُھُب ہے جمع قلت میں قیاس اشھبہ ہے اگرچہ عربوں سے یہ جمع کا وزن نہیں سنا گیا۔ ثاقب کا معنی روشن ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابو مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے:

وَ زَنْدُكَ أَثْقَبُ أزنادِها

یعنی تیری زند (وہ لکڑی جس سے آگ روشن کی جاتی تھی) تمام زندوں سے زیادہ روشن ہے اخفش نے اس کی جمع کے بارے میں کہا شُھُبٌ ثُقُبٌ، ثواقب اور ثقاب۔ نسائی نے کہا: ثقبت النار تثقب ثقابة وثقوبا، جب وہ روشن ہو اثقبتها انا میں نے اسے روشن کیا۔ زید بن اسلم نے ثاقب کے بارے میں کہا: وہ روشن ہے؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے أثقِبْ زَندك یعنی اپنی آگ روشن کر، یہ اخفش کا قول ہے اور شاعر کا قول پڑھا:

بينما المرءُ شِهابٌ ثاقبٌ ضربَ الدهرُ سَناهُ فَخَمَدْ(1)

اس اثناء میں کہ انسان ایک روشن ستارہ ہوتا ہے زمانہ اس کی چمک کو ضرب لگاتا ہے تو وہ بجھ جاتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝۱۱ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝۱۲ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝۱۳ وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝۱۴ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۱۶ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝۱۷

”پس آپ ان سے پوچھیے: آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا دوسری چیزیں جنہیں ہم نے پیدا فرمایا بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں قدرت کے کرشمے دیکھ کر اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: نہیں ہے مگر یہ کھلا جادو، کیا جب ہم مر جائیں گے اور مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟“۔

یعنی اہل مکہ سے پوچھیے۔ یہ مفتی سے فتویٰ طلب کرنے سے ماخوذ ہے اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا سے مراد آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں فرشتے اور سابقہ امتیں داخل ہیں اس پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اسے من کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: من سے مراد سابقہ امتیں ہیں (3) جو ہلاک ہو چکیں وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے یہ آیت اشد بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسے ابو الاشد اس لیے کہا گیا کیونکہ اس کی پکڑ اور قوت بہت زیادہ تھی اس کا ذکر سورۃ البلد میں آئیگا اس کی مثل یہ آیت ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن: 57) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ (النازعات: 27)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 39 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 40 3۔ ایضاً

لَّازِبٍ کا معنی لیسدار مٹی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس معنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

تَعَلَّمْ فَإِنَّ اللهَ زَادَكَ بَسْطَةً　　وأخلاقَ خيرٍ كُلُّها لكَ لَازِبُ(1)

علم حاصل کرو اللہ تعالیٰ تیرے جسم اور بھلائی کے اعمال میں اضافہ کرے وہ سب تیرے ساتھ وابستہ ہوں۔

قتادہ ابن زید نے کہا: لَّازِبٍ کا معنی ہے چمٹنے والی۔ ماوردی نے کہا: لاصق اور لازق میں فرق یہ ہے (2) کہ لاصق اسے کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ دوسرے کے ساتھ چمٹا ہوا ہو اور لازق اسے کہتے ہیں جو جس چیز کے ساتھ لگتا ہے اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: لَّازِبٍ کا معنی لزج ہے یعنی لیسدار۔ سعید بن جبیر نے کہا: گرم گوند جو ہاتھ سے چمٹ جائے۔ مجاہد نے کہا: لَّازِبٍ سے مراد لازم ہے عرب کہتے ہیں: طین لازب، لازم۔ باء میم سے بدلی ہوئی ہے اس کی مثل ان کا قول ہے: لاتب، لاتم باء میم سے بدلی ہوئی ہے لازب کا معنی ثابت ہے تو کہتا ہے: صار الشئ ضربة لازب۔ یہ ضربہ لازم سے زیادہ بلیغ ہے نابغہ نے کہا:

ولا تَحْسَبُونَ الخيرَ لَاشَرَّ بعدَهُ　　ولا تَحْسَبُونَ الشَّرَّ ضربةَ لَازِبٍ(3)

تم خیر کو گمان نہیں کرتے اس کے بعد شر نہیں ہوگی اور تم شر کو ضرب لازب خیال نہیں کرتے۔

فراء نے عربوں سے یہ حکایت بیان کی ہے: طین لاتب یہ لازم کے معنی میں ہے لاتب کا معنی ثابت ہے اسی سے تو یہ باب ذکر کرتا ہے لَتَبَ يَلْتُبُ لَتْبًا ولُتُوبًا یہ لزب يَلْزُبُ لزوبا کی طرح ہے۔ ابو جراح نے لاتب کے بارے میں یہ شعر پڑھا ہے:

فإن يَكُ هذا من نَبِيذٍ شَرِبْتُهُ　　فإنّي من شربِ النَّبيذِ لَتَائِبُ

صُدَاعٌ وَتَوصيمُ العِظَامِ وفَتْرَةٌ　　وغَمٌّ مع الإشْرَاقِ في الجَوفِ لَاتِبُ(4)

"اگر یہ اس نبیذ سے ہے جسے میں نے پیا ہے تو میں نبیذ کو پینے سے تائب ہوں سر درد، ہڈیوں میں سراخ، شکستگی اور چمٹ جانے والا غم جبکہ پیٹ میں آگ روشن ہے"۔ لاتب سے مراد لاحق ہے جو لازب کی مثل ہے؛ اصمعی سے جوہری نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ سدی اور کلبی نے کہا: لازب سے مراد خالص ہے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد بدبودار ہے۔

**بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ** ۝ اہل مدینہ، ابو عمرو اور عاصم نے عجبت کو تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے یعنی قرآن میں سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس سے آپ تعجب کا اظہار کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ شریح کی قراءت ہے اور ضمہ والی قراءت کرنا پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بلکہ وہ جو بعث کا انکار کرتے ہیں اس پر آپ تعجب اظہار کرتے ہیں۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور فراء نے اسے پسند کیا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے اسے بل عجبتُ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 40　　2۔ ایضاً

3۔ دیوان النابغة الذبیانی، صفحہ 18　　4۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 51

فراء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلْ عَجِبْتَ وَ يَسْخَرُوْنَ کے بارے میں کہا: لوگوں نے اسے تاء کے رفع اور نصب کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ رفع مجھے زیادہ محبوب ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا، حضرت عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ابوزکریا فراء نے کہا: فعل عجب کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا تو اس کا وہ معنی نہ ہوگا جو معنی اس وقت ہوگا جب اسے بندوں کی طرف منسوب کیا جائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرۃ:15) اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کی صورت میں اس کا وہ معنی نہیں ہوگا جو معنی بندوں کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں شریح کے قول کا رد ہے جب اس نے اس قراءت کا انکار کیا۔

جریر اور اعمش نے ابووائل شقیق بن سلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے بل عجبت ویسخرون پڑھا ہے۔ شریح نے کہا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کی وجہ سے تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا (1)۔ اعمش نے کہا: میں نے ابراہیم کے سامنے اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: شریح کو اپنی رائے اچھی لگتی ہوگی بے شک حضرت عبداللہ شریح سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ اسے بل عجبتُ پڑھتے۔ ہروی نے کہا: بعض ائمہ نے کہا بل عجبت کا معنی ہے بلکہ میں انہیں کے تعجب پر بدلہ دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کئی مواقع پر ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ حق سے تعجب کا اظہار کرتے ہیں: وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (ص:3) فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ارشاد فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ (یونس:2) اللہ تعالیٰ کا فرمان: بَلْ عَجِبْتَ بلکہ میں نے انہیں ان کے تعجب پر سزا دی۔

میں کہتا ہوں: یہ فراء کے قول کا خلاصہ ہے؛ بیہقی نے اسے پسند کیا۔ علی بن سلیمان نے کہا: دونوں قراءتوں کا معنی ایک ہی ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قل ای محمد بل عجبت، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے۔ قول اکثر مضمر ہوتا ہے؛ بیہقی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے نفس کے بارے میں تعجب کے اظہار کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ جس نے اس کا انکار کیا اس کے بارے میں اس نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے اسے مخلوق کی جانب سے تعجب کے قائم مقام رکھ دیا جائے جس طرح جس بات پر وہ راضی ہوتا ہے اس کے بارے میں خبر دینے کو ضحک پر محمول کیا جاتا ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا ہے کہ جس سے وہ راضی ہوا اس کے اظہار کو مجاز المخلوقات کے ضحک کے قائم مقام رکھا۔

ہروی نے کہا: عجب ربکم کا معنی ہے تمہارا رب راضی ہوا اور اس نے بدلہ دیا اسے عجب کا نام دیا مگر حقیقت میں وہ عجب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ (انفال:30) اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مکر پر بدلہ دیتا ہے اس کی مثل حدیث ہے: عجب ربکم من إلّکم وقنوطکم (2) تمہارا رب تمہاری آہ وزاری اور تمہاری مایوسی پر تمہیں بدلہ دیتا ہے۔ بعض اوقات عجب کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتا ہے اس صورت میں بل

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 38

2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 37

عجبت کا معنی ہے بلکہ ان کا فعل میرے ہاں عظیم ہے۔ بیہقی نے کہا: یہ بھی امکان ہے کہ یہ حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث کے معنی کے مشابہ ہو۔ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: عجب ربك من شباب ليس له صبوة (1) تیرے رب کے ہاں اس نوجوان کا مکالمہ عظیم ہے جس میں خواہش نفس کی طرف میلان نہ ہو۔ امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی کی مثل ہے: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قوم کا معاملہ عظیم ہے جو جنت میں بیڑیوں کے ساتھ داخل ہوتی ہے''۔ بیہقی نے کہا: یہ حدیث اور جو اس کی مثل احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو کرم اور شفقت فرماتا ہے اس کے فرشتے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں جب انہیں برانگیختہ کیا کہ وہ ایمان لائیں یہ صورت قتال اور بیڑیوں میں جکڑنے کے ساتھ واقع ہوئی یہاں تک کہ جب وہ ایمان لائے تو انہیں جنت میں داخل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: بَلْ عَجِبْتُ کا معنی ہے بلکہ میں نے اسے عجیب و غریب جانا۔ نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعجب سے مراد کسی شے کو عجیب و غریب جاننا اور اس کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔ یہ عربوں کی لغت ہے حدیث طیبہ میں آیا ہے: عَجِبَ رَبُّكم مِنْ إلِّكم وقُنوطِكم اللہ تعالیٰ نے تمہاری آہ و زاری اور تمہاری مایوسی کو عجیب و غریب جانا۔

وَ يَسْخَرُوْنَ۝ میں واؤ حالیہ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی عجبت منهم في حال سخريتهم۔ ایک قول یہ کیا گیا: بل عجبت پر کلام مکمل ہوگئی پھر نئی کلام شروع ہوئی اور فرمایا: وَ يَسْخَرُوْنَ یعنی وہ اس کا تمسخر اڑاتے جو آپ لائے جب تو نے اسے ان پر تلاوت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعوت دیتے ہیں تو وہ تیرا مذاق اڑاتے ہیں۔

وَ اِذَا ذُكِّرُوْا قتادہ کے قول کے مطابق جب انہیں قرآن کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے لَا يَذْكُرُوْنَ۝ تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے (2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: جب ان کے سامنے اس عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان سے قبل جھٹلانے والوں پر نازل ہوا تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں تدبیر نہیں کرتے۔

وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً جب وہ کسی معجزہ کو دیکھتے ہیں تو وہ مذاق اڑاتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ وہ کہتے: وہ جادو ہے استسخر اور سخر دونوں کا ایک ہی معنی ہے (3) جس طرح استقر اور قر کا معنی ایک ہی ہے اور استعجب اور عجب کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا يَسْتَسْخِرُوْنَ۝ کا معنی ہے وہ غیروں سے مذاق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ استہزاء کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت مذاق ہے۔ وَ قَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ جب وہ معجزات کا مقابلہ کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ جادو، خیال اور دھوکہ ہے۔ ءَاِذَا مِتْنَا جب ہم مرجائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ استفہام انکار اور مذاق کے لیے ہے اور ہمارے آباء کو دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ ہمزہ استفہام کو حرف عطف پر داخل کیا گیا ہے۔ اَوَ اٰبَآؤُنَا نافع نے اَوْ کو واؤ کے سکون ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى (اعراف: 98)

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 467 2۔ زاد المسیر، جلد 5،6، صفحہ 300 3۔ ایضاً، جلد 5،6، صفحہ 301

قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

”فرمائیے: ہاں ضرور اسی حال میں کہ تم ذلیل وخوار ہوگے۔ پس قیامت تو ایک جھڑکی ہوگی پس وہ اٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں گے۔ اور کہیں گے: ہم برباد ہو گئے یہ تو یوم جزا ہے۔ ہاں ہاں یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے“۔

قُلْ نَعَمْ ہاں تمہیں دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ جبکہ تم ذلیل وخوار ہوگے کیونکہ جس چیز کا انہوں نے انکار کیا تھا اس کے وقوع کو دیکھیں گے تو لامحالہ وہ ذلیل وخوار ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: عنقریب قیامت برپا ہوگی اگرچہ تم ناپسند کرو تمہارے نہ چاہتے ہوئے یہ امر واقع ہوگا اگرچہ تم اپنے گمان کے مطابق اس کا انکار کرو۔

یہ تو ایک چیخ ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(1)۔ اس سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ صیحہ کو زجرہ کا نام دیا ہے(2) کیونکہ اس سے مقصود جھڑکنا ہی ہے یعنی اس کے ساتھ انہیں جھڑکا جائے گا جس طرح ہانکتے وقت اونٹوں اور گھوڑوں کو جھڑکا جاتا ہے تو وہ کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ انتظار کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کہا گیا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (انبیاء: 97) ایک قول یہ کہا گیا ہے: وہ اس بعث کو دیکھیں گے جس کا انہوں نے انکار کیا۔

وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ وہ اپنے لیے ہلاکت کو پکاریں گے کیونکہ اس روز انہیں علم ہے جو ان پر واقع ہونے والا ہے۔ بصریوں کے نزدیک ویل کا لفظ منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ فراء نے یہ گمان کیا ہے: اس کی تقدیر کلام یوں ہوگی یا وی لنا اور وی، حزن کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: اگر یہ اسی طرح ہو جس طرح اس نے کہا تو یہ الگ ہوتا جبکہ مصحف میں یہ متصل ہے ہم ہر کسی کو جانتے ہیں کہ وہ اسے متصل ہی لکھتا ہے یَوْمُ الدِّیْنِ سے مراد یوم حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یوم جزا ہے۔

هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کا ایک دوسرے کے لیے قول ہے یعنی یہ وہ دن ہے جس کو ہم نے جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے یہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے وہ حق پرست کو باطل پرست سے الگ کردے گا پس ایک جنت میں اور ایک فریق جہنم میں ہوگا۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 360 2۔ زاد المسیر، جلد 5،6، صفحہ 301

هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ مَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَاۤ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ۝ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

"اے فرشتو! جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو جہنم کی راہ کی طرف اور (اب ذرا) روک لو انہیں ان سے باز پرس کی جائے گی، تمہیں کیا ہو گیا ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے جائیں گے اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف اور سوال و جواب کیے جائیں گے۔ پیروکار سرداروں سے کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفرے سے (اور ہمیں کفر پر مجبور کیا کرتے تھے) وہ جواب دیں گے: بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم اب (خواہ مخواہ) ہم عذاب کو چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گم راہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔ ہم اس طرح سلوک کرتے تھے مجرموں کے ساتھ (کفار کا یہ حال ہے کہ) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں"۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے لیے فرمان ہے یعنی مشرکوں اور شرک میں جو ان کے ساتھی تھے انہیں اٹھاؤ۔ شرک سے مراد ظلم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (لقمان) کافر کو کافر کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہ قتادہ اور ابو العالیہ کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعبیر کرتے ہوئے کہا: بدکار کو بدکار کے ساتھ، شرابی کو شرابی کے ساتھ اور چور کو چور کے ساتھ اٹھایا جائے گا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَزْوَاجَهُمْ سے مراد ان کی مثل ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَزْوَاجَهُمْ سے مراد ان کی وہ بیویاں ہیں جو شرک میں ان کے موافق ہیں(2)؛ یہ مجاہد اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ نعمان بن بشیر نے حضرت عمر بن خطاب سے یہی روایت کیا ہے ضحاک نے کہا: اَزْوَاجَهُمْ سے مراد شیاطین میں سے ان کے ساتھی ہیں(3)؛ یہ مقاتل کا بھی قول ہے۔ یہ کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر اٹھایا جائے گا وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت، شیطان اور ابلیس ہے(4)۔ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ انہیں جہنم کی طرف لے چلو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 43 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 39 4۔ زاد المسیر، جلد 5،6، صفحہ 302

ان کی راہنمائی کرو، یوں کہا جاتا ہے: هديته الى الطريق، هديته الطريق، یعنی میں نے اس کی راستہ کی طرف راہنمائی کی اس طرح اهديت الهدية وهديت العروس۔ اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: اهديتها یعنی میں نے اسے ہدیہ کے قائم مقام بنادیا۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ کے بارے میں عیسیٰ بن عمر نے کہا: انّ فتحہ کے ساتھ ہے۔ کسائی نے کہا تقدیر کلام یوں ہے لانهم، بانهم، یوں باب بیان کیا ہے وقفتُ الدابة أقفها وَقْفا فوقفت هي وقوفًا۔ کبھی یہ فعل متعدی استعمال ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی استعمال ہوتا ہے یعنی انہیں روک۔ یہ انہیں جہنم کی طرف ہانکے جانے سے قبل ہوگا؛ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی انہیں حساب کے لیے روکو پھر انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جاؤ۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: پہلے انہیں آگ کی طرف ہانکا جائے گا پھر وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو انہیں سوال و جواب کے لیے روک لیا جائے گا۔ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ان سے ان کے اعمال، اقوال اور افعال کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ یہ قرظی، کلبی اور ضحاک نے کہا: ان سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان سے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بارے میں پوچھا جائے گا ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اسے مخلوق پر ظلم کی جانب سے پوچھا جائے گا۔ ان سب میں یہ دلیل موجود ہے کہ کفار سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سورۃ الحجر میں اس کے بارے میں گفتگو پیچھے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ان سے سوال یہ ہوگا کہ ان سے کہا جائے گا: کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے یہ حجت قائم کرنے کے لیے ہوگا انہیں کہا جائے گا: مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ کیا وجہ ہے تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ یہ شرمندہ کرنے کے لیے سوال کیا جائے گا کہ تم میں سے بعض بعض کی مدد کرتا اور اسے اللہ کے عذاب سے محفوظ کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: غزوہ بدر کے موقع پر ابو جہل کے قول کی طرف اشارہ ہے(1) نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ (القمر) اصل میں تتناصرون تھا تخفیف کے طریقہ پر ایک طاء کو حذف کر دیا گیا۔ بزی نے وصل کی صورت میں تاء کو مشدد پڑھا ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سر تسلیم خم کیے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ذلیل و عاجز ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اطاعت شعار ہوں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ رؤساء اور پیروکار باہم جھگڑنے لگیں گے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اصل میں لا یتساءلون ہے لا ساقط ہو گیا۔

نحاس نے کہا: لغت سے ناواقف آدمی نے غلطی کی ہے اس نے یہ وہم کیا ہے اس کلام کا تعلق بھی اس قول سے ہے فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ (مومنون) جبکہ یہ اصل میں لا یتساءلون بالارحام ہے ان میں سے ایک کہتا ہے: میں تجھ سے اس رشتہ داری کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہے جس کے باعث تو نے مجھے نفع دیا یا تیرا حق جو مجھ پر تھا اسے ساقط کر دیا یا تو نے مجھے نیکی ہبہ کر دی یہ واضح ہے کیونکہ اس سے قبل فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ (مومنون: 101) ہے یعنی وہ اس نسب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے جو ان کے درمیان ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا

1۔ المحرر الوجیز

ہے: ''بے شک انسان اس امر سے خوش ہوگا کہ اس کا اپنے باپ یا بیٹے پر حق ثابت ہو تو وہ اس سے لے کیونکہ وہ نیکیاں ہوں گی یا برائیاں ہوں گی''۔ ایک حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس کا اپنے بھائی کے ہاں کوئی حق تھا وہ مال سے متعلق تھا یا عزت سے متعلق تھا وہ اس بھائی کے پاس آیا اور اپنے مطالبہ سے پہلے اس کو اپنے لیے حلال جان لیا تو وہ اس کی نیکیوں میں سے لے گا اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہونگی تو مطالبہ کرنے والے کی برائیوں میں سے اس پر اضافہ کر دیا جائے گا'' ☆۔ یہاں يَّتَسَآءَلُوْنَ کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور اس بارے میں شرمندہ کریں گے کہ اس نے اسے گمراہ کر دیا یا اس کے لیے معصیت کا دروازہ کھول دیا مابعد کلام اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ اس کی وضاحت کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝

مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ انسانوں کا جنوں کے لئے قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیروکاروں کا سرداروں کے لیے قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ اِۨلْقَوْلَ (سبا: 31) سعید نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تم ہمارے پاس بھلائی کے راستے سے آتے تھے اور ہمیں اس سے روک دیتے تھے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تم ہمارے پاس قسم کے طریقہ سے آتے تھے جسے ہم پسند کرتے تھے اور جس سے ہم فال لیا کرتے تھے تاکہ نصیحت کے انداز میں ہمارے ساتھ دھوکہ کریں۔ قسم کے انداز میں جو کلام لائی جاتی عرب اس سے فال لیا کرتے اور اسے سانح کا نام دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس اس آدمی کے آنے کی طرح آتے جو ہمارے سامنے قسم اٹھاتا تو ہم اس کی تصدیق کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس دین کا لبادہ اوڑھ کر آتے تو ہم پر شریعت کے معاملہ کو ہلکا کر دیتے اور تم ہمیں اس سے نفرت دلاتے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قول بہت اچھا ہے کیونکہ دین کے واسطہ سے خیر اور شر کی پہچان ہوا کرتی ہے یمین، دین کے معنی میں ہے یعنی تم ہمارے سامنے گمراہی کو مزین کر کے پیش کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یمین کا معنی قوت ہے یعنی تم ہمیں قوت، غلبہ اور قہر سے روک دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ۝ (صافات) یہاں یمین قوت کے معنی میں ہے اور انسان کی طاقت اس کی قسم میں ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

إذا ما رَايَةٌ رُفِعَت لمجدٍ　　تَلَقَّاها عَرَابَةُ باليمين(3)

جب کوئی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا جاتا ہے عرابہ اسے بڑی قوت کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: تم ہمارے پاس حق کے راستہ سے آتے تھے اور یہ ظاہر کرتے کہ حق تمہارے ساتھ ہے(4)۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 45　2۔ ایضاً　3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 470　4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 46

☆ جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة باب ماجاء في شان الحساب، حدیث نمبر 2343، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

انہوں نے کہا بلکہ تم تو مومن ہی نہ تھے یہ شیاطین کا ان لوگوں کے حق میں ایمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رؤساء کا قول ہے یعنی تم تو کبھی بھی مومن نہ تھے کہ ہم تمہیں ایمان سے کفر کی طرف منتقل کرتے بلکہ تم تو کفر پر ہی تھے اور اس کے ساتھ مانوس ہوئے اور عادت کی وجہ سے اسی پر قائم رہے۔ وَ مَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور حق کو ترک کرنے میں ہمیں تم پر کوئی غلبہ نہ تھا۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ بلکہ تم گمراہ اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ہم پر ہمارے رب کا فرمان ثابت ہو گیا۔ یہ بھی پیروکاروں کا قول ہے یعنی ہم پر اور تم پر ہمارے رب کا حکم ثابت ہو گیا ہم میں سے ہر ایک عذاب چکھنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے اور رسولوں کی زبانوں سے ہمیں خبردار کیا ہے: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ (ص) یہ حدیث کے موافق ہے ''اللہ تعالیٰ نے جہنم کے اہل لکھ دیئے ہیں اور جنت کے اہل لکھ دیئے ہیں نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی''۔ فَاَغْوَيْنٰكُمْ پس جس کفر پر تم تھے ہم نے اسے ہی تمہارے لیے مزین کر کے پیش کیا تھا۔ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ ہم تو وسوسہ اور استدعاء کر کے گمراہ کیا کرتے تھے پھر ان سب کے بارے میں خبر دی کہ اس روز گمراہ اور گمراہ کرنے والے عذاب میں شریک ہوں گے ہم مشرکوں کے ساتھ اسی قسم کا فعل کرتے ہیں جب انہیں کہا جاتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو تو وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں یہاں قول مضمر ہے۔

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ انّ کی خبر ہے اور کان ملغا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی وفات اور قریش کے اجتماع کے موقع پر کہا: قولوا لا الٰه الا اللہ تملکوا بها العرب وتدین لکم بها العجم، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو اس کلمہ کے واسطہ سے تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا اور اس سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس قوم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تکبر کیا تھا تو فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا (فتح: 26) کلمہ تقویٰ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے مشرکوں نے حدیبیہ کے موقع پر اس سے تکبر کا اظہار کیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی مدت کے حوالے سے یہ کلمہ لکھوایا تھا؛ اس خبر کو بیہقی نے ذکر کیا ہے اور اس سے قبل کو قشیری نے ذکر کیا ہے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

''اور کہتے ہیں: کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔ اے مجرمو! تم ضرور چکھو

گے دردناک عذاب کو اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسکا جوتم کیا کرتے تھے البتہ اللہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے"۔

کیا ہم شاعر و مجنوں کے کہنے سے اپنے معبودوں کو ترک کر دیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قول کو رد کر دیا۔ حق سے مراد قرآن اور توحید ہے بلکہ وہ تو قرآن لایا اور توحید کا سبق دیا اور رسول جو توحید کا پیغام لائے تھے ان کی تصدیق کی انکم لذائقوا العذاب الالیم تم عذاب الیم چکھنے والے ہو۔ لَذَآئِقُوا اصل میں لذائقون تھا نون استخفاف کے لیے حذف کر دی گئی اور اضافت کی وجہ سے مابعد کو الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ کسرہ دیا گیا۔ اس میں نصب پڑھنا بھی جائز ہے جس طرح سیبویہ نے شعر کو پڑھا:

فألفيتُه غيرَ مُسْتَعْتِبٍ وَلَا ذَاكِرِ اللهِ إِلَّا قليلا

"میں نے اسے پایا کہ وہ رضامندی کا طالب نہیں تھا اور وہ اللہ کا ذکر بھی تھوڑا کرتا تھا" سیبویہ نے اس وجہ سے والمقیمی الصلاۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور تم جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہو اس کا ہی تمہیں بدلہ دیا جائے گا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ جو عذاب چکھتا ہے اس سے یہ مستثنیٰ ہیں۔ اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی قراءت المخلصین یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت، اپنے دین اور اپنی دوستی کے لیے خالص کر لیا ہے باقی قراء نے اسے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا جنہوں نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی اے مجرمو! تم عذاب کا ذائقہ چکھنے والے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے عذاب نہیں چکھیں گے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۝ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ۝ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

"وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا اور وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے زرنگار پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے دودھ سے زیادہ سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لیے نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (عورتیں) گویا وہ (شترمرغ کے) انڈوں کی مانند گرد و غبار سے محفوظ ہیں"۔

لَهُمْ سے مراد مخلصین ہیں یعنی ان کے لیے معلوم عطیہ ہے جو ختم نہ ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد جنت کا رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ پھل ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ اس کی خواہش کریں گے۔ ابن سائب نے کہا: یہ صبح اور شام کے کھانے کی مقدار کے مطابق ہوں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۝ (مریم) فواکہ یہ فاکھۃ کی جمع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ

(طور:22) اس سے مراد سب پھل ہیں وہ تر ہوں یا خشک ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے درجات کی بلندی، کلام کے سننے اور اس کی ملاقات کے ذریعے اکرام ہے۔ جنات نعیم سے مراد ایسے باغات ہیں ہیں جن میں وہ لطف اندوز ہوں گے۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جنتیں سات ہیں۔ سورۂ یونس میں ان کا ذکر ہو چکا ہے، ان میں سے نعیم بھی ہے۔

عکرمہ اور مجاہد نے کہا: وہ باہمی تعلق اور باہمی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: پلنگ جس طرح وہ چاہیں گے گھومتے پھریں گے ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایسے پلنگوں پر ہوں گے جن پر موتیوں، یاقوت اور زبرجد کے تاج ہوں گے چار پائی صنعاء سے جابیہ تک ہوگی اور عدن سے ایلہ تک ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک منزل کے اہل پر وہ گھومتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانوں کا ذکر کیا تو ان کے مشروبات کا بھی ذکر کیا۔ اہل لغت کے نزدیک کاس سے مراد وہ برتن ہے جس میں مشروب بھی ہو اگر وہ برتن مشروب سے خالی ہو تو اس کو کاس نہیں کہتے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی کأس کا ذکر ہے اس سے مراد شراب ہے۔ عرب اس برتن کو کاس کہتے ہیں جس میں شراب ہو جب اس میں مشروب نہ ہو تو اسے اناء اور قدح کہتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل لغت میں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اس نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب پیالے کو اس وقت کاس کہتے ہیں جب اس میں شراب ہو، جب اس میں شراب نہ ہو تو اسے قدح کہتے ہیں جس طرح دسترخوان پر جب کھانا ہو تو اسے مائدہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا نہ ہو تو اسے مائدہ نہیں کہتے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: اسی سے ظعینہ کا لفظ ہے جب ہودج میں عورت ہو۔ زجاج نے کہا: بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۞ سے مراد ہے کہ شراب یوں جاری ہوگی جس طرح چشمے زمین پر جاری ہوتے ہیں۔ معین سے مراد وہ جاری پانی ہے جو ظاہر ہے بیضاء یہ کاس کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد شراب ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔ زجاج نے کہا: لذۃ سے مراد ذات لذۃ ہے تو مضاف کو حذف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اصل میں مصدر ہے جسے اسم بنا دیا گیا ہے یعنی وہ سفید اور لذیذ ہوگی، یوں قول کیا جاتا ہے: شراب لذ، شراب لذیذ، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: نبات غض، غضیض۔

جہاں تک شاعر کا شعر ہے:

ولذٍ　كَطَعْمِ　الصَّرْخَدِيِّ　تركتُهُ　بأرض العِدَا مِنْ خَشيةِ الحَدَثَانِ(1)

کتنی ہی نیندیں ہیں جو صرخدی شراب کی مانند تھیں جن کو میں نے دشمن کے علاقہ میں حادثہ کے ڈر سے ترک کر دیا۔

یہاں لذ سے مراد نیند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے انہیں اپنے قدموں سے پامال نہیں کیا۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 42

اس جنت میں ان کی عقلیں خراب نہ ہوں گی انہیں کوئی مرض اور سر درد نہیں ہو گا اور اس شراب کو پینے کی وجہ سے انکی عقلیں ضائع نہ ہوں گی؛ یہ قول کیا جاتا ہے: الخمر غول للحلم والحرب غول للنفوس یعنی شراب حلم کو ختم کر دیتی ہے اور جنگ نفوس کو تباہ کر دیتی ہے؛ یہ قول بھی کیا جاتا ہے: نُزِفَ الرجلُ یُنْزَفُ فھو منزوفٌ ونزیفٌ یہ اس وقت کہتے ہیں جب اسے نشہ ہو جائے۔ امرء القیس نے کہا:

وإذ ھی تمشی کمشی النَّز یف یَصْرَعُهُ بالکثیب البَھَرْ

جب وہ مدہوش کی چال کی طرح چلتی ہے تو چھوٹے ٹیلے پر سانسوں کا انقطاع اسے گرا دیتا ہے۔

بعد والے شعروں میں بھی نزیف اسی معنی میں ہے:

نَزیفٌ إذا قامتْ لوجهٍ تمایلت　تُراشِی الفوادَ الرَّخْصَ أَلَّا تخَتَّرَا

فلثمتُ فاھَا آخِذًا بقرونها　شُرْبَ النَّزِیَفِ ببرد ماءِ الحَشْرَجِ(1)

حمزہ اور کسائی نے زاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے یہ انزف القومر سے مشتق ہے جب ان کے نشہ کا وقت ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: احصد الزرع جب فصل کاٹنے کا وقت ہو گیا۔ أَقْطَفَ الکرمُ جب انگور کی بیلوں کو کاٹنے کا وقت آ گیا، ارکبَ السھرُ جب ان پر سوار ہونے کا وقت ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ اپنی شراب کو ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کی عادت ہے یہ جملہ یوں بولا جاتا ہے: انزف الرجل، فھو منزوف یہ اس وقت کہتے ہیں: جب اس کی شراب ختم ہو جائے۔ حُطیئہ نے کہا:

لَعَمْرِی لئن أَنزفتُم أو صَحَوْتُمُ　لبئسَ النَّدَامَی کنتُم آلَ أَبْجَرَا(2)

میری زندگی کی قسم! اگر شراب کو ختم کر دو یا تم ہوش میں آ جاؤ تو تم کتنے برے شرابی ہوا اے آل ابجر۔

نحاس نے کہا: پہلی قراءت معنی میں زیادہ واضح ہے اور صحیح ہے کیونکہ جلیل القدر مفسرین کے نزدیک یُنْزَفُوْنَ کا معنی ہے ان کی عقلیں ختم نہیں ہوتیں، ان مفسرین میں سے مجاہد بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب سے ان آفات کو ختم کر دیا جو دنیا میں شراب کی وجہ سے سر درد اور نشہ وغیرہ کی صورت میں پہنچتی ہیں۔

یُنْزَفُوْنَ کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے: انزف الرجل جب اس کی شراب ختم ہو جائے، یہ بعید ہے کہ جنت کی شراب کی یہ صفت ذکر کی جائے لیکن مجازی معنی اس کا یہ ہے کہ یہ اس معنی میں ہے کہ وہ کبھی بھی ختم نہ ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لاینزفون کا معنی ہے انہیں نشہ نہیں ہو گا؛ یہ معنی زجاج اور ابو علی نے ذکر کیا ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: اس کا معنی نشہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے قبل لَا فِیْھَا غَوْلٌ ہے یعنی ان کی عقلوں میں خلل نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں تکرار آتا ہے ہاں سورۂ واقعہ میں یہ معنی کرنا درست ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہے لَا فِیْھَا غَوْلٌ وہ مریض نہ ہوں گے تو معنی ہو گا نہ انہیں نشہ ہو گا اور نہ ان کی شراب ختم ہو گی۔ قتادہ نے کہا: غول کا معنی پیٹ کا درد ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے لَا فِیْھَا غَوْلٌ کا یہ معنی نقل کیا ہے اس میں پیٹ درد نہیں ہو گا (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا یہ قول حضرت ابن عباس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 472　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 47　3۔ ایضاً

رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے اس میں کوئی سر درد نہیں ہوگا (1)۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ معنی نقل کیا ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں۔ نشہ، سر درد، قئ اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور ان خصلتوں سے اسے پاک قرار دیا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بیماری ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ کلبی نے کہا: غول کا معنی گناہ ہے (3)؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِیْمًا ﴿۲۵﴾ (واقعہ) شعبی، سدی اور ابو عبیدہ نے کہا: وہ ان کی عقلوں میں خلل نہیں ڈالے گی کہ انہیں لے ہی جائے (4)؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وما زالتِ الكأسُ تغتالُنا وتَذهبُ بالأَوّلِ الأَوّلِ

لگا تار جام ہماری عقلوں کو مختل ہی کرتا رہا اور ایک ایک کر کے انہیں پچھاڑتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے نشہ کو دور کر دیا ہے تاکہ جنت میں ان کے لیے جو نعمتیں ہیں ان سے لذت کا حصول ان سے منقطع نہ ہو۔ علماء معانی نے کہا: غول سے مراد ایسا فساد ہے جو خفیہ طریقہ سے لاحق ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: اغتاله اغتیالا جب اس پر معاملہ خفیہ طریقہ سے فاسد ہو جائے، اسی سے غول اور غیلہ ہے جس کا معنی ہے خفیہ طریقہ سے قتل کرنا۔

ان کے پاس ایسی بیویاں ہونگی جو اپنی نظروں کو اپنے خاوند تک محدود رکھیں گی وہ کسی اور کی طرف نہ دیکھیں گی؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، محمد بن کعب، اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ نے کہا: قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کا معنی ہے وہ اپنے خاوند پر محبوس ہوں گی۔ پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے کیونکہ آیت میں لفظ مقصورات نہیں لیکن دوسری جگہ **مقصورات** ہے جس کی وضاحت آئے گی۔ قاصرات یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے؛ قد اقتصر على كذا جب وہ اسی پر قناعت کرے اور غیر سے رخ پھیر لے۔ امرء القیس نے کہا:

من القاصراتِ الطَّرْفِ لودَبَّ مُحْوِلٌ من الذَّرِّ فَوْقَ الإتْبِ منها لَأَثَّرَا

ایسی عورتوں میں سے ہیں جو اپنی نظروں کو محدود رکھتی ہیں اگر انتہائی باریک چیونٹی بھی ان کی قمیص پر رینگے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ شعر میں فوق الاتب کی جگہ فوق الخدروی ہے۔ اتب کا معنی قمیص ہے، محول کا معنی چھوٹی چیونٹی ہے۔ مجاہد نے بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے وہ دوسری بیویوں پر غیرت نہیں کرتیں بلکہ وفادار و تابعدار ہیں۔

عین اس سے مراد بڑی آنکھوں والی ہیں اس کا واحد عیناء ہے؛ یہ سدی نے کہا: مجاہد نے کہا عین کا معنی ہے وہ خوبصورت آنکھوں والی ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جن کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی سیاہی بھی شدید ہے۔ پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل اعین جس کی آنکھ کھلی ہو آنکھ واضح ہو۔ اس کی جمع عین آتی ہے اس کی اصل فُعل ہے تو عین کو کسرہ دیا گیا تاکہ یاء کو واؤ سے نہ بدل دیا جائے، اسی سے ایک لفظ عین ہے وحشی گائے کو کہتے ہیں اور اسی طرح کہتے ہیں: الثور اعین والبقرة عيناء۔

مَّكْنُوْنٌ کا معنی محفوظ ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابن زید نے کہا: ان عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں (5) سے تشبیہ دی گئی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 47 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 48

ہے شتر مرغ جسے ہوا اور غبار سے پروں میں چھپائے رکھتا ہے اس کا رنگ زردی مائل سفید ہوتا ہے یہ عورت کے رنگوں میں سے سب سے زیادہ حسین ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور سدی نے کہا، ان عورتوں کو انڈے کے بطن سے تشبیہ دی قبل اس کے کہ ان کا چھلکا پھاڑا جائے اور ہاتھ سے مس کریں (1)۔ عطا نے کہا: ان عورتوں کو اس جھلی سے تشبیہ دی جو اوپر والے پردے اور انڈے کے مغز کے درمیان ہوتا ہے (2)۔ ہر شے کا سحاہ اس کا چھلکا ہوتا ہے اس کی جمع سحا ہے؛ یہ جوہری نے کہا، اسی کی مثل طبری کا قول ہے کہا: یہ رقیق پردہ ہے جو انڈے کے اوپر ہوتا ہے اس کی مثل نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ عرب عورتوں کو صفائی اور سفیدی میں انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ امرء القیس نے کہا:

بیضۃِ خِدْرٍ ولایرامُ خِبائُھا

کتنے ہی پردے کے انڈے ہیں (عورتیں ہیں) جنکے خیمہ کا قصد نہیں کیا جاتا۔

عرب جب کسی چیز کی حسن و نظافت میں صفت بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: کانه بیض النعام المغطّی بالریش ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکنون سے مراد ہے جو توڑنے سے محفوظ ہو، یعنی وہ کنواری ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیض سے مراد موتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (واقعہ) یعنی جو سیپوں میں ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:۔

ھی بیضاءُ مِثلُ لُؤلُؤۃِ الغواصِ مِیزَتْ مِنْ جَوْھَرٍ مَکْنُونِ(3)

وہ غواص کے موتی کی طرح سفید ہے جسے جوہر مکنون سے الگ کیا گیا ہو۔

مَّكْنُوْنٌ کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ بیض جمع ہے کیونکہ صفت کو لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۝ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ وَ لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝

"پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور سوال جواب کریں گے۔ کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک جگری دوست ہوا کرتا تھا وہ مجھے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت پر ایمان لانے والوں میں سے ہے، کیا جب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 48 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 49 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 48

ہم مریں گے اور مر کر مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائی گی؟ ارشاد ہو گا: کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا: بخدا! تو تو مجھے ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ جنتی کہے گا: کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہو گا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں اب عذاب دیا جائے گا۔ بے شک یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے''۔

وہ آپس میں گفتگو شروع کر دیں گے جو دنیا میں ہوا کرتی تھی۔ یہ جنت میں ان کے حد درجہ انس کا اظہار ہے اسکا عطف يُطَافُ عَلَيْهِمْ کے معنی پر ہے معنی یہ بنے گا وہ پئیں گے اور شراب پر باہم گفتگو کریں گے جس طرح شراب نوشوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وما بقيتُ من اللّذاتِ إلّا أحاديثُ الكِرامِ على المُدامِ(1)

لوگوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر یہ کہ کریم لوگ شراب پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور جو اچھی یا بری صورتحال گذری ہو گی اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے مگر اسے ماضی کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا ہے جس طرح الله تعالیٰ کا خبر دیتے وقت معمول ہے۔

ایک جنتی کہے گا: میرا ایک دوست تھا وہ کہتا تھا تو دوبارہ اٹھائے جانے اور جزا کی تصدیق کرنے والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: قرینہ سے مراد اس کا ساتھی ہے۔ سورۂ کہف میں ان کا ذکر، ان کا قصہ اور ان کے ناموں میں اختلاف الله تعالیٰ کے فرمان: اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ (کہف: 32) کے تحت گذر چکا ہے ان دو کے متعلق الله تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿51﴾ یَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿52﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ﴿53﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿54﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿55﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿56﴾ وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿57﴾

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان دوست ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کا وسوسہ پیدا کرتا تھا اسے اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَّدِّقِیْنَ ﴿52﴾ بھی پڑھا گیا ہے؛ اسے علی بن کیسہ نے سلیم سے وہ حمزہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

نحاس نے کہا: یہاں اسے المصّدِّقین پڑھنا جائز نہیں کیونکہ یہاں صدقہ کا کوئی معنی نہیں۔

قشیری نے کہا: حمزہ کی قراءت میں ائنك لمن المصّدِّقین ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ تصدیق سے ہے تصدق سے نہیں جبکہ اعتراض باطل ہے کیونکہ قراءت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے معنی یہ بنے گا تو ثواب کی طلب کے لیے مال کا صدقہ کرنے والا ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 44

کیا جب ہم مر جائیں گے مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ہمیں بدلہ دیا جائے گا یعنی موت کے بعد ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں سے فرمایا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن جنت میں اپنے مومن بھائیوں سے کہے گا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو تا کہ ہم دیکھیں تو سہی اس دوست کا کیا حال ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے اور هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ استفہام نہیں یہ تو امر کے معنی میں ہے یعنی جھانکو؛ یہ ابن عربی اور دوسرے لوگوں کا نقطہ نظر ہے، اس معنی میں ہے جب شراب کے حکم والی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا پھر کہا: اے میرے رب! شراب کے بارے میں ایسا حکم نازل فرما جو اس سے بھی زیادہ واضح ہو تو فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (مائدہ) نازل ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: اے ہمارے رب! ہم رک گئے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَلْ اَنْتُمْ مُّطْلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ مشدد نہیں اور فَاُطْلِعَ پڑھا یعنی ہمزہ قطعی ہے اور طاء مخففہ ہے معنی ہو گا هل انتم مقبلون فاقبل۔ نحاس نے کہا: فاطلع فراٰہ میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فعل مستقبل ہے اسکا معنی پس میں جھانکوں گا، تو یہ استفہام کے جواب میں ہونے سے منصوب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہے تو اطّلع اور اطلع ایک ہے۔ زجاج نے کہا: طلع، أطلع اور اطّلع سب کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بھی حکایت بیان کی گئی ہے هَلْ اَنْتُمْ مُّطْلِعُوْنِ ﴿۵۴﴾ یعنی نون مکسور ہے۔ ابو حاتم اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ سراسر غلط ہے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں نون اور اضافت کو جمع کر دیا گیا ہے اگر یہ مضاف ہوتا تو یہ ہوتا هل انتم مطلعیّ اگرچہ سیبویہ اور فراء نے اس کی مثل حکایت بیان کی ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

هُمُ الْقَائِلُوْنَ الْخَيْرَ وَالْآمِرُوْنَهٗ　　وہ بھلائی کی بات کہنے والے اور اس کا حکم دینے والے ہیں۔

فراء نے والفاعلونه پڑھا۔ سیبویہ نے اکیلے یہ پڑھا: ولم يَرْتَفِقْ والناس مختَضِرونه محل استدلال محتضرونه ہے۔ یہ شاذ ہے اور کلام عرب سے خارج ہے۔ جو اس قسم کا کلام ہے اس کے ذریعے کتاب اللہ میں استدلال نہیں کیا جا سکتا اور یہ کلام فصیح میں داخل بھی نہیں۔

اس کی توجیہ میں ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسم فاعل کو فعل مضارع کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے قریب ہے پس مُطلعون کو يُطلِعون کے قائم مقام رکھا؛ یہ ابو الفتح عثمان بن جنی نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا: أقائِلُنَّ احضِرِ والشُّهُودَا کیا تم یہ کہو گے گواہوں کو حاضر کرو۔ محل استدلال اقائلُنَّ ہے جو اتَقولُن کے معنی میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: جنت میں ایک روشن دان ہے جنتی جس سے جہنم اور جہنمیوں کو دیکھیں گے۔

ابن مبارک نے جو ذکر کیا ہے اس میں کعب نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہا: جنت اور دوزخ میں ایک روشن دان ہے جب کوئی

1۔ جامع سنن الترمذی، باب و من سورۃ المائدۃ، حدیث نمبر 2975، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مومن ارادہ کرتا ہے کہ اس دشمن کو دیکھے جو دنیا میں اس کا دشمن تھا تو وہ اس روشن دان سے جھانکے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۞ ، سَوَآءِ الْجَحِيْمِ سے مراد جہنم کا وسط ہے جبکہ کانٹے دار پودے اس کے اردگرد ہوں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعبت حتی انقطع سَوَائِی میں تھکا یہاں تک کہ میری کمر ٹوٹ گئی، یہاں بھی سواء سے مراد وسط ہے۔

قتادہ سے مروی ہے کہ بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ اس جہنمی کی اس جنتی کو پہچان نہ کرائے تو وہ اسے نہ پہچان سکے گا اس کا رنگ اور اس کی حالت بدل جائے گی (1) اس موقع پر وہ کہے گا: تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۞ اس میں ان مثقلہ سے مخففہ ہے یہ کاد پر اسی طرح داخل ہے جس طرح کان پر داخل ہے اسی کی مثل اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا (الفرقان: 42) ہے لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی جہنم میں حاضر ہوتا۔ کسائی نے کہا: لتردین کا معنی ہے تو مجھے ہلاک کر دیتا۔ الردی کا معنی ہلاکت ہے مبرد نے کہا: اگر کہا جاتا تالَتُرْدِيْنِ یعنی تو ضرور مجھے آگ میں گرا دیتا تو یہ بھی جائز تھا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عصمت اور اسلام کا حلقہ مضبوطی سے پکڑنے کی اور برے دوست سے براءت کی توفیق مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں جہنم میں ہوتا۔ لولا کا مابعد سیبویہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۞ فراء نے کہا: تو میں بھی جہنم میں تمہارے ساتھ حاضر ہوتا۔ احضر کا لفظ صرف شر میں استعمال ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے (2)۔

بِمَيِّتِيْنَ کو بمائتین بھی پڑھتے ہیں افما ہمزہ استفہام کے لیے ہے جو فاء عاطفہ پر داخل ہے معطوف اس کا محذوف ہے اس کا معنی ہوگا: کیا ہم ہمیشہ رہیں گے، نعمتیں دیئے جاتے رہیں گے، ہمیں موت نہ آئے گی اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى یہ استثناء ہے یہ پہلی کلام سے استثناء نہیں۔ موتۃ سے مصدر ہے کیونکہ یہ موصوف ہے یہ جنتیوں کی فرشتوں کے سامنے گفتگو ہوگی موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اے جنتیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں اور اے جہنمیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کی گفتگو تحدیث نعمت کے طور پر ہوگی کہ وہ نہ مریں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا یعنی یہ ہماری حالت اور ہماری صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن کی کافر کے لیے گفتگو ہوگی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا اور موت صرف دنیا کی ہی موت ہے جنت میں جو کچھ ہوگا مومن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ هو مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے اور جملہ ان کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ھو ضمیر فصل ہے۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۞ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مومن کا کلام ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں جو کچھ تیار کیا اور جو کچھ اسے عطا کیا جب اسے دیکھا تو یہ کہا کہا: لِمِثْلِ هٰذَا سے مراد عطا اور فضل ہے فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ یہ اسی کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 50 2۔ ایضاً

مثل ہے جو کافر نے اسے کہا: اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا (الکہف) یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہو۔ ایک قول یہ کیا ہے کہ یہ الله تعالیٰ کا اہل دنیا کے لیے قول ہے یعنی جنت میں جو خیرات اور جزا ہے اس کو تم نے سنا تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یوں ہوگی فلیعمل العاملون لمثل ھذا۔

اگر کوئی سوال کرے: عربی زبان میں فاء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد والا اوّل کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس کی بعد والے کو پہلے کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ تقدیم تاخیر کی طرح ہے کیونکہ حروف جارہ اور ان کے مابعد کا حق یہ ہوتا ہے کہ وہ متاخر ہوں۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾

"بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لیے۔ یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہہ میں، اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جہنم کی طرف"۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ یہ مبتدا اور خبر ہے یہ الله تعالیٰ کا فرمان: نُّزُلًا اسکا بیان ہے اسکا معنی ہے کیا جنت کی نعمتیں بہترین ضیافتیں ہیں یا زقوم کا درخت بہترین ضیافت ہے؟ نُزُل لغت میں اس رزق کو کہتے ہیں جس میں وسعت ہو۔ نحاس نے کہا: اسی طرح النزل اور نُزل ہے مگر یہ بھی جائز ہے کہ نُزُل بھی اس کی ایک لغت ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں یہ نُزُل ہو اس سے یہ جملہ ہو اقیم للقوم نزلھم قوم کے لیے ان کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اس کا اشتقاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وہ غذا ہے جو اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ وہ پڑاؤ کرتے اور اس ہی میں مقیم رہتے۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں یہ گزر چکا ہے۔ شجرة الزقوم یہ تزقم سے مشتق ہے یہ مشقت کے ساتھ نگلنا ہے کیونکہ وہ ناپسندیدہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

مفسرین نے کہا: یہ جہنم کی لپک کے ساتھ اسی طرح زندہ رہتا ہے جس طرح درخت پانی کی ٹھنڈک کے ساتھ زندہ رہتا ہے جو اس کے اوپر والے حصے میں رہتے ہیں ان جہنمیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی طرف نیچے اتریں اور اس سے کھائیں اسی طرح جو اس سے نیچے والے حصہ میں رہتے ہیں وہ اس کی طرف اوپر چڑھیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد دنیا کا درخت ہے جسے عرب پہچانتے ہیں یا نہیں پہچانتے (1)؟ اس کے بارے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 51-50

میں دو قول ہیں: (1) یہ وہی درخت ہے جو دنیا میں معروف ہے۔ جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان میں بھی اختلاف ہے۔ قطرب نے کہا: یہ سخت کڑوا درخت ہے جو تہامہ میں ہوتا ہے اور خبیث ترین درخت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ قاتل نبات ہے۔ (2) دنیا کے درختوں میں یہ معروف نہیں۔ جب زقوم کے درخت کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی تو قریش نے کہا: ہم تو اس درخت کو نہیں پہچانتے تو افریقہ کا ایک آدمی ان کے پاس آیا قریش نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: ہمارے نزدیک تو اس سے مراد مکھن اور کھجور کے مجموعے کو کہتے ہیں تو ابن زبعری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں زقوم کی کثرت کرے۔ ابوجہل نے اپنی لونڈی سے کہا: ہمیں زقوم کھلاؤ تو وہ اس کے پاس مکھن اور کھجور لے آئی پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: زقوم سے لطف اندوز ہو یہ وہ چیز ہے جس سے "محمد" ہمیں ڈراتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ آگ درخت کو اگاتی ہے جبکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔

فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ میں ظالمین سے مراد مشرکین ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: آگ میں درخت کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے؟ یہ بحث سبحان کے لفظ کے ضمن میں گذر چکی ہے انہوں نے اس کو خفیف اسی طرح جانا تھا جس طرح انہوں نے عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ (المدثر) کو خفیف جانا تھا وہ کیا معاملہ ہے جس نے اس عدد کو خاص کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا تھا میں اتنوں کو تو تمہاری طرف سے کافی ہوں باقی کو تم میری طرف سے کافی ہو جانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (مدثر: 31) فتنہ کا معنی آزمائش ہے ان کی طرف سے یہ قول سراسر جہالت تھی کیونکہ عقلاً ایسا محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ آگ میں اس کی جنس سے ایسا درخت پیدا کرے جسے آگ نہ کھاتی ہو جس طرح جہنم میں اللہ تعالیٰ بیڑیاں، طوق، سانپ، بچھو اور جہنم کے داروغے پیدا فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تعجب جس طرح کفار کو ہوا تھا اسی طرح اس وقت ملاحدہ کو بھی ہے یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو انہوں نے ایسی نعمت اور عقاب پر محمول کیا ہے جس میں روحیں داخل ہوتی ہیں انہوں نے اعمال کے وزن کرنے، صراط، لوح اور قلم کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو انہوں نے خود اپنے دلوں میں تصور کیے نہ کہ ان کی وہ تعبیر کرتے ہیں جو مسلمان شرعی دلائل سے سمجھے ہیں۔ جب صادق و امین کی خبر ایسی چیز کے بارے میں وارد ہو جس کا عقل وہم ہی کر سکے تو اس کی تصدیق واجب ہے اگر چہ یہ جائز ہو کہ اس کی کوئی تاویل کی جا سکے پھر ایسی تاویل باطل ہوگی جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ تاویل باطل ہے مسلمان ان اشیاء کو حاصل ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اسے باطن کے علم کی طرف نہیں پھیرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظالمین کے لیے سزا ہے جس طرح فرمایا: ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ (ذاریات)

اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ سے مراد جہنم کی گہرائی ہے یہاں سے ہی یہ جنم لے گا پھر یہ جہنم میں پھیل جائے گا۔ طلعها سے مراد اسی کا پھل ہے۔ پھل کو طلع کا نام اس لیے دیا کیونکہ یہ طلوع کرے گا۔

رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ سے مراد شیاطین کی ذاتیں ہیں ان کی قباحت کی وجہ سے ان پھلوں کو رءوس سے تشبیہ دی گئی شیاطین کے سروں کا تصور نفوس میں ہی ہوگا اگر چہ وہ دکھائی نہ دیں گے اس معنی میں عربوں کا قول یہ ہے کہ ہر قبیح کے لیے وہ یہ

کہتے ہیں: ھو کصورۃ الشیطان اور ہر خوبصورت شے کو کہتے ہیں: ھی کصورۃ الملک اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اس نے ان عورتوں کے قول کی حکایت کے طور پر کہا: اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ۝ (یوسف:31)

یہ تشبیہ تخییلی ہے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس اور قرظی سے منقول ہے اسی معنی میں امراء القیس کا قول ہے:

مَسْنُونَةٌ زُرْقٌ كأنياب اِغْوَالِ

مسنونة زرق سے مراد ایسے تیر ہیں جنہیں تیز کیا گیا ہو البتہ غول (جن بھوت) معروف نہیں لیکن نفوس میں ان کی قباحت متصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (انعام:112) انسانوں میں سے تو سرکش ایسے شیاطین ہیں جو دکھائی دیتے ہیں حدیث صحیح میں ہے ولکأن نخلھا رءوس الشیاطین(1) گویا اس کی کھجوریں شیاطین کے سر ہیں۔ بہت سے عربوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے شیاطین اور جنوں کو دیکھا ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: شیاطین سے مراد سانپ ہیں جن کے سر اور کلغیاں ہوتی ہیں یہ سانپوں میں سے قبیح ترین، خبیث ترین اور جسموں میں سے سب سے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ راجز نے کہا: عورت کو ایسے سانپ سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کی کلغی ہو۔

عَنْجَرِدٌ تَحْلِفُ حِينَ أَحْلِفُ كَمِثْلِ شَيْطَانِ الحَمَاطِ أَعْرَفُ

کلغی والی عنجرد جو حماط کے شیطان کی مثل ہے وہ اس وقت قسم اٹھاتی ہے جب میں قسم اٹھاتا ہوں۔

شاعر اپنی اونٹنی کی صفت بیان کرتا ہے:

تُلَاعِبُ مَثْنَى حَضْرَمِيٍّ كَأَنَّهُ تَعَمُّجُ شَيْطَانٍ بِذِي خِرْوَعٍ قَفْرِ

تعمج سے مراد چال میں ٹیڑھا پن ہے، سہم عموج اس تیر کو کہتے ہیں جو جاتے وقت مڑ جاتا ہے تعمجت الحیۃ۔ جو چلتے ہوئے مڑ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس قبیح بوٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو یمن میں ہوتی ہے جسے استن اور شیطان کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عربوں کے ہاں معروف نہ تھا۔ زمخشری نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو کھردرا، کڑوا اور ناپسندیدہ صورت والا ہو۔ اس کے پھل کو رءوس الشیاطین کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: شیاطین سے مراد سانپوں کی ایسی قسم ہے جو بہت ہی قبیح ہوتی ہے۔

اہل جنت کے مقابلہ میں ان کا یہ کھانا اور پھل ہوگا، سورۂ غاشیہ میں آیا ہے لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۝ اس کا ذکر بعد میں آئے گا اس درخت کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا شوب سے مراد آمیزہ ہے شَوب اور شُوب سے مراد دونوں لغتیں ہیں جس طرح فَقر اور فُقر ہے اور فتحہ زیادہ مشہور ہے۔ فراء نے کہا: شاب طعامه وشرابه۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ان دونوں کے ساتھ کوئی چیز ملائی جائے اس کا مصدر شوبا اور شیابۃ آتا ہے یہ خبر دی کہ ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کو ملایا جائے گا حمیم سے مراد گرم پانی ہے تاکہ یہ کھانا ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب إن اللہ یأمر بالعدل، جلد 2، صفحہ 896

فرمان ہے: وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝ (محمد)

سدی نے کہا: ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ان کی آنکھوں کے پانی ان کی پیپ اور ان کے خون کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے زقوم کو کھولتے ہوئے پانی میں ملایا جائے گا تا کہ ان کے لیے زقوم کی کڑواہٹ اور کھولتے ہوئے پانی کی گرمی کو جمع کر دیا جائے مقصود ان کے عذاب میں سختی اور ان کی آزمائش میں جدت پیدا کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاۡ اِلَى الْجَحِيْمِ ۝ اس امر پر دلالت کرتا ہے جب وہ جہنم کے عذاب کے علاوہ زقوم کو کھالیں گے پھر انہیں جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا: حمیم، جحیم سے باہر ہوگا وہ پانی پینے کے لیے کھولتے ہوئے چشمے پر وارد ہوں گے پھر انہیں جہنم (جحیم) کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ۝ (رحمٰن) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مرجعهم کی بجائے منقلبهم پڑھا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ثم کا لفظ واو کے معنی میں ہو۔ قشیری نے کہا: شاید حمیم جہنم کی ایک طرف میں ہو۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝

"انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے پس (اے مخاطب!) ذرا دیکھ کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ سنبھلے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے"۔

یعنی انہوں نے آباء کو گمراہ پایا تو ان کی اقتدا کی تو یہ ان کے پیچھے تیزی سے بھاگے جا رہے ہیں؛ یہ قتادہ سے مروی ہے مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے هروله (چال کا انداز) کے انداز میں جا رہے ہیں۔ فراء نے کہا: اهراع سے مراد کانپتے ہوئے تیز چلنا۔ ابوعبیدہ نے کہا: یهرعون کا معنی ہے پیچھے سے ان پر مٹی ڈالی جا رہی ہوگی اسی کی مثل مبرد کا قول ہے۔ المهرع سے مراد ہے جس کو تیزی سے چلایا جا رہا ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان یهرع الی النار۔ فلاں آیا اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جایا جا رہا تھا یہ اس وقت بولتے ہیں جب سردی اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تیزی کی سختی کی وجہ سے دھتکارا جا رہا ہو؛ یہ فضل کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے هرع و أهرع جب اسے پیچھے سے تیز چلایا جائے اور دھتکارا جائے۔

اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ سے مراد ہے سابقہ امتیں۔ مُّنْذِرِیْنَ ۝ سے مراد ہے ایسے رسول جنہوں نے ان لوگوں کو عذاب سے خبردار کیا تھا تو ان لوگوں نے کفر کیا۔ عَاقِبَةُ سے مراد ان کے امر کا انجام ہے۔ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ سے مراد ہے اللہ

تعالیٰ نے جنہیں کفر سے بچالیا۔ یہ بحث گذر چکی ہے پھر یہ کہا گیا یہ الْمُنْذَرِیْنَ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷۱﴾ سے مستثنیٰ ہے۔

وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ نَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ وَ جَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ ﴿۷۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۸۲﴾

''اور فریاد کرتے ہوئے پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریادرس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی اور ہم نے بنادیا فقط اس کی نسل کو باقی رہنے والا اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو''۔

یہاں ندا سے مراد استغاثہ ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے دعا کی اور یوں عرض کی: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح) ہم کتنے ہی اچھے دعا قبول کرنے والے تھے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے فلنعم المجیبون له کنا ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا چکے تھے جس طرح پہلے گذر چکا ہے ان کی تعداد اسی تھی۔ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ سے مراد غرق ہونا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر نکلے تو جو مرد اور عورتیں آپ کے ساتھ تھے سب فوت ہو گئے صرف آپ کا بیٹا اور اس کی بیویاں تھیں؛ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ جَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ ﴿۷۷﴾ سے یہی مراد ہے۔

حضرت سعید بن مسیب نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے (1) لوگ سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں سام عربوں، ایرانیوں، رومیوں، اور یہود ونصاریٰ کے جداعلیٰ ہیں حام کالون کے جداعلیٰ ہیں یہ مشرق میں ہیں یا مغرب میں جیسے سندھی، ہندی، نوبی، زنجی، حبشی، قبطی اور بربری وغیرہ۔ یافث صقالبہ، ترکوں، ابر، خرز، یاجوج اور ماجوج کے جداعلیٰ ہیں۔

ایک قوم نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ بھی نسل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ (بنی اسرائیل: 3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 53

وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ہود) اس معنی پر یہ آیت ہے وَ جَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ یہ کافروں کی اولاد سے الگ ہیں کیونکہ ان سب کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ یعنی ہر قوم میں اس کے لیے ہم نے اچھی تعریف چھوڑی ہے کیونکہ وہ سب کا محبوب ہے یہاں تک کہ مجوسی بھی انہیں کہتے ہیں وہ افریدون ہے؛ یہی معنی مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ کسائی نے گمان کیا ہے اس میں دو تقدیریں ہیں: (1) وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ، یقال سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ یعنی ہم نے اس کے لیے اچھی تعریف چھوڑی ہے؛ یہ ابو العباس مبرد کا قول ہے یعنی ہم نے اس پر یہ کلمہ باقی چھوڑا ہے یعنی لوگ اس پر سلامتی بھیجتے ہیں اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ یہ اس کلام میں سے ہے جس کی حکایت بیان کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا (نور: 1)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہو ہم نے اس پر باقی رکھا اور گفتگو مکمل ہو گئی پھر کلام نئے انداز میں شروع کی اور کہا سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ یعنی اس کے لیے سلامتی ہے اس چیز سے کہ اس کے بارے میں بعد کے لوگوں میں براذ کر ہو۔

کسائی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں سلاما منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہے ترکنا علیہ ثناء حسنا سلاما۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِی الْاٰخِرِیْنَ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انبیاء میں اس کا ذکر خیر باقی رکھا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں کیا گیا مگر اسے حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا (شوریٰ: 13)

سعید بن مسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جو شام کے وقت یہ کہے: سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ اسے بچھو نہیں کاٹے گا۔ ابو عمر نے اسے التمہید میں ذکر کیا ہے۔ موطا میں حضرت خولہ بنت حکیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی کسی جگہ پڑاؤ ڈالے تو وہ یہ پڑھے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تو اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ کرے گا''۔ اس میں یہ روایت بھی ہے کہ بنو اسلم کے ایک آدمی نے کہا: میں رات سو نہ سکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کس وجہ سے؟'' عرض کی: مجھے ایک بچھو نے ڈس لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خبردار! اگر تو شام کے وقت یہ پڑھ لے تو تجھے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق'' (1)۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ یعنی ہم ان پر اچھی جزا باقی رکھیں گے۔ کاف محل نصب میں ہے یعنی جزاء کذلک۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ یہ اس کے احسان کا بیان ہے۔

جنہوں نے کفر کیا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ الآخرین کی جمع اُخر ہے☆ اس میں اصل تو یہ ہے من الآخرین مگر من کو حذف کر دیا کیونکہ معنی معروف ہے۔ آخر کوئی نہیں ہو سکتا مگر اس سے پہلے اس کی جنس میں سے کسی چیز کا ہونا ضروری ہے۔ ثم

1۔ مؤطا امام مالک، باب ما یؤمر من التعوذ، صفحہ 722 ☆ عبارت اسی طرح لکھی ہوئی ہے مگر صحیح یہ ہے آخرین یہ آخر کی جمع ہے۔

یہاں تراخی کے لیے نہیں بلکہ یہ نعمتوں کا شمار کرنے کے لیے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البلد) پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں نے دوسروں کو غرق کر دیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝

”اور ان کی جماعت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو؟ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔ جو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف پھر کہا: میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر میلہ دیکھنے چلے گئے“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنْ شِيْعَتِهٖ سے مراد ہے ان کے دین والے (1)۔ مجاہد نے کہا: اسکا معنی ہے اس کے طریقہ اور سنت پر ہیں (2)۔ اصمعی نے کہا: شیعہ سے مراد حمایتی و مددگار ہیں (3)۔ یہ شیاع سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چھوٹی لکڑیاں ہیں جو بڑی کے ساتھ جلائی جاتی ہیں تاکہ آگ روشن ہو۔

کلبی اور فراء نے کہا: معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعوان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (4)۔ شیعتہ میں ضمیر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ پہلی تعبیر کی صورت میں ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں یہ تعبیر زیادہ نمایاں ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی پہلے ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو نبی تھے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار، چھ سو چالیس سال کا عرصہ ہے؛ یہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔

قلب سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے۔ عوف اعرابی نے کہا میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونا۔ طبری نے غالب قطان سے، عوف اور دوسرے علماء نے محمد بن سیرین سے یہ روایت نقل کی ہے وہ حجاج کو کہتے ہیں: ابو محمد مسکین ہیں اگر اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا تو اس کے گناہ کے باعث دے گا اور اگر اسے بخش دے تو اس کے لیے مبارک ہے اگر اس کا دل سلیم ہے تو گناہ تو اسے بھی پہنچے ہیں جو اس سے بہتر تھے۔ عوف نے کہا: میں نے محمد سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت قائم ہونے والی ہے قبروں میں جو ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ اٹھانے والا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 54 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ہشام بن عروہ نے کہا: ہمارے والد ہمیں کہا کرتے تھے اے بیٹو! تم لعن طعن کرنے والے نہ ہو جانا، کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بھی کسی چیز پر لعن طعن نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۝ ان کا اپنے رب کی طرف آنا(1) اس کی دوصورتیں ہیں: (1) وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی دعوت دیتے تھے (2) جب آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ میں اب سے مراد آزر ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے مَاذَا تَعْبُدُوْنَ۝ میں ما مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور ذا اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ماذا، تعبدون کی وجہ سے منسوب ہو۔ ائفکا یہ مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہے یہ کلام اس معنی میں ہے أتریدون إفکا کیا تم بہتان کا ارادہ کرتے ہو۔ مبرد نے کہا افک یہ بہت برا جھوٹ ہوتا ہے۔ یہ وہ جھوٹ ہوتا ہے جو ثابت نہیں ہوتا اور مضطرب رہتا ہے اس سے ائتفکت بھم الارض ہے۔ آلھة یہ افک سے بدل ہے۔ تریدون کا معنی ہے تم عبادت کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو معنی ہو کیا تم بہتان لگاتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہو جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو اس بارے میں کیا گمان ہو گا جبکہ تم نے دوسرے معبودوں کی عبادت کی ہوگی؟ یہ خبردار کرنا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ۝ (انفطار) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کس وجہ سے تم وہم کا شکار ہوئے یہاں تک کہ تم نے دوسروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا دیا؟

ابن زید نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے ہمارے ساتھ چلیے تو آپ علیہ السلام نے ایک طلوع ہونے والے ستارے کی طرف دیکھا فرمایا: یہ ستارہ میری بیماری کے ساتھ طلوع ہوتا ہے(2)۔ علم نجوم ان لوگوں میں استعمال ہوتا تھا اس میں نظر وفکر کی جاتی تھی تو آپ نے انہیں اس طریقہ سے وہم میں مبتلا کر دیا اور ان کے اعتقادات کے باعث اپنے لیے عذر پیش کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مویشی پالتے اور زراعت کیا کرتے تھے یہ دونوں ذریعہ معاش ایسے تھے جن میں ستاروں کی چال میں نظر وفکر کی ضرورت ہوا کرتی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: علم نجوم بھی نبوت میں سے تھا جب اللہ تعالیٰ نے سورج کو حضرت یوشع بن نون پر روک دیا تو اس علم کو باطل کر دیا(3)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں علم نبوی کی حیثیت سے غور کیا تھا۔

جویبر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: علم نجوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھا یہاں تک کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسی جگہ داخل ہوتے جس کے بارے میں کسی کو اطلاع نہ تھی(4)۔ حضرت مریم نے لوگوں سے پوچھا: تم نے اس کی جگہ کا علم کیسے حاصل کیا؟ تو لوگوں نے بتایا: ستاروں کے ذریعے، اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: اے اللہ! انہیں علم نجوم کا فہم نصیب نہ کرنا تو کوئی بھی علم نجوم کو نہیں جانتا۔ شرع میں اس کا حکم ممنوع ہو گیا اور لوگوں میں اس کا علم مجہول ہو گیا۔ کلبی نے کہا: وہ لوگ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک دیہات میں رہتے جسے ہرمزجرد کہا جاتا وہ ستاروں میں نظر وفکر کیا کرتے تھے؛ یہ ایک قول ہے۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 55　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 56　3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 55　4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 56-55

حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جب لوگوں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ ان کے ساتھ چلیں تو آپ نے اپنے معمولات میں غور وفکر کیا اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا کہ ان کے لیے جو رائے ظاہر ہوئی اس میں غور وفکر کیا تو آپ کو علم ہوا کہ ہر زندہ آدمی بیمار ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں بیمار ہوں۔ خلیل اور مبرد نے کہا: جبکہ کوئی آدمی کسی چیز میں غور کرتا ہے تو اس آدمی کے لیے کہا جاتا ہے: نظرفی النجوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گھڑی جس میں انہوں نے آپ کے ساتھ جانے کو کہا تھا یہ وہ گھڑی تھی جس میں آپ کو بخار نے آلیا تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اشیاء میں سے جو چیزیں ظاہر ہوئیں تو ان میں آپ نے غور وفکر کیا تو آپ کو علم ہو گیا کہ ان کا ایک خالق اور مدبر ہے اور ان میں اسی طرح تبدیلی واقع ہوگی جس طرح ان اشیاء میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ ضحاک نے کہا سقیم کا معنی ہے مجھے عنقریب موت کی بیماری لگے گی کیونکہ جس پر موت لکھ دی گئی ہو عموماً وہ بیمار ہوتا ہے پھر وہ مرجاتا ہے۔ یہاں توریہ اور تعریض کا قائدہ جاری ہورہا ہے جس طرح آپ نے بادشاہ سے اس وقت کہا تھا: میری بہن ہے جب اس نے سارہ کے بارے میں پوچھا تھا یعنی دینی اخوت ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور ضحاک نے یہ بھی کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے ایسی مرض اور سقیم کا اشارہ کیا جو متعدی ہوتا ہے جس طرح طاعون۔ وہ لوگ طاعون سے بھاگتے تھے وہ اس عدوٰی کے خوف سے آپ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

ترمذی حکیم نے یہ روایت کی ہے کہ مجھے میرے باپ نے روایت کی انہیں عمرو بن حماد نے انہیں اسباط نے انہیں سدی نے انہیں ابو مالک اور ابو صالح نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی ہے۔ سمرہ نے ہمدانی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو ابراہیم نے کہا: ہماری ایک عید ہوتی ہے کاش! تم ہمارے ساتھ نکلتے تو ہمارا طریقہ تمہیں خوش کرتا، جب عید کا دن ہوا تو وہ لوگ عید کے لیے نکلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ نکلے ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ آپ گر گئے اور فرمایا: میں تو بیمار ہوں، میری ٹانگ میں تکلیف ہے۔ انہوں نے آپ کی ٹانگ پر قدم رکھے جبکہ آپ نیچے گرے پڑے تھے جب وہ آگے چلے گئے تو پیچھے آپ نے آواز دی: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (انبیاء: 57) ابو عبداللہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے جو کچھ کہا تھا یہ اس کے معارض نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان کے لیے دو امر جمع ہو گئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین خلاف واقع باتیں کی ہیں(1)" سورۃ الانبیاء میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے جو اس بات پر دال ہے کہ آپ مریض تو نہ تھے آپ نے تعریض سے کام لیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ (زمر)

اس کا معنی ہے زمانہ آئندہ میں میں مریض ہوں انہوں نے یہ گمان کیا آپ اس وقت بیمار ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ کلام میں تعریض کی صورت ہے اس معنی میں مشہور مثل ہے کفی بالسلامۃ داء، سلامتی بیماری کے طور پر کافی ہے۔ لبید کا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً، جلد 1، صفحہ 474

بھی ایک شعر ہے:

فدعوتُ رَبِّي بالسلامةِ جاهِدًا لِيُصِحَّنِى فإذا السَّلَامَةُ داءُ(1)

میں نے کوشش کرتے ہوئے اپنے رب سے سلامتی کی دعا کی تاکہ وہ مجھے صحت عطا فرمائے کیونکہ سلامتی بھی بیماری ہے۔
ایک آدمی اچانک مر گیا تو لوگوں نے اس پر بھیڑ کر لی لوگوں نے کہا: وہ مر گیا ہے جبکہ وہ صحت مند تھا تو ایک بندہ نے کہا: اصحیح مَن الموت فی عنقه۔ کیا وہ آدمی جس کی گردن میں موت ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے تھے مگر انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اور وہ چنے ہوئے تھے تو اسے بھی گناہ شمار کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ (شعراء) اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے الحمد للہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے کفر کی وجہ سے آپ کی طبعیت میں اضطراب تھا۔ نجوم یہ نجم کی جمع ہے واحد ہو تو اصل میں یہ مصدر ہے۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

"پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا: کیا تم یہ مٹھائیاں نہ کھاؤ گے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں۔ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ رنگ رلیاں منانے کے بعد آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آپ نے فرمایا: کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو"۔

سدی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کی طرف گئے (2)۔ ابو مالک نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام متوجہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: وہ ان کی طرف مائل ہوئے۔ کلبی نے کہا: ان کی طرف آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: راغ کا معنی ہے پھرے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے رَاغَ یَرُوْغُ رَوْغا و رَوَغانا جب وہ جھکا۔ طریق رائغ یعنی ایسا راستہ جو ایک طرف جھکا ہوا ہو۔ شاعر نے کہا:

ویُرِيكَ من طَرَفِ اللسانِ حَلَاوةً ويَرُوغُ عنك كما يَرُوغ الثعلبُ

وہ زبان کی ایک جانب سے تیرے لیے مٹھاس دکھاتا ہے اور تم سے یوں مکر کرتا ہے جس طرح لومڑی کرتی ہے۔
اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یوں خطاب کیا جس طرح عقلاء کو خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ بت پرست بتوں کو عقلاء کا درجہ دیا کرتے تھے اسی طرح: مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ میں عقلاء جیسا خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں کے سامنے کھانا پڑا ہوا تھا لوگوں نے وہ کھانا اس کے لیے رکھ چھوڑا تھا تاکہ جب وہ عید سے واپس لوٹیں گے تو وہ

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 49
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 57

اس کھانے کو کھلائیں گے انہوں نے یہ کھانا اس لیے رکھا تھا تا کہ ان کے اعتقاد کے مطابق کھانے میں بتوں کی برکت حاصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے کھانا بتوں کے خدام کے لیے چھوڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استہزاء کے طور پر وہ کھانا بتوں کے قریب کیا اور کہا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ (صافات)

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ دائیں ہاتھ سے ضرب کو خاص کیا کیونکہ اس کی ضرب قوی اور سخت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں یمین بمعنی عدل ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ (الحاقہ) عدل، یمین کے لیے اور جور شمال کے لیے استعمال ہوتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ دشمنی اور معاصی کا ذکر کرنا ہو تو شمال کا ذکر کرتے ہیں اور طاعت کا ذکر کرنا ہو تو یمین کا ذکر کرتے ہیں اسی وجہ سے فرمایا: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ (صافات) یعنی طاعت کے طریقہ پر، یمین عدل کی جگہ ہے اور شمال، ظلم کی جگہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوم میثاق کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پس بیعت دائیں ہاتھ سے ہوئی اسی وجہ سے قیامت کے روز کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائیگی کیونکہ اس نے بیعت کا حق ادا کیا بیعت کو توڑنے والے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی جان بچا کر بھاگنے والے کو بائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی کیونکہ وہاں ظلم کا تصور موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ یعنی اس عدل کے ساتھ جس پر یوم میثاق اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پھر اسے یہاں پورا کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جس طرح جذیذہ ہے اس سے مراد ستو ہے۔ یہاں یمین قوت کے معنی میں نہیں۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ حمزہ نے پڑھا یُزِفّون باقی قراء نے یَزِفّون پڑھا ہے وہ تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے؛ یہ ابن زید نے کہا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: معنی ہے وہ چلتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب آرام سے چل رہے تھے، وہ اس سے بے خوف تھے کہ کسی نے ان کے معبودوں کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال میں چلتے ہیں اسی سے زَفِيف النعامه ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ دوڑتے ہیں (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ غصہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تکبر کے انداز میں چلتے ہیں (3)؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے: زفاف العروس الی زوجھا دلہن کا اپنے خاوند کی طرف ناز و ادا سے چلنا۔ فرزدق نے کہا:

وجاء قَرِيعُ الشَّول قبلَ إِفَالِهَا يَزِفُّ و جاءت خَلْفَه و هِيَ زُفَّفُ

جس نے اسے یُزِفّون پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا وہ دوسرے لوگوں کو تزخیف پر ابھارتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر مفعول محذوف ہے۔ اصمعی نے کہا: ازففت الابل میں نے اونٹ کو تیز چلنے پر برانگیختہ کیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں یوں کہا جاتا ہے: زف القوم و أزفّوا، زففت العروسَ أزففتُها و أزدفتها۔ سب کا ایک ہی معنی ہے، مزفة سے مراد وہ پالکی ہے جس میں دلہن کو لایا جاتا ہے؛ یہ خلیل سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: یُزِفّون یا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا ہے: یہ لغت معروف نہیں جبکہ علماء کی ایک جماعت اس معنی سے آگاہ ہے ان میں فراء بھی ہے اس نے اسے ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 57 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

کے اس قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے: اطردت الرجل میں نے اسے دھتکارا گیا بنادیا۔ طردته میں نے اسے ایک طرف کر دیا اس نے اور دوسرے علماء نے یہ شعر ذکر کیا:

تَمَنّیٰ حُصَینٌ أن یسودَ جِذَاعةً فأمسی حُصَینٌ قد أذِلَّ وأُقهِرَا

حصین نے آرزو کی کہ وہ بنی جزاعہ کا سردار بنے حصین ذلیل کیا گیا اور مجبور کیا گیا ہو گیا یعنی اسے یوں بنادیا گیا اسی طرح یُزفون ہے انہیں جلدی چلنے والا بنادیا گیا (یعنی باب افعال میں صیرورت کا خاصہ پایا جارہا ہے) محمد بن زید نے کہا: زفیف کا معنی تیز چلنا ہے۔ ابواسحاق نے کہا: زفیف سے مراد چوپائے کے دوڑنے کے آغاز کو کہتے ہیں۔ ابوحاتم نے کہا: کسائی نے یہ گمان کیا ہے کہ ایک قوم نے پڑھا فاقبلوا الیه یزفون اس وقت یہ وزن یزف سے مشتق ہوگا جس طرح وزن یزن ہے نحاس نے کہا: یہ ابوحاتم کی حکایت ہے اور ابوحاتم نے کسائی سے کوئی چیز نہیں سنی ہے۔ فراء نے کسائی سے سنا کہ وہ یَزِفون کو مخفف نہیں پہچانتے۔ فراء نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ ابواسحاق نے کہا: ان دونوں کے علاوہ علماء جو اسے پہچانتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: وزف یزف جب وہ تیزی کرے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے یَزِفون پڑھا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ عبداللہ بن زید کی قراءت ہے جو مہدوی نے ذکر کی ہے۔ زمخشری نے کہا ویُزفون مجہول کا صیغہ ہے اور یزفون یہ زفاف سے مشتق ہے جب وہ اس کے لیے حدی خوانی کرے گویا ان میں سے بعض بعض کے لیے حدی خوانی کرتے ہیں تاکہ وہ سب اس کی طرف جلدی چلیں۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابن سمیقع سے یَزِفون ذکر کیا ہے یعنی یہ راء کے ساتھ ہے یہ رفیف النعام سے مشتق ہے اس سے مراد چلنے اور اڑنے کے درمیان دوڑنے کا عمل ہے۔

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ﴿۹۵﴾ اس کلام میں حذف ہے قالوا من فعل هذا بألهتنا انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو۔ نحت کا معنی چھیلنا ہے نحته ینحته نحتا۔ اسے چھیلا نحاته: البرایة والمِنحت۔ جس کے ساتھ چھیلا جائے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ ما محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی ان چیزوں کو پیدا کیا جن سے تم بناتے ہو مراد لکڑی، پتھر وغیرہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلۡ رَّبُّكُمۡ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الَّذِیۡ فَطَرَهُنَّ (انبیا: 56)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے اس سے مقصود ان کے عمل کی حقارت بیان کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما نافیہ ہے معنی ہے کہ تم تو انہیں نہیں بناتے بلکہ ان سب چیزوں کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے زیادہ بہتر ہے کہ ما فعل کے ساتھ مصدر کے حکم میں ہو تقدیر کلام یہ ہو واللہ خلقکم وعلمکم یہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندے کا کسب ہے اس میں قدریہ اور جبریہ کا ابطال ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے ان اللہ خالق کل صانع وصنعتہ(1) اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے حذیفہ کی حدیث سے اسے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان الله عزوجل صنع كل صانع وصنعته فهو الخالق

1۔ المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 85

وھوالصانع سبحانہ اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ ہی خالق وصانع ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے یہ تمام چیزیں الکتاب الأسنی فی شرح أسماء اللہ الحُسنیٰ میں بیان کر دی ہیں۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۹۸﴾

"انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا، بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔"

جس طرح یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر دلیل کے ساتھ غالب آ گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ جس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اسے دہکاؤ پھر اسے اس آگ میں پھینک دو یہی جحیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے پتھر کی ایک دیوار بنائی اس کی اونچائی تیس ہاتھ تھی انہوں نے اسے آگ سے بھر دیا اور اس آگ میں پھینک دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: جب آپ آگ میں پہنچے تو کہا: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ الجحیم میں الف لام ضمیر پر دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فی جحیمہ یعنی اس مکان کی آگ میں؛ طبری نے یہ ذکر کیا ہے۔

طبری نے یہ ذکر کیا ہے: اس کہنے والے کا نام ہیزن تھا جو فارس کے دیہاتی علاقوں کا تھا جو ترک ہیں وہ وہی آدمی ہے جس کے بارے میں حدیث وارد ہے "اسی اثنا میں ایک آدمی اپنے حلہ میں چل رہا ہوگا وہ اس حلہ میں تکبر کر رہا ہوگا اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو روز قیامت تک وہ زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا" (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مکر کیا۔ کید سے مراد مکر ہے یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تو ہم نے ان لوگوں کو مقہور و مغلوب بنا دیا کیونکہ ان پر ایسی جگہ سے اسکی محبت نافذ ہو گئی جہاں سے اسے دور کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس کا مکر اور خفیہ تدبیر نافذ نہ ہوئی۔

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾

"اور آپ نے کہا: میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔ دعا مانگی: میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یہ آیت ہجرت میں اصل ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ عمل کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، جلد 2، صفحہ 861

اس وقت ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے چھٹکارا دیا تو آپ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں یعنی میں اپنی قوم کے شہر اور جائے پیدائش سے ہجرت کرنے والا ہوں جہاں میرے لیے اپنے رب کی عبادت کرنا ممکن ہوگا میں نے جب صحیح عمل کی نیت کی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی ہدایت دینے والا ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مخلوقات میں سے حضرت لوط اور حضرت سارہ کے ساتھ ارض مقدسہ یعنی شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں اپنے عمل، اپنی عبادت، اپنے دل اور نیت کو اپنے رب کی طرف لے جانے والا ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ عمل کو لے جانے والے تھے، بدن کو لے جانے والے نہیں تھے۔ سورت کہف میں اس کی وضاحت مکمل گذر چکی ہے۔ پہلی ہجرت شام اور بیت المقدس کی طرف تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ حران کی طرف نکلے وہاں ایک عرصہ تک رہے اسے پھر یہ کہا گیا: یہ بات آپ نے اس شخص سے کی تھی جو آپ کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اسی نے آپ سے علیحدگی اختیار کی تھی، یہ قول اس کے لیے توبیخ کے طور پر تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے یہ بات اس شخص سے کی تھی جس نے آپ کی معیت میں ہجرت کی تھی مقصود اسے رغبت دلانا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات آپ نے آگ میں پھینکے جانے سے قبل کی تھی اس قول کی بنا پر اس میں دو تاویلیں ہیں: (1) میرے رب نے میرے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے میں اس کی طرف جانے والا ہوں (2) میں مرنے والا ہوں جس طرح آدمی فوت ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے: قد ذهب الى الله۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا تھا کہ آگ میں پھینکے جانے سے ہی وہ مر جائیں گے کیونکہ آگ کے بارے میں معمول یہی ہے کہ جس آدمی کو آگ میں پھینکا جاتا ہے وہ مر جاتا ہے یہاں تک کہ آگ کو فرمایا گیا: كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا (الانبیاء: 69) اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام محفوظ ہو گئے۔

اس تاویل کی بنا پر سَيَهْدِيْنِ میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں: (1) اس آگ سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی صورت پیدا فرمائے گا (2) جنت کی طرف جانے کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

سلیمان بن صرد نے کہا: یہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو وہ آپ کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے، ایک بوڑھی عورت اپنی پشت پر لکڑیاں اٹھائے ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی: اذهب به إلى هذا الذي يذكر آلهتنا میں یہ اس کی طرف لے جا رہی ہوں جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے جایا گیا تا کہ آگ میں پھینکا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا انی اذهب الی ربی جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ (آل عمران) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا تو حضرت لوط علیہ السلام کے باپ نے کہا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ اسے آگ نے اس لیے نہیں جلایا کیونکہ اسے مجھ سے قرابت حاصل تھی تو اللہ تعالیٰ نے آگ سے ایک تنا ہوا انگارہ بھیجا جس نے اسے جلا دیا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے پہچان کرا دی کہ وہ حضرت ابراہیم کو چھٹکارا دلانے والا ہے تو حضرت ابراہیم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 59

علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ایک بچے سے اس کی مدد فرمائے جو اس کی تنہائی میں انس کا باعث ہو۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ آل عمران میں پہلے گزر چکی ہے۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے ھب لی ولدا صالحا من الصالحین۔ اس قسم کا حذف بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ یعنی وہ بڑا ہو کر حلیم ہوگا گویا اس بچے کی بقا کی خوشخبری دی کیونکہ چھوٹے بچے کی اس صفت کے ساتھ صفت نہیں لگائی جاتی۔ سورۂ ہود میں جس طرح گزر چکا ہے یہ بشارت فرشتوں کی زبانی ہوئی تھی، سورۃ الذاریات میں بھی اس کا ذکر ہوگا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾

"اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا: میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو!) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر، اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا"۔

اس میں سترہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچہ عطا فرمایا جب وہ اس عمر کو پہنچا کہ وہ مددگار کے طور پر اپنے باپ کے ساتھ معاملات میں دوڑ دھوپ کرے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں

دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ مجاہد نے کہا: جب وہ جوان ہو گیا اور اس کی قدوکاوش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدوکاوش تک جا پہنچی۔ فراء نے کہا: وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ اپنے باپ کے ساتھ چلے (1)۔ حضرت حسن بصری اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد دانش اور سمجھ بوجھ ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہو۔ ابن زید نے کہا: جب وہ عبادت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب انہوں نے نماز و روزہ رکھنا شروع کر دیا (2) کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنتے: وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (بنی اسرائیل: 19)

علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کس کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا؟ اکثر کی رائے یہ ہے اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہ قول جنہوں نے کیا ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب، ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ہیں۔ حضرت عبداللہ سے صحیح یہی ہے۔ ثوری اور ابن جریج حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہیں کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی یہی منقول ہے ایک آدمی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سنا: یا ابن الاشیاخ الکرام تو حضرت عبداللہ نے جواب میں کہا: وہ حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حماد بن زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ان الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں" (3)۔ یعنی کریم بن کریم بن کریم حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

ابوزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی قول حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ یہ سات صحابہ ہیں۔ تابعین اور دوسرے علماء نے بھی یہ قول کیا ہے جن میں علقمہ، شعبی، مجاہد، سعید بن جبیر، کعب الاحبار، قتادہ، مسروق، عکرمہ، قاسم بن ابی بزہ، عطا، مقاتل، عبدالرحمٰن بن سابط، زہری، سدی، عبداللہ بن ہزیل اور امام مالک بن انس ہیں سب نے کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی نقطہ نظر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ہے۔ کئی علماء نے اسی کو اختیار کیا ان میں حضرت نحاس، طبری اور دوسرے علماء ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مجھے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دکھائے گئے آپ قربان گاہ میں آئے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ماہ کی مسافت ایک دن میں طے کرائی یہاں تک کہ منیٰ میں مینڈھے کو ذبح کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مینڈھے کو ذبح کیا آپ نے ایک ماہ کی مسافت ایک رات میں مکمل کی آپ کے لیے وادیاں اور پہاڑ لپیٹ دیئے گئے تھے؛ یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سے نقل کرنے میں بہت قوی ہے۔

دوسرے علماء نے کہا: ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن علماء نے یہ بات کہی ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ ہیں یہی قول حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے تابعین میں سے سعید بن مسیب، شعبی،

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 60 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ام کنتم شہداء، جلد 1، صفحہ 479

یوسف بن مہران، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی، کلبی اور علقمہ سے مروی ہے۔ ابو سعید ضریر سے ذبیح کے بارے میں پوچھا گیا: تو انہوں نے یہ اشعار کہے:

إنّ الذبيح هُدِيتَ إسمٰعيلُ　نَطَق الكتابُ بِذالك والتنزيلُ

شرفٌ به خصّ الإلٰهُ نبيَّنا　وأتى به التفسيرُ والتأويلُ

إن كنتَ امته فلا تُنْكِرْلَهٗ　شرفًا به قد خَصّه التفضيلُ

تجھے ہدایت نصیب ہو بے شک ذبیح حضرت اسماعیل ہیں کتاب وسنت اس کے بارے میں ناطق ہیں یہ ایسا شرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو خاص کیا تفسیر وتاویل اسی بارے میں آئی ہے اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے تو تو ان کے لیے ایسے شرف کا انکار نہ کر جسے فضیلت نے خاص کیا ہے۔

اصمعی نے کہا: میں نے ابو عمرو بن علاء سے ذبیح کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تیری عقل تجھ سے کہاں چلی گئی؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کہاں تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ تھے انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ مکرمہ میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ''ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں''۔

پہلی تعبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین سے بہت زیادہ سندوں کے ساتھ منقول ہے۔

ان علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے ہاں ہجرت کی تو آپ نے شام کی جانب اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی فرمایا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، مجھے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ اے اللہ! مجھے ایک صالح بچہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (مریم: 49) اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۝ اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ فدیہ حلیم بچہ میں ہوا جس حلیم بچے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی کیونکہ ارشاد فرمایا: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ اور یہاں فرمایا: بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۝ یہ واقعہ اس سے قبل کا ہے جب آپ نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ قرآن میں صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی بشارت دی گئی۔

جس نے یہ کہا: اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صبر سے بیان کی حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت بیان نہیں کی ارشاد فرمایا: وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ۝ (الانبیاء) وہ ان کا ذبح پر صبر کرنا تھا اس کی صفت صدق وعدہ سے بیان کی فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم: 54) اس نے اپنے باپ سے صبر پر وعدہ کیا اور اسے پورا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا

تو اسے ذبح کرنے کا کیسے حکم دے سکتے تھے جبکہ ان کے بارے میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ نبی ہونگے نیز یہ ارشاد فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ۝ (ہود: 71) تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں وعدہ پورا ہونے سے قبل کیسے انہیں ذبح کا حکم ہو سکتا تھا۔

نیز یہ بھی وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگوں کو بیت اللہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا۔ پس یہ استدلال نزاع کو ختم نہیں کرتا۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جا سکتا ہے جبکہ ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ نبی ہوں گے؟ کیونکہ اس کے بارے میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ذبح کے حکم کے بعد ان کے لیے نبوت کی بشارت دی گئی ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس کی وضاحت بعد میں آئیگی ممکن ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ہو تو یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں یہ تو مذکور نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہوگی۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا؟ اسکا جواب وہ ہے جو سعید بن جبیر نے دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ذبیح دونوں میں سے کون ہے؟ یہ تیسرا مذہب ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین راتیں پے در پے خواب دیکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولوں کے پاس وحی بیداری اور نیند کی حالت میں آتی ہے کیونکہ انبیاء کے دل نہیں سوتے یہ حدیث میں ثابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہم جو انبیاء کی جماعت ہیں ہماری آنکھیں سو جاتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ سدی نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی ولادت سے قبل ہی ان کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ پھر وہ اللہ کے لیے ذبیح ہے انہیں خواب میں کہا گیا: تو نے ایک نذر مانی تھی تو اپنی نذر پوری کرو (1)۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: اللہ تعالیٰ تجھے اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب آپ نے صبح کی تو آپ نے اپنے دل میں سوچا کیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے ہے؟ تو اس کو یوم ترویہ کا نام دیا گیا جب اگلی رات ہوئی تو آپ نے وہی خواب دیکھا تو آپ کو وعدہ یاد دلایا گیا جب صبح کی تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی جانب سے ہے تو اسے یوم عرفہ کا نام دیا گیا پھر تیسری رات بھی یہی خواب دیکھا تو آپ نے ذبح کا ارادہ کیا تو اسے یوم نحر کا نام دیا گیا۔

1۔ تفسیر بغوی

یہ روایت کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تو حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت ذبیح علیہ السلام نے کہا: لا الٰہ إلا اللہ واللہ اکبر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ اکبر وللہ الحمد۔ تو یہ تکبیر سنت بن گئی۔ اس امر کے وقوع میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ اہل سنت نے کہا: نفس ذبح واقع نہیں ہوا ذبح کا امر ذبح کے وقوع سے پہلے واقع ہو گیا اگر یہ ذبح کا عمل ہو جاتا تو اس کے اٹھانے کا تصور نہ ہوتا یہ چیز فعل کے وقوع سے پہلے نسخ کے باب سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اگر ذبح کے امر کی اطاعت سے فراغت حاصل ہو جاتی تو فدیہ کا ثبوت نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو جس سے آگاہ کیا اس کو آپ نے ثابت کر دیا جو آپ کے لیے ممکن تھا وہ آپ کر گزرے پھر جب ہم نے تجھے روک دیا تو تم رک گئے۔ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا یہ اس میں صحیح ترین ہے۔

ایک طائفہ نے کہا: یہ ان چیزوں میں سے نہیں جو کسی وجہ سے منسوخ ہو کیونکہ ذبحت الشیٔ کا معنی ہے میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا؛ مجاہد کے قول سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت اسحاق نے حضرت ابراہیم سے عرض کی: لا تنظر الی فترحمنی ولکن اجعل وجھی الی الأرض میری طرف مت دیکھنا کہ کہیں تمہیں مجھ پر رحم آ جائے بلکہ میرا چہرہ زمین کی طرف کر دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری لی اسے حضرت اسحاق کے حلق پر پھیرا تو وہ الٹی ہو گئی تو حضرت اسحاق نے پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ فرمایا: چھری الٹ گئی ہے۔ حضرت اسحاق نے کہا: اسے نیزے کی طرح مجھ میں چبھو دیں۔ بعض نے کہا: جب بھی آپ کوئی حصہ کاٹتے تو وہ جڑ جاتا۔ ایک طائفہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا حلق تانبے کا پایا یا تانبے سے ڈھکا ہوا پایا جب آپ اسے کاٹنے کا ارادہ کرتے تو اسے محفوظ پاتے۔ یہ سب قدرت الٰہیہ میں جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سند صحیح ہو کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کو نظر و فکر سے نہیں جانا جا سکتا اس کے جاننے کا طریقہ خبر ہی ہے اگر یہ ایسا ہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے ضرور بیان کرتا اور فدیہ کو بیان کرنے سے اس کی وضاحت کرنا زیادہ مناسب ہوتی۔

بعض علماء نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح حقیقی کا حکم نہیں دیا گیا تھا جس سے مراد رگوں کو کاٹنا اور خون بہانا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ انہوں نے بیٹے کو ذبح کے لیے لٹایا ہے تو انہیں وہم ہوا کہ اسے ذبح حقیقی کا حکم دیا گیا ہے جب آپ نے وہ کام کر دیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یعنی پہلو کے بل لٹانے کا تو آپ کو کہہ دیا گیا: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ تعبیر مفہوم سے خارج ہے؛ خلیل اور ذبیح کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں اس امر سے وہ سمجھیں جو اس کا حقیقی معنی و مفہوم نہ ہو یہاں تک کہ دونوں کو وہم ہوا ہو۔ اگر یہ چیزیں صحیح ہوں تو فدیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ عاصم کے علاوہ دوسرے کوفہ کے علماء نے اسے ماذا تُرِی پڑھا ہے یعنی تاء مضموم ہے اور راء مکسور ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے دیکھ تو سہی تو اپنے صبر اور جزع میں سے کیا دیکھتا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ قول اس کے علاوہ کسی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 61

اور نے نہیں کیا۔ علماء نے کہا: تو کیا رائے رکھتا ہے۔ ابوعبیدہ نے تری کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ آنکھ کے ساتھ دیکھنے کو خاص ہے۔ ابو حاتم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ آنکھ سے اور دوسری چیز سے دیکھنا ہے؛ یہی مشہور ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: أریتَ فلانا الصواب اریتَہ رُشدہ تو نے فلاں کو صحیح خیال کیا ہے، تو نے اسے ہدایت یافتہ خیال کیا ہے؛ یہ آنکھ سے دیکھنا تو نہیں۔ باقی قراء نے تَرٰی پڑھا ہے جو رایت کا مضارع ہے۔ ضحاک اور اعمش سے تُرٰی مجہول کا صیغہ مروی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں یہ بات اس لیے نہیں کہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں مشورہ کریں آپ نے ان سے اس لیے مشورہ کیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کے امر کے بارے میں اس کے صبر کو جان لیں یا تاکہ آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں اپنے بیٹے کی فرمانبرداری کو دیکھیں۔

قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اصل میں ماتؤمربہ ہے یہاں سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اس قول سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے

امرتُك الخير فافعل ما أُمِرتَ به (1)

اصل میں بالخیر تھا فعل کو ضمیر کے ساتھ ملا دیا گیا تو یہ تؤمرہ ہو گیا پھر ضمیر کو حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (النمل: 59) اصل میں اِصطفاھم تھا جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے ما، الذی کے معنی میں ہے یعنی اہل اشارہ نے کہا: جب ان شاء اللہ کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے صبر کی توفیق دی۔ یا ابت اور یا بنی کے بارے میں گفتگو پہلے سورۂ یس وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ جب دونوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم نے فلما سلّما قراءت کی انہوں نے اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے جب دونوں نے تابعداری کی۔ قتادہ نے کہا: جب ان دونوں میں سے ایک نے اپنا آپ اللہ کے سپرد کیا اور دوسرے نے اپنا بیٹا سپرد کر دیا۔ وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ قتادہ نے کہا: اسے منہ کے بل گرایا اس کے چہرہ کو قبلہ کی طرف کیا۔ بصریوں کے نزدیک لما کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ فدیناہ بکبش۔ کوفیوں نے کہا جواب: نَادَیْنٰهُ ہے واؤ زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ (یوسف: 15) یہ اوحیناہ ہے واؤ زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ اقْتَرَبَ (الانبیاء) یہ بھی اقترب تھا واؤ زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ (الزمر: 73) اصل میں قال تھا واؤ زائدہ ہے یعنی قال لھم۔ امرؤ القیس نے کہا:

فلما أجزنا ساحة وانتحى

اصل میں انتحی تھا واؤ زائد ہے یہ بھی کہا:

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 54

حتّٰی　إذا　حَمَلَتْ　بُطُونُکُمْ　ورأیتُم　ابناءَکم　شَبُّوا

وَقَلَبْتُمْ　ظهرَ　المجنّ　لنا　إن　اللّئیمَ　الفاجر　الخَبُّ

یہاں تک کہ تمہارے پیٹوں نے اٹھایا اور تم نے اپنے بیٹوں کو دیکھا کہ وہ جوان ہو گئے۔ اور تم نے ہمارے لیے اپنی دشمنی کو ظاہر کر دیا بے شک کمینہ فاجر نقصان اٹھانے والا ہوتا ہے۔

یہاں بھی اصل میں قلبتم تھا واؤ زائدہ ہے۔

نحاس نے کہا: واؤ حروف معانی میں سے ہے اسے زائد کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ ذبیح نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اے میرے والد! میرے اعضاء کو باندھ دو تا کہ میں نہ پھڑکوں، اپنے کپڑوں کو سمیٹ لو تا کہ میرے خون کا کوئی چھینٹا اس پر نہ پڑے کہ میری ماں دیکھے اور وہ غمگین ہو جائے، چھری کو میرے حلق پر جلدی چلانا تا کہ مجھ پر موت آسان ہو جائے، مجھے منہ کے بل لٹانا تا کہ تو میرے چہرے کو نہ دیکھے کہ تجھے مجھ پر رحم آ جائے اور میں چھری کو نہ دیکھوں کہ میں گھبرا جاؤں، جب تو میری ماں کے پاس جائے تو اسے میرا سلام کہنا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن پر تانبا چڑھا دیا چھری نے کچھ عمل نہ کیا پھر اس کی پیشانی پر مارا اور پھر اس کی گدی میں اسے چلایا تو چھری نے کچھ عمل نہ کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ کا یہی معنی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے: اس کا معنی ہے اسے اس کے منہ بل گرا دیا تو ندا دی گئی: یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا آپ متوجہ ہوئے تو وہاں ایک مینڈھا کھڑا تھا؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی عدم صحت کے بارے میں اشارہ پہلے گذر چکا ہے، معنی یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجوب کا اعتقاد کر لیا اور عمل کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ ذبح کی حالت ہے اور یہ مذبوح کی صورت ہے دونوں نے ذبح کی جگہ فدیہ دے دیا وہاں چھری کا چلنا نہیں۔ اس تاویل کی بنا پر فعل کے بجالانے سے قبل نسخ کا ثبوت متحقق ہوتا ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جوہری نے کہا: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ یعنی اسے نیچے لٹایا جس طرح تو کہتا ہے: کبه لوجهه اسے منہ کے بل گرا دیا۔ مہدوی نے کہا: تل کا معنی دھکا دینا اور گرانا ہے، اسی معنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: وتترکوث لِیَتَتَلَّك یہ لمصرعك کے معنی میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: فجاء بناقة کَوْمَاء فَتَلَّهَا وہ اونچی کہان والی اونٹنی لایا تو اسے بٹھایا۔ حدیث طیبہ میں ہے بینا أنانائم أتیت بمفاتیح خزائن الأرض فَتُلَّتْ فی یدی(1) اسی اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں تو وہ میرے ہاتھ میں دے دی گئیں۔ ابن انباری نے کہا: میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: تللتُ الرجل جب تو اسے گرائے۔ ابن اعرابی نے کہا: تو تیرے ہاتھ میں ڈال دی گئیں۔ تل کا معنی ڈالنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تُلَّ یُتَلّ جب اسے انڈیلا جائے تَلَّ یَتِلّ جب وہ گر جائے۔

بعض اہل اشارہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا پھر اپنے بچے کو محبت کی نظر سے دیکھا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب رؤیا اللیل، جلد 2، صفحہ 1036

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محبوب مشترک محبت پر راضی نہ ہوا، اسے حکم دیا گیا: اے ابراہیم! میری رضا کی خاطر اپنے بچے کو ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آستین چڑھالیں، چھری پکڑلی، اپنے بچے کو پہلو کے بل لٹادیا پھر یوں دعا کی: اے اللہ! اپنی رضا کی خاطر مجھ سے یہ قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے ابراہیم! مقصود بچے کو ذبح کرنا نہیں تھا، مقصود یہ تھا کہ تو اپنے دل کو میری طرف پھیر دے جب تو نے اپنے دل کو کلیۃ میری طرف پھیر دیا تو ہم نے تیرا بچہ تیری طرف لوٹا دیا ہے۔

کعب اور دوسرے علماء نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ان کے بچے کے ذبح کو دکھایا گیا تو شیطان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے اس مرحلہ میں آل ابراہیم کو آزمائش میں نہ ڈالا تو میں ان میں سے کسی کو بھی آزمائش میں نہ ڈال سکوں گا، شیطان نے ان کے سامنے ایک انسان کی شکل اختیار کی پھر اس بچے کی ماں کے پاس آیا پوچھا: کیا تو جانتی ہے ابراہیم تیرے بیٹے کو کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ اس نے کہا: وہ اس کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: ہرگز نہیں وہ اس کے بارے میں اس سے زیادہ شفیق ہے۔ شیطان نے کہا: ابراہیم کا خیال ہے اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: اگر اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے تو اسکا اپنے رب کی اطاعت کرنا بہت اچھا ہے۔ پھر شیطان بچے کے پاس آیا کہا: کیا تو جانتا ہے تیرا باپ تجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ کہا: وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: اس کا گمان ہے کہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ بچے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے وہ اسے ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا پوچھا: تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ اللہ کی قسم! میرا گمان ہے کہ شیطان تیرے پاس نیند کی حالت میں آیا ہے اس نے تجھے تیرا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام شیطان کو پہچان گئے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! مجھ سے دور ہو جا، اللہ کی قسم! میں اپنے رب کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ ملعون نے ان سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا☆ پھر درمیانی جمرہ کے پاس شیطان آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر آخری جمرہ کے پاس شیطان ان کے سامنے آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائے (1)۔

اس جگہ کے بارے میں اختلاف ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کا ارادہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم پر۔ ایک قول یہ کیا گیا: منیٰ میں قربان گاہ میں جمروں کے پاس جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکریاں ماری تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے! یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، محمد بن کعب اور سعید بن مسیب کا قول ہے۔

1۔ تفسیر بغوی

☆ تو جمرہ عقبہ کے پاس شیطان کے سامنے آیا تو آپ نے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔

سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ آپ نے منٰی میں ثبیر پہاڑ کے نیچے چٹان پر ذبح کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: آپ نے شام میں ذبح کیا تھا جو بیت المقدس سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔

پہلا قول اکثر بیان کیا گیا ہے کیونکہ احادیث میں یہ وارد ہے کی مینڈھے کے سینگوں کو کعبہ کے ساتھ لٹکایا گیا تھا یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں ذبح کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اسلام کا ابتدائی دور تھا اس مینڈھے کا سر اپنے دونوں سینگوں کے ساتھ میزاب کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا وہ خشک تھا۔

جس نے یہ کہا کہ ذبح کا عمل شام میں ہوا تھا اس نے سر کے لٹکانے کا یہ جواب دیا: ممکن ہے یہ سر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف لایا گیا ہو؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 6۔** دنیا و آخرت میں شدائد سے چھٹکارے کے ساتھ انہیں جزا دیں گے یہ ظاہر و باہر نعمت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أبلاہ اللہ إبلاء و بلاء جب وہ اس پر احسان کرے۔ بعض اوقات بلاہ بھی کہا جاتا ہے، زبیر نے کہا:

فا بْلَاهما خَيْرَ البلاءِ الذی یَبْلو اس نے ان دونوں پر بہترین احسان و انعام کیا۔

ایک قوم کا گمان ہے یہ دونوں لغتوں کے ساتھ آیا ہے، دوسرے علماء نے کہا: بَلَاهُ يَبْلُوهُ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس کا امتحان لے، اختبار کے لیے بَلَاهُ يَبْلُوهُ استعمال کرتے ہیں ابْتِلَاء کے لیے يَبْلُوهُ کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اختیار کی اصل یہ ہے کہ وہ بھلائی کی صورت میں ہو یا شر کی صورت میں ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء: 35) ابوزید نے کہا: یہ بھی اسی آزمائش میں سے تھا کہ ان پر یہ حکم نازل ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ کہا: یہ ایسی آزمائش تھی جو پسندیدہ نہ تھی۔

**مسئلہ نمبر 7۔** ذبح مذبوح کا اسم ہے اس کی جمع ذبوح آتی ہے جس طرح طحن مطحون کا اسم ہے۔ ذبح فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے، عظیم سے مراد قدر و منزلت کی عظمت ہے اس سے عظیم الجثہ مراد نہیں اس کی قدر کو عظیم قرار دیا کیونکہ اس کے ساتھ ذبیح کا فدیہ دیا اس وجہ سے اس کی عظیم صفت ذکر کی کیونکہ وہ عمل قبول ہوا۔ نحاس نے کہا: لغت میں عظیم کا لفظ کبیر اور شریف کے لیے بولا جاتا ہے۔ اہل تفسیر نے کہا: یہاں یہ شریف کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا جو قبول ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو حضرت ہابیل نے قربانی کے طور پر دیا تھا، یہ جنت میں چرتا پھرتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت اسماعیل کا فدیہ دیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیجا، یہ چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ پہاڑی بکروں میں سے نر کو دیا گیا جو ثبیر پہاڑ سے نیچے اترا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اپنے بیٹے کے فدیہ کے طور ذبح کیا تھا؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا، اسے پکڑا اسے ذبح کیا اور اپنے بیٹے کو آزاد کر دیا اے بیٹے! آج تو مجھے ہبہ کیا گیا ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ قول

کیا گیا ہے آپ نے وعل فدیہ دیا، وعل سے مراد پہاڑی نر ہے۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ مینڈھے کو فدیہ کے طور پر دیا گیا۔

**مسئلہ نمبر 8**۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ غنم (بھیڑ بکری) کی قربانی اونٹ اور گائے سے افضل ہے؛ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، انہوں نے کہا: قربانیوں میں سے بہترین بھیڑوں میں سے نر ہے بھیڑوں میں سے مادہ، بکری کے نر سے بہتر ہے اور بکریوں میں سے نر، اونٹ اور گائے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۝ ۔ یعنی جس کا جسم بھاری اور موٹا تھا یہ مینڈھا تو ہو سکتا ہے اونٹ اور گائے نہیں ہو سکتی۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا: میں نے نذر مانی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو قربان کروں؟ فرمایا: تیرے لیے موٹا مینڈھا کافی ہے پھر یہ آیت پڑھی: وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۝ ۔

بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں مینڈھے سے افضل حیوان ہوتا تو اس کے ساتھ حضرت اسحاق کا فدیہ دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمگیں مینڈھوں کی قربانی دی جس کی اکثر قربانی دی جاتی ہے وہ مینڈھا ہی ہوتا ہے۔

ابن ابی شیبہ، ابن علیہ سے وہ لیث سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ذبح سے مراد بڑی بکری ہے۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کونسی چیز افضل ہے قربانی یا اس کی قیمت کا صدقہ؟ امام مالک اور آپ کے شاگردوں کا نقطہ نظر ہے: قربانی افضل ہے مگر منیٰ میں کیونکہ وہ قربانی کی جگہ نہیں؛ یہ ابو عمر نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن منذر نے کہا: اسے ہم نے بلال سے روایت کیا ہے کہ کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ایک مرغے کی قربانی کروں ایک یتیم کے ہاتھ میں دے دینا جو خاک نشین ہے، محدث نے اس طرح کہا ہے، مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس کی قربانی دوں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے کہ صدقہ افضل ہے یہی امام مالک اور ابو ثور کا قول ہے۔ اس میں دوسرا قول بھی ہے ابو عمر اور امام احمد بن حنبل نے کچھ اضافہ کیا ہے انہوں نے کہا: قربانی صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی نماز عید کی طرح سنت مؤکدہ ہے اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ نماز عید تمام نوافل سے افضل ہے اسی طرح سنن تمام نوافل سے افضل ہے۔ ابو عمر نے کہا: قربانی کی فضیلت میں آثار حسن مروی ہیں ان میں سے ایک سعید بن داؤد سے مروی ہے وہ ابو زبیر سے وہ مالک سے وہ ثور بن زید سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صلہ رحمی کے بعد کوئی نفقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے (قربانی کرنے) سے افضل نہیں'' (1)۔ ابو عمر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے جو مالک سے مروی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: اے لوگو! قربانی دو اور خوش دلی سے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے بھی اپنی قربانی کو قبلہ رو لٹایا اس کا خون، اس کے سینگ اور اس کی اون قیامت کے روز اس کے میزان میں حاضر کیے جائیں گے کیونکہ خون اگر مٹی میں واقع ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز قربانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا حساب دیا جاتا ہے'' ابو عمر نے یہ روایت کتاب ''التمہید'' میں ذکر کی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یوم نحر کے اعمال

---

1۔ کنز العمال، جلد 5، صفحہ 102

میں سے کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے' قربانی دینے سے بہتر نہیں قیامت کے روز وہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذیشان مقام تک جا پہنچتا ہے، خوش دلی سے قربانی دیا کرو(1)''۔ کہا اس باب میں عمران بن حسین زید بن ارقم سے بھی یہ روایت مروی ہے، یہ حدیث حسن ہے(2)۔

**مسئلہ نمبر 10**۔ قربانی واجب نہیں بلکہ سنت اور معروف ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قربانی والے دن دو درہم دے کر مجھے بھیجتے میں ان کے لیے گوشت خرید کر لاتا اور کہتے: جس سے تو ملے تو اسے کہنا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قربانی ہے۔

ابو عمر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو مروی ہے کہ وہ قربانی نہیں دیا کرتے تھے اہل علم کے نزدیک اس کا مصداق یہ ہے کہ اس عمل پر دوام سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ عمل واجب و فرض ہے، وہ ائمہ تھے، مابعد لوگ ان کی اقتدا کیا کرتے تھے، دینی معاملات میں ان کی طرف دیکھا جاتا تھا کیونکہ یہ ہستیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے درمیان واسطہ تھیں ان کے لیے اس بارے میں ایسا اجتہاد جائز تھا جو کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

امام طحاوی نے اپنی مختصر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا: قربانی مقیم لوگوں پر واجب ہے جبکہ وہ قربانی پاتے ہوں اور شہروں میں مقیم ہوں مسافر پر واجب نہیں کہا: آدمی پر اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے قربانی اسی طرح واجب ہے جس طرح اس پر اپنی ذات کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔

ابو عمر نے کہا: یہ امام مالک کا قول ہے۔ کہا: کسی کے لیے اسے ترک کرنا مناسب نہیں وہ مسافر یا مقیم ہو اگر اسے ترک کیا تو اس نے کتنا ہی برا عمل کیا ہاں جب اس کے لیے عذر ہو مگر منیٰ میں حاجی کے لیے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام شافعی نے کہا: تمام لوگوں پر سنت ہے منیٰ میں حاجیوں پر قربانی کرنا سنت ہے یہ واجب نہیں جو علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو حکم دیا کہ دوبارہ قربانی دے کیونکہ جو واجب نہ ہو اس کے دوبارہ بجالانے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

دوسرے علماء نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''جب ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی دینے کا ارادہ کرے(3)'' انہوں نے استدلال کیا: اگر قربانی واجب ہوتی تو اس امر کو قربانی کرنے والے کے ارادہ کی طرف منسوب نہ کیا جاتا؛ یہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت بلال کا نقطہ نظر ہے۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب ماجاء فی فضل الأضاحی، جلد 1، صفحہ 180

2۔ جامع ترمذی، کتاب الاضاحی باب ماجاء فی فضل الاضحیة، حدیث نمبر 1413، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الأضاحی، من اراد ان یضحی، صفحہ 234

**مسئلہ نمبر 11**۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جن جانوروں کی قربانی دی جا سکتی ہے ان کی آٹھ قسمیں ہیں: بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے (یعنی اس میں سے مذکر اور مونث)۔ ابن منذر نے کہا: حسن بن صالح سے مروی ہے کہا: جنگلی گائے کی سات افراد کی جانب سے قربانی دی جا سکتی ہے۔ ہرن کو ایک آدمی کی جانب سے قربانی دیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اگر جنگلی بیل، پالتو گائے پر واقع ہوتا ہے یا پالتو بیل جنگلی گائے پر واقع ہوتا ہے تو ان سے جنم لینے والا جانور قربانی نہیں دیا جا سکتا۔ اصحاب رائے نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ اس کا بچہ ماں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ابوثور نے کہا: اس کی قربانی جائز ہے جب وہ انعام کی طرف منسوب ہے (یعنی جب وہ انعام میں داخل ہے)۔

**مسئلہ نمبر 12**۔ ذبح کے وقت اور قربانی کا گوشت کھانے کے بارے میں مفصل گفتگو سورۃ الحج میں گذر چکی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمگیں سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے بسم اللہ شریف پڑھی اور تکبیر کہی اور اپنے پاؤں کو اس کی پسلیوں پر رکھا(1)"۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کہہ رہے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر۔ سورۃ الانعام میں حضرت عمران بن حصین کی حدیث گذر چکی ہے اور سورۂ مائدہ میں ذبح کرنے کا طریقہ، اس کی وضاحت، جس کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے اور جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے مفصل گذر چکا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے مینڈھے کا حکم دیا۔ فرمایا "اے عائشہ! چھری لاؤ" پھر فرمایا: "اسے پتھر پر تیز کرو" تو میں نے ایسا ہی کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑی اور اس مینڈھے کو پکڑا اسے پہلو کے بل لٹایا اور ذبح کیا پھر کہا: بسم اللہ اللّٰھمّ تَقَبّل من مُحَمّدٍ وآل محمد ومن أمة محمد (2) بسم اللہ، اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قبول فرما پھر اسے چاشت کے وقت کھایا۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے حضرت حسن بصری قربانی کے بارے میں کہا کرتے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر ھذا منك ولك تقبل من فلان، بسم اللہ اللہ اکبر، یہ تیری جانب سے ہے، تیرے لیے ہے اسے فلاں سے قبول فرما۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے ایسا کیا تو بہت اچھا کیا اگر اس نے اس طرح نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا تو یہ اسے کافی ہو جائے گا۔

امام شافعی نے کہا: ذبیحہ پر تسمیہ صرف بسم اللہ کے الفاظ ہیں اگر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے کسی چیز کا اضافہ کیا یا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر درود شریف پڑھا تو میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا یا کہا: اے اللہ! اسے مجھ سے قبول فرما یا فلاں کی جانب سے قبول فرما تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لینا میرے نزدیک مکروہ ہے میرے نزدیک یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت کہے: اے اللہ! فلاں کی جانب سے اسے قبول فرما اگر اس نے بسم اللہ کہنے سے قبل یا ذبح کے لیے لٹانے سے قبل ایسا کہا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ کی حدیث اس قول کا رد کرتی ہے یہ بات پہلے گذر

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأضاحی، التکبیر عند الذبح، جلد 2، صفحہ 835

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 30

چکی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو کہا تھا: اللہ اکبر والحمد للہ تو یہ سنت کے طور پر باقی رہا۔

**مسئلہ نمبر 13**۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کن کن جانوروں کی قربانی سے بچنا چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہا: ''چار'' حضرت براء اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے اور کہتے میرا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے چھوٹا ہے لنگڑی: ''جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، کانی جس کا کانا پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، کمزور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو'' (1)۔ امام مالک کے الفاظ ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں تھوڑے سے عیب میں اختلاف ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان کو غور سے دیکھیں اور ہم مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی نہ دیں کہا: ''مقابلہ سے مراد ہے جس کے کان کی ایک طرف کٹی ہو، مدابرہ جس کے کان کی جانب کٹی ہوئی ہو، شرقاء جس میں شق ہے، خرقاء جس میں سوراخ ہو (2)'' کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مؤطا شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ایسی ضحایا اور بُدن سے بچتے جو مسنہ نہ ہوں اور جن میں کوئی عیب ہو۔ امام مالک نے کہا: میں نے اس بارے میں جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ قتبی نے کہا: لم تُسنن کا معنی ہے جس کے دانت نہ اگے ہوں گویا اسے دانت دیئے ہی نہیں گئے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: فلان لم یلبن یعنی اسے دودھ نہیں دیا گیا، لم یُسْمَن اسے گھی نہیں دیا گیا، لم یُعسّل اسے شہد نہیں دیا گیا یہ ایسے ہی ہے جیسے قربانیوں میں ہتماء (جس کے اگلے دانت جڑ سے ٹوٹے ہوئے ہوں) سے منع کیا گیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی بکری کو قربانی دیا جائے جس کے سامنے کے دانت جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں جبکہ اس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے ٹوٹے ہوں اور وہ موٹی ہو؛ یہ امام مالک کا نقطۂ نظر ہے اگر وہ بکری ابھی جوان ہو اور اس کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اسے قربانی دینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا عیب خفیف نہیں نقصان سب کا سب مکروہ ہے اس کی وضاحت اور تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے ''اپنی سواریوں کو موٹا کرو کیونکہ یہی پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں'' (3)۔

**مسئلہ نمبر 14**۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس آدمی نے نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو نحر کرے گا یا اسے ذبح کرے گا تو وہ ایک مینڈھا اس کا فدیہ دے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان سے دوسری روایت بھی مروی ہے: وہ سو اونٹ ذبح کرے جس طرح عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا تھا۔ امام شافعی نے یہ دونوں روایتیں ان سے نقل کی ہیں۔ قاسم بن محمد نے ان سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ کفارہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، ما لا یجوز من الأضاحی، جلد 1، صفحہ 181۔ ایضاً، حدیث 1417، ابوداؤد، حدیث 2420، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ مؤطا امام مالک، کتاب الضحایا، صفحہ 495 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 55

یمین کافی ہو جائے گا۔ مسروق نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ امام شافعی نے کہا: یہ معصیت ہے وہ ایسی نذر ماننے پر الله تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔

امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جس کی وجہ سے اولاد کے حق میں تو اس پر بکری ذبح کرنا لازم ہوگی اولاد کے علاوہ میں کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ امام محمد نے کہا: جس نے اپنے غلام کو نحر کرنے کی قسم اٹھائی تو اس پر اسی قسم کی چیز لازم ہوگی جیسی چیز اپنے بیٹے کو نحر کرنے کی وجہ سے لازم ہوتی تھی جب وہ اس قسم کو توڑے۔

ابن عبدالحکم نے امام مالک سے اس آدمی کے بارے میں روایت نقل کی ہے جو یہ کہتا ہے: میں اپنا بچہ مقام ابراہیم پر ذبح کروں گا، وہ یہ قسم اٹھاتا ہے پھر وہ اس قسم کو توڑ دیتا ہے تو اس پر ہدی لازم ہوگی۔ کہا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کرے گا اور مقام ابراہم کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ کہا: جس نے اپنے بیٹے کو ہدی بنایا تو اس کی جانب سے ہدی دے۔ قاضی ابن عربی نے کہا: اس پر بکری لازم ہوگی جس طرح امام ابو حنیفہ نے کہا کیونکہ الله تعالیٰ نے شرعی طور پر بچے کے ذبح کرنے کو بکری کا ذبح کرنا بنا دیا ہے الله تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بچے کو ذبح کرنا لازم کیا تھا اور مینڈھے کے ذبح کرنے کے ساتھ اسے اس حکم سے فارغ کر دیا اسی طرح اگر کوئی غلام اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ بکری بھیڑ وغیرہ ذبح کر دے کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج:78) ایمان ایسی چیز ہے جو اصلاً لازم ہے اور نذر ایسی چیز ہے جو فرعی طور پر لازم ہے تو ضروری ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے۔ اگر یہ سوال کیا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے ذبح کا حکم دیا جا سکتا ہے جبکہ یہ معصیت ہے اور معصیت کا حکم جائز نہیں ہوتا؟

ہم کہتے ہیں: یہ کتاب الله پر اعتراض ہے جو آدمی اسلام پر اعتقاد رکھتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ حلال وحرام کے بارے میں کیسے فتویٰ دے گا جبکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اس بارے میں جو چیز لوگوں کے دلوں سے اس التباس کو دور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ معاصی اور طاعات اعیان کے ذاتی اوصاف نہیں۔ بے شک طاعات وہ چیزیں ہیں کہ جس فعل کے ساتھ امر متعلق ہو اور معصیت سے مراد وہ چیز ہے کہ جس فعل کے ساتھ نہی متعلق ہو جب امر اس چیز سے متعلق تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیں تو یہی طاعت اور آزمائش ہوگئی اسی وجہ سے الله تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ کیونکہ بچے اور نفس کو ذبح کرنے پر صبر کرنا تھا جب ہمارے بارے نہی اس چیز سے متعلق ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کریں تو یہی معصیت ہوگی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ نذر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ معصیت ہے؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے: یہ معصیت ہوگی اگر وہ نذر کی وجہ سے بچے کے ذبح کا قصد کرتے اور اور فدیہ کی نیت نہ کرتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اگر ایسا واقع ہو جائے اس نے معصیت کا قصد کیا ہو اور فدیہ کی نیت نہ کی ہو؟ ہم کہیں گے: اگر اس نے اس کا قصد کیا ہو تو یہ چیز اس کے قصد میں اسے کوئی نقصان نہ دے گی اور اس کی نذر میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ بچے کی نذر شرعی طور پر بھیڑ، بکری کے ذبح کی صورت بن گئی ہے۔

**مسئلہ نمبر 15۔** وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی ہم نے

ان کے بعد کی امتوں میں اچھی تعریف چھوڑی ہے کوئی بھی امت نہیں مگر وہ آپ پر درود پڑھتی ہے اور ان سے محبت کرتی ہے۔
ایک قول یہ کیا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (الشعراء) عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہے یعنی ہماری طرف سے سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے آفات سے سلامتی ہے جس طرح ارشاد فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ان مومن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عبودیت کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کے مستحق بن گئے۔

**مسئلہ نمبر 16**۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی نبوت کی بشارت دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بشارت دو دفعہ دی گئی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کہ انہیں نبوت کی بشارت اس بنا پر دی گئی کہ انہوں نے صبر کیا، اپنے رب کے حکم پر راضی ہوئے اور سر اطاعت خم کر دیا تو جزا کے طور پر یہ انعام ہوا۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اِسْحٰقَ یعنی ہم نے ان دونوں پر نعمت کو دگنا کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے ان کی اولاد کو زیادہ کر دیا یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر برکتیں نازل کیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل کیں کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو ان کی پشت سے نکالا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ میں ضمیر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ مفضل نے کہا: صحیح جس پر قرآن پاک دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبیح کے قصہ کو بیان کیا جب قصہ کے آخر میں کہا: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ پھر فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ۔ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا تھا پھر کہا: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا یہ اس امر پر دال ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہے۔ راوی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کرتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بڑے تھے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی جب نص سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی تو بے شک ذبیح بھی حضرت اسحاق علیہ السلام ہونگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دو دفعہ دی گئی: (1) بچے کی ولادت کی (2) اس کی نبوت کی جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اور نبوت بڑھاپے میں ہوگی۔

نَبِيًّا حال کی حیثیت سے منصوب ہے اور عَلَيْهِ میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں تک کہ ضمیر ان کی طرف لوٹے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ کی سند سے یہ مروی ہے کہا میں نے ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یوں خطاب کرتے ہوئے سنا: یا ابن الذبیحین نبی کریم ﷺ ہنس پڑے پھر حضرت معاویہ نے کہا: حضرت عبدالمطلب نے جب بئر زمزم کو کھودا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس معاملہ کو آسان کر دیا تو وہ ضرور اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کنویں کے معاملہ کو ان کے لئے آسان کر دیا تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا ان کے ماموؤں نے حضرت عبدالمطلب کو اس امر سے روکا انہوں نے کہا: اپنے بیٹے کا فدیہ دو۔ حضرت عبدالمطلب نے سو اونٹوں کا فدیہ دیا پھر حضرت عبداللہ ذبیح ہوئے حضرت اسماعیل دوسرے ذبیح ہیں۔ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کی سند ثابت نہیں جس طرح ہم نے کتاب الأعلام فی معرفة مولد المصطفیٰ علیه الصلوٰة والسلام میں ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب چچا کو بھی اب کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ (البقرۃ: 133) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ (یوسف: 100) وہ دونوں اس کے والد اور اس کی خالہ تھی اسی طرح فرزدق شاعر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اگر اس کی سند صحیح ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فرزدق کی ذات میں ہی اعتراض کی گنجائش موجود ہے؟

**مسئلہ نمبر** 17۔ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ جب اولاد میں کثرت اور برکت کا ذکر کیا تو فرمایا: ان میں سے کچھ سیاہ کار ہونگے، سیاہ کار کو نبی کا بیٹا ہونا کوئی نفع نہ دے گا(1) یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اور عرب اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں تب بھی محسن اور مسئ، مومن اور کافر میں فرق ضروری ہے قرآن حکیم میں ہے: وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ: 18)

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

''ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر۔ اور ہم نے بچا لیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم و اندوہ سے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخش دی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام

1۔ کافر: کفر کی صورت میں ہی یہ رشتہ کوئی نفع نہ دے گا ورنہ گناہگار کے لیے تو شفاعت ثابت ہے۔ (مترجم)

کرنے والوں کو۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں"۔

جب اس امر کا ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح ہونے سے نجات دی اور نبوت کے بعد جوان پر احسان کیا ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ علیہما السلام پر جو احسان کیا۔ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۱۱۵﴾ سے مراد وہ غلامی ہے جو بنی اسرائیل کو لاحق ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل اس سے بچ گئے تھے۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فراء نے کہا: ضمیر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لئے ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو بھی جمع ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاٰتَيْنٰهُمَا اور وَهَدَيْنٰهُمَا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ھم ضمیر حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کے لئے ہے، یہی درست ہے کیونکہ اس سے قبل وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا ہے۔

الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ سے مراد تورات ہے یوں کہا جاتا ہے، واستبان کذا یعنی وہ واضح ہو گیا استبانه فلان نے اسے واضح کر دیا۔ یہ اس کی مثل ہے تبیّن الشئ بنفسه اور تبیینه فلاں۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ سے مراد دین قویم ہے جس میں کوئی کجی نہیں وہ دین اسلام ہے وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سے مراد اچھی تعریف ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

"اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں، کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین کو یعنی اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں پکڑ کر حاضر کیا جائے گا بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں"۔

مفسرین نے کہا: حضرت الیاس بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسرائیل

سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور الیاس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یوں قراءت کی وان ادریس؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ کہا: حضرت عبداللہ کے مصحف میں وانّ ادریس لمن المرسلین تھا حضرت عبداللہ بن مسعود یہ قول کرنے میں منفرد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اس سے مراد حضرت یسع کے چچا ہیں (1)۔ ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات کے نگران حضرت کالب بن یوقنا تھے پھر حضرت حزقیل تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل نبی کو موت عطا کر دی تو بنی اسرائیل میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو نبی بنا کر معبوث کیا اور حضرت یسع ان کے پیچھے آئے وہ حضرت الیاس پر ایمان لائے جب بنو اسرائیل نے ان پر سرکشی کی تو انہوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے ان سے نجات عطا کریں تو انہیں کہا گیا: فلاں دن فلاں جگہ کی طرف نکلو جو چیز بھی تیرے سامنے آئے اس پر سوار ہو جاؤ اور اس سے خوفزدہ نہ ہونا۔ آپ نکلے اور ان کے ساتھ حضرت یسع بھی تھے عرض کی: اے الیاس! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت الیاس نے اوپر کی جانب سے ان کے اوپر اپنی چادر پھینک دی۔ یہ بنی اسرائیل پر انہیں نائب بنانے کی علامت تھی۔ یہ حضرت الیاس کا حضرت یسع کے ساتھ آخری وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام سے کھانے اور پینے کی لذت کو ختم کر دیا اسے پر عطا کئے اور نور کا لباس پہنایا اور وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ گئے وہ انسان، فرشتہ آسمانی اور زمینی ہو گئے (2)۔

ابن قتیبہ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے فرمایا: مجھ سے سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ حضرت الیاس نے عرض کی: تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے اور مجھ سے موت کے ذائقے کو مؤخر کر دے تو وہ فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے۔ بعض نے کہا: آپ مریض ہوئے اور موت کی آہٹ کو محسوس کیا اور روئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: تو کیوں روتا ہے؟ دنیا کی حرص میں یا موت کی گھبراہٹ سے یا آگ کے ڈر سے؟ عرض کی: نہیں تیری عظمت وجلال کی قسم! ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، میری گھبراہٹ یہ ہے میرے بعد حمد کرنے والے کیسے حمد کریں گے جبکہ میں تیری حمد نہیں کروں گا؟ میرے بعد ذکر کرنے والے کیسے تیرا ذکر کریں گے جبکہ میں تیرا ذکر نہیں کروں گا؟ میرے بعد روزے دار کیسے روزے رکھیں گے جبکہ میں روزہ نہ رکھوں گا؟ وہ کیسے تیری نماز پڑھیں گے جبکہ میں نماز نہیں پڑھوں گا؟ اسے کہا گیا: اے الیاس! میری عزت کی قسم میں تجھے اس وقت تک مہلت دوں گا جس میں کوئی ذاکر میرا ذکر نہیں کرے گا یعنی قیامت کے دن تک تجھے مہلت دوں گا۔

عبدالعزیز بن رواد نے کہا: حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت المقدس میں رمضان شریف کے مہینہ میں روزے رکھتے ہیں، وہ ہر سال حج کرتے ہیں۔ ابن ابی دینا نے ذکر کیا ہے کہ جب حج کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ما شاء اللہ ما شاء اللہ جو نعمت بھی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ما شاء اللہ ما شاء اللہ توکلت علی اللہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل سورۂ کہف میں گذر چکا ہے۔

---

1۔ تفسیر بغوی 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 64

مکحول کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا یہاں تک کہ ہم ایک پتھر کے پاس اونٹنی کی گذرگاہ میں تھے اچانک ہم آواز سن رہے تھے جو آدمی کہہ رہا تھا: اللّٰھم أجعلنی من أمة محمد المرحومة المغفورة لھا المتوب علیھا المستجاب لھا۔ اے اللہ مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دے جو مرحومہ، مغفورہ ہے جس کی توبہ قبول کی جاتی ہے اور جس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے انس! دیکھو یہ آواز کیسی ہے؟'' تو میں پہاڑ کے اندر چلا گیا تو اچانک میں ایک آدمی کے پاس تھا جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے جس کے جسم پر سفید کپڑے تھے اس کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا: تو نبی کا بھیجا ہوا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس کی طرف واپس جایئے اسے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا: یہ تیرا بھائی الیاس ہے جو تیری ملاقات چاہتا ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جبکہ میں ان کے ساتھ تھا یہاں تک کہ جب ہم ان کے قریب ہوئے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگے بڑھے اور میں پیچھے ہٹ گیا، دونوں نے طویل گفتگو کی، دونوں پر آسمان سے کوئی چیز نازل ہوئی جو دسترخوان کے مشابہ تھی، دونوں نے مجھے بلایا تو میں نے ان دونوں کے ساتھ کھایا اس میں کھمبی، انار اور اجوائن تھی۔ جب میں نے کھانا کھا لیا تو میں اٹھ گیا اور ایک طرف ہو گیا۔ ایک بادل آیا جس نے اسے اٹھا لیا جبکہ میں ان کے کپڑوں کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں یہ کھانا جو ہم نے کھایا ہے کیا یہ آسمان سے نازل ہوا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل امین ہر چالیس دنوں میں ایک دفعہ کھانا لاتے ہیں اور ہر سال میں ایک دفعہ زمزم کا پانی لاتے ہیں بعض اوقات میں نے انہیں گہرے کنویں پر دیکھا وہ ڈول بھرتے اور خود پیتے اور بعض اوقات مجھے بھی پلایا'' (1)۔

ثعلب نے کہا: علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان بعلا میں اختلاف کیا ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: یہاں بعل سے مراد بت ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہاں بعل سے مراد فرشتہ ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: اس سے مراد عورت ہے جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے؛ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

حکم بن ابان، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہاں بعل سے مراد بت ہے۔ عطا بن سائب، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بعلا کا معنی رب ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قول صحیح ہیں کہا: تم بت کی عبادت کرتے ہو جسے تم نے رب بنایا ہوا ہے یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: ھذا بعل الدار یہ گھر کا مالک ہے معنی ہوگا: کیا تم اسے رب کہتے ہو جسے تم نے خود گھڑا ہے؟ اتدعون یہ اتسمون کے معنی میں ہے کیا تم اسے یہ نام دیتے ہو، یہ سیبویہ نے بیان کیا ہے۔

مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی نے کہا: یمن کی لغت میں بعل کا معنی رب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یمنی آدمی

---

1۔ امام ذہبی نے ''تلخیص'' میں اس روایت پر سخت جرح کی ہے۔

کو کہتے ہوئے سنا جو منیٰ میں اونٹنی چرا رہا تھا: من بعل هذه یعنی اسکا مالک کون ہے؟ اسی وجہ سے خاوند کو بعل کہتے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا:

ورأيتُ بَعْلَكِ في الوغَى مُتقلِّدًا سيفًا ورمُحًا

میں نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو تلوار اور نیزہ سنبھالے ہوئے تھا۔

مقاتل نے کہا: بعل سے مراد وہ بت ہے جسے حضرت الیاس نے توڑا اور ان لوگوں کے پاس سے بھاگ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بت سونے کا تھا، اس کی لمبائی بیس ہاتھ تھی اس کے چار منہ تھے اس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہوئے، لوگوں نے اس بت کی تعظیم کی یہاں تک کہ اس کی خدمت پر سو آدمی لگائے اور ان افراد کو اس کے انبیاء بنایا شیطان بعل کے پیٹ میں داخل ہوتا اور گمراہی کی باتیں کرتا خدام انہیں یاد کرتے اور لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتے یہی لوگ شام کے علاقہ میں اہل بعلبک کہلاتے اسی وجہ سے ان کے شہر کا نام بعلبک پڑ گیا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اس کے لئے جو نام ذکر کئے جاتے ہیں ان میں بہترین خالق ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ معنی ہے وہ بہترین صانع ہے کیونکہ لوگ بناتے ہیں تخلیق نہیں کرتے۔

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ تینوں اسماء منصوب ہیں۔ ربیع بن خثیم، حسن بصری، ابن ابی اسحاق، ابن وثاب، اعمش، حمزہ اور نسائی نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ابوعبید اور ابوحاتم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابوعبید نے کہا: یہ صفت ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ بدل کی حیثیت سے منصوب ہیں یہاں صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ یہاں تحلیہ نہیں۔

ابن کثیر، ابوعمرو، عاصم، ابوجعفر، شیبہ اور نافع نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے هوالله ربکم نحاس نے کہا: جو کہا اس میں سے بہترین یہ ہے یہ کلام مبتدا خبر ہے نہ اضمار ہے اور نہ ہی حذف ہے۔

میں نے علی بن سلیمان کو دیکھا کہ وہ اس طرف گئے ہیں رفع دینا زیادہ بہتر اور اچھا ہے کیونکہ اس سے قبل آیت کا سرا ہے پس نئے سرے سے کلام شروع کرنا اولیٰ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے نصب دی یا رفع دیا اس نے اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ پر مکمل وقف نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس سے مراد ہے۔

حضرت الیاس کی قوم کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے حضرت الیاس کو جھٹلایا پس وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے مگر ان کی قوم کے مخلص لوگ عذاب سے نجات پائیں گے اسے المخلصین پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

اعرج، شیبہ اور نافع کی قراءت آل یاسین۔ عکرمہ، ابوعمرو، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے الیاسین قراءت کی ہے حضرت حسن بصری نے سلام علی الیاسین الف کو وصلیہ کرتے ہوئے پڑھا ہے گویا اصل میں یاسین تھا اس پر الف، لام تعریف کا داخل ہوا ہے اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں اسی پر سلام واقع ہوا ہے لیکن یہ عجمی اسماء میں منصوب ہو جاتے ہیں وہ اکثر اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 65

ابن جنی نے کہا: عرب عجمی اسماء میں کھیلتے رہتے ہیں یاسین، الیاس اور الیاسین ایک ہی چیز ہے۔ زمخشری نے کہا: جب وصل کرتے تو نصب دیتے اور جب وقف کرتے تو رفع دیتے اسے علی الیاسین ادریسین، ادرسین اور ادراسین پڑھتے یہ الیاس اور ادریس کی لغتیں ہیں شاید سریانی زبان میں یاء اور نون کی زیادتی کی کوئی حکمت ہو۔ نحاس نے کہا: جس نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس نے اس کا اسم الیاس اور یاسین بنایا ہے پھر اس کی آل یعنی اس کے شہر والوں اور جو اس کے مذہب والے تھے ان پر سلام بھیجا اس سے یہ بات معلوم ہو گئی ہے جب اس کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا گیا تو وہ اس سلامتی میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوگا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللھم صل علی آل ابی اوفی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۝ (غافر) جس نے الیاسین پڑھا ہے علماء کے اس میں کئی اقوال ہیں۔ ہارون نے ابن ابی اسحاق سے روایت نقل کی ہے کہ الیاسین، ابراہیم کی مثل ہے وہ اس طرف گیا ہے کہ یہ نام ہے۔ ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ جمع سالم ہے کیونکہ ان پر اوران کے اہل بیت پر سلام بھیجا گیا ہے اس نے یہ شعر پڑھا ہے:

قَدْنِیَ من نَصْرِ الْخُبَیْبِیْنَ قَدِی

یہ کہا جاتا ہے قدنی اور قدی دو لغتیں ہیں ان کا معنی حسب یعنی کافی ہے وہ ابو حبیب عبداللہ بن زبیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو جمع بنا تاکہ جو بھی ان کے طریقہ پر تھا وہ اس کے ساتھ ہے۔ ابو عبیدہ کے علاوہ علماء نے اسے الخُبَیْبِیْنَ تثنیہ نقل کیا ہے اس سے مراد عبداللہ اور مصعب ہیں علی بن سلیمان اس سے زیادہ وضاحت کرتا ہے۔ کہا: عرب کسی قوم کا نام اپنے میں سے جلیل القدر آدمی کے نام پر رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: مہالبہ انہوں نے اپنے میں سے ہر آدمی کا نام مہلب کے نام پر رکھ دیا کہا اسی تاویل پر سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلْ یَاسِیْنَ۝ ہے۔ ان میں سے یہ ایک الیاس کا نام دیا گیا۔ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس میں سے کچھ ذکر کیا ہے مگر اس نے یہ ذکر کیا عرب اس نسبت کے طریقہ پر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اشعرون اس سے وہ نسبت کا ارادہ کرتے ہیں۔

مہدوی نے کہا: جس نے الیاسین پڑھا تو یہ جمع کا صیغہ ہے جس طرح جمع مکسر میں سے یاء نسبت حذف ہو جاتی ہے جس طرح مھالبہ، مھلبی کی جمع ہے اسی طرح جمع سالم میں بھی اسی طرح حذف ہے پس مھلبون کہا گیا سیبویہ نے حکایت کی ہے۔ اشعرون، نمیرون اس سے وہ اشعریین اور نمیریین مراد لیتے ہیں۔

سہیلی نے کہا: یہ صحیح نہیں بلکہ یہ الیاس میں لغت ہے جو کچھ انہوں نے کہا اگر اس کا ارادہ ہوتا تو الف، لام داخل کیا جاتا جس طرح المھالبہ اور الاشعریین میں داخل کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلْ یَاسِیْنَ۝ کیونکہ علم کی جب جمع بنا دی جاتی ہے تو وہ نکرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر الف، لام داخل کیا جاتا ہے تو یہ نہیں کہتا: سلام علی زیدین بلکہ تو کہتا ہے: سلام علی الزیدین۔

الیاس کے لفظ میں تین لغتیں ہیں۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ نے اپنی قراءت میں سلام علی الیاسین سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ بھی آپ کا نام ہے جس طرح الیاس ان کا نام ہے کیونکہ سورت میں ان کے علاوہ کسی آل پر سلام نہیں جس طرح دوسرے انبیاء کا نام ذکر کیا گیا ہے اسی طرح ان کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استدلال اصل میں ابو عمرو کا ہے جو غیر لازم ہے

کیونکہ اہل لغت کے قول کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا جائے تو اس کی ذات پر بھی سلام ہوتا ہے۔ یہ قول کہ اس کا نام الیاسین تھا وہ دلیل اور روایت کا محتاج ہے اس معاملہ میں اشکال واقع ہو گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے سلام علی یاسین اس میں الف اور لام کو ساقط کر دیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (1) ان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (2) ان سے مراد حضرت یاسین کی آل ہے اس تعبیر کی بنا پر یاسین میں زیادتی میں دو وجہیں ہیں: (1) اس لئے زیادتی کی گئی تا کہ آیات برابر ہو جائیں جس طرح ایک موقع پر طور سیناء اور دوسرے موقع پر طور سینین فرمایا، اس صورت میں سلام ان کے اہل پر ہوگا اور ان کی ذات پر نہیں ہوگا، اس صورت میں اضافت شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوگی۔

(2) جمع کرنے کے لیے داخل ہوا ہے پس حضرت یاسین بھی ان میں داخل ہیں پس سلام ان پر اور ان کی آل پر ہوگا سہیلی نے کہا: متکلمین نے معانی القرآن میں کہا: آل یاسین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ اس قول کی طرف وہ گئے ہیں جنہوں نے یٰسٓ کی تفسیر میں کہا: یا محمد! یہ قول بہت سی وجوہ سے باطل ہے۔

(1) سیاق کلام الیاسین کے قصہ میں ہے تو لازم ہے کہ یہ اس طرح ہو جس طرح حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصہ میں ہے اور سلام ان پر لوٹ رہا ہے یہاں بھی سلام الیاس کی طرف لوٹے گا کلام کو مقصود سے نکالنے کا کوئی معنی نہیں، اگر یہ قول کیا بھی جائے تو یہ کسی اور آیت میں بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ اس قول میں ضعف موجود ہے کیونکہ یٰسٓ، حٰمٓ اور الٓمٓ وغیرہ ان سب میں ایک قول ہے وہ یہ کہ یہ حروف مقطعات ہیں یا تو یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ماخوذ ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یا قرآن کی صفات سے ماخوذ ہیں یا اس طرح جس طرح امام شعبی نے کہا ہے: اللہ کی ہر کتاب میں راز ہیں قرآن حکیم میں اس کا راز سورتوں کے آغاز ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لی خمسة اسماء (1) میرے پانچ نام ہیں ان میں یٰسٓ، کا ذکر نہیں ہے نیز یٰسٓ میں تلاوت سکون اور وقف کی صورت میں آتی ہے اگر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہوتا تو یہ مضموم ہوتا یٰسین جس طرح فرمایا: **یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ** (یوسف: 46) پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی وجہ سے یہ قول باطل ہو گیا تو الیاسین وہ مذکورہ الیاس ہے اور اسی پر سلام ہے۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا: یہ ادریس اور ادراسین کی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ اس طرح ہے وان ادریس لمن المرسلین پھر فرمایا: سلام علی ادراسین۔

**وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾**

''اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ یاد کرو جب بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 501

کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی، پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان کے اجڑے دیاروں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے''۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ پہلے گزر چکا ہے یعنی بعد والوں کو عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا وَ اِنَّكُمْ میں عربوں کو خطاب ہے یعنی تم صبح کے وقت ان کے مکانات اور آثار کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کے وقت بھی تم گزرتے رہتے ہو کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور تدبر نہیں کرتے۔

وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

''اور بے شک یونس بھی ہمارے رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف سوار ہونے کے لئے پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے، پس نگل لیا انہیں حوت نے درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ حضرت یونس ہی ذوالنون ہیں جو متی کے بیٹے ہیں یہ اسی بوڑھی کے بیٹے ہیں جس کے پاس حضرت الیاس علیہ السلام ٹھہرے تھے چھ ماہ تک حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپے رہے جبکہ حضرت یونس دودھ پیتے بچے تھے حضرت یونس علیہ السلام کی والدہ خود ہی ان کی خدمت کرتی اور موانست کیا کرتی تھی اور جس پر بھی قادر ہوتی حضرت الیاس کی تکریم کی خاطر ذخیرہ نہ کرتی۔ حضرت الیاس علیہ السلام گھر والوں کی تنگی سے اکتا گئے اور پہاڑوں کی طرف چل دیئے، اس عورت کا بیٹا حضرت یونس فوت ہو گیا وہ عورت حضرت الیاس کے پیچھے نکل کھڑی ہوئی وہ ان کے پیچھے پہاڑوں میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ انہیں تلاش کر لیا اس عورت نے سوال کیا کہ وہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے بیٹے کو زندہ کر دے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بچے کی وفات کے چودہ ماہ بعد آئے وضو کیا، نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی کو حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا سے زندہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینوی کی جانب بھیجا جو موصل کے علاقہ میں بستی تھی وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر وہ توبہ تائب ہوئے جیسا کہ اس کی وضاحت سورۂ یونس میں اور سورۂ انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام کے غصہ کی حالت میں وہاں سے نکل جانے کے بارے میں گزر چکی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس سے قبل تھی جب مچھلی نے انہیں نگلا تھا یا اس کے بعد ہوئی تھی۔

طبری نے شہر بن حوشب سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آئے فرمایا: نینویٰ کے پاس جاؤ انہیں خبردار کرو کہ عذاب ان کے پاس آنا چاہتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں سواری تلاش کرلوں حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں جوتے تلاش کرلوں؟ حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام غصہ میں آ گئے کشتی کی طرف چلے اور اس میں سوار ہو گئے جب کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی نہ آگے جاتی تھی اور نہ پیچھے ہوتی تھی کہا: انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا مچھلی دنب ہلاتی ہوئی آئی تو مچلی کو ندا کی گئی: اے مچھلی! ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کے لئے پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے مچھلی نے انہیں وہاں سے لقمہ بنالیا یہاں تک کہ وہ ابلہ سے گزری پھر وہ انہیں لے کر چلی یہاں تک کہ دجلہ کے پاس سے گذری پھر وہ چلی یہاں تک کہ انہیں نینویٰ میں جا پھینکا۔

حرث، حسن سے وہ ابو ہلال سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس وقت شروع ہو گئی تھی جب مچھلی نے انہیں باہر پھینکا تھا۔ ان لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ رسول، اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر نہیں نکلتا جو کچھ ہوا وہ نبوت سے پہلے تھا۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: یہ واقعہ اس کے بعد ہوا کہ آپ نے لوگوں کو دعوت دی جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا تھا آپ نے لوگوں کو ان کی طرف دعوت دی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا انہیں رسالت کی تبلیغ کی تھی لیکن ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب جس سے انہیں وہ ڈرا رہے ہیں ایک مخصوص وقت میں ان پر نازل ہوگا۔ جب لوگ توبہ تائب نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف نہ لوٹے تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے علیحدہ ہو گئے جب قوم پر عذاب سایہ فگن ہو گیا اور ان پر چھا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سے عذاب کو اٹھا لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا اس عذاب کے اٹھ جانے اور ان کی سلامتی کی خبر پہنچی تو اس وجہ سے وہ غضبناک ہو گئے کہا: میں نے ان سے وعدہ کیا تھا تو اس نے مجھے جھٹلا دیا اور زیادتی کی، وہ اپنے رب سے سخت ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور ان کی طرف لوٹنے کو ناپسند کیا جبکہ لوگوں نے ان کے جھوٹے ہونے کا تجربہ کرلیا تھا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے اور وہی صحیح ہے جس طرح اس کا ذکر: وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ میں آئے گا لفظ یونس منصرف نہیں کیونکہ یہ عجمی نام ہے اگر یہ عربی ہوتا تو منصرف ہوتا اگرچہ اس کے آغاز میں یاء ہے کیونکہ افعال میں یفعل کا وزن نہیں جس طرح تو کسی کا نام یعفر رکھے تو تو اسے منصرف پڑھے گا اگر تو کسی کا نام یَعفر پڑھے تو تو اسے منصرف نہیں پڑھے گا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مبرد نے کہا: ابق کا اصل معنی دور ہونا ہے اسی سے غلام آبق ہے دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: حضرت یونس علیہ السلام بھاگ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر لوگوں سے چھپتے ہوئے نکل گئے تھے۔

مشحون کا معنی ہے بھری ہوئی فلک مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوسکتا ہے یہ واحد و جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ترمذی حکیم نے کہا: حضرت یونس علیہ السلام کا نام آبق رکھا کیونکہ وہ عبودیت سے بھاگے تھے کیونکہ عبودیت کا مفہوم ہے خواہش نفس کو چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کے امور کے موقع پر اپنی جان قربان کر دینا۔ جب فرشتے کی جانب سے سختی ہوئی تو انہوں نے اپنے نفس کی قربانی نہ دی جس کی وضاحت سورۃ الانبیاء میں پہلے گزر چکی ہے اور اپنی خواہش نفس کو ترجیح دی تو ان پر آبق کا نام لازم آ گیا۔ فرشتہ کی جانب سے سختی اللہ تعالیٰ کے امر میں تھی اپنے ذاتی امر میں نہ تھی اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق تھی اپنے حق کے متعلق نہ تھی حضرت یونس علیہ السلام نے سختی کی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو درست بات تھی اس کو نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آبق اور ملیم کا نام دیا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** مبرد نے فساھم کا معنی کیا ہے اس نے قرعہ اندازی کی اس کی اصل وہ تیر ہیں جو گھمائے جاتے ہیں تو وہ مغلوبین میں سے ہوگیا (1)، فراء نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے دحضت حجتہ و ادحضھا اللہ۔ اسکا اصل معنی پھسلنا ہے؛ شاعر نے کہا:

قَتَلْنا المُدْحَضِينَ بكُلِّ فَجّ    فقد قرّتْ بقتلِهِمُ العيونُ (2)

ہم نے ہر ایک راستہ پر مغلوبین کو قتل کیا ان کے قتل سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** مچھلی نے اسے نگل لیا جبکہ اس نے ایسا کام کیا جس پر ملامت کی جاتی ہے: ملوم اسے کہتے ہیں جس کی ملامت کی جائے وہ اس کا مستحق ہو یا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملیم کا معنی جس میں عیب ہو جب کوئی آدمی عمل کرے اور اس عمل کی وجہ سے عیب دار ہو جائے تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے: لام الرجل۔

**فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ** کسائی نے کہا: یہاں ان کے ہمزہ کو لام کے داخل ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں دیا کیونکہ یہ اس کے لئے نہیں۔ نحاس نے کہا: بات اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہی لام یہ تو لولا کے جواب میں ہے مسبحین کا معنی ہے نماز پڑھنے والے۔

اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتا تو بطور سزا قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتا یعنی مچھلی کا پیٹ قیامت تک اس کی قبر ہوتا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے؟ سدی، کلبی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: چالیس دن۔ ضحاک نے کہا: بیس دن۔ عطاء نے کہا: سات دن (3)۔ مقاتل بن حبان نے کہا: تین دن (4)۔ ایک قول کیا گیا: ایک ساعت۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** طبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس کو محبوس کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو وحی کی کہ اسے پکڑ لے اس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 67    2۔ ایضاً    3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 68    4۔ ایضاً

کے گوشت کو خراش نہ لگانا اور اس کی ہڈی کو نہ توڑنا۔ مچھلی نے اسے پکڑ لیا پھر سمندر میں اپنے مسکن میں جا بیٹھی جب وہ سمندر کے انتہائی گہرے حصہ میں پہنچی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کچھ آواز محسوس کی تو اپنے دل میں خیال کیا یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ تو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی فرشتوں نے اس کی تسبیح سنی انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزور سے تسبیح سن رہے ہیں فرمایا: وہ میرا بندہ یونس ہے، اس نے میری نافرمانی کی تو میں نے اسے سمندر میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: تیرا وہ نیک بندہ جس کے ہر روز تیری بارگاہ میں نیک اعمال بلند ہوتے تھے؟ فرمایا: ہاں، فرشتوں نے اس کے حق میں سفارش کی، مچھلی کو حکم دے دیا گیا کہ اسے ساحل پر اس بچے کی طرح پھینک دے جس کا نفس ہو جس کا گوشت اور ہڈیاں ایک ہو چکی ہوں۔

ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اس نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا ہوا تھا جس میں حضرت یونس علیہ السلام سانس لے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کر رہے تھے وہ مچھلی ان سے جدا نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ خشکی تک جا پہنچے مچھلی نے آپ کو صحیح وسالم باہر پھینک دیا ان کی کسی چیز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی تو سب لوگ مسلمان ہو گئے؛ زمخشری نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مجھے کئی ساتھیوں نے امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف جوینی سے یہ واقعہ سنایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس سمت میں ہے؟ فرمایا: نہیں وہ اس سے بالا ہے۔ پوچھا گیا: اس پر دلیل کیا ہے؟ فرمایا: اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تفضلونی علی یونس بن متی تم مجھے حضرت یونس متی پر فضیلت نہ دو۔ ان سے پوچھا گیا: اس حدیث میں دلیل کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: میں وہ نہیں بتاؤں گا یہاں تک کہ میرا یہ مہمان ہزار دینار لے لے جس کے ساتھ اپنا قرضہ ادا کرلے۔ دو آدمی اٹھے انہوں نے کہا: یہ ہم پر لازم ہے، آپ نے فرمایا: وہ دو کا پیچھا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پر شاق گذرے گا ان میں سے ایک نے کہا: یہ میرے ذمہ ہے۔

آپ نے فرمایا: حضرت یونس بن متی نے اپنے آپ کو سمندر میں پھینکا مچھلی نے انہیں لقمہ بنالیا وہ سمندر کی گہرائی میں تین تاریکیوں میں جا پہنچے اور یوں ندا کی: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء) جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سبز رفرف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے بلندیوں پر چڑھے یہاں تک کہ ایسی جگہ پہنچے جہاں سے کلموں کے چلنے کی آواز سن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے مناجات کی جو مناجات کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی جو وحی کی اس وقت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حضرت یونس علیہ السلام سے زیادہ قریب نہ تھے جبکہ وہ سمندر کی تاریکی میں مچھلی کے پیٹ میں تھے۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس کے سواروں کو سخت ہوا نے آلیا انہوں نے کہا: یہ تم میں سے کسی کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا جبکہ وہ جان چکے

تھے کہ غلطی انہی کی ہے: یہ میری غلطی ہے مجھے سمندر میں پھینک دو، انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ قرعہ اندازی کر لیں انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ ان کے نام نکلا۔ حضرت یونس نے کہا: میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ یہ مصیبت میرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ دوبارہ قرعہ ڈالیں تو قرعہ انہیں کے نام نکلا انہوں نے پھر بھی انہیں سمندر میں پھینکنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ تیسری بار قرعہ ڈالیں تو پھر بھی قرعہ انہیں کے نام نکلا جب حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا یہ رات کا وقت تھا تو ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو نقاب اوڑھ لیا اور سو گئے کشتی والے چلے ابھی تھوڑی دور بھی نہ گئے تھے کہ ہوا نے انہیں آلیا قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی کشتی والے اکٹھے ہو گئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی انہوں نے کہا: اس سوئے آدمی کو جگا یئے وہ بھی ہمارے ساتھ دعا مانگے حضرت یونس نے ان کے ساتھ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو دور کر دیا حضرت یونس علیہ السلام پھر اپنی جگہ کی طرف چلے گئے اور سو گئے پھر ہوا آ گئی قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو بیدار کیا اور سب نے دعا کی تو ہوا ختم ہو گئی کہا: وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک مچھلی جس کا سر بہت بڑا تھا بلند ہوئی اس نے ارادہ کیا کہ کشتی کو ہی نگل جائے تو حضرت یونس علیہ السلام نے لوگوں کو کہا: اے میری قوم! یہ میری وجہ سے ہے اگر تم مجھے سمندر میں پھینک دو تو تم چلتے رہو گے اور تم سے ہوا اور خوف دور ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: ہم تمہیں سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی کر لیں۔ جس کے نام قرعہ نکلے گا ہم اسے سمندر میں پھینک دیں گے لوگوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت آئی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم ایک دفعہ پھر قرعہ ڈال لیں انہوں نے ایسا ہی کیا تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام ہی نکلا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت پہنچی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ کا یہی معنی ہے یعنی قرعہ ان کے نام پڑا وہ اسے لے کر کشتی کے سامنے والے حصہ کی طرف گئے تا کہ اسے پھینک دیں کہ اچانک ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی پھر وہ اسے کشتی کی ایک طرف لے گئے تو وہاں ایک مچھلی تھی پھر اسے لے کر دوسری جانب گئے تو وہاں بھی ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی جب یہ دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا تو مچھلی نے انہیں نگل لیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی: میں نے اسے تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کا برتن بنا دیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے تو انہوں نے تاریکیوں میں یہ دعا کی: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے(1)، پھر بھی آئے گی۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتوں میں قرعہ کا عام معمول تھا ہماری شریعت میں بھی یہ معمول ہے جس طرح سورۂ آل عمران میں آیا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 67

ابن عربی نے کہا: شرع میں تین مقامات پر قرعہ کا ذکر آیا ہے(1): (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک آدمی نے چھ غلام آزاد کر دیئے ان کے علاوہ اس کا کوئی مال نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تو دو کو آزاد کر دیا اور چار کو باقی رہنے دیا۔

(3) دو آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں میراث کا جھگڑا کیا جس کے آثار مٹ چکے تھے فرمایا: ''دونوں جاؤ حق کو تلاش کرو قرعہ ڈالو اور تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے لئے اس کو حلال کر دے''۔ یہ تین مواقع ہیں وہ نکاح میں باری، آزادی اور تقسیم ان میں قرعہ کا اجراء، اشکال کو دور کرنے اور خواہش کی مرض کو ختم کرنے کے لئے ہے۔

جنگ کے موقع پر بیویوں میں قرعہ اندازی نکالنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے(2) اس بارے میں دو قول ہیں: (1) صحیح یہ ہے کہ قرعہ اندازی کی جائے؛ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام کو سفر پر لے جانا ممکن نہیں ان میں سے ایک کا انتخاب ترجیح بنتی ہے اس لیے قرعہ کی صورت ہی رہ جاتی ہے، چھ غلاموں میں بھی یہی صورتحال تھی کیونکہ ان میں سے دو، ایک تہائی بنتا ہے یہ وہ مقدار ہے جس کی مرض موت میں آزادی جائز ہے محض خواہش نفس اور من پسندی شرعاً جائز نہیں تو قرعہ کے بغیر کوئی صورت باقی نہ رہی اسی طرح وہ جھگڑا جو وراثت کے مال کی ذاتوں میں ہوا تھا تو قرعہ کے بغیر حق کو کوئی امتیاز عطا نہیں کرتا تھا پس جب مشکل پڑ جائے تو قرعہ ہی مستحق کی تعیین میں اصل بن گیا۔

کہا: میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ہر مشکل میں یہ جاری ہوگا پس یہی اس کو زیادہ واضح کرنے والا، حکم میں قوی، اشکال کی صورت کو دور کرنے میں نمایاں ہوگا اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں: بیویوں میں طلاق میں قرعہ، لونڈی میں آزادی میں قرعہ کی طرح ہے۔

**مسئلہ نمبر 7**۔ سمندر میں کسی آدمی کو پھینکنے کے لئے قرعہ اندازی کرنا جائز نہیں یہ حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے زمانہ میں دلیل کے ثبوت اور ایمان کی زیادتی کی وجہ سے تھا جو آدمی گناہگار ہوا سے قتل کرنا اور اسے آگ یا سمندر میں پھینک دینا جائز نہیں بلکہ اس کے جرم کے مطابق حد یا تعزیر جاری ہوگی۔ بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ سمندر جب قوم کو خوفزدہ کر دے وہ کشتی کو ہلکا کرنے پر مجبور ہو جائیں تو قرعہ ڈالا جائے گا اور کچھ کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ قول فاسد ہے کیونکہ بعض افراد کو سمندر میں پھینک دینے سے بوجھ ہلکا نہیں ہوگا بلکہ یہ طریقہ اموال کو پھینکنے میں اپنایا جائے گا۔

**مسئلہ نمبر 8**۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والوں میں سے تھے اور ان کی تسبیح ہی ان کی نجات کا باعث بنی تھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عمل صالح عمل کرنے والے کو اوپر اٹھاتا ہے جب وہ لڑکھڑا کر گر پڑے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ کا معنی ہے نمازیوں میں سے۔ قتادہ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی نماز اس لیے پڑھا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1622 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1623

ربیع بن انس نے کہا: اگر انہوں نے اس سے قبل عمل صالح نہ کیا ہوتا تو وہ مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے کہا: حکمت میں لکھا ہوا ہے جب کوئی بندہ پھسلتا ہے تو عمل صالح اسے اٹھا دیتا ہے۔

مقاتل نے کہا: مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ سے مراد ہے وہ معصیت سے پہلے نمازیوں اور اطاعت شعاروں میں سے تھے۔ وہب نے کہا: معنی ہے وہ عبادت گذاروں میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مچھلی کے پیٹ میں ان کی کوئی نماز نہ تھی بلکہ انہوں نے آسودگی کے دور میں اچھا عمل کیا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حالت آزمائش میں اس کا ذکر کیا، بے شک عمل صالح عامل کو اٹھاتا ہے جب وہ لغزش کھاتا ہے تو یہ عمل اسکا سہارا بن جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من استطاع منکم أن تکون له خبیئة من عمل صالح فلیفعل (1) جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ اس کے لیے عمل صالح میں سے کوئی پوشیدہ عمل ہو تو وہ ایسا کرے یعنی بندے کو یہ کوشش کرنی چاہیے اور عمل صالح میں سے کسی عمل پر حریص ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان خالص ہو اپنی ضرورت کے دن کے لئے وہ اسے ذخیرہ کرے اپنی کدوکاوش کے ساتھ اسے چھپائے مخلوق سے اسے چھپائے اس کا نفع اسے پہنچے گا جبکہ وہ اس کا زیادہ ضرورت مند ہوگا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسی اثنا میں کہ تین آدمی چل رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ تم سے قبل کے زمانہ میں انہیں بارش نے آلیا انہوں نے ایک پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لینی چاہی غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان گر پڑی جس نے ان پر غار کا منہ بند کر دیا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا: ان اعمال پر غور وفکر کرو جو تم نے اچھے اعمال کئے ہیں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس معصیت کو دور کر دے'' (2)۔ یہ حدیث مشہور ہے اس کی شہرت نے تمام حدیث کو بیان کرنے سے ہمیں غنی کر دیا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانبیاء) مچھلی نے انہیں پھینک دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ سے مراد مچھلی کے پیٹ میں سے نماز پڑھنے والے تھے۔

میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ زبان سے تسبیح تھی جو دل کے موافق تھی اسی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کا ذکر طبری نے کیا۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی تو فرشتوں نے اس کی تسبیح کو سنا فرشتوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزوری تسبیح کی آواز سنتے ہیں۔ اس قول کی بنا پر کان زائدہ ہے کلام اس طرح ہوگی فلولا انه من المسبحین۔

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعاء

---

1۔ العلل، دارقطنی، جلد 4، صفحہ 254

2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب باب اجابة دعاء من بر بوالدیه،

ذی النون فی بطن الحوت لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

جب مسلمان نے کسی بھی مصیبت پر یہ دعا کی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ یہ بحث سورۂ انبیاء میں گذر چکی ہے حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی نمازی اور تسبیح کرنے والے تھے مچھلی کے پیٹ میں بھی معاملہ اسی طرح ہے حدیث میں ہے: ''مچھلی کو ندا کی گئی: ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کی جائے پناہ اور مسجد بنائی ہے''۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِیْمٌ ۚ﴿۱۴۵﴾ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ۚ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۚ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ؕ﴿۱۴۸﴾

''پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اور ان کی حفاظت کے لئے ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک''۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مچھلی نے انہیں موصل کی ایک دیہات کے ایک ساحل پر پھینک دیا۔ ابن قسیط نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''حضرت یونس علیہ السلام کو خالی جگہ پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کدو کی بیل اگا دی ہم نے پوچھا: اے ابوہریرہ یقطینہ کیا ہے؟ کہا: کدو کا درخت، اللہ تعالیٰ نے ایک جنگلی بکری ان کے لیے تیار کردی جو زمین کا گھاس پھوس کھاتی وہ ان پر اپنی ٹانگیں پھیلا دیتی اور ہر صبح اور شام انہیں دودھ پلایا کرتی یہاں تک کہ وہ پروان چڑھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مچھلی انہیں لے کر نکلی یہاں تک کہ انہیں سمندر کے ساحل پر پھینکا اللہ تعالیٰ نے اس پر کدو کی بیل اگا دی۔ اس کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے شجرة القرع کے الفاظ ہیں جو اس پر دودھ ٹپکاتا یہاں تک کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوت لوٹ آئی پھر ایک روز وہ بیل کی طرف لوٹے تو اسے خشک پایا وہ غمگین ہو گئے اور اس پر روئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو عتاب کیا گیا ان سے کہا گیا: تم ایک بیل پر غمگین ہوئے اور اس پر روئے اور بنی اسرائیل کے لاکھ سے زیادہ افراد کی ہلاکت پر غمگین نہ ہوئے جو میرے خلیل حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو دشمنوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور تو نے سب کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول کیا گیا ہے کہ وہ کیلے کا درخت تھا جو اپنے پتوں سے اسے ڈھانپتا، آپ اس کی شاخوں سے سایہ حاصل کرتے اور اس کے پھل سے افطار کرتے، اکثر علماء کی رائے ہے وہ کدو کی بیل تھی جس طرح اس کا ذکر آئے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے چن لیا اور صالحین میں سے بنا دیا پھر اسے حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کا قصد کیا یہاں تک کہ ایک چرواہے سے ملے حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اور ان کے حال کے بارے میں پوچھا، اس چرواہے نے

انہیں بتایا کہ وہ بہت بہتر حالت میں ہیں اور وہ اس امید میں ہیں کہ ان کا رسول ان کی طرف لوٹ آئیگا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس چرواہے سے فرمایا انہیں بتا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا: میں گواہی کے بغیر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے ریوڑ میں سے ایک بکری کو منتخب کیا فرمایا: یہ تیرے حق میں گواہی دے گی تو واقعی حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا اور کیا؟ کہا: زمین کا قطعہ تمہارے حق میں گواہی دے گا کہ تو نے حضرت یونس علیہ السلام سے ملاقات کی اس نے کہا اور کیا؟ فرمایا: یہ درخت تیرے حق میں گواہی دے گا کہ تو حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا۔ وہ چرواہا اپنی قوم کی طرف آیا اور انہیں بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے تو قوم کے افراد نے اسے جھٹلایا اور اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اس نے کہا: مجھ پر جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں صبح کروں جب اس نے صبح کی تو وہ انہیں اس قطعہ زمین پر لے آیا جہاں اسے حضرت یونس علیہ السلام ملے تھے اس نے قطعہ زمین سے بولنے کا مطالبہ کیا تو اس قطعہ زمین نے خبر دی کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے اس نے بکری اور درخت سے بولنے کا مطالبہ کیا تو دونوں نے اسے بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے پھر اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آ گئے، یہ اور اس سے ماقبل خبر طبری نے بیان کی ہے فَنَبَذْنٰهُ ہم نے اسے پھینک دیا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے صحراء میں چھوڑ دیا؛ یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ اخفش نے کہا: کھلی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: کھلی زمین۔ فراء نے کہا: خالی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: عراء سے مراد روئے زمین ہے۔ خزاعہ کے ایک آدمی نے یہ شعر پڑھا:

ورفعتُ رِجْلًا لا أخافُ عثارها ونَبَذْتُ بالبلَدِ العراءِ ثِيابِي(1)

میں نے قدم اٹھایا جس کی لغزش کا مجھے خوف نہیں اور میں نے سطح زمین پر اپنے کپڑے پھینک دیے۔

اخفش نے وَهُوَ سَقِيْمٌ کے بارے میں حکایت بیان کی ہے سقیم کی جمع سقمی، سقامی اور سقام ہے اس سورت میں فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ کہا اور سورۃ القلم میں لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ آیت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی کہ انہیں کھلی جگہ پھینکا گیا جبکہ وہ مذموم نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ مذموم ہوتے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ اس میں علیہ، عندہ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ (الشعراء: 14) اس میں بھی علی عندی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ، لہ کے معنی میں ہے يَقْطِيْنٍ سے مراد کدو کی بیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن اعرابی نے اس کا ذکر کیا ہے حدیث میں یہ بھی ہے ''کدو اور تربوز جنت کے پھل ہیں'' ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

مبرد نے کہا: ہر وہ پودا جس کا تنا نہ ہو جن کے پتے زمین پر بچھ جائیں اسے یقطینہ کہتے ہیں جس طرح کدو، تربوز، خربوزہ اور تنبہ۔ اگر اس کا تنا ہو جو اسے اٹھائے ہوئے ہو تو اسے شجرہ کہتے ہیں، اگر بچھی ہوئی جڑوں پر کھڑا ہو تو اسے نجمہ کہتے ہیں جس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 68

کی جمع نجم آتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ (رحمٰن) اس کی مثل حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور مقاتل سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہر جڑی بوٹی جو لمبی ہو جائے اور زمین پر بچھ جائے صحیح و سالم باقی نہ رہے اور اس کا تنا نہ ہو جس طرح ککڑی، خربوزہ، تربوز، کدو اور تمبہ تو وہ یقطین ہوگی۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہر وہ شے جو اگے پھر اسی سال مر جائے اس تعریف کی بنا پر کیلا بھی اس میں داخل ہے۔

میں کہتا ہوں: يَّقْطِيْنٍ اسے کہتے ہیں جس کا تنا ہو۔ جوہری نے کہا: یقطین اسے کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو جس طرح کدو کی بیل۔ زجاج نے کہا: یقطین، قطن سے مشتق ہے یہ قطن بالمکان سے مشتق ہے جب وہ اسی جگہ مقیم ہو یہ یفعیل کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عجمی نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یقطین کا خصوصاً ذکر ہوا ہے کیونکہ اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی یقطین نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اسے اگا دیا آیت میں ایسی چیز کا ذکر ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ چیز بچھی ہوتی تھی تا کہ اس کا سایہ ہو۔

ثعلبی نے کہا: وہ اسے سایہ عطا کرتی تھی حضرت یونس علیہ السلام نے اس کی سرسبزی کو دیکھا تو اس کی سرسبزی نے اسے خوش کر دیا تو وہ خشک ہوگئی تو آپ اس پر غمگین ہونے لگے اسے کہا گیا: اے یونس! نہ تو تو نے اسے پیدا کیا، نہ تو نے اسے پانی دیا اور نہ ہی تو نے اسے اگایا تو ایک چھوٹے سے درخت پر غمگین ہوتا ہے جبکہ میں نے ایک لاکھ سے زائد افراد پیدا کئے تو مجھ سے یہ ارادہ کرتا تھا کہ میں انہیں لحہ بھر میں جڑ سے اکھیڑ دوں انہوں نے توبہ کی اور میں نے ان کی توبہ قبول کر لی تو میری رحمت کہاں گئی اے یونس! جبکہ میں تو ارحم الرحمین ہوں ☆۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوشت اور کدو کے ساتھ بنایا گیا ثرید کھاتے تھے آپ کدو کو پسند کرتے آپ فرماتے: یہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شوربہ پیش کیا گیا جس میں کدو اور گوشت کے ٹکڑے تھے آپ پیالے کے اطراف میں کدو کو تلاش کرتے تھے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس دن سے کدو کو پسند کرتا ہوں۔ اس روایت کو ائمہ نے روایت کیا ہے۔

یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس کے بعد شروع ہوئی جب مچھلی نے انہیں پھینک دیا تھا اس کی سند حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: اسناد کے اعتبار سے سب سے عمدہ اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جو علی بن حسین سے مروی ہے کہ حسن بن محمد، عمرو بن عنقزی سے وہ اسرائیل سے وہ اسحاق سے وہ عمرو بن میمون سے وہ عبداللہ بن مسعود سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ عذاب تین دن میں آ جائے گا لوگوں نے ہر والدہ اور اس کے بچے کو الگ کر دیا وہ بستی سے باہر نکلے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور اس سے مغفرت کے طالب ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک دیا حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ وہاں کا قانون تھا جو آدمی جھوٹ بولے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو

1۔ موطا امام مالک، کتاب النکاح، ما جاء فی الولیمہ، صفحہ 509

☆ عرائس المجالس صفحہ 414-413

اسے قتل کر دیا جاتا ہے☆ تو میرے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت اور یہ قطعہ زمین۔ اس نے عرض کی: ان دونوں کو حکم دیں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے دونوں سے کہا: جب تم دونوں کے پاس یہ لڑکا آئے تو اس کے حق میں گواہی دینا۔ دونوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ وہ لڑکا آپ کی قوم کے پاس آیا اس کے پاس قوت تھی اور اس کے بھائی تھے وہ بادشاہ کے پاس آیا اس نے کہا: میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں وہ تجھے سلام کہتے تھے، بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لوگوں نے کہا: اس کے پاس گواہ ہیں لوگوں کو اس کے ساتھ بھیج دو وہ درخت اور اس قطعہ زمین کے پاس آیا اور دونوں نے کہا: میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے حق میں گواہی دو کہ واقعی میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں؟ دونوں نے کہا: ہاں لوگ گھبرائے ہوئے واپس آئے کہہ رہے تھے: درخت اور زمین نے اس کے حق میں گواہی دی ہے۔ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں خبر دی۔

حضرت عبداللہ نے کہا: بادشاہ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ بٹھایا اور کہا: تو میری بنسبت اس جگہ پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: اس لڑکے نے چالیس سال تک ان کے امور مملکت چلائے۔

ابوجعفر نحاس نے کہا: اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے مبعوث کیا گیا تھا، یہ امر قیاس سے نہیں لیا جا سکتا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان لے آئی تھی اور شرمندگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ اس میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ عذاب تین دن تک ان پر آ جائے گا تو انہوں نے ہر والدہ اور بچے کو الگ الگ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی۔ اس باب میں یہ صحیح ہے ان کے بارے میں حق دوسروں کے حکم جیسا نہیں تھا ارشاد باری

---

☆ حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر نکل پڑے آپ ایک کشتی میں لوگوں کے پاس آئے لوگوں نے آپ کو کشتی پر سوار کر لیا اور آپ کو پہچان لیا جب کشتی میں داخل ہوئے تو کشتی رک گئی کشتی دائیں بائیں ڈولتی۔ لوگوں نے کہا: تمہاری کشتی کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اس میں ایک غلام اپنے رب سے بھاگا ہوا ہے یہ کشتی نہیں چلے گی یہاں تک کہ تم اس کو پھینک دو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے نبی ہم آپ کو نہیں پھینکیں گے آپ نے فرمایا: تم قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے تو وہ اس میں چھلانگ لگا دے لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ لوگوں نے آپ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: تین دفعہ قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے وہ اس میں چھلانگ لگا دے۔ لوگوں نے قرعہ ڈالا تو تینوں دفعہ قرعہ آپ کے نام نکلا۔ آپ نے چھلانگ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک مچھلی کے سپرد کر دیا اور مچھلی آپ کو نگل گئی اور زمین کی تہہ تک آپ کو لے گئی حضرت یونس علیہ السلام نے سنگریزوں کی تسبیح کو سنا، فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ (الانبیا: 87) کہا: رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ فرمایا: فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ۝، کہا: آپ اس پرندے کے بچے کی طرح تھے جس کے پر نوچ لیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کدو کی ایک بیل کو اگایا تو وہ اگ آئی۔ حضرت یونس اس سے سایہ حاصل کرتے، وہ بیل خشک ہو گئی تو آپ اس پر روئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کیا تو ایک درخت کے خشک ہونے پر روتا ہے اور ایک لاکھ سے زائد افراد پر نہیں روتا جن کو تو نے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نکلے تو وہ ایک چرواہے بچے کے پاس پہنچے۔ پوچھا: اے بچے تو کون ہے؟ اس نے عرض کی یونس علیہ السلام کی قوم سے۔ فرمایا جب تو قوم کے پاس جائے تو انہیں بتانا کہ تو یونس علیہ السلام سے ملا ہے۔ بچے نے کہا: اگر آپ یونس ہیں تو آپ کو علم ہے کہ جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

تعالیٰ ہے: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا (الغافر) وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ (النساء: 18)

بعض علماء نے کہا: انہوں نے عذاب کے آثار دیکھے تو توبہ کرلی یہ کوئی ممنوع نہیں اس بارے میں علماء کی آراء سورۂ یونس میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لو۔

أَوْ يَزِيدُونَ سورۂ بقرۃ میں أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً میں او کے بارے میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: او، بل کے معنی میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ او واؤ کے معنی میں ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

فلما اشتد أمرُ الحربِ فينا تأمّلنا رِياحا او رِزاما(1)

اس شعر میں او واؤ کے معنی میں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی اس زبان کی طرح ہے: وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ (النحل: 77)

جعفر بن محمد نے إِلٰى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۞ ہمزہ کے بغیر صرف واؤ پڑھی ہے يَزِيدُونَ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں کلام یوں تھی ھم یزیدون۔ نحاس نے کہا: بصریوں کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح نہیں انہوں نے او کو بل اور واؤ کے معنی میں لینے سے انکار کیا ہے بلکہ بل پہلے کلام سے اضراب اور مابعد کو ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے یا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف نکلنے کے لئے ہوتا ہے یہ بھی اس کا موقع محل نہیں واؤ کا معنی او کے خلاف ہے اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے معنی میں ہو تو معانی باطل ہو جائیں گے اگر ایسا جائز ہوتا تو وارسلناہ الی اکثر مائتی الف زیادہ مختصر ہوتا۔

مبرد نے کہا: معنی ہے ہم نے اسے ایسی جماعت کی طرف بھیجا اگر تم انہیں دیکھتے تو تم کہتے یہ ایک لاکھ یا اس سے زائد ہیں کیونکہ لوگوں کو خطاب اس انداز سے کیا جاتا ہے جس سے وہ واقف ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: جاءنی زید او عمرو جبکہ تو جانتا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون تیرے پاس آیا ہے مگر تو نے مخاطب پر اس معاملہ کو مبہم کر دیا ہے۔

اخفش اور زجاج نے کہا: معنی ہے یا تمہارے اندازے کے مطابق اس سے زائد ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ حضرت ابی بن کعب نے اسے مرفوع نقل کیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے وہ تیس ہزار تھے۔ حضرت حسن بصری اور ربیع نے کہا: وہ تیس ہزار سے کچھ زائد تھے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ستر ہزار تھے۔ إِلٰى حِينٍ سے مراد ان کی عمروں کی انتہا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ۞ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُونَ ۞ أَلَآ إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ۞ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ۞

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 70 2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الصافات، حدیث 3153، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اَصۡطَفَی الۡبَنَاتِ عَلَی الۡبَنِیۡنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمۡ لَکُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاۡتُوۡا بِکِتٰبِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۵۷﴾

''ذرا پوچھیے ان نادانوں سے: کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے آیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ الله نے بچے جنے اور وہ بلاشبہ جھوٹ بکتے ہیں، کیا اس نے پسند کی ہیں اپنے لئے بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو''۔

جب الله تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے سابقہ قوموں کی خبروں کو ذکر کیا تو اب کفار کے قول کے خلاف استدلال کیا ہے وہ یہ کہتے: فرشتے الله تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں فَاسۡتَفۡتِہِمۡ سورت کے آغاز میں جو اس قسم کا کلام ہے اس پر معطوف ہے اگرچہ دونوں میں طویل مسافت ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے پوچھو! کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہینہ، خزاعہ، بنو ملیح، بنو سلمہ اور بنو عبدالدار نے یہ گمان کیا تھا کہ فرشتے الله تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، یہ سوال زجر و توبیخ کے لئے ہے۔

شٰہِدُوۡنَ کا معنی ہے جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا اس وقت وہ حاضر تھے یہ اسی طرح ہے جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَہِدُوۡا خَلۡقَہُمۡ (الزخرف: 19)

اِفۡکِہِمۡ کا معنی ہے وہ بڑا برا جھوٹ تھا وہ اس بات میں جھوٹے ہیں کہ الله تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے حالانکہ الله تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے الاَ کے بعد ان کا ہمزہ مکسور ہوتا ہے کیونکہ اس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ سیبویہ نے یہ کہا ہے کہ اَمَا کے بعد اس کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے یا مکسور ہوتا ہے جب ہمزہ مفتوح ہو تو اما، حقا کے معنی میں ہوگا جب ہمزہ مکسور ہو تو اما، الا کے معنی میں ہوگا۔

نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے الاَ کے بعد ان کے ہمزہ کو فتحہ دینا جائز ہے اس صورت میں الا، اما کے مشابہ ہوگا جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں ہمزہ کے نیچے کسرہ دینا جائز ہے کیونکہ اس کے بعد اسم مرفوع ہے الکاذبون پر کلام مکمل ہو جاتی ہے پھر اصطفی سے نئی کلام شروع ہو جاتی ہے مقصود تقریع و توبیخ ہے۔ (شرمندہ کرنا ہے)

گویا فرمایا: تم پر افسوس اس نے بیٹیاں منتخب کیں اور بیٹوں کو ترک کر دیا عام قراء کی قراءت اصطفی ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے کیونکہ یہ ہمزہ استفہام ہے جو ہمزہ وصلی پر داخل ہے، ہمزہ وصلی حذف ہو گیا اور ہمزہ استفہام مفتوح باقی رہا جس طرح اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ (مریم: 78) ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع اور حمزہ نے ہمزہ وصلی کے ساتھ اسے پڑھا ہے یہ جملہ خبریہ ہے یہاں استفہام نہیں کیونکہ اس کا مابعد مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ ہے کلام توبیخ کے طریقہ پر دو جہتوں سے جاری ہے ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے جو جھوٹ بولا ہے یہ اس کا بیان و تفسیر ہو اور مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾

ماقبل سے منقطع ہو دوسری یہ ہے کہ نحویوں نے حکایت بیان کی ہے ان میں فراء بھی ہے کہ توبیخ استفہام اور بغیر استفہام کے ہوا کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (الاحقاف: 20) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام مضمر ہے تقدیر کلام یوں ہے ویقولون اصطفى البنات یا یہ ولد اللہ سے بدل ہے کیونکہ بچیوں کو جننا اور انہیں بیٹیاں بنانا ان کو منتخب کرنا ہی ہے فعل ماضی کو فعل ماضی سے بدل بنایا گیا ہے اس وجہ سے لکاذبون پر وقف نہیں کیا جائے گا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ یہ جائز نہیں کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل اور برہان موجود ہے اگر تم سچے ہو تو دلائل لے آؤ۔

وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

''اور ٹھہرا دیا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ، حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں پکڑ کر پیش کیا جائے گا، پاک ہے اللہ تعالیٰ لغویات سے جو یہ بیان کرتے ہیں مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی ہرزہ سرائی نہیں کرتے)''۔

اکثر اہل تفسیر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں الجنہ سے مراد فرشتے ہیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قریش کے کفار نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ان کی مائیں کونسی ہیں؟ تو قریش نے جواب دیا: ان کی باپردہ۔ اہل اشتقاق نے کہا: انہیں جن اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ مجاہد نے کہا: فرشتوں کے خاندانوں میں سے ایک خاندان ہے جنہیں الجنہ کہتے ہیں (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اسرائیل، سدی سے وہ ابو مالک سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: انہیں جنہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ جنتوں کے خازن ہیں تمام فرشتے جنہ ہیں نسبا سے مراد رشتہ مصاہرت ہے۔

قتادہ، کلبی اور مقاتل نے کہا: یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے ساتھ مصاہرت کا رشتہ قائم کیا ہے فرشتے انہیں میں سے ہیں (2)؛ مجاہد، سدی اور مقاتل نے بھی یہ کہا ہے یہ بات کرنے والے کنانہ اور خزاعہ تھے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنوں کی سردار عورتوں کو دعوت نکاح دی تو جنوں نے اللہ تعالیٰ کی شادی اپنی بامروت بیٹیوں سے کر دی فرشتے جنوں کی بامروت عورتوں سے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شیطان کو شریک کیا تو وہ نسب ہے جو انہوں نے قائم کیا (3)۔

میں کہتا ہوں: حضرت حسن بصری کا قول اس بارے میں بہت ہی اچھا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ (الشعراء) یعنی ہم تمہیں عبادت میں رب العالمین کے ساتھ برابر قرار دیتے ہیں حضرت عباس، ضحاک اور حضرت حسن نے کہا: اس سے مراد ان کا یہ قول ہے اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹے قول سے بہت ہی بالا ہے (4)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 71　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 70　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

ملائکہ کو علم ہے کہ ایسا قول کرنے والے جہنم میں موجود ہونگے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ حساب کے لئے حاضر ہوں گے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت میں احضار کا لفظ مکرر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کے علاوہ کی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔

جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں وہ جہنم سے نجات پائیں گے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾

"پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو تم سب مل کر اللہ کے خلاف کسی کو نہیں بہکا سکتے مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَمَا تَعْبُدُوْنَ میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر یہ ہے یعنی تم اور تمہاری ان بتوں کی عبادت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے ان معبودوں کے ساتھ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو یہ کہا جاتا ہے: جاء فلاں وفلان، جاء فلان مع فلان دونوں کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔

عَلَيْهِ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بِفٰتِنِيْنَ یعنی گمراہ کرنے والے۔ نحاس نے کہا: جتنا مجھے علم ہے اہل تفسیر کا اس پر اتفاق ہے تم کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مقدر کر دے کہ وہ اسے گمراہ کریں۔ شاعر نے کہا:

فردّ بنعمته كيدَهٗ عليهِ وكان لنا فاتِنا(1)

اس نے اپنی نعمت سے اس کا مکر اسی پر لوٹا دیا جبکہ وہ ہمیں گمراہ کرنے والا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت میں قدریہ کا رد ہے۔ عمرو بن ذر نے کہا: ہم حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس حاضر ہوئے ان کے سامنے تقدیر کا ذکر کیا گیا حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو وہ ابلیس کو پیدا نہ فرماتا جبکہ وہ گناہ کی جڑ ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں علم ہے اسے پہچان لیا جس نے پہچان لیا اور جاہل رہ گیا جو جاہل رہ گیا پھر یہ آیت پڑھی فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ مگر وہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل ہونے کے بارے میں لکھ دیا فرمایا: اس آیت نے لوگوں کے درمیان فرق کر دیا ہے اس میں یہ راز ہے شیاطین کسی کو بھی گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو کہ وہ ہدایت نہ پائیں اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا تو وہ ہدایت پائے گا تو اس بندے اور شیطان کے درمیان حائل ہو جاتا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ (الاسراء: 64) یعنی تو ان تک کوئی چیز نہیں پہنچا سکتا مگر جو میرے علم میں ہے۔

لبید بن ربیعہ نے تقدیر کی حقانیت کے بارے میں کہا اور خوب کہا:

إنّ تقوى ربنا خير نَفَلْ وبإذنِ الله رَيْثي وعَجَلْ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 72

أَحمَدُ اللهَ فلا نِدَّ لهُ　بِيديهِ الخيرُ ماشاء فَعَلْ

مَنْ هَدَاهُ سُبُلَ الخيرِ اهتدى　ناعِمِ البَالِ ومَنْ شاء أَضَلْ

بے شک تقویٰ بہترین احسان ہے اللہ کے اذن سے میری سستی اور تیزی ہے میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اس کا کوئی مدمقابل نہیں اسی کے قبضہ قدرت میں خیر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے وہ بھلائی کے راستہ کی طرف ہدایت دے وہ بڑی آسانی سے ہدایت پا جاتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی مقدر کر دیتا ہے۔

فراء نے کہا: اہل حجاز کہتے ہیں فتنت الرجل میں نے انسان کو گمراہ کر دیا۔ اہل نجد مزید فیہ کا فعل ذکر کرتے ہیں اَفْتَنْتُه میں نے اسے گمراہ کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ پڑھا: اِلَّا مَنْ هُوَ صَالُ الْجَحِيْمِ یعنی لام مضموم ہے۔ نحاس نے کہا: مفسرین کی جماعت کا کہنا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ یہ کہنا جائز نہیں: هذا قاض المدينة۔ اس بارے میں میں نے جو علی بن سلیمان سے سنا ہے وہ سب سے بہترین ہے کہا: ھو معنی پر محمول ہے کیونکہ من کا معنی جماعت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی صالون اضافت کی وجہ سے نون حذف ہے اور واو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں یہ فاعل کے وزن پر تھا مگر اسے صال سے صایل کی طرف قلب کیا گیا یاء کو حذف کر دیا گیا اور لام مضموم ہی رہ گیا جیسے شَفَاجُرُفٍ هَارٍ (التوبہ: 109) کی مثل ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صال کا لام کلمہ تخفیف کے طریقہ پر حذف کر دیا گیا اور اعراب اس کے عین کلمہ پر جاری ہوا جس طرح عربوں کے اس قول سے حذف ہے مابالیت به بالة اصل میں یہ بالیة تھا یہ بالی سے ماخوذ ہے جس طرح عافیة، عافی سے ماخوذ ہے اس کی مثل اس کی قراءت ہے وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ (الرحمٰن) اور وَ لَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ (الرحمٰن: 24) یہاں بھی عین کلمہ پر اعراب جاری کیا گیا ہے جماعت کی قراءت میں صالی یاء کے ساتھ ہے کاتب نے تحریر میں اسے حذف کر دیا کیونکہ تلفظ میں یہ ساقط ہے۔

وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾

''اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں اور بے شک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں''۔

یہ فرشتوں کا قول ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں کہا ہے اور جنہوں نے ان کی عبادت کی تھی ان کے انکار کے لیے ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ تین آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے حضرت جبریل امین پیچھے ہٹ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''یہاں تو مجھے چھوڑ جائے گا'' حضرت جبریل امین نے عرض کی کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ میں اپنے مقام سے آگے بڑھوں☆۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے ان

☆۔ تفسیر کشاف

آیات کو نازل فرمایا: وَمَامِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۔

کوفیوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وما منا الا من له مقام معلوم تو اسم موصول کو حذف کر دیا گیا۔ بصریوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے وما منا ملك الا له مقام معلوم یعنی عبادت میں اس کا معین مکان ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں بالشت بھر ایسی زمین نہیں مگر اس پر ایک فرشتہ نماز پڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آسمان میں کوئی ایسی جگہ نہیں مگر وہاں ایک فرشتہ سجدہ ریز ہے یا کھڑا ہے'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے وہ آواز نکال رہا ہے اس کا حق ہے کہ وہ آواز نکالے اس میں چار انگل کے برابر جگہ نہیں مگر ایک فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہے اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے، بستروں پر تم اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے، تم پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے میں تو خواہش کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا(1)''۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس بارے میں کہا یہ حدیث حسن غریب ہے ایک دوسری سند سے یوں مروی ہے کہ حضرت ابوذر نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا؛ حضرت ابوذر سے یہ موقوف مروی ہے۔

قتادہ نے کہا: آپ مردوں اور عورتوں کو اکٹھے نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَمَامِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ کہا: تو مرد آگے ہو گئے اور عورتیں پیچھے ہو گئیں۔

کلبی نے کہا: فرشتوں کی صفیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح زمین میں اہل دنیا کی صفیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسجد میں تھے فرمایا: ''کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں(2)'' ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ ''پہلی صفوں کو مکمل کرتے اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتے تو کہتے: اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور سیدھے ہو جاؤ(3) اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اس ہدایت کا ارادہ کرتا ہے جو فرشتوں کو ان کے رب کے ہاں حاصل ہے اور یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ اے فلاں پیچھے ہٹ، اے فلاں آگے ہو پھر آگے بڑھتے اور تکبیر کہتے: سورۂ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ابو مالک نے کہا: لوگ الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزهد، فضل البكاء من خشية الله، جلد 2، صفحہ 55۔ ایضاً، حدیث نمبر 2234، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰة، الامر بالسکون فی الصلوٰة، جلد 1، صفحہ 181 — 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 72

تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو صفیں بنانے کا حکم دیا۔ شعبی نے کہا: جبریل امین یا ایک فرشتہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: آپ رات کے دو تہائی اس کا نصف اور اس کا ایک تہائی قیام کرتے ہیں فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں آسمان میں کوئی فرشتہ فارغ نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم ہوا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں ہم انتظار کرتے ہیں کہ ہمیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم عرش کے ارد گرد صفیں بنائے ہوئے ہوتے ہیں

وانا لنحن المسبحون اور ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک اس کی طرف جو بات منسوب کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے پاکی بیان کرتے ہیں (1) مراد یہ ہے وہ خبر دیتے ہیں کہ وہ تسبیح اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں نہ فرشتے معبود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ یہ رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کا مشرکین کے لیے قول ہے، یعنی ہمارا اور تمہارا آخرت میں معین مقام ہے اور وہ مقام حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام خوف ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام رجا ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام اخلاص ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام شکر ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں یہ کہتا ہوں یہ ملائکہ کے قول وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

''اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے: اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے پس (جب نصیحت آئی تو اسے ماننے سے) انکار کر دیا وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے''۔

مشرکین نے جو باتیں کیں ان کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا یعنی جب حضور ﷺ کی بعثت سے قبل انہیں جہالت کے ساتھ عار دلائی جاتی تو مشرکین مکہ کہتے: لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ یعنی وہ کہتے اگر ہماری طرف کوئی نبی مبعوث کیا جاتا جو شرعی احکام کی وضاحت کرتا تو ہم اس کی اتباع کرتے جب ان کو مخفف کیا تو وہ فعل پر داخل ہوا اور اسے لام لازم ہو گیا تا کہ نفی اور ایجاب میں فرق ہو۔ کوفی کہتے ہیں ان، ما کے معنی میں ہے اور لام، الا کی معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارے پاس انبیاء کی کتب میں سے ایک کتاب ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے یعنی ہمارے پاس ذکر آتا جس طرح پہلے لوگوں کے پاس ذکر آیا ہے تو عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتے، تو انہوں نے ذکر کا انکار کیا۔ فراء حذف کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 73

صورت میں تقدیر کلام کرتے ہیں یعنی حضرت محمد ﷺ ذکر لائے تو انہوں نے انکار کر دیا ان پر تعجب کا اظہار ہے یعنی ان کے پاس نبی آیا اور ان پر کتاب نازل کی گئی۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس کے وہ محتاج تھے پس انہوں نے کفر کیا اور جو بات کہی تھی اسکو پورا نہ کیا۔

زجاج نے کہا: وہ اپنے کفر کا انجام جان لیں گے۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَ تَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

"اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے، پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور ملاحظہ فرماتے رہیے ان کے حالات کو وہ خود بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب کے اترنے کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا۔ اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور قدرت الٰہی کا تماشا دیکھتے رہیے۔ وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے"۔

فراء نے بالسعادۃ کا لفظ مقدر مانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ (المجادلہ: 21) حضرت حسن بصری نے کہا: صاحب شریعت کو کبھی بھی قتل نہیں کیا گیا حجت اور غلبہ کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے آیت میں الغالبون کا لفظ ذکر ہوا یہ جند کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ اگر لفظ کا اعتبار ہوتا تو جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ (ص) شیبانی نے کہا: یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔

آپ ان سے موت کے وقت تک اعراض کریں۔ قتادہ نے حِيْنٍ کا معنی موت کیا ہے(1)۔ زجاج نے کہا: اس وقت تک ان سے اعراض کریں جتنا عرصہ انہیں مہلت دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

قتادہ نے کہا: وہ عنقریب سب کچھ دیکھ لیں گے جب انہیں دیکھنا کچھ نفع نہ دے گا عسیٰ (2) جب اللہ تعالیٰ کی جانب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 73

2۔ کتابت میں عسیٰ ہے، لیکن ہے سوف، کیونکہ متن میں عسیٰ کی بجائے سوف کا لفظ ہے۔

سے ہو تو یہ وجوب کے لیے آتا ہے۔ ابصار کے ساتھ اسے تعبیر کیا گیا تاکہ امر کی تقریب کا اظہار ہو یعنی وہ قریب ہی دیکھ لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔

وہ جھٹلانے کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے متی ھذا العذاب یہ عذاب کب ہوگا یعنی تم عذاب کے بارے میں جلدی نہ کرو وہ ضرور وقوع پذیر ہوگا۔

جب عذاب ان کے آنگن میں اترے گا۔ زجاج نے کہا: ان لوگوں کا عذاب قتل کی صورت میں تھا۔ بِسَاحَتِهِمْ کا معنی ہے ان کے گھر میں۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: الساحة اور السحسة سے مراد گھر کا وسیع آنگن ہے۔ فراء نے کہا: ان پر عذاب برابر طور پر نازل ہوا۔

جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کی صبح کتنی بری ہوئی۔ اس میں اضمار ہے یعنی فساء الصباح صباحھم۔ صباح کا خصوصاً ذکر ہوا ہے ان پر عذاب اسی وقت آیا تھا اس معنی میں وہ حدیث ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر آئے تو وہ لوگ اپنی اپنی کھیتیوں کی جانب جا رہے تھے ان کے ہاتھوں میں کدالیں تھیں انہوں نے کہا: محمد اور بڑا لشکر اور وہ اپنے اپنے قلعوں کی طرف لوٹ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر خربت خیبر اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین (1) اللہ اکبر خیبر برباد ہوگیا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے لوگوں کی صبح کتنی بری ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ساحہ کا معنی وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشاد میں مراد لیا ہے۔

وَ تَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ اسے تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا اسی طرح وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ بھی تاکید کے لیے ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

''پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان ناسزا باتوں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

**مسئلہ نمبر 1**۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان چیزوں سے پاکی زیادہ بیان کی ہے جو مشرکوں نے ان کی طرف منسوب کی تھیں رَبِّ الْعِزَّةِ یہ ربک سے بدل ہے مدح کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور رفع پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت یہ ھو رب العزۃ کے معنی میں ہوگا۔

عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی بیوی اور بچے سے پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سبحان اللہ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ خیبر، جلد 2، صفحہ 604

فرمایا: ''ہر برائی وعیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا''۔ سورۂ بقرۃ میں بحث گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ محمد بن سحنون سے رَبِّ الْعِزَّةِ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کس طرح جائز ہے جبکہ عزت تو صفات ذات میں سے ہے یہ کہنا جائز نہیں رب القدرۃ اسی طرح دوسری صفات ذات کی طرف رب کی وضاحت کرنا درست نہیں۔

محمد بن سحنون نے جواب دیا: العزۃ یہ صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی ہے صفت ذات جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر: 10) اور صفت فعل جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبِّ الْعِزَّةِ معنی ہوگا اس عزت کے رب جس عزت سے مخلوق باہم ایک دوسرے پر غلبہ چاہتی ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کے خلق میں سے ہوئی۔

کہا: تفسیر میں آیا ہے یہاں عزت سے مراد فرشتے ہیں۔ کہا ہمارے بعض علماء نے کہا: جس نے بعزۃ اللہ کے الفاظ کے ساتھ قسم اٹھائی اگر اس نے عزت سے مراد وہ عزت لی جو اس کی صفت ہے اس نے قسم کو توڑا تو اس پر کفارہ ہوگا اگر اس نے اس معنی کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان عزت بنادی ہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

ماوردی نے کہا: رَبِّ الْعِزَّةِ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: (1) مالك العزۃ (2) رب کلّ شیٔ متعزِز۔ ہر عزت والی چیز کا رب خواہ وہ چیز بادشاہ ہو یا جبروت والی ہو۔ میں کہتا ہوں: دونوں صورتوں میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا جب کوئی قسم اٹھانے والا قسم اٹھائے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہنے سے قبل یہ پڑھا کرتے تھے: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ الی آخر السورۃ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے شیخ، امام، محدث، حافظ ابو علی حسن بن محمد بن محمد بن عمروک بکری پر جزیرہ میں جو منصورہ کے سامنے تھا جو دیار مصر سے تعلق رکھتا ہے انہوں نے حرہ ام المؤید زینب بنت عبد الرحمٰن بن حسن شعری سے پہلی دفعہ نیشاپور میں سنا انہوں نے کہا ہمیں ابو محمد اسماعیل بن ابی بکر قاری نے بتایا کہا ہمیں ابو الحسن عبد القادر بن محمد فارسی نے کہا ہمیں ابو سہل بشر بن احمد نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابو داؤد بن حسین بیہقی نے بیان کیا ہے کہا ہمیں ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ بن عبد التیمی نیشاپوری نے بیان کیا کہا ہمیں ہشیم نے انہوں نے کہا ابو ہارون عبدی سے انہوں نے کہا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دفعہ نماز کے آخر میں یا جب آپ پھرتے تو یہ کہتے ہوئے سنا: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾۔

ماوردی نے کہا: جسے یہ بات خوش کرے کہ اسے قیامت کے دن پورا پورا کیل دیا جائے تو جب وہ مجلس کے اختتام پر مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو کہے (1): سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 74

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ثعلبی نے حضرت علی شیر خدا کے واسطہ سے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** الْمُرْسَلِيْنَ سے مراد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم مجھ پر سلام کہو تو مرسلین پر بھی سلام کیا کرو بے شک میں رسولوں میں سے ایک رسول ہوں''(1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کے لیے امن ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر جو بھیجا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر جو انعامات کیے ہیں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں کے ہلاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس کی دلیل فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ (الانعام) ہے۔

میں کہتا ہوں: سب مراد ہے اور حمد عام ہے يَصِفُوْنَ کا معنی ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی عما یصفون من الکذب۔

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 137

# سورۂ ص

آیاتہا ۸۸ ۳۸ سورۃ ص مکیۃ ۳۸ رکوعاتہا ۵

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے اس کی چھیاسی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝

”ص قسم ہے قرآن، سراپا نصیحت کی (دعوت محمدی حق ہے) لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں اندھے ہو گئے ہیں۔ بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اس سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا“۔

عام قراءت دال کی جزم کے ساتھ وقف کی صورت میں ہے کیونکہ یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے جس طرح الٓمٓ اور الٓمٓرٰ ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت حسن بصری، ابن اسحاق اور نصر بن عاصم نے صادِ پڑھا ہے یعنی دال کے نیچے کسرہ ہے اور تنوین نہیں۔ اس کی قراءت کی وجہ سے دو مذہب ہیں: (1) یہ صَادَی یُصَادِی سے مشتق ہے جب یہ عارض کے معنی میں ہو اسی سے فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۝ (عبس) ہے یعنی تو اس کا سامنا کرتا ہے مصاداۃ کا معنی معارضہ ہے اسی سے ایک لفظ صدی ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو خالی جگہوں میں آواز کے مقابل ہوتی ہے اس کا معنی ہے قرآن کے مقابل ہو اپنے عمل کے ساتھ اور اس کے اوامر پر عمل کر اور اس کی نواہی سے رک جا۔

نحاس نے کہا: یہ مذہب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے اس کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے ان کی قراءت صحیح روایت ہے ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور اس کی قراءت کا سامنا کیجئے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ دال اجتماع ساکنین کی وجہ سے مکسور ہے عیسیٰ بن عمر نے صادَ یعنی دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی مثل قاف اور نون ہے اس کا آخر مفتوح ہے اس بارے میں بھی تین مذہب ہیں: (1) یہ اُتْلُ کے معنی میں ہو (2) فتحہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہو اور فتحہ کو اتباع کی وجہ سے اختیار کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حرکات میں سے خفیف ترین حرکت ہے (3) یہ قسم کی بنا پر حذف ہے اور فعل قسم موجود نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: اللہ لأ فعلن ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کے دلوں کو شکار کیا اور انہیں مائل کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔

ابن ابی اسحاق نے صادٍ پڑھا ہے یعنی دال مکسور ہے اور اس پر تنوین ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حرف قسم کے

حذف کی وجہ سے مجرور ہے۔ یہ قول بعید ہے اگرچہ سیبویہ نے اس کی مثل کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے ان اصوات کے مشابہ قرار دیا گیا ہو جو غیر منصرف ہیں ہارون اعور اور محمد بن سمیقع نے اسے صادُ، قافُ اور نونُ پڑھا ہے کیونکہ یہ اکثر مبنی ہوتا ہے جس طرح منذ، قط، قبل، بعد۔

صٓ کو جب تو سورت کا نام بنائے تو یہ منصرف نہ ہوگا جس طرح جب تو کسی مؤنث کا نام اسم مذکر سے رکھے تو وہ منصرف نہیں ہوتا اگرچہ اس کے حروف قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ سے صٓ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صٓ کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صٓ مکہ مکرمہ میں ایک سمندر تھا اسی پر رحمٰن کا عرش تھا جب رات اور دن نہیں تھا۔

حضرت سعید بن جبیر نے کہا: صٓ سے مراد وہ سمندر ہے جس کے ذریعے دو نفخوں کے درمیان اللہ تعالیٰ مخلوقات کو زندہ کرے گا۔

ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: صٓ ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے؛ یہ سدی نے کہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی چابی ہے جو صمد، صانع المصنوعات اور صادق الوعد ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہ رحمٰن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے(1)۔ مجاہد نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ واؤ کی وجہ سے یہ اسم مجرور ہے واؤ، باء کا بدل ہے۔ قرآن کی قسم اٹھائی مقصد اس کی عظمت شان پر آگاہی تھی کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے یہ سینوں میں موجود ہر مرض کی شفا ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

ذِی الذِّکْرِ ۝ صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جس کی علامت یاء ہے یہ ایسا اسم ہے جس میں حرف علت ہے اس میں اصل ذَوَی ہے جو فَعَل کا وزن ہے۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: ذِی الذِّکْرِ کا معنی ہے ذی البیان۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے ذی الشرف یعنی جو اس پر ایمان لایا وہ اس کے لیے دارین میں شرف کا باعث ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء:10) اس آیت میں ذِكْرُكُمْ سے مراد تمہارے لیے شرف ہے۔ قرآن بذات خود شریف ہے کیونکہ یہ ایک معجزہ ہے اور ان چیزوں پر مشتمل ہے جس پر غیر مشتمل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِی الذِّکْرِ سے مراد ہے اس میں اس چیز کا ذکر ہے امور دین میں سے جس چیز کے وہ محتاج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِی الذِّکْرِ سے مراد ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی عظمت کا ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موعظت اور ذکر والا ہے جواب قسم محذوف ہے۔ کئی وجوہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم صٓ ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 75

کیونکہ اس کا معنی ہے حق پس یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقُرْاٰنِ کا جواب ہے جس طرح تو کہتا ہے: حقا واللہ، نزل واللہ، وجب واللہ۔ اس صورت میں وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ پر عطف کرنا بہت اچھا ہے اور فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ پر وقف تام ہوگا؛ یہ ابن انباری کا قول ہے اور ثعلبی نے یہی معنی فراء سے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ ہوگا کیونکہ بل سابقہ امر کی نفی اور اس کے غیر کا اثبات ہے، یہ قتبی نے کہا گویا یوں کلام کی وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ یعنی وہ حق قبول کرنے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی میں اندھے ہوگئے ہیں یا وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو کہ تو جادوگر، جھوٹا ہے کیونکہ وہ آپ کی سچائی اور امانت کو پہچانتے ہیں بلکہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کر رہے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب كَمْ اَهْلَكْنَا ہے گویا کلام یوں ہوگی والقرآن لکم اهلکنا جب کم کو موخر کیا تو لام کو حذف کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝ (الشمس) پھر فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ (الشمس: 9) اصل میں لقد افلح تھا۔

مہدوی نے کہا: یہ فراء کا مذہب ہے۔ ابن انباری نے کہا: اس توجیہ کی بنا پر فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ پر وقف مکمل نہ ہوگا۔ اخفش نے کہا: جواب قسم اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الشعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ (الطارق) ابن انباری نے کہا: یہ قبیح ہے کیونکہ دونوں کے درمیان کلام طویل ہوگئی ہے اور آیات وقصص بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ کسائی نے کہا: جواب قسم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۔

ابن انباری نے کہا: یہ پہلے سے بھی زیادہ قبیح ہے کیونکہ کلام قسم اور جواب قسم میں بہت طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝ ہے۔ قتادہ نے کہا: جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ، لتبعثن ہے۔

فِیْ عِزَّةٍ بلکہ کافر تکبر میں مبتلا ہیں اور حق کو قبول کرنے سے رکے ہوئے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (البقرۃ: 206) عربوں کے ہاں عزت سے مراد غلبہ اور قہر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَزَّہٗ۔ یعنی غالب ہوا اور مال سلب کر لیا اسی معنی میں وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ۝ ہے یعنی وہ مجھ پر غالب آگیا جریر نے کہا۔

یَعُزُّ عَلَی الطریق بِمَنْكِبیه

وہ اونٹ اپنے دونوں کندھوں کے ساتھ راستے پر غالب آجاتا ہے۔

شِقَاقٍ یعنی اختلاف اور جدائی کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ یہ شق سے ماخوذ ہے گویا یہ ایک حصہ میں ہیں اور وہ دوسرے حصہ میں ہیں اور سورۂ بقرۃ میں اس کے بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔

قَرْنٍ سے مراد قوم ہے جو ان سے زیادہ طاقتور تھے کم کثرت کا معنی دے رہا ہے۔ انہوں نے مدد چاہتے ہوئے اور توبہ

کرتے ہوئے ندا کی۔ ندا کا اصل معنی آواز کا بلند کرنا ہے اس معنی میں حدیث ہے اَلْقِهٖ علی بلالٍ فانّہ اَندیٰ منک صوتا بلال پر یہ کلمات پیش کرو کیونکہ اس کی آواز تجھ سے بلند ہے☆۔

وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ آواز کو بلند کیا جبکہ یہ توبہ کا وقت نہ تھا اور نہ ہی یہ وہ وقت تھا جب عمل نفع دے۔ نحاس نے کہا: یہ حضرت حسن بصری کی جانب سے وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ کی تفسیر ہے جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے اس نے ابو اسحاق سے وہ تمیمی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ کا معنی ہے یہ کوئی بھاگنے کا وقت نہیں۔ کہا: تمام قوم روک دی گئی۔ کلبی نے کہا: جب وہ جنگ کرتے اور بے بس ہو جاتے تو وہ ایک دوسرے کو کہتے مَنَاصٍ یعنی تم پر بھاگ جانا لازم ہے جب ان پر عذاب آیا تو انہوں نے کہا: بھاگ جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی فنادوا مناص کیونکہ باقی کلام فنادوا پر دلالت کرتی تھی اسی لیے اسے حذف کر دیا گیا یعنی جو تم آوازیں لگا رہے ہو یہ اس کا وقت نہیں۔ اس میں ایک قسم کا استہزاء ہے کیونکہ یہ کہنا بعید از قیاس ہے کہ سابقہ قوموں میں سے جو بھی ہلاک ہوا وہ اضطرار کے وقت یہ کہتا ہو۔ مناص ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ کا معنی یہ ہو یعنی کوئی چھٹکارے کی صورت نہیں اس کو نصب اس لیے دی گئی ہے کیونکہ اس پر لا واقع ہے۔

قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے کیونکہ اس صورت میں وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ میں واؤ کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ جرجانی نے کہا: معنی ہے انہوں نے اس گھڑی کی ندا کی جس ساعت کوئی نجات نہیں جب لا کو مقدم کیا اور حین کو مؤخر کیا تو اس نے واؤ کا تقاضا کیا جس طرح حال تقاضا کرتا ہے جب اسے مبتدا اور خبر بنا دیا جائے جس طرح تیرا یہ قول ہے: جاء زید راکبا۔ جب تو اسے مبتدا اور خبر بنا دے گا تو یہ واؤ کا تقاضا کرے گا جس طرح جاءنی زید وھو راکب ہے حِیْنَ یہ فَنَادَوْا کی ظرف ہے مناص یہ پیچھے ہٹنے، بھاگ جانے اور چھٹکارا پانے کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے اس وقت نجات پانے کے لیے ندا کی جس وقت میں ان کے لیے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ فراء نے کہا:

اَمِنْ ذکر لیلی اِذ نَأَتْكَ تَنُوصُ (1)

کیا لیلیٰ کو یاد کر کے جب وہ تجھ سے دور ہوگئی تو اس کی طرف آگے بڑھتا ہے کہا جاتا ہے: ناص عن قرنہ ینوص نَوصاً ومَناصاً یعنی بھاگ کھڑا ہوا۔ نحاس نے کہا: کہا جاتا ہے ناص ینوص جب وہ آگے بڑھے۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل کی بنا پر یہ اضداد میں سے ہے۔ نوص سے مراد وحشی گدھے ہیں استناص یعنی پیچھے ہٹ گیا۔ نحویوں نے وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ اور اس پر وقف کرنے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کتاب القرأت میں اس کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔ سوائے چند باتوں کے جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے وہ سب مردود ہے۔ سیبویہ نے کہا: لات یہ مشابہ بلیس ہے اس میں اسم ضمیر ہے تقدیر کلام یوں ہے لیست احیاننا حین مناص۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 77

☆ سنن ابی داؤد، باب کیف الآذان، حدیث نمبر 421، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حکایت بیان کی گئی ہے کہ عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے ساتھ اسم کو رفع دیتے ہیں اور کہتے ہیں وَلَاتَ حِیْنُ مَنَاصٍ۔ یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ رفع قلیل ہے اور خبر محذوف ہے جس طرح کہ نصب اسم میں محذوف تھا یعنی تقدیر کلام یوں تھی ولات حین مناص لنا۔ سیبویہ اور فراء کے نزدیک ولات کی تاء پر عطف ہوگا پھر حین مناص سے تو نئی کلام شروع کرے گا؛ یہ ابن کیسان اور زجاج کا قول ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: قول اسی طرح ہے جس طرح سیبویہ نے کہا کیونکہ اس نے اسے لیس کے مشابہ قرار دیا تو جس طرح لیست کہا جاتا ہے اسی طرح لات کہا جاتا ہے۔ کسائی کے نزدیک اس پر وقف ھاء پر ہوگا یعنی ولاہ یہی مبرد بن محمد بن یزید کا قول ہے علی بن سلیمان نے اس سے حکایت بیان کی کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ اس پر ھاء کلمہ کی تانیث کے لیے داخل ہوئی ہے جس طرح ثمہ اور ربہ کہا جاتا ہے۔ قشیری نے کہا: بعض اوقات ثمت، ثمہ کے معنی میں کہا جاتا ہے اور ربت، ربہ کے معنی میں کہا جاتا ہے گویا انہوں نے لا میں ھاء کا اضافہ کر دیا اور انہوں نے لاہ کہا انہوں نے ثم میں ثمہ کہا ہے جب وصل ہوا تو یہ تاء ہوگئی۔

ثعلبی نے کہا: اہل لغت نے کہا وَّلَاتَ حِیْنَ دونوں مفتوح ہیں گویا یہ دونوں ایک کلمہ ہیں بے شک یہ اصل میں لا ہے جس میں تاء کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس طرح رب اور ربت، ثم اور ثمت ابوزبید طائی نے کہا:

طَلَبُوا! صُلْحَنَا وَلَاتَ أَوَانِ  فَأَجَبْنَا أَنْ لَيْسَ حِينَ بَقَاءِ

انہوں نے ہماری صلح کا مطالبہ کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا ہم نے جواب دیا کہ یہ بقاء کا وقت نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تَذَكَّرَ حُبَّ لَيْلَى لَاتَ حِيْنَا  وأمسى الشَّيْبُ قد قَطَعَ الْقَرِينَا

اس نے لیلی کی محبت کو یاد کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا بڑھاپے نے دوستی کو قطع کر دیا۔

کچھ عرب اس لفظ کے ساتھ مابعد اسم کو جر دیتے ہیں؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَلَتَعْرِفَنَّ خَلَائِقًا مَشْمُولَةً  وَلَتَنْدَمَنَّ وَلَاتَ سَاعَةِ مَنْدَمِ

تو جمع شدہ مخلوقات کو پہچان لے گا اور تو شرمندہ ہوگا جبکہ وہ شرمندگی کا وقت نہیں۔

کسائی، فراء، خلیل، سیبویہ اور اخفش اس طرف گئے ہیں وَّلَاتَ حِیْنَ میں تاء، حین سے منقطع ہے وہ کہتے ہیں: اس کا معنی لیست ہے۔ مصاحف جدد اور عتق میں اسی طرح ہے یعنی حین سے تاء کو الگ کر دیا گیا ہے، ابوعبیدہ معمر بن مثنی اسی طرف گیا کہا ہے۔

ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا: میرے نزدیک ولا پر وقف ہے اور ابتدا تحین مناص سے ہے اس صورت میں تاء حین کے ساتھ ہوگی۔ بعض نے کہا: لات پھر وہ کلام کا آغاز کرتا ہے اور کہتا ہے: حین مناص مہدوی نے کہا: ابوعبید نے ذکر کیا ہے کہ مصحف میں تاء حین کے ساتھ متصل ہے جبکہ نحویوں کے نزدیک یہ غلط ہے اور مفسرین کے قول کے خلاف ہے، ابوعبید کی حجت یہ ہے کہ اس نے کہا: ہم عربوں کو نہیں پاتے کہ وہ اس تاء کو زائد کرتے ہوں مگر وہ حین، اوان اور الآن میں زائد کرتے

ہیں؛ اور ابو وجزہ سعدی کا شعر ذکر کیا:

العاطفون تَحِینَ ما مِنْ عاطِفٍ والمُطْعِمُون زَمانَ أَیْنَ الْمُطْعِمُ

وہ اس وقت مہربانی کرتے ہیں جب مہربانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا وہ زمانے کو کھلاتے ہیں جب کھلانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ابوزبید طائی نے شعر ذکر کیا:

طلبوا صلحنا ولاتأوانِ فأجبنا أن لیس حین بقاءِ(1)

انہوں نے ہماری صلح کو طلب کیا جبکہ وہ صلح کا وقت نہ تھا تو ہم نے جواب دیا اب بقاء کا وقت نہیں۔

یہاں اوان میں تاء کو داخل کیا۔ ابوعبید نے کہا: الان میں تاء کو داخل کرنے کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان سے ایک آدمی نے حضرت عثمان بن عفان کے بارے میں پوچھا تھا تو حضرت ابن عمر نے حضرت عثمان کے مناقب کا ذکر کیا پھر فرمایا: اذهب بها تَلَان مَعك۔ اسے لے جا اب وہ تیرے ساتھ ہیں۔ اس قول میں تلان محل استدلال ہے۔ اسی طرح شاعر نے کہا:

نَوِّلِي قبل نأيِ دَارِي جُمانا و صِلِینا کما زَعَمْتِ تَلَانَا

ابوعبید نے کہا: اس سب بحث کے باوجود میں نے اس مصحف میں نظر کی جسے امام ''مصحف عثمان'' کہا جاتا ہے تو میں نے پایا کہ تاء حین کے ساتھ متصل ہے وہاں تحین لکھا ہوا ہے۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: جہاں تک پہلے شعر کا تعلق ہے جو اس نے ابو وجزہ کا ذکر کیا ہے علماء لغت نے اسے چار طریقوں سے روایت کیا ہے سب اس کے برعکس ہیں جو اس نے کہا اس میں دو تقدیریں ہیں ابو العباس محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے العاطفون ولات مامن عاطف۔ دوسری روایت العاطفون ولات حین تعاطف۔ تیسری روایت جسے ابن کیسان نے روایت کیا ہے العاطفونة حین مامن عاطف۔ اس نے اسے وقف میں ھاء اور درمیان کلام میں تاء بنا دیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ حرکت کے بیان کے لیے ہے اور اسے ہاء تانیث کے مشابہ قرار دیا ہے۔ چوتھی روایت العاطفونه حین مامن عاطف۔ اس روایت میں دو تقدیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے اور وہی اسماعیل بن اسحاق کا مذہب ہے کہ ھاء نصب کے محل میں ہے جس طرح تم کہتے ہو الضاربون زیدا جب تو ضمیر ذکر کرے گا تو تو کہے گا الضاربوہ سیبویہ نے شعر میں الضاربونه جائز قرار دیا ہے۔ اسماعیل، سیبویہ کے مذہب کے موافق تانیث کے ساتھ لایا ہے جس طرح اس نے اس کی مثل میں اجازت دی ہے۔

دوسری تقدیر یہ ہے کہ العاطفونه میں ھاء حرکت کو بیان کرنے کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: مرینا المسلمونه یہ وقف کی صورت میں ہے پھر وصل میں بھی اسے اسی طرح رکھا گیا ہے جس طرح وقف میں رکھا گیا تھا جس طرح اہل مدینہ نے پڑھا: مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ (الحاقۃ)

جہاں تک دوسرے شعر کا تعلق ہے اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ولات أوان پر وقف ہے مگر اس میں ایک مشکل شئ

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 71

ہے کیونکہ اس میں ولات أوان مجرور مروی ہے، جبکہ لات کے بعد جو چیز واقع ہے وہ مرفوع یا منصوب ہے اگر چہ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے یعنی لات کی تاء اور حین کی نون پر کسرہ پڑھا ہے جبکہ ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے لات کو مبنی بر کسرہ اور حین کو نصب دی گئی جہاں تک ولات اوان کا تعلق ہے اس میں دو تقدیریں ہیں۔

اخفش نے کہا: اس میں لفظ مضمر ہے یعنی کلام یوں تھی ولات حین اوان۔ نحاس نے کہا: اس قول میں واضح خطا موجود ہے ابو اسحاق سے دوسری تقدیر مروی ہے ولات اوانئا مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو ضروری ہو گیا کہ اس کو اعراب نہ دیا جائے اور اس پر کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے۔ محمد بن یزید نے ولات اوان رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہاں تک تیسرے شعر کا تعلق ہے یہ دور اسلام کے شاعر کا شعر ہے جس کے قائل کا کوئی پتہ نہیں اس کے ساتھ دلیل قائم کرنا صحیح نہیں کہ محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے کما زعمت انت الان اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے کما زعمت انت الان اس نے انت سے ہمزہ اور نون کو حذف کر دیا ہے۔

جہاں تک ان کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال ہے جب آپ نے اس آدمی کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا ذکر کیا تو اسے کہا اذهب بها تلان الی اصحابك تو اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ محدث اس حدیث کو بالمعنی روایت کر رہا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ مجاہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے اور اس میں ہے اذهب فاجهد جهدك ایک اور نے اسے روایت کیا ہے اذهب بها الان معك جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے امام میں تحین پایا ہے تو اس میں بھی ان کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کا معنی ہے کہ وہ مصاحف کا امام ہے اگر وہ مصاحف کے خلاف ہوگا تو وہ مصاحف کا امام تو نہ ہوا تمام مصاحف میں ولات ہے اگر اس میں صرف یہی استدلال ہوتا تو وہ کافی ہوتا مناص کی جمع منادص ہے۔

وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ٞ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝

"اور وہ اس پر حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے، کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بے شک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے"۔

اَنْ جَآءَهُمْ میں اَنْ محل نصب میں ہے اس کا معنی ہے من ان جاء هم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ کے ساتھ ہے تقدیر کلام یہ بنے گی فی عزة و شقاق وعجبوا اور کم اهلكنا جملہ معترضہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ یہاں سے کلام کا آغاز ہے یعنی ان کی جہالت میں سے یہ بات ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔

کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے یہ آراستہ کلام لاتا ہے جس کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے جادو کے ذریعے والد اور اس کے بچے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتا ہے گَذَّابٌ یعنی دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یہ دونوں مفعول ہیں یعنی اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے بے شک یہ تو عجیب و غریب چیز ہے سلمی نے عُجّاب پڑھا ہے عُجَاب، عُجّاب اور عجب سب کا معنی ایک ہی ہے۔ خلیل نے عجیب اور عجاب میں فرق کیا ہے کہا عجیب، عجب ہی ہے عجاب عجب کی حد کو تجاوز کرنا ہے۔ طویل جس میں طول ہو طوال اسے کہتے ہیں جس نے طول کی حد کو تجاوز کیا ہو۔

جوہری نے کہا: عجیب اس امر کو کہتے ہیں جس سے تعجب کا اظہار کیا جائے اسی طرح عجاب ضمہ کے ساتھ ہے عجاب جب شد کے ساتھ ہو تو وہ اس سے بڑھ کر ہے اسی طرح أعجوبه ہے۔ مقاتل نے کہا: عجاب یہ ازدشنوءہ کی لغت ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابوطالب مریض ہوئے (1) تو قریش ان کے پاس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے جبکہ ابوطالب کے سر کی طرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابوجہل اپنی جگہ سے اٹھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جگہ سے روکے قریش نے ابوطالب کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکایت کی، ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! تو اپنی قوم سے کیا چاہتا ہے؟ فرمایا: ''اے میرے چچا جان! میں ان سے ایک کلمہ کہنے کی خواہش کرتا ہوں جس کے باعث تمام عرب ان کی اطاعت کریں گے اور انہیں جزیہ دیں گے''۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قریش نے کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝ وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ امام ترمذی نے بالمعنی روایت کیا ہے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو قریش پر ان کا اسلام بڑا شاق گذرا تو قریش ابوطالب کی خدمت میں جمع ہوئے کہا: ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ ابوطالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا بھیجا اور کہا: اے بھتیجے! یہ تیری قوم مجھ سے انصاف کا تقاضا کرتی ہے اپنی قوم پر ظلم نہ کر۔'' پوچھا وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں'' انہوں نے کہا: ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دو ہم تجھے اور تیرے معبود کو چھوڑتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم مجھے ایک کلمہ دیتے ہو جس کے باعث تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہاری اطاعت کریں گے'' ابوجہل نے کہا: تیرا بھلا ہو ہم تجھے وہ کلمہ اور دس اس جیسے اور کلمات دینے کو تیار ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ ص، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3156، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ارشاد فرمایا کہو: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ اس سے بدک گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: کیا اس نے تمام خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے اس تمام مخلوق کو ایک خدا کیسے پورا ہو سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تک آیات کو نازل فرمایا۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۟ۖ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۟ۖ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۟ؕ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۟ۚ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۟ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۟

"اور تیزی سے چل دیئے قوم کے سردار رسول کے پاس سے (اور قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جمے رہو اپنے بتوں پر بے شک اس میں اس کا کوئی (ذاتی) مدعا ہے۔ ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ کیا نازل کیا گیا ہے اس پر الذکر (قرآن) ہمارے درمیان میں سے، بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق بلکہ انہوں نے ابھی نہیں چکھا میرے عذاب کا مزا۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے جو عزت والا ہے بے حساب عطا کرنے والا ہے۔ کیا ان کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، پس چاہیے کہ چڑھ جائیں (آسمانوں پر) اس کی راہوں سے۔ (درحقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں بدر میں شکست دی جائے گی"۔

الْمَلَاُ کا معنی اشراف ہیں انْطَلَقَ کا معنی تیزی سے جانا ہے یعنی یہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: جس طریقہ پر تم پہلے ہو اسی پر گامزن رہو اور اس کے دین میں داخل نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ابو طالب بن ہشام، شیبہ اور عتبہ جو ربیعہ بن عبد شمس کے بیٹے تھے امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور ابو معیط تھے وہ ابو طالب کے پاس آئے تھے انہوں نے کہا: تو ہمارا سردار ہے اور ہمارے بارے میں بہتر انصاف کرنے والا ہے اپنے بھتیجے اور اس کے ساتھ جو بے وقوف لوگ ہیں ان کے ساتھ ہمارے بارے میں معاملات اپنے ہاتھ میں لیں انہوں نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا اور ہمارے دین میں طعن کیا۔ ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور کہا: تیری قوم تجھے انصاف کی طرف دعوت دیتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں انہیں ایک بات کی دعوت دیتا ہوں"۔ ابو جہل نے کہا: ایک کیا دس۔ فرمایا: تم کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔

اَنِ امْشُوْا میں ان محل نصب میں ہے معنی بان امشوا یعنی باء حرف جار محذوف ہے اور اس کے حذف کی وجہ سے محل

نصب میں ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: أن، ای کے معنی میں ہے یعنی امشوا، انطلق کی تفسیر ہے اس کا مطلب ہے یہ نہیں کہ انہوں نے یہ لفظ بولا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان میں سے معززین چلے اور انہوں نے عوام سے کہا: امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ یعنی اپنے بتوں کی عبادت پر صبر کرو اِنَّ هٰذَا یعنی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں جس کے ساتھ اہل زمین کے بارے میں اس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے کہ قوم سے نعمتوں کا زوال ہو اور جوان پر نازل ہوا ہے ان کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ کلمہ تخدیر ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں اس کے ساتھ وہ ہم سے اطاعت کے طالب ہیں تاکہ وہ ہم پر غالب آجائیں اور ہم اس کے پیروکار بن جائیں تو اس طریقہ سے جو وہ چاہے اس پر حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرنے سے بچو۔ مقاتل نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور ان کے ذریعے سے اسلام کو قوت و شوکت نصیب ہوئی تو یہ امر قریش پر شاق گذرا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے اسلام کو ایسی قوت حاصل ہوئی ہے جس کا ارادہ کیا جا رہا تھا(1)۔

حضرت ابن عباس، قرظی، مقاتل، کلبی، اور سدی نے کہا: وہ ملة آخرة سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت مراد لیتے ہیں یہ ملتوں میں سے آخری ملت ہے، نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ الہ بناتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے یہ بھی کہا: وہ قریش کی ملت مراد لیتے تھے(2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم نے یہ نہیں سنا تھا کہ یہ آخری زمانہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اہل کتاب سے یہ نہیں سنا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول حق ہیں۔

یہ تو سراسر جھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے کہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: خلق واختلق یعنی اس نے نیا کام شروع کیا خلق اللہ الخلق اسی معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر مثال کے پیدا کیا۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا یہ کلام استفہام انکاری ہے، ذکر سے یہاں مراد قرآن ہے یعنی انہوں نے آپ کو وحی کے ساتھ خاص کرنے کا انکار کیا مِّنْ ذِكْرِیْ سے مراد میری وحی ہے وہ قرآن ہے یعنی وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ ہمیشہ سے ان کے درمیان سچے رہے ہیں میں نے جو آپ پر نازل کیا ہے اس کے بارے میں انہوں نے شک کیا کہا: وہ میری جانب سے ہے یا میری جانب سے نہیں۔

اصل میں لمبی مہلت کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہوئے ہیں اگر شرک کی بنا پر میرا عذاب چکھ لیتے تو ان سے شک زائل ہو جاتا اور وہ یہ بات نہ کرتے لیکن اس وقت انہیں ایمان کوئی نفع نہ دے گا لما یہ لم کے معنی میں ہے اور ما زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَمَّا قَلِیْلٍ (المومنون: 40) اور فَبِمَا نَقْضِهِمْ (المائدہ: 13)

کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نعمتوں خصوصاً نبوت کو روک لیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کی ہے۔ امر کا لفظ کبھی تقریع کے معنی میں آتا ہے جب کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الٓمّٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (السجدہ)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 79　2۔ ایضاً

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآىِٕنُ رَحۡمَةِ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ متصل ہے وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ معنی اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رسول بنا کر معبوث کرتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے ہیں یا زمین وآسمان کے خزانے ان کی ملکیت ہیں اگر وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں پس انہیں چاہیے آسمانوں کی طرف چڑھیں اور فرشتوں کو اس بات سے روک دیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آئیں۔ یہ کہا جاتا ہے: رقی یرقی اور أرتقی یعنی وہ بلند ہو گئے رقی، یرقی اور رقیا یہ رمی یرمی اور رمیا کی طرح ہے یہ رقیۃ سے مشتق ہے ربیع بن انس نے کہا: اسباب بال سے باریک اور لوہے سے مضبوط ہیں لیکن وہ دکھائی نہیں دیتے۔ لغت میں سبب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو مطلوب تک پہنچانے والی ہو وہ رسی ہو یا کوئی اور چیز۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان کے ابواب یا اسباب ہیں جن سے فرشتے اترتے ہیں؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ زہیر نے کہا:

لَوْرَامَ أسبابَ السماءِ بِسُلَّمِ

کاش وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان اسباب کا قصد کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان ہیں یعنی انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایک آسمان پر چڑھیں۔ سدی نے کہا: فی اسباب سے مراد فضل اور دین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد رسیاں ہیں (1) یعنی اگر وہ رسیاں اور سبب پائیں جن میں وہ آسمان کی طرف بلند ہوں تو وہ چڑھیں۔ یہ امر توبیخ اور تعجیز کے لیے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے خلاف اپنے نبی کی مدد کا وعدہ کیا جُنۡدٌ مَّا هُنَالِكَ یہاں ما زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ھم جند پس جند مبتدا محذوف کی خبر ہے مھزوم یعنی ذلیل اور رسوا ہوں گے ان کی دلیل ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ اس مرحلہ تک نہیں پہنچیں گے کہ وہ یہ کہیں یہ ہمارے لیے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تھزمت القربۃ جب وہ مشکیزہ ٹوٹ جائے، ھزمت الجیش میں نے لشکر کو شکست دے دی کلما ماقبل کے ساتھ مربوط ہے یعنی وہ شکست خوردہ لشکر ہیں تو ان کا تکبر اور قبول حق سے رکنا تجھے غم میں نہ ڈالے بے شک میں ان کی جمعیتوں کو شکست دے دوں گا وہ ان کی عزت کو سلب کر دوں گا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انس عطا کرتا ہے بدر کے روز آپ کے ساتھ ساتھ ایسا کیا بھی گیا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں شکست دے گا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے تو اس کی تاویل بدر کے روز سامنے آئی هُنَالِكَ میں بدر کی طرف اشارہ ہے یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: احزاب سے مراد وہ گروہ ہیں جو مدینہ طیبہ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرپیکار ہوئے۔ یہ بحث سورۂ احزاب میں گذر چکی ہے۔ احزاب کا معنی لشکر ہے جس طرح کہا جاتا ہے: جند من قبائل شتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی گذشتہ قومیں ہیں یعنی یہ لشکر ان کے طریقہ پر ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡۤ (البقرۃ:249) من سے مراد ہے وہ میرے دین اور مذہب پر ہے۔ فراء نے کہا: وہ مغلوب لشکر ہیں یعنی انہیں اس چیز سے روک دیا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف بلند ہوں۔ قتبی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 79

نے کہا: یعنی وہ ان معبودوں کے شکست خوردہ لشکر ہیں وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے معبودان باطلہ سے کسی چیز کا مطالبہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں سے اپنے لیے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ ہی آسمانوں اور زمین سے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۭ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

"جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے، یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گذر چکا)۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر لازم ہو گیا میرا عذاب"۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعزیت اور آپ کی تسلی کے لیے کیا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تیری قوم کے لوگ ہیں متقدمہ قوموں کے لشکر ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کے خلاف لشکر کشی کی وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے پس انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم کو تانیث کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا (1) علماء عرب نے اس بارے میں دو قول نقل کیے ہیں:

(1) اس میں تذکیر و تانیث جائز ہے (2) یہ مذکر ہے اس کی تانیث جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ معنی عشیرہ اور قبیلہ پر واقع ہو تو لفظ میں اس معنی کا حکم غالب ہوگا جو معنی مضمر ہے مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ (عبس) یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ جب اس پر مضمر معنی مذکر تھا تو اسے مذکر ذکر کیا گیا اگرچہ لفظ تانیث کا تقاضا کرتا ہے۔

فرعون کی صفت ذُو الْاَوْتَادِ سے ذکر کی اس کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے مضبوط عمارتوں والا۔ ضحاک نے کہا: وہ بے شمار عمارتوں والا تھا اور عمارتوں کو اوتاد کہتے ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور عطا سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے کیل، رسیاں اور کھیل کے میدان تھے جن پر اس کے لیے کھیلا جاتا تھا۔ ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ قوت و پکڑ والا تھا۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: وہ لوگوں کو کیلوں کے ذریعے عذاب دیا کرتا تھا جب وہ کسی پر ناراض ہوتا تو زمین پر چار کیل گاڑھ کے ان کے درمیان چت لٹا دیتا تھا اور اس پر بچھو اور سانپ چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عذاب دیے جانے والے شخص کو چار ستونوں پر تان دیتا اس انسان کی ایک جانب ایک ستون کی طرف ہوتی جس میں لوہے کا ایک کیل گڑھا ہوتا اور اسے چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذوالاوتاد سے مراد کثیر لشکروں والا ہے۔ جنود کو اوتاد کہا گیا ہے کیونکہ وہ اس امر کو قوی بناتا ہے جس طرح کیل گھر کو قوی بناتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: ھم فی عزثابت الاوتاد وہ ارادہ کرتے ہیں ان کے لیے دائمی اور قوی عزت ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ گھر بالوں کے خیمے ہوتے وہ میخوں کے ساتھ ہی مضبوط اور قوی ہوتے۔ اسود بن یعفر نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 80　　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 81

ولقد غنوا فیہا بأنعم عیشۃ فی ظل ملک ثابت الأوتاد(1)

وہ زندگی کی نعمتوں کے ساتھ اس میں مستغنی ہوئے ایسے ملک کے سایہ میں جو مضبوط ہے۔

اوتاد کی واحد وتد ہے یہ تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور وَتْد بھی اس میں ایک لغت ہے۔ اصمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وَتَد واتد جس طرح یہ کہا جاتا ہے: شغل شاغل۔ کہا: بعض اوقات آدمی کو جذل سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

اَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ سے مراد اصحاب غیضہ ہیں اس کا ذکر سورۂ شعراء میں گذر چکا ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر نے اسے لیکہ ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے۔

یہی لوگ قوت اور کثرت سے متصف تھے جس طرح تو کہتا ہے: فلان ھو الرجل، اِنْ كُلٌّ یہاں ان، ما کے معنی میں ہے فَحَقَّ عِقَابِ یعنی اس جھٹلانے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا یعقوب نے عذابی اور عقابی میں یاء کو دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے اسے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (غافر) ان امتوں کو احزاب کا نام دیا گیا۔

وَ مَا یَنْظُرُ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۝۱۶

"اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ کفار مکہ مگر ایک کڑک کا جن کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ وہ (مذاقاً) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! جلدی دے دے ہمارے حصہ کا عذاب یوم حساب سے پہلے"۔

یہاں یَنْظُرُ ینتظر کے معنی میں ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (الحدید: 13) هٰۤؤُلَآءِ سے مراد کفار مکہ ہیں اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً سے مراد قیامت کا نفخہ ہے یعنی غزوہ بدر میں جو مصیبت انہیں پہنچی اس کے بعد وہ قیامت کے نفخہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے زندہ لوگ اس وقت صرف صیحہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں صیحہ سے مراد صور پھونکنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ یَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً (یٰسٓ) یہ قیامت اور موت کے قریب ہونے کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس امت کے آخر کے کفار جو ان لوگوں کے طریقہ کو اپنائے ہوئے ہونگے وہ انتظار نہیں کرتے ہونگے مگر ایک صیحہ کا انتظار کر رہے ہونگے جو نفخہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: آسمان میں صیحہ نہیں ہوتا مگر اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر غضبناک ہوتا ہے۔

مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ جس کو لوٹایا نہیں جا سکے گا(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہ مروی ہے کہ اس کے لیے لوٹنا نہیں۔ قتادہ نے کہا: اس کے لیے واپس آنا نہیں ہوگا۔ سدی نے کہا: اس سے افاقہ کی سورت نہ ہوگی۔ حمزہ اور کسائی نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 81

2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 85

اسے مالھا من فُواق پڑھا ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

جوہری نے کہا: فَواق اور فُواق سے مراد دو دفعہ دوہنے کے درمیان کا جو عرصہ ہوتا ہے کیونکہ جانور کو دوہا جاتا ہے پھر اسے تھوڑا ترک کیا جاتا ہے تا کہ بچہ دودھ پیے تا کہ جانور دودھ اتارے پھر اسے دوبارہ دوہا جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما أقام عندہ إلا فواقا یعنی وہ گھڑی بھر اس کے پاس ٹھہرا۔ حدیث طیبہ میں ہے العیادۃ قدر فواق الناقۃ (1) عیادت اونٹنی دوہنے کے وقت تک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ اسے فتحہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی اس کے واقع ہونے پر راحت اور افاقہ کی صورت نہ ہوگی۔ الفیقۃ اس دودھ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دوہنے کے درمیان جمع ہو جاتا ہے واؤ یاء ہو گئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل مکسور ہے۔ اعشی گائے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

حتّی إذا فِیقَةٌ فی ضَرعِها اجتمعتْ　　جاءتْ لِتُرضِعَ شِقَّ النَّفسِ لَوْرَضَعا

یہاں تک کہ اس کی کھیری میں دودھ جمع ہوتا وہ آئی تا کہ نفس کے حصہ کو دودھ پلائے۔

فیقۃ کی جمع فیق ہے پھر اس کی جمع افواق ہے جس طرح شبر کی جمع اشبار ہے پھر اس کی جمع افاویق ہوتی ہے؛ ابن ہمام سلوی نے کہا:

وذَمُّوالنا الدنیا وھُمْ یَرْضَعُونَھا　　أفَاوِیقَ حتّی مایدِرُّلھا ثُعَلُ

وہ ہمارے سامنے دنیا کی مذمت کرتے ہیں جبکہ وہ خود اس کے جمع شدہ دودھ چوستے ہیں یہاں تک کہ ثعل اس کے لیے دودھ نہیں دیتا۔

افاویق اس پانی کو بھی کہتے ہیں جو بادل میں جمع ہو جاتا ہے وہ یکے بعد دیگرے بارش برساتا ہے أفاقت الناقۃ إفاقۃ۔ اونٹنی کی کھیری میں دودھ جمع ہو گیا اس سے اسم فاعل مفیق اور مفیقہ ہے۔ ابو عمرو سے مروی ہے کہ اس کی جمع مفاویق ہے فراء ابو عبیدہ اور دوسرے علماء نے کہا: من فواق ہے یعنی فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی راحت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ طویل ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا جبکہ ہم آپ کے صحابہ کے ایک طائفہ میں تھے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو نفخہ اولی کا حکم دے گا ارشاد فرمائے گا: نفخہ فزع پھونکو تو تمام آسمان و زمین والے خوف زدہ ہو جائیں گے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا وہ اسے پھیلائے گا، اسے دوام دے گا اور اسے طویل کرے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ اور حدیث کو ذکر کیا اسے علی بن معبد اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

مجاہد نے کہا قِطَّنَا کا معنی ہے ہمارا عذاب؛ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے یعنی عذاب میں سے ہمارا حصہ۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جنت میں ہمارا حصہ تا کہ دنیا میں اس سے لطف اندوز ہوں یہی سعید بن جبیر نے کہا: لغت میں یہ معروف ہے کہ

1۔ النہایۃ لابن الاثیر، جلد 3، صفحہ 479

نصیب (حصہ) کو قط کہتے ہیں اور وہ کتاب جو انعام کے لیے لکھی گئی ہو اسے بھی قط کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں قط سے مراد حصہ ہے اسی معنی میں رجسٹری کو قط کہتے ہیں۔ ابوعبید اور کسائی نے کہا: قط سے مراد وہ تحریر ہے جو انعامات کے لیے لکھی گئی ہو اس کی جمع قطوط ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

ولاالمِلكُ النُّعمانُ يومَ لَقِيتُهُ بِغِبْطَتِهِ يُعطِي القُطوطَ وَيَأفِقُ (1)

قطوط سے مراد انعامات کی تحریر ہیں۔ بغبطته کی جگہ بنعمته کے الفاظ ہیں یعنی اپنے احسان کے ساتھ جلیل القدر حالت کے ساتھ یأفق یعنی اصلاح احوال کرتا ہے قط کی جمع میں قططه کہتے ہیں اور جمع قلت اقط اور اقطاط ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ سدی نے کہا: انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ جنت میں ان کی جو منازل ہیں ان کی مثالی شکل دکھائی جائے تا کہ انہیں علم ہو جائے کہ جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: معنی ہے ہمارے رزق ہمیں جلدی دیئے جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمیں وہ چیز جلدی دی جائے جو ہماری ضروریات کے لیے کافی ہو یہ عربوں کے قول قطی سے ماخوذ ہے یعنی یہ میرے لیے کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ بات ان کتابوں کے بارے میں کی تھی جو ان کے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں دی جانی تھیں ان پر یہ قرآن پڑھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فاما من اوتی کتابه بیمینه۔ واما من اوتی کتابه وراء ظهره۔ قط کا اصل معنی کاٹنا ہے اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے قط القلم قط کسی شے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس طرح قَسم اور قِسم ہے اس کا اطلاق نصیب، کتاب اور رزق پر ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر سے الگ ہوتا ہے مگر اس کا اطلاق کتاب (تحریر) میں زیادہ استعمال ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے قوی ہے؛ امیہ بن ابی صلت نے اسی معنی میں یہ شعر کہا ہے:

قَومٌ لهم ساحةُ العِراقِ وما يُجبى إليه وَالقِطُّ والقَلَمُ (2)

وہ ایسی قوم ہیں جن کے لیے عراق کا علاقہ اور جو اس کے لیے اکٹھا کیا جاتا ہے اور ان کے لیے تحریر اور قلم ہے۔

**قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ** ۝ یعنی دنیا میں ہی قیامت سے قبل اگر معاملہ اس طرح ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی جانب سے استہزاء کے طور پر تھا۔

**اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝۱۷**

"(اے حبیب!) صبر کرو ان کی نامعقول باتوں پر اور یاد فرمایئے ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا"۔

جب کفار نے مذاق کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا۔ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے واقعات اور ان کی دشمنی کا ذکر کیا اور سابقہ قوموں کی ہلاکت کا ذکر کر کے انہیں خبردار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اذیتوں پر صبر کا حکم دیا اور جو کچھ پہلے مذکور ہوا اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی، پھر حضرت داؤد علیہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 496 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 83

السلام اور انبیاء کا ذکر شروع کیا تا کہ جن لوگوں نے صبر کیا ان کے صبر سے آپ بھی تسلی پائیں اور آپ کو یہ علم ہو جائے کہ آخرت میں آپ کے لیے کئی گنا اجر ہوگا اس اجر کی بنسبت جو حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو عطاء کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قول پر صبر کیجئے اور ان کے لیے انبیاء کے قصے بیان کیجئے تا کہ وہ قصے آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل بن جائیں۔

ذَاالْاَیْدِ سے مراد ''عبادت میں قوی'' ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ یہ روزہ سب سے مشکل اور سب سے فضیلت والا ہے۔ آپ نصف رات نماز پڑھا کرتے تھے جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو نہیں بھاگا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے میں بڑے قوی تھے۔ عَبْدَنَا کا قول اضافت کے ساتھ شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

اسے الاید اور الآد بھی کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: العیب والعاب شاعر نے کہا:

لَمْ یَكُ یَنَاد فَأَمْسَى انادا۔ وہ لکڑی ٹیڑھی نہیں تھی وہ اب ٹیڑھی ہوگئی۔

اسی سے رجل اید ہے یعنی قوی آدمی۔ تاید الشیء۔ شی قوی ہوگئی اس معنی میں شاعر نے کہا:

إذا القوس وَتَّرهَا أَيِّدٌ رَمَى فَاصَابَ الكُلى وَالذُّرا

شاعر کہتا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اس کی کمان کی تانت کو کسا جو بادلوں میں ہے اور اسے پھینکا تو وہ اونٹوں کے گردوں کو جالگا اور انہیں چربی کے ساتھ موٹا کر دیا۔ مراد اس سے نباتات ہے جو بارش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ضحاک نے کہا: اس کا معنی توبہ کرنے والا (1)۔ اور دوسروں سے مروی ہے کہ جب بھی وہ کسی لغزش کو یاد کرتے یا ان کے دل میں ان کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوتے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں دن اور رات میں سو دفعہ استغفار کرتا ہوں، آب یئوب اس وقت کہتے ہیں جب وہ لوٹ آئے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

وكلُّ ذي غَيْبَةٍ يئوبُ وغائبُ الموت لايئوبُ

ہر غائب لوٹ آتا ہے اور موت کی وجہ سے غائب ہونے والا نہیں لوٹتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا کی طرف لوٹنے والے تھے وہ اس لائق تھے کہ ان کی اقتدا کی جائے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۝۱۸

''ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یُسَبِّحْنَ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے جو وہ برہان اور معجزہ لائے اور اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84

اس کا ذکر فرمایا وہ پہاڑوں کا ان کے ساتھ تسبیح کرنا ہے۔ مقاتل نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہاڑوں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **یُسَبِّحْنَ** کا معنی ہے وہ نماز پڑھتے تھے ہر چیز معجزہ ہوگئی جب لوگوں نے اسے دیکھا اور اسے پہچانا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو خوبصورت آواز دی گئی تھی پہاڑوں میں اس کی وجہ سے جو ہلکی آواز پیدا ہوتی ہے اور پرندے اس کی طرف جو کان لگاتے اور اس کے ساتھ آوازیں نکالتے جو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا کہ آپ کے ساتھ چلیں تو یہ ان پہاڑوں کی تسبیح ہوگی کیونکہ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے اس کے بارے میں گفتگو سورۂ سبا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ** (الاسراء:44) میں گزر چکی ہے۔ اقوال میں سے صحیح ترین قول وہ ہے؛ جو قولی تسبیح ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اشراق سے مراد سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کا سفید ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: شرقت الشمس جب وہ طلوع ہو اشرقت جب وہ خوب روشن ہو جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا: میں اس آیت **بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ** کے پاس سے گزرتا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے آپ نے پانی منگوایا وضو کیا پھر چاشت کی نماز پڑھی فرمایا: ''ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے'' عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صلاۃ الضحی کے بارے میں میرے ذہن میں الجھن سی تھی یہاں تک کہ میں نے اسے قرآن میں پایا **یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ**۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے پھر اسے بعد میں پڑھنے لگے۔ روایت کی گئی ہے کہ کعب الاحبار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سورج کے طلوع ہونے کے بعد ایک نماز پاتا ہوں وہ اوابین کی نماز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں تجھے قرآن دکھاتا ہوں وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے **یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ**۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ چاشت (1) کی نماز نفل اور مستحب ہے (2) یہ دن کے پہلے پہر میں اسی طرح ہے جس طرح دن کے پچھلے پہر میں عصر ہے۔ نماز پڑھنا مناسب نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے بعد سفید ہو جائے اس کا گدلا پن ختم ہو جائے وہ اپنی روشنی کی وجہ سے منور ہو جائے جس طرح عصر کی نماز اس وقت پڑھنا مناسب نہیں جب سورج زرد ہو جائے۔

---

1۔ من صلاۃ الضحی کے الفاظ ہیں جس کا لغوی معنی چاشت کی نماز ہے لیکن جو تعبیر کی گئی ہے وہ اشراق کے نوافل بنتے ہیں جو سورج کے طلوع ہونے کے تقریباً بیس پچیس منٹ بعد پڑھے جاتے ہیں۔ صلاۃ الضحی تو تقریباً دو، اڑھائی گھنٹے بعد پڑھی جاتی ہے۔

2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1625

صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صلاۃ الأوابین حین ترمض الفصالُ اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے گرمی محسوس کرنے لگیں۔ فصال اور فصلان، فصیل کی جمع ہے اس سے مراد اونٹ کا وہ بچہ ہوتا ہے جسے دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ رمضاء سے مراد زمین میں گرمی کی شدت ہے۔ یہاں فصال کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اس وقت گرمی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ابھی گرمی کی شدت انتہاء کو نہیں پہنچتی جس وقت ان کی مائیں گرمی محسوس کرتی ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں قوت برداشت کم ہوتی ہے یہ چاشت کے وقت اور اس کے تھوڑا وقت بعد ہوتا ہے، یہ سورج کے طلوع ہونے اور زوال کے درمیان کا وقت ہوتا ہے؛ یہ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: لوگوں میں سے اس سے کچھ تھوڑا پہلے نماز پڑھتے ہیں کیونکہ انہیں جلدی ہوتی ہے کیونکہ انہیں کوئی مصروفیت ہوتی ہے پس اس وجہ سے عمل میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی کیونکہ وہ ممنوع وقت میں نماز پڑھتا ہے اور وہ ایسا بھی کرتا ہے جو اس کے خلاف چلا جاتا ہے وہ اس کے حق نہیں ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من صلی الضحی ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لہ قصرا من ذھب فی الجنۃ(1) جو چاشت کے بارہ نوافل پڑھے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا ایک محل بنا دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''تمہاری ہڈیوں میں سے چھوٹی ہڈی پر صدقہ ہے پس ہر تسبیح (سبحان اللہ) صدقہ ہے ہر تہلیل (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) صدقہ ہے ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے نہی عن المنکر صدقہ ہے دو رکعتیں ان کے قائم مقام ہو جاتی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھتا ہے''(2)۔

ترمذی نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے چاشت کے دو نفلوں میں مواظبت اختیار کی تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں''(3)۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی، میں اپنی موت تک انہیں نہیں چھوڑوں گا ہر ماہ تین روزے، چاشت کی نماز اور وتر پڑھ کر سونا''(4)۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے: چاشت کے دو نفل ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو درداء سے روایت نقل کی ہے جس طرح امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ یہ سب بحث اس پر دلالت کرتی ہے کہ چاشت کی نماز کی کم سے کم رکعتیں دو ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ماجاء فی صلوٰۃ الضحیٰ، جلد 1، صفحہ 62

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، استحباب الصلوٰۃ الضحیٰ، جلد 1، صفحہ 250

3۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ماجاء فی صلوٰۃ الضحیٰ، جلد 1، صفحہ 63

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، صلوٰۃ الضحیٰ فی الحضر، جلد 1، صفحہ 157

سُلامی کا اصل معنی انگلیوں، ہتھیلیوں اور پاؤں کی ہڈیاں ہیں پھر اس کا استعمال جسم کی تمام ہڈیوں اور جوڑوں میں ہونے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بنی آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے جس نے اللہ اکبر، الحمد للہ، لا إله إلا الله، سبحان الله، أستغفر الله کہا، راستہ سے کوئی پتھر، کوئی کانٹا یا راستہ سے کوئی ہڈی ہٹائی، نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اس نے یہ عمل تین سو ساٹھ کی تعداد کے برابر کیا تو وہ اس روز چلے گا جبکہ اس نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا ہوگا (1)'' ابو توبہ نے کہا: بعض اوقات یمشی کا لفظ ذکر کیا۔ امام مسلم نے اسی طرح نقل کیا ہے ان کا قول ہے ویجزی من ذلك رکعتان یعنی ان اعضاء کی جانب سے ان صدقات کے لیے دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ایک ایسا عمل ہے جس کو جسم کے تمام اعضاء کے ساتھ کیا جاتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جسم کا ہر عضو وہ فریضہ سرانجام دیتا ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ۝

''اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے اور سب ان کے لیے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ''۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً اس کا عطف الجبال پر ہے۔ فراء نے کہا: اگر اسے والطیر محشورۃٌ پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں فعل ظاہر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تو پہاڑ انہیں جواب دیتے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ تسبیح کہتے، ان کا آپ کے پاس جمع ہونا ہی ان کا حشر ہے معنی ہے کہ ہم نے پرندوں کو مسخر کیا کہ وہ آپ کے پاس جمع ہوتے تاکہ وہ آپ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے ہوا کو مسخر کیا تاکہ پرندے ان کے پاس جمع ہوں تاکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں یا ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ پرندوں کو جمع کریں ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کا تابعدار تھا یعنی ان کے پاس آتا اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: لہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ یعنی ہم نے اسے قوی کیا یہاں تک کہ وہ پختہ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ہیبت اور دلوں میں رعب ڈال کر ان کی حکومت کو پختہ کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لشکروں کی زیادتی کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو پختہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تائید اور نصرت کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا؛ یہ ابن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام شان و شوکت کے اعتبار سے سب سے قوی بادشاہ تھے ہر رات ان کی عبادت گاہ کی تیس ہزار سے اوپر لوگ نگہبانی کیا کرتے تھے جب آپ صبح کرتے تو کہا جاتا واپس چلو تم سے اللہ کا نبی راضی ہے۔ ملک کا معنی ملکیت کی زیادتی ہے آدمی کی ملکیت ہوتی ہے مگر اس وقت ملک نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی مملوکہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، ان اسم الصدقۃ، جلد 1، صفحہ 325
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84

چیزیں کثیر نہ ہوجائیں اگر ایک آدمی گھر اور بیوی کا مالک ہوجائے تو وہ اس وقت تک مَلِک نہیں کہلاتا یہاں تک کہ اس کے پاس خادم ہو جو منافع میں تصرف کی ذمہ داری کو کافی ہو جس کا ایک انسان محتاج ہوا کرتا ہے یہ معنی سورۂ براءہ میں گذر چکا ہے اور ملک کی حقیقت سورۂ نمل میں گذر چکی ہے۔

وَ اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ۞ اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ حکومت سے مراد نبوت ہے(1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد عدل ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سنت ہے۔ شریح نے کہا: اس سے مراد علم اور فقہ ہے۔ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ابو عبدالرحمٰن سلمی اور قتادہ نے کہا: قضاء میں فیصلہ ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بیان کلام ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے کہا: اس سے مراد یہ ارشاد ہے البینة علی المدعی والیمین علی من انکر شریح، قتادہ اور شعبی کا قول ہے: ابو موسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا یہ ان کا قول اما بعد ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد کا کلمہ استعمال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ فَصْلَ الْخِطَابِ سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا بیان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کثیر معانی کا قلیل الفاظ میں سمو دینا ہے۔ ان اقوال کے معنی قریب قریب ہیں۔ حضرت علی شیر خدا کا قول اس کو جامع ہے کیونکہ فیصلہ کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول اس سے مختلف ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: جہاں تک علم قضا کا تعلق ہے(2) تیرے معبود کی قسم! یہ علم کی ایک انوکھی قسم ہے اور اس کی مؤکد فصل ہے، یہ احکام کی معرفت اور حلال و حرام کی بصیرت سے الگ ہے حدیث طیبہ میں ہے أقضاکم علی و أعلمکم بالحلال والحرام معاذ بن جبل (3) تم میں سے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علی ہیں اور تم میں سے سب سے زیادہ حلال و حرام کے مسائل جاننے والے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض اوقات ایک آدمی افعال کے احکام کو جانتا ہے حلال و حرام کو پہچانتا ہے وہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا کچھ لوگوں نے شیر کو شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھودا اس میں شیر گر پڑا لوگ اس گڑھے پر اکٹھے ہو گئے اس گڑھے میں ایک آدمی گرا وہ ایک اور آدمی کے ساتھ چمٹ گیا وہ ایک آدمی کے ساتھ چمٹ گیا یہاں تک کہ وہ کل چار آدمی ہو گئے شیر نے انہیں زخمی کر دیا تو وہ ہلاک ہو گئے لوگوں نے اسلحہ تھام لیا قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ ہو جاتی فرمایا: میں ان کے پاس آیا اور میں نے کہا: کیا تم چار آدمیوں کی وجہ سے دو سو آدمیوں کو قتل کرتے ہو آؤ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو تو وہ تمہارے درمیان فیصلہ ہوگا اگر تم وہ فیصلہ ماننے سے انکار کرو تو تم وہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، حضرت علی شیر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 29-28-1627

3۔ سنن ابن ماجہ، باب فضائل خباب رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر 150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خدا نے پہلے کے لیے چوتھائی دیت، دوسرے کے لیے ایک تہائی دیت، تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے کے لیے پوری دیت کا فیصلہ کیا اور تمام دیتیں ان افراد پر لازم کر دیں جنہوں نے وہ گڑھا کھودا تھا اور اسے ان چار قبائل پر تقسیم کر دیا کچھ لوگ راضی ہو گئے اور کچھ لوگ ناراض ہو گئے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات بیان کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا ایک آدمی نے عرض کی: حضرت علی شیر خدا نے ہمارے درمیان ایک فیصلہ کیا ہے، حضرت علی شیر خدا نے جو فیصلہ کیا تھا اسے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فیصلہ تو وہی ہے جو حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کیا ہے''۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اسی طرح المعرفة بالقضاء میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ایک آدمی آیا عرض کی کہ ابن ابی لیلیٰ جو کوفہ کے قاضی تھے نے ایک مجنونہ عورت کو دو حدیں جاری کرتے ہوئے کوڑے مارے جس نے ایک آدمی کو کہا: اے دو بدکاری کرنے والوں کے بیٹے جبکہ وہ عورت کھڑی تھی حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس نے چھ وجوہ سے غلطی کی ہے۔

ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ نے یہ قول بدیہی طور پر کر دیا علماء کے علاوہ کوئی آدمی روایت کو نہیں جانتا۔ جہاں تک حضرت علی شیر خدا کے فیصلہ کا تعلق ہے اس کو تھوڑا علم رکھنے والا نہیں جان سکتا اور احکام میں تجربہ رکھنے والا اس کا ادراک نہیں کر سکتا مگر وہ جو طویل عرصہ تک اس پر اپنی توجہات کو مرکوز کیے ہوئے ہو۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ جو چار مقتول ہیں خطا قتل ہوئے کیونکہ جو لوگ وہاں حاضر تھے ان میں دھکم پیل ہوئی اور جن لوگوں نے اس گڑھے کو کھودا ان پر ان مرنے والوں کی دیت خطا لازم ہو گئی مگر جو پہلا ہے دھکم پیل کی وجہ سے مقتول ہے جس نے تین دوسرے افراد کو کھینچتے ہوئے قتل کیا اس کے لیے قتل ہونے کی وجہ سے دیت ہو گی اور اس پر تین چوتھائی دیت لازم ہو گی ان افراد کی جن کو اس نے کھینچ کر قتل کیا ہے جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے اس کے لیے ایک تہائی دیت ہو گی اور اس پر ان دو افراد کی دو تہائی دیت لازم ہو گی جن دو کو اس نے کھینچ کر قتل کیا۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے اسکے لیے نصف دیت ہو گی اور اس پر بھی نصف دیت ہو گی کیونکہ اس نے ایک آدمی کو کھینچ کر قتل کیا تھا اس طرح ان میں تقسیم ہو گی اور وارث اور عاقلہ جاری قصاص کے بعد اس طرح چٹی بھریں گے یہ بہت عمدہ استنباط ہے۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ کا تعلق ہے تو آپ نے متعلقہ اسباب کو دیکھا تو آپ نے غلطی کی چھ وجوہ کو دیکھا۔

(1) مجنون پر کوئی حد نہیں ہوتی کیونکہ جنون احکام کے مکلف ہونے کے حکم کو ساقط کر دیتا ہے یہ اس وقت ہوتا جب تہمت جنون کی حالت میں لگائی ہو جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جسے کسی وقت جنون لاحق ہوتا ہو اور کسی وقت افاقہ ہوتا ہو تو اسے افاقہ کی حالت میں حد قذف لگائی جائے گی۔ (2) اس کا قول: اے دو بدکاروں کے بیٹے! تو اس کے کوڑے دو حدوں کی صورت میں لگنے چاہئیں تھے ہر اک کی وجہ سے ایک حد جاری ہوئی تھی، امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کے مطابق اسے غلط قرار دیا ہے کیونکہ حد قذف میں تداخل واقع ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس طرح شراب اور بدکاری کی حد ہے جہاں تک امام شافعی اور امام مالک کا تعلق ہے دونوں کی رائے یہ ہے کہ حد قذف یہ بندے کا حق ہے اس وجہ سے

جب وہ افراد متعدد ہیں جن پر تہمت لگائی گئی ہے تو حدیں بھی متعدد ہونگی۔(3) قاضی نے مقذوف کے مطالبہ کے بغیر حد لگائی ہے اور امت کا اجماع ہے کہ حد قذف مطالبہ کے بعد ہی جائز ہے خواہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ دلیل قائم ہو جاتی ہے کہ جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوتا تو مطالبہ پر موقوف نہ ہوگی جس طرح کہ حد زنا ہے۔(4) اس نے پے در پے دو حدیں جاری کیں جبکہ جس پر حدیں واجب ہوں انہیں پے در پے جاری نہیں کیا جاتا بلکہ ایک حد جاری کی جاتی ہے پھر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ زخم مندمل ہو جائیں پھر اس پر دوسری حد جاری کی جائے گی۔(5) اس نے عورت پر حد جاری کی ہے جبکہ وہ کھڑی تھی جبکہ عورت پر حد اس وقت جاری کی جاتی ہے جبکہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور پردے میں ہو۔(6) اس نے مسجد میں حد جاری کی ہے جبکہ مسجد میں حد جاری نہیں کی جاتی جبکہ اس پر اجماع ہے کہ حدود مسجد میں جاری نہیں کی جاتیں۔

مسجد میں فیصلہ کرنے اور تعزیر کرنے میں اختلاف ہے۔

قاضی نے کہا: یہی مفصل خطاب اور علم قضاء ہے حدیث أقضاکم علی کی جو تاویلیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک تاویل کی بنا پر اسی علم کی طرف اشارہ ہے جس نے کہا: اس سے مراد ایجاز ہے۔ تو وہ عربوں کے لیے ہے عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا اسی طرح ایجاز سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا دوسرے عربوں کے لیے نہ ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے: وأوتیت جوامع الکلم(1) مجھے جوامع کلم سے نوازا گیا۔ جس نے کہا: اس سے مراد اما بعد ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اما بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دور جاہلیت میں سب سے پہلے جس آدمی نے یہ لفظ استعمال کیا وہ سحبان بن وائل تھا یہی وہ پہلا شخص ہے جو بعث بعد الموت پر ایمان لایا تھا اور وہی پہلا شخص ہے جس نے عصا پر ٹیک لگائی تھی اور اس کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی اگر یہ درست ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کہا تھا تو وہ عربی زبان میں نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کی اپنی زبان میں ہوگا۔

وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَ لَا تُشْطِطْ وَ اهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّ لِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَ عَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

1۔ مشکوۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

"اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور ان کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا: بے شک اس نے ظلم کیا تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر، اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے"۔

اس میں چوبیس مسائل ہیں۔

**مسئلہ نمبر 1**۔ خصم کا لفظ ایک، دو اور جماعت پر واقع ہوتا ہے(1) کیونکہ اصل میں یہ مصدر ہے۔ شاعر نے کہا:

وَخَصْمٍ غِضَابٍ يَنْفُضُونَ لِحَاهُمُ كَنَفْضِ الْبَرَاذِينِ الْعِرَابِ الْمَخَالِيَا

وہ غصیلے دشمن ہیں وہ اپنی داڑھیوں کو یوں جھاڑتے ہیں جس طرح ترکی و عربی گھوڑے توبروں کو جھاڑتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں خصم سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تَسَوَّرُوا یہ لفظ خصم پر محمول کرتے ہوئے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے اگرچہ جھگڑا کرنے والے دو تھے کیونکہ یہ جمع کے لفظ کے ساتھ ہے اور اس کے مشابہ ہے جس طرح الرکب اور الصحب ہے۔ اس کی تقدیر پر دو کے لیے ذوا خصم ہوگی اور جماعت کے لیے ذوو خصم ہوگی۔

**تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ** وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس آئے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تسور الحائط وہ اس پر چڑھا السور شہر کی فصیل کو کہتے ہیں یہ ہمزہ کے بغیر ہوتی ہے اسی طرح السور ہے یہ سورۃ کی جمع ہے جس طرح بسرۃ کی جمع بسر آتی ہے یہ تعمیر کی ہر منزل کو کہتے ہیں اسی سے سورۃ القرآن ہے کیونکہ یہ بھی ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہوتی ہے جو دوسری سے الگ ہوتی ہے اس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ نابغہ کا قول ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَعْطَاكَ سُوْرَةً تَرَى كُلَّ مَلْكٍ دونها يتذبذب

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مرتبہ عطا کیا ہے تو ہر بادشاہ کو اس مرتبہ سے نیچے متذبذب دیکھے گا۔

اس شعر میں سورۃ سے مراد شرف اور منزلت ہے۔

جہاں تک اس سؤر کا تعلق ہے جو ہمزہ کے ساتھ ہے اس سے مراد برتن میں بچا کچا کھانا ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 85

ابن عربی نے کہا: فارسی زبان میں سؤر سے مراد ولیمہ ہے حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر کہا تھا: ان جابرا قد صنع لکم سؤرا فحی ھلا بکم (1)۔

یہاں محراب سے مراد کمرہ ہے کیونکہ وہ کمرہ میں ہی ان کے پاس آئے تھے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: اس سے مراد صدر مجلس ہے؛ اسی معنی میں مسجد کا محراب ہوتا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ یہاں اذ دو دفعہ آیا ہے کیونکہ یہ دونوں فعل ہیں۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک لما کے معنی میں ہے دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرا اذا اپنے مابعد سے مل کر اپنے ماقبل کا بیان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں انسان تھے؛ یہ نقاشی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے؛ یہ ایک جماعت کا قول ہے۔

ایک جماعت نے ان دونوں کو معین کیا ہے انہوں نے کہا: وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے جو دو انسانوں کی صورت میں تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں، حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کے روز، ان کے پاس بھیجے تھے نگہبانوں نے اندر جانے سے انہیں روکا تھا تو وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس حاضر ہو گئے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو محسوس تک نہ ہوا کیونکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے وہ دونوں ان کے سامنے بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ کا بھی یہی مطلب ہے یعنی وہ اوپر چڑھے اور عبادت والے کمرے کے اوپر سے نیچے اترے؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا۔

اس کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنا بچاؤ کر لیں گے اگر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا تو انہیں کہا گیا: تجھے آزمایا جائے گا تو اس دن کو بھی جان لے گا جس میں تجھے آزمایا جانا ہے تو اپنی احتیاط کر لینا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور لی، عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور کسی کو بھی اندر داخل ہونے سے منع کر دیا اسی اثنا میں کہ وہ زبور پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک پرندہ آیا جو پرندوں میں سے حسین ترین تھا وہ پرندہ آہستہ آہستہ قریب ہونے لگا حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ اس پرندے کو پکڑ لیں وہ مزید آگے ہوا یہاں تک کہ وہ عبادت گاہ کے روشن دان میں جا گرا حضرت داؤد علیہ السلام اس کے قریب ہوئے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ اڑ گیا آپ جھانکے تاکہ اس پرندے کو دیکھیں تو آپ کی نظر ایک عورت پر جا پڑی جو غسل کر رہی تھی جب عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے جسم کو اپنے بالوں سے ڈھانپ لیا۔ سدی نے کہا: وہ عورت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا خاوند اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا غازی تھا جس کا نام اوریا بن حنان تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے مجاہدین کے امیر کو خط لکھا کہ وہ اس کے خاوند کو تابوت اٹھانے والوں میں معین کرے تابوت اٹھانے والوں کو یا تو اللہ تعالیٰ فتح عطا کرتا ہے یا وہ قتل ہو جاتے ہیں امیر نے اسے آگے رکھا تو وہ قتل ہو گیا جب اس عورت کی عدت ختم ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دعوت نکاح دی، اس عورت نے یہ شرط لگائی: اگر اس کا لڑکا ہوا تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کا

1۔ دلائل النبوۃ، باب ما ظہر فی الطعام، جلد 3، صفحہ 426

خلیفہ ہوگا اس نے اس بارے میں باقاعدہ تحریر لکھی اور بنی اسرائیل کے پچاس آدمیوں کو گواہ بنایا تھوڑا وقت بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور وہ جوان ہو گئے اور دو فرشتے دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے ان دونوں کا وہی واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے؛ ماوردی اور دوسرے علماء نے اسے ذکر کیا وہ صحیح (1) نہیں۔ ابن عربی نے کہا: جو کچھ اس بارے میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ مناسب ترین ہے۔

میں کہتا ہوں ترمذی حکیم نے نوادر الاصول میں اس کی ہم معنی مرفوع روایت نقل کی ہے وہ یزید رقاشی سے مروی ہے کہ اس نے حضرت انس بن مالک کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب اس عورت کو دیکھا اور اس سے محبت کرنے لگے تو آپ نے بنی اسرائیل کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور امیر لشکر کو حکم دیا جب دشمن حاضر ہو تو فلاں کو دشمن کے قریب معین کرنا اس آدمی کا نام بھیجا امیر نے اسے تابوت کے قریب معین کیا (2)۔

اس زمانہ میں تابوت کے ذریعے نصرت طلب کی جاتی تھی جسے تابوت کے سامنے رکھا جاتا تو وہ واپس نہیں لوٹتا تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے یا وہ لشکر شکست کھا جائے جس سے وہ برسر پیکار ہے اس آدمی کو آگے رکھا گیا تو اس عورت کا خاوند قتل ہو گیا تو دو فرشتے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، اور تمام واقعہ بیان کیا۔

سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس عورت کے خاوند کی طرف خط لکھا جبکہ وہ بلقاء شہر کے قلعہ میں تھا کہ وہ دروازے کا حلقہ پکڑے اس میں موت احمر تھی وہ آگے بڑھا اور قتل ہو گیا۔

ثعلبی نے کہا علماء کی ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان ایک خطا کے ساتھ لیا کیونکہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کی تمنا کی عرض کی: اے میرے رب! سب بھلائی میرے آباؤ اجداد لے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی انہیں ایسے امتحان میں ڈالا گیا جیسے امتحان میں کسی اور کو نہ ڈالا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان نمرود، آگ اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی صورت میں لیا گیا حضرت اسحاق علیہ السلام کا امتحان ذبح ہونے کی صورت میں لیا گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا امتحان حضرت یوسف علیہ السلام پر غم اور بینائی چلی جانے کی صورت میں لیا گیا تمہارا تو ان میں سے کسی چیز کے

---

1۔ امام قرطبی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اسرائیلیات میں سے ہے ان کی صحت کا کوئی اعتبار نہیں یہ محض افتراء ہے جس طرح امام بیضاوی نے کہا اور یہ روایت ان چیزوں میں سے ہے جو عصمت انبیاء پر قدح کا باعث ہیں ابوحیان نے بہت عمدہ بات کی ہے وہ کہتے ہیں: یہ بات قطعی ہے کہ انبیاء گناہوں سے محفوظ ہیں ان میں سے کوئی چیز انبیاء سے واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ بدیہی بات ہے اگر ہم ان میں سے کسی چیز کو ان پر جائز قرار دیں گے تو شرعی احکام باطل ہو جائیں گے اور جو وہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرتا ہے ہم ان میں سے کسی بات پر بھی اعتماد نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو ذکر کیا ہے ہم اسے اسی پر محمول کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے اور جو قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں اور ان باتوں میں منصب نبوت کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہوگا تو ہم اسے ترک کر دیں گے تحقیق کے مطابق نقاشی کی روایات مطروح ہیں مفسر نے خود بھی بعد میں نحاس کا قول نقل کیا ہے جو ہمارے قول کی تائید کرتا ہے۔

2۔ نوادر الاصول، باب فی ہم الانبیاء الثلاث، صفحہ 186

ساتھ امتحان نہیں لیا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: میرا بھی امتحان لے جس طرح ان کا امتحان لیا اور مجھے بھی وہ مقام عطا کر جو تو نے انہیں مقام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی: تیرا فلاں مہینہ میں جمعہ کے روز امتحان ہوگا جب وہ دن آیا تو آپ عبادت گاہ میں چلے گئے دروازہ بند کر لیا نماز پڑھنے لگے اور زبور کی تلاوت کرنے لگے اسی اثنا میں کہ آپ یہ کام کر رہے تھے کہ شیطان نے ان کے لیے سونے کی کبوتری کی صورت اختیار کی اس میں ہر قسم کا خوبصورت رنگ موجود تھا وہ آپ کے قدموں کے ساتھ ٹھہر گئی آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تا کہ اسے پکڑ لیں اور اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں وہ تھوڑی دور تک اڑ گئی مگر اپنی ذات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو مایوس نہ کیا حضرت داؤد علیہ السلام اس کی طرف بڑھے تا کہ اسے پکڑ لیں تو وہ تھوڑی اور دور چلی گئی حضرت داؤد علیہ السلام اس کے پیچھے ہوئے وہ اڑی یہاں تک کہ وہ روشن دان میں جا گری حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے تا کہ اسے پکڑیں تو وہ اڑ گئی حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر اس کے پیچھے بلند ہو رہی تھی تا کہ اس کے پیچھے کسی کو بھیجیں جو اسے پکڑ لے تو آپ نے ایک تالاب کے کنارے ایک عورت کو غسل کرتے ہوئے دیکھا؛ یہ کلبی کا قول ہے۔

سدی نے کہا: وہ عورت چھت پر بے لباس غسل کر رہی تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے بہت خوبصورت پایا اس عورت نے آپ کا سایہ دیکھا تو اس نے اپنے بالوں کو جھاڑا تو اپنے بدن کو ڈھانپ لیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اور بھی بھلا لگا اس عورت کا خاوند اوریا بن حنان تھا جو ایوب بن صوریا کے ساتھ جنگ میں شامل تھا حضرت ایوب حضرت داؤد علیہ السلام کے بھانجے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت ایوب کی طرف خط لکھا کہ اوریا کو فلاں فلاں جگہ متعین کرے ایوب نے اسے تابوت کے سامنے متعین کر دیا۔ جس آدمی کو تابوت کے سامنے متعین کیا جاتا اس کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا کہ وہ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا شہید ہو جائے۔ ایوب نے اسے آگے رکھا تو اسے فتح نصیب ہوئی تو ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام حالات لکھ بھیجے۔

کلبی نے کہا: اوریا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں اللہ تعالیٰ کی تلوار تھے جب وہ کوئی وار کرتے اور اللہ اکبر کہتے تو حضرت جبریل ان کی دائیں جانب اور حضرت میکائیل ان کی بائیں جانب اللہ اکبر کہتے اور اس کی تکبیر کی وجہ سے آسمان کے فرشتے بھی اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عرش تک جا پہنچتا تو عرش کے فرشتے اس کی تکبیر سے اللہ اکبر کہتے اللہ تعالیٰ کی تلواریں تین تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کالب بن یوفنا، حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اوریا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

جب ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اوریا کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ایوب کو خط لکھا کہ اسے فلاں لشکر میں بھیج دو اور تابوت کے آگے متعین کرو اللہ تعالیٰ نے اس مہم میں بھی آپ کو فتح عطا فرمائی اور تیسری دفعہ وہ شہید ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے عدت ختم ہونے کے بعد شادی کر لی یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے دل میں سوچا کہ وہ ایک دن بغیر کوئی چیز کھائے گذار سکتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ عورتوں کے لیے، ایک حصہ عبادت کے لیے، ایک حصہ بنی اسرائیل کے لیے وہ آپ کے ساتھ مذاکرہ کرتے اور آپ ان کے ساتھ مذاکرہ کرتے وہ آپ کو رلاتے اور آپ ان کو رلاتے تھے اور ایک حصہ فیصلوں کے لیے۔ بنی اسرائیل نے آپ سے گفتگو کی: کیا انسان پر کوئی ایسا دن بھی گذر سکتا ہے جس میں کوئی گناہ نہ کرے حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں خیال کیا کہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں آپ نے عبادت والے دن دروازہ بند کر لیا اور حکم دیا کہ آج ان کی خدمت میں کوئی حاضر نہ ہو آپ نے زبور کی تلاوت میں اپنی توجہات مذکور کر لیں تو سونے کی ایک چڑیا آپ کے سامنے گری اور اسی طرح کا واقعہ ذکر کیا جو پہلے مذکور ہو چکا ہے ہمارے علماء نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے (2) کہ حاکم پر کوئی لازم نہیں کہ ہر روز وہ لوگوں کے لیے متعین کرے اور انسان کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی بیویوں سے وطی کرنا ترک کرے اگرچہ وہ عبادت میں مشغول ہو۔ سورۃ النساء میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کعب الاحبار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں آپ کی موجودگی میں اسی امر کا فیصلہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرمایا: ان لزوجك عليك حقا بے شک بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا جب انہیں خلیفہ بنایا گیا اللہ کی قسم! میں تمہارے درمیان عدل کروں گا اور انشاء اللہ نہ کہا تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ ابوبکر وراق نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنے آپ پر عجب کا اظہار کیا اور کہا: کیا زمین میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ جیسا عمل کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو ان کی طرف بھیجا فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے فرماتا ہے: تو نے اپنی عبادت پر عجب کا اظہار کیا ہے عجب عبادت کو یوں کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اگر تو نے دوبارہ عجب کا اظہار کیا تو میں تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! ایک سال تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دے فرمایا: یہ تو بہت زیادہ عرصہ ہے۔ عرض کی: ایک مہینہ تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: یہ بھی زیادہ عرصہ ہے عرض کی: ایک دن۔ فرمایا: یہ بھی زیادہ ہے۔ عرض کی: یا رب مجھے ایک ساعت کے لیے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: ایک ساعت کے لیے تیرا نفس تیرے حوالے ہے۔ آپ نے معاملہ نگہبانوں کے حوالے کر دیا خود اون کا لباس پہنا اور عبادت گاہ میں داخل ہو گئے زبور اپنے ساتھ رکھ لی اسی اثنا میں کہ وہ عبادت میں مصروف تھے کہ ایک پرندہ آپ کے سامنے آکر بیٹھ گیا تو عورت کا واقعہ ہوا جو ہوا۔

سفیان ثوری نے کہا: ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور التجا کی اے میرے رب! کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر داؤد کے خاندان میں سے کوئی فرد روزے سے ہوتا ہے اور کوئی رات نہیں ہوتی مگر آل داؤد میں سے کوئی تیرے حضور قیام کی حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے داؤد! یہ تیری وجہ سے ہے یا میری وجہ سے ہے میری عزت کی قسم! میں ضرور تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب!

مجھے معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ایک سال تک کے لیے تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دیتا ہوں عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ماہ۔ عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ہفتہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک دن، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! ایک گھنٹہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک لحظہ، شیطان نے کہا: ایک لحظہ کی کیا حیثیت ہے؟ عرض کی: ایک لحظہ کے لیے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لحظہ کے لیے اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا اسے کہا گیا: فلاں دن فلاں وقت میں جب وہ دن آیا تو آپ نے وہ دن عبادت کے لیے خاص کر دیا آپ نے نگہبانوں کو اس مکان کے اردگرد معین کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ تیس ہزار یا تینتیس ہزار تھے۔ اپنے رب کی عبادت کے لیے خلوت گذیں ہو گئے اور اپنے سامنے زبور کو پھیلا دیا ایک کبوتری آئی اور آپ پر آ گری تو اس لمحہ اس عورت کا معاملہ ہوا جو ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ان کی طرف بھیجے ان دونوں نے انبیاء کی مثال پیش کی جب مثال کو سنا تو اپنی خطا یاد آئی حتیٰ کہ چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے جس کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَفَزِعَ مِنْهُمْ آپ ان سے گھبرا گئے کیونکہ دونوں رات کے وقت اس وقت داخل ہوئے جس وقت جھگڑے والے لوگ داخل نہیں ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ اس لیے گھبرائے تھے کیونکہ وہ بغیر اجازت کے داخل ہوئے تھے ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ وہ عبادت گاہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دیوار پھلانگ کر آئے تھے وہ دروازے سے داخل نہ ہوئے تھے۔

ابن عربی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت خانہ اوپر چڑھ کر داخل ہونے سے محفوظ تھا کیونکہ آدمی کسی حیلہ سے بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا مگر اس صورت میں کہ وہ کئی دنوں یا کئی مہینوں تک اس کے لیے تگ ودو کرتا جبکہ اس کے ساتھ کئی مددگار بھی ہوں اور مختلف انواع کے آلات ہوں۔ اگر ہم کہیں کہ وہ محراب کے دروازے سے اس تک پہنچے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خبر دینے کے لیے یہ ارشاد نہ فرماتا تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ کیونکہ جو آدمی سیڑھی کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے اوپر آئے تو اس کے لیے تسور المحراب و الغرفۃ کا لفظ استعمال نہیں کرتے مگر بطور مجاز ایسا کہا جا سکتا ہے جب تو روشن دان کو دیکھے جس سے دو جھگڑا کرنے والے داخل ہوں تو تجھے قطعی طور پر علم ہو جائے گا کہ وہ دونوں فرشتے ہیں کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے اور وہاں تک کوئی عالم بالا کا مکین ہی پہنچ سکتا ہے۔ ثعلبی نے کہا ایک قول یہ کیا گیا ہے: داخل ہونے والے بنی اسرائیل میں سے دو حقیقی بھائی تھے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو ایک فرشتہ نے کہا: اے داؤد! تو نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کیوں نہ کیا۔ پہلی تعبیر زیادہ اچھی ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اکثر اہل تاویل نے بھی یہی کہا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ یہ کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ فرشتے کہیں: خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ یہ تو سراسر جھوٹ ہے اور فرشتے اس قسم کے جھوٹ سے منزہ ہیں۔

اسکا جواب یہ ہوگا: کلام میں تقدیر ضروری ہے گویا دونوں نے کہا: قدرنا کأننا خصمان بغی بعضنا علی بعض ہمارے بارے میں مقدر کیجئے گویا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر بغاوت کی ہے۔ اسی معنی پر ان دونوں کے قول کو محمول کیا جائے گا اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً کیونکہ یہ اگرچہ خبر کی صورت میں تھا مگر مقصود تقدیر میں لانا تھا تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس پر انہیں آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** اگر یہ سوال کیا جائے: حضرت داؤد علیہ السلام کیوں گھبرائے جبکہ وہ نبی تھے جبکہ ان کا نفس نبوت کے ساتھ قوی ہو گیا تھا اور وحی کی وجہ سے مطمئن تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ آپ کو عطا کیا تھا اس پر پورا بھروسہ تھا آپ کے ہاتھوں کئی معجزات ظاہر فرمائے تھے اور شجاعت میں بڑے مقام و مرتبہ پر فائز تھے؟

اسے جواب دیا جائے گا: ان سے قبل کے انبیاء کا طریقہ بھی یہی تھا وہ قتل اور اذیت سے محفوظ نہ تھے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام تو ان سے خوفزدہ ہوئے تھے کیا تم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو نہیں دیکھتے دونوں نے کیسے کہا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۞ (طٰہٰ) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَخَفْ (ہود: 70) فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا: اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ (ہود: 81) اسی طرح دو فرشتوں نے یہاں کہا لَا تَخَفْ محمد بن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتوں کو بھیجا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے جبکہ آپ اپنے عبادت خانہ میں مصروف عبادت تھے ایک ایسی مثال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اور اوریا کے لیے بیان فرمائی آپ نے دونوں کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھا پوچھا کونسی چیز تمہیں میرے پاس لے آئی؟ دونوں نے کہا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔

**مسئلہ نمبر 5۔** ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے آپ نے دونوں کو نکل جانے کا حکم کیوں نہ دیا جبکہ آپ نے آنے کا مدعا جان لیا تھا ان دونوں کو ادب کیوں نہ سکھایا جبکہ دونوں اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے؟۔

اس کا جواب چار طریقوں سے دیا جا سکتا ہے: (1) ہم نہیں جانتے کہ حجاب اور اذن کے کیا احکام تھے جواب اسی کے مطابق ہوگا جیسے احکام ہونگے ہماری شریعت کے آغاز میں اسکے بارے میں واضح احکام موجود نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح کیا۔ (2) اگر ہم حجاب کے احکام پر جواب دینا چاہیں تو یہ احتمال موجود ہے کہ وقتی گھبراہٹ نے آپ کو اس چیز سے غافل کر دیا ہو جو امر اس بارے میں آپ پر واجب تھا۔ (3) آپ نے ارادہ کیا کہ آپ ان کی پوری گفتگو سن لیں جس وجہ سے وہ دونوں داخل ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کی حقیقت سے آپ آگاہ ہو جائیں اور یہ دیکھ لیں کہ کیا بغیر اجازت کے داخل ہونا لازم آتا ہے یا کہ نہیں، کیا اس کے ساتھ ساتھ کوئی عذر بھی ہوا ہے یا ان کے لیے کوئی عذر نہیں آخری صورت حال یہ ظاہر ہوئی کہ یہ تو محض آزمائش اور امتحان تھا اور مثال تھی جو اللہ تعالیٰ نے قصہ میں بیان کرنا چاہی اور یہ ایک ادب تھا جو دعویٰ عصمت واقع ہوا تھا۔ (4) یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مسجد میں ہوا ہو اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کسی کو روکنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ پانچواں قول ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں نے کہا: جب پہرے داروں نے ہمیں اجازت نہ دی تو ہم دیواریں پھلانگ کر پہنچ گئے اور ہمیں ڈر تھا کہ معاملہ ہمارے درمیان سر پٹول کا باعث بن جائے گا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عذر کو قبول کیا اور ان کے قول کی طرف توجہ کی۔

**مسئلہ نمبر 6۔** خَصْمٰنِ اگر یہ سوال کیا جائے کہ خَصْمٰنِ کیسے فرمایا جبکہ اس سے قبل فرمایا تھا اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو دو بھی جمع ہے۔ خلیل نے کہا: جس طرح تو کہتا ہے: نحن فعلنا جب تم دو ہوتے ہو۔ کسائی نے کہا: جب خبر تھی تو جمع کا ذکر کیا جب خبر ختم ہوگئی اور مخاطبہ شروع ہوا تو دونوں نے اپنے بارے میں خبر دی تو کہا: خَصْمٰنِ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے نحن خصمان دوسرے علماء نے کہا: قول محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقول خصمان بغی بعضنا علی بعض۔ کسائی نے کہا: اگر کلام یوں ہو بغی بعضهما علی بعض تو یہ بھی جائز ہوتا۔ ماوردی نے کہا: دونوں فرشتے تھے وہ نہ جھگڑا کرنے والے تھے اور نہ ہی باغی تھے اور نہ ہی ان سے کوئی جھوٹی بات واقع ہوئی تھی (1)۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: إن أتاك خصمان قالا بغی بعضنا علی بعض۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے نحن فریقان من الخصوم بغی بعضنا علی بعض اس بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ خصومت دو افراد کے درمیان ہو اور ہر ایک کے ساتھ ایک جمعیت ہو۔ یہ احتمال بھی موجود ہے ایک فریق کے ہر ایک فرد کی دوسرے فریق کے ہر ایک آدمی کے ساتھ خصومت ہو وہ اپنی اپنی خصومتوں کے لیے حاضر ہوئے ہوں لیکن ان میں سے دو افراد نے آغاز کیا ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام نکاح کے ذکر سے تمام قصہ سے آگاہ ہو گئے ہیں اور اس چیز نے انہیں دوسری خصومات سے مستغنی کر دیا ہے۔ بغی کا معنی تعدی کرنا اور فریضہ سے نکلنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے بغی الجرح۔ جب درد بڑھ جائے اور بہت بڑا ہو جائے اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: بغت المرأة۔ جب وہ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ یعنی ناانصافی نہ کیجئے؛ یہ سدی نے کہا ہے۔ ابو عبید نے کہا: شططتُ علیه واشططت۔ میں نے اس پر ظلم کیا۔ تمیم داری کی حدیث میں ہے انك لشاطی یعنی تو حکم میں مجھ پر ظلم کرنے والا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تو مائل نہ ہو۔ اخفش نے کہا: آپ اسراف سے کام نہ لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ افراط سے کام نہ لیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس کا اصل معنی دور ہونا ہے یہ شَطِتِ الدار سے ماخوذ ہے یعنی گھر دور ہے شطت الدار تَشِط، تَشُط شطا و شطوطا گھر دور ہے اشط فی القضیته۔ اس نے فیصلہ میں ظلم کیا اشط فی السوم و اشتط۔ بھاؤ لگانے میں بہت دور چلا گیا۔ اشطوانی طلبی انہوں نے میری طلب میں بہت کوشش کی۔ ابو عمرو نے کہا شطط کا معنی ہے ہر شے میں حد سے بڑھنا حدیث طیبہ میں ہے لها مهر مثلها لا وکس ولا شطط اس کے لیے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرآن حکیم میں ہے: لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ (الکہف) یعنی ہم نے ظلم کیا اور حق سے بہت بعید بات کی اور ہماری سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی فرما۔ سواء الصراط سے مراد قصد السبیل ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 86

**مسئلہ نمبر 8**۔ اس فرشتہ نے کہا جس نے اوریا کی جانب سے گفتگو کی: یہ میرا دینی بھائی ہے اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ أخی سے مراد میرا ساتھی ہے۔ حضرت حسن بصری نے تسع و تسعون پڑھا ہے۔ یہ شاذ لغت ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت میں یہی صحیح ہے؛ یہی نحاس نے کہا ہے۔ عرب عورت کو کفایة، نعجة اور شاة سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس میں سکون، عجز اور کمزوری پائی جاتی ہے بعض اوقات اسے بقرہ، حجرہ اور ناقہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ سب سواریاں ہیں۔ ابن عون نے اسی حوالے سے کہا:

أنا أبوهنّ ثلاثٌ هُنَّهْ　رابعةٌ فی البیت صُغرا هُنَّهْ

ونعجتی خمسا تُوفّیهِنَّهْ　ألا فتًی سمْحٌ یُغذّیهنَّهْ

طیُّ النّقَا فی الجوع یَطْوِیهِنَّهْ　ویلُ الرَّغیفِ ویلَهُ مِنْهُنَّهْ

عنترہ نے کہا:

یَا شاةَ ماقَنَصٍ لِمن حَلَّتْ لَهُ　حَرُمتْ علیَّ ولیتَها لم تَحْرُمِ

فَبَعَثْتُ جاریتی فقلتُ لها إذْهَبِی　فَتَجَسَّسِی أخبارَها لی وَاعْلَمِ

قَالتْ رَأیتُ مِنَ الأعادی غِرَّةً　والشَّاةُ مُمْکِنَةٌ لِمن هو مُرْتَمِ

فَکَأنَّمَا الْتَفَتَتْ بجِیدِ جِدایَةٍ　رَشَاءٍ مِنَ الغِزْلانِ حُرٍّ أَرْثَمِ

ایک اور شاعر نے کہا:

فَرَمَیْتُ غَفْلَةَ عَیْنِهِ عَنْ شَاتِهِ　فَأَصَبْتُ حَبَّةَ قَلْبِها وطِحَالَهَا(1)

میں نے اس کی آنکھ کو اپنے بیوی سے غافل پایا تو میں اس کے دل کے نقطہ اور اس کی تلی تک جا پہنچا۔

یہ بہت ہی اچھی تعریف ہے کہ عورتوں کو دنبیوں سے تعبیر کیا۔ حسین بن فضل نے کہا: یہ دونوں فرشتوں کی جانب سے تعریض اور تنبیہ ہے جس طرح ان کا قول ہے ضرب زید عمروا جبکہ وہاں مارنے کا کوئی تصور نہ تھا جبکہ وہاں دنبیاں حقیقت میں نہ تھیں گویا یوں کہا: نحن خصمان هذه حالنا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں یہ ہماری حالت ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس کے بارے میں جو بہترین گفتگو کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دو جھگڑا کرنے والے کہتے ہیں: ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے یہ سوال کے انداز میں تھا جس طرح تو کہتا ہے: ایک آدمی ہے جو عورت کو یہ کہتا ہے تو اس مرد پر کیا چیز واجب ہوئی؟

میں کہتا ہوں: امام شافعی کے ایک مقلد المزنی نے اس آیت اور ابن شہاب سے مروی حدیث جو موطا امام مالک میں ہے هو لك یا عبدُ بنَ زَمْعَةَ کی تاویل ایک جیسی کی ہے۔ مزنی نے کہا: میرے نزدیک اس حدیث کا یہ احتمال ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کا جواب دیا اور انہیں حکم سے آگاہ کیا کہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب ایک آدمی صاحب فراش ہونے اور دوسرا بدکار ہونے کا دعویٰ کرے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے عتبہ کے خلاف سعد کا قول قبول کیا اور نہ

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 500

بی زمعہ کے خلاف اس کا قول قبول کیا کہ وہ ولد زنا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک اور شخص کے بارے میں خبر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کسی ایک آدمی کا اقرار کسی دوسرے فرد کے خلاف قبول نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضرت داؤد اور فرشتوں کے قصہ میں اسی کی مثل ذکر کیا ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے کہا: خوف زدہ نہ ہوں وہ جھگڑا کرنے والے ہیں، جبکہ وہ جھگڑا کرنے والے نہ تھے نہ ان میں سے ایک کی ننانوے دنبیاں تھیں لیکن انہوں نے ایک مسئلہ کے بارے میں گفتگو کی تا کہ وہ پہچان لیں جس کی پہچان کرانے کا انہوں نے ارادہ کیا تھا۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ میں سوال کے بارے میں حکم لگایا ہو اگرچہ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حدیث میں اس تاویل پر میری موافقت کرتا ہو کیونکہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ نحاس نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۙ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً انثی اس آیت میں کان اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء) جہاں تک اس آیت میں انثی کا تعلق ہے تو یہ تاکید کے لیے ہے جس طرح یوں کہا جاتا ہے: ھو رجل ذکر یہ بھی تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ کہا جائے ھذہ مأۃ نعجۃ اگرچہ ان میں کچھ تھوڑے سے مذکر بھی ہوں تو یہ کہنا جائز ہوگا، انثی تا کہ یہ معلوم ہو کہ ان میں کوئی بھی مذکر نہیں تفسیر میں ہے اس کی ننانوے بیویاں ہیں۔ ابن عربی نے کہا: اگر وہ ساری آزاد ہوں تو یہ ان کا شرعی حکم ہوگا اگر وہ لونڈیاں ہوں تو یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے ظاہر بات یہ ہے کہ ہم سے قبل شریعتوں میں یہ حکم کسی عدد میں محصور نہ تھا یہ صرف حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کی شریعت میں ہے کیونکہ بدن کمزور ہیں اور عمریں کم ہیں۔

قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے یہ معین عدد نہ ہو بلکہ مقصود ضرب المثل ہو جس طرح تو کہتا ہے: لو جئتنی مأۃ مرۃ لم أقض حاجتك مراد ہے اگر آپ کئی دفعہ آئیں تو تب بھی میں تمہارا کام نہ کروں گا۔

ابن عربی نے کہا: ایک مفسر نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں نہ تھیں یہ ننانوے کا ذکر بطور مثال ہے معنی ہے یہ بیوی سے غنی ہے اور میں بیوی کا محتاج ہوں یہ دو وجوہ سے فاسد ہے: (1) بغیر دلیل کے ظاہر معنی سے عدل کسی بھی حوالے سے درست نہیں اور ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہو کہ ہم سے قبل کی شریعتیں عورتوں کی تعداد کے بارے میں مخصوص حکم دیتی ہوں جس طرح ہماری شریعت میں ہے۔ (2) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات سو عورتوں پر چکر لگاؤں گا ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔

**مسئلہ نمبر 10**۔ وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ یعنی میری ایک بیوی ہے اب اس نے کہا ہے میرے لیے اس سے الگ ہو جا یہاں تک کہ میں اس کی کفالت کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو یہ مجھے دے دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: تو میرے لیے اس سے الگ تھلگ ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اسے میرے حوالے

کر دے تا کہ میں اس کا کفیل بن جاؤں۔ ابن کیسان نے کہا: اسے میرا حصہ بنا دے۔

وَ عَزَّنِيْ وہ مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے اگر یہ گفتگو کرے تو یہ مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اگر یہ جنگ کرے تو مجھ سے زیادہ طاقتور ہے یوں کہا جاتا ہے عَزَّهٗ يَعِزُّهٗ عَزًّا۔ اس پر غالب آ گیا۔ ضرب المثل ہے مَنْ عَزَّبَزَّ۔ جو غالب آیا اس نے مال سلب کر لیا اسی سے اسم عزۃ ہے جس کا معنی قوت اور غلبہ ہے۔ شاعر نے کہا:

قَطَاةٌ عَزَّهَا شَرَكٌ فَبَاتَتْ تُجَاذِبُهٗ وَقَدْ عَلِقَ الْجَنَاحُ

کونج پر پھندا غالب آ گیا اس نے جال کو کھینچتے ہوئے رات گذاری جبکہ پر جکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبید بن عمیر نے وعازنی فی الخطاب قراءت کی جس کا معنی ہے اس نے مجھ پر غلبہ پایا یہ معاذہ سے مشتق ہے جس کا معنی مغالبہ ہے عاذہ، اس پر غلبہ پایا۔ ابن عربی نے کہا: غلبہ کے سبب کے بارے میں اختلاف ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے بیان کے ذریعے مجھ پر غالب پا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی حکومت کی وجہ سے مجھ پر غالب ہے کیونکہ جب یہ اس سے سوال کرے تو وہ اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہمارے شہر میں ایک امیر تھا جسے سیر بن ابی بکر کہتے میں نے اس سے گفتگو کی کہ وہ میرے لیے ایک آدمی سے ضرورت کا سوال کرے اس نے مجھے کہا کیا تجھے علم نہیں کہ حاکم کا کسی کام کا مطالبہ اس کا غضب ہوا کرتا ہے میں نے کہا: جب وہ عدل ہو تو وہ غضب نہیں ہوگا میں اس کے عجمی ہونے، ضرب المثل کے یاد کرنے اور اس کی ذہانت پر متعجب ہوا جس طرح وہ میرے جواب سے متعجب ہوا اور اسے غریب جانا۔

**مسئلہ نمبر 11**۔ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ نحاس نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا تھی کیونکہ آپ نے کہا لَقَدْ ظَلَمَكَ کیونکہ دعویٰ گواہوں سے ثابت نہ ہوا تھا اور نہ ہی خصم کا اقرار ہوا تھا کہ کیا بات اسی طرح ہوئی تھی یا نہ ہوئی تھی۔ یہ ایک بحث ہے۔

اس کے بعد مسئلہ میں اس کی وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ وہ بہت اچھی گفتگو ہوگی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: جہاں تک ان علماء کے قول کا تعلق ہے جس کے قول کو رد نہیں کیا جا سکتا ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ انہوں نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ میرے لیے اپنی بیوی سے الگ ہو جا۔ ابو جعفر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کو عتاب کیا اور اس پر انہیں متنبہ کیا یہ گناہ کبیرہ نہیں۔ جس نے اس کے علاوہ میں گفتگو کی تو بے شک وہ ایسی بات لاتا ہے جو عالم سے صحیح تصور نہیں کی جا سکتی اور اس کی وجہ سے عظیم گناہ بھی لاحق ہوتا ہے اسی کتاب اعراب قرآن میں کہا: اور اپنی کتاب معانی القرآن میں بھی اسی کی مثل کہا۔ کہا: حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کے بارے میں جو قصے اور روایات آتی ہیں ان میں سے اکثر صحیح نہیں اور ان کی سند متصل نہیں جب تک ان کی صحت کی پہچان نہ ہو اس جیسی گفتگو پر جرأت نہیں کرنی چاہیے ☆۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1633

☆ اس واقعہ کے حوالے سے جو بھی روایات مروی ہیں ان کے بارے میں یہی تجزیہ موزوں ہے۔ مترجم

ان روایات میں سے صحیح ترین وہ ہے جسے مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کلام نہیں کی اَكْفِلْنِيْهَا یعنی میرے لیے اس سے الگ ہو جا۔ منہال نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کچھ نہیں کہا اَكْفِلْنِيْهَا یعنی اسے میرے حوالے کر دے اور اسے میرے ساتھ ملا دے (1)۔ ابو جعفر نے کہا: اس بارے میں روایات مروی ہیں ان میں سے سب سے یہ عظیم روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا سے سوال کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ وہ اپنی لونڈی بیچ۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اس پر آگاہ کیا اور اس لیے عتاب فرمایا کیونکہ ان کی ننانوے بیویاں تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ مطالبہ اس لیے ناپسند کیا کہ وہ عورتوں میں اضافہ کے ساتھ دنیا میں مشغول ہو جائیں جہاں تک اس کے علاوہ واقعات کا تعلق ہے اس میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جب وہ عورت آپ کو اچھی لگی تو آپ نے اس کے خاوند کے بارے میں حکم دیا کہ جہاد میں اسے آگے رکھا جائے سب باطل ہے (2) کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام محض اپنی ذاتی غرض سے کسی کا خون بہانے والے نہ تھے صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے کسی ساتھی سے کہا میرے لیے اپنے گھر والے سے لاتعلق ہو جاؤ۔ اور اس بارے میں پختہ عزم کیا جس طرح ایک آدمی دوسرے سے سچی رغبت کے ساتھ کسی ضرورت کا مطالبہ کرتا ہے خواہ وہ ضرورت اہل میں ہو یا مال میں ہو۔

حضرت سعید بن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا تھا میری دو بیویاں ہیں میں تیرے لیے ان میں سے سب سے زیادہ خوبصورت سے الگ ہوتا ہوں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تیرے اہل میں تیرے لیے برکت ڈالے جو فعل ابتداء جائز ہو اس کی طلب بھی جائز ہوتی ہے قرآن حکیم میں ہے کہ ایسی کوئی تصریح نہیں نہ اس کی وضاحت ہے کہ اس مرد کی عصمت کے بعد آپ نے شادی کی ہو نہ یہ تصریح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس عورت سے ولادت ہوئی تھی یہ کس سے روایت کی جاتی ہے اور کس کی سند چلتی ہے کس کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے کوئی آدمی بھی ثقہ لوگوں سے اسے بیان نہیں کرتا۔

سورت احزاب میں ایک نکتہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک عورت حضرت داؤد علیہ السلام کی بیوی بنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: 38) یعنی ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت سے شادی کی تھی جس کو آپ نے دیکھا تھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی مگر حضرت زینب سے شادی اس کے بغیر ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کے خاوند سے جدائی کا مطالبہ کیا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ فضیلت ان فضائل عالیہ کی طرف

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 87
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 37-1636

منسوب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔

لیکن یہ بات کی جاسکتی ہے سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (احزاب: 388) کا معنی یہ ہو کہ انبیاء نے ان عورتوں سے مہر کے بغیر شادیاں کی ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو انبیاء کے حضور پیش کیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وہ طبقہ ہے جو نکاح اور دوسرے معاملات اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی بجا آوری میں کرتے ہیں؛ یہ قول صحیح ترین ہے۔

مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سو عورتوں سے شادی کی یہ قرآن کی نص ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

طبری نے احکام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ میں بیان کیا ہے، محققین جو انبیاء کے بارے میں گناہ کبیرہ سے پاک ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت کو دعوت نکاح دی جس کو ایک اور آدمی نے دعوت نکاح دی تھی جو ''اوریا'' تھا اس عورت کے رشتہ داروں نے حضرت داؤد علیہ السلام میں رغبت اور پہلے مرد سے اعراض کی وجہ سے اس عورت کی شادی آپ سے کردی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا آپ کے لیے ممکن تھا کہ آپ اس سے آگاہی حاصل کرتے تو اس رغبت سے اعراض کرتے اور اس رغبت سے اعراض کرتے، اس دعوت نکاح سے اعراض کرتے مگر آپ نے ایسا نہ کیا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ عورت آپ کو اچھی لگی تھی یا تو کسی نے اس کے اوصاف بیان کیے تھے یا بغیر ارادہ کے مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کثیر بیویاں تھیں دوسرے دعوت نکاح دینے والے کی کوئی بیوی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے دیوار پھلانگ کر اندر آنے سے اس امر پر آپ کو آگاہ کیا اور انہوں نے جو مثال بیان کی بطور تعریض حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر آگاہ کیا تا کہ اس کے واسطہ سے وہ عتاب کے موقع کو پہچان لیں اور اس طریقہ سے ہٹ جائیں اور اس چھوٹے گناہ سے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔

**مسئلہ نمبر 12۔** قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ اس جھگڑے میں ایک فریق کی گفتگو سننے اور دوسرے کی گفتگو سننے سے قبل فتویٰ دے دیا اس قول کا ظاہر مفہوم یہی ہے (1)۔

ابن عربی نے کہا: یہ طریقہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، کسی ملت میں جائز نہیں اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں تقدیر کلام یہ ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا اور دوسرے نے دعویٰ کو تسلیم کرلیا تو اس کے بعد فتویٰ واقع ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا جلس الیک الخصمان فلا تقض لأحدهما حتی تسمع من الآخر۔ (2) جب تیرے پاس دو جھگڑے والے آئیں تو آپ کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کریں یہاں تک کہ آپ دوسرے کی بات سنیں۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1637

2۔ سنن ابی داؤد، باب کیف القضاء، روایت بالمعنی، حدیث نمبر 3111، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جامع ترمذی، باب ماجاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین، حدیث نمبر 1252، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے کے حق میں فیصلہ نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرے فریق نے اعتراف نہیں کر لیا (1)۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے لقد ظلمك إن كان كذالك اگر معاملہ اس طرح ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا۔
میں نے کہا: ان دونوں توجیہات کا ذکر قشیری، ماوردی اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ قشیری نے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ خصم کا کلام سنے بغیر فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ یہ کہنا ممکن ہے: آپ نے یہ بات دوسرے فریق کی گفتگو سننے اور اس کے اعتراف کے بعد فیصلہ کیا ہو یہ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کی روایت ثابت نہیں یہ قرائن حال سے مفہوم ہے۔ یا یہ ارادہ کیا ہو اگر بات اس طرح ہو جس طرح تو کہتا ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا آپ نے یہ قول کر کے اس کو خاموش کرایا ہو اور اسے صبر کی تلقین کی تا کہ دوسرے فریق سے بات پوچھ لیں۔ کہا: یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ کہا جائے ان کا قانون یہ ہو جب مدعی علیہ خاموش ہو جائے تو مدعی کے قول پر اعتماد کیا جائے جب قول کا انکار ظاہر نہ ہو۔

حلیمی ابو عبد اللہ نے کتاب منہاج الدین میں کہا: وہ نعمت جس کا انتظار ہو جب وہ حاضر ہو یا پوشیدہ ہو تو ظاہر ہو جائے تو اس کے شکر میں حکم آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنا ہے۔ کہا: اس میں اصل وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۔۔۔ وَ حُسْنَ مَاٰبٍ۝ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دی آپ نے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے مظلوم بننے والے فرد کی گفتگو سنی اور یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کسی دوسرے سے سوال کیا یہ بیان کیا کہ اس نے ظلم کیا ہے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آپ نے گفتگو کرنے والے میں کمزوری کی علامات دیکھیں تو آپ نے اس کے معاملہ کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ مظلوم ہے جس طرح وہ کہتا ہے اس چیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس طرف دعوت دی کہ آپ خصم سے نہ پوچھیں تو آپ نے جلدی کرتے ہوئے اسے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ جبکہ یہ امکان تھا کہ اگر آپ اس سے پوچھتے تو وہ کہتا: میری سو دنبیاں تھیں اور اس کی کوئی چیز نہ تھی اس نے میری ایک دنبی چوری کی تھی۔ جب میں نے وہ دنبی اس کے پاس پائی تو میں نے اسے کہا: اسے میری طرف لوٹا دو میں نے اسے اَكْفِلْنِيْهَا نہیں کہا اسے علم تھا کہ میں یہ مسئلہ آپ کی بارگاہ میں پیش کروں گا تو قبل اس کے کہ میں اسے آپ کے پاس لاتا یہ مجھے آپ کے پاس کھینچ کر لے آیا ہے اور میرے حاضر کرنے سے پہلے یہ مظلوم بن کر آ گیا ہے تا کہ آپ یہ گمان کریں کہ یہ حق پر ہے اور میں ظالم ہوں جب حضرت داؤد علیہ السلام نے گفتگو کی جس گفتگو پر جلد بازی نے آپ کو مجبور کیا تھا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لمحہ اسے اور اس کے نفس کو آزاد چھوڑ دیا تھا وہ وہی آزمائش تھی جس کا ہم نے ذکر کیا اور یہ امر ان کی ایک لغزش سے ہوا تھا تو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے کہ اس نے انہیں محفوظ رکھا کہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں ظالم ہونے کے قول پر اکتفا کیا اس سے بڑھ کر انہیں جھڑکنا، مارنا وغیرہ کا عمل نہیں کیا جو اس کے مناسب تھا جو دل میں سوچتا ہے کہ واقعی وہ ظالم ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطی معاف کر دی پھر عتاب کے انداز میں اس کی طرف توجہ کی فرمایا: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

1۔ المستدرک للحاکم، باب استمام بیان الخصمین واجب علی القاضی، جلد 4، صفحہ 93

اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت آموز قصہ بیان کیا جسے مغفرت کے بعد انہوں نے پہچانا تھا کہ خطا حکم میں تقصیر اور اس آدمی کو ظالم قرار دینے میں جلدی کرنے میں تھی جس کا ظلم ان کے نزدیک ثابت نہ تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع میں سجدہ کیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدہ شکر انبیاء علیہم السلام کی سنت متواترہ ہے۔

بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے سوال سے ھاء ضمیر کو گرا دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ (حم السجدہ: 49) اس میں یہ دعائه الخیرتھا۔

**مسئلہ نمبر 13۔** وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ، خلیط کی جمع خلطاء ہے مگر طویل کی جمع طولاء نہیں کہتے کیونکہ واؤ پر حرکت ثقیل ہے اس میں دو توجیہیں ہو سکتی ہیں: (1) وہ دونوں ساتھی تھے (2) وہ دونوں شریک تھے (1)۔

میں کہتا ہوں: خلطاء کا اطلاق شرکاء پر بہت ہی بعید ہے، علماء نے خلطاء کی صفت میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر علماء نے ذکر کیا ہے یہ ایک آدمی اپنا ریوڑ لائے، ان سب کو ایک چرواہا، ایک ڈول اور چراگاہ جمع کرے۔ طاؤس اور عطا نے کہا: خلطاء، شرکاء ہی ہوتے ہیں، یہ حدیث کے خلاف ہے وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یُجْمَعُ بین مفترق ولا یُفَرَّق بین مجتمع خشیة الصدقه وما کان من خلیطین فانهما یترا جعان بینهما بالسویة (2) صدقہ کے ڈر سے جو الگ الگ کی ملکیت ہیں ان کو جمع نہیں کیا جائے گا اور جو ایک کی ملکیت ہیں ان کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا جو دو خلیطوں کی ہیں ان پر برابر حکم ہوگا۔ روایت بیان کی گئی: فانهما یترادان الفضل۔ جبکہ شریکوں میں زائد چیز کو لوٹانے کا کوئی محل نہیں اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔ خُلطه کے احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ امام مالک، آپ کے اصحاب اور علماء کی ایک جمعیت کا نقطہ نظر ہے اس آدمی پر زکوٰۃ نہیں جس کے حصہ میں اتنا مال نہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ربیع، لیث اور علماء کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی ہیں: جب تمام مال اتنا ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو ان سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ امام مالک کا کہنا ہے: اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا ان سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے تو وہ آپس میں اسے باہم حصہ کے مطابق تقسیم کریں گے کیونکہ اس میں اختلاف ہے یہ بھی حاکم کے اس حکم کی طرح ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہو۔

**مسئلہ نمبر 14۔** لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وہ تعدی کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ یعنی وہ صالحین تھوڑے ہیں یہاں ما زائدہ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما، الذین کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قلیل الذین هم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دعا میں یہ کہتے ہوئے سنا: اللھم اجعلنی من عبادك القلیل اے اللہ! مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: یہ دعا کیسی ہے تو اس آدمی نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 88

2۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، لایجمع بین مفترق ولا یفرق بین مجتمع، جلد 1، صفحہ 195

ھُمْ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمام لوگ تجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

**مسئلہ نمبر 15**۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ یعنی ہم نے اسے آزمایا(1) وَظَنَّ کا یہاں معنی ہے اسے یقین ہوگیا۔ ابو عمرو اور فراء نے کہا: ظن، أیقن کے معنی میں ہے مگر فراء نے یہ وضاحت کی ہے جس چیز کو آنکھوں سے دیکھا جارہا ہو اس میں ظن، یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ قراءت نون کی تشدید کے ساتھ ہے تاء مشدد نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فَتَنَّاهُ پڑھا ہے یہ مبالغہ کے لیے ہوگا۔ قتادہ، عبید، ابن عمیر اور ابن سمیقع نے فتناہ پڑھا ہے۔ علی بن نصر نے ابو عمرو سے اسی طرح روایت کی ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

**مسئلہ نمبر 16**۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے مسجد میں دونوں کے درمیان فیصلہ کیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھا اور ہنس دیا، حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ نہ سکے دونوں نے پسند کیا کہ ان دونوں کو پہچان کرائیں تو دونوں ان کے سامنے آسمان میں بلند ہو گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا ہے اور اس آزمائش پر حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کر دیا۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو مسجد میں فیصلہ پر دلالت کرتی ہو مگر یہ آیت دلالت کرتی ہے جو آدمی یہ کہتا ہے کہ مسجد میں فیصلہ کرنا درست ہے وہ اسی آیت سے استدلال کرتا ہے امام شافعی جس طرح کہتے ہیں اس طرح اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضرت داؤد علیہ السلام انہیں وہاں نہ ٹھہراتے بلکہ ارشاد فرماتے: فیصلہ کی جگہ چلو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء مساجد میں فیصلہ کرتے۔ امام مالک نے فرمایا: مسجد میں فیصلہ قدیمی معاملہ ہے(2) یعنی بہت سے امور میں ایسا کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد کے صحن میں قاضی بیٹھے تاکہ کمزور، مشرک اور حائضہ عورت وہاں تک پہنچ سکے اس میں حدود قائم نہ کرے تھوڑی بہت تنبیہ میں کوئی حرج نہیں۔ اشہب نے کہا: وہ اپنے گھر میں اور جہاں چاہے فیصلہ کرے۔

**مسئلہ نمبر 17**۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خلفاء خود فیصلے کیا کرتے تھے۔ امراء میں سے سب سے پہلے جس نے فیصلہ کرانا چاہا وہ حضرت امیر معاویہ تھے۔ امام مالک نے کہا: قاضیوں کو چاہیے کہ علماء سے مشورہ لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: وہ فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ گذشتہ قاضیوں کے آثار سے آگاہ نہ ہو، اصحاب رائے سے مشورہ لے، حلیم، پاکدامن ہو کہا: وہ متقی ہو۔ امام مالک نے کہا: مناسب یہ ہے کہ وہ بیدار مغز ہو، حیلوں بہانوں سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، وہ شروط سے واقف ہو، جتنی عربی کے بغیر چارہ نہ ہو اتنا اسے جانتا ہو کیونکہ عبارات، دعوں، اقرار، شہادت جو محکوم علیہ کے حقوق کو متضمن ہوان کے مختلف ہونے سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وہ مطلوب کو حکم نافذ کرنے سے پہلے کہے: کیا تیری کوئی دلیل باقی ہے۔

اگر وہ کہے کہ کوئی دلیل باقی نہیں تو وہ اس پر حکم لگا دے وہ حکم کے نفاذ کے بعد کوئی دلیل قبول نہیں کرے گا، مگر اس صورت میں کہ اس کی کوئی وجہ ہو یا دلیل ہو۔ قضا اور قاضیوں کے احکام جو ان کے حق میں ہیں یا خلاف ہیں کسی اور جگہ مذکور ہیں۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 88

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1638

**مسئلہ نمبر 18۔ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ** مفسرین نے اس خطا کی تفسیر میں اختلاف کیا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام نے مغفرت طلب کی تھی انہوں نے کہا: اس کی چھ صورتیں ہیں:

1۔ آپ نے اس عورت کو دیکھا یہاں تک کہ سیر ہوئے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان کی آزمائش دیکھنا ہی تھی۔ ابو اسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے عورت کو ارادۃً نہیں دیکھا تھا لیکن نظر دوبارہ اس کی طرف لوٹ گئی۔ پہلی نظر ان کے حق میں رہی اور دوسری نظر ان کے خلاف ہوئی۔

2۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تابوت کے حملہ میں اس عورت کے خاوند کو جنگ میں بھیجا (2)۔

3۔ انہوں نے یہ نیت کی تھی اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے (3)۔

4۔ اوریا نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تھی جب وہ کہیں چلا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تو اس عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جلالت شان کی وجہ سے آپ سے شادی کر لی، اوریا اس وجہ سے غمگین ہوا۔ الله تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر عتاب کیا کہ آپ نے اس کے منگیتر کے لیے اسے کیوں نہ چھوڑا جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں پہلے سے ننانوے بیویاں تھیں۔

5۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کے قتل پر ایسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا جس طرح آپ اس وقت پریشانی کا اظہار کرتے تھے جبکہ کوئی لشکر میں سے آدمی قتل ہوتا، پھر اس کی بیوی سے شادی کر لی الله تعالیٰ نے اس وجہ سے انہیں عتاب کیا، کیونکہ انبیاء کے گناہ اگرچہ چھوٹے ہوں تب بھی وہ الله تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتے ہیں۔

6۔ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ہی فیصلہ کر دیا تھا۔

قاضی ابن عربی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ایک فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا تو یہ بات انبیاء کے بارے میں کہنا جائز نہیں اسی طرح اس کے خاوند کو قتل کے لیے پیش کرنا بھی صحیح نہیں (4)۔

جہاں تک اس آدمی کے قول کا تعلق ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھا اور جی بھر کر دیکھا تو میرے نزدیک یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں کیونکہ نظر کا سرکش ہونا ان اولیاء کے حق میں مناسب نہیں جو عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں تو ان انبیاء کے حق میں کیسے جائز ہے جو الله تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور غیب کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

سدی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: اگر میں نے کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے کسی حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا کیونکہ عام انسانوں پر تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے اور انبیاء پر تہمت لگانے والوں کے لیے ایک سو ساٹھ کوڑے ہوں گے؛ اسے ماوردی اور ثعلبی نے بھی ذکر کیا ہے۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1638
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 39-1638

ثعلبی نے کہا: حرث اعور نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اس انداز میں بیان کیا جس طرح قصہ گو آدمی بیان کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا، کیونکہ اس نے اس ہستی جس کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے، اپنی مخلوق میں سے جس پر راضی ہوا ہے تو اسے دونوں جہانوں کے لیے رحمت اور مجتہدین کے لیے حجت بنایا ہے، اس ہستی پر اس نے تہمت لائی ہے تو اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ روایت ان میں سے نہیں جو حضرت علی شیر خدا سے صحیح منسوب ہے(1) اگر یہ سوال کیا جائے: تمہارے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟۔

ہم کہتے ہیں: جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو یہ کہے: نبی نے بدکاری کی ہے، تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس نے اس سے کم درجہ کا جرم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جیسے دیکھنا اور ہاتھ سے چھونا ہے تو لوگوں سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں: اگر ایک آدمی آپ کے بارے میں قطعی رائے کا اظہار کرے اور اس امر کو ان کی طرف منسوب کرے تو میں اسے قتل کر دوں گا، کیونکہ یہ اس تعزیر کے خلاف ہے جس کا حکم کیا گیا ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کی نظر ایسی عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور ننگی تھی۔ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے بال بکھیر لیے اور اپنے جسم کو ڈھانپ لیا۔ اجماع امت کے ساتھ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پہلی نظر نے ان کے لیے دیکھی جانے والی چیز کو ظاہر کیا اسے دیکھنے والا گناہ گار نہ ہوگا۔ جہاں تک دوسری نظر کا تعلق ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے یہ نیت کی تھی کہ اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ آپ نے اسے موت کے لیے پیش نہیں کیا۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے اوریا کی دعوت نکاح کے بعد دعوت نکاح دی تو یہ باطل ہے۔ قرآن اور تمام تفسیری آثار اس کو رد کرتے ہیں۔

اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ جو کبوتری آئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب گری وہ سونے کی تھی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دیکھا تو وہ آپ کو بھلی لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اٹھے تاکہ اسے پکڑ لیں وہ ہاتھ بھر ہی دور تھی پھر آپ نے یہ عمل دو دفعہ کیا پھر وہ اڑ گئی آپ کی نظر اس کے پیچھے گئی تو آپ کی نظر اس عورت پر جا پڑی جبکہ وہ عورت غسل کر رہی تھی اور اس کے لمبے بال تھے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ چالیس دن تک سجدہ ریز رہے یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک پرندہ آپ کے پاس داخل ہوا آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا آپ نے اس کا پیچھا کیا تو یہ عبادت کے منافی نہیں کیونکہ اس کا کرنا مباح ہے خصوصاً وہ چیز حلال ہو اور حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔ آپ نے اس کا پیچھا اس پرندے کی ذات کی وجہ سے کیا تھا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں کیا تھا کیونکہ خوبصورتی میں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1639

آپ کے لیے کوئی نفع نہ تھا۔ مفسرین کا پرندے کے حسن کا ذکر کرنا یہ جہالت میں اختراع ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ پرندہ سونے کا تھا آپ نے اس کا پیچھا کیا تا کہ اسے پکڑلیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس طرح صحیح میں مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ننگے غسل کر رہے تھے تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں (1) آپ ان سے چلو بھرنے لگے اور اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے ایوب! کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں میرے رب! لیکن تیری برکت سے بے نیاز نہیں''۔

قشیری نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑیں تا کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں تو وہ پرندہ اڑ گیا اور کمرے کے روشن دان میں جا گرا؛ یہ ثعلبی کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 19**۔ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ وہ سجدہ میں گر گئے سجود کو رکوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاعر نے کہا:

فخرّ علی وَجهِهِ رَاكِعًا وتاب إلى الله مِنْ كُلِّ ذنب (2)

وہ منہ کے بل سجدہ میں گر گیا اور اس نے ہر گناہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔

ابن عربی نے کہا: علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں رکوع سے مراد سجدہ ہے (3) کیونکہ سجود سے مراد مائل ہونا اور رکوع سے مراد دہرا ہونا ہے، ان میں سے ایک دوسرے میں داخل ہے لیکن بعض اوقات ان میں سے ہر ایک اپنی نیت کے ساتھ خاص ہوتا ہے، پھر یہ ایک دوسرے کے نام کے ساتھ واقع ہوا ہے اور سجود کو رکوع کا نام دیا ہے۔

مہدوی نے کہا: ان کا رکوع میں سجدہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا سجود رکوع تھا۔ مقاتل نے کہا: وہ اپنے رکوع سے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے، یعنی جب آپ نے معاملہ کو محسوس کیا تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے پھر رکوع سے سجدہ میں گرے کیونکہ دونوں دوہرا ہونے پر مشتمل ہیں۔

وَ اَنَابَ یعنی اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے۔ حسین بن فضل نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن طاہر (جو والی تھا) نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ خَرَّ رَاكِعًا کے بارے میں پوچھا: کیا رکوع کرنے والے کو خر سے تعبیر کرتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ پوچھا: اس آیت کا معنی کیا ہے؟ میں نے کہا: اس کا معنی ہے پہلے رکوع میں تھے پھر سجدہ کیا۔

**مسئلہ نمبر 20**۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ میں اختلاف کیا گیا ہے، کیا یہ ان فرائض سے ہے جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے یا نہیں؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ○ کی تلاوت کی جب سجدہ تک پہنچے تو نیچے اترے سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ایوب إذ نادی ربه أنی مسنی الضر، جلد 1، صفحہ 480

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 40-1639

اس کی قراءت کی تو پھر سجدہ کے لیے تیار ہوئے (1) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ ایک نبی کی توبہ تھی لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم نے سجدہ کا ارادہ کیا ہے'' آپ اترے اور سجدہ کیا؛ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں (2)۔

بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: سورۂ ص کا سجدہ قرآن کے فرائض میں سے نہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: ''ص'' کا سجدہ ایک نبی کی توبہ تھی اور آپ اس میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ ایک نبی اور تمہارے نبی کی توبہ ہے؛ جن کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ سجدہ کی جگہ نہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا تو ہم نے آپ کی اقتدا کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ سجود کا معنی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اور اپنی خطا سے توبہ کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ جب کوئی اس میں سجدہ کرے تو اسی نیت سے اس میں سجدہ کرے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اتباع کے واسطہ سے اس کے گناہ بخش دے۔ یہ مسئلہ برابر ہے کہ ہم کہیں کہ ہم سے قبل کی شریعت ہمارے لیے شریعت ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو ہر امت میں ہر ایک کے لیے مشروع ہے۔

**مسئلہ نمبر 21**۔ ابن خویز منداد نے کہا: وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ میں یہ دلیل موجود ہے کہ اکیلا سجدہ شکر جائز نہیں کیونکہ اس کے ساتھ رکوع کا ذکر موجود ہے جو جائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ شکرانہ کے طور پر دو رکعت نماز پڑھے۔ جہاں تک اکیلے سجدہ کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بشارتیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد ائمہ کو بھی آتی رہی تھیں۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ نبیوں نے سجدہ شکر کیا ہو۔ اگر اس پر عمل ہوتا تو ظاہر طور پر عمل ہوتا کیونکہ عام لوگوں کو اس کی حاجت تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ قربت تھی۔

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جس روز آپ کو ابوجہل کے مرنے کی بشارت دی گئی (3)۔ ابوبکرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تک اگر کوئی ایسا امر پہنچتا جو آپ کو خوش کرتا تو شکر بجالاتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے (4)؛ یہ امام شافعی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 22**۔ امام ترمذی اور دوسرے علماء نے روایت کیا کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حاجت کی نماز پڑھتا اور ایک درخت کی اوٹ لیتا وہ پڑھا کرتا صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ۝ جب سجدہ تک پہنچتا تو سجدہ کرتا اور اس کے ساتھ درخت بھی سجدہ کرتا۔ اس صحابی نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے ساتھ میرے اجر کو بڑا کر دے اور اس کے بدلے میں شکر کی توفیق نصیب فرما (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1640
2۔ سنن ابی داؤد، باب السجود، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 200، ایضاً، حدیث 1201
3۔ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی الصلاۃ والسجدۃ عند الشکر، حدیث 1380، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1383۔ ایضاً ابوداؤد، باب فی سجود الشکر، 2393، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
5۔ سنن الترمذی، باب ما یقول فی سجود القرآن، حدیث نمبر 528، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں نے کہا: ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا عرض کی: میں نے آج رات وہ دیکھا ہے جو سونے والا دیکھتا ہے گویا میں ایک درخت کے تنے کے پاس نماز پڑھتا ہوں میں نے آیت سجدہ پڑھی تو میں نے سجدہ کیا تو میرے سجدہ کی وجہ سے درخت بھی سجدہ ریز ہوگیا۔ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس کے وسیلہ سے مجھ سے گناہ کو دور کردے، اس کے بدلہ میں میرے لیے اجر لکھ دے، اپنے ہاں میرے لیے ذخیرہ بنادے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے آیت سجدہ کو پڑھا اور سجدہ کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں اس قسم کے کلمات کہتے ہوئے سنا جو اس آدمی نے درخت کے کلمات بتائے تھے☆؛ ثعلبی نے اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا میں درخت کے نیچے ہوں اور درخت سورۂ ص کی تلاوت کر رہا ہے جب وہ آیت سجدہ تک پہنچا تو اس میں درخت نے سجدہ کیا تو میں نے اسے سجدہ میں کہتے ہوئے سنا: میرے لیے اس کے بدلے میں اجر لکھ دے، اس کی وجہ سے مجھ سے گناہ کو اتار دے، اس کے بدلہ میں مجھے شکر کی توفیق نصیب فرما، اسے مجھ سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داؤد کے سجدہ کو قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ''اے ابوسعید! تو نے سجدہ کیا''؟ میں نے عرض کی: نہیں یارسول اللہ! فرمایا: ''تو درخت کی بنسبت سجدہ کرنے کا زیادہ مستحق تھا''۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ص کی تلاوت کی یہاں تک کہ سجدہ تک پہنچے اور سجدہ کیا پھر اس کی مثل کہا جس طرح درخت نے کہا تھا۔

**مسئلہ نمبر 23**۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ یعنی ہم نے اس کا گناہ بخش دیا (2)۔ ابن انباری نے کہا: فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ پر وقف تام ہے پھر تو وَ اِنَّ لَهٗ سے کلام شروع کرے گا۔ قشیری نے کہا: فَغَفَرْنَا لَهٗ پر عطف کرنا جائز ہے پھر ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ سے تو ل کر شروع کرے گا جس طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِیْنَ یعنی امر یہ ہے۔

عطا خراسانی اور دوسری علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز سجدہ ریز رہے (3) یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کے اردگرد کھیتی اگ گئی اور آپ کے سر کو ڈھانپ لیا اور یہ ندا کی گئی کہ کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھلا یا جائے۔ کیا تو ننگا ہے کہ تجھے پہنایا جائے تو آپ نے ایک آہ بھری تو گھاس آپ کے پیٹ کی گرمی سے خشک ہوگئی تو آپ کو بخش دیا گیا اور اس پر پردہ ڈال دیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ میرے اور تیرے درمیان گناہ تھا جسے تو نے بخش دیا ہے تو فلاں فلاں کا کیا بنے گا؟ آپ نے بنی اسرائیل کے لوگوں کا ذکر کیا جس کی اولادوں کو میں نے یتیم چھوڑا اور ان کی بیویوں کو بیوہ چھوڑا؟ فرمایا: اے داؤد! قیامت کے روز کوئی ظلم مجھ سے تجاوز نہیں کرے گا جس پر میں نے تجھے اختیار دیا پھر میں تجھے

---

1۔ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، ذکر مایدعو المرء بہ فی سجود التلاوۃ فی صلوتہ، جلد 6، صفحہ 473

2۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 178

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89

☆ سنن ابن ماجہ، باب سجود القرآن، حدیث نمبر 1042، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس کے بدلے میں جنت کا ثواب دوں گا عرض کی: اے میرے رب! اس طرح تو مغفرت آسان ہو جائے گی پھر کہا جائے گا: اے داؤد! اپنے سر کو اٹھاؤ وہ اپنا سر اٹھانے کی کوشش کریں گے تو وہ زمین سے چمٹ چکا ہو گا جبریل امین تشریف لائیں گے اور زمین سے الگ کریں گے جس طرح درخت سے اس کی گوند کو الگ کیا جاتا ہے؛ اسے ولید بن مسلم نے ابن جابر سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں۔

ولید نے کہا مجھے منیر بن زبیر نے خبر دی ہے کہ آپ کی سجدہ گاہیں زمین کے ساتھ چمٹ چکی تھیں جتنے عرصہ تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا ولید نے کہا ابن لہیعہ نے کہا آپ اپنے سجدہ میں کہا کرتے تھے: تو پاک ہے یہ میرے آنسو میرے مشروب ہیں۔ یہ میرا کھانا ہے جو میرے ہاتھوں میں راکھ کی صورت میں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ چالیس روز تک سجدہ ریز رہے وہ فرض نماز کے سوا اپنا سر نہیں اٹھاتے تھے آپ روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے (1) یہاں تک کہ آنسوؤں کی وجہ سے سر پر گھاس اگ آئی اور زمین نے آپ کی پیشانی کا حصہ کھا لیا تھا جبکہ آپ سجدہ میں کہہ رہے تھے: اے میرے رب! داؤد نے لغزش کی جس کے باعث وہ اللہ کی رحمت سے اتنا دور ہو گیا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کی درمیان ہے اے میرے رب اگر تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کمزوری پر رحم نہ فرمائے اور اس کا گناہ نہ بخشے تو اس کے گناہ کو اس کے بعد مخلوقات میں زبان زد خاص و عام کر دے۔ حضرت جبریل امین نے چالیس سال کے بعد انہیں کہا: اے داؤد اللہ تعالیٰ نے تیرے ارادہ کو معاف کر دیا جو تو نے کیا تھا۔

وہب نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو ندا کی گئی کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر بھی اپنا سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ جبریل امین آئے کہا: تو نے اپنا سر کیوں نہ اٹھایا جبکہ تیرے رب نے تجھے بخش دیا تھا؟ عرض کی: اے میرے رب! کیسے جبکہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا داؤد کی طرف جاؤ اور اسے کہو اوریا کی قبر کی طرف جاؤ اور اس سے فراغت پاؤ میں اس کی ندا کو سنوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور اوریا کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آواز لگائی اوریا! اس نے جواب دیا: لبیک۔ کس نے میری لذت کو مجھ پر قطع کیا ہے اور مجھے بیدار کیا ہے؟ کہا: میں تیرا بھائی داؤد ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے کیونکہ میں نے تجھے قتل پر پیش کیا تھا اوریا نے کہا: تو نے تو مجھے جنت پر پیش کیا تھا تو مجھ سے بری ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام خطا کے بعد خطا کاروں کے پاس بیٹھتے تھے اور کہتے تھے: داؤد خطا کار کے پاس آؤ، کوئی مشروب نہ پیتے (2) مگر اپنے آنسوؤں کو اس میں ملاتے آپ جو کی خشک روٹی ایک پیالہ میں رکھتے لگاتار روتے رہتے یہاں تک کہ وہ روٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی آپ اس پر راکھ اور نمک بکھیر دیتے اور اسے کھاتے تھے اور یہ کہتے: یہ خطا کاروں کا کھانا ہے۔ آپ خطا سے پہلے نصف رات قیام کیا کرتے تھے اور نصف زمانہ روزہ رکھا کرتے پھر آپ نے ہمیشہ روزہ رکھنا شروع کر دیا اور ساری رات قیام کیا کرتے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 90

عرض کی: اے میرے رب! میری غلطی کو میرے ہاتھ میں رکھ دے تو ان کی خطا ان کی ہتھیلی پر نقش ہوگئی آپ ہتھیلی کو کھانے پینے اور کسی اور چیز کے لیے نہ پھیلاتے مگر اسے دیکھتے تو وہ خطا آپ کو رلا دیتی اگر ان کے پاس پیالہ لایا جاتا جس کا دو ثلث پانی ہوتا جب آپ اسے لیتے تو اپنی خطا دیکھتے تو ابھی اپنے ہونٹوں سے الگ نہ کرتے مگر وہ آپ کے آنسوؤں سے بھر جاتا۔

ولید بن مسلم نے روایت بیان کی ہے کہ مجھے ابو عمرو اوزاعی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دو آنکھوں کی مثال دو مشکیزوں جیسی ہے جن سے پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ آنسوؤں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے چہرے میں یوں گڑھے بنا دیئے تھے جس طرح پانی زمین میں گڑھے بنا دیتا ہے۔

ولید نے کہا ہمیں عثمان بن ابی عاتکہ نے بیان کیا: حضرت داؤد علیہ السلام جبکہ آپ خطا سے خالی تھے ان کے قول میں خطا کاروں کے بارے میں شدت تھی وہ کہا کرتے: اللھم لا تغفر للخطائیں اے اللہ! خطا کاروں کو نہ بخش، پھر آپ یہ کہنے لگے: اے اللہ! خطا کاروں کو بخش دے تا کہ تو ان کے ساتھ داؤد کو بخش دے (1)، اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے اللہ! میں تیرے بندوں میں سے اطباء میں سے سوال کرنے کے لیے نکلا کہ وہ میری کی دوا کریں سب نے میری تیری طرف راہنمائی کی اے میرے اللہ! میں نے ایسی خطا کی ہے مجھے ڈر ہے کہ تو اس کا پھل قیامت کے روز اپنے عذاب کو بنائے گا اور تو اسے نہ بخشے اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے اللہ! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح لوٹ آتی ہے۔

حدیث طیبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب منبر پر چڑھتے تو دایاں ہاتھ اٹھاتے اور لوگوں کے سامنے اسے کرتے تا کہ اپنی خطا کا نقش انہیں دکھائیں آپ یوں ندا کیا کرتے: اے میرے اللہ! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح میری طرف لوٹ آتی ہے اے میرے رب! خطا کاروں کو بخش دے (2) تا کہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کے ساتھ بخش دے۔ آپ چھال کے سات بستروں پر بیٹھا کرتے تھے جن میں راکھ بھری ہوتی آپ اپنے آنسو اپنے پاؤں کے نیچے گراتے یہاں تک کہ وہ سات بستروں سے نیچے چلے جاتے جب حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے کا دن ہوتا تو ان کا منادی کرنے والا راستوں، بازاروں، وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کے مونہوں پر اعلان کرتا خبردار! یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نوحہ کا دن ہے جو اپنے گناہ پر رونا چاہتا ہے تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کی مدد کرے غاروں اور وادیوں سے سیاح نیچے اترتے آپ کے منبر کے ارد گرد آوازیں بلند ہوتیں، وحشی جانور، درندے اور پرندے سر جھکائے ہوتے اور بنی اسرائیل آپ کے منبر کے ارد گرد ہوتے جب آپ رونا شروع کرتے اور اندرونی آگ آنسوؤں کے منابع کو جوش دیتی تو ساری جماعت رونے اور چیخنے میں یک آواز ہوتی یہاں تک کہ اس روز انسانوں کی ایک بڑی جماعت مرجاتی اچانک ہفتہ کے دن حضرت داؤد علیہ السلام فوت ہو گئے ملک الموت آیا جبکہ وہ اپنی عبادت گاہ میں اوپر چڑھ رہے تھے یا نیچے اتر رہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 90　2۔ ایضاً

تھے فرمایا: میں تو تیری روح قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: مجھے مہلت دو یہاں تک کہ میں نیچے اتر آؤں یا اوپر چڑھ جاؤں عرض کی: میرا اس میں کوئی اختیار نہیں ایام، مہینے، سال، آثار اور رزق ختم ہو چکے ہیں آپ اس کے بعد کوئی اثر چھوڑنے والے نہیں کہا: حضرت داؤد علیہ السلام سیڑھی کے زینے پر سجدہ ریز ہو گئے تو ملک الموت نے اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی۔ ان کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو ننانوے سال کا عرصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ سو اناسی سال کا عرصہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال تک زندہ رہے اور اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں خلافت کی وصیت کی۔

**مسئلہ نمبر 24۔** وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: لَزُلْفٰى سے مراد ہے مغفرت کے بعد قربت ہوگی دونوں نے یہ بھی کہا: الله کی قسم! قیامت کے روز سب سے پہلے جو جام پیے گا وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہوں گے۔ مجاہد نے حضرت عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے زُلفٰی سے مراد قیامت کے روز الله تعالیٰ کا قرب ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو اٹھایا جائے گا جبکہ ان کی خطا ان کے ہاتھ میں نقش ہوگی جب آپ قیامت کی ہولنا کیوں کو دیکھیں گے تو ان سے بچنے کی کوئی پناہ نہ پائیں گے مگر یہ الله تعالیٰ کی رحمت کی پناہ چاہیں گے کہا: پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہونگے تو انہیں کہا جائے گا۔ یہاں یہاں، پھر وہ اپنی خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہونگے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں، پھر وہ خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہونگے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں۔ یہاں تک کہ انہیں قریب کر دیا جائے گا تو وہ سکون پا جائیں گے اس بارے میں الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ یہ ترمذی حکیم نے ذکر کیا ہے۔ کہا: فضل بن محمد، عبدالملک بن اصبغ سے وہ ولید بن مسلم سے وہ ابراہیم بن محمد فزاری سے وہ عبدالملک بن ابی سلیمان سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں اور اسے ذکر کیا ہے ترمذی نے کہا: میں طویل عرصہ تک ان آیات کو پڑھتا رہا میرے لیے مراد اور معنی ظاہر نہ ہوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا لغت میں قط سے مراد صحیفہ ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انس پر تلاوت کی فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ﴿۷﴾ (الانشقاق) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: انکم ستجدون هذا کله فی صحائفکم تعطونها بشمالکم۔ انہوں نے عرض کی رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا، قِطَّنَا سے مراد ہمارے صحیفے۔ قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ الله تعالیٰ نے فرمایا: اِصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ۔ ان کی خطا والے قصہ کو آخر تک بیان کیا میں کہا کرتا تھا جو ان کفار نے کہا اس پر صبر کا حکم دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کا حکم دیا تو اس ذکر سے کیا مراد ہے اس صبر اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کو کیسے جوڑوں میں کسی ایسی چیز پر مطلع نہیں ہوتا تھا جو میرے دل کو سکون عطا کرے یہاں تک کہ الله تعالیٰ نے مجھے ایک دن ہدایت عطا فرمائی اور مجھے الہام کیا گیا کہ ان لوگوں نے ان کے قول کا انکار کیا ہے ان کی کتابیں ان کے بائیں ہاتھ میں دی جائیں گی ان میں ان کے گناہ اور خطائیں ہونگی انہوں نے یہ باتیں استہزاء کے طور پر کی تھیں انہوں نے کہا: رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ ان کے استہزاء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا الله تعالیٰ نے ان کی گفتگو پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کریں

جنہوں نے خطا کے بارے میں جلدی کی تھی کہ وہ اپنی خطا کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں تو اس وجہ سے ان پر وہ مصیبت آئی جو مصیبت آئی جب حضرت داؤد علیہ السلام اسے دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور پیالہ ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا جب آپ اس خطا کو دیکھتے تو روتے یہاں تک کہ وہ آنسو چھال سے بنے ان سات بستروں سے پار ہو جاتے جن میں راکھ بھری ہوئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا مطالبہ مغفرت اور خصمہ سے جو چٹی لازم آتی تھی اس کی ضمانت کے بعد یہ سوال کیا تھا جبکہ وہ اللہ کے حبیب، اس کے ولی اور صفی بھی تھے اس مرتبہ کے باوجود خطا کے نقش کو دیکھنا ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتا تھا تو ان لوگوں کا کیا حال ہوتا جب یہی چیز اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مخلوقات اور ذلیل ورسوا لوگوں میں سے کسی کو لاحق ہوتی اگر ان کے صحائف جلدی دے دیے جاتے تو ان خطاؤں کی سورتوں کو دیکھتے جو انہوں نے کفر وانکار کی صورت میں کیے اور ان پر کیا گزرتی جب وہ ان صحیفوں میں ان خطاؤں کو دیکھتے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی: فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا (الکہف: 49) حضرت داؤد علیہ السلام مغفرت، بشارت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے باوجود اپنی حالت پر نہ رہتے جبکہ ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے جب قیامت کے روز وہ اپنی غلطی کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے یہاں تک کہ اسے کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہونگے پھر انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو وہ مضطرب ہونگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قرب عطا کرے گا تو وہ سکون پا جائیں گے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

"اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو اپنا نائب زمین میں پس آپ فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے، بے شک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ ہم نے تمہیں مالک بنایا تاکہ تو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے تاکہ تو اپنے سے قبل انبیاء اور صالحین کی نیابت کرے۔ سورۂ بقرہ میں خلیفہ اور اس کے متعلقہ احکام مفصل گذر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو (1)۔ یہ امر وجوب کے لیے ہے، یہ کلام اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو عتاب اس وجہ سے کیا گیا تھا کیونکہ آپ نے ایک خاوند سے اس کی عورت کا مطالبہ کیا تھا یہ عدل نہ تھا اس کے بعد انہیں فرمایا گیا: لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو اور اپنی اس خواہش

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 90

کی اقتدا نہ کرو جو الله تعالیٰ کے امر کے خلاف ہے کہ وہ تجھے جنت کے راستے سے گمراہ کر دے جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے لیے جہنم میں دردناک عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے الله کے راستہ پر چلنے کو ترک کیا۔ الله تعالیٰ کے فرمان نَسُوْا سے مراد ہے انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا یا اس پر عمل کو ترک کر دیا (1) تو وہ بھولنے والوں کی طرح ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ہے جب الله تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم اس وقت ہوا جب ان کی توبہ قبول ہو گئی اور ان کی خطا معاف کر دی۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ فیصلوں کے بارے میں اصل احکام یہ ہیں یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ: 49) لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء: 105) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ: 8) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الله تعالیٰ کے فرمان: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے بارے میں کہا: اگر دو آدمی جھگڑا لے کر تیرے پاس آئیں ان دونوں میں سے کسی کے متعلق تمہارے دل میں میلان ہو تو اپنے دل میں یہ خواہش نہ کر کہ حق اس کے لیے ہوتا کہ وہ اپنے مدمقابل پر غالب آ جائے اگر تو نے ایسا کیا تو میں تیرا نام نبوت سے خارج کر دوں گا پھر نہ تو تو میرا خلیفہ ہوگا اور نہ ہی اہل کرامت ہوگا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور وہ دونوں فریقوں میں سے کسی فریق کی طرف قرابت نفع کی امید کی وجہ سے میلان نہ رکھے اور نہ کسی سبب کی طرف رجحان رکھے جو میلان کا تقاضا کریں جیسے صحبت، دوستی اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد محض اس وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے کیونکہ ان کے پاس دو فریق آئے تو حضرت سلیمان نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حق فلاں کے لیے ہو۔

عبدالعزیز بن سداد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کے دور میں ایک قاضی تھا وہ اپنی کوشش سے اس مقام تک جا پہنچا کہ اپنے رب سے اس کا مطالبہ کرے کہ الله تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان علامت بنا دے۔ جب وہ حق کا فیصلہ کرے تو وہ اسے پہچان جائے۔ جب وہ کوتاہی کرے تب بھی اسے پہچان لے۔ اسے کہا گیا: اپنے گھر داخل ہو جا پھر دیوار کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو لمبا کر پھر دیکھ تیری انگلیاں کہاں تک پہنچتی ہیں وہاں ایک خط کھینچ لے جب تو مجلس قضا سے اٹھے تو اس خط کی طرف لوٹ اس کی طرف ہاتھ کو لمبا کر جب تو نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہوگا تو تو وہاں تک پہنچ جائے گا اگر تو نے حق میں کوتاہی کی ہوگی تو تیری انگلیاں نیچے رہ جائیں گی۔

وہ صبح کو قضا کے لیے جاتا جبکہ وہ مجتہد تھا وہ حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرتا جب مجلس سے اٹھتا اور فارغ ہوتا نہ کھانا کھاتا اور نہ پانی پیتا نہ گھر والوں کا کوئی کام کرتا یہاں تک کہ اس خط کے پاس آتا جب اس خط تک پہنچ جاتا تو الله تعالیٰ کی حمد کرتا اور الله تعالیٰ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 602

نے اہل، کھانے اور پینے میں جس چیز کو حلال کیا تھا اس تک رسائی حاصل کرتا جب ایک دن وہ مجلس قضا میں مصروف تھا تو دو آدمی اس کے پاس آئے جو اس سے فیصلہ کے طالب تھے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ دونوں اس کے پاس (قضیہ) پیش کرنا چاہتے ہیں ان میں سے ایک اس کا دوست تھا اس قاضی کا دل اس محبت کی وجہ سے متحرک ہوا کہ حق اس کے دوست کے حق میں ہوتا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے جب دونوں نے گفتگو کی تو حق دوست کے خلاف چلا گیا تو اس نے دوست کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ جب وہ مجلس قضا سے اٹھا تو اس خط کی طرف گیا جس طرح ہر روز جایا کرتا تھا تو اس نے خط کی طرف ہاتھ بڑھایا تو خط دور چلا گیا یہاں تک کہ وہ چھت تک سمٹ گیا وہ اس تک نہیں پہنچ پا رہا تھا تو وہ سجدہ میں گر گیا وہ کہہ رہا تھا: اے میرے رب! میں نے کوئی گناہ کا کام نہیں کیا اور نہ میں نے ارادہ کیا ہے جو ہے اسے میرے لیے واضح کر دے۔ اسے کہا گیا: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کی خیانت پر آگاہ نہیں جب تو نے چاہا تھا کہ حق تیرے دوست کے حق میں ہوتا کہ تو اس کے حق میں فیصلہ کرے، تو نے اس کا ارادہ کیا تھا اور تو نے یہ پسند کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حق حقدار کو لوٹا دیا جبکہ تو یہ ناپسند کرتا تھا۔

لیث سے مروی ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دو آدمی جھگڑا لے کر حاضر ہوئے، آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا، پھر وہ واپس لوٹے تو آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا پھر وہ لوٹے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ فرمایا: وہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے ان دونوں میں سے ایک کے حق میں وہ چیز پائی جو میں نے دوسرے کے حق میں نہ پائی تھی تو میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو ناپسند کیا، وہ پھر واپس آئے تو میں نے ایک کے لیے کچھ ایسے ہی جذبات پائے وہ پھر آئے جبکہ وہ چیز جا چکی تھی تو میں نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔

شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبی کے درمیان کوئی جھگڑا تھا دونوں نے حضرت زید بن ثابت سے فیصلہ کرانا چاہا جب دونوں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت زید نے حضرت عمر کو اپنے تکیہ کی طرف اشارہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تیرا پہلا ظلم ہے، مجھے اور اسے ایک ہی مجلس میں بٹھاؤ، تو دونوں حضرت زید کے سامنے بیٹھ گئے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ یہ آیت اس امر سے منع کرتی ہے کہ حاکم اپنے علم سے فیصلہ کرے کیونکہ حاکموں کو اگر یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں تو جب ان میں سے کوئی اپنے دوست کی حفاظت اور اپنے دشمن کی ہلاکت کا ارادہ کرے گا تو وہ اپنے فیصلہ کے بارے میں اپنے علم کا دعویٰ کر دے گا۔ اس کی مثل صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ اس پر حدود اللہ میں سے کوئی حد جاری ہوتی ہے تو میں اس کا مواخذہ نہ کروں گا یہاں تک کہ کوئی اور آدمی میرے پاس گواہی دے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: فلاں کے خلاف میرے دعویٰ کا فیصلہ کر دیجئے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ میرا فلاں پر حق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو یہ ارادہ کرے کہ میں تیرے حق میں گواہی دوں تو ٹھیک ہے جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے تو میں ایسا نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ کی وجہ سے فیصلہ کیا۔

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھوڑا خریدا تو بیچنے والے نے انکار کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ نہ کیا حضرت خذیمہ اٹھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں گواہی دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا اس حدیث کو ابوداؤد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ سورۂ بقرۃ میں یہ بحث گذر چکی ہے (1)۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؗ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ، یہ تو کفار کا گمان ہے پس بربادی ہے کفار کے لیے آگ کے عذاب سے۔ کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند''۔

بَاطِلًا سے مراد ہے مقصد اور کھیل تماشا ہے یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو محض امر صحیح کے لیے پیدا کیا ہے وہ ہماری قدرت پر دلالت ہے یہ کفار کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو باطل پیدا کیا ہے۔

کفار کو شرمندہ کرنے کے لیے فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے أنجعل الذین اس آیت میں مریبہ کا رد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: یہ جائز ہے کہ مفسد، صالح کی طرح ہو یا اس سے درجہ میں بلند ہو بعد والی کلام نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ بھی اسی طرح ہے یعنی کیا ہم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو کفار کی طرح بنا دیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ متقین، فجار اور کفار کو عام ہے۔ یہ تعبیر سب سے اچھی ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں ان کا بھی اس میں رد ہے جنہوں نے مطیع اور عاصی کا ٹھکانا ایک چیز بنایا ہے۔

كِتٰبٌ یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے لِّیَدَّبَّرُوْۤا اصل میں لیتدبروا تھا تاء کو دال میں مدغم کیا گیا ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن کے معانی کی معرفت واجب ہے اور اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تیز پڑھنے سے افضل ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکار میں بیان کیا ہے تیز پڑھنے کی صورت میں تدبر نہیں ہو سکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آیات میں تدبر سے مراد ان کی اتباع ہے (2) عام قراءت لیدبروا ہے۔ ابوجعفر اور شیبہ نے لیدبروا یعنی دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے؛ حضرت علی شیر خدا کی قراءت بھی یہی ہے اصل میں لتتدبروا تھا

1۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ باب اذا علم الحاکم صدق الشاھد والواحد یجوز لہ ان یحکم بہ، حدیث نمبر 3130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 383

تخفیف کی وجہ سے ایک تاء حذف ہے۔

اُولُوا الْاَلْبَابِ سے مراد اصحاب عقول ہیں اس کا واحد لب ہے اس کی جمع اَلُبّ بھی آتی ہے جس طرح بؤس کی جمع ابؤس آتی ہے اور نعم کی جمع انعم آتی ہے۔ ابو طالب نے کہا:

قلبی إلیه مُشرِفُ الألُبِّ

محل استدلال الب ہے بعض اوقات ضرورت شعری کی بنا پر تضعیف کو ظاہر کرتے ہیں کمیت نے کہا:

إلیکم ذوِی آلِ النَّبِیِّ تَطَلَّعَت نوازِعُ من قلبِی ظِماءٌ وَأَلْبُبُ

محل استدلال البب ہے۔

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝

''اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان جیسا فرزند بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا، جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے تو آپ نے کہا: مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے نیچے (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر''۔

جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کر چکے تو حضرت سلیمان السلام کا ذکر کیا۔ اَوَّابٌ کا معنی مطیع ہے اَلْجِیَادُ کا معنی گھوڑے ہیں یہ جواد کی جمع ہے جس کا معنی گھوڑا ہے جس طرح انسان کو جواد کہتے ہیں جب وہ طبعاً بہت ہی سخی ہو یہ کہا جاتا ہے: قوم اجواد خیل جیاد یہ بھی کہا جاتا ہے: جاد الرجل بمالہ یجود جُودا فھو جواد۔ یعنی آدمی اپنے مال کے ساتھ سخاوت کرتا ہے قوم جود جس طرح قَذالٍ کی جمع قُذُلٍ آتی ہے یہاں واؤ کو ساکن کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرف علت ہے اس کی جمع أجواد، أجاود، جُوداء بھی آتی ہے اسی طرح یہ کہتے ہیں: امراۃ جواد، نسوۃ جود جس طرح نوار اور نور آتی ہے شاعر نے کہا:

صناعٌ بإشفاها حَصانٌ بِشَكْرِها جوادٌ بِقُوتِ البَطْنِ والعِرْقِ زاخِرُ

محل استدلال جواد ہے جب اسے شدید بھوک لگی ہوتی ہے تب اپنے بطن کی قوت کو بھی سخاوت کرنے والی ہے اور تو کہتا ہے: سہنا عُقْبة جوادا وعُقْبتین جَوادین وعُقَبا جِیادا۔ یہ کہا جاتا ہے: جاد الفرس یعنی وہ خوبصورت ہو گیا یجود جُودۃ فھو جواد یہ جواد کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اسے یوں بھی استعمال کیا جاتا ہے خیل جیاد وأجیاد وأجاوید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لمبی گردن والے ہیں یہ جید سے مشتق ہے جس کا معنی گردن ہے کیونکہ گھوڑوں میں گردنوں کا لمبا ہونا ان کی عمدگی کی صفات ہیں اَلصّٰفِنٰتُ میں دو وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی صفون سے مراد ان کا کھڑا ہونا ہے۔ قتبی اور فراء نے کہا کہ کلام عرب میں صافن سے مراد کھڑا ہونا ہے وہ گھوڑے ہوں یا کوئی

اور چیز ہو اسی معنی میں نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے من سرّہ ان یقوم لہ الرجال صفونا فلیتبوأ مقعدہ من النار (1) جسے یہ بات خوش کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہی رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے قطرب نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے اور نابغہ کا قول ذکر کیا ہے:

لنا قُبَّةٌ مَضروبةٌ بِفنائها عِتاقُ المَهاری والجِیَاد الصَّوافن (2)

ہمارا ایک قبہ تھا جوان کے صحن میں لگا ہوا تھا اعلیٰ نسل کے بچھیرے اور ہمیشہ کھڑے رہنے والے عمدہ گھوڑے؛

یہ قتادہ کا قول ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صفون سے مراد یہ ہے کہ دونوں اگلے پاؤں میں سے ایک کے کھر کو اٹھانا یہاں تک کہ باقی تین پاؤں پر کھڑا ہونا جس طرح شاعر نے کہا:

أَلِفَ الصُّفونَ فما یَزَالُ کَأَنَّهُ مِمَّا یقومُ علی الثَّلَاثِ کَسِیرا

عمرو بن کلثوم نے کہا:

تَرَکْنا الخیل عاکِفَةً عَلَیهِ مُقَلَّدَةً أَعِنَّتَهَا صُفونَا

"ہم نے گھوڑوں کو اس پر جھکے ہوئے دیکھا ہے ان کی لگامیں ان کا قلادہ تھیں وہ تین پاؤں پر کھڑے تھے" یہ مجاہد کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دمشق اور نصیبین سے جنگ کی تو ان سے ایک ہزار گھوڑے پائے (3)۔ مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے ان کے والد نے یہ گھوڑے عمالقہ سے حاصل کیے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جو سمندر سے نکلے تھے (4)؛ ان کے پر تھے یہ ضحاک کا قول ہے۔ وہ ایسے گھوڑے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے نکالے گئے تھے وہ منقوش تھے وہ پہلے پروں والے تھے۔ ابن زید نے کہا: شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے گھوڑے نکالے تھے جن کے پر تھے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کہا: وہ بیس گھوڑے تھے جو پروں والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سو گھوڑے تھے۔ ایک روایت میں ابراہیم تیمی سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ گھوڑے بیس ہزار تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ۔ الخیر سے مراد گھوڑے ہیں عرب انہیں یہی نام دیتے ہیں وہ راء اور لام کو یکے بعد دیگرے لاتے ہیں تو کہتا ہے: اِنهملتِ العینُ، اِنهمرتْ، ختلتُ و ختَرتُ جب تو دھوکہ دے۔ دونوں جگہ پر لام اور راء ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں خیر اور خیل ایک ہی چیز ہے۔ نحاس نے کہا: حدیث طیبہ میں ہے کہ الخیل معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة (5) گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے بھلائی رکھ دی گئی ہے گویا گھوڑوں کو خیر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے حدیث میں ہے کہ جب زید الخیل نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 91
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 92
3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 603
4۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 91
5۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 93

ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انت زید الخیر وہ حقیقت میں زید بن مہلہل شاعر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیر اس لیے نام دیا گیا کیونکہ اس کی ذات میں کئی منافع تھے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام جانور پیش کیے ان سے کہا گیا: ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیں تو انہوں نے گھوڑا پسند کیا تو انہیں کہا گیا: تم نے اپنی ذات کو اختیار کیا ہے تو اسی وجہ سے اس کا نام خیر پڑ گیا اور اسے خیل کا نام دیا گیا کیونکہ یہ قوت اور غلبہ کے ساتھ موسوم ہے۔ اسے فرس اس لیے نام دیا گیا کیونکہ یہ فضا کی مسافتوں کو چیرتا ہے جس طرح شیر شکار کو چیر پھاڑ دیتا ہے اور ان مسافتوں کو یوں طے کرتا ہے جس طرح وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہر شے کو لقمہ بنالیتا ہے۔ اسے عربی نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جزا کے طور پر دیا گیا حضرت اسماعیل عربی تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے عطیہ تھا تو اس گھوڑے کو عربی کہا گیا: لفظ حبّ فراء کے قول کے مطابق مفعول ہے معنی ہے إنی أثرت حب الخیر فالھانی عن ذکر ربی میں نے گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی تو اس محبت نے مجھے میرے رب کے ذکر سے غافل کر دیا۔

دوسرے علماء اسے مفعول مطلق تسلیم کرتے ہیں جو مفعول کی اضافت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی یعنی أحببت الخیر حبا فالھانی عن ذکر ربی ایک قول یہ کیا گیا: أحببت کا معنی ہے میں بیٹھ گیا اور پیچھے ہٹ گیا؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے احب البعیر یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ بیٹھ جائے اور پیچھے ہٹ جائے أحب فلان اس نے اپنا سر جھکا یا۔ ابوزید نے کہا یہ جملہ بولا جاتا ہے: بعیر محب، وقد أحب احبابا یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے کوئی مرض لاحق ہو یا عضو ٹوٹ جائے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ وہ درست ہو جائے یا مر جائے۔ ثعلب نے کہا: بعیر حسیر کے لیے کہا جاتا ہے محب معنی ہوگا تو میرے رب کے ذکر سے بیٹھ گیا اس تعبیر کی بنا پر حب کا لفظ مفعول لہ ہوگا۔ ابو فتح ہمدانی نے کتاب التبیان میں یہ ذکر کیا ہے۔ احببت یہ لزمت کے معنی میں ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

مِثْلَ بعیرِ السُّوءِ إذأَحَبَّا

اس برے اونٹ کی مثل جب وہ ایک جگہ کو لازم پکڑے۔

**حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ** ﴿۳۲﴾ یعنی سورج چھپ گیا۔ یہاں ذکر کے بغیر ضمیر ذکر کی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ** (فاطر: 45) اس میں ھا ضمیر سے مراد الارض ہے عرب کہتے ہیں: ھاجبت باردۃ معنی ہے ھاجت الریح باردۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ** ﴿۸۳﴾ (الواقعۃ) یعنی نفس حلقوم تک جا پہنچا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ** ﴿۳۲﴾ (المرسلات) یہاں نار کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ زجاج نے کہا: ضمیر کا ذکر کرنا جائز نہیں جب کسی چیز کا ذکر ہوا ہو یا دلیل کا ذکر ہوا ہو یہاں دلیل موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

**بِالْعَشِيِّ** عشی سے مراد زوال کے بعد کا وقت ہے تواری سے مراد آنکھوں سے چھپ جانا ہے، حجاب سے مراد سبز پہاڑ ہے جو تمام مخلوق کو محیط ہے (1)؛ یہ قتادہ اور کعب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبل قاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 93

یہ ایسا پہاڑ ہے جو قاف کے علاوہ ہے۔ حجاب سے مراد رات ہے۔ اسے حجاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس چیز کو چھپا لیتی ہے جو اس میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حَتّٰی تَوَارَتْ سے مراد گھوڑے دوڑ میں چھپ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں گھوڑوں میں مقابلہ کرایا جاتا یہاں تک کہ وہ مسابقت میں آپ کی آنکھ سے چھپ جاتے کیونکہ سورج کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔

نحاس نے ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز میں تھے آپ کی خدمت میں گھوڑے لائے گئے تاکہ آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں جو غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یہاں تک کہ گھوڑے چھپ گئے اصطبلوں کی دیواروں نے انہیں چھپا دیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا یعنی ان پر ہاتھ پھیرنے لگے اس کے معنی میں دو قول ہیں: آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ ان کی تکریم کا اہتمام کریں اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ معزز آدمی کے لیے یہ کوئی قبیح نہیں کہ وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ یہ معاملہ کرے۔ اس قول کے کرنے والے نے یہ کہا: وہ کیسے قتل کر سکتے ہیں؟ جبکہ اس میں مال برباد کرنا اور جس کا کوئی گناہ نہ ہو اسے سزا دینا لازم آتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مسح سے مراد قتل کرنا ہے آپ کو قتل کی اجازت دی گئی تھی۔ حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے نماز پڑھی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے جبکہ گھوڑے آپ پر پیش کیے جا رہے تھے وہ ایک ہزار گھوڑے تھے آپ پر نو سو گھوڑے پیش کیے جا چکے تھے تو آپ نماز عصر کے لیے متوجہ ہوئے جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کو آگاہ نہ کیا گیا تو آپ غمگین ہوئے تو فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ تو گھوڑوں کو آپ پر دوبارہ پیش کیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان کی کونچیں کاٹ دیں ان میں سے سو گھوڑے بچ گئے آج لوگوں کے پاس جو اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہیں وہ انہیں گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس وقت نہ ظہر کی نماز تھی اور نہ عصر کی نماز ہوتی تھی بلکہ وہ نماز نفلی نماز تھی تو آپ اس سے غافل ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جاہ و جلال والے تھے تو کسی نے بھی انہیں آگاہ نہیں کیا خواہ وہ فرض نماز تھی یا نفل نماز تھی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ تاخیر مباح ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ فوت شدہ نماز یاد کی اور بطور افسوس کہا: اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ یہاں ذکر سے مراد نماز ہے (1)۔ آپ نے گھوڑوں کو لوٹانے کا حکم دیا اور ان کی کونچیں اور ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا، یہ کوئی گھوڑے کو عذاب دینا نہیں تھا جب جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو تو ان جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا تاکہ اس کے بعد گھوڑے آپ کو نماز سے غافل نہ کریں شاید آپ نے ان کی کونچیں اس لیے کاٹیں تاکہ ان کو ذبح کریں آپ نے انہیں بھاگنے سے روکنے کے لیے ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر انہیں اسی وقت ذبح کر دیا تاکہ ان کا گوشت صدقہ کریں یا ان کی شریعت میں یہ امر مباح تھا تو جس چیز نے آپ کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا اس کو تلف کر دیا تاکہ اس چیز کا تعلق اپنے آپ سے ختم کر دیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 603

اس وجہ سے ان کی تعریف کی اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں انہیں یہ بدلہ دیا کہ ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا آپ ہوا کے دوش پر ایک دن میں اتنا سفر طے کر لیتے جتنا سفر گھوڑے پر دو ماہ صبح و شام سفر کرتے ہوئے طے کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: رُدُّوْهَا عَلَیَّ میں ھاء سورج کے لیے ہے گھوڑوں کے لیے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا: تجھے اس بارے میں کیا خبر پہنچی ہے؟ میں نے کہا: میں نے کعب کو کہتے ہوئے سنا ہے جب حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑے کے معائنہ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا اور ان سے نماز فوت ہو گئی کہا: اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ یعنی میں نے ترجیح دی گھوڑوں کی محبت کو اپنے رب کے ذکر سے رُدُّوْهَا عَلَیَّ یعنی گھوڑوں کو مجھ پر واپس لوٹاؤ۔ گھوڑے چودہ تھے تو آپ نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹ دیا اللہ تعالیٰ نے چودہ دن تک ان سے حکومت کو چھین لیا کیونکہ انہوں نے گھوڑوں پر ظلم کیا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کعب نے جھوٹ بولا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام جہاد کی تیاری کی وجہ سے گھوڑوں کے معائنہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان فرشتوں کو حکم دیا جو سورج پر معین ہیں: سورج کو لوٹاؤ تو فرشتوں نے سورج کو ان پر لوٹا دیا یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عصر کے وقت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء ظلم نہیں کرتے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

میں کہتا ہوں: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جو چیز حجاب میں چھپی تھی وہ سورج تھا اور سورج کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ منافع کے لیے اس پر دلالت موجود ہے کیونکہ اسے ذکر کیا گیا ہے جس کا سورج کے ساتھ تعلق ہے جس طرح اس کا بیان گذر چکا ہے اکثر لوگ سورج کو ذکر کیے بغیر مضمر کر دیتے ہیں۔ لبید نے کہا:

حتّی إذا أَلْقَتْ یَدًا فی کافِر وأَجَنَّ عَوْرَاتِ الثُّغُورِ ظَلَامُها(1)

اس شعر میں بھی الشمس کے لیے ہے اور اس کے ذکر سے پہلے ضمیر لائی گئی ہے۔

ردوھا میں ھا گھوڑوں کے لیے ہے اور ان پر ہاتھ پھیرنے سے زہری اور ابن کیسان نے یہ مراد لیا ہے کہ آپ ان کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرتے اور ان سے غبار کو دور کرتے کیونکہ آپ کو گھوڑوں سے محبت تھی؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھایا گیا جبکہ آپ اپنے گھوڑے کو اپنی چادر سے پونچھ رہے تھے اور فرمایا: ''آج رات مجھے گھوڑوں کے بارے میں عتاب کیا گیا(2)'' موطا میں یحییٰ بن سعید سے مرسل روایت نقل کی گئی ہے اور موطا کے علاوہ میں مسند اور متصل سند سے مروی ہے امام مالک، یحییٰ بن سعید سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں سورۃ الانفال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گذر چکا ہے۔ وامسحوا ابنواصیھا واکفالھا ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو تلواروں سے کاٹ دیا۔

میں کہتا ہوں: شبلی اور دوسرے صوفیاء نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اسی فعل سے کپڑوں کے پھاڑ دینے کا استدلال

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 384
2۔ موطا امام مالک، کتاب الجہاد، ماجاء فی الخیل والمسابقۃ، صفحہ 481

کیا ہے۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی معصوم کی طرف یہ منسوب کیا جائے کہ اس نے فساد والا فعل کیا ہے۔ مفسرین نے آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا: آپ نے گھوڑوں کی تکریم کی خاطر ان کی گردنوں اور ان کی پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا: تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہے تو یہ اچھا عمل ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: آپ نے ان کی کونچیں کاٹیں پھر انہیں ذبح کر دیا۔ گھوڑوں کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سورۂ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آپ نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس پر قدغن لگائی جاسکتی ہو۔ جہاں تک صحیح کپڑے کے پھاڑنے کا تعلق ہے جبکہ غرض صحیح نہ ہو تو یہ جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کیا ہو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز ہو جبکہ یہ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے گھوڑوں کے ساتھ جو بھی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے گھوڑوں کے مسح کرنے سے مراد کا دیہ سے انہیں نشان لگانا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں معین کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ پنڈلیاں کسی حال میں بھی نشان لگانے کا محل نہیں۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے: پنڈلی پر کادیہ سے نشان لگانا علاط کہلاتا ہے اور گردن پر نشان لگانا وثاق کہلاتا ہے۔ جوہری کی صحاح میں ہے عَلَطَ البعیرَ عَلْطا اس نے اونٹ کی گردن میں نشان لگایا۔ علاطان سے مراد گردن کی دونوں جانبیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: رُدُّوْهَا میں ھا ضمیر کو جس نے سورج کی طرف لوٹایا ہے تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے۔ اسی کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی واقع ہوا امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس سے دو سندوں سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جارہی تھی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی شیر خدا کی گود میں تھا۔ حضرت علی شیر خدا نے عصر کی نماز نہ پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اے علی! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! اگر یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو سورج کو اس پر لوٹا دے''۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے اسے غروب ہوتا ہوا دیکھا تھا پھر میں نے غروب ہونے کے بعد پہاڑوں اور زمین پر اسے طلوع حالت میں دیکھا جبکہ آپ خیبر میں صہباء کے مقام پر تھے۔ امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں ثقہ لوگوں نے انہیں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو فرج ابن جوزی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کہا: حضرت علی شیر خدا کی محبت میں رافضیوں کے غلو نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ آپ کے فضائل میں بے شمار احادیث وضع کریں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج غائب ہو گیا تو حضرت علی شیر خدا کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا (1)۔ از روئے نقل کے محال ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے بھی محال ہے کیونکہ وقت فوت ہو چکا تھا اور اس کا لوٹنا نیا طلوع تھا جو وقت کو نہیں لوٹاتا جس نے کہا تھا: خیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے وہ گھوڑے دوڑ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اس میں گھوڑوں

1۔ حضرت مفسر نے یہ رائے قائم کی اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ کی رائے کو اہمیت دی جب کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: ابن جوزی نے یہ غلط کہا ہے نور الانور میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

کی دوڑ میں دلیل موجود ہے۔ یہ مشروع امر ہے اس کے بارے میں گفتگو سورۂ یوسف میں گذر چکی ہے۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

''اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔ عرض کی: میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد بے شک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا، چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں، (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام''۔

**وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ** ایک قول یہ کیا گیا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہ بنے بیس سال گذر چکے تھے کہ آپ کو فتنہ میں ڈالا گیا اور آزمائش کے بعد آپ بیس سال تک حاکم رہے؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ **فَتَنَّا** یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور ہم نے سزا دی (1)۔ اس کا سبب وہ روایت ہے جو سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں دو فریق حاضر ہوئے ان میں سے ایک فریق جرادہ کے خاندان سے تھا جو آپ کی بیوی تھی۔ حضرت سلیمان اس سے محبت کرتے تھے تو آپ نے خواہش کی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ پھر دونوں کے درمیان فیصلہ انصاف سے کیا۔ آپ کو جو بھی مصیبت پہنچی اسی خواہش کی بنا پر تھی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن تک لوگوں سے حجاب میں رہے آپ نے کسی کے درمیان فیصلہ نہ کیا نہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: میں نے تجھے خلیفہ اس لیے نہیں بنایا کہ تو میرے بندوں سے حجاب کرے بلکہ اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ تو ان کے درمیان فیصلہ کرے اور مظلوم کو انصاف دلائے۔

شہر بن حوشب اور وہب بن منبہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی بیٹی کو گرفتار کیا جس کے ساتھ سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں جہاد کیا تھا (2)، جس بادشاہ کو صیدون کہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 94
2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 604

کی محبت ڈال دی گئی جبکہ وہ آپ سے اعراض کرتی تھی، وہ ترچھی نظروں سے آپ کو دیکھتی اور الٹی سیدھی باتیں کرتی تھی، اس کی آنکھوں سے اپنے والد کے غم میں آنسو نہ پھوٹتا تھا وہ بہت ہی خوبصورت تھی پھر اس نے یہ سوال کیا کہ وہ اس کے باپ کا اس کی صورت کے مطابق بت بنادے تا کہ وہ اسے دیکھا کرے۔ حضرت سلیمان نے اس کا حکم دیا تو اس کے لیے مجسمہ بنادیا گیا اس عورت نے اس کی تعظیم کی اور اس کے سامنے سجدہ کیا اور اس کی لونڈیوں نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا۔ وہ ایک ایسا بت بن گیا جس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں عبادت کی جارہی تھی مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا یہاں تک کہ چالیس دن گذر گئے۔ اس کی خبر بنی اسرائیل میں عام ہوگئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی علم ہوگیا تو آپ نے اسے توڑ دیا پھر اسے جلادیا پھر اس کے ذرات سمندر میں بکھیر دیئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت سلیمان نے صیدون کی بیٹی کو پایا جس کا نام جرادہ تھا جس طرح کہ زمخشری نے ذکر کیا ہے تو وہ عورت آپ کو بہت اچھی لگی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اسلام کو پیش کیا تو اس نے انکار کردیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے ڈرایا تو اس عورت نے کہا: مجھے قتل کردو میں اسلام قبول نہیں کروں گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کرلی جبکہ وہ مشرک تھی۔ وہ یاقوت کے بنے بت کی چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوشیدہ عبادت کرتی رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چالیس روز تک حکومت کے زوال کے ساتھ سزا دی گئی۔ کعب الاحبار نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو قتل کر کے گھوڑوں پر ظلم کیا تو آپ کی حکومت سلب کرلی گئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے حیض یا کسی اور عارضہ کی صورت میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی عورت سے شادی نہ کریں تو آپ نے ان کے علاوہ کسی اور عورت سے شادی کرلی تو اس وجہ سے انہیں سزادی گئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا اکثر مفسرین کے نزدیک وہ شیطان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی شبیہ اس پر ڈالی اس کا نام صخر بن عمیر صاحب السحر تھا یہی وہ تھا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رہنمائی الماس (ہیرہ) پر کی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ جب پتھروں کو لوہے سے تراشا جاتا تو ان میں آواز پیدا ہوتی انہوں نے الماس (ہیرہ) لیا اور اس کے ساتھ پتھر، نگینے اور دوسری چیزیں کاٹنے لگے تو کوئی آواز پیدا نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سرکش جن تھا تمام شیاطین بھی اس پر غالب نہ آتے وہ ہمیشہ حیلہ سازی کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت الخلا میں انگوٹھی کے ساتھ داخل نہیں ہوتے تھے۔ صخر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عورتوں سے ایک عورت، جسے امینہ کہا جاتا، سے انگوٹھی لی جو آپ کی تھی؛ یہ شہر بن حوشب اور وہب کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: اس کا نام جرادہ تھا وہ چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر قابض رہا جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھاگے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انگوٹھی اور بادشاہت انہیں واپس کردی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی اپنے بستر کے نیچے رکھ دی اور شیطان نے اسے اٹھالیا۔ مجاہد نے کہا: شیطان نے انگوٹھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے لے لی تھی کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا جبکہ اس کا نام آصف تھا: تم لوگوں کو کس طرح گمراہ کرتے ہو؟ شیطان نے آپ سے کہا: مجھے اپنی انگوٹھی دو تا کہ میں تمہیں بتادوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔ جب شیطان نے انگوٹھی لے لی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر آپ کی کرسی پر بیٹھ گیا وہ آپ کی بیویوں کے پاس جاتا ناحق فیصلے کرتا اور غلط احکامات دیتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ وہ ان کے پاس ان کے حیض کے دنوں میں آیا تھا۔ مجاہد نے کہا: اسے آپ کی بیویوں کے پاس آنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے حکومت زائل ہوگئی تو آپ ساحل سمندر کی طرف بھاگ نکلے آپ وہاں لوگوں سے ضیافت طلب کرتے اور اجرت پر شکاریوں کی مچھلیاں اٹھایا کرتے تھے جب وہ لوگوں کو بتاتے کہ وہ سلیمان بن داؤد ہیں تو لوگ انہیں جھٹلاتے تھے۔

قتادہ نے کہا: جب بنی اسرائیل نے شیطان کے احکامات کو عجیب و غریب جانا تو آپ نے شکاری سے ایک مچھلی لی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ نے وہ کھانے کے لیے لی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مچھلیاں اٹھانے کی اجرت کے طور پر لی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے شکار کیا تھا، جب اس کے پیٹ کو چیرا تو اپنی انگوٹھی اس میں موجود پائی تھی۔ یہ واقعہ آپ کی بادشاہت کے زائل ہونے سے چالیس دن بعد ہوا تھا یہ دنوں کی وہی تعداد ہے جتنے دنوں میں آپ کے گھر میں بت کی عبادت کی گئی تھی آپ نے وہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں پائی تھی کیونکہ شیطان نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی۔

حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: اسی اثنا میں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سمندر کے کنارے انگوٹھی سے کھیل رہے تھے کہ وہ انگوٹھی سمندر میں گر گئی جبکہ ان کی حکومت اس انگوٹھی میں تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تھا یحییٰ بن ابی عمرو شیبانی نے حکایت بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تو وہاں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کی خاطر بیت المقدس کی طرف پیدل گئے۔

حضرت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک لوٹایا تو آپ نے صخر کو پکڑ لیا جس نے انگوٹھی لی تھی اس کے لیے چٹان میں سراخ کیا اور اس میں اسے داخل کیا اور دوسری چٹان کے ساتھ اسے بند کر دیا اور لوہے اور سکہ کے ساتھ اسے جوڑ دیا اس پر اپنی مہر لگائی اور سمندر میں پھینک دیا فرمایا: قیامت تک یہ تیرا قید خانہ ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے انگوٹھی لے لی تو شیاطین، جن، انسان، پرندے

وحشی جانور اور ہوا آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ شیطان بھاگ گیا جو آپ کا نائب بنا تھا وہ سمندر میں ایک جزیرہ میں آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو اس کے پاس بھیجا انہوں نے کہا: ہم اس پر قادر نہیں لیکن وہ ہفتہ میں ایک روز جزیرہ کے ایک چشمہ پر آتا ہے ہم اس پر قابو نہیں پا سکتے جب تک وہ نشے میں نہ ہو کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پانی نکلوایا اور اس میں شراب ڈال دی وہ اس چشمہ پر آنے والے دن اس پر آیا تو اس میں شراب تھی اس نے کہا: اللہ کی قسم! تو عمدہ مشروب ہے مگر تو حلیم کو جوش دلاتی ہے، جاہل کی جہالت میں اضافہ کرتی ہے پھر اسے شدید پیاس لگی پھر وہ اسی چشمہ کے پاس آیا اور اسی جیسی گفتگو کی پھر اسے پیا تو شراب اس کی عقل پر غالب آگئی ان شیاطین نے اسے انگوٹھی دکھائی تو اس نے کہا: ہر حکم سنوں گا اور اطاعت بھی کروں گا۔ وہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے آپ نے اسے جکڑ دیا اور ایک پہاڑ کی طرف بھیج دیا۔ علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ دھویں کا پہاڑ ہے انہوں نے کہا: وہ دھواں جو تم دیکھتے ہو یہ اس کی سانسیں ہیں اور وہ پانی جو اس پہاڑ سے نکلتا ہے وہ اس کا پیشاب ہے۔

مجاہد نے کہا: اس شیطان کا نام آصف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا نام حبقیق ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ شیطان انبیاء کی صورت نہیں اپنا سکتا، پھر یہ بھی محال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت کے لوگوں پر شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت اپنا کر معاملہ خلط ملط کر دے یہاں تک کہ وہ اسے یہ گمان کریں کہ یہ نبی برحق ہے اور وہ شیطان کے ساتھ مل کر باطل کام شروع کر دیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد سے مراد بچہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پیدا ہوا جب وہ پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو گئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو ہم اسکی غلامی اور تسخیر سے آزاد نہ ہونگے آؤ ہم اس کے بیٹے کو قتل کر دیں یا اسے بگاڑ دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہو گیا آپ نے ہوا کو حکم دیا تو وہ بچے کو بادلوں میں لے گئی ان کا بیٹا شیاطین کے خوف سے بادلوں میں رہا تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین سے خوفزدہ ہونے کی بنا پر آپ کو سزا دی آپ نے محسوس ہی نہ کیا کہ وہ آپ کے تخت پر مردہ پڑا ہوا تھا؛ یہ معنی شعبی نے بیان کیا ہے یہی وہ جسد ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا میں بیان کیا ہے۔

نقاش اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے: اکثر لونڈیاں جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس لیے وطی کی تھی کہ ان سے اولاد ہوگی تو آپ کا آدھے جسم والا بچہ پیدا ہوا تو اس کی حیثیت اس جسم والی تھی جسکو آپ کے تخت پر پھینک دیا گیا ہو۔ دائی اسے لائی تھی اور اس نے وہاں پھینک دیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: آج رات میں نوے عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ان میں سے ہر ایک شاہسوار جنے گی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا آپ کے مصاحب نے کہا: ان شاء اللہ کہو تو آپ نے انشاء اللہ نہ کہا، آپ نے رات کے وقت اپنی بیویوں کے پاس چکر لگایا تو ایک عورت کے سوا کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی وہ بھی آدھا بچہ لائی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے!

اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب شاہسوار کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے'' (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا: جسد سے مراد آصف بن برخیا صدیق تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے۔ اس کی وجہ یہ بنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا گیا تو انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے گر پڑی اس میں آپ کی بادشاہت تھی آپ نے دوبارہ اسے اپنے ہاتھ میں ڈالا تو وہ پھر گر پڑی تو آپ کو آزمائش کا یقین ہو گیا۔ آصف بن برخیا نے آپ سے عرض کی: آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے اس لیے وہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ٹھہرتی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہونے کی حیثیت سے رجوع کرو میں تیری حکومت میں تیرے قائم مقام رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر لے۔ آپ کی آزمائش کے چودہ دور ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ آصف بن برخیا نے انگوٹھی لے لی اسے اپنے ہاتھ میں رکھا تو وہ وہاں ٹھہر گئی ان کے پاس کتاب کا علم تھا آصف بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت اور آپ کے عیال میں قائم مقام رہے جیسی چال حضرت سلیمان علیہ السلام کی تھی ایسی چال چلتے اور جو عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا ایسا ہی عمل آصف کا ہوتا یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھر توبہ تائب ہو کر لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ملک انہیں لوٹا دیا۔ آصف بن برخیا آپ کی مجلس میں رہے آپ کی کرسی پر بیٹھے اور انگوٹھی اپنے ہاتھ میں رکھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا، اس کی وجہ یہ بنی کہ آپ شدید بیمار ہوئے یہاں تک کہ محض ایک جسم کی حیثیت سے ہو گئے ایک کمزور مریض کی یوں صفت بیان کی جاتی ہے: کالجسد الملقی۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی اور آپ کا ملک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے چھ سو کرسیاں بچھائی جاتیں پھر انسانوں میں سے معززین حاضر خدمت ہوتے تو وہ آپ کے قریب بیٹھ جاتے پھر جنوں میں سے معززین آتے تو وہ انسانوں کے قریب بیٹھ جاتے پھر پرندے آتے جو ان کو سایہ کر لیتے پھر آپ ہوا کو بلاتے جو ان سب کو اٹھا لیتی وہ ایک دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ وہب، کعب اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے باپ کے بعد حاکم بنے تو آپ نے کرسی بنانے کا حکم دیا تاکہ فیصلہ کرنے کے لیے اس پر بیٹھیں اور یہ حکم دیا کہ ایسے خوفناک انداز میں بنایا جائے کہ جب باطل پرست یا جھوٹا گواہ اسے دیکھے تو کانپ جائے اور خوف زدہ ہو جائے آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کرسی کو ہاتھی کے دانتوں سے بنایا جائے جس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے نگینے جڑے ہوئے ہوں اسے سونے کے بنے چار درختوں سے گھیرا گیا ہوا سے سونے کی بنی چار کھجوروں کے ساتھ گھیرا گیا جس کی ٹہنیاں سرخ یاقوت اور سبز زبرجد کی تھیں دو کھجوروں کے سروں پر سونے کے دو مور تھے اور دو کھجوروں کے سروں پر سونے کی دو گدھیں تھیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے کرسی بنانے والوں نے کرسی کی دونوں جانب سونے کے دو شیر بنائے ان دونوں میں سے ہر ایک کے سر پر سبز زمرد کا ستون تھا، انہوں نے کھجوروں

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ووهبنا لداؤد سلیمان نعم العبد إنه أواب، جلد 1، صفحہ 487

کے درختوں پر سرخ سونے کی بیلیں جوڑ دیں ان کے گچھے سرخ یاقوت کے تھے اس طرح ان بیلوں نے کھجوروں اور کرسی کو سایہ کیا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھنے کا ارادہ کرتے تو اس کے نیچے والے زینہ پر اپنے دونوں قدم رکھتے تو کرسی اتنی تیزی سے گھوم جاتی جس طرح تیز چکی گھومتی ہے وہ گدھیں اور مور اپنے پر پھیلا دیتے دونوں شیر اپنے ہاتھ پھیلا لیتے اور اپنی دمیں زمین پر مارتے، جس زینے پر بھی آپ چڑھتے یہ چیزیں اسی طرح کا ہی عمل کرتیں جب اس کے آخری زینے پر بیٹھ جاتے تو وہ دونوں گدھیں جو کھجور کے درختوں کے اوپر ہوتیں وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج پکڑتیں اور اسے آپ کے سر پر رکھ دیتیں پھر کرسی گھوم جاتی اسی کے ساتھ دونوں گدھیں، دونوں مور اور دونوں شیر اپنے سروں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جھکاتے ہوئے گھوم جاتے اور اپنے پیٹوں سے کستوری اور عنبر کو چھڑکتے پھر وہ کبوتری جو سونے کی بنی ہوئی تھی جو کرسی کے اوپر موتیوں اور جواہرات سے بنے ستونوں پر ہوتی تورات حضرت سلیمان علیہ السلام کو پکڑاتی حضرت سلیمان علیہ السلام اسے کھولتے اسے لوگوں پر پڑھتے اور لوگوں کو فیصلہ کی طرف دعوت دیتے۔

انہوں نے یہ بھی کہا: بنی اسرائیل کے علماء سونے کی بنی کرسیوں پر بیٹھتے جن پر جواہرات جڑے ہوتے یہ آپ کی دائیں جانب ہزار کرسیاں تھیں اور جنوں کے معززین چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے جو ہزار کرسیاں تھیں پھر پرندے انہیں سایہ کرتے ہوئے گھیر لیتے لوگ فیصلوں کے لیے آگے بڑھتے جب گواہ گواہیوں کے لیے آگے بڑھتے تو کرسی اپنے تمام متعلقات کے ساتھ تیز چکی کے گھومنے کے ساتھ گھوم جاتی دونوں شیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا لیتے اور اپنی دمیں زمین پر مارتے دونوں گدھیں اور دونوں مور اپنے پروں کو پھیلا لیتے گواہ ڈر جاتے اور حق بات کی گواہی دیتے وہ چیز جو اس کی کرسی کو گھماتی وہ سونے کی بنی نچھلی تھی وہ کرسی اس پر تھی۔ صخر جنی نے جو آپ کے لیے چیزیں بنائی تھیں ان میں سے یہ ایک عظیم چیز تھی۔

جب کرسی کے گھومنے کا احساس ان گدھوں، شیروں اور موروں کو ہوتا جو کرسی کے اوپر سے نیچے تک تھے تو وہ سب چیزیں گھوم جاتیں جب ٹھہرتیں تو سب چیزیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر پر ٹھہر جاتیں جبکہ آپ بیٹھے ہوتے پھر ان کے پیٹوں میں مشک اور عنبر میں سے جو ہوتا انہیں آپ پر نچھاور کرتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو بخت نصر نے آدمی بھیجے جو کرسی کو لے آئے جب اسے انطاکیہ لے جایا گیا اس نے ارادہ کیا کہ اس پر چڑھے اسے یہ علم نہیں تھا کیسے اس پر چڑھنا ہے جب اس نے ایک قدم اس پر رکھا تو شیر نے اس کے پاؤں پر ضرب لگا دی اور اسے توڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھتے تو دونوں قدم رکھتے بخت نصر مر گیا اور کرسی بیت المقدس کی طرف واپس کر دی گئی کوئی بادشاہ اس پر نہ بیٹھ سکا لیکن کوئی اس کے انجام سے بھی آگاہ نہیں ممکن ہے اسے آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا ہو۔

**ثُمَّ اَنَابَ** ﴿۳۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ **قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ** یعنی میرے گناہ بخش دو، **وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ** یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیسے دنیا کو طلب کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی، اس سے ناراضگی کی اور اپنی بارگاہ میں اسے حقیر جانا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: علماء کے نزدیک یہ طلب اس پر محمول ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کریں گے، ملک کے امور

اچھے انداز میں چلائیں گے، مخلوقات کی منازل کو ترتیب سے رکھیں گے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کریں گے، اس کی رسوم کی حفاظت کریں گے، اس کے شعائر کی تعظیم کریں گے، اس کی عبادت ظاہر کریں گے، اس کی اطاعت کو لازم پکڑیں گے جو حکم اس پر نافذ ہوگا، اس کے قانون کو منظم کریں گے، وعدوں کو ثابت کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جسے مخلوقات میں سے کوئی نہیں جانتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے سامنے تصریح کی ہے: اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرہ)

حاشا وکلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال محض دنیا کی طلب کے لیے ہو کیونکہ آپ اور انبیاء تمام مخلوقات پر زیادہ زاہد ہوتے ہیں آپ نے مملکت کا سوال محض اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اس کی تباہی اور ہلاکت کا سوال اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا دونوں سوال پسندیدہ تھے اور دونوں مقبول ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عرضداشت مقبول ہوئی تو جو بھی روئے زمین پر تھا اسے ہلاک کر دیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو مملکت عطا کر دی گئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کے امر سے کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ تمام بندوں میں سے صرف آپ ہی ان امور کو چلا سکتے ہیں یا یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ کہیں: عظیم ملک تو کہا: لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے پہلی تعبیر زیادہ مناسب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝

حضرت حسن بصری نے کہا: کوئی بھی آدمی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بار ہے مگر حضرت سلیمان بن داؤد کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا عَطَآؤُنَا۔

میں کہتا ہوں: یہ چیز اس کو رد کر دیتی ہے جو ایک روایت میں مروی ہے کہ جنت میں تمام انبیاء کرام میں سے سب سے آخر میں داخل ہونے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں کیونکہ دنیا میں ان کو بادشاہت ملی۔ بعض روایات میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام انبیاء کے جنت میں داخل ہونے کے چالیس سال بعد جنت میں داخل ہونگے اسے صاحب قوت نے ذکر کیا ہے۔ یہ ایسی روایت ہے جس کی اصل نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے تو اس پر کوئی بوجھ نہیں کیونکہ یہ بطریق احسان انہیں نصیب ہوئی ہے تو پھر وہ کیسے جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونگے جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَ حُسۡنَ مَاٰبٍ ۝ صحیح میں ہے لِكُلِّ نَبِیٍّ دعوةٌ مستجابةٌ فتعجل كل نبیٍّ دعوته ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے پس ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے تو ان کے سوال سے پہلے ہی پوری کی جانے والی حاجت بنادی گئی اس وجہ سے ان پر اس کا کوئی بوجھ نہیں۔

لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ کا معنی ہے میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کا سوال کرے گویا انہوں نے ایسا سوال کیا جس کا سوال بعد میں ممنوع قرار دیا گیا یہاں تک کہ کسی کی امید اس کے ساتھ متعلق نہ ہوئی اور قبولیت کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اس نے اس کا سوال بھی نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: ان کا بادشاہت کا سوال کرنا آپ کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں ظاہر و عیاں رہے کیونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ میں ایک سبقت موجود ہے ہر

ایک پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے خصوصیت ہو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ پر استدلال کیا جا سکے یہی وجہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عفریت کو پکڑا جس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ آپ کی نماز کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ نے اس عفریت پر آپ کو قدرت بھی دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باندھنے کا ارادہ کیا پھر اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (1) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بھی کسی کو یہ حکومت عطا کی جاتی تو خصوصیت ختم ہو جاتی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خصوصیت میں مزاحمت کو ناپسند کیا اس کے بعد کہ آپ نے اس چیز کو جان لیا تھا کہ یہی وجہ ہے جو آپ کی خصوصیت ہے کہ شیاطین کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لیے ایسی حکومت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً۔ رخاء کا معنی ہے نرم جبکہ اس میں قوت اور شدت موجود ہے یہاں تک کہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ ہوا آپ کی چھاؤنی، آپ کے لشکروں اور آپ کے تخت کو اٹھا لیتی تھی جس طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ کا تخت فرسخ در فرسخ تھا اس میں سو (100) درجے تھے جو ایک کے اوپر نیچے تھے ہر درجہ میں ایک قسم کے لوگ ہوتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے اوپر والے درجہ میں اپنی عورتوں اور خدام کے ساتھ رہتے تھے۔

ابو نعیم حافظ نے ذکر کیا ہے احمد بن جعفر، عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے وہ احمد بن ایوب وہ ابو بکر بن عیاش سے وہ ادریس بن وہب بن منبہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سو کمرے تھے ان میں سے سب سے اونچا شیشے کا تھا اور سب سے نچلے والا لوہے کا تھا، ایک روز آپ ہوا کے دوش پر سوار ہوئے تو آپ ایک کسان کے پاس سے گذرے تو کسان نے ان کی طرف دیکھا تو کہا: آل داؤد کو عظیم بادشاہت دی گئی ہے، ہوا نے اس کی گفتگو سن لی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈالی آپ اترے یہاں تک کہ اس کسان کے پاس آئے فرمایا: میں نے تیری بات سنی ہے میں تیرے پاس اس لیے چل کر آیا ہوں تا کہ تو اس چیز کی تمنا نہ کرے جس پر تو قادر نہیں تیرا ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا جسے اللہ تعالیٰ قبول کر لے اس حکومت سے بہتر ہے جو آل داؤد کو دی گئی ہے، کسان نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے غم کو دور کرے تو نے میرے غم کو دور کیا ہے۔

حَيْثُ اَصَابَ ۝ اصاب کا معنی ارادہ کیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے عرب کہتے ہیں: اصاب الصواب و اخطأ الجواب (2)۔ صحیح کا ارادہ کیا اور جواب میں غلطی کی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ شاعر نے کہا:

أَصَابَ الكلامَ فلم يَستطِعْ فأخطأ الجوابَ لَدَى المفصَلِ

اس نے گفتگو کا ارادہ کیا تو اس نے طاقت نہ رکھی اس نے فیصلہ کے وقت جواب میں غلطی کی

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حمیر کی لغت میں اصاب کا معنی اراد ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ھَجَر کی زبان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَيْثُ اَصَابَ کا معنی ہے حیثما قصد یہ اصل میں اصابۃ السهم الغرض المقصود سے ماخوذ ہے تیر ٹارگٹ پر جا لگا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، ووھبنا لداؤد سلیمان، جلد 1، صفحہ 487

2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 609

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ یعنی ہم نے اس کے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا (1) جبکہ اس سے قبل کسی کے لیے یہ مسخر نہ تھے كُلَّ بَنَّآءٍ یہ شیاطین سے بدل ہیں اصل کلام یوں ہے كُلَّ بَنَّاءٍ مِنْهُمْ وہ اس کے لیے وہ چیز بناتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

إِلَّا سُلَيْمَانَ إِذْ قَالَ الإِلٰهُ لَهُ قُمْ فِي الْبَرِيَّةِ فَاحْدُدْهَا عَنِ الْفَنَدِ

وَخَيِّسِ الْجِنَّ إِنِّي قَدْ أَذِنْتُ لَهُمْ يَبْنُونَ تَدْمُرَ بِالصُّفَّاحِ وَالْعُمُدِ

مگر سلیمان علیہ السلام، جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: جنگل میں کھڑے ہو جاؤ، اسے خطا سے پاک کر دو، جنوں کو ذلیل ورسوا کر دو میں نے انہیں حکم دے دیا ہے وہ باریک پتلے پتھروں اور ستونوں کے ساتھ عمارتیں بنائیں گے۔ وَّغَوَّاصٍ وہ سمندروں سے ان کے لیے موتی نکالیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص تھے جن کے لیے سمندر سے موتی نکالے گئے۔ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ ہم نے ان کے لیے سرکش شیاطین کو مسخر کیا یہاں تک کہ آپ نے لوہے کی زنجیروں اور بیڑیوں میں انہیں جکڑ دیا؛ یہ قتادہ نے کہا ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد طوق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کرسیاں ہیں؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

فَآبُوا بِالنِّهَابِ وَبِالسَّبَايَا وَأُبْنَا بِالْمُلُوكِ مُصَفَّدِينَا

وہ چھینے ہوئے مال، قیدیوں کے ساتھ لوٹے اور ہم رسیوں میں جکڑے ہوئے بادشاہوں کے بیٹوں کے ساتھ واپس لوٹے۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: آپ یہ معاملہ ان کے کفار کے ساتھ کرتے تھے جب وہ ایمان لے آتے تو آپ انہیں آزاد چھوڑ دیتے انہیں اپنا مطیع نہیں بناتے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا اسم اشارہ سے مراد بادشاہت ہے، یہ بادشاہت ہماری عطا ہے جسے چاہیں آپ عطا کریں اور جسے چاہیں نہ دیں آپ پر کوئی حساب نہیں۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے، حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس پر بھی جو نعمت کی ہے اس پر اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی بوجھ ہوگا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قتادہ نے کہا: اسم اشارہ سے مراد حقوق زوجیت ادا کرنے پر قوت ہے آپ کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں آپ کی پشت میں سو آدمیوں کی قوت تھی؛ یہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ اسی کی ہم معنی روایت بخاری میں موجود ہے۔ اس تاویل کی بنا پر فَامْنُنْ منی سے مشتق ہوگا (2) یہ کہا جاتا ہے: اَمْنَى يُمْنِيْ، مَنَى يَمْنِي دونوں لغتیں ہیں جب تو امنی سے امر کا صیغہ بنائے گا تو تو کہے گا اَمْنِ اور مَنَى يَمْنِي کا صیغہ اِمْنِ ہوگا جب تو فعل کے نون کے ساتھ نون خفیفہ لائے تو کہے گا امنن۔

جو احسان کی طرف گیا ہے اس نے کہا: یہ مَنَّ علیہ سے مشتق ہے، جب وہ اس سے امر کا صیغہ بنائے گا تو دونوں نونوں کو ظاہر

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 609 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 100

کرے گا کیونکہ یہ مضاعف ہے تو اس نے کہا: اُمْنُن حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے شیاطین کو مسخر کیا گیا جس کے حق میں آپ چاہیں اسے آزاد کر دیں اور چھوڑ دیں اور جس کے بارے میں چاہیں آپ اسے روکے رکھیں؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس کی تعبیر یہ ہے اپنی عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہو حقوق زوجیت ادا کرو اور جس کے بارے میں چاہو اس کے ساتھ حقوق زوجیت سے رکے رہو آپ پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ یعنی اگر ہم نے ان پر دنیا میں انعام کیا ہے تو اس کے لیے آخرت میں بھی قربت اور لوٹنے کی بہترین جگہ ہوگی۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝۴۱ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝۴۲ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۴۳

''اور یاد فرمایئے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی!) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے۔ اور پینے کے لیے اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور ان کی مانند ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے''۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مشکلات میں صبر پر ان کی اقتدا کریں ایوب یہ عبدنا سے بدل ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝۴۱ عیسیٰ بن عمر نے ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: قراء نے بِنُصْب پر اتفاق کیا ہے یعنی نون مضموم اور صاد ساکن ہے شد نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کے بعد مناقض ہے اور وہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نے کہا: قراء نے اس پر اجماع کیا اس کے بعد یہ حکایت کی کہ قراء نے یزید بن قعقاع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اسے بِنَصب پڑھا ہے اور ابو جعفر کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، ابو جعفر نے بِنُصُب پڑھا ہے؛ ابو عبید اور دوسرے قراء نے اسی طرح بیان کیا ہے؛ حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے جہاں تک بِنَصب کا تعلق ہے یہ عاصم جحدری اور یعقوب حضرمی کی قراءت ہے؛ حضرت حسن بصری سے بھی یہی قراءت مروی ہے بِنَصَب ابو جعفر سے بھی مروی ہے۔ اکثر نحویوں کے نزدیک یہ سب نَصَب کے معنی میں ہیں نُصب اور نَصَب، حُزن اور حَزَن کی طرح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نُصب، نَصب کی جمع ہو جس طرح وَثَن کی جمع وُثُن آتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نُصُب، نُصْب کے معنی میں ہو اس سے ضمہ حذف ہے جہاں تک وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ: 3) کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاب کی جمع ہے۔ ابو عبید اور دوسرے علماء نے کہا: نُصب کا معنی شر اور آزمائش ہے اور نَصَب کا معنی تھکاوٹ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی ایک ہی ہے، اس آیت سے مراد ہے شیطان جو وسوسہ لاحق کرتا ہے اس نے مجھے وہی پہنچایا ہے

کوئی اور چیز اس نے مجھے لاحق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نصب سے مرادوہ چیز ہے جو اس کے بدن کو لاحق ہو اور عذاب سے مرادوہ چیز ہے جو اس کے مال کو لاحق ہو اس میں حقیقت سے بعید بات ہے۔

مفسرین نے کہا: ایوب رومی تھے یہ بثنیہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی؛ یہ واقدی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کے لیے چن لیا ان کے پاس مال اور اولاد کی کثرت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے والے تھے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہمدردی کرتے، نیک، رحم دل تھے۔ تین افراد کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہ لایا۔ دنوں میں ایک دن ابلیس کے لیے ساتویں آسمان میں ٹھہرنے کا موقع بنا ابلیس اپنی عادت کے مطابق وہاں بیٹھا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا یا اسے کہا گیا: کیا تو میرے بندے ایوب پر کوئی قدرت رکھتا ہے؟ ابلیس نے عرض کی اے میرے رب! میں اس پر کس طرح قادر ہو سکتا ہوں جبکہ تو نے اسے مال اور عافیت کے ساتھ آزمائش میں ڈال رکھا ہے اگر تو نے آزمائش اور فقر کے ذریعے آزمائے اور جو کچھ تو نے اسے عطا کر رکھا ہے وہ اس سے واپس لے لے تو وہ اپنی حالت سے بدل جائے گا اور تیری اطاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے اہل اور مال پر تسلط دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن آسمان سے نیچے اترا اس نے جنوں میں سے سرکش جنوں کو اکٹھا کیا اور انہیں سب کچھ بتایا، ان میں سے ایک نے کہا: میں ایک بگولہ بنوں گا جس میں آگ ہوگی تو میں اس کا مال ہلاک کر دوں گا وہ حضرت ایوب کی خدمت میں مال کے منتظم کی صورت میں آیا اور اس کے مال پر جو کچھ واقع ہوا تھا وہ سب بتایا تو حضرت ایوب نے کہا: الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ہی مال عطا کیا ہے اور اسی نے مال روک لیا ہے۔ پھر وہ آپ کے اس محل میں آیا جہاں آپ کے گھر والے اور آپ کی اولاد تھی اس نے محل کو اطراف سے اٹھایا اور اسے آپ کے اہل واولاد پر دے مارا پھر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا تو حضرت ایوب نے مٹی اپنے سر پر ڈالی ابلیس آسمان کی طرف چڑھا تو حضرت ایوب علیہ السلام کی توبہ اس سے سبقت لے جا چکی تھی۔

ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس کے بدن پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے اس کے بدن پر مسلط کیا مگر اس کی زبان، اس کے دل اور اس کی آنکھ پر تسلط عطا نہیں کیا۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر ایک پھونک ماری جس کی وجہ سے آپ کا جسم جل گیا تو آپ کے جسم میں سے نکل آئے آپ نے انہیں اپنے ناخنوں سے رگڑا یہاں تک کہ ان سے خون نکلنے لگا پھر ٹھیکری کے ساتھ ملا تو آپ کا گوشت گر گیا اسی موقع پر کہا تھا: مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ پیٹ کے اندر تک کوئی بیماری نہ پہنچی کیونکہ نفس کی بقاء پیٹ کے اندرونی حصہ سے ہوا کرتی ہے آپ کھاتے اور پیتے آپ تین سال تک اسی طرح رہے جب حضرت ایوب علیہ السلام اس پر غالب آ گئے تو وہ آپ کی بیوی کے پاس آیا انسانوں میں سے خوبصورت ترین اور معزز ترین فرد کی صورت میں آیا اس نے آپ کی بیوی سے کہا: میں زمین کا معبود ہوں، میں نے ہی تیرے خاوند کے ساتھ کیا جو کچھ کیا اگر تو مجھے ایک سجدہ کر دے تو میں اس کے اہل اور اس کا مال اس کی طرف لوٹا دوں گا جبکہ وہ سب میرے پاس ہیں اسی شیطان نے وہ تمام چیزیں ایک وادی میں آپ کی بیوی کے سامنے کر دیں اس عورت نے وہ تمام باتیں حضرت

ایوب کو بتائیں تو حضرت ایوب نے قسم اٹھائی اگر وہ صحت مند ہوئے تو ضرور اس بیوی کو ماریں گے۔ مفسرین نے ان کی آزمائش کے سبب، اپنے رب کی طرف مراجعت، اس مصیبت سے چھٹکارا جو مصیبت ان پر واقع ہوئی تھی اور وہ تین افراد جو آپ پر ایمان لائے جنہوں نے آپ کو اس سے منع کیا تھا اور آپ پر اعتراض کیا تھا پر طویل گفتگو کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک مظلوم نے آپ سے مدد طلب کی تھی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کی مدد نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک دن آپ نے لوگوں کو کھانے پر بلایا تو آپ نے ایک فقیر کو داخل ہونے سے روک دیا اس وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ ایک بادشاہ سے برسرپیکار تھے جبکہ آپ کے ریوڑ اس کی مملکت میں تھے تو اس ریوڑ کی وجہ سے اس کے ساتھ غزوہ کو ترک کر کے اس کے ساتھ نرمی کی تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ آپ کی بیوی سے مرض کے پھیل جانے سے دور رہتے وہ کہتے: ہم عدوی سے ڈرتے ہیں جبکہ وہ آپ کی بیوی سے نفرت کرتے اسی وجہ سے فرمایا: مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ آپ کی بیوی لیا بنت یعقوب تھی۔ حضرت ایوب، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دور میں تھے ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ایوب کی بیوی رحمہ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام تھی؛ ان دونوں قولوں کو طبری نے ذکر کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مفسرین نے جو یہ کہا کہ ابلیس کا سال میں ایک دن ساتویں آسمان میں بیٹھنے کی جگہ تھی تو یہ قول باطل ہے کیونکہ شیطان کو زمین کی طرف لعنت اور ناراضگی کے ساتھ اتارا گیا تو وہ محل رضا کی طرف کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ انبیاء کے مقامات میں کیسے گھوم پھر سکتا تھا؟ وہ آسمانوں کو پھاڑتا تو انبیاء کی منازل کی طرف ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوتا اور حضرت خلیل کی جگہ جا کر ٹھہرتا بے شک یہ بہت بڑی غلطی ہے اور جہالت کی پیداوار ہے۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے مال اور اس کی اولاد پر تسلط عطا کر دیا ہے یہ قدرت میں ممکن ہے لیکن اس قصہ میں بعید ہے اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ شیطان نے آپ کے جسم میں پھونک ماری جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان کے جسم پر غلبہ دیا یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید بات ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو پیدا فرمائے جبکہ شیطان کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہو یہاں تک کہ شیطان کی اس بات سے آنکھ ٹھنڈی ہو کہ اسے انبیاء کے اموال، ان کے اہل اور ان کی ذاتوں میں قدرت حاصل ہوئی ہے۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ شیطان نے آپ کی زوجہ سے یہ بات کی کہ وہ زمین کا الٰہ ہے اگر تو اللہ کا ذکر چھوڑ دے اور تو مجھے سجدہ کرے تو میں اسے درست کر دوں گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو اور تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر وہ تم میں سے کسی کے سامنے آئے جبکہ اس انسان کو درد ہو اور شیطان سے یہ بات کرے تو اس کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس کا زمین میں ایک خدا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ شیطان کو سجدہ کرے اور شیطان اسے مصیبت سے عافیت دلائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کی زوجہ اس سے شک میں مبتلا ہو؟ اگرچہ وہ دیہاتی بیوی ہو یا کم عقل بربری عورت ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔

جہاں تک شیطان کے اس معاملہ کا تعلق ہے کہ اس نے حضرت ایوب کی بیوی کے لیے اموال اور ان کے اہل کو ایک

وادی میں مثالی صورت میں پیش کیے ابلیس کسی حال میں بھی اس پر قادر نہیں نہ ہی وہ جادو کے طریقہ پر ایسا کر سکتا ہے ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اسی جنس سے تھا۔ اگر یہ تصور کیا جائے تو آپ کی بیوی پہچان جاتی کہ یہ جادو ہے جس طرح ہم جان لیتے ہیں جبکہ وہ ہماری بنسبت اس بارے میں زیادہ پہچان رکھتی تھی کیونکہ جادو، اس کے بارے میں گفتگو، لوگوں کے درمیان اس کے جاری ہونے اور اس کی تصویر کشی سے کوئی زمانہ آج تک خالی نہیں رہا۔

قاضی نے کہا: جس چیز نے ان اقوال پر جری کر دیا ہے اور انہوں نے اس کے بارے میں زیادہ گفتگو کی وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شیطان کے مس کرنے کی شکایت کی تو انہوں نے اپنی رائے سے ان چیزوں کو ملا دیا جن اقوال کا ذکر پہلے گزر چکا ہے جبکہ معاملہ اس طرح کا نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے جبکہ تمام افعال اچھے ہوں یا برے ہوں ایمان ہو یا کفر، اطاعت ہو یا نافرمانی سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ان کے خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں اور ان کے علاوہ چیزوں کی تخلیق میں بھی کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں لیکن شرک ذکر میں اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا اگرچہ خلق میں اسی سے موجود ہے یہ بطور ادب ہے جس کی بطور ادب ہمیں تعلیم دی گئی اور بطور حمد جو ہمیں سکھایا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی معنی میں ہے: والخیر فی یدیك والشر لیس الیك۔ اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے: وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ (الشعراء) نوجوان نے حضرت کلیم سے یہ کہا تھا: وَ مَاۤ اَنْسٰىنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ (الکہف: 63)

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ ایک مظلوم نے مدد طلب کی تو آپ نے اس کی مدد نہ کی کون ہمارے لیے اس قول کی صحت کو ثابت کرے گا یہ امر اس سے خالی نہ ہوگا کہ آپ اس کی مدد پر قادر تھے تو کسی کے لیے بھی اس کو ترک کرنا حلال نہیں پس اس پر ملامت کی جائے گی کہ انہوں نے نافرمانی کی جبکہ حضرت ایوب علیہ السلام اس سے منزہ تھے یا وہ مدد کرنے سے عاجز تھے تو پھر اس وجہ سے ان پر کوئی قدغن نہ ہوئی اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ آپ نے فقیر کو داخل ہونے سے روکا تھا اگر آپ کو علم ہوتا تو یہ ان کے بارے میں کہنا باطل ہے اگر جانتے ہی نہ تھے تو ان پر کوئی قدغن نہیں۔

جہاں تک یہ کہنا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی وجہ سے کافر بادشاہ سے نرمی کی تھی تو تو داھن کا لفظ نہ کہہ بلکہ داری کا لفظ کہہ۔ کافر اور ظالم کو نفس اور مال سے مال کے ذریعے دور کرنا جائز ہے ہاں اچھی گفتگو سے ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

ابن عربی قاضی ابوبکر نے کہا: حضرت ایوب کے بارے میں کچھ ثابت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دو آیات میں جو خبر دی ہے: وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ (الانبیاء: 83) دوسری سورت میں ہے: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو آپ سے کوئی چیز صحیح سند کے ثابت نہیں مگر یہ قول ملتا ہے بینا أیوب یغتسل إِذْ خَرَّ عَلَیْهِ رِجل من جراد من ذهب (1)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، إذ نادی ایوب علیه السلام أنی مسنی الضر، جلد 1، صفحہ 480

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں آپ سے نہ قرآن اور نہ حدیث سے کوئی چیز ثابت ہے مگر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ کون ہے جو سامع تک اپنی خبر پہنچا دیتا ہے یا کس زبان سے اس نے یہ بات سنی ہے۔ علماء کے نزدیک اسرائیلی روایات قطعی طور پر ترک کر دی گئی ہیں ان کی تحریروں سے اپنی نظر کو دور رکھو اور ان کو سننے سے اپنے کانوں کو بند رکھو کیونکہ اسرائیلیات تجھے صرف خیال عطا کریں گی اور تیرے دل میں سوائے فساد کے کسی چیز کا اضافہ نہ کریں گی۔

صحیح میں ہے جبکہ الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے سوال کرتے ہو جبکہ تمہاری وہ کتاب جو تمہارے نبی پر نازل کی گئی یہ اللہ تعالیٰ کی خبریں دینے میں سے سب سے نئی ہے تم اسے خالص پڑھتے ہو اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں اس نے تمہارے سامنے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تبدیلی کی ہے اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھیں اور کہا: هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ: 79) تمہارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوال کرنے سے نہیں روکتا نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے ان میں سے کسی ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جو تم پر نازل ہوا جبکہ موطا کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کو عجیب جانا کہ حضرت عمر تورات کی قراءت کر رہے تھے۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ، رکض سے مراد ہے پاؤں سے دھکیلنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَكَضَ الدَّابَةَ و رَكَضَ ثَوْبَهُ بِرِجْلِهٖ اس نے جانور کو پاؤں مارا۔ اس نے کپڑے کو اپنے پاؤں سے پرے کیا۔ مبرد نے کہا: رَكْض کا معنی حرکت دینا ہے اسی وجہ سے اصمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے رُكِضَتِ الدَّابَةُ یہ نہیں کہا جاتا: رَكَضَتْ هِيَ کیونکہ رکض کا معنی ہے سوار کا اپنی ٹانگوں کو حرکت دینا۔ اس سواری کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے یہ کہا: رَكَضْتُ الدَّابَّةَ فَرَكَضَتْ جس طرح یہ جملہ ہے جَبَرْتُ العظمَ فَجَبَرَ و حَزَنْتُهٗ فحزِنَ میں نے سواری کو حرکت دی تو اس نے حرکت کی میں نے ہڈی کو جوڑا تو وہ جڑ گئی، میں نے اسے غمگین کیا تو وہ غمگین ہو گیا؛ کلام میں اضمار ہے یعنی ہم نے کہا: اُرْكُضْ یہ کسائی کا قول ہے۔

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ﴿۴۲﴾ یہ اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے اسے عافیت عطا کر دی۔ حضرت ایوب نے پاؤں مارا تو اسکی وجہ سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تو آپ نے اس سے غسل کیا تو ظاہر سے بیماری چلی گئی پھر آپ نے اس سے پانی پیا تو باطن سے بھی بیماری رفع ہو گئی۔ قتادہ نے کہا: یہ دونوں شام کی سرزمین میں دو چشمے ہیں جس سرزمین کو جابیہ کہتے ہیں آپ نے ان میں سے ایک سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر سے بیماری کو دور کر دیا اور دوسرے چشمے سے پانی پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن سے بیماری کو دور کر دیا (1)؛ اسی کی مثل حضرت حسن بصری اور مقاتل سے مروی ہے کہ مقاتل نے کہا: گرم چشمہ پھوٹ پڑا آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا تو صحیح و سالم وہاں سے نکلے پھر دوسرا چشمہ پھوٹا تو آپ نے اس سے میٹھا پانی پیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ آپ کے جسم میں جو بھی بیماری ہے وہ جھڑ جائے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 102

مغتسل سے مراد وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے؛ یہ قتبی نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں غسل کیا جاتا ہے۔ مقاتل کا قول ہے جوہری نے کہا: اِغْتَسلتُ بالماء، غَسُول اس پانی کو کہتے ہیں جس پانی سے غسل کیا جاتا ہے اسی طرح مُغتسل بھی وہ پانی ہے جس کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے مَغسِل اور مَغسَل مردوں کے غسل کی جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع مغاسل ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کتنا عرصہ آزمائش میں مبتلا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سات سال، سات ماہ، سات دن اور سات گھنٹے (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام نے سات سال تک بیماری پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک قید میں رہے بخت نصر کو عذاب دیا گیا اور سات سال تک اسے درندوں میں محبوس کیا گیا؛ یہ ابو نعیم نے ذکر کیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: دس سال تک آپ کی بیماری رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آٹھ سال تک آپ کی بیماری رہی؛ اسے حضرت انس نے مرفوع نقل کیا ہے جسے ماوردی نے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسے ابن مبارک نے ذکر کیا ہے۔ یونس بن یزید، عقیل سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام اور انہیں جو آزمائش آئی اس کا ذکر کیا اور یہ ذکر کیا کہ آزمائش جو آپ کو پہنچی تھی وہ اٹھارہ سال تک رہی، قشیری نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ عرصہ چالیس سال تھا۔

**وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ** اس کے بارے گفتگو سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے۔ رحمۃ سے مراد نعمت ہے؛ یہ دانشمندوں کے لیے عبرت ہے۔

**وَ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾**

”اور حکم ملا پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا بڑا خوبیوں والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے بارے میں یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے اس کے سبب کے بارے میں چار اقوال ہیں: (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے کہ ابلیس ایک طبیب کی صورت میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے علاج معالجہ کے لیے اسے دعوت دی تو ابلیس نے کہا: میں اس کا اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب وہ صحت مند ہو جائے تو وہ یہ کہے: تو نے مجھے شفا دی ہے، اس کے سوا میں اس سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا بیوی نے کہا: ٹھیک ہے بیوی نے اس بارے میں حضرت ایوب علیہ السلام

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 102

سے مشورہ کیا تو آپ نے قسم اٹھا دی کہ میں ضرور اسے ماروں گا فرمایا: تو ہلاک ہو وہ تو شیطان تھا۔

2۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا: پہلے جتنی روٹیاں وہ لاتی تھی اس سے زائد وہ روٹیاں لائی تو آپ کو اس کی خیانت کا خوف ہوا تو آپ نے قسم اٹھا دی کہ وہ ضرور اسے ماریں گے۔

3۔ جو یحییٰ بن سلام اور دوسرے علماء نے کہا ہے: شیطان نے اسے گمراہ کیا کہ وہ حضرت ایوب کو مجبور کرے کہ وہ ایک بکری کا بچہ اس کی عبادت کے طور پر ذبح کرے اور وہ صحت یاب ہو جائے، بیوی نے اس کا ذکر ان سے کیا تو آپ نے قسم اٹھا دی کہ اگر وہ صحت مند ہو گئے تو اسے سو کوڑے ماریں گے۔

4۔ اس نے اپنی مینڈھیاں دو روٹیوں کے عوض بیچیں جب اس نے کوئی چیز نہ پائی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس لے جائے حضرت ایوب علیہ السلام جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو وہ ان مینڈھیوں کا سہارا لیتے اسی وجہ سے آپ نے اس کو مارنے کی قسم اٹھائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی تو اسے حکم دیا کہ ایک گھٹا لیں اور اس کے ساتھ ماریں۔ آپ نے چھوٹی ٹہنیاں لیں ان کی تعداد سو پوری کی اور اسے ایک ہی دفعہ مارا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضغث سے مراد گھاس کا مٹھا ہے جس میں تر اور خشک تنکے ملے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ٹہنی جس میں چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** یہ آیت اس بات کو ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے مارے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے غلطی کی تو آپ نے قسم اٹھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کھجوروں کے گچھے سے ماریں؛ یہ حدود میں جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اس لیے دیا کہ وہ حد ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو نہ ماریں اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو مارے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ جس طرح سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے: کیا یہ حکم عام ہے یا صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ یہ حکم صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ مہدوی نے عطا بن ابی رباح سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم باقی ہے جب کسی نے سو شاخوں کے ساتھ ایک ہی دفعہ مارا تو وہ آدمی بری ہو جائے گا؛ امام شافعی نے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے؛ اسی کی مثل ایک اپاہج کے بارے میں حکم دیا جس سے ایک لونڈی حاملہ ہو گئی تھی اور آپ نے حکم دیا کہ آپ شاخوں کا گچھا ماریں جس میں چھوٹی سو شاخیں ہوں وہ ایک ہی دفعہ ماریں۔

قشیری نے کہا: عطا سے کہا گیا کیا آج بھی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: قرآن نازل نہیں کیا گیا مگر اس لیے تاکہ آج اس پر عمل کیا جائے اور اسکی پیروی کی جائے۔ ابن عربی نے کہا: عطا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے خاص حکم تھا۔ ابو زید نے ابن قاسم سے وہ امام مالک سے روایت نقل کرتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اس نے ان کو جمع کیا اور پھر ایک ہی دفعہ اسے مارا تو وہ بری نہ ہوگا۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: امام مالک

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (المائدہ:48) یہ حکم ہماری شریعت کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن منذر نے کہا: ہم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ولید بن عقبہ کو ایسی چھڑی سے مارا جس کی دو شاخیں تھیں اسے چالیس ضربیں لگائیں امام مالک نے اس کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی: فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور:2) یہ اصحاب الرائی کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں گفتگو کی گئی ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ حدیث جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استدلال کیا ہے اسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ احمد بن سعید ہمدانی، ابن وہب سے وہ یونس سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے بیان کیا ہے کہ انہیں ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک آدمی بیمار ہوا یہاں تک کہ بہت ہی کمزور ہو گیا وہ محض ہڈی پر چمڑا ہی رہ گیا کسی کی لونڈی اس کے پاس آئی اس کے دل میں لونڈی کے لیے میلان پیدا ہوا اور اس سے اپنی خواہش پوری کر بیٹھا جب اس کی قوم کے افراد اس کے پاس آئے تا کہ اس کی عیادت کریں تو اس مریض نے انہیں سب واقعہ بیان کر دیا اور کہا: میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرو میں نے ایک لونڈی سے خواہش پوری کی ہے جو میرے پاس داخل ہوئی تھی انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا انہوں نے عرض کی: ہم نے کسی میں ایسی تکلیف نہیں دیکھی جو اس کو لاحق ہے اگر ہم اسے آپ کے پاس اٹھا کر لائیں تو اس کی ہڈیاں الگ الگ ہو جائیں گی وہ محض ہڈیوں پر چمڑا ہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سو چھوٹی شاخیں لائیں اور ایک ہی دفعہ اسے ماریں۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا میں فلاں کو سو کوڑے ماروں گا یا سو ضربیں لگاؤں گا اس نے ضرباً شدیداً کا ذکر نہیں کیا اور دل میں اس کی نیت بھی نہ کی تو اس کے لیے وہی ضرب کافی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ حانث نہ ہوگا۔

ابن منذر نے کہا: جب ایک آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اور اس نے اسے ہلکے ہلکے کوڑے مارے تو وہ قسم سے بری ہو جائے گا؛ یہ امام شافعی، ابوثور اور اصحاب رائے کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے کہا: ضرب وہی ہے جو درد دے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَلَا تَحْنَثْ یہ ارشاد اس عمل پر دلیل ہے کہ قسم میں استثناء حکم کو ختم نہیں کرتی اگرچہ وہ متراخی ہی کیوں نہ ہو اس کے بارے میں بحث سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَنِثَ فِي يَمِيْنِهِ يَحْنَثُ جب اس نے قسم کو پورا نہ کیا ہو کوفیوں کے نزدیک واؤ زائدہ ہے کلام یوں ہے فاضرب لاتحنث۔

**مسئلہ نمبر 5۔** ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ دو وجہوں میں سے ایک پر دلالت کرتا ہے (1): (1) ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا اس میں صرف قسم سے بری ہونا اور قسم توڑنا تھا (2) ان سے نذر صادر ہوئی تھی قسم صادر نہ ہوئی تھی۔ جب نذر معین ہو تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: ہر

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1652

نذر میں کفارہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کہ ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام جب آٹھ سال تک مصیبت میں رہے جس طرح ابن شہاب کی روایت میں ہے تو آپ کے دو صحابہ نے کہا: تحقیق آپ نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے میرا گمان نہیں کسی کو اس کی خبر ہوئی ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا تم کیوں کہتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گذرتا جو ایک دوسرے کی مدد کرتے تو ہر ایک قسم اٹھاتا یا جماعت کے پاس سے گذرتا جو آپس میں مدد کر رہے ہوتے، میں ان کی قسموں کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا تا کہ ان میں سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہو وہ اس کا ذکر کرتا ہے یا ذکر نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ۔ تو آپ نے اپنے رب کے حضور یہ ندا کی: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ (الانبیاء) اور حدیث کا ذکر کیا یہ حدیث تجھے یہ فائدہ پہنچاتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ میں کفارہ تھا جس نے بغیر اجازت کے کفارہ ادا کیا تو اس نے اس کی طرف سے فریضہ ادا کیا اور دوسرے سے کفارہ ساقط ہو گیا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** بعض جاہل زاہدوں اور صوفیوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جو یہ ارشاد فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ اس میں رقص کا جواز ہے۔ ابو فرج نے کہا: یہ تو غیر ذمہ دارانہ استدلال ہے کیونکہ اگر آپ کو پاؤں مارنے کا حکم خوشی سے ہوتا تو اس میں کوئی شبہ ہو سکتا تھا آپ کو پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ پانی نکلے۔

ابن عقیل نے کہا: وہ آدمی جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کے بارے میں کہاں دلالت موجود ہے کہ جب مصیبت رفع ہو تو وہ زمین پر اپنا پاؤں مارے تا کہ پانی کا چشمہ ابل پڑے کہ یہ رقص کا اعجاز ہے اگر یہ جائز ہو کہ پاؤں کو حرکت دینا یہ اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے صادر ہوا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (البقرہ: 60) تو اس میں یہ دلالت ہوتی کہ دشمن کو شاخوں سے مارا جائے ہم شرع کے ساتھ اس کھیل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بعض کوتاہ اندیشوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: أنت منّي وأنا منك تو آپ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت جعفر سے فرمایا: أشبهتَ خَلْقي وخُلُقي تو وہ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت زید سے فرمایا: أنت أخونا ومولانا تو وہ ایک ٹانگ پر چلے ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حبشیوں نے جنگی کرتب دکھائے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دیکھ رہے تھے اس کا جواب یہ ہے جہاں تک ''حجل'' کا تعلق ہے یہ چال کی ایک نوع ہے جو خوشی کے موقع پر اپنائی جاتی ہے یہ چال اور رقص کہاں۔ اسی طرح حبشیوں کا ''زفن'' یہ بھی چال کی ایک صورت ہے جو جنگ کے موقع پر اپنائی جاتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا یعنی ہم نے اسے آزمائش میں صابر پایا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ وہ توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے اور مطیع ہیں۔ سفیان سے ان دو افراد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان میں سے ایک کو آزمایا گیا تو اس نے صبر کیا دوسرے پر انعام کیا گیا اس نے شکر کیا تو فرمایا: دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے دونوں بندوں کی تعریف کی ہے ان میں سے ایک صابر تھا اور دوسرا شاکر تھا دونوں پر ایک جیسی تعریف کی حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف میں کہا: نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ۝ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں کہا گیا: نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ۝۔

میں کہتا ہوں: صاحب القوت نے اس کلام کو رد کیا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے اس فقیر کی غنی پر فضیلت کا ذکر کیا ہے اور طویل گفتگو کی جس کے ذریعے اپنی کلام کو قوی کیا ہم نے اس کا ذکر کتاب منہج العباد و محجۃ السالکین والزھاد میں کیا ہے ان پر یہ امر مخفی رہا کہ آزمائش سے قبل اور اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام غنی انبیاء میں سے تھے آپ کا امتحان آپ کے مال اور اولاد کے چلے جانے اور جسم میں بڑی بیماری کی صورت میں ہوا تھا اسی طرح دوسرے انبیاء نے بھی صبر کیا جو بھی ان پر امتحان آیا اور انہیں آزمائش میں ڈالا گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام جس کیفیت میں امتحان میں داخل ہوئے اس کیفیت میں اس سے نکلے نہ ان کی حالت بدلی اور نہ ہی ان کی گفتگو بدلی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام معنی مقصود میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئے وہ تبدیلی کا نہ ہونا تھا جس میں بعض لوگ بعض پر فضیلت رکھتے ہیں اس اعتبار سے غنی شاکر اور فقیر صابر برابر ہیں بات اسی طرح ہے جس طرح سفیان نے کہی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن شہاب نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نکلے جب وہ اپنی حاجت کے لیے اس کی طرف نکلا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنا پاؤں زمین کی طرف مارو، یہ ٹھنڈا پانی ہے اور مشروب ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا گوشت، بال اور جلد خوبصورت ترین انداز میں لوٹا دی پھر اس پانی کو پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں جو درد یا کمزوری تھی اس کو دور کر دیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان کے لیے سفید کپڑے اتارے ایک کو آپ نے تہبند بنایا اور دوسری کو چادر بنایا پھر چلتے ہوئے اپنے گھر کی طرف آئے اور بیوی پر آنے میں دیر کی وہ بیوی آئی یہاں تک کہ آپ کو ملی جبکہ وہ آپ کو پہچان نہیں رہی تھی اس نے آپ کو سلام کیا پوچھا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے: کیا تو نے اس آزمائش میں پڑے آدمی کو دیکھا ہے؟ آپ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ بیوی نے کہا: اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی کو تجھ سے بڑھ کر اس سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ تندرست تھے فرمایا: میں ایوب ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایک گھٹا لیا اور بیوی کو مارا۔ ابن شہاب نے گمان کیا ہے: وہ گھٹا ثمامہ بوٹی کا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل اور ان کی مثل ان کی طرف لوٹا دیئے ایک بادل آیا وہ اس جگہ سونے کے ساتھ برسا جہاں گندم صاف کی جاتی یہاں تک کہ اس جگہ کو بھر دیا ایک دوسرا بادل اسی جگہ کی طرف آیا جہاں جو صاف کیے جاتے اور قطانیہ (چنے کی قسم کے دانے) صاف کیے جاتے وہ چاندی کے ساتھ برسا یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔

وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ۝ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ۝ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ۝

''اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی، اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے تھے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبدنا پڑھا ہے یہ سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ ابن عیینہ نے عمرو سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں؛ یہ مجاہد، حمید ابن محیصن اور ابن کثیر کی قراءت ہے اس قراءت کی بنا پر ابراهیم، عبدنا سے بدل ہوگا اور اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اس پر معطوف ہونگے اس صورت میں ابراہیم اور مابعد اس کا بدل ہونگے۔

عربی لغت کے مطابق اس کی شرح یہ ہوگی جب تو کہے: رایت اصحابنا زیدا وعمروا وخالدا تو اس صورت میں زید، عمرو، خالد بدل ہونگے وہی اصحاب ہیں جب تو کہے: رایت صاحبنا زیدا اعمراو خالدا تو صرف زید بدل ہوگا عمرو اور خالد کا عطف صاحبنا پر ہوگا وہ مصاحبت میں داخل نہیں مگر اس کے علاوہ دلیل سے، مگر اسے یہ علم ہے وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ عبودیت میں داخل ہیں۔

جس نے یہ کہا تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں اس نے اسی آیت سے استدلال کیا جس طرح ہم نے اپنی کتاب الأعلام بمولد النبی علیه السلام میں ذکر کیا ہے؛ یہی قول صحیح ہے۔

اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ نحاس نے کہا: جہاں تک الابصار کا تعلق ہے اس کی تاویل پر تو اتفاق ہے کہ یہاں بصائر سے مراد دین اور علم میں بصیرتیں ہیں جہاں تک الْاَیْدِیْ کا تعلق ہے تو اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ اہل تفسیر کہتے ہیں: اس سے مراد قوت ہے ایک قوم کہتی ہے: الْاَیْدِیْ یہ ید کی جمع ہے جس سے مراد نعمت ہے وہ نعمتوں والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ انعام و احسان کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے احسان کیا اور بھلائی کو آگے بھیجا، یہ طبری کا نقطہ نظر ہے۔

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ﴿۴۷﴾ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ادناس سے پاک کیا اور اپنی رسالت کے لیے پسند کیا مصطفین یہ مصطفی کی جمع ہے اصل میں مصتفی تھا۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ۔ آیت 132۔ اخیار یہ خیر کی جمع ہے۔

اعمش، عبدالوارث، حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے اولی الاید یاء کے بغیر پڑھا ہے یہ وقف اور وصل کی صورت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں وہ قوی تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی جماعت کی قراءت کے مطابق ہو اور یاء تخفیف کے طور پر حذف ہو۔

اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ عام قراء کی قراءت بخالصۃ تنوین کی صورت میں ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا اختیار ہے۔ نافع، شیبہ، ابو جعفر اور ہشام نے ابن عامر سے بخالصۃ ذکری الدار اضافت کی صورت میں پڑھا ہے جس

نے خالصة پر تنوین پڑھی ہے اس نے ذکری الدار کو بدل بنایا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: إنا أخلصنا هم بأن یذ کر والدار الاخرۃ ہم نے انہیں خالص کیا کہ وہ دار آخرت کو یاد کریں، اس کے لیے تیاری کریں، اس میں رغبت کریں اور لوگوں میں رغبت دلائیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ خالصة، خلص کا مصدر ہو ذکری دفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ فاعل ہے معنی ہوگا ہم نے انہیں خالص کیا یعنی میں نے ان کے لیے دار آخرت کے ذکر کو خالص کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ خالصة، اخلصتُ کا مصدر ہو تا زیادتی حذف ہوگئی اس صورت میں ذکری محل نصب میں ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی بان اخلصوا ذکری الدار۔

دار سے مراد دنیا لینا بھی جائز ہے معنی یہ ہوگا وہ دنیا سے نصیحت حاصل کریں اس میں زہد اپنائیں تاکہ ان کے لیے اچھی تعریف خالص ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ (مریم: 50) یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد دار آخرت ہو اور مخلوق کو یاد دلا کر نصیحت کی گئی جس نے خالصہ کو الدار کی طرف مضاف کیا ہے تو اس صورت میں یہ الاخلاص کے معنی میں مصدر ہے الذکر مفعول بہ ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے اور خالصہ یہ مصدر ہے خلوص کے معنی میں ہے یعنی میں نے ان کے لیے دار کا ذکر خالص کر دیا۔ دار سے مراد دنیا ہو یا آخرت ہو جس طرح پہلے گزرا ہے۔

ابن زید نے کہا: معنی ہوگا وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں وہ اس میں رغبت رکھتے ہیں اور دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے ہم نے ان کے لیے جنت کا ذکر کیا۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

''اور یاد فرمایئے: اسماعیل، یسع، اور ذی الکفل کو یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں یہ نصیحت ہے، اور بے شک پرہیز گاروں کے لیے عمدہ ٹھکانہ ہے، سدا بہار باغات کھلے ہوں گے ان کے لیے سب دروازے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (عمر، جمال و کمال میں) ہم مثل (حوریں) ہونگی یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روز حساب (تمہیں ملے گا)۔ بے شک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا''۔

حضرت یسع کا ذکر سورۃ الانعام اور ذی الکفل کا ذکر سورۃ الانبیاء میں گذر چکا ہے ان میں سے ہر ایک کو نبوت کے لیے چنا گیا ہے۔ دنیا میں یہ ان کا ذکر جمیل ہے اور ایسا شرف ہے جس کے ساتھ دنیا میں ان کا ذکر کیا جاتا رہے گا دنیا میں اس ذکر کے ساتھ ساتھ قیامت میں اچھا ٹھکانہ ہے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ لغت میں عدن کا معنی ٹھہرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عدن بالمکان جب وہ مقیم ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں ایک محل ہے جس کو عدن کہتے ہیں جس کے اردگرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں ہر دروازے پر پانچ ہزار دھاری دار یمنی چادریں ہیں اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر نبی، صدیق اور شہید۔ مفتحۃ ترکیب کلام میں حال بن رہا ہے۔

الْاَبْوَابُ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ زجاج نے تقدیر کلام یوں کی ہے مفتحة لهم الأبواب منها فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے مفتحة لهم ابوابها یعنی ابواب پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ فراء نے اس قراءت کو بھی جائز قرار دیا ہے مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ یعنی الابواب کو نصب دی ہے۔ فراء نے کہا: اصل میں مفتحة الابوابِ ہے پھر تو تنوین لایا اور الابواب کو نصب دی۔

فراء اور سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

ونأخُذ بعدَهُ بِذِنَابِ عَيْشٍ أَجَبَّ الظَّهْرَ ليس له سَنَامُ

ہم اس کے بعد زندگی کی دموں کو پکڑنے والے ہونگے کمزوری کی وجہ سے جس کی کوہان نہیں۔

یہاں مفتحۃ فرمایا مفتوحۃ نہیں فرمایا کیونکہ انہیں حکم کے ساتھ کھولا گیا ہے ہاتھ لگانے سے وہ نہیں کھلے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یوں کہا جاتا ہے انفتحی فتنفتح، انغلقی فتنغلق(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرشتے ان کے لیے دروازے کھولیں گے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا یہ حال ہے جسے عامل پر مقدم کر دیا گیا ہے عامل يَدْعُوْنَ ہے یعنی وہ جنات میں طلب کرتے ہوں گے، جبکہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے، رنگارنگ پھل اور کثیر مشروب کیونکہ کلام دلالت کر رہی ہے اس لیے کثیر کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ایسی بیویاں ہونگی جو اپنی نظریں خاوندوں تک محدود رکھتی ہیں کسی اور طرف نظر نہیں کرتیں سورۃ الصافات میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ ہم عمر ان کی عمریں ایسی ہوں گی گویا سب ایک ہی دن میں پیدا ہوئی ہیں وہ حسن، جوانی میں برابر ہیں اور تینتیس سال کی ہونگی۔

اتراب، ترب کی جمع ہے یہ قاصرات کی صفت ہے کیونکہ قاصرات نکرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ الف لام اس پر داخل ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

مِن القاصِراتِ الطَّرْفِ لَوْدَبَّ مُحْوِلٌ من الذَّرِّ فوقَ الإتْبِ مِنها لأثَّرَا

وہ جھکی نظروں والی ہیں اگر ایک باریک چیونٹی ان کی قمیص کے اوپر سے گذرے تو وہ بھی اثر چھوڑ جاتی ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے ما وعدون أيها المومنون یعنی اے مومنو! یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ابن کثیر، ابن محیصن، ابوعمرو اور یعقوب نے

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 389

اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1)؛ یہ سلمی کی قراءت ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ پس یہ خبر ہے لِیَوْمِ الْحِسَابِ میں لام، فی کے معنی میں ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

المُهِينِينَ مَالَهُمْ لِزمانِ السَّوءِ حتّى إذا أفاق أفاقوا

وہ ذلیل و رسوا ہیں برے زمانے میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں جب زمانہ کو افاقہ ہوتا ہے تو انہیں افاقہ ہوتا ہے۔
اس شعر میں لام، فی کے معنی میں ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جنت کی نعمتیں ہمیشہ ہونگی ختم نہ ہونگی جس طرح فرمایا:
عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ (ہود) فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ (التین)

هٰذَا ۚ وَ اِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۚ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ ﴿۶۱﴾

"یہ تو پرہیزگاروں کے لیے ہے اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانہ ہوگا یعنی جہنم وہ داخل ہوں گے اس میں تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہوگا۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہیے کہ وہ اسے چکھیں اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب، یہ لو دوسری فوج گھسا چاہتی ہے تمہارے ساتھ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں یہ ضرور آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے: ظالمو! تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے ہی آگے کیا اس عذاب کے لیے، سو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس بدبخت نے آگے کیا ہے ہمارے لیے یہ عذاب پس بڑھا دے اس کا عذاب دوگنا آگ میں"۔

جب متقین کا ذکر کیا تو سرکشوں کے انجام کا بھی ذکر کیا۔ زجاج نے کہا: هٰذَا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہے الامر هذا اس وجہ سے هٰذَا پر وقف ہوگا۔ ابن انباری نے کہا: هٰذَا پر وقف اچھا ہے پھر تو وَ اِنَّ لِلطّٰغِیْنَ سے کلام کا آغاز کرے گا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ سے مراد لوٹنے کی جگہ ہے جس کی طرف وہ لوٹیں گے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی: جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ انہوں نے جو اپنے لیے ٹھکانہ تیار کیا ہے وہ کتنا برا ہے یا یہ بستر ان کے لیے کتنا برا ہے اسی سے بچے کا پنگھوڑا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے بئس موضع المهاد۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ جس کی صفت بیان کی گئی ہے وہ ان متقین کے لیے ہے پھر فرمایا کہ سرکشوں کے لیے لوٹنے کی بری جگہ ہے، تو اس صورت میں هٰذَا پر وقف کیا جائے گا۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ هٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اس کی خبر حمیم ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے هذا حميم وغسّاق فليذوقوه، فَلْيَذُوْقُوْهُ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ هٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور فَلْيَذُوْقُوْهُ خبر ہو فعل پر فاء اس لیے آئی ہے کیونکہ هٰذَا میں الذی کا معنی پایا جاتا ہے اس صورت میں فَلْيَذُوْقُوْهُ پر عطف کیا جائے گا اور حمیم کو اس تقدیر کی بنا پر رفع دیا جائے گا هذا حميم۔

نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو الأمر هذا حمیم اور غساق کو جب تو خبر نہ بنائے تو ان دونوں کا رفع اس تقدیر پر ہوگا هو حميم وغساق فراء نے اس تعبیر کی بنا پر دونوں کو رفع دیا ہے۔ منه حميم و منه غسّاق اور یہ شعر پڑھا:

حتّى إذا ما أضاءَ الصُّبْحُ في غَلَسٍ  وغُودِرَ البَقْلُ مَلْوِيٌّ ومَحْصُودُ

جب تاریکی میں صبح روشن ہوئی سبزیوں کو چھوڑ دیا گیا ان میں سے کچھ لپٹی ہوئی تھیں اور کچھ کٹی ہوئی تھیں۔

محل استدلال ملوی و محصود ہے اصل میں منه ملوی اور منه محصود تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لها مَتاعٌ واعوان غَدَوْن به  قِتْبٌ و غَرْب إذا ما أُفرِغَ انسفعا

یہ بھی جائز ہے کہ هٰذَا محل نصب میں ہو اور فعل مضمر ہو جس کی تفسیر فَلْيَذُوْقُوْهُ بیان کرتا ہے اور حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ سے تو نئی کلام شروع کرے گا تقدیر کلام یوں ہوگی الأمر حميم وغسّاق۔

اہل مدینہ، اہل بصرہ اور بعض کوفیوں کے نزدیک غساق میں قراءت سین کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی نے غسّاق تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اخفش کے قول میں دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی مختلف ہے جس نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ محض اسم ہوگا جیسے عذاب، جواب، صواب، جس نے اسے مصدر پڑھا ہے اس نے کہا: یہ اصل میں اسم مبالغہ ہے جو مبالغہ کے طریقہ پر فعال کی طرف نقل کیا گیا ہے جیسے ضراب، قتال۔ یہ غسق یغسق سے فعال کے وزن پر ہے اس سے اسم فاعل غَسّاق اور غاسق کے وزن پر آتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سخت ٹھنڈک ہے جو انہیں اپنی ٹھنڈک کے ساتھ خوفزدہ کرے گی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایسی برف ہے جس کی ٹھنڈک انتہاء کو پہنچی ہوئی ہوگی (1)۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ اپنی سردی کے ساتھ اسی طرح جلائے گی جس طرح حمیم اپنی گرمی کے ساتھ جلائے گا۔ حضرت عبدالله بن عمرو نے کہا: گاڑھی پیپ ہوگی اگر اس میں کوئی چیز مشرق میں گرے تو جو مغرب میں ہوگا وہ اس کی وجہ سے بدبودار ہو جائے گا اگر اس میں سے کوئی چیز مغرب میں گرے تو جو مشرق میں ہیں اس سے بدبودار ہو جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جو بدکاروں کی شرمگاہوں

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612

سے اور کافروں کے گوشتوں اور ان کی جلدوں سے کچ لہو اور پیپ میں سے بدبودار چیز نکلے گی۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ جہنمیوں کا نچڑن ہے، یہ قول لغت کے زیادہ مشابہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَسَق الجرح یَغْسِق غسقا یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اس سے زیادہ پانی نکلے۔ شاعر نے کہا:

إذا ما تَذَكَّرْتُ الحياةَ وطِيبَها  إلىَّ جَرَى دَمْعٌ من اللَّيلِ غاسِقُ

جب میں نے زندگی اور اس کی اچھائی کو ظاہر کیا تو آنکھ سے ٹھنڈا آنسو بہہ پڑا۔

یہ کہا جاتا ہے لیل غاسق کیونکہ وہ دن سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: غساق سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی آنکھوں اور آنسوؤں سے بہے جسے وہ حمیم (کھولتے ہوئے پانی) کے ساتھ پیتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: حمیم سے مراد ان کی آنکھوں کے آنسو ہیں جو جہنم کے حوضوں میں جمع ہونگے جسے وہ چکھیں گے۔ صدید اسے کہتے ہیں جو ان کے چمڑوں سے نکلے گی۔ اس قول کو اختیار کرنے کی بنا پر غساق سیال کی طرح ہوگا۔ کعب نے کہا: غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں بچھو اور سانپ وغیرہ کا زہر اس کی طرف بہتا رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ظلمت اور سواد سے ماخوذ ہے، غسق سے مراد رات کی تاریکی کا آغاز ہے قد غسق اللیل اس وقت کہتے ہیں جب وہ تاریک ہو جائے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو أن دلوا من غسّاق یهراق فی الدنیا لانتن اهل الدنیا اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں بہایا جائے تو دنیا والے بدبودار ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ پہلے اشتقاق کے زیادہ مناسب ہے جس طرح ہم نے بیان کیا مگر یہ احتمال موجود ہے کہ غساق بہنے کے ساتھ سیاہ ہو جائے تو دونوں اشتقاق صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ۝ ابو عمرو نے وأُخَر پڑھا ہے یہ اخری کی جمع ہے جس طرح کُبْرٰی کی جمع کُبَر آتی ہے۔ باقی قراء نے اسے وآخر مفرد مذکر پڑھا ہے ابو عمرو نے وآخر کا انکار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَزْوَاجٌ جمع کی خبر واحد سے نہیں لگائی جاتی۔ عاصم جحدری نے واخر کا انکار کیا ہے اگر یہ واخر ہوتا تو کلام یوں ہوتی من شکلها دونوں امر لازم نہیں دونوں قراءتیں صحیح ہیں واخر ہو تو معنی یہ ہوگا حمیم اور غساق کے سوا دوسرا عذاب۔

مِنْ شَكْلِهٖۤ قتادہ نے کہا: اسی کی مثل حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ زمہریر ہے وَّ اٰخَرُ مرفوع ہے(1) کیونکہ یہ مبتدا ہے اَزْوَاجٌ یہ دوسرا مبتدا ہے مِنْ شَكْلِهٖۤ یہ اس کی خبر ہے اور جملہ (آخر) کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ وَّ اٰخَرُ مبتدا ہو اور اس کی خبر مضمر ہو جس پر یہ کلام دلالت کرتی ہے هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝ کیونکہ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ انہیں کے لیے ہے گویا یہ کلام کی ولهم آخر تو اس صورت میں مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ، اٰخَرُ کی صفت ہوگی پس مبتدا صفت کے ساتھ خاص ہو جائے گا اَزْوَاجٌ ظرف کے ساتھ مرفوع ہے۔ جس نے وَّ اٰخَرُ پڑھا اس نے ارادہ کیا عذاب کی اور قسموں کا، جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا اور زمہریر کا ارادہ کیا تو زمہریر کی کئی جنسیں بنائیں تو اسے جمع ذکر کیا کیونکہ جنس مختلف ہیں یا ان سے ہر جز کو

---

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 122

زمہریر بنا دیا پھر اس کی جمع بنائی جس طرح عربوں نے کہا: شابت مفارقه یا یہ جمع کا صیغہ ہے کیونکہ کلام میں جمع کے جواز پر دلالت موجود ہے کیونکہ زمہریر جو سردی کی انتہاء کو کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جمع کے مقابل ہے: هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ شَكْلِهٖٓ میں ضمیر جائز ہے کہ وہ حمیم یا غساق کی طرف لوٹے یا اس معنی کی طرف لوٹے جو ہم نے وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ میں ذکر کیے ہیں آخر کو جب جمع کے صیغہ کی حیثیت سے پڑھیں گے تو یہ مبتدا ہونے کی حیثیت میں مبتدا ہوگا مِنْ شَكْلِهٖٓ اس کی صفت ہوگا اس میں ضمیر مذکر ہے جو مبتدا کی طرف لوٹتی ہے اور اَزْوَاجٌ مبتدا کی خبر ہے یہ جائز نہیں کہ اس تقدیر پر اسے محمول کیا جائے ولهم اخر، مِنْ شَكْلِهٖٓ اس کی صفت ہو اور ازواج ظرف کے ساتھ مرفوع ہے جس طرح یہ افراد میں جائز ہے کیونکہ جب ازواج مرفوع ہو تو صفت میں کوئی ضمیر نہ ہوگی؛ یہ ابوعلی نے کہا۔ اَزْوَاجٌ کا معنی عذاب کی اصناف و الوان ہیں۔ یعقوب نے کہا: جب شکل شین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مثل ہوگا اور جب شین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ایسی عورت ہوگا جو اچھی گفتگو کرنے والی، اچھے مزاج اور ہیئت والی ہوگی۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قائدین جہنم میں داخل ہوں گے(1) پھر ان کے بعد ان کے پیروکار داخل ہونگے تو خازن، سرداروں کو کہیں گے: یہ تمہارے پیروکار ہیں۔ فوج کا معنی جماعت ہے مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں تو سردار کہیں گے: ان کی منازل آگ میں خوشگوار نہ ہوں گی۔ الرحب کا معنی وسعت ہے اسی سے رحبة المسجد ہے یعنی مسجد کا صحن۔ یہ دعا کے لیے لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے نصب دی جاتی ہے نابغہ نے کہا:

لَا مَرْحَبًا بِغَدٍ وَلَا اَهْلًا بِهِ  إِنْ كَانَ تَفْرِيقُ الأَحِبَّةِ فِي غَدِ

کل کو نہ مرحبا ہے اور نہ ہی اہلا و سہلا ہے اگر کل دوستوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے۔

ابوعبید نے کہا: عرب کہتے ہیں لا مرحبا بك۔ نہ تیرے لیے زمین خوشگوار ہوئی اور نہ ہی وسیع ہوئی۔

اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائدین کا قول ہے؛ یہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں جس طرح ہم نے انہیں جہنم میں داخل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملائکہ کا قول ہے یہ ان کے قول هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ اور قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ کے ساتھ متصل ہے؛ یہ تبعین کا قول ہے۔ نقاش نے بیان کیا ہے کہ پہلی جماعت مشرکین کے سردار اور بدر کے روز انہیں کھانا کھلانے والوں کی ہوگی، دوسری جماعت بدر میں ان کی اتباع کرنے والوں کی ہوگی۔ آیت کا ظاہر اس پر دال ہے کہ یہ ہر تابع اور متبوع کو عام ہے۔

اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا یعنی تم نے ہمیں عصیان کی طرف دعوت دی فَبِئْسَ الْقَرَارُ ہمارا اور تمہارا ٹھکانہ کتنا برا ہے قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا پیروکاروں نے کہا: فراء نے کہا: جس نے ہمارے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا اور اس کی سنت قائم کی۔ دوسرے علماء نے کہا: جس نے ہمارے حق میں عذاب کو مقدر کیا کہ ہمیں معاصی کی طرف دعوت دی فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612

فِی النَّارِ ۝ یعنی ان کے حق میں اس وجہ سے بھی عذاب مقدر ہے کہ انہوں نے ہمیں اس امر کی طرف بلایا تو اس طرح ان کے حق میں یہ دگنا ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: عَذَابًا ضِعْفًا سے مراد چھوٹے بڑے سانپ ہیں (1) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ (الاعراف: 38)

وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝

”اور کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہے یہاں وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے“۔

وَ قَالُوْا یعنی مشرکین کے اکابر نے کہا: کیا وجہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم شریر شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ اشرار سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لیتے۔ ابو جہل کہے گا: بلال کہاں ہے، صہیب اور عمار کہاں ہے؟ وہ فردوس میں ہوں گے۔ ابو جہل پر تعجب ہے وہ بیچارہ مسکین، اس کا بیٹا حضرت عکرمہ مسلمان ہو گیا اس کی بیٹی جویریہ مسلمان ہو گئی اس کی ماں مسلمان ہو گئی اور اس کا بھائی مسلمان ہو گیا جبکہ اس نے کفر کیا۔ شاعر نے کہا:

ونورًا أضاءَ الأرضَ شَرْقًا و مَغْرِبًا　　وموضِعُ رِجْلِي مِنْهُ أسْوَدُ مُظْلِمُ

وہ نور جس نے زمین کے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا اور میرے قدم کی جگہ اس سے تاریک و سیاہ ہے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا مجاہد نے کہا: ہم نے دنیا میں ان کا مذاق اڑایا تو ہم نے غلطی کی اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝ یا ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں تو ہم ان کا مکان نہیں جانتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، انہوں نے صحابہ کا مذاق اڑایا اور دنیا میں ان کی آنکھیں ان سے پھر گئی تھیں کیونکہ وہ انہیں حقیر خیال کرتے تھے (2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ کا معنی ہے کیا وہ ہمارے ساتھ جہنم میں ہی ہیں ہم انہیں دیکھتے نہیں ابن کثیر، اعمش، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ وصلی کو حذف کرتے تھے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، عاصم اور ابن عامر اتخذناھم پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ استفہام کا ہمزہ قطعی پڑھتے اور ہمزہ وصل ساقط ہو گیا کیونکہ اب اس سے استغناء ثابت ہو چکی ہے جس نے الف کے حذف کے ساتھ پڑھا تو وہ الاشرار پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ اتخذناھم حال ہے۔ نحاس اور سجستانی نے کہا: یہ رجال کی صفت ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ لغت نہ تو ماضی کا صیغہ ہوتا ہے نہ ہی مستقبل کا صیغہ ہوتا ہے۔

جس نے اتخذناھم ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے اس نے الاشرار پر وقف کیا۔ فراء نے کہا: یہاں استفہام توبیخ اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 391

تعجب کے لیے ہے جب تو اتخذناھم کو استفہام کے ساتھ پڑھے تو امر تسویہ کے لیے ہوگا جب تو استفہام کے بغیر پڑھے تو یہ بل کے معنی میں ہوگا۔ ابوجعفر، نافع، شیبہ، مفضل، ہبیرہ، یحییٰ، اعمش، حمزہ اور کسائی نے سخریا پڑھا ہے باقی نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے کہا: جس نے اس کو کسرہ دیا اس نے اسے ھزء سے بنایا ہے اور جس نے اس کو ضمہ دیا اس کا معنی تسخیر کیا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ لَحَقٌّ، اِنَّ کی خبر ہے اور تَخَاصُمُ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگا ھو تخاصم یہ بھی جائز ہے کہ یہ حق سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ذلک سے بدل ہو معنی ہوگا جہنمیوں کا جہنم میں جھگڑا حق ہے جس طرح یہ قول: لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ اور اس جیسے دوسرے اقوال۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

"اے حبیب! آپ فرمائیے: میں تو فقط ڈرانے والا ہوں اور نہیں ہے کوئی خدا مگر الله جو ایک ہے سب پر غالب ہے مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بخشنے والا ہے۔ فرمائیے: یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو، مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں وہ جھگڑ رہے تھے۔ نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ جو آدمی الله تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے میں اسے الله تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ الہ کا معنی معبود ہے الله تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ پر رفع صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اگر تو پہلے کو نصب دے تو اسے بھی نصب دے گا پہلے کو رفع اور مابعد کو مدح کے طور پر نصب دینا بھی جائز ہے الْعَزِيْزُ کا معنی محفوظ ہے جس کی کوئی مثل نہ ہو الْغَفَّارُ سے مراد جو مخلوقات کے گناہوں کو بخشنے والا ہو۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اے محمد! انہیں کہو حساب، ثواب اور عقاب کے بارے میں جو تمہیں ڈرا رہا ہوں یہ عظیم الشان خبر ہے مناسب نہیں کہ اسے ہلکا جانا جائے؛ یہ قتادہ نے معنی کیا ہے اس کی مثل الله تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ (النباء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن حکیم ہے(1) جس نے تمہیں اس کے بارے میں آگاہ کیا ہے وہ عظیم الشان خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبأ عظیم سے مراد عظیم منفعت ہے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ ملا اعلیٰ سے مراد ملائکہ ہیں(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 109　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 110

کے قول کے مطابق فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اس وقت جھگڑا کیا تھا جب آپ کو تخلیق کیا گیا فرشتوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (البقرۃ:30) ابلیس نے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے واقعات کی خبر دی اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معجزہ قائم ہے انہیں کیا ہو گیا کہ قرآن حکیم میں تدبر کرنے سے اعراض کرتے ہیں جبکہ وہ تدبر کر کے آپ کی صداقت کو پہچان سکتے تھے اسی وجہ سے اس قول کو، اس قول: قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ جوڑا ہے۔ دوسرا قول جسے ابواشہب نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے رب! نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں پوچھا: کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: جماعت کے لیے قدموں پر چل کر جانا، سخت سردی میں اچھی طرح وضو کرنا اور نماز کے بعد مساجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا، پوچھا: درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی سلام کو عام کرنا، کھانا کھلانا، رات کے وقت نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (1)۔ امام ترمذی سے اسی معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: حدیث غریب ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2) ہم نے اسے مکمل طور پر کتاب الأسنی فی شرح أسماء اللہ الحسنی میں تحریر کیا ہے اور ہم نے اس کے اشکال کو بیان کیا ہے۔ الحمد للہ۔ سورۂ یٰس میں مساجد کی طرف چلنے کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے قدم سیآت کا کفارہ بنتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملا اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں يَخْتَصِمُوْنَ میں ضمیر دونوں فرقوں کے لیے ہے اس سے مراد ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جس نے یہ کہا وہ ایسے معبود ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملا اعلیٰ سے مراد قریش ہیں ان کے اختصام سے مراد ان کا رازداری سے جھگڑا کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو آگاہ کر دیتا۔

اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ میری طرف انذار کی وحی کی جاتی۔ ابوجعفر بن قعقاع نے اسے الا انما پڑھا ہے کیونکہ وحی بھی ایک قول ہے گویا کہا: میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ جس نے ہمزہ کو فتحہ دیا اس نے اسے محل رفع میں رکھا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ فراء نے کہا: گویا آپ نے کہا میری طرف انذار کے سوا وحی نہیں کی گئی۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ انما محل نصب میں ہو۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1653 2۔ جامع ترمذی، حدیث نمبر 3158-3159، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

''اے حبیب! یاد فرمایئے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے خاص روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے''۔

اِذْ کا تعلق یَخْتَصِمُوْنَ کے ساتھ ہے معنی یہ ہے جب وہ جھگڑ رہے تھے تو مجھے ملا اعلیٰ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اِذْ قَالَ یہ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ سے بدل ہے یَخْتَصِمُوْنَ محذوف کے متعلق ہے کیونکہ معنی ہے جب ملا اعلیٰ والے جھگڑ رہے تھے تو مجھے ان کی گفتگو کا کچھ علم نہ تھا فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ اذا یہ ماضی کے فعل کو مستقبل کی طرف پھیر دیتا ہے کیونکہ یہ حروف شرط کے مشابہ ہے اس کا جواب حرف شرط کے جواب جیسا ہوتا ہے یعنی جب میں نے اسے پیدا کیا مِنْ رُّوْحِیْ سے مراد ایسی روح ہے جس کا میں مالک ہوں میرے سوا کوئی اس کا مالک نہیں یہ اضافت کا معنی ہے سورۃ النساء آیت 171 میں وَ رُوْحٌ مِّنْهُ کے ضمن میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

سٰجِدِیْنَ ۝ حال کی حیثیت سے منصوب ہے یہ اسلام کا سجدہ تھا سجدہ عبادت نہ تھا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ انہوں نے حکم کی اطاعت کی اور اس کے سامنے عاجزی کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کیا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ابلیس جہالت کی بنا پر سجدہ سے رک گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ استکبار کے طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رکنا کفر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے امر سے استکبار کیا تھا اس لیے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝

''ارشاد ہوا: اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے، کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ وہ (گستاخ) بولا: میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا (اے بے حیا!) نکل جا؛ تو جنت سے بے شک تو پھٹکارا گیا ہے اور بے شک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا: اگر یہی اٹل فیصلہ ہے تو میرے رب مجھے مہلت دیجئے روز حشر تک۔ جواب ملا: بے شک تو مہلت دیے

جانے والوں میں سے ہے یہ مہلت مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ کہنے لگا: تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا''۔

**مَا مَنَعَكَ** کس نے تجھے حکم بجالانے سے پھیر دیا اور اس سے روک دیا کہ تو سجدہ کرے **لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ** اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا مقصود حضرت آدم علیہ السلام کی کرامت کا اظہار کا تھا اگرچہ وہ ہر شے کا خالق ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف روح، بیت، ناقہ اور مساجد کو مضاف کیا لوگوں سے اسی طریقہ سے خطاب کیا جس طرح لوگ اپنے معمولات میں آگاہ تھے کیونکہ مخلوقات میں سے رئیس اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا مگر اس شے کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یہاں بھی ید کا ذکر اسی معنی میں ہے۔ مجاہد نے کہا یہاں ید کا ذکر تاکید کے لیے اور زائد ہے اس کا معنی ہے لما خلقت انا جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ** (الرحمٰن: 27) اس سے مراد یبقی ربك ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ید کے ذکر میں یہ دلیل ہے کہ یہاں یہ لفظ نعمت، قوت اور قدرت کے معنی میں نہیں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ید سے مراد قدرت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مالی بھذا الامر ید اس کام کو بجالانے کی مجھ میں طاقت نہیں و مالی بالحمل الثقیل ید ان اس بوجھ کو اٹھانے میں میری طاقت نہیں، اس معنی پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ بالاجماع پیدا کرنا قدرت کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تَحَمَّلْتُ من عَفْرَاءَ مالیس لِی بِه　　ولالِلْجِبالِ الرَّاسِیاتِ یَدَانِ

میں نے عفراء سے یہ تکلیفیں اٹھائیں جن کو اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہ تھی اور نہ ہی مضبوط پہاڑوں کو طاقت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ** کا معنی ہے جسے میں نے واسطہ کے بغیر پیدا کیا کہا: تو نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا یا تو اپنے رب پر تکبر کرنے والوں میں سے ہے۔ محمد بن صالح، شبل سے وہ ابن کثیر اور اہل مکہ سے بیدی استکبرت الف موصولہ کے ساتھ جملہ خبریہ کے طور پر پڑھا **اَمْ كُنْتَ** میں ام منقطع ہے جو بل کے معنی میں ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** (ہود: 13) ہے جس نے ہمزہ استفہام پڑھا ہے تو اس کے نزدیک ام متصلہ ہوگا اور اس کا مابعد ہمزہ کے مابعد کا معادن ہوگا ہمزہ استفہام تقریر و توبیخ کے لیے ہوگا یعنی جب تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا جانا یا تو اس قوم سے ہے جو تکبر کرتے ہیں تو تو نے بھی اس وجہ سے تکبر کیا۔

**قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ** فراء نے کہا: عربوں سے کچھ کہتے ہیں انا اخیر منه واشر منه اصل یہی ہے مگر کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ حذف ہو گیا۔

**خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝** اس نے آگ کو مٹی پر فضیلت دی جبکہ یہ اس کی جانب سے جہالت تھی کیونکہ جواہر ایک دوسرے کی ہم جنس ہیں۔ اس نے قیاس کیا تو اس نے قیاس میں خطا کی۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

تو جنت سے نکل جا اور تو شہابچوں سے رجم کیا جانے والا ہے تیرے لیے میری رحمت سے دوری قیامت کے دن تک کے لیے ہے۔ اس نے کیونکہ کفر پر اصرار کیا اس لیے اس امر کی وضاحت کی کیونکہ لعنت تو اس روز منقطع ہو جاتی ہے پھر جب جہنم میں اسے داخل کر دیا جائے گا تو اس کے حق میں لعنت کا ثابت ہونا ظاہر ہو جائے گا قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ملعون نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اسے موت نہ آئے تو اس کی گزارش قبول نہ کی گئی یہ وہ دن ہے جس میں مخلوق کو موت لاحق ہوئی اس کے ساتھ نرمی کرتے ہوئے اسے مہلت دی گئی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سبب دھتکارا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھائی کہ وہ شہوات کو مزین کرنے اور ان پر شبہات وارد کرنے کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرے گا لَاُغْوِیَنَّهُمْ کا معنی ہے میں انہیں معاصی کی طرف بلاؤں گا جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہ وسوسہ کے سوا کسی چیز پر رسائی نہیں رکھتا اگر وہ وسوسہ نہ کرتا تو وہ کسی کی زندگی میں فساد نہیں ڈال سکتا تھا مگر اس کے لیے ایسا کر سکتا ہے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اسی وجہ سے فرمایا: اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ یعنی وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کو تو نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر دیا ہے اور جس کو تو نے مجھ سے محفوظ کر دیا ہے۔ سورۃ الحجر میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ۚ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾

”فرمایا: تو میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں، میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔ آپ فرمایئے: میں نہیں مانگتا تم سے کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے۔ اور (اے کفار) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد“۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ یہ اہل حرمین، اہل بصرہ اور کسائی کی قراءت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عاصم، اعمش اور حمزہ نے پہلے لفظ الحق کو رفع دیا۔ فراء نے اس میں جر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ دوسرے میں اختلاف نہیں کہ وہ اَقُوْلُ کی وجہ سے منصوب ہے اور پہلے کو نصب اغراء کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاتبعوا الحق و استمعوا الحق دوسرا لفظ الحق اس وجہ سے منصوب ہے کیونکہ قول کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اُحِقُّ الْحَقَّ کے معنی میں ہے۔ ابو علی نے کہا: پہلا الحق فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یحق اللہ الحق یا یہ قسم کی وجہ سے منصوب ہے اور حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: اللہ لافعلن معنی ہوگا فرمایا: حق کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی والحقَّ اقولُ یہ جملہ ہے جو قسم اور جواب قسم کے درمیان ہے یہ قصہ تاکید کے لیے آیا ہے جب لفظ الحق کو فعل

مضمر کے ساتھ منصوب بنایا جائے گا تو لَاَمْلَئَنَّ قسم کے ارادہ پر کلام ہوگی۔

فراء اور ابو عبید نے الحق کو حقا کے معنی میں کرتے ہوئے منصوب ذکر کیا ہے یہ تعبیر نحویوں کی ایک جماعت کے نزدیک غلط ہوگی یہ کہنا جائز نہیں زیدا لاضربن کیونکہ لام کا مابعد ماقبل سے الگ ہوتا ہے اس لیے مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا دونوں کے قول کے مطابق لاملأن جهنم حقا۔ جس نے لفظ الحق کو مرفوع پڑھا تو اس نے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فانا الحق یا الحق منی۔ دونوں نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یہ ہو هذا الحق۔

سیبویہ اور فراء کے مذہب کے مطابق تیسرا قول ہے: حق یہ ہے کہ جہنم کو بھر دوں گا، مجرور پڑھنے کی صورت میں دو قول ہیں؛ یہ ابن سمیقع اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے (1) حرف قسم محذوف ہے؛ یہ فراء کا قول ہے جس طرح وہ کہا کرتے: الله عزوجل لافعلن سیبویہ نے اس جیسی صورت کے جواز کا قول کیا ہے۔ ابو العباس نے اس میں غلطی کی ہے وہ جر کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ حروف جار کو مضمر نہیں کیا جاتا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ فاء، واؤ قسم کا بدل ہے جس طرح انہوں نے یہ شعر ذکر کیا:

فَمِثْلِكِ حُبْلَى قد طَرَقْتُ ومُرْضِعٍ

یہاں محل استدلال مثلک ہے۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ، مِنْكَ سے مراد تیری ذات اور تیری اولاد ہے وَمِمَّنْ تَبِعَكَ سے مراد بنی آدم ہے قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وحی کی تبلیغ پر کسی انعام کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وحی کے ذکر کی تبلیغ کے بعد علیہ کی ضمیر اس کے لیے ذکر کی ایک قول یہ کیا گیا عَلَیْهِ کی ضمیر ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا کی طرف لوٹ رہی ہے وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ۝ نہ میں تکلیف کرتا ہوں اور جس کا مجھے حکم نہیں دیا جاتا میں اسے اندازہ نہیں کہتا مسروق نے حضرت عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جس سے کسی ایسی چیز کے بارے سوال کیا جائے جس کا وہ علم نہ رکھتا ہو وہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور وہ تکلف سے کام نہ لے کیونکہ اس کا کہنا لا اعلم یہ بھی علم ہے الله تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ۝

رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: للمتكلف ثلاث علامات ينازع من فوقه ويتعاطى ما لاينال ويقول مالا يعلم (1) متکلف کی تین علامتیں ہیں وہ اپنے برتر سے جھگڑا کرتا ہے وہ ایسی چیز کا لین دین کرتا ہے جو پاتا نہیں اور وہ کہتا ہے جو نہیں جانتا ہے۔

دارقطنی کی سند سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے آپ رات کو چلتے رہے صحابہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے حوض کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: اے حوض والے! آج رات تیرے حوض پر درندے آئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اے حوض والے! اسے نہ بتانا یہ تکلف کرنے والا ہے۔ ان درندوں کے لیے وہ ہے جو انہوں نے پی لیا اور ہمارے لیے وہ ہے جو باقی ہے وہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1655

مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے"۔

موطا میں یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ایک قافلہ میں نکلے ان میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر وارد ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے وارد ہوتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں نہ بتا ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں۔ سورۂ فرقان میں پانیوں کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۞ ھو ضمیر سے مراد قرآن ہے، عالمین سے مراد جن اور انسان ہیں وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ۞ ہ ضمیر سے مراد ذکر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی وہ حق ہے (1)۔

بَعۡدَ حِيۡنٍ قتادہ نے کہا: موت کے بعد۔ زجاج نے بھی یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابن زید نے کہا: یوم قیامت۔ فراء نے کہا: موت کے بعد موت سے پہلے۔ جب مسلمانوں کی تلواریں تمہیں اپنی گرفت میں لے لیں گی تو تمہارے لیے اس قول کی حقیقت ظاہر ہوگی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ سدی نے کہا: حین سے مراد یوم بدر ہے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: اے انسان! موت کے وقت یقینی خبر تیرے پاس پہنچے گی (2)۔ عکرمہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ قسم اٹھائی لیصنعن کذا الی حین فرمایا: بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک نہیں کر سکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ۞ اور بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا (ابراہیم: 25) گابے نکلنے سے کھجور کاٹنے تک چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔

اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ اور سورۂ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 112 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 393

# سورۃ الزمر

آیاتہا ۷۵ ۳۹ سورۃ الزمر مکیۃ ۵۹ رکوعاتہا ۸

اسے سورۂ غرف کہتے ہیں۔ وہب بن منبہ نے کہا: جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا جو اس کی مخلوق میں ہے، اسے پہچانے تو وہ سورۂ غرف کو پڑھے۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا، اور جابر بن زید کے قول میں مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مگر دو آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں (1) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (2) قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ۔ دوسرے علماء نے کہا: مگر سات آیات مدنی ہیں قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ یہ وحشی اور اس کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ زمر اور بنی اسرائیل کی تلاوت کے بغیر نہیں سویا کرتے تھے (2)۔ یہ پچھتر آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بہتر آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

"اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو عزیز اور حکیم ہے۔ ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو، خبردار! صرف اللہ کے لیے ہے دین خالص۔ اور جنہوں نے بنا لیے اس کے سوا اور والی اور (کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں، بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا اور بڑا ناشکرا ہو۔ اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 113

2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی فضل جاھر القران، جلد 2، صفحہ 114۔ ایضاً، حدیث نمبر 3327، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایک ہے سب سے زبردست"۔

تَنْزِيْلُ کو رفع، مبتدا کی وجہ سے دیا گیا اس کی خبر مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس حیثیت سے مرفوع ہو ھذا تنزیل یہ فراء نے کہا۔ کسائی اور فراء نے تنزیل منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے اتبعوا واقرء وا تنزیل الکتاب۔ فراء نے کہا: یہ اغراء کی حیثیت میں منسوب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (النساء: 24) تقدیر کلام ہے الزموا کتاب اللہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ مکتوب ہے۔

یہ کتاب کی تنزیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے حق سے مراد صدق ہے یعنی یہ باطل اور مذاق نہیں۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ مخلصا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو موحد بنتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ الدِّيْنُ سے مراد اطاعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عبادت ہے۔ یہ مفعول بہ ہے۔ الدِّيْنُ الْخَالِصُ سے مراد ہے جس میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ بنی اللہ سے مروی ہے ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی شے کو صدقہ کرتا ہوں اور میں کوئی عمل کرتا ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور لوگوں کی تعریف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لا یقبل اللہ شیأ شورک فیہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا جس میں شراکت کی گئی ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ یہ وضاحت سورۂ بقرۃ، سورۃ النساء اور سورۃ الکہف میں مفصل گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت اس بارے میں دلیل ہے کہ ہر عمل میں نیت واجب ہے ان اعمال میں سب سے عظیم وضو ہے جو ایمان کا جز ہے (1) جبکہ امام ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے دونوں کہتے ہیں: وضو نیت کے بغیر بھی کفایت کر جاتا ہے۔ نیت کے بغیر نہ وہ ایمان کی شرط بنتا ہے اور نہ ہی ناخنوں اور بالوں سے خطائیں نکلتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اولیاء سے مراد بت ہیں اس کی خبر محذوف ہے وہ قالوا ہے قتادہ نے کہا: جب انہیں کہا جاتا: من ربکم وخالقکم (2) تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا خالق کون ہے؟ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آسمان سے کس نے پانی نازل کیا؟ سب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ انہیں کہا جاتا: تمہاری بتوں کی عبادت سے کیا مراد ہے؟ وہ کہتے ہیں: تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں اور ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کریں (3)۔ کلبی نے کہا: اس کلام کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1656 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 4 3۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 128

جواب سورۃ الاحقاف میں ہے: فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً (الاحقاف: 28) زلفی سے مراد قربت ہے تاکہ وہ ہمیں اس کے قریب کردیں۔ زلفی مصدر کے حکم میں ہے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور مجاہد کی قراءت میں والذین اتخذوا من دونه اولیاء قالوا نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ حضرت ابی کی قراءت میں و الذین اتخذوا من دونه اولیاء مانعبدکم الا لِتُقَرِّبُونا الی اللہ زلفی، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے کہا: اس میں حکایت واضح ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اہل ادیان میں فیصلہ فرمائے گا ہر ایک جس کا مستحق ہوگا اسے جزا دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۝ جس کے بارے میں پہلے ہی کفر کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ اس دین کی ہدایت نہیں پائے گا، جس پر وہ راضی ہے وہ دین اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: 3) اس آیت میں قدریہ اور دوسرے مکاتب فکر کا رد ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو یہ نام دیتا تو اللہ تعالیٰ یہ امر ان کے سپرد نہ کرتا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝ اولاد سے پاکی بیان کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۝۵ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۝

"اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک رواں ہے مقررہ معیاد تک، غور سے سنو وہی عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ اس نے پیدا کیا تمہیں فرد واحد سے پھر بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پیدا کیے تمہارے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے، وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں، یہ قدرت والا اللہ تمہارا رب ہے اس کی حکومت ہے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو"۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وہ کامل طور پر قادر ہے وہ بیوی اور اولاد سے مستغنی ہے جو اس طرح ہو تو اس کا حق ہے کہ وہ عبادت کیے جانے میں یکتا ہو نہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے ذریعے اس امر پر متنبہ کیا کہ اسے حق حاصل ہے کہ لوگوں سے جو چاہے خدمت لے جبکہ اس نے اس طرح کیا بھی۔

یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ یُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ ضحاک نے کہا: اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے اور اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے یہ تعبیر لغت میں تکویر کے معنی میں منحصر ہے جس سے مراد ہے ایک شے کو دوسری پر ڈالنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کوّر المتاع اس نے کچھ سامان دوسرے سامان پر ڈال دیا، اسی سے کوّر العمامة ہے یعنی اس نے پگڑی لپیٹی۔ اس آیت کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے کہا: جو حصہ رات سے کم ہوتا ہے وہ دن میں داخل ہو جاتا ہے اور جو حصہ دن سے کم ہوتا ہے وہ رات میں داخل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ (لقمان: 29) کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ سے مراد ہے کہ رات دن پر چھا جاتی ہے (1) یہاں تک کہ دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور دن رات پر چھا جاتا ہے تو اس کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: یغشی اللیل النهار یطلبه حثیثا کا بھی یہی مطلب ہے۔

وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ بندوں کے منافع کے لیے طلوع و غروب کے ساتھ سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ان میں سے ہر ایک اپنے فلک میں چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ دنیا ختم ہو جائے گی وہ یوم قیامت ہے جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اجل مسمی سے مراد وہ وقت ہے جس میں سورج اور چاند کا سفر ان منازل پر اختتام پذیر ہوتا ہے جو غروب اور طلوع کے لیے ترتیب دی گئی ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ دونوں اپنی بعیدی منزل تک چلتے ہیں پھر دونوں قریبی منازل کی طرف لوٹتے ہیں وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس کی وضاحت سورۂ یٰس میں گزر چکی ہے۔

اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝ الا تنبیہ کے لیے ہے یعنی متنبہ ہو جاؤ میں غالب ہوں اور اپنی رحمت کے ساتھ مخلوق کے گناہوں کو چھپانے والا ہوں۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ تناسل کا عمل جاری ہو۔ اعراف اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ۔ اَزْوَاجٍ کی خبر نزول کے ساتھ دی کیونکہ یہ نباتات سے پیدا ہوتے ہیں اور نباتات اس پانی سے ہوتی ہیں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اسے ہی تدریج کہتے ہیں اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا (الاعراف: 26) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اَنْزَلَ پیدا کرنے کے معنی میں ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی پیدا کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان چوپاؤں کو جنت میں پیدا کیا پھر انہیں زمین کی طرف اتارا جس طرح اس ارشاد میں فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ (الحدید: 25) کیونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اترے تو ان کے ساتھ ہی لوہا اتارا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تمہیں عطا فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیدا کرنے کو انزال قرار دیا کیونکہ پیدائش ایسے امر کے ساتھ ہوتی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے معنی ہوگا تمہارے لیے یہ چیزیں نازل ہونے والے امر کے ساتھ پیدا کیں۔ قتادہ نے کہا: اونٹ میں سے دو، گائے میں سے دو، بکری میں سے دو، اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 115

بھیڑ میں سے دوان میں سے ایک جوڑا ہے(1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ** قتادہ اور سدی نے کہا: پہلے نطفہ، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا پھر ہڈی پھر گوشت۔ ابن زید نے کہا: پہلے آباء کی پشتوں پھر تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد باپ کی پشت، پھر ماں کے پیٹ پھر وضع حمل کے بعد پیدائش؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

**فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ** اس سے مراد پیٹ کی ظلمت، رحم کی ظلمت اور جھلی کی ظلمت ہے(2)؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ابن جبیر نے کہا: جھلی کی ظلمت، رحم کی ظلمت، اور رات کی ظلمت؛ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باپ کے پشت کی تاریکی، عورت کے بطن کی تاریکی اور رحم کی تاریکی؛ یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے یعنی تاریکی اسے نہیں روک سکتی جس طرح مخلوق کو روک دیتی ہے **ذٰلِكُمُ اللّٰهُ** وہ یہی ہے جس نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا وہ تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو؟ حمزہ نے اسے **اِمِّهٰتِكُمْ** پڑھا ہے یعنی ہمزہ اور میم دونوں مکسور ہیں۔ کسائی نے ہمزہ مکسور اور میم کو مفتوح پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ مضموم اور میم کو مفتوح پڑھا۔

**اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۟ وَ لَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَ اِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝**

”اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بے شک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں، اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اگر تم شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے تمہارے لیے، اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ، پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے سینے کے رازوں کو“۔

**اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ** یہ کلام شرط و جزا پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ** (الاسراء:65) اور جس طرح فرمایا: عینا یشرب بھا عباد اللہ یہ تعبیر ان علماء کے نزدیک ہے جو رضا اور ارادہ میں فرق نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کفر سے راضی نہیں ہوتا اگرچہ اس کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے کافر نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں ہوتا اور اسے پسند بھی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ایسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جس پر راضی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ ابلیس پر راضی نہیں پس ارادہ رضا سے مختلف ہے؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 115 2۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 234

وَ اِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ یعنی تمہارے شکر پر راضی ہوتا ہے کیونکہ تَشۡكُرُوۡا اس پر دلالت کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں شکر کے بارے میں بحث گزر چکی ہے یرضی کا معنی بدلہ دینا اور تعریف کرنا ہے، اس صورت میں رضا سے مراد یا تو ثواب ہوگا تو اس صورت میں فعل کی صفت ہوگا: لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (ابراہیم: 7) یا اس سے مراد اس کی ثنا ہے تو اس صورت میں وہ ذات کی صفت ہوگا۔ ابوجعفر، ابوعمر، شیبہ، اور ہبیرہ نے عاصم سے یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے دیرضہ پڑھا یعنی ہاء کو ساکن پڑھا۔ ابن ذکوان، ابن کثیر، ابن محیصن، کسائی اور ورش نے نافع سے ضمہ کے اشباع کے ساتھ قراءت نقل کی ہے باقی قراء نے اس میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً مِّنۡهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدۡعُوۡۤا اِلَيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِكُفۡرِكَ قَلِيۡلًا ۖ اِنَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۝ اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَيَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝

”اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف اس وقت پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لیے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے اور بناتا ہے اللہ کے ہم مثل تاکہ بہکا دے اس کی راہ سے، (اے مصطفیٰ! آپ اسے) فرمایئے لطف اٹھالے اپنے کفر سے تھوڑے دن، بے شک تو دوزخیوں میں سے ہے۔ بھلا جو شخص عبادت میں صرف کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوئے باایں ہمہ ڈرتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی آپ پوچھیے کیا برابر ہوسکتے ہیں علم والے اور جاہل البتہ عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں“۔

الۡاِنۡسَانَ سے مراد کافر ہے ضُرٌّ سے مراد فقر اور آزمائش میں سختی ہے مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ یعنی اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے، اس کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس شدت کو زائل کرنے میں مدد چاہتے ہوئے خَوَّلَهٗ اسے عطا کی اور اسے مالک بنایا، یہ جملہ بولا کہا جاتا ہے: خَوَّلَكَ اللّٰهُ الشَّيۡءَ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس چیز کا مالک بنایا۔ ابوعمرو بن علاء یہ شعر پڑھا کرتا:

هُنَالِكَ إِنْ يُسْتَخْوَلُوا الْمَالَ يُخْوِلُوا(1)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 522

ان سے اگر مال عاریۃً مانگا جائے تو وہ ادھار دے دیتے ہیں۔

خَوَلُ الرجلِ سے مراد اس کے خدام ہیں اس کی واحد خائل ہے۔

ابو النجم نے کہا:

أَعْطَى فلم يَبْخَلْ ولم يُبَخَّلِ كُومَ الذُّرى مِن خَوَلِ الْمُخوِّلِ(1)

نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وہ اسی رب کو بھول جاتا ہے جس کو اس سے قبل مصیبت کے دور کرنے میں یاد کیا کرتا تھا۔ اس تعبیر کی صورت میں مَا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہوگا اور یہ الذی کے معنی میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ما، من کے معنی میں ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ (الکافرون) معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اس دعا کو بھول جاتا ہے جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و زاری کیا کرتا تھا یعنی وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہوا کرتی تھی۔ اس تعبیر کی صورت میں ما اور فعل مصدر کے حکم میں ہوں گے۔

اَنْدَادًا سے مراد بت ہیں۔ سدی نے کہا: یہاں انداد سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر وہ اپنے تمام امور میں اعتماد کیا کرتے تھے ان کا مقصود یہ ہے کہ جاہل ان کی اقتدا کریں۔

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اس انسان کو کہہ دو: لطف اندوز ہو لے۔ یہ امر دھمکانے کے لیے ہے پس دنیا کا سامان قلیل ہے اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ تیرا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت کی مومن اس کافر جیسا نہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے حضرت حسن بصری، ابوعمرو، عاصم اور کسائی نے امن تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

نافع، ابن کثیر، یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے امن تخفیف کے ساتھ ندا کے معنی میں پڑھا ہے گویا یوں کلام کی یا من ھو قانت فراء نے کہا: الف یاء کے قائم مقام ہے تو کہتا ہے: یا زیدُ اَقبِل، اَزَیدُ اَقبِل سیبویہ اور تمام نحویوں سے نقل کیا گیا ہے جس طرح اوس بن حجر نے کہا:

أَبَنِي لُبَيْنَى لَسْتُمُ بِيَدٍ إِلَّا يَدًا لَيْسَتْ لها عَضُدُ

اے لبینی کی اولاد! تم ایسا ہاتھ ہو جس کا بازو نہیں۔

اس تعبیر کی بنا پر کلام یہ ہوگی قل تَمَتَّعْ بکفرك قليلًا إنك من أصحاب النار وہ شخص جو عبادت میں وقت بسر کرتا رہا تو جنتی ہے جس طرح عام گفتگو کی جاتی ہے: فلان لا يصلى ولا يصوم فيا من يصلى ويصوم أبشر۔ فلاں نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ روزہ رکھتا ہے اے وہ شخص جو نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے تجھے بشارت ہو۔ کلام کیوں کہ اس پر دلالت کرتی ہے اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: أمن میں الف استفہام کا ہے معنی یہ ہوگا کیا وہ شخص جو رات کو عبادت کرتا ہے وہ افضل ہے یا وہ افضل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے تقدیر کلام یہ ہوگی الذی ھو قانت خیر۔ جو عبادت کرتا ہے وہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 116

بہتر ہے جس نے امن کو مشدد پڑھا ہے معنی ہوگا وہ نافرمان جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ بہتر ہے یا وہ جو عبادت کرتا رہا پس وہ جملہ جو امر کا معادل ہے وہ محذوف ہے اصل کلام یوں تھی امر من ایک میم کو دوسری میم میں مدغم کر دیا۔ نحاس نے کہا: امر، بل کے معنی میں ہے اور من الذی کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: امر الذی ھو قانت افضل ممن ذکر۔

قَانِتٌ میں چار توجیہیں ہیں: (1) اس کا معنی مطیع ہے (1)؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے (2) اپنی نماز میں خشوع کرنے والا؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے (3) نماز میں قیام کرنے والا؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (4) اپنے رب سے دعا کرنے والا (2)؛ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول سب کو جامع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''قرآن کریم میں جہاں بھی قنوت کا ذکر ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا: ''لمبا قیام''۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے اس سے مراد لمبا قیام اور قرآن کی قراءت ہے۔ مجاہد نے کہا: قنوت سے مراد لمبا رکوع اور آنکھ کو جھکانا۔ علماء جب نماز میں کھڑے ہوتے تو آنکھوں کو جھکا کر رکھتے خضوع کا اظہار کرتے، نماز میں کسی اور کی طرف توجہ نہ دیتے، فضول عمل نہ کرتے اور امور دنیا میں سے کسی چیز کا ذکر نہ کرتے مگر بھول کر۔

نحاس نے کہا: اس میں اصل یہ ہے کہ قنوت کا معنی اطاعت ہے۔ اس کی تعبیر میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے یہ سب اشیاء اطاعت میں داخل ہیں اور طاعت سے جو بڑھ کر ہیں وہ بھی جس طرح حضرت نافع نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے فرمایا: اٹھو نماز پڑھو، میں نماز پڑھنے کے لیے اٹھا جبکہ میرے جسم پر بوسیدہ کپڑے تھے آپ نے مجھے بلایا آپ نے مجھے فرمایا: بتاؤ اگر میں تجھے کسی کام کے لیے بھیجوں کیا تو اسی طرح چلا جائے گا؟ میں نے عرض کی: میں زیب و زینت کا اہتمام کروں گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ زیادہ اس شان کے لائق ہے کہ تو اس کے لیے زیب و زینت کا اہتمام کرے۔

یہاں قَانِتٌ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ضحاک آپ سے روایت کرتے ہیں: اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت صہیب، حضرت ابو ذر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اس حال پر ہو۔

اٰنَآءَ الَّیْلِ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد اس کی ساعتیں ہیں پہلی، درمیانی اور آخری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اٰنَآءَ الَّیْلِ سے مراد رات کا درمیانی حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر وقوف کو آسان کر دے تو وہ رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ (سے امید رکھے کہ وہ) اسے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے دیکھے جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔ ایک قول یہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 117

2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 116

کیا گیا ہے: اس سے مراد مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے۔

یَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ سعید بن جبیر نے کہا: وہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ یعنی وہ جنت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت حسن بصری سے کسی ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو نافرمانیوں میں بہت آگے بڑھ جاتا ہے اور امید بھی رکھتا ہے فرمایا: وہ تمنا کرنے والا ہے۔ جس نے اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ کو ندا کے معنی میں لیا ہے تو وہ رَحْمَةَ رَبِّهٖ پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان: قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ متصل ہے مگر اس صورت میں کہ کلام میں حذف مقدر کیا جائے یہ زیادہ آسان ہے جس طرح وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

زجاج نے کہا: جس طرح علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مطیع اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔ دوسرے علماء نے کہا: جو علم رکھتے ہیں وہی اپنے علم سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں رہا وہ شخص جو اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ جاہل کے قائم مقام ہوئے۔ بے شک مومنوں میں سے اصحاب عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ⑩

”آپ فرمایئے: اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے، اور (یاد کرو) ان کے لیے جنہوں نے نیک اعمال کیے اس دنیا میں نیک صلہ ہے، اور الله کی زمین بڑی وسیع ہے، مصائب و آلام میں صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا“۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میرے مومن بندوں سے کہہ دو: الله تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو اتَّقُوْا میں تاء واؤ کا بدل ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ حسنہ اولیٰ سے مراد طاعت اور دوسری سے مراد جنت میں ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جنہوں نے دنیا میں نیکی کی ان کے لیے دنیا میں نیکی ہے تو یہ آخرت کے ثواب سے زیادہ ہے(1)۔ دنیا میں زائد حسنہ سے مراد صحت، عافیت، کامیابی اور غنیمت ہے۔ قشیری نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ کافر نے دنیاوی نعمتیں تو حاصل کی ہیں۔

میں کہتا ہوں: کافر کے ساتھ مومن بھی دنیاوی نعمتیں حاصل کرتا ہے جب وہ ان نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے تو اس کے لیے جنت میں زائد نعمتیں دی جاتی ہیں۔ دنیا میں نعمت اچھی تعریف اور آخرت میں جزا ہے(2)۔

وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ تم اس میں ہجرت کرو اور جو آدمی نافرمانیاں کرتا ہے تم اس کے ساتھ مقیم نہ رہو۔ اس بارے میں بحث سورۃ النساء میں مفصل گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد جنت کی زمین ہے الله تعالیٰ نے اس کی وسعت اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 118 2۔ ایضاً

نعمتوں میں رغبت دلائی ہے جس طرح فرمایا: وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (آل عمران:133)

جنت کو بعض اوقات ارض کہہ دیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ (الزمر:74)

پہلا قول زیادہ مناسب وموزوں ہے۔ یہ ہجرت کا حکم ہے یعنی تم مکہ سے اس جگہ کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تمہیں امن ہو۔ ماوردی نے کہا: یہ بھی احتمال ہے وسعت ارض سے مراد رزق کی وسعت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق زمین سے ہی عطا کرتا ہے تو اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کا رزق وسیع ہے؛ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کی وسعت کو احسان جتلانے کے انداز میں ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ تم مہنگے علاقہ سے سستے علاقے کی طرف چلے جاؤ جس طرح حضرت سفیان ثوری نے کہا: تو وہاں رہ، جہاں ایک درہم سے روٹیوں کا تھیلا بھر لے۔

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ بغیر اندازے کے انہیں پورا اجر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انہیں زیادہ ثواب دیا جائے گا کیونکہ اگر ان کو عمل کے مطابق عطا کیا جائے تو یہ حساب کے مطابق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِغَیْرِ حِسَابٍ کا معنی ہے بغیر مطالبہ کے انہیں اجر دیا جائے گا جس طرح دنیاوی نعمتوں کے بارے میں مطالبہ کیا جاتا ہے۔

الصّٰبِرُوْنَ سے یہاں مراد روزے دار ہیں، اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی خبر دی گئی ہے الصوم لی وأنا أجزی بہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزا دیتا ہوں۔ علماء نے کہا: ہر اجر کا کیل اور وزن کیا جاتا ہے مگر روزہ اس کا اجر دونوں ہاتھوں سے بغیر حساب کے دیا جاتا ہے (1)؛ حضرت علی شیر خدا سے بھی یہی مروی ہے۔ مالک بن انس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد دنیا کے مصائب اور احزان پر صبر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جس نے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس سے منع کیا گیا تھا اس کو چھوڑ دیا تو اس کے اجر کی کوئی مقدار نہیں۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہاں کوئی پیمانہ اور ترازو نہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا: ”ترازو گاڑھے جائیں گے صدقہ کرنے والوں کو لایا جائے گا تو ترازوؤں سے انہیں پورا اجر دیا جائے گا (2) اسی طرح نماز اور حج کا معاملہ ہے مصیبت کے شکار لوگوں کو لایا جائے گا نہ ان کے لیے ترازو نصب کیا جائے گا نہ ان کے لیے دیوان کھولا جائے گا ان کے لیے اجر بغیر حساب کے انڈیلا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ یہاں تک کہ دنیا میں سلامتی سے رہنے والے آرزو کریں گے کہ ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جائیں اس آرزو کی وجہ مصائب کا شکار لوگوں کی فضیلت ہوگی“۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”فرائض کو ادا کر تو لوگوں میں سے زیادہ عبادت گزار ہو جائے گا تجھ پر قناعت کرنا لازم ہے تو لوگوں میں سے سب سے غنی ہو جائے گا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 119
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 118

اے بیٹے! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرہ بلوی کہتے ہیں اہل بلاء کو بلایا جائے گا ان کے لیے تراز و نصب نہیں کیا جائے گا ان کے دیوان کو نہیں پھیلایا جائے گا ان پر اجر انڈیلا جائے گا''۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ لفظ صابر کے ساتھ مدح کی جاتی ہے یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو نافرمانیوں سے صبر کرے جب تو یہ ارادہ کرے کہ اس نے مصیبت پر صبر کیا ہے تو کہے گا: صابر علی کذا؛ یہ نحاس کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

''فرمائیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ آپ فرمائیے: میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمائیے: اللہ کی ہی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو بس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا، نیز فرما دیجئے: اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالے گئے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن، سنو یہی پہلا کھلا گھاٹا ہے۔ ان (بدبختوں) کے لیے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی شعلے۔ اس عذاب الیم سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو''۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ سورت کے آغاز میں یہ گزر چکا ہے وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ یعنی اس امت کا پہلا مسلمان ہوں بات حقیقت میں ایسے ہی تھے کیونکہ آپ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے آباء کے دین کی مخالفت کی، بتوں سے لاتعلق ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے اور اس پر ایمان لائے اور اسی امر کی طرف دعوت دی لِاَنْ اَكُوْنَ میں لام زائد ہے؛ یہ جرجانی اور دوسرے علماء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ لام اجل ہے اس کلام میں حذف ہے یعنی مجھے عبادت کا حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان بنوں۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ اس سے مراد یوم قیامت کا عذاب ہے۔ یہ اس وقت کہا جب ان کی قوم نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی دعوت دی؛ یہ اکثر اہل تفسیر نے کہا: ابوحمزہ ثمالی اور ابن مسیب نے کہا: یہ آیت اللہ

تعالیٰ کے فرمان لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح:2) کے ساتھ منسوخ ہے، یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کی مغفرت سے قبل کے لیے تھی۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ لفظ اسم جلالت پر نصب اَعْبُدُ کی وجہ سے ہے۔ دین سے مراد اطاعت اور عبادت ہے فَاعْبُدُوْا یہ امر تہدید کے لیے ہے یہ وعید و توبیخ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (فصلت:40) ایک قول یہ کہا گیا ہے: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوئی آدمی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں بیوی پیدا کی جب وہ جہنم میں داخل ہوا تو اس نے اپنی ذات کا اور اپنے اہل کا نقصان کیا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عمل کیا تو اس کے لیے وہ منزل اور اہل ہوں گے مگر جو اس کے لیے اس سے پہلے تھا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ (المومنون)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ان کے جو نیچے ہیں انہیں ظلل کا نام دیا کیونکہ وہ اپنے سے نیچے والوں کو سایہ دیتے ہیں یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف:40) اور یَوْمَ یَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (العنکبوت:55) کی مثل ہے ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عِبَادَهٗ سے مراد اس کے اولیاء ہیں یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ اے میرے اولیاء! مجھ سے ڈرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومن اور کافر میں عام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

''اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے کہ اس کی عبادت کریں اور دل سے جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے لیے مژدہ ہے مژدہ سنا دیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دانشور ہیں''۔

اخفش نے کہا: طاغوت جمع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد مونث ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ معنی ہے وہ طاغوت سے دور ہے وہ اس سے ایک طرف ہے انہوں نے طاغوت کی عبادت نہ کی۔ مجاہد اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد شیطان ہے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: اس سے مراد بت ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کاہن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 395

یہ عجمی نام ہے جس طرح طالوت، جالوت، ہاروت اور ماروت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربی نام ہے یہ طغیان سے مشتق ہے اَنْ محل نصب میں ہے طاغوت سے بدل ہے، تقدیر کلام یہ ہے والذین اجتنبوا عبادۃ الطاغوت۔

وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی طرف رجوع کیا لَهُمُ الْبُشْرٰى دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں انہیں جنت کی بشارت ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان شخصیات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے انہیں اپنے ایمان کی خبر دی تو وہ ایمان لے آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا تھا۔

فَبَشِّرْ عِبَادِۙ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو اچھی اور بری بات سنتے ہیں پھر اچھی بات کا ذکر کرتے ہیں اور قبیح چیز سے رک جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور غیر قرآن کی اتباع کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو سنتے ہیں اور ان میں سے احسن یعنی محکم کی اتباع کرتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عزیمت اور رخصت کو سنتے ہیں وہ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عقوبت اور عفو کو سنتے ہیں اور عفو کو اپناتے ہیں۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: بہترین قول اس کا ہے جس نے اس آیت کا مصداق ان لوگوں کو بنایا ہے جو اسلام سے قبل توحید کا اقرار کرتے تھے یعنی یہ کہا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

عبدالرحمٰن بن زید نے کہا: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں نازل ہوئی (2) جنہوں نے دور جاہلیت میں طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا ان تک جو بات پہنچی تھی اس میں سے احسن کی اتباع کی اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی طرف ہدایت دی جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اور وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عقلوں سے فائدہ اٹھایا۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِۚ﴿۱۹﴾

"بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں حریص تھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے حق میں شفاعت سبقت لے جا چکی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ابولہب، اس کی اولاد اور خاندان کے وہ افراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے اَفَاَنْتَ میں ہمزہ کو تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا ہے کیونکہ کلام بہت طویل ہو گئی ہے۔ سیبویہ نے اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 121 2۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 191

کے فرمان: اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ (المومنون) کے بارے میں یہی بات کہی ہے جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

معنی ہے کیا جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے کیا تو اس کو بچانے والا ہے؟ یہ کلام شرط اور اس کے جواب پر مشتمل ہے اسے استفہام کے ساتھ پڑھا گیا ہے تاکہ توقیف وتقدیر پر دلالت کرے۔

فراء نے کہا: اس کا معنی ہے جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے تو اس کو بچائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہوئی أفمن حق علیه کلمة العذاب ینجو منه اس کا مابعد جملہ مستانفہ ہے اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ دوسری جگہ فرمایا: حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ کیونکہ فعل جب پہلے ہو اور فعل اور جس اسم کی اس کے ساتھ صفت بیان کی جا رہی ہو کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہو تو اس میں تذکیر و تانیث جائز ہوتی ہے کیونکہ یہاں تانیث حقیقی نہیں بلکہ کلمہ، کلام اور قول کے معنی میں ہے مراد ہوگا أفمن حق علیه قول العذاب۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

"البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے ہیں جس کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا"۔

جب یہ بیان کیا کہ کفار کے لیے آگ کے اوپر اور نیچے سے سائے ہونگے اب یہ بیان کیا کہ متقین کے لیے بالا خانوں پر بالا خانے ہیں کیونکہ جنت کے کئی درجات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ لکن یہاں استدراک یہ نہیں ہے کیونکہ نفی نہیں آئی جس طرح یہ قول ہے: ما رأیت زیدا لکن عمرا اس میں نفی موجود ہے بلکہ یہ ایک قصہ کو ترک کر کے دوسرے قصہ کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے: وقصہ پہلے کے مخالف ہوتا ہے جس طرح تیرا قول ہے جاءنی زید لکن عمرو لم یأت۔

غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ بالا خانے زبرجد اور یاقوت کے بنے ہوئے ہونگے تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یعنی یہ نزہت کے اسباب کو جامع ہوں گے وَعْدَ اللّٰهِ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ لَهُمْ غُرَفٌ کا معنی ہے وعدھم اللہ ذلك وعدا اس پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے ذلك وعدُ اللہ۔

لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿﴾ میعاد سے مراد ہے جو دونوں جماعتوں سے وعدہ کیا گیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پھر جاری کیا اسے زمین کے چشموں سے پھر آگاتا ہے اس کے ذریعے فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں پھر وہ خشک ہونے لگی ہے پس تو دیکھتا ہے اسے زردی مائل پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے، یقیناً اس (کرشمۂ قدرت) میں نصیحت ہے اہل عقل کے لیے“۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اللہ تعالیٰ مخلوق کو زندہ کرنے اور مومن و کافر میں تمیز دینے کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا وہ اس پر قادر ہے جس طرح وہ آسمان سے پانی نازل کرنے پر قادر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بادل سے بارش کو نازل کیا۔

فَسَلَكَهٗ اسے زمین میں داخل کیا اور اس میں سکونت دی جس طرح فرمایا: فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ (المومنون: 18) يَنَابِيْعَ یہ ینبوع کی جمع ہے یہ یفعول کا وزن ہے یہ نَبَعَ، يَنْبُعُ، يَنْبَعُ اور يَنْبِعُ کے وزن پر اس کا مضارع آتا ہے۔ نحاس نے کہا: ابن کیسان نے شاعر کے قول میں یوں بھی بیان کیا:

يَنْبَاعُ مِنْ ذِفْرَى غَضُوبٍ جَسْرَةٍ

ینباع کا معنی ینبع ہے اس کے فتحہ میں اشباع کا قائدہ جاری کیا تو یہ الف ہو گیا جس کا معنی نکلنا ہے ینبوع سے مراد پانی کا چشمہ ہے اس کی جمع ینابیع آتی ہے سبحان سورۃ اسراء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

پھر وہ پانی زمین کے چشموں سے نکلتا ہے اس کے ذریعے کھیتی نکالتا ہے زَرْعًا جنس کے لیے ہے یعنی مختلف کھیتیاں سرخ، زرد، نیلی اور سبز۔ شعبی اور ضحاک نے کہا: ہر وہ پانی جو زمین میں موجود ہے وہ آسمان سے ہی اترتا ہے وہ آسمان سے صخرہ کی طرف نازل ہوتا ہے پھر وہاں سے چشموں اور کنوؤں کی طرف تقسیم ہو جاتا ہے ثُمَّ يَهِيْجُ پھر وہ خشک ہو جاتا ہے تو تو اس کے سبز ہونے کے بعد زرد دیکھے گا۔ مبرد نے کہا: اصمعی نے کہا یہ جملہ بولا جاتا ہے: هاجت الأرض يهيج إذا أدبر نبتُها وولى کہا اسی طرح: هاجت النبت کا جملہ بولا جاتا ہے کہا: اسی طرح اصمعی کے علاوہ نے بھی کہا: جوہری نے کہا: هاج النبت هياجا یعنی نباتات خشک ہو گئی۔ أرض هائجة جب اس کی نباتات خشک ہو جائے یا وہ زرد ہو جائے أهاجت الريح النبت ہوا نے نباتات کو خشک کر دیا۔ أهيجنا الأرض یعنی ہم نے زمین کو خشک نباتات والا پایا۔ هاج هائجه اس کا غضب بھڑک اٹھا هدأ هائجه اس کا جوش کم ہو گیا۔

ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے یہ تحطم العود سے مشتق ہے جب وہ خشکی کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے معنی اس کا یہ ہے جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور زمین سے جو چیز نکلتی ہے اس کے لیے بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن نازل کیا اور پھر اسے مومنوں کے دلوں میں داخل کیا ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ یہاں زرعا سے مراد دین ہے جو مختلف ہو گا ان میں سے بعض بعض سے افضل ہونگے جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے اس کا ایمان و یقین زائد ہو گا جہاں تک اس آدمی کا تعلق

ہے جس کے دل میں مرض ہے تو وہ اسی طرح خشک ہو جائے گا جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بیان فرمائی ہے یعنی جس طرح سبز نباتات متغیر ہو جاتی ہے اور وہ زرد ہو جاتی ہے اسی طرح دنیا اپنی رونق کے بعد ماند پڑ جاتی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

"بھلا وہ سعادت مند کشادہ فرمایا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے، پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لیے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں"۔

شرح کا معنی کھولنا اور وسیع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا یہاں تک کہ وہ اس میں ثبت ہو گیا(1)۔ سدی نے کہا: اس کے سینہ کو اسلام کے ساتھ وسیع کر دیا کیونکہ اس پر وہ خوش ہوا اور اس سے اطمینان ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ جائز ہے کہ یہ شرح اسلام کے بعد ہو پہلی تعبیر کی صورت میں یہ جائز ہے کہ شرح اسلام سے قبل ہو۔

فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہے جس طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا اس حذف پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ دلالت کرتا ہے۔ مبرد نے کہا: جب دل سخت ہو جائے تو کہا جاتا ہے: قسا القلب اسی طرح عتا اور عسا اس کے قریب قریب ہیں قلب قاس ایسا دل جو سخت ہو جو نرم نہ ہو۔ مفسرین نے کہا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ سے مراد حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ نقاش نے یہ بیان کیا کہ اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ مقاتل اور کلبی سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آیت ان تمام افراد کے لیے عام ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان تخلیق فرما کر کھلا کر دیا۔

مرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہا ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے اس کے سینہ کو کیسے کھول دیا؟ فرمایا: "جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے(2)" ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: الإنابة إلى دار الخلود والتجافي عن دار الغرور والإستعداد للموت قبل نزوله جنت کی طرف متوجہ ہونا، دنیا سے پہلو تہی کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین خصلتوں کا ذکر کیا اس میں کوئی شک نہیں جس میں یہ خصلتیں ہوں تو وہ کامل ایمان والا ہے کیونکہ انابہ سے مراد نیکی کے اعمال ہیں کیونکہ جنت نیک اعمال کی جزا کے طور پر بنائی گئی ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مواقع پر کیسے اس کا ذکر کیا پھر اس کے بعد فرمایا: جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ (الواقعہ) پس جنت اعمال کی جزا ہے جب بندہ نیکی کے کاموں میں منہمک ہو جاتا ہے تو یہی اس کا دار خلود کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جب دنیا سے اس کی حرص ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اس کی طلب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 121 2۔ ایضاً

سے غافل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے دنیا سے بے نیاز کر دیتی ہیں تو وہ اسی پر اکتفا کر لیتا ہے اور قانع ہو جاتا ہے پس وہ دنیا سے پہلوتہی کر لیتا ہے جب وہ اپنے امور کو تقویٰ کے ساتھ پختہ کر لیتا ہے تو وہ ہر امر میں غور و فکر کرنے والا ہوتا ہے وہ ادب کو کام میں لاتا ہے، پختگی سے کام کرتا ہے، احتیاط سے کام لیتا ہے، اس چیز سے بچتا ہے جو اسے شک میں ڈالے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے شک میں نہ ڈالیں، تو تحقیق اس نے موت کے لیے تیاری کر لی یہ ظاہر میں اس کی علامات ہیں کیونکہ وہ موت کو دیکھتا ہے اور دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دنیا کو دار غرور دیکھتا ہے یہ رؤیت اسے اس لیے حاصل ہوتی ہے کیونکہ نور اس کے دل میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔

**فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ** ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد ابولہب اور اس کی اولاد ہے مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ سے مراد ہے کہ ان کے دلوں کی سختی قرآن سننے سے بڑھ جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ من، عن کے معنی میں ہے معنی ہوگا اللہ کا ذکر قبول کرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قال الله تعالى أطلبوا الحوائج من السماحاء فإني جعلت فيهم رحمتي ولا تطلبوها من القاسية قلوبهم فإني جعلت فيهم سخطي اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنی ضروریات سخی لوگوں سے طلب کیا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی رحمت رکھ دی ہے تم اپنی حاجت سخت دل لوگوں سے نہ مانگا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی ناراضگی رکھ دی ہے۔

مالک بن دینار نے کہا: کسی بندے کو سخت دلی سے بڑھ کر بڑی سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ کسی قول پر ناراض نہیں ہوتا مگر ان کے دلوں سے رحمت چھین لیتا ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

"اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے پڑھنے سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف، یہ اللہ کی ہدایت ہے راہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ سے مراد قرآن حکیم ہے[1] جب یہ ارشاد فرمایا: فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ تو اس امر کی وضاحت کی کہ جس کو سنا جاتا ہے اس میں سے سب سے بہترین چیز وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہ قرآن ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 122

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمارے سامنے بیان فرماتے تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا (1) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں نصیحت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحدید: 16)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام اکتاہٹ کا شکار ہوئے تو انہوں نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حدیث اسے کہتے ہیں جسے محدث بیان کرتا ہے قرآن کو حدیث کا نام دیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ اور اپنی قوم کو یہ بیان کیا کرتے تھے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (الاعراف) اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ (النجم) اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (الکہف) وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا (النساء) فَذَرْنِیْ وَ مَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ (القلم: 44)

قشیری نے کہا: ایک قوم نے وہم کیا ہے کہ حدیث حدوث سے نکلا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کا کلام حادث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ (الانبیاء: 2) میں لفظ حدیث کا ارادہ نہیں کرتا جبکہ انہوں نے کہا حدوث یہ تلاوت کی طرف لوٹتا ہے متلو کی طرف نہیں لوٹتا تو یہ مذکور کے ساتھ ذکر کیا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر کرتے ہیں۔

كِتٰبًا، اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ سے بدل کے طور پر منصوب ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس سے حال ہو مُّتَشَابِهًا حسن اور حکمت میں وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اس میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں (2)۔ قتادہ نے کہا: آیات اور حروف میں اس کا بعض، بعض کے مشابہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ان کتابوں کے مشابہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام پر نازل کی گئیں کیونکہ یہ امر، نہی، ترغیب اور ترہیب کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اگرچہ یہ ان سب کو اعم ہے اور سب سے بڑھ کر عاجز کرنے والی ہے پھر اس کی صفت بیان کی اور فرمایا: مَّثَانِیَ اس میں قصے، وعظ اور احکام کو بار بار ذکر کیا جاتا ہے اس کی تلاوت بار بار کی جاتی ہے مگر اکتایا نہیں جاتا۔

تَقْشَعِرُّ اس میں جو وعید ہے اس سے خوف کی وجہ سے ان کی جلدیں مضطرب اور متحرک ہو جاتی ہیں ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ آیت رحمت کے موقع پر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ پر عمل اور اس کی تصدیق کے لیے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِكْرِ اللّٰهِ سے مراد اسلام ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر جب قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور ان کی جلدیں کانپنے لگتیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے ان سے عرض کی: آج کل کچھ ایسے لوگ ہیں جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں سے کوئی بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑتا ہے تو انہوں نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

---

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 192　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 122

سعید بن عبدالرحمن حجمی نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اہل قرآن میں سے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو گرا ہوا تھا آپ نے پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا: جب اس پر قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو گر پڑتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور نہیں گرتے تھے پھر فرمایا: شیطان ان کے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا یہ عمل نہ تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: حضرت ابن سیرین کے ہاں ان لوگوں کا ذکر ہوا جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ گر پڑتے ہیں فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان یہ چیز فیصلہ کرنے والی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مکان کی چھت پر اپنے دونوں قدم نیچے پھیلا کر بیٹھے پھر اس پر ابتدا سے لے کر آخر تک قرآن پڑھا جائے اگر وہ اپنے آپ کو نیچے گرا دے تو وہ سچا ہے۔

ابو عمران جونی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص کو پھاڑ دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی: قمیص والے کو کہہ دو وہ اپنی قمیص نہ پھاڑے میں فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا وہ اپنے دل کو میرے لیے کھولے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ زید بن اسلم نے کہا: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں تلاوت کی جبکہ ان کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی موجود تھے ان کے دل نرم پڑ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دل کی نرمی کے وقت دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ رحمت ہے'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب مومن کی جلد اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتی ہے تو اس سے اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جس طرح بوسیدہ درخت سے اس کے اوراق جھڑ جاتے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی بندے کی جلد نہیں کانپتی مگر اللہ تعالیٰ آگ پر اسے حرام کر دیتا ہے''(1)۔

شہر بن حوشب نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: انسان کے دل میں خوف شاخوں کے جلنے کی طرح ہے کیا تو کپکپی نہیں پاتا؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کیونکہ اس موقع پر دعا قبول ہوتی ہے۔

ثابت بنانی سے مروی ہے فلاں نے کہا: میں جانتا ہوں کب میری دعا قبول ہوتی ہے؟ لوگوں نے پوچھا: تجھے اس کا کیسے علم ہوتا ہے؟ کہا: جب میری جلد میں کپکپی طاری ہوتی ہے، میرے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور میری آنکھیں بہہ پڑتی ہیں یہ وہ وقت ہوتا ہے جب میری دعا قبول ہوتی ہے۔ یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے اِقْشَعَرَّ جِلْدُ الرجل إقشعرارا فھو مقشعر اس کی جمع قشاعر ہے تو اس کی میم حذف کر دی جاتی ہے کیونکہ یہ زائدہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أخذته قشعريرة امراؤالقیس نے کہا:

فِبِتُّ أكابِدُ ليلَ التَّمامِ والقلبُ من خشيةٍ مُقْشَعِرُّ

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 12

میں نے تمام رات بڑی تکلیف میں گزاری جبکہ دل خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرآن جب بہت ہی ذی شان اور بلیغ ہے جب وہ اس کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتے تو اس کی عظمت کی بنا پر اس کے حسن سے تعجب کی خاطر اور اس میں جو کچھ ہے اس سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ان کی جلدوں میں کپکپی طاری ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر: 21) تضرع یہ اقشعرار کے قریب قریب ہے خشوع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قریب ہے ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ لین قلب کا معنی اس کی نرمی، طمانیت اور اس کا سکون ہے۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ اسم اشارہ سے مراد قرآن ہے قرآن اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو عقاب کا خوف اور ثواب کی جو امید عطا کی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جسے بے یار و مددگار چھوڑ دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں یہ آیت قدریہ اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔ یہ تمام بحث کئی مواقع پر مفصل گزر چکی ہے الحمد اللہ۔

ابن کثیر اور ابن محیصن نے کہا: دونوں مواقع پر ھاء پر یاء کے ساتھ وقف کیا ہے اور باقی قراء نے یاء کے بغیر وقف کیا ہے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَ قِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

''بھلا وہ شخص جو ڈھال بنائے گا شدید عذاب کے سامنے اپنے چہرہ کو روز قیامت وہ کتنا بدنصیب ہوگا اور کہا جائے گا ظالموں کو: اب چکھو جو کچھ تم کمایا کرتے تھے۔ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ پس چکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش وہ جان لیتے''۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ عطا اور ابن زید نے کہا: اس کے ہاتھ جکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا اس کے جسم میں سے جسے سب سے پہلے آگ مس کرے گی وہ اس کا منہ ہوگا۔ مجاہد نے کہا: اسے منہ کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا(1)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد کافر ہے اسے آگ میں پھینکا جائے گا اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ جکڑے ہوئے ہونگے اس کی گردن پر کبریت کی بڑی چٹان ہوگی جس طرح بڑا پہاڑ ہوتا ہے پتھر میں آگ بھڑک اٹھے گی جبکہ وہ اس کی گردن میں معلق ہوگا اس کی گرمی اس کی گردن پر پہنچے گی وہ طوقوں کی وجہ سے آگ کو چہرے سے دور نہ کر سکے گا۔ خبر محذوف ہے۔ اخفش نے کہا تقدیر کلام یہ ہوگی اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ أفضل أم من سعد۔ جس طرح یہ ارشاد ہے:

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 235

افمن یلقی فی النار خیر من یاتی آمنا یوم القیمۃ۔

وَ قِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ خازن کفار کو کہیں گے: ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۝ یعنی اپنے معاصی کی جزا کو چکھو۔ اس کی مثل هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝ (التوبہ)

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مبرد نے کہا: کسی عضو کو چیز لگتی ہے اس کے بارے میں کہتے قد ذاقہ یعنی وہ اس عضو تک اسی طرح پہنچی جس طرح مٹھاس اور کڑواہٹ چکھنے والے کو پہنچتی ہے کہا: خزی کا لفظ مکروہ کے لیے اور خزایۃ کا لفظ استحیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ جو عذاب انہیں دنیا میں پہنچا ہے آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہے۔

**وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۝**

"اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن حکیم میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ اور ہم نے دیا ہے انہیں قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں ذرا کجی نہیں تاکہ وہ اللہ سے ڈریں"۔

یعنی ہر ایک مثال بیان کی ہے جس کے لوگ محتاج ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: 38) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہم نے سابقہ امتوں کی ہلاکت کا جو ذکر کیا ہے وہ ان کے لیے مثال ہے ممکن ہے کہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اخفش نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ معرفہ ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: عَرَبِيًّا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے قُرْاٰنًا یہ حال کی تمہید کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: مررت بزید رجلا صالحا تو تیرا قول صالحا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: عَرَبِيًّا حال کی حیثیت سے منصوب ہے اور قُرْاٰنًا تاکید ہے۔ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ نحاس نے کہا: ضحاک نے جو کہا وہ سب سے احسن ہے۔ کہا: اس میں اختلاف نہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ غیر مخلوق ہے۔ مہدوی نے اسے ذکر کیا۔ ثعلبی نے جو ذکر کیا ہے اس میں ہے یہی سدی کا قول ہے، حضرت عثمان بن زید نے کہا: اس میں کوئی تضاد نہیں۔ مجاہد نے کہا: اس میں التباس نہیں (1)۔ بکر بن عبداللہ مزنی نے کہا: اس میں کوئی غلطی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی شک نہیں؛ یہ سدی کا قول ہے جس کا ذکر مہدوی نے کیا ہے کہا:

وقد أتاكَ يقينٌ غيرُ ذي عِوجٍ مِنَ الإلٰهِ وقولٌ غيرُ مكذوبِ (2)

تیرے پاس اللہ کی طرف سے قرآن آچکا ہے جس میں کوئی شک نہیں اور ایسا قول آچکا جس میں کوئی جھوٹ نہیں ممکن ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 124
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 125

وہ کفر اور جھوٹ سے بچیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۹

"بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بدخو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے"۔

کسائی نے کہا رَجُلًا کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ مَثَلًا کی تفسیر وضاحت ہے اگر تو چاہے تو حرف جر کے حذف کے ساتھ اسے نصب دے تقدیر کلام یہ ہوگی ضرب اللہ مثلا برجل۔

فراء نے کہا: مُتَشٰكِسُوْنَ کا معنی ہے مختلفون یعنی مختلف۔ مبرد نے کہا: اس کا معنی ہے سخت ترش۔ یہ شکس یشکس شُکْسًا فھو شَکِسٌ سے مشتق ہے جس طرح عَسَرَ یَعْسُرُ عُسْرًا فھو عَسِرٌ ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل شَکِسٌ، شَرِسٌ، ضَرِسٌ، ضَبِسٌ یہ بھی کہا جاتا ہے: رجل ضَبِسٌ وضَبِیسٌ۔ اس کا معنی ہے بدخلق سخت مزاج ہونا، یہ جوہری نے کہا ہے۔ زمخشری نے کہا: التشاکس اور التشاخس کا معنی اختلاف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تشاکست أحواله و تشاخست أسنانه اس کے احوال مختلف ہو گئے اور اس کے دانت بے ترتیب ہو گئے یہ جملہ کہا جاتا ہے: شاکسنی فلان یعنی اس نے میرے حق میں بخل سے کام لیا۔ جوہری نے کہا: رجل شَکُسٌ سخت اخلاق والا۔ راجز نے کہا:

شَكُسٌ عَبُوسٌ عَنْبَسٌ عَذَوَّرُ

محل استدلال شکس ہے۔

یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے قوم شُکُسٌ جس طرح رَجُلٌ صَدْقٌ اور قوم صُدْقٌ ہے۔

شَکِس شَکَاسَۃً بھی استعمال ہوتا ہے۔ فراء نے حکایت بیان کی ہے رجل شَکِسٌ۔ یہ قیاس ہے یہ اس آدمی کے لیے ضرب المثل ہے جس نے کثیر معبودوں کی عبادت کی۔

وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ جو ایک آقا کا خالص غلام ہو یہ اس آدمی کی مثال ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں، یعنی وہ غلام جو جماعت کی خدمت کرتا ہے جو اس کی ملکیت میں شریک ہیں ان کے اخلاق مختلف ہیں، نیتیں متضاد ہیں اسے کوئی آدمی نہیں ملتا مگر اسے کھینچتا ہے اور اس سے خدمت لیتا ہے وہ ان سے مشقت، تکلیف اور عظیم مصیبت پاتا ہے اس کے باوجود کسی کو بھی اپنی خدمت کے ساتھ راضی نہیں کر پاتا کیونکہ اس کے ذمہ بہت ہی زیادہ حقوق ہیں۔ وہ غلام جو ایک آقا کی خدمت کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا جب وہ اس کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کا قدردان ہوگا اور جب وہ لغزش کرے گا تو مالک اس کی لغزش سے درگزر کرے گا تو ان دونوں میں سے کون زیادہ تھکاوٹ اٹھاتا ہے اور کون زیادہ ہدایت پر ہے۔

اہل کوفہ اور اہل مدینہ نے اسے وَ رَجُلًا سَلَمًا پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حضرت حسن بصری، عاصم جحدری، ابوعمرو، ابن کثیر اور یعقوب نے ورجلا سالما پڑھا ہے؛ ابوعبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس میں تفسیر صحیح ہے کہا: سالم خالص، مشترک کی ضد ہے اور سلم، حرب (جنگ) کی ضد ہے یہاں جنگ کا کوئی موقع نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ استدلال لازم نہیں کیونکہ جب لفظ کے دو معنی ہوں تو اسے ان میں سے اولی پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ سلم، حرب کی ضد ہے اس کا کوئی اور موقع ہوتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح تیرے لیے یہ کہا جاتا ہے: فی ھذا المنزل شرکاء فصار سالمالک اس گھر میں شریک ہوتے تھے پس یہ تیرے لیے خالص ہو چکا ہے، سالم میں بھی اس پر وہی چیز لازم ہوگی جو اس نے غیر پر لازم کیا ہے کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: شئ سالم یعنی اس میں کوئی بیماری نہیں۔ دونوں قراتیں حسن ہیں آئمہ نے ان کو پڑھا ہے۔ ابوحاتم نے اہل مدینہ کی قراءت سلما کو پسند کیا ہے کہا: اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، ابوالعالیہ اور نصر نے سلما پڑھا ہے سِلما اور سَلما دونوں مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوئی رجلا ذاسلم مضاف کو حذف کر دیا مَثَلًا تمیز کی حیثیت سے صفت ہے معنی ہوگا کیا ان دونوں کی صفات اور حالات برابر ہوں گے، تمیز میں واحد پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ جنس کو بیان کرنا مقصود ہے۔ الحمدللہ۔ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے کہ اس کی اتباع کرتے۔

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣١﴾

”بے شک آپ نے بھی دنیا سے انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے، پھر تم سب روز حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے“۔

ابن محیصن، ابن ابی عبلہ، عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے اسے انک مائت وانھم مائتون پڑھا ہے یہ اچھی قراءت ہے؛ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی یہی قراءت کی ہے اس قسم کا الف شاذ قراءتوں میں حذف کر دیا جاتا ہے مائت زمانہ مستقبل میں کلام عرب میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح جو مریض ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: إنّه لمارض من ھذا الطعام۔

حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی نے میّت پڑھا ہے یہ لم یمت وسیموت سے مشتق ہے المیْت جب تخفیف کے ساتھ پڑھیں اس سے مراد وہ شخص ہو جس سے روح الگ ہو جائے اسی وجہ سے یہاں اس میں تخفیف نہیں کی گئی۔ قتادہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ذات اور تمہیں تمہاری ذاتوں کی موت کی خبر دی گئی۔

ثابت بنانی نے کہا: ایک آدمی صلہ بن اشیم کو اس کے بھائی کی موت کی خبر دینے کے لیے گیا تو اسے کھانا کھاتے ہوئے پایا صلہ بن اشیم نے اسے کہا: قریب ہو اور کھانا کھاؤ مجھے میرے بھائی کی موت کی خبر بہت عرصہ پہلے دی گی آنے والے نے کہا: وہ کیسے جبکہ میں تیرے پاس پہلا خبر لانے والا ہوں۔ صلہ بن اشیم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی موت کی خبر دے دی ہے اور یہ پڑھا: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ (1) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 125

موت اور ان کی موت کی خبر دی۔
اس کی پانچ وجوہ ہوسکتی ہیں: (1) آخرت سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے (2) عمل پر برانگیختہ کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا (3) موت کی تمہید کے طور پر اس کا ذکر کیا (4) آپ کی موت میں اختلاف نہ کریں جس طرح پہلی امتوں نے دوسروں کی موت میں اختلاف کیا یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا انکار کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے (5) تا کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے آگاہ کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مخلوق کو برابر رکھا ہے جبکہ دوسرے معاملات میں باہم فضیلت موجود ہے تا کہ تسلی زیادہ ہو جائے اور حسرت کم ہو جائے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝ اس سے مراد کافر اور مومن، ظالم اور مظلوم کا جھگڑا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: حدیث میں اس کا طویل ذکر ہے خصوصیت قیامت کے روز اس حد تک جا پہنچے گی کہ روح اور جسم آپس میں جھگڑا کریں گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو معاملات ہمارے درمیان ہوتے رہے خصوصی گناہوں کے ساتھ کیا ان کے بارے میں ہمارے ساتھ تکرار کیا جائے گا؟ فرمایا: ہاں تمہارے ساتھ تکرار کیا جائے گا یہاں تک کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک معاملہ سخت ہے (1)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے کچھ وقت گذارا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝ ہم کہتے: ہم کیسے جھگڑیں گے جبکہ ہمارا نبی ایک ہے اور ہمارا دین ایک ہے یہاں تک کہ ہم نے بعض کو تلواروں کے ساتھ بعض کی گردنیں اڑاتے دیکھا تو مجھے علم ہو گیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم کہا کرتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے تو یہ جھگڑا کیسا۔ جب جنگ صفین کا موقع آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملہ کیا تو ہم نے کہا: ہاں وہ یہی ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہنے لگے: ہمارے درمیان ہماری خصومت کیا ہوگی؟ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو صحابہ نے کہا: یہی ہمارے درمیان خصومت ہوگی۔ ایک قول کیا گیا ہے: ان کے تخاصم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فیصلہ طلب کرنا ہے ظالم کی نیکیوں سے اس کے ظلم کے برابر حق لیا جائے گا اور جس کے لیے حق ثابت ہوا اس کو دے دیا جائے گا یہ حکم تمام مظالم کے بارے میں ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے''؟ صحابہ نے عرض کی: ہمارے درمیان مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم نہ ہو اور سامان نہ ہو، فرمایا: ''میری امت میں سے مفلس وہ ہو گا جو قیامت کے دن نماز، روزوں اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا وہ آئے گا کہ اس نے اس کو گالیاں دی ہونگی اس پر تہمت لگائی ہوگی اس کا مال کھایا ہوگا، اس

1۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ زمر، حدیث نمبر 3160، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کا خون بہایا ہوگا اور اس کو مارا ہوگا اس کو اس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائے گا اور دوسرے کو اس کی نیکیوں سے دیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں واجبات ادا کرنے سے پہلے ختم ہو گئیں تو مظلوم کی برائیاں لی جائیں گی اور ظالم پر پھینک دی جائیں گی پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا'' اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے سورۂ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس آدمی کا کسی پر عزت یا کسی اور حوالے سے کوئی ظلم ہو تو آج ہی اس سے معافی لے لے اس سے پہلے کہ اس کے پاس کوئی دینار اور درہم نہ رہے اگر اس کا کوئی عمل صالح ہو گیا تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے لے لیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہونگی تو مظلوم کے گناہ لیے جائیں گے اور ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے''(1)۔ حدیث مسند یہی ہے ''سب سے پہلے خصومات دنیا میں ہوں گی''۔ ہم نے تمام بحث ''التذکرۃ'' میں ذکر کر دی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝۳۲ وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۳۳ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ۝ۚۖ۳۴ لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۳۵

''پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور تکذیب کرتا ہے اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا، کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ انہیں ملے گا جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے، یہ صلہ ہے محسنوں کا تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو اور عطا فرمائے انہیں انکے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اس آدمی سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے اور یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد اور شریک ہے اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اَلَیْسَ میں ہمزہ استفہام تقریری ہے یعنی کیا جہنم انکار کرنے والوں کے لیے ٹھکانہ نہیں یہ ثوی بالمکان سے مشتق ہے جب وہ وہیں ٹھہرے اس کا قصد ثَوَاء، ثُوِیًّا آتا ہے جس طرح مضی فعل کا مصدر ہے مَضَاءٌ اور مُضِیًّا آتا ہے اگر یہ اثوا سے مشتق ہوتا تو مُثْوًی ہوتا یہ اس بات پر دال ہے کہ ثوی ہی فصیح لغت ہے۔ ابو عبید نے اَثْوٰی نقل کیا ہے، اعشی کا قول ذکر کیا:

أَثْوَى وقَصَّر لَيْلَةً لِيُزَوَّدَا ومَضَى وأَخْلَفَ مِنْ قُتَيْلَةَ مَوْعِدَا

محل استدلال اثوی ہے۔

اصمعی صرف ثوی کو ہی جانتا ہے اور شعر کو روایت کرتا ہے کہ اثوی استفہام کے طریقہ پر ہے اثویت غیری متعدی ہوتا

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل، جلد 1، صفحہ 331

ہے اور وہ متعدی نہیں۔

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾ ۔ وَالَّذِیۡ مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے اس کی خبر اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ہے الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور صَدَّقَ بِہٖۤ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں۔ سدی نے کہا: الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ سے مراد جبریل امین اور الذی صدق بہ سے مراد مومن ہیں (1)، اس پر استدلال اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ سے کیا۔

نخعی اور مجاہد نے کہا: الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِہٖۤ سے مراد مومن ہیں جو قیامت کے روز قرآن کے ساتھ آئیں گے اور کہیں گے: یہ ہے وہ چیز جو تم نے ہمیں عطا کی اس میں جو کچھ ہے ہم نے اس کی پیروی کی اس تعبیر کی صورت میں الَّذِیۡ جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح من جمع میں ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسم کی طوالت کی وجہ سے اس کے آخر سے نون حذف ہے۔ شعبی نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ واحد ہے اور کہا: الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے اسی وجہ سے اس کی خبر جماعت ہے جس طرح جس آدمی کی تعظیم مقصود ہے اس کے لیے کہا جاتا ہے: ھو فعلوا، زید فعلوا کذا کذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر آدمی کے حق میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: طبری نے اسے پسند کیا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے والذی جاء وا بالصدق وصدقوا بہ یہ قراءت تفسیر کے طریقہ پر ہے ابو صالح کوفی کی قراءت والذی جاء بالصدق وصدق بہ ہے یعنی صدق مخفف ہے یعنی اس کے بدلے میں سچ بولا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سچ کا اظہار کیا۔ سورۂ بقرہ میں الَّذِیۡ کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ یہ واحد اور جمع دونوں طرح ہوتا ہے۔

لَہُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یعنی جنت میں نعمتوں میں سے جو چاہیں گے وہ ہونگی جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لک إکرام عندی یعنی میری طرف سے تجھے اکرام پہنچے گا ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۴﴾ یعنی دنیا میں ثنا اور آخرت میں ثواب ہوگا۔

لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ یعنی صدقوا۔ لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ۔ انہوں نے صدقہ کیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمادے، سُوۡٓءَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عزتوں سے نوازیں گے اور اسلام سے قبل جو عمل وہ کرتے رہے اس پر اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ نہیں فرمائے گا اور جو وہ دنیا میں اعمال حسنہ کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس پر اجر عطا فرمائے گا اور وہ جنت ہے۔

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿ۚ۳۶﴾ وَ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

''کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے (یقیناً کافی ہے) اور وہ نادان ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 131

سے جو اللہ کے رسول ہیں اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا''۔

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ۔ کاف سے یاء حذف کر دی گئی ہے کیونکہ یاء خود بھی ساکن ہے اور اس کے بعد تنوین بھی ساکن ہے اصل تو یہ تھا کہ وقف میں یاء کو حذف نہ کیا جاتا کیونکہ تنوین زائل ہے مگر اسے حذف کر دیا گیا ہے تاکہ علم ہو کہ فصل میں بھی یہی صورتحال ہے عربوں میں ایسے بھی ہیں کہ وقف کی صورت میں بھی یاء کو باقی رکھتے ہیں وجہ اس کی اصل کو ملحوظ رکھنا ہے وہ کہتے ہیں: کافی عام قراء کی قراءت عبدہ ہے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کی ذات مشرکین کی وعید اور ان کے مکر کے لیے کافی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے عبادہ پڑھا ہے (1) وہ انبیاء ہیں یا انبیاء اور مومن ہیں۔ ابوعبید نے جمع کے صیغہ کی قراءت کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد یہ قول ہے وَیُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ یہ بھی احتمال ہے العبد لفظ جنس ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ (العصر) اس تاویل کی بنا پر پہلی قراءت دوسری قراءت کی طرف راجع ہے کفایت بتوں کے شر کے لیے ہے کیونکہ مشرکین مومنوں کو بتوں کے سامنے ڈرایا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: وَکَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَکۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّکُمۡ اَشۡرَکۡتُمۡ بِاللّٰہِ (الانعام: 81) جرجانی نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے اور کافر بندے کو ثواب دے کر اور عقاب دے کر کافی ہے۔

وَیُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی مضرت سے خبردار کیا تھا، انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان معبودوں کے ذکر سے نہیں رکیں گے تو یہ تجھے پاگل کر دیں گے یا تجھے کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ قتادہ نے کہا: حضرت خالد بن ولید عزی بت کی طرف گئے تاکہ اسے کلہاڑے کے ساتھ توڑ دیں اس کے خادم نے آپ کو کہا: اے خالد! میں تجھے اس سے خبردار کرتا ہوں کیونکہ اس میں ایسی طاقت ہے کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حضرت خالد عزی بت کی طرف بڑھے اور اس کی ناک توڑ دی یہاں تک کہ کلہاڑے سے اسے توڑ دیا ان کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ڈرانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرانا تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انہیں بھیجا تھا آیت میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ اپنے لشکروں کی زیادتی اور قوت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتے تھے جس طرح ارشاد فرمایا اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ۝ (القمر)

وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ۝ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے وَمَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ ۝ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھے یا اس کے رسولوں سے دشمنی رکھے کیا اللہ تعالیٰ غالب اور انتقام لینے والا نہیں۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍّ ہَلۡ ہُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖۤ اَوۡ اَرَادَنِیۡ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 127

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمان اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ فرمایئے: پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہتا ہے تو کیا وہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو فرما دیجئے: مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔ فرمایئے: اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا پس تم ضرور جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔ اے حبیب! ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے حق کے ساتھ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور جو بہکتا ہے تو وہ بہکتا ہے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لیے اور آپ ان بدبختوں کے ذمہ دار نہیں''۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر آپ ان سے پوچھیں لَيَقُوْلُنَّ یہ امر واضح کیا کہ وہ بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود یہ اقرار کیا کرتے تھے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جب اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے تو وہ تجھے اپنے ان معبودوں سے کیسے ڈراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جبکہ تو اس کا رسول ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور آسمانوں و زمین کو پیدا کیا۔

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب انہوں نے یہ اعتراف کرلیا ہے تو اب ان سے کہو: مجھے بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا یہ بت تکلیف کو رفع کر دیں گے اور اگر وہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے۔ دوسرے علماء نے کہا: انہوں نے کہا وہ کسی ایسی چیز کو دور نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دی ہو لیکن وہ شفاعت کریں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ انکے جواب کو ترک کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے یعنی وہ کہیں گے: نہ وہ کسی مصیبت کو دور کر سکتے ہیں اور نہ رحمت کو روک سکتے ہیں تو پس آپ کہیں: مجھے میرا اللہ کافی ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ توکل کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ نافع، ابن کثیر اور عاصم کے علاوہ کوفیوں نے کاشفات ضرہ پڑھا ہے۔ ابو عمرو، شیبہ اور حضرت حسن کی قراءت میں معروف اور عاصم سے یہی مروی ہے هل هن کاشفات ضرّہ اور ممسكات رحمته اصل کے اعتبار سے اس پر تنوین پڑھی ہے؛ یہی ابو عبید اور ابو حاتم کی قراءت ہے کیونکہ یہ اسم فاعل ہے جو استقبال کے معنی میں ہے جب بات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس طرح ہے تو تنوین زیادہ مناسب ہے۔

شاعر نے کہا:

الضاربون عُمَيْراً عن بيوتهم بالليل يوم عُمَيْر ظالمٌ عادی

محل استدلال عمیراً ہے وہ رات کے وقت عمیر کو اپنے گھروں سے ہی مارنے والے ہیں عمیر کا دن ظالم اور زیادتی کرنے والا ہے۔ اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اس میں تنوین جائز نہیں ہوتی تنوین کو حذف کر دیا گیا۔ جب تنوین کو حذف کر دیا گیا تو دو اسموں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہی تو دوسرے اسم کو اضافت کی وجہ سے جر دی گئی کلام عرب میں تنوین کا حذف بہت زیادہ ہے، موجود ہے اور اچھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ:95) محل استدلال بالغ ہے۔ فرمایا: انا مرسلو الناقة محل استدلال مرسلو ہے سیبویہ نے کہا: اس کی مثل غیر محلی الصید ہے سیبویہ نے کہا:

هل أنتَ باعِثُ دِينارٍ لحاجتِنا

کیا تو ہماری ضرورت کے لیے دینار بھیجنے والا ہے۔ محل استدلال باعث ہے۔

نابغہ نے کہا:

أحكُم كَحُكْمِ فتاةِ الحَيّ إذ نَظَرَتْ إلَى حَمَامٍ شِراعٍ وَارِدِ الثَّمَدِ

اس کا معنی واردِ الثَّمد ہے، تنوین کو حذف کر دیا گیا۔

**قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ** تم اپنی جگہ کام کرو میں اپنی جگہ پر عمل کرنے والا ہوں یعنی اس جہت پر جو میرے بس میں ہے۔

ابوبکر نے مکانتکم پڑھا۔ سورۃ الانعام میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

**يُّخْزِيْهِ** اسے دنیا میں ذلیل و رسوا کر دیا یہ بھوک اور تلوار کے ساتھ ہے اور آخرت میں دائمی عذاب واقع ہوگا۔

**اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝** اس کے بارے میں گفتگو کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

**اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝**

''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کی روحیں حالت نیند میں، پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک، بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ **اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا** ان کی عمروں کے ختم ہونے پر نفوس کو قبض کر لیتا ہے **وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا** اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے جسموں میں روحوں کے باقی رکھنے کے ساتھ

تصرف سے انہیں روک دیتا ہے۔

فَيُمۡسِكُ الَّتِيۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى یعنی وہ نفوس جو سوئے ہوتے ہیں انہیں موت کے وقت تک آزاد چھوڑ دیتا ہے؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے وہ نفوس جو نیند میں نہیں مرتے ان کی عمروں کے ختم ہونے پر ان کو قبض کر لیتا ہے۔ کہا: بعض اوقات قبض کرنا اس کی نیند ہی ہوا کرتی ہے تو اس صورت میں تقدیر کلام اس صورت میں ہوگی والتی لم تمت وفاتھا نومھا۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے مفسرین نے کہا: زندوں اور مردوں کی روحیں نیند کی حالت میں ملتی ہیں اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان سب کے اجسام میں رجوع کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور زندوں کی روحوں کو انکی طرف بھیج دیتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو قبض کرتا ہے جب وہ مر جاتے ہیں (1) اور زندوں کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے جب وہ سو جاتے ہیں وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ متعارف ہوں يُرۡسِلُ کا معنی ہے وہ انہیں واپس کرتا ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: سونے والے کا نفس جبکہ وہ آسمان میں ہوتا ہے ابھی اسے اس کے جسم کی طرف نہیں لوٹایا جاتا تو وہ سچی خوابیں ہوتی ہیں اور جس چیز کو ان کے بھیجنے کے بعد اور جسموں میں قرار پکڑنے سے پہلے دیکھتا ہے وہ شیطان القا کرتا ہے اور باطل ان میں خیال ڈالتے ہیں تو وہ جھوٹے خواب ہیں۔

ابن زید نے کہا: نیند وفات ہے اور موت بھی وفات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: ''جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح تمہیں موت دی جاتی ہے اور جس طرح تم جاگتے ہو اسی طرح تمہیں اٹھایا جائے گا'' (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نیند موت کا بھائی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا جنتی سوئیں گے؟ فرمایا: لا النوم أخو الموت والجنة لا موت فیھا نہیں نیند موت کا بھائی ہے اور جنت میں کوئی موت نہیں؛ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان میں نفس اور روح ہے دونوں کے درمیان سورج کی شعاع جیسا تعلق ہے نفس کے ساتھ سمجھ اور تمیز ہوتی ہے اور روح کے ساتھ سانس کی حرکت ہوتی ہے جب بندہ سوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفس قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح قبض نہیں کرتا؛ یہ ابن انباری اور زجاج کا قول ہے۔ قشیری ابو نصر نے کہا: یہ بات حقیقت سے بہت ہی دور ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں نفس مقبوض ایک ہی چیز ہے اسی وجہ سے فرمایا: فَيُمۡسِكُ الَّتِيۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى پس اللہ تعالیٰ دونوں حالتوں یعنی نیند اور حالت موت میں روح کو ہی قبض کرتا ہے جسے حالت نیند میں قبض کرتا ہے تو اس کا معنی ہے اسے بھانپ لیتا ہے یعنی تصرف سے اسے روک دیتا ہے گویا وہ بھی ایسی چیز

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 29-128　2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

ہے جس پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور جسے موت کی حالت میں قبض کرتا ہے تو اسے روک لیتا ہے اور قیامت تک اسے نہیں چھوڑتا۔

وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى جو چیز اسے روک رہی تھی اس کو زائل کر دیتا ہے تو وہ لوٹ آتا ہے جس طرح وہ پہلے تھا نفس کی حالت نیند میں وفات حس کو زائل کرنے، غفلت کو پیدا کرنے اور ادراک کے محل میں آفت کو پیدا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اور حالت نیند میں وفات سے مراد موت پیدا کرنا اور کلی طور پر حس کو ختم کرنا ہوتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ یعنی اس میں ادراک پیدا نہیں کرتا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں موت پیدا کر دی ہوتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت کی وجہ سے لوگوں نے نفس اور روح میں اختلاف کیا ہے، کیا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا یہ دو چیزیں ہیں جیسے ہم نے ذکر کیا ہے؟ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں ایک چیز ہیں اسی پر صحیح آثار دلالت کرتے ہیں جس طرح ہم اس باب میں ذکر کریں گے۔

اسی ضمن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ کے ہاں تشریف لے گئے جبکہ ان کی آنکھ کھلی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی آنکھ کو بند کر دیا پھر فرمایا: الروح إذا قبض تَبِعه البصر روح جب قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ألم تروا الإنسان إذا مات شَخَص بَصَرُه کیا تم انسان کو نہیں دیکھتے جب وہ مرتا ہے تو اس کی آنکھ کھل جاتی ہے فرمایا: ''یہ اس لیے ہوتا ہے کیونکہ اس وقت نظر نفس کا پیچھا کرتی ہے'' دونوں روایات کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب بندہ نیک ہوتا ہے تو ملائکہ حاضر ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں: اے پاکیزہ نفس! نکلو جب وہ پاکیزہ جسم میں ہوتا ہے تو نکل جبکہ تو تعریف کی گئی ہے تجھے روح و ریحان کی بشارت ہو تجھے راضی رب کی بشارت ہو وہ غصہ میں نہیں، اسے لگاتار یہ بات کی جاتی ہے یہاں تک کہ اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے'' اس کی سند صحیح ہے؛ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ''جب فرشتے کسی شخص کی روح کو نکالتے ہیں تو اسے دو فرشتے وصول کر لیتے ہیں جو اسے اوپر کی طرف لے جاتے ہیں''۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وادی والی حدیث (جس میں حضرت بلال کو ذمہ داری دی گئی تھی کہ وہ نماز کے لیے صحابہ کو بیدار کریں) میں کہا: یارسول اللہ! میرے نفس کو اسی ذات نے اپنی گرفت میں لے لیا جس ذات نے آپ کے نفس کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ زید بن مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابل یہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو انہیں ہماری طرف اس وقت کے علاوہ وقت میں لوٹا دیتا''۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اس میں صحیح یہ قول ہے کہ ایک لطیف جسم ہے اجسام محسوسہ کے ساتھ چنگل مارے ہوئے ہے اسے کھینچا جاتا ہے اور اسے نکالا جاتا ہے اسے کفن میں لپیٹا جاتا ہے اور اسے کفن میں داخل کیا جاتا ہے اسے ہی آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے اسے موت نہیں آتی وہ فنا نہیں ہوتا یہ پاکیزہ خوشبو اور خبیث خوشبو والا ہے جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی

حدیث میں ہے یہ اجسام کی صفات ہیں اعراض کی صفت نہیں ہم نے اس بارے میں تمام اخبار کتاب التذ کرہ باحوال الموتی والدار الآخرۃ میں ذکر کی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ (واقعہ) اس سے مراد نفس ہے جب وہ جسم سے نکلتا ہے یہ جسم کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إذا أوی أحدکم إلی فراشه فلیأخذ داخلة إزاره فلینفض بها فراشه ولیسمّ الله فإنه لا یعلم ما خلفه بعد علی فراشه فإذا أراد أن یضطجع فلیضطجع علی شقه الأیمن ولیقل سُبحانك ربی وضعت جنبی وبك أرفعه إن أمسکت نَفْسی فاغفر لها (1)۔ جب تم میں سے کوئی اپنے بستر کا ارادہ کرے تو وہ تہبند کے اندر کا حصہ لے اور اس کے ساتھ اپنے بستر کو جھاڑے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کون اس کا نائب رہا جب وہ لیٹنے کا ارادہ کرے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹے اور کہے: اے میرے رب! تو پاک ہے میں نے اپنا پہلو رکھ دیا ہے اور تجھی کے سہارے میں اسے اٹھاؤں گا اگر تو میرے نفس کو روک لے تو اسے بخش دے۔

بخاری، ابن ماجہ اور ترمذی نے فاغفر لها کی جگہ فارحمها کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہ الفاظ بھی ذکر کیے اگر تو اسے چھوڑ دے تو اس کی حفاظت فرما جن چیزوں سے تو اپنے صالح بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ الفاظ زائد ذکر کیے ہیں: جب وہ بیدار ہو تو کہے: اس ذات کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے میرے جسم کو عافیت عطا فرمائی میری روح کو میری طرف لوٹا دیا اور اپنے ذکر کا مجھے اذن دیا۔

امام بخاری نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت سوتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر کہتے: اللّٰھم باسمك أموت وأحیا اے میرے اللہ! تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں۔ جب وہ بیدار ہوتے تو کہتے: الحمد للّٰه الذی احیانا بعد ما أماتنا والیه النشور (2) اس اللہ کی تمام تر تعریفیں ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا کی اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ یہ عام قراءت ہے فعل معروف ہے اور الموت پر نصب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پر موت کا فیصلہ کر دیا؛ یہ ابو حاتم اور ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ آیت کے شروع میں اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ پس وہ ہی نفس پر فیصلہ فرماتا ہے۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے اسے قضی علیها الموت پڑھا ہے یعنی فعل مجہول۔ نحاس نے کہا: معنی ایک ہے مگر پہلی قراءت زیادہ واضح اور سیاق کلام کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے وَ يُرْسِلُ انہوں نے اسے ویرسَل نہیں پڑھا۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت، الوہیت میں منفرد ہونے، جو چاہے کرنے، زندگی دینے اور موت عطا کرنے پر تنبیہ ہے اس ذات کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ یعنی میت اور سونے والے کا نفس قبض کرنے اور سونے والے نفس کو چھوڑ دینے اور میت کے نفس کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الخلاء، جلد 2، صفحہ 936

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر المیت والاستعداد لہ، صفحہ 324

روک لینے میں کئی نشانیاں ہیں۔

اصمعی نے کہا میں نے معتمر کو کہتے ہوئے سنا: انسان کی روح کاتے ہوئے دھاگے کے بنڈل کی طرح ہے روح کو چھوڑا جاتا ہے وہ جاتی ہے پھر اسے لپیٹا جاتا ہے تو وہ آتی ہے اور جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے حالت نیند میں روح کا کچھ حصہ چھوڑا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ بدن میں ہوتا ہے اس کا جو حصہ جسم سے نکلتا ہے اس کے ساتھ اس کا مخفی اتصال موجود ہوتا ہے انسان جب بیدار ہوتا ہے تو روح کا وہ حصہ جو پھیل چکا تھا جسم میں موجود اکثر حصہ اسے اپنی طرف کھینچتا ہے تو وہ لوٹ آتی ہے، اس کے علاوہ بھی بات کی گئی۔ سبحان میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۭ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝

''کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی، پوچھیے: اگرچہ وہ مزعومہ سفارشی کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں۔ آپ فرمائیے: سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اسی کے لیے بادشاہی ہے آسمان اور زمین کی پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں''۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ بلکہ انہوں نے اپنے بتوں کو شفیع بنا لیا ہے۔ کلام میں ایسی چیز ہے جو لم کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے تقدیر کلام یوں ہے لم یتفکروا لیکن انہوں نے اپنے معبودوں کو شفیع بنا لیا ہے قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا اے محمد! انہیں کہو کیا تم انہیں شفیع بناتے ہو اگرچہ یہ شفاعت میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی یہ عقل رکھتے ہیں کیونکہ یہ جمادات ہیں؛ یہ استفہام انکاری ہے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا یہ اس میں بیان ہے کہ شفاعت صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: 255) یعنی اس کی شفاعت کے بغیر کوئی شافع نہیں اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیا: 28) جَمِيْعًا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جَمِيْعًا دو یا اس سے زائد افراد کے لیے ہوتا ہے جبکہ شفاعت تو واحد ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ شفاعت مصدر ہے اور مصدر دو اور جمع افراد کا معنی دیتا ہے

وَحْدَهٗ خلیل کے نزدیک مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے اور یونس کے نزدیک حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مبرد نے کہا: اشْمَاَزَّتْ کا معنی ہے منقبض ہونا؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 236

ہے نفرت کرنا، تکبر کرنا، کفر کرنا اور نافرمانی کرنا۔ مؤرج نے کہا: اس کا معنی ہے انکار کرنا۔ اشمئزاز کا اصل معنی نفور اور ازورار ہے یعنی نفرت کرنا اور ناپسند کرنا۔

عمرو بن کلثوم نے کہا:

إذا عَضَّ الثِّقَافُ بها اشْمَأَزَّتْ وَوَلَّتْهُمْ عَشَوْزَنَةً زَبُونَا

اور زید نے کہا: اشماز الرجل کا معنی ہے وہ خوف سے گھبرا گیا مشرکوں سے جب کہا جاتا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور کفر کرتے۔

وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ یعنی جب بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چہروں سے خوشی اور مسرت عیاں ہوتی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝٤٦ وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝٤٧ وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٤٨

''آپ عرض کیجیے: اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! اے جاننے والے غیب اور شہادت کے! تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا ان میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو چاہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کریں اسے میرے عذاب کے عوض، قیامت کے دن اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادی ہے اور مضاف ہے اسی طرح عٰلِمَ الْغَيْبِ بھی ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس کا نعت ہونا جائز نہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز سے نماز کا آغاز کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ رات کو اٹھتے تو نماز کا آغاز ان الفاظ سے کرتے اللھم رب جبریل و میکائیل واسرافیل فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ أنت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیہ یختلفون اے اللہ! جبریل میکائیل واسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا

کرنے والے! اے غیب وشہادت کو جاننے والے! تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا جو جھوٹ بولیں اور شرک کریں اگر وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب فدیہ دے دیں۔ یہ بحث سورۂ آل عمران اور سورۃ الرعد میں گزر چکی ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۝ اسی معنی میں وہ روایت کی گئی ہے جسے منصور نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہا: انہوں نے ایسے اعمال کیے انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ نیکیاں ہیں جبکہ وہ برائیاں تھیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ایسے اعمال کیے انہوں نے گمان کیا تھا کہ وہ موت سے قبل اس برے عمل سے توبہ کرلیں گے تو توبہ کرنے سے پہلے موت نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا جبکہ وہ گمان کیا کرتے تھے کہ وہ توبہ سے نجات پا جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے یہ وہم کیا تھا کہ انہیں توبہ کے بغیر ہی بخش دیا جائے گا تو ان کے لیے الله تعالیٰ کی جانب سے وہ ظاہر ہوا جس کا وہ گمان نہیں رکھتے تھے، یعنی انہیں جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔

سفیان ثوری نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: ریا کاروں کے لیے ہلاکت ہے، ریا کاروں کے لیے ہلاکت ہے یہ ان کی آیت اور ان کا قصہ ہے۔ عکرمہ بن عمار نے کہا: محمد بن منکدر نے موت کے وقت بڑی جزع وفزع کی آپ سے کہا گیا: یہ جزع وفزع کیسی ہے؟ کہا: میں الله تعالیٰ کی ایک آیت سے ڈرتا ہوں وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۝ میں ڈرتا ہوں کہ میرے لیے وہ چیز ظاہر ہو جس کا میں گمان نہیں رکھتا تھا۔ ان کے لیے کفر و معاصی کا عقاب ظاہر ہوا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کا احاطہ کرلیا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۝ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝

”پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم عطا کردیتے ہیں اسے نعمت اپنی طرف سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (وفضل) کے باعث (اے غافل! یوں نہیں) بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کہی تھی یہ بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال ودولت نے) جو وہ کمایا کرتے تھے۔ پس جو برے کام انہوں نے کیے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا، اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب

اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور یہ عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کشادہ فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے)، یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی (حکمت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت حذیفہ بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ قتادہ نے کہا: عَلٰی عِلْمٍ یعنی میرے نزدیک کمائی کی کئی صورتیں تھیں، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ عَلٰی عِلْمٍ کا معنی ہے (1) اس خیر کی وجہ سے جو میرے پاس تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَلٰی عِلْمٍ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس علم کی بنا پر جو میری فضیلت کے بارے میں موجود تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: عَلٰی عِلْمٍ کا معنی ہے اس علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ مجھے علم تھا کہ جب دنیا میں عطا کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا مقام و مرتبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ یہ آزمائش ہے یعنی جو نعمتیں تجھے دی گئی ہیں وہ آزمائش ہیں جس کے ساتھ تجھے آزمایا جائے گا۔ فراء نے کہا: یہاں ھی ضمیر مونث ذکر کی گئی ہے کیونکہ فتنہ کا لفظ مونث ہے اگر یہ ھو فتنۃ ہوتا تب بھی جائز تھا۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بل أعطیتہ فتنۃ بلکہ اسے جو میں نے عطا کیا ہے وہ آزمائش ہے۔

قَدْ قَالَهَا ھا ضمیر اس لیے ذکر کی کیونکہ کلمہ مونث ہے الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس سے مراد کفار ہیں جس طرح قارون وغیرہ جب اس نے یہ کہا تھا: اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (القصص: 78)

فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝ ما نافیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کی اولاد اور اموال نے کچھ نفع نہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے ان کے اموال نے انہیں کس چیز کا نفع دیا فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا یعنی ان کے اعمال کی برائیوں کی جزا۔ سیئہ کی جزا کو بھی سیئہ کہتے ہیں وَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا یعنی جنہوں نے اس امت میں شرک کیا تو انہیں بھوک اور تلوار کی صورت میں اعمال کی سزا ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں نہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائیں گے اور نہ ہی ان کے سابقین نے انہیں ناپید پایا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَوَ لَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝ مومن کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ وہی آیات میں تدبر کرتا ہے اور ان سے نفع حاصل کرتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رزق کی وسعت بعض اوقات خفیہ تدبیر اور استدراج ہوا کرتا ہے اور اس میں کی رفعت اور عظمت شان ہوا کرتی ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝ وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۝ وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 134

رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

”آپ فرمایئے: اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور سچے دل سے لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سر خم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آ جائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے اس وقت کوئی شخص یہ کہنے لگے: صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں اور میں تو تمسخر اڑانے والوں سے تھا، یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے، یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا، ہاں ہاں آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا اور گھمنڈ کرتا رہا اور تو کفر کرنیوالوں میں سے تھا“۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اگر تو چاہے تو یاء کو حذف کر دے کیونکہ ندا بھی حذف کا موقع ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں نمایاں ترین وہ روایت ہے جسے محمد بن اسحاق نے نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں (1): جب ہم نے ہجرت کا ارادہ کر لیا تو میں، ہشام بن عاص بن وائل سہمی اور عیاش بن ابی ربیعہ بن عتبہ نے عہد و پیمان کیا کہا: ہمارے اکٹھے ہونے کی جگہ بنو غفار کا کنواں ہے ہم نے کہا: جو ہم سے پیچھے رہ گیا تو وہ محبوس سمجھا جائے گا پس اس کا ساتھی اپنا سفر جاری رکھے میں اور عیاش بن عتبہ پہنچ گئے اور ہشام کو ہم سے روک لیا گیا اسے آزمائش میں ڈالا گیا پس وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا، ہم مدینہ میں کہا کرتے تھے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، اللہ کے رسول پر ایمان لائے پھر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا جو انہیں لاحق ہوگئی ہم ان کے لیے کوئی توبہ نہیں دیکھتے وہ اپنے دلوں میں بھی یہی تصور کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ نازل فرمایا: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 192

یَاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَى الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۶۰﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت کو لکھا پھر اسے ہشام کی طرف بھیج دیا، ہشام نے کہا: جب خط میرے پاس پہنچا تو میں اسے لے کر ذی طوی کی طرف نکلا میں نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی سمجھ عطا فرما دے تو میں پہچان گیا کہ یہ آیت میرے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے میں لوٹا اپنے اونٹ پر بیٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے قتل کیے تو بہت زیادہ قتل کیے انہوں نے بدکاری کی تو بہت زیادہ بدکاری کی (1) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا: جس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے کیا آپ ہمیں بتائیں گے کہ ہمارے لیے توبہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ۔ امام بخاری نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے وہ سورۂ فرقان میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتا ہے کہ جس نے بتوں کی پوجا کی اور جس نے ایسے نفس کو قتل کیا جس کا قتل کرنا حرام تھا اسے نہیں بخشا جائے گا تو ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام قبول کریں جبکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبودوں کی عبادت کی اور ہم نے ایسے نفوس کو قتل کیا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت مسلمانوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے عبادت کے معاملہ میں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور انہیں خوف تھا کہ ان کی توبہ ان گناہوں کی وجہ سے قبول نہ ہوگی جو دور جاہلیت میں ان سے ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا نے کہا: یہ آیت وحشی کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اس نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اسلام قبول نہیں کرے گا۔ ابن جریج نے عطا سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وحشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ سے پناہ مانگنے کے لیے آیا ہوں مجھے پناہ دیجئے تا کہ میں اللہ کا کلام سنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں یہ پسند کرتا تھا کہ میں تجھے پناہ کے بغیر دیکھوں مگر جب تو پناہ چاہتے ہوئے آ گیا ہے تو تو میری پناہ میں ہے یہاں تک کہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام سنے''۔ اس نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، میں نے اس نفس کو قتل کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اور میں نے بدکاری کی کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل فرمائی: وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ زمر، جلد 2، صفحہ 710

اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ (الفرقان: 68) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ آیت تلاوت کی اس نے عرض کی: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں ممکن ہے میں کوئی نیک عمل نہ کرسکوں میں آپ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں تا کہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: 48) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور اس پر آیت کی تلاوت کی اس نے عرض کی: ممکن ہے میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں وہ نہ چاہے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: 53) اس نے عرض کی: اب میں کوئی شرط نہیں دیکھتا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

حماد بن سلمہ نے ثابت سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اسے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ غفور رحیم ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ہے اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا لمن یشاء۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ دونوں قرائتیں تفسیر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے بخش دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی پہچان کرادی ہے جن کو وہ بخشا چاہتا ہے وہ توبہ کرنے والا ہے یا جس نے گناہ صغیرہ تو کیا اور اس کا گناہ کبیرہ نہ تھا اور اس پر راہنمائی کی کہ وہ مابعد کلام سے تائب ہونے کا ارادہ کرتا ہے وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ تائب کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طٰہٰ: 82) یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی اشکال نہیں۔

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت سے بڑھ کر کوئی وسعت والی آیت نہیں قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ یہ بحث سورت سبحان (الاسراء) میں گزر چکی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت یہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا رد کیا ہے اور کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (الرعد: 6) ہے سورۃ الرعد میں یہ بات گزر چکی ہے اسے ولا تقنطوا یعنی نون کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے؛ سورۂ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ یعنی اطاعت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آؤ جب اس امر کی وضاحت کی کہ جس نے شرک سے توبہ کی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اب توبہ اور اس کی بارگاہ کی طرف لوٹنے کا حکم دیا۔ انابہ کا معنی ہے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔

وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ اس کے سامنے خضوع کا اظہار کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ قبل اس کے کہ دنیا میں عذاب آ جائے ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۝۵۴ پھر تمہیں اس کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

1۔ جامع الترمذی، باب و من سورۃ زمر، حدیث نمبر 3161، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من السعادۃ أن یطیل اللہ عمر المرء فی الطاعة ویرزقه الإنابة وان من الشقاوۃ أن یعمل المرء ویعجب بعمله (1) یہ سعادت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انسان کی عمر کو لمبا کرے اور اسے انابت (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع) کی توفیق دے اور شقاوت میں سے یہ بھی ہے کہ انسان عمل کرے اور اپنے عمل پر عجب کا اظہار کرے۔

وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ، اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اور یہ سب کا سب حسن ہے حضرت حسن بصری نے جو کہا اس کا معنی ہے اس کی اطاعت کو لازم پکڑو اور اس کی معصیت سے اجتناب کرو (2)۔ سدی نے کہا: احسن سے مراد وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد محکمات ہیں اور متشابہ کا علم اس کے عالم کے سپرد کر دو کہا: اللہ تعالیٰ نے کئی کتابیں نازل کیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن حکیم کو نازل کیا اور اس کی اتباع کا حکم دیا؛ یہی احسن ہے اور وہ معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یہ احسن ہے کیونکہ یہ تمام کتابوں کے لیے ناسخ اور ان پر غالب ہے تمام کتابیں منسوخ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عفو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عفو اور قصاص میں اختیار دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو جس کا علم دیا جبکہ وہ قرآن نہیں ہے پس وہ حسن ہے اور جو قرآن آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے وہ احسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سابقہ امتوں کی جو خبریں نازل کی ہیں وہ احسن ہیں۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰى، ان محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے کراھة أن تقول کوفیوں کے نزدیک یہ تقدیر ہے لئلا تقول بصریوں کے نزدیک حذر أن تقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أن تقول نفس کیونکہ اس سے نفوس میں سے بعض نفوس ہیں وہ کافر کا نفس ہے۔ یہ جائز ہے اس سے مراد وہ نفس ہو جو نفس میں سے ممتاز ہے یا اس وجہ سے کہ وہ کفر میں شدید جھگڑا کرتا ہے یا اسے عظیم عقاب دیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد کثرت ہو؛ جس طرح اعشی نے کہا:

وَرُبَّ بَقِیعٍ لَوْهَتَفْتُ بِجَوِّهِ أَتانی کَرِیمٌ یَنْفُضُ الرَّأسَ مُغْضَبَا (3)

یہاں کریم سے مراد معززین کی جماعتیں ہیں یہاں ایک کریم مراد نہیں جس طرح یہ ہے ربّ بلد قطعت، رُبّ بطل قارعت ان دو مثالوں میں بھی کثرت کا ہی ارادہ ہے یا حسرتا اصل میں یا حسرتی تھا یاء کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یہ حرف خفیف ہے اور آواز کو لمبا کرنے کے ساتھ استغاثہ میں زیادہ موثر ہے بعض اوقات اس کے آخر میں ھاء لاحق کر دیتے ہیں۔ فراء نے شعر پڑھا ہے:

یا مَرْحَبَاهُ بِحِمارِ ناجِیَة إذا أَتَیٰ قَرَّبْتُه لِلسَّانِیَة

محل استدلال مرحباہ ہے۔

بعض اوقات وہ الف کے بعد یاء کو لاحق کر دیتے ہیں تاکہ وہ اضافت پر دلالت کرے۔ ابو جعفر نے بھی اسے اسی طرح

1۔ شعب الایمان، بیہقی، حدیث نمبر 10589 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 398 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 136

پڑھا ہے یا حسرتای حسرت سے مراد شرمندگی ہے۔

عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ حضرت حسن بصری نے کہا: فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے(1)۔ ضحاک نے کہا: اللہ عزوجل کے ذکر میں کہا یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنا۔

ابو عبید نے کہا: فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثواب میں۔ فراء نے کہا: جنب سے مراد قرب اور پڑوس ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان یعیش فی جنب فلان یعنی فلاں، فلاں کے پڑوس یا پناہ میں رہتا ہے اسی سے الصاحب بالجنب ہے یعنی میں نے اس کے جوار اور قرب کی طلب میں یعنی جنت کی طلب میں کوتاہی کی ہے۔ زجاج نے کہا: یعنی میں نے اس راستہ میں کوتاہی کی جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے مجھے دعوت دی۔ عرب کسی شے کی طرف جانے والے راستہ کو جنب کہتے ہیں، تو کہتا ہے: تجرعت فی جنبك غصصا یہاں فِيْ جَنْۢبِ کا معنی تیرے لیے تیرے سبب سے اور تیری رضا کی خاطر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ سے مراد ہے اس جانب میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی طرف لے جاتی ہے عرب جانب کو جنب کہتے ہیں۔

شاعر نے کہا:

النَّاسُ جَنْبٌ والأمِيرُ جَنْبُ

یعنی لوگ ایک جانب میں ہیں اور امیر دوسری جانب میں ہے۔

ابن عرفہ نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ترک کر دیا یہ جملہ کہا جاتا ہے مافعلت ذلك فی جنب حاجتی۔ یعنی میں نے یہ کام اپنی ضرورت کی وجہ سے نہیں کیا؛ کثیر نے کہا:

أَلَا تَتَّقِيْنَ اللهَ فِی جَنْبِ عاشِقٍ(2)

کیا تو عاشق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی۔

مجاہد نے بھی اسی طرح کہا یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ضائع کر دیا(3)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”کوئی آدمی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا، نہ چلنے والی جگہ چلا اور نہ کسی بستر پر لیٹا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا مگر قیامت کے روز وہ اس پر حسرت میں ہوگا“۔ ابوداؤد نے اس معنی کی روایت نقل کی ہے ابراہیم تیمی نے کہا: قیامت کے روز حسرتوں میں سے ایک یہ ہوگی کہ انسان اپنے اس مال کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا تھا قیامت کے روز غیر کے میزان میں دیکھے گا جس کا دوسرا فرد وارث بنا تھا اور اس میں حق کے مطابق عمل کیا تو عمل کرنے والے کے لیے اجر ہوگا اور دوسرے پر بوجھ ہوگا۔ اور حسرتوں میں سے ایک حسرت یہ بھی ہوگی کہ ایک بندہ اپنے غلام کو دیکھے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عطا کیا تھا وہ مقام و مرتبہ میں مالک سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا یا ایک آدمی کو دیکھے گا جسے وہ دنیا میں نابینا پہچانتا تھا اب قیامت کے روز وہ بینا ہے اور وہ خود نابینا ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ یعنی تو نہیں ہے مگر دنیا میں قرآن، رسول اور اللہ کے اولیاء سے استہزاء کرنے والوں

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 398 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 137 3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 236

میں سے (1)۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اس نے الله تعالیٰ کی اطاعت کو ضائع کیا یہاں تک کہ اس نے اطاعت گذاروں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اِنْ کُنْتُ حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے گویا کہا: میں نے کوتاہی کی جبکہ میں مذاق کرنے والا تھا یعنی میں نے مذاق اڑانے کی حالت میں کوتاہی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نہیں تھا مگر مذاق، کھیل اور باطل میں یعنی میری سب کاوش غیر الله کی عبادت میں تھیں۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ یا یہ نفس کہے گا: کاش! الله تعالیٰ میری راہنمائی اپنے دین کی طرف کرتا تو میں شرک اور معاصی سے بچنے والوں میں سے ہوتا یہ قول "اگر الله تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں ہدایت یافتہ ہو جاتا" سچا قول ہے یہ مشرکین کے اس استدلال کے قریب ہے جس کی خبر الله تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں دی ہے: سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا (الانعام: 148) یہ کلمہ حق ہے جس کے ساتھ باطل کا ارادہ کیا گیا جس طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب ایک خارجی نے کہا: لاحکم الا للہ۔

اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ یعنی جب وہی نفس عذاب دیکھے گا تو وہ کہے گا: کاش! میرے لیے دوبارہ لوٹنا ہوتا فاکون تمنی کے جواب کے طور پر منصوب ہے اگر تو چاہے تو یہ کرۃ پر معطوف ہو کیونکہ اس کا معنی ہے اَنْ اَکُنَ جس طرح شاعر نے کہا:

لَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وَتَقَرَّ عَيْنِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ لُبْسِ الشُّفُوفِ

فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَمالكَ مِنها غَيْرُ ذِكْرى وخَشْيَةٍ وتَسْأَلَ عن رُكْبَانِها أَيْنَ يَمَّمُوا (2)

یہاں وتسألَ کو نصب الذکری کے محل کی وجہ سے ہے کیونکہ کلام کا معنی ہے فما لك منها الا ان تذكر یہی صورت حال للبس عباءة و تقر میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے لان البس عباءة و تقر ابوصالح نے کہا: بنی اسرائیل کے ایک عالم نے رقعہ پایا کہ ایک آدمی طویل عرصہ تک الله تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جہنمی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے ایک آدمی طویل عرصہ تک الله تعالیٰ کی نافرمانی میں عمل پیرا رہتا ہے پھر وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جنتی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اس نے کہا: میں کس وجہ سے اپنے آپ کو تھکاؤں اس نے عمل ترک کر دیا اور فسق و معصیت میں شروع ہو گیا ابلیس نے اسے کہا: تیری عمر طویل ہے تو دنیا سے لطف اندوز ہو لے پھر توبہ کر لینا وہ فسق میں شروع ہو گیا اور اپنا مال فجور میں خرچ کرنے لگا موت کا فرشتہ اس کے پاس اس حالت میں آیا جبکہ وہ لذیذ ترین عمل میں مصروف تھا تو اس نے کہا: ہائے میرا افسوس! جو میں نے الله تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی میری عمر شیطان کی اطاعت میں گزر گئی اس نے اس وقت شرمندگی کا اظہار کیا جس وقت شرمندگی اسے نفع دینے والی نہ تھی، الله تعالیٰ نے اس کی خبر قرآن میں نازل کی۔ قتادہ نے کہا: اس کی کئی صنفیں ہیں ان میں سے ایک صنف نے کہا: یٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِیْ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 133
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 538

جَنۡۢبِ اللّٰهِ ایک صنف نے کہا: لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۵۷﴾ ایک صنف نے کہا: لَوۡ اَنَّ لِیۡ كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی کلام کا رد کرتے ہوئے کہا: بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡكَ اٰیٰتِیۡ۔

زجاج نے کہا: بَلٰی، نفی کا جواب ہے کلام میں نفی نہیں لیکن لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیۡ کا معنی ہے ماھدانی اس نے مجھے ہدایت نہیں دی گویا اس قائل نے کہا: میری راہنمائی نہیں کی گئی تو کہا گیا: کیوں نہیں تیرے لیے ہدایت کا راستہ واضح کیا گیا اگر تو ارادہ کرتا کہ تو ایمان لائے تو تیرے لیے ایمان لانا ممکن تھا اٰیٰتِیۡ سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آیات سے مراد معجزات ہیں یعنی دلیل واضح ہو گئی اور تو نے اس کا انکار کر دیا اور اس کو جھٹلا دیا۔

وَاسۡتَكۡبَرۡتَ وَكُنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۵۹﴾ تو نے ایمان لانے سے تکبر کیا کہا: وَاسۡتَكۡبَرۡتَ وَكُنۡتَ یہ مذکر کو خطاب ہے کیونکہ نفس کا لفظ مذکر اور مونث پر واقع ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: ثلاثة انفس مبرد نے کہا: عرب کہتے ہیں نفس واحد یعنی ایک انسان۔

ربیع بن انس نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں قراءت کی قَدۡ جَآءَتۡكِ اٰیٰتِیۡ فَكَذَّبۡتِ بِهَا وَاسۡتَكۡبَرۡتِ وَكُنۡتِ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۵۹﴾ اعمش نے اسے یوں پڑھا بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡكَ اٰیٰتِیۡ یہ مذکر پر دال ہے (1)۔ ربیع بن انس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ملے مگر قراءت جائز ہے کیونکہ نفس کا لفظ مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس قراءت کا بعض لوگوں نے انکار کیا ہے اور کہا: پھر اس صورت میں تاء کو کسرہ دیتے ہوئے یہ پڑھنا واجب ہوگا وکنت من الکوافر أو من الکافرات۔ نحاس نے کہا: یہ لازم نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس سے پہلے اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ ہے پھر فرمایا: وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ۔ من السواخر اور من الساخرات نہیں فرمایا تاء کے کسرہ کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی واستکبرت وکنتَ من الجمع الساخرین أو من الناس الساخرین أو من القوم الساخرین۔

وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیۡنَ كَذَبُوۡا عَلَی اللّٰهِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّةٌ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَكَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا بِمَفَازَتِهِمۡ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوۡٓءُ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیۡءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ وَّكِیۡلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ قُلۡ اَفَغَیۡرَ اللّٰهِ تَاۡمُرُوۡٓنِّیۡۤ اَعۡبُدُ اَیُّهَا الۡجٰهِلُوۡنَ ﴿۶۴﴾

”اور روز قیامت آپ دیکھیں گے انہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اس حال میں کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا تکبر کرنیوالوں کا؟ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ متقیوں کو کامیابی کے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 538

ساتھ نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا، اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ آپ فرمایئے: اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں''۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ان کا یہ حال اس وجہ سے ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی نے گھیر رکھا ہے۔ اخفش نے کہا: تَرَى، وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ میں عامل نہیں کیونکہ وہ مبتدا اور خبر ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تَرَى سے مراد رویۃ بصر لیا جائے تو یہ جملہ حال ہوگا اگر رویۃ قلب مراد ہو تو یہ اس کا دوسرا مفعول ہوگا(1)۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۞ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبر کے معنی کی وضاحت کی فرمایا: سفه الحق وغمص الناس حق کی ناقدری کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کی حقارت بیان کرنا۔ سورۂ بقرہ اور دوسری آیات میں یہ بحث گزر چکی ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: یحشر المتکبرون یوم القیمۃ کالذر یلحقهم الصغار حتی یؤتی بهم إلی سحن جهنم متکبروں کو قیامت کے روز کیڑیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا انہیں حقارت لاحق ہوگی یہاں تک کہ انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا(2)۔

وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اسے يُنْجِي بھی پڑھا گیا ہے یعنی جو شرک اور نافرمانیوں سے بچتے رہیں بِمَفَازَتِهِمْ مفازۃ کا واحد کا صیغہ ہے عام قراءت یہی ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ کوفیوں نے بمفازاتهم پڑھا ہے(3)۔ یہ جائز ہے جس طرح تو کہتا ہے بسعاداتهم اس آیت کی تفسیر حضرت ابوہریرہ رضی کی حدیث میں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اس کا عمل بھی اٹھائے گا مومن کا عمل اس کے ساتھ خوبصورت ترین اور عمدہ ترین خوشبو کے ساتھ ہوگا جب کبھی بھی رعب یا خوف ہوگا تو وہ اس آدمی کو کہے گا: تو خوفزدہ نہ ہو تو اس سے مراد نہیں اور نہ ہی تو اس سے مقصود ہے، جب یہ بات کافی دفعہ ہو چکی ہوگی تو وہ کہے گا: تو کتنا ہی خوبصورت ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: تو مجھے نہیں پہچانتا میں تیرا نیک عمل ہوں تو نے میرے بوجھل ہونے کے باوجود اٹھائے رکھا اللہ کی قسم! اب میں تجھے اٹھاؤں گا اور تیرا دفاع کروں گا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞۔

وکیل سے مراد نگہبان اور امور بجالانے والا ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس کا واحد مقلید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا واحد مقلاد ہے اکثر اس میں اقلید استعمال ہوتا ہے۔ مقالید سے مراد چابیاں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: آسمان کے خزانوں سے مراد بارش ہے اور

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 140
2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی صفة اوان الحوض، حدیث نمبر 2416، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 539

زمین کے خزانوں سے مراد نباتات ہیں اس میں ایک اور لغت اقالید ہے اسی تعبیر کی بنا پر اس کی واحد اقلید ہے۔ جوہری نے کہا: اقلید سے مراد چابی ہے مقلد کا معنی بھی چابی ہے جس طرح منجل ہے بعض اوقات اس کے ساتھ گھاس کو باٹا جاتا ہے جس طرح قت (صحرائی بوٹی) کو باٹا جاتا ہے جب اس سے رسی بنائی جائے اس کی جمع مقالید ہے اقلد البحر علی خلقٍ کثیرٍ یعنی سمندر نے انہیں غرق کر دیا گویا اس نے ان پر دروازہ بند کر دیا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا (1) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی نے بھی مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا وہ لا إله إلا الله، الله اكبر، سُبحان الله وبحمده، أستغفر الله، لاحول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم هو الأوّل والأخر والظاهر والباطن يحيي ويميت بيده الخير وهو علی كل شئ قدير ہے (2) ثعلبی نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے اور ان کلمات کا اضافہ کیا: ''جس نے صبح اور شام کے وقت دس مرتبہ ان کلمات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) اس کی ابلیس سے حفاظت کرے گا (2) بارہ ہزار فرشتے اس کے پاس حاضر ہوں گے (3) اسے ایک قنطار اجر دیا جائے گا (4) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا (5) اللہ تعالیٰ حور عین سے اس کی شادی کرے گا (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا جتنا اجر اس آدمی کو دیا جائے گا جس نے قرآن، تورات، انجیل اور زبور پڑھی ہوگی اس کے لیے مزید اس آدمی جیسا اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا ہوگا جس کا حج اور عمرہ قبول ہوگا اگر وہ اس رات فوت ہو جائے تو وہ شہید کی موت مرے گا''۔

حارث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مقالید کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا فرمایا: ''اے علی! تو نے عظیم مقالید کے بارے میں سوال کیا (3) جب تو صبح کرے یا شام کرے تو تو کہے: لا إله إلا الله، الله أكبر، سبحان الله، الحمد لله، أستغفر الله لاحول ولا قوة إلا بالله الأوّل والآخر والظاهر والباطن له الملك وله الحمد بيده الخير وهو علی كل شئ قدير جس نے صبح کے وقت انہیں دس بار کہا اور جس نے شام کے وقت دس بار کہا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) شیطان اور اس کے لشکروں سے اسے محفوظ رکھے گا انہیں اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں ہوگا (2) اسے جنت میں ایک قنطار دیا جائے گا جو ترازو میں احد پہاڑ سے بڑھ کر ہوگا (3) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا جسے نیک لوگ ہی حاصل کریں گے (4) اللہ تعالیٰ اس کی شادی حور عین سے فرمائے گا (5) اس کے پاس بارہ ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں جو ان کلمات کو ان کے حق میں ''رق منشور'' میں لکھتے ہیں اور قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دیں گے (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا گویا اس نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان کی قراءت کی ہے اور اس آدمی کی طرح اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا جس کا حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اگر وہ اس دن، اس رات یا اس مہینے میں فوت ہو گیا تو وہ شہید کے طور پر لکھا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقالید سے مراد اطاعت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ألقی إلی فلان بالمقاليد یعنی اس نے اسے جس بھی امر

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 539 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 540 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 41-140

کا حکم دیا اس میں اس نے اطاعت کی۔ آیت کا معنی یہ ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے سب اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ آیات سے مراد قرآن، دلائل اور دلالات ہیں اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْۤ اَعْبُدُ یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس امر کی دعوت دی جس پر وہ قائم تھے یعنی بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے انہوں نے کہا: یہ تیرے آباء کا دین ہے غیر پر نصب اعبد فعل کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اعبد غیر اللہ فیما تامرونی یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی بناء پر تَاْمُرُوْٓنِّیْۤ اسے نصب دے تقدیر کلام یہ ہوگی أتامرونی بغیر اللہ أعبد ہ کیونکہ ان مقدرہ ہے اور ان اور فعل مصدر ہیں یہ غیر سے بدل ہے تقدیر کلام یہ ہے أتامرّونی بعبادۃ غیر اللہ۔

نافع نے تأمرونِ پڑھا ہے یعنی ایک نون مخففہ اور یاء کو فتحہ دیا ہے(1) ابن عامر نے تامرونَنِیْ اپنے اصل پر پڑھا ہے باقی قراء نے ایک نون مشددہ پڑھا ہے جس میں ادغام کا قاعدہ جاری ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ مصحف عثمانی میں اسی طرح ہے۔ نافع نے اسے دوسرے نون کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے محذوف دوسرا نون ہوگا کیونکہ تکرار اور ثقل اسی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ پہلے کا حذف جائز ہی نہیں کیونکہ وہ تو رفع کی علامت ہے۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت اتحاجونی میں گزر چکی ہے اَعْبُدُ اصل میں ان اعبد تھا جب ان کو حذف کر دیا گیا تو اسے رفع دیا گیا یہ کسائی کا قول ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَلَا أَیُّهٰذَا الزاجِرِی أَحْضُرُ الوَغَی

محل استدلال احضرُ الوغی ہے اصل میں أن احضرَ تھا۔ اس توجیہ کی صحیح دلیل اس کی قراءت ہے جس نے اسے اعبدَ منصوب پڑھا ہے۔

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۶﴾

''اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے''۔

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوئی لقد أوحی إلیك لئن أشرکت وأوحی إلی الذین من قبلك کذلك ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اپنے طریقہ پر ہے۔ مقاتل نے کہا: یعنی آپ کی طرف اور آپ سے قبل انبیاء کی طرف توحید کی وحی کی گئی اور توحید محذوف ہے پھر فرمایا: لئن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 540

اشہ کت یا محمد۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ شرک کریں لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے یہ خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ شرک نہیں کرتے اور آپ سے شرک واقع نہیں ہوتا۔ احباط کا معنی باطل کرنا اور فاسد کرنا ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے ارتداد کیا تو اس کو سابقہ اطاعتیں نفع نہ دیں گی لیکن ارتداد کے ساتھ اعمال کا برباد ہونا کفر پر وفات کے ساتھ مشروط ہے اسی وجہ سے فرمایا: من یرتدد منکم عن دینه فیمت وھو کافر فاولئك حبطت اعمالھم یہاں مطلق، مقید پر محمول ہے اسی وجہ سے ہم نے کہا: جس نے حج کیا پھر مرتد ہو گیا پھر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس پر فرض حج کا اعادہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ امام شافعی کا مذہب ہے، امام مالک کے نزدیک اس پر حج واجب ہے اس پر گفتگو سورۂ بقرۃ میں گزر چکی ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ نحاس نے کہا: میری کتاب میں ابو اسحاق سے یہ تحریر ہے کہ لفظ اللہ اسم جلالت منصوب ہے جس کا عامل اعبد ہے اس مسئلہ میں بصریوں اور کوفیوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ نحاس نے کہا: فراء نے کہا یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے؛ یہ مہدوی نے کسائی سے حکایت بیان کی ہے۔ جہاں تک زجاج کا تعلق ہے زجاج نے کہا: یہ مجازات کے لیے ہے۔ اخفش نے کہا: یہ زائدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَاعْبُدْ کا معنی فَوَحِّدْ ہے اس کی وحدانیت بیان کرو۔ دوسرے علماء نے کہا: بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور مشرکین کے برعکس اس کے انعامات کا شکر بجا لاؤ۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپیٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا کہ بے ہوش نہ ہوں پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے''۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ مبرد نے کہا: انہیں اللہ تعالیٰ کی جس طرح عظمت بجالانا تھی ایسی عظمت بجا نہ لائے یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان عظیم القدر نحاس نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر معنی ہوگا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی

عبادت کے ساتھ دوسرے معبودان باطلہ کی عبادت کی جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک اور خالق ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ تعظیم نہ کی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور عظمت کا ذکر کیا وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان کی کہ یہ کسی عضو کے ساتھ ہو فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور مخلوقات کو ایک انگلی پر روکتا ہے پھر فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں (1) پھر فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ (الانعام: 91) کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمین کو قبض کرے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟'' ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ کے بارے میں پوچھا کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس روز لوگ کہاں ہوں گے (2)؟ فرمایا: جہنم کے پل پر، ایک روایت میں ہے کہ ''اے عائشہ! صراط پر'' کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ، ویقبض اللہ الارض سے مراد اس کی قدرت اور تمام مخلوقات کا احاطہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مافلان الا فی قبضتی وہ اس سے مراد لیتے ہیں اشیاء اس کی ملک اور قدرت میں ہیں بعض اوقات قبض اور طے کا معنی کسی شے کو فنا کرنا اور ختم کرنا ہوتا ہے وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد تمام زمین قیامت کے روز تباہ و برباد ہونے والی ہے۔ الارض سے مراد ساتوں زمینیں ہیں اس کی دو شہادتیں ہیں۔ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا کیونکہ یہ موقع تفخیم کا ہے اور وہ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سے مراد کسی کد و کاوش سے لپیٹنا نہیں اس سے مراد فنا اور تباہ ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: قد انطوی عنا ما کنا فیه وجاءنا غیرہ، انطوی عنا دھر کا معنی ہے یعنی زمانہ ہم سے گزر گیا ہے۔ لفظ یمین، کلام عرب میں کبھی قدرت اور ملک کے معنی میں ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ (النساء: 3) سے مراد ملک ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ۝ (الحاقۃ) یعنی ہم نے اس کی قوت اور قدرت گرفت میں لے لی۔ فراء اور مبرد نے کہا: یمین کا معنی قوت اور قدرت ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

إذا مارَایَةٌ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ تَلَقَّاهَا عَرَابَةُ بِالْیَمِینِ

جب کبھی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا گیا تو عرابہ نے اسے قوت سے پکڑ لیا۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ زمر، جلد 2، صفحہ 156۔ ایضاً، حدیث نمبر 3162، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، صفحہ 157۔ ایضاً حدیث نمبر 3164-3165، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایک اور شاعر نے کہا:

ولما رَأَیْتُ الشَّمْسَ أَشْرَق نورُها تَناولتُ منها حاجتِي بِیَمِینِ

جب میں نے سورج کو دیکھا کہ اس کا نور روشن ہے تو میں نے اس سے اپنی حاجت کو بڑی قوت سے لے لیا۔

قتلتُ شُنیعفًا ثم فارانَ بعدہ وکان علی الآیات غیرَ امین

یہاں قیامت کو خصوصاً ذکر کیا اگرچہ اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے کیونکہ قیامت کے روز تمام دعوے ختم ہو جائیں گے جس طرح فرمایا: وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝ (الانفطار:19) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (فاتحہ:4) جس طرح سورت فاتحہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے اسی وجہ سے حدیث طیبہ میں فرمایا: ثم یقول أنا الملك این ملوك الأرض (1) پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں ہم نے ''التذکرہ'' میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ثم یطوی الأرض بشمالہ میں شمال کے ذکر پر گفتگو کی ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ زمین کو قبض کرنے اور آسمان کو لپیٹنے کے درمیان صور پھونکا جائے گا یہ دو نفخے ہونگے ان میں سے پہلے نفخہ کے موقع پر مخلوقات مر جائے گی اور دوسرے نفخہ کے موقع پر وہ زندہ ہونگے بحث سورۂ نمل اور انعام میں گزر چکی ہے۔ جو صور پھونکے گا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہونگے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ساتھ حضرت جبریل امین ہونگے جس طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے، صور پھونکنے والوں کے ہاتھوں میں دو سینگ ہیں وہ نظر لگائے ہوئے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے (2)۔ اسے ابن ماجہ نے سنن میں نقل کیا ہے۔ ابو داؤد کی کتاب میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صور پھونکنے والے کا ذکر کیا اور کہا: اس کی دائیں جانب حضرت جبریل امین اور بائیں جانب حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں (3)۔

جو لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شہداء ہونگے جو عرش کے اردگرد اپنی تلواریں گلے میں لٹکائے ہوئے ہونگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے جس کا ذکر قشیری نے کیا اور حضرت عبداللہ کی حدیث ہے جسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرات جبریل امین، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر:68) تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ کون لوگ ہیں جن کی استثناء اللہ تعالیٰ نے کی ہے؟ فرمایا: وہ حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، یقبض اللہ الأرض، جلد 2، صفحہ 965
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، ذکر البعث، صفحہ 326
3۔ سنن ابی داؤد، الحروف والقرات، باب القرات، جلد 2، صفحہ 199

فرمائے گا: اے ملک الموت! میری مخلوق میں سے کون باقی ہے جبکہ وہ خوب جانتا ہے؟ تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! جبریل، میکائیل اور اسرافیل اور تیرا ضعیف بندہ ملک الموت باقی ہے، الله تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اسرافیل اور میکائیل کی روح قبض کر لے تو وہ دونوں مر کر گر پڑیں گے جس طرح وہ پہاڑ ہوں الله تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے ملک الموت! تو بھی مر جا، تو وہ بھی مر جائے گا۔ الله تعالیٰ جبریل امین سے فرمائے گا: اے جبریل! کون باقی ہے؟ تو وہ عرض کرے گا: تو برکتوں والا ہے تو بلند ہے اے صاحب جلال و اکرام! تیری ذات باقی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے جبکہ جبریل مرنے والا فانی ہے الله تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے جبریل! تیری موت ضروری ہے، وہ سجدہ میں گر پڑے گا وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑا رہا ہوگا: وہ کہے گا اے میرے رب! تو پاک ہے تو برکتوں والا ہے تو بلند و بالا ہے اے صاحب جلال و اکرام! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جبریل امین کی تخلیق حضرت میکائیل علیہ السلام کی تخلیق پر یوں فضیلت رکھتی ہے جس طرح بڑے پہاڑ کو چھوٹے ٹیلے پر فضیلت ہوا کرتی ہے" اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

اسے نحاس نے بھی ذکر کیا ہے کہ محمد بن اسحاق، یزید رقاشی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کا مصداق حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حاملین عرش، ملک الموت اور حضرت اسرافیل علیہم السلام ہیں اس حدیث میں ہے: ان میں موت میں سب سے آخر حضرت جبریل علیہ السلام ہونگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو شہداء کے متعلق ہے وہ اصح ہے جس طرح سورۂ نمل میں گزر چکا ہے ضحاک نے کہا: مستثنیٰ رضوان حور، مالک اور زبانیہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنمیوں کے بچھو اور اس کے سانپ ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ الله تعالیٰ علیہ نے کہا: اس سے مراد الله تعالیٰ کی ذات ہے وہ اہل آسمان اور اہل زمین میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گا مگر اسے موت کا ذائقہ چکھائے گا (1)۔ قتادہ نے کہا: الله تعالیٰ مستثنیٰ کو خوب جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ میں مستثنیٰ وہ ہیں جو نفخہ اولیٰ سے پہلے مر گئے یعنی اہل آسمان اور اہل زمین مر جائیں گے مگر جن کو پہلے ہی موت آ چکی ہے کیونکہ وہ مردہ تھے۔

صحیحین اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ طیبہ کے بازار میں یہ کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں پر انتخاب کے ساتھ فضیلت دی (2)۔ ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسے تھپڑ مارا کہا: تو یہ بات کرتا ہے جبکہ ہمارے درمیان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، میں نے اس کا ذکر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الله تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۚ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۞ میں سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو میں اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہونگا جو عرش کے ایک پائے کو پکڑے ہونگے میں نہیں جانتا کہ انہوں نے اپنا سر مجھ سے پہلے اٹھایا یا وہ ان افراد میں سے ہیں جن کو الله تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے جس نے یہ کہا: میں حضرت یونس بن متی علیہ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 400 2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، نفخ الصور، جلد 2، صفحہ 965

السلام سے بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ بولا''(1)۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے استثناء کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شہداء پر محمول کیا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زندہ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ صعقہ عقل کے زوال کی صورت میں ہو زندگی کے زوال کی صورت میں نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ موت کی صورت میں ہو یہ کوئی بعید نہیں کہ یہ موت اور حیات کی صورت میں ہو ان میں سے ہر ایک کو عقل جائز قرار دیتی ہے اس کا وقوع خبر صادق پر موقوف ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض احادیث میں آیا ہے فرمایا: ''مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگوں پر صعقہ طاری ہوگا میں سب سے پہلا وہ شخص ہونگا جو اس سے افاقہ پائے گا کیا دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہونگے میں نہیں جانتا کہ کیا وہ ان لوگوں میں سے ہونگے جن پر صعقہ طاری ہوا تو مجھ سے قبل انہیں افاقہ ہوا یا اللہ تعالیٰ نے اس سے آپ کو مستثنیٰ کیا'' اسے امام مسلم نے نقل کیا اسی کی مثل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے ''افاقہ'' یہ غشی اور زوال عقل سے ہوا کرتا ہے نہ کہ موت کے بعد زندگی کو لوٹانے کی صورت میں ہوا کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ** ﴿۶۸﴾ تو اچانک اہل زمین اور اہل آسمان کے مردے زندہ ہونگے جنہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ان کے بدن کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی جائیں گی وہ اٹھیں گے کہ دیکھیں انہیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونگے وہ اس حشر کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نظر، انتظار کے معنی میں ہوگی یعنی ان کے ساتھ جو معاملہ کیا جانے والا ہے اس کا انتظار کریں گے۔ کسائی نے قیام کو نصب دینا بھی جائز قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے فاذازید جالسا (محل استدلال جالسا ہے)۔

**وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ وُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾**

''اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور دوسرے گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر رتی بھر ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام لوگ کرتے ہیں''۔

**وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا** اس کے اشراق سے مراد اس کا روشن ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: أشرقت الشمس۔ جب سورج روشن ہو جائے وشرقت الشمس جب وہ طلوع ہو جائے اور بِنُوْرِ رَبِّهَا کا معنی ہے بعدل ربها یعنی نور کا معنی عدل ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ضحاک نے نور کا معنی حکم کیا ہے، معنی ایک ہی ہے یعنی زمین

1۔ سنن ابن ماجہ، باب ذکر البعث، حدیث 4263۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ زمر، حدیث 3168، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 135

اللہ تعالیٰ کے عدل اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لیے روشن ہوگی ظلم تاریکیاں ہیں اور عدل نور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نور پیدا کرے گا جو روئے زمین پر پڑے گا تو اس کی وجہ سے زمین روشن ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں جس نور کا ذکر ہے اس سے مراد سورج اور چاند کا نور نہیں ہے بلکہ ایسا نور ہے جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا جس کے ساتھ زمین روشن ہو جائے گی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے: اس روز زمین چاندی کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ روشن ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کے لیے جلوہ گر ہوگا اس صورت میں معنی ہوگا کہ زمین ایسے نور سے روشن ہوگی جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے نور کو اپنی ذات کے ساتھ مضاف کیا ہے جس طرح ملک کو مالک کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس کی رات نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر نے اسے یوں پڑھا ہے واشرقت الارض جبکہ فعل مجہول ہے(1) یہ قراءت تفسیر کی بناء پر ہے یہاں کچھ لوگ گمراہ ہو گئے انہوں نے یہ وہم کیا کہ اللہ تعالیٰ نور کی جنس اور محسوس روشنی سے ہے جبکہ وہ محسوسات کی مشابہت سے بالا ہے جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کو منور کرنے والا ہے خلق و انشاء کے اعتبار سے تمام نور اس کی طرف منسوب ہیں۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا اس حدیث مرفوع کی وضاحت کرتا ہے جو کثیر صحیح سندوں سے مروی ہے: تنظرون إلى الله عزوجل لا تضامّون فی رؤیۃ(2) اسے چار انداز سے روایت کیا گیا ہے لا تضامون، لا تضارون، لا تضامّون، لا تضارّون۔ لا تضامون کا معنی ہے انہیں کوئی ظلم لاحق نہیں ہوگا جس طرح تمہیں دنیا میں لاحق ہوتا تھا جب بادشاہوں کو دیکھا جاتا و لا تضارون تمہیں کوئی تکلیف لاحق نہ ہوگی لا تضامون۔ تم ایک دوسرے کو نہ ملو کے دیکھنے کے لیے اس سے پوچھو۔ لا تضارون تم میں سے بعض بعض کے مخالف نہ ہوں گے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ضازه مضازة و ضرارا۔ یعنی اس کی مخالفت کی۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد کتاب اور وہ صحیفے ہیں جس میں انسانوں کے اعمال ہوتے ہیں انسان اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوتا ہے وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ انبیاء کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا وَ الشُّهَدَآءِ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے دوسری امتوں پر گواہی دیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ:143) ایک قول یہ کیا گیا ہے: شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ کس نے دین کا دفاع کیا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ کراماً کاتبین ہیں جو لوگوں کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 542
2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، وجوہ یومئذ، جلد 2، صفحہ 1106

گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿﴾ (ق) سائق اسے حساب کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور شہید اس پر گواہی دے گا اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو انسان پر مقرر ہے جس کی وضاحت سورۂ قاف میں آئیگی وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ حق سے مراد سچائی اور عدل ہے وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿﴾ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور ان کی برائیوں پر اضافہ نہ کیا جائے گا ماعملت سے مراد خیر یا شر ہے وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿﴾ یعنی وہ دنیا میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے اسے کسی کتاب اور شاہد کی کوئی ضرورت نہیں اس کے باوجود اتمام حجت کے لیے کتابیں اور گواہ حاضر کیے جائیں گے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿﴾

''اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے جہنم کے پہرے دار: کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے، کہیں گے: بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا لوح محفوظ میں عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا: داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے پس کتنا برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا''۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا یہ اس امر کی وضاحت ہے کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کافر کو آگ کی طرف اور مومن کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا زُمَرًا کا معنی جماعتیں ہیں اس کا واحد زمرة ہے جس طرح ظلمة اور غرفة ہے۔ اخفش اور ابوعبیدہ نے کہا: زمر کا معنی متفرق جماعتیں ہیں جن میں سے بعض بعض کے پیچھے ہوتی ہیں شاعر نے کہا:

وَتَرَى النَّاسَ إِلَى مَنْزِلِهِ زُمَرًا تَنْتَابُهُ بَعْدَ زُمَرْ

تو دیکھے گا لوگ اس کے گھر کی طرف جماعتوں کی صورت میں پے در پے آتے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

حَتَّى احْزَأَلَّتْ زُمَرٌ بعدَ زُمَرْ

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ زمر کا معنی ہے آواز کے ساتھ اسے دور کرنا اور جھڑکنا جس طرح مزمار کی آواز ہوتی ہے فتحت ابوابھا یہ اذا کا جواب ہے، یہ کل سات دروازے ہیں سورۂ حجر میں اس کی بحث گذر چکی ہے۔

خَزَنَتُهَآ اس کی واحد خازن ہے جس طرح سادن کی جمع سدنہ ہوتی ہے یہ بات انہیں دھمکانے اور شرمندہ کرنے کے لیے ہوگی اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ سے مراد انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں يُنْذِرُوْنَكُمْ جو تمہیں خبردار کرتے تھے قَالُوْا بَلٰى یعنی انہوں نے کہا: تحقیق ہمارے پاس آچکی ہے، یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے کہ ان کے خلاف دلیل قائم ہو چکی ہے وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۝ (السجدہ) انہیں کہا جائے گا: جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے دروازوں کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ وہب نے کہا: جہنم کے داروغے آگ کے ہنٹروں کے ساتھ ان کا سامنا کریں گے اور اپنے ہنٹروں کے ساتھ انہیں دھکا دیں گے وہ ایک ہی دھکے کے ساتھ ربیعہ اور مضر کی تعداد کے برابر انہیں آگ میں پھینک دیں گے یہ متکبروں کا کتنا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ کے بارے میں بھی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہے تھے عمر بھر اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے تو کہیں گے انہیں جنت کے محافظ: تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اور وہ (خوش بخت) کہیں گے: ساری تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس پاک زمین کا اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے اردگرد تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ، اور کہا جائے گا: سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے"۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا، زمرا سے مراد شہداء، زہداء، علماء، قراء اور دوسرے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور اس کی اطاعت کے مطابق عمل کرتے رہے دونوں فریقوں کے بارے میں فرمایا: وَسِيْقَ یعنی ایک ہی لفظ ذکر کیا جہنمیوں کو ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں رسوائی اور ذلت کے ساتھ دھتکارا جائے گا جس طرح قیدیوں اور سلطان کے خلاف خروج کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جب انہیں قید کرنے کے لیے اور قتل کرنے کے لیے ہانکا جاتا ہے اور جنتیوں کو

ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سواریوں کو کرامت اور رضوان کے گھر کی طرف لے جایا جاتا ہے کیونکہ انہیں سوار کر کے ہی لے جایا جاتا ہے جس طرح اس آدمی کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے جس کی عزت اور تکریم مقصود ہو جس طرح بادشاہ کی خدمت میں جب وفود کو پیش کیا جاتا ہے دونوں طرح کے لے جانے میں کتنا فرق ہے۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ یہاں عطف کے لیے ہے جملے کا عطف جملہ پر ہے جواب محذوف ہے۔ مبرد نے کہا: وہ سعادت مند ہوئے اور جنت کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے، کلام عرب میں جواب کا حذف بلیغ ہے:

فَلَو أنَّها نَفْسٌ تَمُوتُ جَمِيعَةً ولٰكِنَّهَا نَفْسٌ تَسَاقَطُ أَنْفُسَا

کاش وہ ایسا نفس ہوتا جو ایک ہی بار نہ نکل جاتا لیکن وہ ایسا نفس ہے جو کئی نفسوں کی طرح نکلتا ہے۔

یہاں لو کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے لکان اروح۔ زجاج نے کہا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا کا معنی ہے وہ اس میں داخل ہوئے۔ یہ پہلے معنی کے قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ زائدہ ہے؛ یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے جبکہ بصریوں کے نزدیک یہ غلط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ کی زیادتی اس امر پر دلیل ہے کہ دروازے ان کے آنے سے پہلے ہی کھول دیئے جاتے ہیں مقصود ان کی تعظیم ہے تقدیر کلام یہ ہے حتّٰی إذا جاء وھا وأبوابھا مفتحۃ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ (ص) اہل نار کے قصہ میں واؤ حذف ہے کیونکہ وہ جہنم کے پاس کھڑے رہے اور ان کے کھڑے رہنے کے بعد دروازے کھولے گئے مقصود انہیں ذلیل و رسوا کرنا ہے اور انہیں خوف زدہ کرنا تھا؛ مہدوی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہی معنی نحاس نے بھی اس سے قبل بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: دوسرے سوق میں واؤ کو ذکر کیا گیا اور پہلے سوق میں واؤ ذکر نہیں کی گئی اس بارے میں کچھ علماء نے ایسی گفتگو کی ہے میں نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں کسی اور اہل علم نے اس سے پہلے گفتگو کی ہو وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اس کلام کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ وہ بند تھے اور جب جنتیوں کے بارے میں فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اس کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ یہ واؤ ثمانیہ ہے کیونکہ قریش کی عادت تھی وہ ایک سے گنتی شروع کرتے وہ کہتے پانچ، چھ، سات اور آٹھ۔ جب وہ سات پر پہنچتے تو کہتے اور آٹھ، یہ ابو بکر بن عیاش کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ (الحاقۃ: 7) فرمایا اَلتَّآىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ (التوبہ: 112) پھر آٹھویں صفت کے بارے میں فرمایا: وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ: 112) فرمایا: وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ (الکہف: 22) فرمایا: ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝ (التحریم) سورۂ براءۃ میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے اور سورۂ کہف میں بھی گذر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: جس نے یہ کہا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اس نے اس سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مامنکم من أحد یتوضأ فَیُبْلِغُ او فَیُسْبِغُ الوضوءَ (1)، پھر کہا أشھد أن لا إلٰہ إلا اللہ وأنّ محمدًا عبدہ و رسولہ إلّا فتحت لہ أبواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من أیھا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، الذکر المستحب، جلد 1، صفحہ 122

شاء پھر اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جس سے چاہے وہ اس میں داخل ہو، اسے امام مسلم اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس میں کہا: فتح له أبواب الجنة ثمانية أبواب يوم القيمة(1) اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یعنی قیامت کے روز آٹھ دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس میں من زائد ہے یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ سے بڑھ کر ہیں ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے اس کی تعداد تیرہ ہے ہم نے وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ دروازے کتنے بڑے اور کتنے وسیع ہیں جس طرح حدیث میں یہ وارد ہوا جو آدمی اس کا ارادہ کرے تو وہاں سے آگاہی حاصل کرلے۔

**وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ واؤ ملغا ہے تقدیر کلام اس کی یہ ہے **حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا** تم پر سلامتی ہو تم دنیا میں پاکیزہ رہے۔ مجاہد نے کہا: تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نیک عمل کرتے رہے۔ نقاش نے یہ بیان کیا ہے جبکہ معنی ایک ہی ہے۔ مقاتل نے کہا: جب انہوں نے جہنم کے پل کو طے کرلیا تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان پل پر روک لیا گیا تو ان کے ایک دوسرے پر دنیا میں جو مظالم تھے ان کا قصاص لیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ مہذب ہو گئے اور ان کو پاکیزہ بنا دیا گیا تو رضوان اور ان کے ساتھیوں نے کہا: **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ** یہاں سلام، تحیہ کے معنی میں ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے قنطرہ والی اس حدیث کو اپنی جامع میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن آگ جہنم سے چھٹکارا پائیں گے تو انہیں جہنم اور جنت کے درمیان پل پر روک لیا جائے گا تو ان کے ایک دوسرے پر مظالم کا قصاص لیا جائے گا جو مظالم ان کے درمیان دنیا میں ہوئے تھے یہاں تک کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی اس ذات کی قسم جس کی قدرت میں محمد کی جان ہے! ان میں سے ہر کوئی جنت میں اپنے گھر کی طرف جانے میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا جتنا وہ دنیا میں اپنے گھر کی طرف جانے میں ہدایت یافتہ ہوگا''(3)۔

نقاش نے بیان کیا: جنت کے دروازے پر ایک درخت ہے اس کے تنے سے دو چشمے نکلتے ہیں مومن ان میں سے ایک سے پئیں گے تو ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے(4)۔ یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا** ﴿۲۱﴾ (دہر) پھر دوسرے چشمہ سے وہ غسل کریں گے اس سے ان کے چمڑے پاکیزہ ہو جائیں گے اسی موقع پر جہنم کے داروغے ان سے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، فیما یقال بعد الوضوء، جلد 1، صفحہ 9۔ ایضاً، حدیث نمبر 50، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 138

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، القصاص یوم القیمۃ، جلد 2، صفحہ 967

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 138

کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ یہ معنی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ یعنی جب وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو کہیں گے۔

وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ، الارض سے مراد جنت کی سرزمین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بے شک وہ اس زمین کے وارث بنے جو جہنمیوں کی ہوتی اگر وہ ایمان لاتے؛ یہ ابوالعالیہ، ابوصالح، قتادہ، سدی اور اکثر مفسرین نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ دنیا کی زمین ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنتیوں کا قول ہے یعنی یہ کتنا اچھا ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے معنی ہے محسنوں کو جو ثواب دیا گیا ہے وہ کتنا اچھا ہے۔

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ اس روز عرش کو گھیرے ہوئے ہونگے وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے وہ اس سے لذت حاصل کر رہے ہونگے نہ کہ عبادت کی غرض سے ایسا کریں گے یعنی وہ اپنے رب کا شکر بجالاتے ہوئے عرش کے ارد گرد نماز پڑھ رہے ہونگے حافون سے مراد ہے کسی شے کی جانب اور طرف کو پکڑ لینا۔ اخفش نے کہا: اس کا واحد حاف ہے۔ فراء نے کہا: اس کا کوئی واحد نہیں ان کے لیے اسم واقع نہیں ہوتا مگر جب وہ جمع ہوں حول کے لفظ پر من داخل ہوا ہے کیونکہ حول ظرف ہے اور فعل ظرف کی طرف حرف جار اور حرف جار کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔ اخفش نے کہا: من زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی حافین حول العرش یہ تیرے اس قول کی طرح ہے ماجاءنی من احد، من تاکید یہ ہے۔ ثعلبی نے کہا: عرب تسبیح میں کبھی باء داخل کرتے ہیں اور کبھی اسے حذف کر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں: سبح بحمد ربك، سبح حمد اللہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ (الاعلیٰ)

وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ گواہیوں کے ساتھ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ مومن کہیں گے: اس اللہ کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں اپنی نعمتوں اور احسان سے نوازا اور جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ان کے خلاف ہماری مدد کی۔ قتادہ نے اس آیت کی وضاحت میں کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے آغاز کا ذکر الحمد اللہ سے کیا فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ (الانعام: 1) اور اس کا اختتام بھی الحمد پر کیا فرمایا: وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اس کی اقتدا ضروری ہے ہر امر کا آغاز بھی حمد سے اور اس کا اختتام بھی حمد سے ہونا چاہیے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ ملائکہ کے قول سے ہے۔ تو اس صورت میں فرشتوں کی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد اس کے عدل اور فیصلہ پر ہوئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورۂ زمر کا آخری حصہ پڑھا تو منبر نے دو دفعہ حرکت کی۔

# سورۂ غافر

آیاتہا ۸۵ ۴۰ سورۃ المؤمن مکیۃ ۶۰ رکوعاتہا ۹

یہ سورۂ مومن ہے اسے سورۂ طول بھی کہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور حضرت جابر نے کہا: یہ سورت مکی ہے(1)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: مگر اس کی دو آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ اور اس کے بعد والی آیت ہے۔ وہ پچاسی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بیاسی آیات ہیں۔ مسند دارمی میں ہے کہ جعفر بن عون، مسعر سے وہ سعد بن ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں حوامیم کو عرائس کا نام دیا جاتا ہے یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں حم ہے انہیں قرآن کی دلہنیں کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحوامیم دیباج القرآن حم سورتیں قرآن کی دیباج ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ جوہری اور ابوعبید نے کہا: آل حم قرآن میں سورتیں ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آل حم سورتیں قرآن کا دیباج ہیں۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے آل فلان، آل فلان گویا تمام سورتیں حم کی طرف منسوب ہیں؛ کمیت نے کہا:

وَجَدْنَالکم فی آلِ حَامیم آیۃً

ہم نے تمہارے لیے آل حمیم میں ایک آیت پائی۔

ابوعبید نے کہا: اموی نے اسے زاء کے ساتھ روایت کیا ہے، ابوعمرو اسے راء کے ساتھ روایت کرتا تھا۔ عام لوگوں کا قول ہے: الحوامیم، کلام عرب میں سے نہیں ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: الحوامیم قرآن میں سورتیں ہیں جن میں قیاس جاری نہیں ہوتا اور یہ مصرعہ پڑھا:

و بالحوامیم التی قد سُبِّعَتْ

کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ ان کی جمع ذوات حم سے بیان کی جائے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر شے کا پھل ہوتا ہے اور قرآن کا پھل حم سورتیں ہیں، یہ خوبصورت باغ ہیں سرسبز و شاداب ہیں قریب ہیں جو یہ پسند کرے کہ جنت کے باغوں میں چرے پھرے تو وہ حم سورتوں کو پڑھے'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن میں حم سورتیں اس طرح ہیں جس طرح کپڑوں میں دھاری دار چادریں ہوتی ہیں''(2)۔ دونوں کا ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ابوعبید نے کہا: حجاج بن محمد نے ابومعشر سے وہ محمد بن قیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے خواب میں دیکھا

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 403
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 545

سات خوبصورت آراستہ لونڈیاں ہیں اس نے پوچھا: تم کس کے لیے ہو؟ اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے، تو انہوں نے جواب دیا: ہم اس کے لیے ہیں جو حم سورتوں کو پڑھتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۙ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ۝ مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَلَا یَغۡرُرۡکَ تَقَلُّبُہُمۡ فِی الۡبِلَادِ ۝

''حامیم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ قبول فرمانے والا، سخت سزا دینے والا، فضل و کرم فرمانے والا ہے، نہیں کوئی معبود اس کے سوا، اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ نہیں تنازع کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر کافر پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا بڑے کروفر سے آنا جانا مختلف شہروں میں''۔

حٰمٓ ۝ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ عکرمہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حٰمٓ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے یہ تیرے رب کے خزانوں کی چابیاں ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الر، حم اور ن یہ رحمٰن کے حروف ہیں جو الگ الگ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورتوں کے آغاز ہیں۔ عطا خراسانی نے کہا: حاء اللہ تعالیٰ کے اسماء حمید، حنان، حلیم اور حکیم کا آغاز ہے میم اس کے اسم ملک، مجید، منان، متکبر اور مصور کا آغاز ہے اس کے اوپر روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت انس نے روایت کی: ایک اعرابی نے پوچھا: حم کیا ہے؟ ہم اپنی زبان میں اس کا معنی نہیں پہچانتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ اسماء کے آغاز اور سورتوں کے فواتح ہیں''۔ ضحاک اور کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہونا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا گویا حم کے ہجی کی طرف اشارہ کا ارادہ کیا کیونکہ یہ حُمّ ہو جاتا ہے جب حاء پر پیش اور میم کو مشدد پڑھا جائے یعنی فیصلہ کیا گیا اور وہ واقع ہو گیا۔ کعب بن مالک نے کہا:

فلما تَلَاقَيْنَاهم ودارت بِنَا الرحى ولَيْسَ لِأمْرِحِتْه الله مَدْفَعُ(1)

جب ہم ان سے ملے اور مصائب کی چکی ہم پر گھومی اللہ تعالیٰ جس امر کا قصد کرے اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ حم أمر اللہ کا معنی ہے اللہ کا امر قریب ہو گیا؛ جس طرح شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 141

قد حٰم یومی فسر قومہ

میرا دن قریب ہو گیا تو قوم کو خوشی ہوئی۔

اسی معنی میں حمی (بخار) ہے کیونکہ یہ موت کے قریب کر دیتا ہے معنی مراد ہے اس کی مدد اس کے اولیاء کے قریب آ گئی اور اس کا انتقام اس کے دشمنوں کے قریب آ گیا جس طرح یوم بدر کو ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد حروف ہجاء ہیں۔ جرمی نے کہا: اسی وجہ سے انہیں ساکن پڑھا جاتا ہے تو یہ حروف تہجی ہوئے جب اس کے ساتھ کسی شے کا نام رکھا جائے گا تو انہیں اعراب دیا جائے گا تو کہے گا: قراءت حم تو اسے نصب دے گا۔

عیسیٰ بن عمر ثقفی نے حٰمَ میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت اس کا معنی ہو گا میں حم پڑھتا ہوں یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے اس پر زبر پڑھتے ہیں۔ ابن ابی اسحاق اور ابو سمال نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے امالہ اور کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے یا قسم کے طریقہ پر اسے مجرور پڑھا۔ ابو جعفر نے حاء کو میم سے الگ کر کے پڑھا ہے باقی قراء نے وصل کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح حم، عسق ہے۔ ابو عمرو، ابو بکر، حمزہ، کسائی، خلف اور ابن ذکوان نے حاء میں امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو سے دو لفظوں کے درمیان مروی ہے؛ یہ نافع، ابو جعفر اور شیبہ کی قراءت ہے جبکہ باقی نے فتحہ کے ساتھ اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔

**تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** یہ مبتدا ہے اور خبر **مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ** ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ **تَنْزِيْلُ** مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہے ھذا تنزیل الکتاب یہ بھی جائز ہے کہ حم مبتدا ہو اور تنزیل اس کی خبر ہو اس کا معنی ہو گا اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا یہ منقول نہیں اور نہ ہی اس کو جھٹلانا جائز ہے۔

**غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ**۔ فراء نے کہا: اسے معرفہ کی لغت کی طرح بنا دیا ہے جبکہ یہ نکرہ ہے۔ زجاج نے کہا: یہ بدل کے طور پر مجرور ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں کلام کی تحقیق اور تلخیص یہ ہے **غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ** میں جائز یہ ہے کہ دونوں معرفہ ہوں اس شرط پر کہ اسم کے صیغے ماضی کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نعت ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مستقبل اور حال کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نکرہ ہوں گے، یہ جائز نہیں کہ اس کی تعبیر کی بناء پر یہ نعت ہوں لیکن بدل ہونے کے اعتبار سے مجرور ہوں گے حال ہونے کی حیثیت سے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے جہاں تک **شَدِيْدِ الْعِقَابِ** کا تعلق ہے تو وہ نکرہ ہے اس کو بدل کی حیثیت سے مجرور پڑھنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کہا اس کے لیے وہ **غَافِرِ الذَّنْۢبِ** (گناہوں کو بخشنے والا) ہے اور جس نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کہا اس کے لیے **قَابِلِ التَّوْبِ** ہے اور جس نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** نہیں کہا اس کے لیے **شَدِيْدِ الْعِقَابِ** ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت مصعب بن زبیر کے ایسے خیمہ میں ایسی جگہ تھا جہاں سے جانور نہیں گزرتے تھے میں نے کہا **حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ** کو شروع کیا ایک آدمی میرے پاس سے ایک چوپائے پر سوار ہو کر گزرا جب میں نے **غَافِرِ الذَّنْۢبِ** پڑھا اس نے کہا: کہو یا غافر الذنب اغفرلی ذنبی اے گناہوں کو بخشنے والے! مجھ کو بخش

دے میں نے کہا: قَابِلِ التَّوْبِ تو اس نے کہا: کہو! یاقابل التوب! تقبّل توبتی اے توبہ کو قبول کرنے والے! میری توبہ قبول فرما۔ جب میں نے کہا: شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ اس نے کہا: کہو یا شدید العقاب! اعف عنی اے سخت عذاب والے! مجھے معاف فرما دے جب میں نے کہا: ذِی الطَّوۡلِ اس نے کہا: کہو یا ذا الطول! طل علی بخیر اے فضل و احسان کرنے والے! مجھ پر بھلائی کے ساتھ فضل و احسان فرما۔ میں اس کی طرف اٹھا تو میری نظر سلب کر لی گئی میں دائیں بائیں متوجہ ہوا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ اہل اشارہ نے کہا: غَافِرِ الذَّنۡبِ فضل ہے قَابِلِ التَّوْبِ وعدہ ہے شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ عدل ہے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ۝ فرد ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو شام کے علاقہ کا رہنے والا تھا وہ بڑا قوی اور بہادر تھا آپ سے عرض کی گئی: وہ تو لگاتار شراب پیتا رہتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب سے فرمایا: لکھو عمر کی جانب سے فلاں کی طرف، تجھ پر سلام ہو میں تیرے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حٰمٓ ۝ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ غَافِرِ الذَّنۡبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ۝ پھر خط پر مہر لگائی اور اپنے قاصد سے فرمایا: تو خط اسے نہ دینا مگر جب شور مچا رہا ہو، پھر آپ نے اپنے پاس بیٹھے لوگوں سے کہا: اس کے حق میں توبہ کی دعا کرو۔ جب اس آدمی کے پاس خط پہنچا تو وہ اسے پڑھنے لگا اور وہ کہتا: میرے رب نے مجھ سے بخشش کا وعدہ کیا ہے اور اپنے عقاب سے مجھے ڈرایا، وہ اسے لگاتار دہراتا رہا یہاں تک کہ رونے لگا پھر اس نے شراب کو چھوڑا تو اچھی طرح چھوڑا اور اس کی توبہ بہت اچھی ہوئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اس کی خبر پہنچی فرمایا: اس طرح کیا کرو جب تم کسی کو دیکھو کہ اس سے لغزش ہوگئی ہے تو اس کی راہنمائی کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے تم اس کے خلاف شیاطین کے مددگار نہ بنو (1) التوب اس میں یہ جائز ہے کہ یہ تاب یتوب کا مصدر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ توبہ کی جمع ہے جس طرح دَوْمَة سے دَوْم، عزمة سے عزم جمع آتی ہے اسی معنی میں یہ قول ہے:

فَیَخْبُو ساعَةً ویَهُبُّ ساعا

محل استدلال ساعة اور ساعا ہے وہ کسی لحہ دلکی چال چلتا ہے اور کبھی تیز قدموں سے چلتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ التوب، توبہ کے معنی میں ہو۔ ابو العباس نے کہا: میرے دل میں جو خیال آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ مصدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس فعل کو قبول فرماتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: قال قولا جب یہ جمع کا صیغہ ہو تو اس کا معنی ہوگا بہت زیادہ کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

ذِی الطَّوۡلِ یہ بدل یا صفت کے طور پر محل جر میں ہے کیونکہ یہ معرفہ ہے۔ طول کا اصل معنی انعام اور فضل ہے اسی معنی میں یہ دعا کی جاتی ہے: اللھم طل علینا یعنی اے اللہ! ہم پر انعام فرما اور فضل فرما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ذِی الطَّوۡلِ کا معنی ہے نعمتوں والا۔ مجاہد نے کہا: معنی غنا اور وسعت والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ذِی الطَّوۡلِ یعنی جو لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہیں کہتا اس سے غنی ہے۔ عکرمہ نے کہا: ذِی الطَّوۡلِ کا معنی ہے احسان والا (2)۔ جوہری نے

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 50-149 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 142

کہا: طول کا معنی احسان ہے، اسی معنی میں یہ قول کیا جاتا ہے: طال علیه وتطوّل علیه۔ جب اس پر احسان کرے۔ محمد بن کعب نے کہا: ذِی الطَّوْلِ کا معنی ہے فضل واحسان فرمانے والا (1)۔ ماوردی نے کہا: منّ اور تفضل میں فرق یہ ہے کہ منّ کا معنی ہے گناہ سے بخشنا اور تفضل کا معنی ہے غیر مستحق پر احسان کرنا (2)۔ طَول، طُول سے ماخوذ ہے گویا وہ غیر پر احسان کرنے کے لیے طویل ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے انعام کی مدت طویل ہو گئی۔ اَلْمَصِیْرُ کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے۔

مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر کی مہر لگا دی ہے مراد ہے باطل کے ذریعے جھگڑا کرنا، اللہ تعالیٰ کی آیات میں طعن کرنا، حق کو رسوا کرنے کا ارادہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دینا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَجٰدَلُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ۔ جہاں تک آیات میں اس وجہ سے جدال کرنا تاکہ التباس کو واضح کیا جائے، اس کی پیچیدگی کو حل کیا جائے، اس کے معانی کے استنباط میں علماء کا بحث وتمحیص کرنا اور کج رو لوگوں کا رد کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت بڑا جہاد ہے۔ یہ بحث سورۂ بقرۃ میں آیت اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ میں گزر چکی ہے (بقرہ: 258)

فَلَا یَغۡرُرۡكَ اسے فلا یغرك بھی پڑھا گیا ہے تَقَلُّبُهُمۡ کا معنی ان کا گھومنا پھرنا، اگر تو انہیں مہلت بھی دے تو میں انہیں مہلت نہ دوں گا بلکہ میں انہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مراد مکہ مکرمہ سے شام اور یمن کی طرف ان کا تجارتی سفر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا یغرر ك ان کے پاس جو مال ومتاع اور رزق میں وسعت ہے یہ تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے کیونکہ یہ دنیا میں قلیل ہے۔ زجاج نے کہا: معنی ہے ان کا کفر کے باوجود سلامت رہنا تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے کیونکہ ان کے انجام میں ہلاکت ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جو لوگ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں یہ دو آیتیں ان کے لیے کتنی ہی شدید ہیں مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا۔ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِی الۡكِتٰبِ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۷۶﴾ (البقرۃ)

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۪ وَ هَمَّتۡ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوۡلِهِمۡ لِیَاۡخُذُوۡهُ وَ جٰدَلُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ فَاَخَذۡتُهُمۡ ۟ فَكَیۡفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَ كَذٰلِكَ حَقَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَی الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ؔ اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَهٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَةً وَّ عِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِیۡلَكَ وَ قِهِمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا وَ اَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣالَّتِیۡ وَعَدۡتَّهُمۡ وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۙ﴿۸﴾ وَ قِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَ مَنۡ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمۡتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 142 2۔ ایضاً

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

”جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد اور قصد کیا ہر امت نے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کرلیں اور جھگڑتے رہے اس کے ساتھ ناحق تاکہ جھٹلادیں اس کے ذریعے حق کو پس میں نے پکڑلیا، پس کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہوگیا الله کا فیصلہ کفار پر وہ دوزخی ہیں۔ جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور جو عرش کے اردگرد حلقہ زن ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لیے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو اپنی رحمت و علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے کفر سے توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں عذاب جہنم سے۔ اے ہمارے رب! داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے، بے شک تو ہی سب سے زبردست اور حکمت والا ہے، اور بچالے انہیں سزاؤں سے، اور جس کو تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر، اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی“۔

**كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ** جماعت کے مونث ہونے کے اعتبار سے فعل مونث ذکر کیا یعنی كَذَّبَتْ الرسل۔ **وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ** یعنی وہ قومیں جنہوں نے انبیاء کو جھٹلانے میں اجتماعیت کو اپنایا جس طرح قوم عاد اور قوم ثمود اور ان کے بعد جو قومیں ہوئیں۔

**لِيَاْخُذُوْهُ** یعنی نبی کو محبوس کردیں اور اسے اذیتیں دیں۔ قتادہ اور سدی نے کہا: وہ اسے قتل کردیں (1)۔ اخذ کا لفظ ہلاک کرنے کے معنی میں آتا ہے جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: **ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝** (الحج) عرب اسیر کو اخیذ کہتے ہیں کیونکہ وہ قتل کے لیے ماسور ہوتا ہے۔ قطرب نے ایک شاعر کا یہ شعر پڑھا:

فإما تأخذوني تقتلوني فكم من آخِذٍ يَهْوَى خُلودِی(2)

اگر تم مجھے پکڑو گے تو تم مجھے قتل کرو گے اور کتنے ہی پکڑنے والے میری دائمی زندگی کو چاہتے ہیں۔

انہوں نے اپنے رسول کو کب پکڑا (3) اس کے بارے میں دو قول ہیں: (1) جب اس رسول نے انہیں دعوت دی (2) جب ان پر عذاب نازل ہوا۔

**لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ** یعنی اس کے ذریعے وہ حق کو زائل کردیں، اسی معنی میں یہ لفظ بولا جاتا ہے مکان دحض ایسی جگہ جو پھسلاہٹ والی ہو۔ باطل کو داحض بھی کہتے ہیں، کیونکہ وہ پھسل جاتا ہے اور زائل ہوجاتا ہے ایک جگہ قرار نہیں پاتا۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: انہوں نے شرک کرکے انبیاء کے ساتھ مجادلہ کیا تاکہ اس کے ذریعے ایمان کو باطل کردیں انہیں عذاب نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 143 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً جلد 5، صفحہ 144

پکڑ لیا تو جھٹلانے والی قوموں کے لیے میرا عذاب کیسا تھا (1)، کہا: انہوں نے اسے حق نہیں پایا۔

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ یعنی واجب ہوگئی اور لازم ہوگئی یہ حق سے ماخوذ ہے کیونکہ حق بھی لازم ہوتا ہے كَلِمَتُ رَبِّكَ یہ عام قراءت ہے یعنی واحد کا صیغہ ہے۔ نافع اور ابن عامر نے اسے کلمات جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ اخفش نے کہا: اصل میں لانهم اور بانهم تھا۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ کو کسرہ دیتے ہوئے إنهم پڑھا جائے اَصْحٰبُ النَّارِ یعنی انہیں آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا گفتگو مکمل ہوئی، پھر نئے سرے سے کلام شروع ہوئی اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ روایت کی جاتی ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے ایسے ہیں کہ ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑنے والے ہیں وہ سر جھکائے ہوئے ہیں وہ اپنی نظریں اٹھائے ہوئے نہیں وہ ملائکہ میں سے سب سے اشرف اور افضل ہیں (2)۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ صبح و شام حاملین عرش کو سلام پیش کریں مقصود تمام فرشتوں پر ان کی فضیلت کا اظہار ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے عرش کو سبز موتی سے پیدا کیا ہے اس کے پائیوں میں سے دو پائیوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کو اسی ہزار سال لگتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش کے ارد گرد فرشتوں کی ستر ہزار صفیں ہیں جو عرش کا طواف کرتے ہیں وہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہہ رہے ہوتے ہیں ان کے پیچھے ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں جو کھڑے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے ہوتے ہیں وہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ اکبر کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کر رہے ہیں ان کے پیچھے ایک لاکھ صفیں ہیں جنہوں نے اپنے دائیں ہاتھ بائیں ہاتھوں پر رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک ایسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے جن کے الفاظ کے ساتھ دوسرا تسبیح نہیں کر رہا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے العُرش پڑھا ہے۔ زمخشری نے ان تمام چیزوں کو ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ذکر کے ساتھ متصل ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، کیونکہ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ کا معنی ہے وہ اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کفار کہتے ہیں وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مفسرین کے اقوال یہ ہیں کہ عرش ایک چارپائی ہے، ایک عظیم جسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے فرشتوں کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا اور ان پر لازم کیا کہ وہ عرش کی تعظیم بجالائیں اور اس کا طواف کریں جس طرح زمین میں ایک گھر بنایا اور انسانوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اور نماز میں قبلہ رو ہوں۔

ابن طہمان، موسیٰ بن عقبہ سے وہ محمد بن منکدر سے وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اجازت دی گئی ہے کہ حاملین عرش فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا ذکر کروں کہ اس کے کانوں کی لووں سے لے کر اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہے (3)؛ یہ بیہقی نے ذکر کیا سورۂ بقرۃ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 144 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 52-151

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب الجھمیہ، جلد 2، صفحہ 294

کی آیت الکرسی میں عرش کا ذکر ہو چکا ہے کہ یہ سب سے عظیم مخلوق ہے۔

ثور بن یزید، خالد بن معدان سے وہ کعب الاحبار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا، اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کبھی بھی مجھ سے بڑی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا تو وہ لرزنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سانپ کا طوق پہنایا سانپ کے ستر ہزار بازو ہیں ایک بازو میں ستر ہزار پر ہیں ہر پر میں ستر ہزار چہرے ہیں ہر چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ ستر ہزار زبانیں ہیں ہر روز ہر منہ سے، بارش کے قطرات کے برابر، درختوں کے پتوں کے برابر، سنگریزوں اور مٹی کی تعداد برابر، دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر فرشتوں کی تعداد کے برابر تسبیح نکلتی ہے سانپ عرش کے ساتھ لپٹا ہوا ہے۔ عرش سانپ کے نصف کے برابر ہے سانپ اس عرش کے ساتھ لپٹا ہوا (1) ہے۔ مجاہد نے کہا: ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں نور کا حجاب ہے، ظلمت کا حجاب ہے نور کا حجاب ہے اور ظلمت کا حجاب ہے۔

وہ کہتے ہیں: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا یعنی تیری رحمت اور علم ہر شے کو وسیع ہے جب فعل کو رحمت اور علم سے نقل کیا گیا تو یہ دونوں تفسیر کے طور پر منصوب ہوئے۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا یعنی جنہوں نے شرک اور معاصی سے توبہ کی انہیں بخش دے سَبِيْلَكَ سے مراد دین اسلام ہے وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ عذاب جہنم کو ان سے دور کر دے یہاں تک کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکے۔ ابراہیم نخعی نے کہا: اصحاب عبد اللہ کہا کرتے تھے ملائکہ ابن کواء سے بہتر ہیں وہ اہل زمین کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں جبکہ ابن کواء ان کے بارے میں کفر کی گواہی دیتا ہے۔ ابراہیم نے کہا: وہ کہا کرتے تھے وہ اہل قبلہ سے استغفار کو نہیں روکتے۔ مطرف بن عبد اللہ نے کہا: ہم نے اللہ کے بندوں کے سب سے مخلص فرشتے پائے ہیں اور ہم نے اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ سب سے زیادہ دھوکہ کرنے والے شیاطین پائے ہیں اور اس آیت کی تلاوت کی۔ یحییٰ بن معاذ رازی نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اسے خوب سمجھو، عالم میں کوئی جنت نہیں جس کی اس سے امید کی جاتی ہو بیشک ایک فرشتہ اگر اللہ تعالیٰ سے تمام مومنین کے لیے مغفرت کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے تو پھر کیا حال ہوگا جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مومنوں کے لیے استغفار کر رہے ہوں۔ خلف بن ہشام بزار قاری نے کہا: میں سلیم بن عیسیٰ کو قرآن سنایا کرتا تھا جب میں اس آیت پر پہنچا تو رونے لگے پھر فرمایا: اے خلف! مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنا معزز ہے وہ اپنے بستر پر سویا ہوا ہے جبکہ فرشتے اس کے حق میں بخشش طلب کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے فرمایا: جنات عدن کیا ہے؟ اس نے کہا: جنت میں سونے کے محلات ہیں جن میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور عادل امام داخل ہوں گے الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ التی محل نصب میں ہے جو جنات کی صفت ہے وَمَنْ صَلَحَ من محل نصب میں ہے اس کا عطف ھم پر ہے جو وَاَدْخِلْهُمْ میں ہے وَمَنْ صَلَحَ یعنی ایمان کے ساتھ صالح ہو گئے۔

1۔ یہ روایات اسرائیلیات پر مبنی ہیں جن کی صحت کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔

مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ سورۂ رعد میں اس آیت کی مثل گزر چکی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ایک آدمی جنت میں داخل ہوگا عرض کرے گا: اے میرے رب! میرے باپ، دادا اور میری ماں کہاں ہے؟ میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد اور میری بیویاں کہاں ہیں؟ تو کہا جائے گا: انہوں نے تیرے عمل جیسا عمل نہیں کیا تھا، تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کرتا تھا، تو اسے کہا جائے گا: انہیں جنت میں داخل کر دو پھر یہ آیت تلاوت کی اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ آیت کے قریب یہ آیت ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور: 21)

وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ قتادہ نے کہا: انہیں ان چیزوں سے بچا جو انہیں تکلیف دیتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں گناہوں کے عذاب سے بچا یہ وقاہ اللہ یقیہ وقایۃ سے امر ہے یعنی اس کی حفاظت کر فَقَدْ رَحِمْتَهٗ یعنی جنت میں داخل کر کے ان پر تو نے رحم فرمایا، وہ عظیم نجات ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝

”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تم سے بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں کا سو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے پس حکم کا اختیار اللہ کے لیے ہے جو برتر و بزرگ ہے“۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اخفش نے کہا: لَمَقْتُ میں لام ابتدائیہ ہے جو يُنَادَوْنَ کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے یقال لھم ندا بھی ایک قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے انہیں کہا جائے گا: لمقت اللہ ایاکم فی الدنیا اکبر من مقت بعضکم بعضا یوم القیمۃ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی اس سے بڑھ کر ہوگی جو قیامت کے روز تمہاری ایک دوسرے سے ناراضگی ہوگی کیونکہ ان میں سے بعض بعض سے قیادت کے روز دشمنی کریں گے

اور ناراضگی کا اظہار کریں گے اس موقع پر وہ مطیع و فرمانبردار بنیں گے عاجزی کریں گے اور جہنم سے نکلنے کا مطالبہ کریں گے۔
کلبی نے کہا: جہنمیوں میں سے ہر ایک انسان اپنے آپ سے کہے گا: اے نفس! میں تجھ سے ناراض ہوں ملائکہ انہیں کہیں گے جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے: جب تم دنیا میں تھے جبکہ تمہاری طرف رسول مبعوث کیے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی آج تمہاری اپنے نفسوں سے ناراضگی سے بڑھ کر تھی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں ان کی کتاب دی جائے گی جب وہ اپنی برائیوں کو دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہوں گے تو انہیں ندا دی جائے گی دنیا میں تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے، آج تمہاری اپنی ذاتوں سے جو ناراضگی ہے اس سے بڑھ کر تھی: یہ مجاہد نے معنی بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تو تم کفر کرتے اس سے بڑھ کر تھی جو تم اپنی ذاتوں سے ناراضگی کا اظہار کر رہے ہو جب تم نے جہنم کی آگ کو دیکھا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے ناراض ہوئے؟ اس میں دو وجوہ ہیں: (1) انہوں نے اپنے نفوس کو گناہ کی جگہ رکھا جو اس کا محل ہے جس سے ناراض ہوا جاتا ہے (2) جب وہ اس حالت تک جا پہنچے جن سے خواہش نفس زائل ہو گئی اور انہیں علم ہو گیا کہ ان کے نفوس نے ہی انہیں نافرمانیوں میں رکھا تو وہ اس پر ناراض ہوئے۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: جب جہنمی اس چیز سے مایوس ہو گئے جو جہنم کے دروازوں کے پاس تھی تو مالک نے انہیں کہا تم اسی میں رہو گے، جس کا ذکر بعد میں آئے گا تو ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اے ساتھیو! تم پر عذاب اور آزمائش نازل ہو چکی ہے جسے تم دیکھتے ہو آؤ ہم صبر کریں ممکن ہے صبر ہمیں کچھ نفع دے جس طرح اہل طاعت نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کیا۔ جب انہوں نے صبر کیا تو صبر نے انہیں نفع دیا پس سب نے صبر پر اتفاق کیا انہوں نے صبر کیا تو ان کا صبر ان پر طویل ہو گیا پھر انہوں نے جزع فزع شروع کر دی اور یوں ندا کی: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ (ابراہیم) محیص کا معنی پناہ گاہ ہے اس موقع پر ابلیس نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ (ابراہیم: 22) اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ (ابراہیم: 22) جب انہوں نے شیطان کا قول سنا تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہو گئے تو انہیں یوں ندا کی گئی: لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ تو ان کا رد اس طرح کیا گیا: ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا۔

**قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ** اہل تاویل نے اس کی کئی تعبیریں کی ہیں۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ اور ضحاک نے کہا: وہ اپنے آباء کی پشتوں میں مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی پھر انہیں دنیا میں وہ دعوت دی (1) جس

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 146

کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں پھر انہیں بعث اور قیامت کے لیے دوبارہ زندہ کیا یہی دوزندگیاں اور دوموتیں ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ (البقرہ:28) میں یہی مراد ہے۔

سدی نے کہا: انہیں دنیا میں موت دی گئی پھر سوال وجواب کے لیے قبروں میں انہیں زندہ کیا گیا پھر انہیں موت دی گئی پھر انہیں آخرت میں زندہ کیا گیا(1)، یہ تعبیر اس لیے کی گئی کیونکہ عرف میں نطفہ پر میت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ علماء نے اس آیت سے قبر میں سوال کے اثبات کا استدلال کیا ہے اگر ثواب صرف روح کو ہونا ہوتا جسم کو نہ ہونا ہوتا تو زندہ کرنے اور مارنے کا کیا معنی تھا۔ جو لوگ آخرت کے احکام صرف ارواح تک محدود رکھتے ہیں اسے نہ موت آتی ہے نہ اس میں تغیر واقع ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خراب ہوتی ہے وہ بذات خود زندہ ہے اسے موت، غشی اور فنا لاحق نہیں ہوتی ابن زید نے رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ کے بارے میں کہا: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں پیدا کیا انہیں نکالا، انہیں زندہ کیا اور ان سے وعدہ لیا پھر انہیں موت دی پھر انہیں دنیا میں زندہ کیا پھر انہیں موت دی۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا انہوں نے اس وقت اعتراف کیا جب اعتراف انہیں نفع نہیں دیتا تھا وہ اس وقت شرمندہ ہوئے جب شرمندگی انہیں کوئی نفع نہ دیتی تھی فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ کیا ہمیں دنیا کی طرف لوٹایا جائے گا تاکہ ہم آپ کی اطاعت کے مطابق عمل کریں، اس کی آیات یہ ہیں هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ (الشوریٰ) فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (السجدۃ:12) يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ (الانعام:27)

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ۔ ذٰلِكُمْ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے الامر ذلکم یا تقدیر کلام یہ ہوئی ذلکم العذاب الذی انتم فیہ بکفرکم کلام میں اس کی تقدیر متروک ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ لوٹنے کی کوئی راہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا تو تم نے اس امر کا انکار کر دیا کہ الوہیت صرف اس کے لیے ہو اگر کوئی مشرک اس کے ساتھ شرک کرتا ہے تو تم اس کی تصدیق کرتے ہو اور اس کے قول پر ایمان لاتے ہو۔ ثعلبی نے کہا: میں نے ایک عالم کو کہتے ہوئے سنا: اگر دنیا کی طرف لوٹائے جانے کے بعد بھی اس کے ساتھ شرک کیا جائے تو تم شرک کی تصدیق کرتے ہو اسی کی مثل یہ ارشاد ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام:28)۔ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ ان کی کوئی بیوی یا اولاد ہو۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 146

اَلْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۝ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝

''وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں اور نازل فرماتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق اور نہیں نصیحت قبول کرتا مگر وہ جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے، تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو اگرچہ ناپسند کریں کفار۔ بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے، وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے، کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ تعالیٰ کی جو واحد اور قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا، ذرا ظلم نہیں ہوگا آج، بے شک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے''۔

اٰیٰتِهٖ سے مراد اس کی توحید اور قدرت کے دلائل ہیں۔ یہاں آیات کو ظاہر کرنا اور رزق کے نازل کرنے کو جمع کیا کیونکہ آیات کے ساتھ ادیان کا قوام ہوتا ہے اور رزق کے ساتھ ابدان کا قوام ہوتا ہے یہ آیات جو آسمان اور زمین ہیں اور ان کے درمیان جو کچھ ہیں اور ان میں سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل، بخارات، نہریں، چشمے، پہاڑ، درخت اور ہلاک ہونے والی قوم کے آثار ہیں۔

وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ۝ ان آیات سے نصیحت حاصل نہیں کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار کرتا مگر جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت سے مراد اطاعت ہے اگرچہ کافر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ناپسند کریں تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ۔ ذو العرش مبتدا کے مضمر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ اخفش نے کہا: مدح کی بنا پر نصب دینا بھی جائز ہے رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ کا معنی ہے بلند صفات والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی اور سعید بن جبیر نے کہا: سات آسمانوں کو بلند کرنے والا (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: جنت میں اپنے اولیاء کے درجہ کو بلند کرنے والا، اس صورت میں رفیع، رافع کے معنی میں ہوگا یعنی فعیل فاعل کے معنی میں ہے، پہلے قول کی بنا پر صفات ذات مراد ہونگی معنی ہوگا اس سے قدر و منزلت میں بڑھ کر کوئی نہیں وہی مدح و ثنا کے درجات کا مستحق ہے یہی درجات اس کی اصناف اور ابواب ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی ان کا مستحق نہیں؛ یہ حلیمی کا قول ہے ہم نے اس کا ذکر ''الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ'' میں کیا ہے۔ الحمد للہ۔ ذُو الْعَرْشِ وہ عرش کا خالق اور مالک ہے وہ عرش کا محتاج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ثُلَّ عرش فلاں یعنی اس کا مالک اور غلبہ زائل ہوگیا جبکہ اللہ تعالیٰ ذُو الْعَرْشِ ہے معنی ہے اس کی حکومت اور سلطنت قائم و ثابت ہے ہم نے اس کی وضاحت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 147

بھی "شرح اسماء اللہ الحسنی" میں کی ہے۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ روح سے مراد وحی اور نبوت ہے، اسے روح کا نام دیا گیا کیونکہ لوگ روح کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس طرح بدن روحوں سے زندہ ہوتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: روح سے مراد قرآن ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ:52) ایک قول یہ کیا گیا ہے: روح سے مراد جبریل امین ہے (1) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ (الشعراء:194) فرمایا: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (النحل:102)

مِنْ اَمْرِهٖ امر سے مراد قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قضا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: من باء کے معنی میں ہے یعنی اس کے امر سے۔ مَنْ یَّشَآءُ سے مراد انبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ انبیاء ہو جائیں۔ اس میں کسی نبی کی مشیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ اللہ تعالیٰ رسول اس لیے مبعوث کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن سے ڈرائے۔ لِیُنْذِرَ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے، معنی ہوگا اللہ تعالیٰ رسولوں کو مخلوقات کی طرف مبعوث کر کے انہیں ڈراتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے لِتُنْذِرَ پڑھا ہے، اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

یَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: یَوْمَ التَّلَاقِ سے مراد ہے جس روز آسمان اور زمین والے آپس میں ملیں گے۔ قتادہ، ابوالعالیہ اور مقاتل نے کہا: جس میں مخلوق اور خالق ملیں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس روز عابد اور معبود ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ظالم اور مظلوم ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر انسان اپنے عمل کی جزا پائے گا۔ ایک ہی میدان میں پہلے اور بعد والے ملیں گے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کا معنی صحیح ہے یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ یہ پہلے یوم سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھم محل رفع میں ہے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور بٰرِزُوْنَ اس کی خبر ہے جملہ اضافت کی وجہ سے محل رفع میں ہے اسی وجہ سے یوم سے تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ تعبیر سیبویہ کے نزدیک اس وقت ہوگی جب ظرف اذ کے معنی میں ہو تو کہتا ہے: لقیتك یومر زیدٌ امیرٌ جب یہ اذا کے معنی میں ہو تو پھر جائز نہیں جس طرح یہ ہے أنا ألقاك یومر زیدٌ امیرٌ بٰرِزُوْنَ کا معنی ہے وہ قبروں سے نکلیں گے انہیں کوئی چیز پوشیدہ نہ رکھے گی کیونکہ اس روز زمین کھلا میدان ہوگی، اس میں کوئی کجی اور نشیب و فراز نہ ہوگا، جس طرح اس کی وضاحت سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔

لَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ میں یہی عامل ہے یعنی جس روز وہ نکلیں گے اس پر ان میں سے اور ان کے اعمال میں سے کوئی چیز مخفی نہ ہوگی۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ یہ مخلوق کے فنا ہونے پر بات ہوگی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سوال کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ اور

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 148

2۔ ایضاً

جواب دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہوگا، کیونکہ یہ اس وقت فرمائے گا جس وقت کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، تو وہ خود ہی جواب دے گا(1)، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔

نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے ان میں سے صحیح ترین ابو وائل کی روایت ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لوگوں کو چاندی کی مثل سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی گئی ہوگی، ایک منادی کو ندا کرنے کا حکم ہوگا جو اعلان کرے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ تو مومن و کافر سب بندے کہیں گے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ مومن خوشی اور لذت حاصل کرتے ہوئے یہ کہیں گے اور کافر غم، عاجزی اور اطاعت کے طور پر کہیں گے۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ یہ سوال ہو اور مخلوق موجود نہ ہو تو یہ امر بعید ہے کیونکہ اس میں تو کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے وہ قول صحیح ہے یہ قول قیاس اور تاویل سے اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے کیونکہ مقصود بادشاہت میں انفرادیت کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ مدعیوں کے دعوے، انتساب کرنے والوں کے انتساب ختم ہو چکے ہیں کیونکہ ہر بادشاہ اور اس کا ملک، ہر متکبر اور اس کا ملک جا چکا ان کے نسب اور دعویٰ ختم ہو چکے ہیں۔ اسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ زمین کو لپیٹ لیا جائے گا روحیں قبض کر لی جائیں گی اور آسمان بھی لپیٹ لیے جائیں گے: أنا الملك این ملوك الأرض (2) میں بادشاہ ہوں اور زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جس طرح حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر کی حدیث میں گزر چکا ہے پھر اللہ تعالیٰ زمین کو بائیں ہاتھ اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا: پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں جبار کہاں ہیں؟ متکبر کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ یہ دنیا کے زمانہ کا انقطاع ہے اس کے بعد دوبارہ اٹھانا اور نشر ہوگا۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ ارشاد دو نفخوں کے درمیان ہوگا جب مخلوقات فنا ہو جائیں گی اور خالق باقی رہے گا وہ اپنی ذات کے سوا نہ کوئی مالک اور نہ کوئی مملوک دیکھے گا(3) اسے کوئی جواب نہ دے گا کیونکہ تمام مخلوق مردہ ہوگی تو وہ خود ہی جواب دے گا وہ ارشاد فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کیونکہ وہ خود ہی باقی ہے اور اپنی مخلوق پر غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا وہ کہے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ تو جنتی اسے جواب دیں گے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے(4)۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ انہیں یہ کہا جائے گا جب وہ اللہ وحدہ لاشریک کے لیے بادشاہت کا اقرار کر لیں گے یعنی ہر نفس نے خیر اور شر میں سے جو کچھ عمل کیا ہوگا اسے آج جزا دی جائے گی لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ہر ایک نے جو عمل کیا ہوگا اس کے بدلہ میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اسے تفکر اور گننے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی جس طرح حساب کرنے والے کرتے ہیں کیونکہ وہ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 405
2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، یقبض الله الأرض، جلد 2، صفحہ 965
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 148
4۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 157

ایسا عالم ہے جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی تو وہ کسی کی جزا میں تاخیر نہیں کرتا اس لیے کہ وہ کسی اور کو جزا دینے میں مشغول ہوتا ہے جس طرح وہ ایک ساعت میں سب کو رزق دیتا ہے اسی طرح وہ ایک ساعت میں سب کا محاسبہ کرے گا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''ابھی نصف النہار کا وقت نہیں ہوگا کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں قیلولہ کریں گے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ﴿۱۹﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

''اور آپ ڈرایئے انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل گلے میں اٹک جائیں گے خوف ودہشت سے بھرے ہوئے، نہ ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ، اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے وہ قوت کے لحاظ سے بھی طاقتور تھے اور زمین میں چھوڑے ہوئے آثار کے لحاظ سے بھی تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کے باعث، اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لیے کہ لے کر آتے رہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے ہر بات سے انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے، بے شک وہ بڑا طاقتور سخت سزا دینے والا ہے''۔

**يَوْمَ الْاٰزِفَةِ** سے مراد یوم قیامت ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ وہ قریب ہے کیونکہ ہر وہ امر جو وقوع پذیر ہونے والا ہو وہ قریب ہی ہوا کرتا ہے أزف فلان یعنی فلاں قریب ہوا اس کا مضارع یأزف أزفا کے وزن پر آتا ہے۔ نابغہ نے کہا:

أَزِفَ التَّرَحُّلُ غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا لَمَّا تَزَلْ بِرِحَالِنَا وَكَأَنْ قَدِ

اس میں ازف کے لفظ کا قریب معنی ہے یعنی ہمارے کوچ کا وقت قریب آ گیا اس آیت کی مثل **اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾** (النجم) ہے یعنی قیامت قریب آ گئی، ایک شاعر کہتا ہے:

أَزِفَ الرَّحِيلُ وَلَيْسَ لِي مِنْ زَادِ غَيْرَ الذُّنُوبِ لِشِقْوَتِي وَنَكَادِي

کوچ کا وقت قریب آ گیا میرے لیے میرے گناہوں کے سوا کوئی زاد نہیں یہ میری بدبختی اور محرومی کا باعث ہے۔

اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ۔ کاظمین حال ہے معنی پر محمول ہے۔ زجاج نے کہا: معنی ہے دل غصے کی حالت میں گلے میں ہوں گے۔ فراء نے اس کو جائز قرار دیا کہ یہ تقدیر ہو وانذرھم کاظمین، کاظمین کو مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یوم الآزفۃ سے مراد موت کے حاضر ہونے کا دن ہے (1)؛ یہ قطرب کا قول ہے اسی طرح اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ سے مراد بھی موت کے حاضر ہونے کا وقت ہے، پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔ قتادہ نے کہا: خوف کی وجہ سے گلے میں اٹک جائے گا نہ یہ نکلے گا اور نہ ہی وہ اپنی جگہ واپس جائے گا (2) یہ قیامت کی گھبراہٹ کی خبر ہے جس طرح فرمایا وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (الاحزاب: 10) یوم کو الآزفۃ کی طرف مضاف کیا تقدیر کلام یوں ہوگی یوم القیامۃ أو یوم المجادلۃ۔

کوفیوں کے نزدیک یہ إضافۃ الشئ إلی نفسہ کے باب سے ہے جس طرح مسجد الجامع، صلاۃ الاولی۔ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ، حمیم کا معنی قریبی ہے جو نفع دے وَّ لَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۞ اور نہ کوئی ایسا شفیع ہے جو ان کے بارے میں شفاعت کرے۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ مورج نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے کلام یوں ہے یعلم الأعین الخائنۃ وہ خائن آنکھوں کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا ہو ایک عورت ان کے پاس سے گزرے وہ اس کی طرف نظریں بچا کر دیکھتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو ایک عورت کی طرف دیکھتا ہے جب اس کے ساتھی اسے دیکھیں تو وہ اپنی نظریں جھکا لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا ہے کہ وہ آدمی پسند کرتا کہ اس کی بے پردگی کو دیکھے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے اس کی طرف نظریں بچا کر دیکھنا (3)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد انسان کا یہ قول ہے ما رایت جبکہ اس نے دیکھا تھا یا رایت جبکہ اس نے نہیں دیکھا تھا۔ سدی نے کہا: اس سے مراد آنکھ سے اشارہ کرنا ہے۔ سفیان نے کہا: اس سے مراد ایک نظر کے بعد دوسری نظر کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ معنی ہے اگر اس کے ساتھ خلوت کرتا تو اس کے ساتھ بدکاری کرتا یا نہ کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ سینے جس کو چھپائے ہوئے ہیں۔

جب عبد اللہ بن ابی سرح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا جبکہ اہل مکہ مطمئن ہو چکے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے امان طلب کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویل وقت تک خاموش رہے تھے پھر فرمایا: ''ہاں''۔ جب عبد اللہ بن ابی سرح چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے صحابہ سے فرمایا: ''میں خاموش نہیں ہوا تھا مگر اس لیے کہ تم میں سے کوئی ایک اٹھے اور اس کی گردن مار ڈالے''۔ ایک انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 149 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 150

کر دیا تو فرمایا: "اللہ کا نبی خائن آنکھ والا نہیں ہوتا" وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ جو آدمی محارم سے اپنی نظر کو جھکا کر رکھتا ہے اور جوان کی طرف دیکھتا ہے اور جو آدمی موقع ملنے پر فواحش کا ارادہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ان کو جزا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ، مِنْ دُوْنِهٖ سے مراد بت ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے کیونکہ وہ کسی چیز کو نہیں جانتے اس پر قادر نہیں اور اس کے مالک نہیں۔ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ مسلک ہے۔ نافع، شیبہ اور ہشام نے تدعون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ھو زائد ہے اور فاصلہ کے لیے آئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور اس کا مابعد خبر ہو اور جملہ ان کی خبر ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا، فَيَنْظُرُوْا جزم کے محل میں ہے اس کا عطف يَسِيْرُوْا پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو کیونکہ یہ جواب ہے تثنیہ اور جمع میں جزم اور نصب ایک ہی ہے كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ، عَاقِبَةُ، كَانَ کا اسم ہے اور اس کی خبر کیف ہے وَّاقٍ محل جر میں ہے لفظ پر عطف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اس کے رفع اور جر کی حالت ایک ہی ہے کیونکہ یاء حذف ہو جاتی ہے اور کسرہ اس پر دلالت کرتا ہے کئی مواقع پر اس آیت کے معنی میں گفتگو گزر چکی ہے پس اس نے اعادہ سے ہمیں غنی کر دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

"بے شک بھیجا ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ، فرعون ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے۔ پھر جب موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا: قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جوان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو، اور نہیں کافروں کا ہر مکر مگر رائیگاں۔ اور فرعون نے جھنجھلا کر کہا: مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو اپنی مدد کے لیے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر کے شر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا"۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا یہ نو نشانیاں ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں گزر چکا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى

تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (الاسراء:101) ان کی تعیین بھی گزر چکی ہے: وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اس سے مراد واضح حجت ہے، سلطان یہ مذکر اور مونث دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد تورات ہے اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ ان کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی تدبیر کا دارومدار انہیں افراد پر تھا فرعون بادشاہ تھا، ہامان وزیر تھا اور قارون اموال اور خزانوں والا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے ان دونوں کے ساتھ جمع کر دیا کفر اور تکذیب میں اس کا عمل ان دونوں کے اعمال جیسا تھا فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے معجزات کو جادو پر محمول کر دیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا یہاں حق سے مراد ظاہر معجزہ ہے قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قتادہ نے کہا: یہ قتل پہلے قتل سے مختلف ہے کیونکہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد بچوں کو قتل کرنا چھوڑ دیا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تو سزا کے طور پر دوبارہ بنی اسرائیل کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ لوگ ایمان لانے سے رک جائیں اور ان کی جمعیت میں اضافہ نہ ہو کہ وہ اپنی اولادوں میں سے مذکر افراد سے قوت حاصل نہ کریں اللہ تعالیٰ نے ان پر جو مختلف قسم کے عذاب نازل کیے جیسے مینڈکوں کی صورت میں عذاب، جوؤں کی صورت میں عذاب، خون اور طوفان کی صورت میں عذاب اس وجہ سے فرعونی بنی اسرائیل سے غافل ہو گئے یہاں تک کہ بنی اسرائیل مصر سے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی بھی یہی ہے: وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ ضلال کا معنی خسارہ اور ہلاکت ہے۔ لوگ ایمان لانے سے نہیں رکتے اگرچہ وہ اس قسم کا عمل کرے تو اس کا مکر باطل چلا جاتا ہے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْيَدْعُ رَبَّهٗ اقتل فعل مجزوم ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے وَ لْيَدْعُ مجزوم ہے کیونکہ وہ امر ہے ذَرُوْنِيْۤ مجزوم نہیں اگرچہ امر ہے لیکن اس کا لفظ مجزوم کا لفظ ہے جبکہ وہ مبنی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرعون کو کہا گیا ہم ڈرتے ہیں کہ وہ تیرے خلاف بددعا کریں تو اس کی دعا قبول ہو جائے تو اس نے کہا: وہ اپنے رب کو بلائے یعنی وہ اپنے رب کا جو ذکر کرتا ہے وہ تمہیں خوفزدہ نہ کرے کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں میں تمہارا بڑا رب ہوں اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ میں تو صرف اسی سے ڈرتا ہوں کہ تم جو میری عبادت کرتے ہو وہ اسے اپنے رب کی طرف نہ پھیر دے اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ اگر وہ تمہارے دین کو تبدیل کر سکے تو وہ زمین میں ضرور فساد برپا کر دے گا یعنی اس کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف واقع ہو جائے گا۔ کوفیوں کی قراءت ہے اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ یعنی یاء کو فتحہ اور الفساد کو رفع۔ کوفیوں کے مصاحف میں اسی طرح ہے اور الف کے ساتھ ہے؛ ابو عبید بھی اسی طرف گئے ہیں کہا: اس میں حرف زائدہ ہے اس میں فصل ہے اور او، واؤ کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا حاذق نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ او واؤ کے معنی میں ہو کیونکہ اس میں وضع معنی کا بطلان ہوتا ہے اگر یہ جائز ہو کہ او، واؤ کے معنی میں ہو تو یہاں استدلال کی ضرورت ہی نہ ہوتی کیونکہ واؤ کا معنی ہے میں دونوں امروں سے خوف کھاتا ہوں او کا معنی ہے دونوں میں سے ایک سے ڈرتا ہوں یعنی میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا اگر یہ امر اس کے لیے مشکل ہو گیا تو وہ زمین

میں فساد کو ظاہر کر دے گا۔

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ جب فرعون نے آپ کو قتل سے دھمکایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ وہ یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖۗ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

"اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے: میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے، اسے اپنے حال پر رہنے دو اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہو گی اور اگر سچا ہوا (اور تم نے (انکو) گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب اس کا جس نے تم سے وعدہ کیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے اس آدمی کا نام حبیب تھا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام شمعان تھا۔ سہیلی نے کہا: یہ سب سے صحیح قول ہے۔ تاریخ طبری میں ہے اس کا نام فیر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام حزقیل تھا؛ ثعلبی نے یہ قول حضرت ابن عباس اور اکثر علماء سے ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: اس کا حبیب یا شمعان تھا(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام خربیل یا حزبیل تھا۔ یہ اختلاف ہے کہ وہ قبطی تھا یا اسرائیلی تھا۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: یہ قبطی تھا(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فرعون کا چچا زاد تھا(4)؛ یہ سدی کا قول ہے کہا: یہ وہی شخص تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچا تھا اسی وجہ سے فرمایا: مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مراد ہے وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى ٘ قَالَ یٰمُوْسٰۤى (القصص:20) یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آل فرعون میں اس کے، فرعون کی بیوی اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا تھا کوئی اور ایمان نہیں لایا تھا اس نے کہا تھا: سردار تمہیں قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہیں(5)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: صدیقین، حبیب نجار جو آل یٰسین کا مومن تھا آل فرعون کا مومن جس نے کہا تھا: کیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 162
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 407
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152
5۔ ایضاً

تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے تیسرا ابوبکر صدیق ہے یہ ان سب سے افضل ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ اپنی قوم کے مشرکوں پر تعجب نہ کریں اس آدمی کو فرعون کے ہاں بڑی وجاہت حاصل تھی اس لیے فرعون نے اس آدمی کے ساتھ کوئی برا رویہ نہ اپنایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آدمی بنی اسرائیل میں سے تھا وہ اپنا ایمان آل فرعون سے چھپاتا تھا؛ سدی سے بھی یہی قول مروی ہے اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے وقال رجلٌ مؤمن یکتم ایمانه من آل فرعون۔

جس نے اس آدمی کو قبطی بنایا تو اس کے نزدیک من اس محذوف کے متعلق ہے جو رجل کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے وقال رجلٌ مؤمن منسوب من آل فرعون یعنی وہ فرعون کے اہل اور قریبیوں میں سے تھا۔ جس نے اسے اسرائیلی قرار دیا ہے تو اس صورت میں مِن، یکتم کے متعلق ہوگا یہ یکتم کا مفعول ثانی ہوگا۔ قشیری نے کہا: جس نے اسے اسرائیلی قرار دیا ہے اس میں بعد ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کتمه أمر کذا یہ نہیں کہا جاتا: کتم منه۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۝ (النساء) نیز یہ بات بھی ہے فرعون بنی اسرائیل میں سے کسی سے اس قسم کا قول برداشت نہیں کرتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ یہاں ان سے پہلے لام محذوف ہے یا من اجلیہ محذوف ہے ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار محذوف ہے وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بینات سے مراد نونشانیاں ہیں وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور صداقت میں کوئی شک نہ تھا لیکن جو کچھ وہ کر رہے تھے اس سے روکنے میں اور اذیت سے دور کرنے میں نرمی چاہی۔ اگر یہ ان یکن ہوتا تو بھی یہ جائز تھا لیکن سیبویہ کے قول کے مطابق کثرت استعمال کی وجہ سے اسے حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ سیبویہ کے قول کے مطابق یہ نون اعرابی ہے۔

يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ اگر تمہیں ان وعیدوں میں سے ایک ہی آ پہنچے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابوعبیدہ کا مذہب یہ ہے کہ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ کا معنی ہے کل الذی یعدکم یعنی بعض، کل کے معنی میں ہے۔ لبید کا شعر ذکر کیا:

تَرَّاكُ أمكِنَةٍ إذا لم أرْضَهَا أو يَرْتَبِطْ بَعْضَ النفوسِ حِمَامُها

جب میں راضی نہ ہوں تو میں کئی جگہوں کو چھوڑ دیتا ہوں یا ان کی موت تمام نفوس کو جکڑ لے۔

یہاں بھی بعض، کل کے معنی میں ہے کیونکہ بعض جب انہیں لاحق ہوگی تو لامحالہ کل کو لاحق ہوگی کیونکہ وہ وعید میں داخل ہے وعظ میں کلام میں نرمی پیدا کرنا ہوتا ہے ماوردی نے ذکر کیا بعض کا لفظ کل کی جگہ استعمال ہوتا ہے مقصود خطاب اور کلام میں وسعت ہوتی ہے(1)؛ جس طرح شاعر نے کہا:

قَدْ يُدْرِكُ المتأنّي بعضَ حَاجتِهِ وقدیكون مَعَ المسْتَعْجِلِ الزَّلَلُ

بعض اوقات سستی کرنے والا اپنی حاجت پالیتا ہے اور جلد باز سے لغزشیں ہو جاتی ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے انہیں عذاب کی کئی انواع سے خبردار کیا تھا ان میں سے ہر نوع ہلاک

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 153

کر دینے والی تھی گویا انہیں اس چیز سے خبردار کیا کہ انہیں ان انواع میں سے کچھ لاحق ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں عذاب دنیا یا عذاب آخرت سے ڈرایا تھا اگر وہ کفر کریں معنی یہ ہوگا تمہیں ان میں سے ایک عذاب لاحق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تمہیں عذاب پہنچے گا وہ یہ دنیا میں کہتے تھے یہ بعض وعید ہے پھر آخرت میں اس کے مترادف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر کفر کریں تو عذاب کا وعدہ کیا اور اگر ایمان لائیں تو ثواب کا وعدہ کیا جب انہوں نے کفر کیا تو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس کا بعض انہیں پہنچا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ جو اپنی ذات پر اسراف کرنے والا تھا كَذَّابٌ ۝ اپنے رب پر جھوٹ بولنے والا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے، یہ مومن کے قول میں سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے عناد میں اسراف کرنے والا ہے كَذَّابٌ وہ اپنے دعویٰ میں کذاب ہے، اس سے فرعون کی طرف اشارہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: بعض نے یہ گمان کیا کہ مکلف جب اپنے ایمان کو چھپائے زبان سے اس کا اظہار نہ کرے تو وہ محض اپنے اعتقاد کی وجہ سے مومن نہ ہوگا (1)۔ امام مالک نے کہا: ایک آدمی جب اپنے دل سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کرتا ہے اور اپنی زبان سے طلاق نہ کہے تو طلاق اسے لازم ہو جائے گی جس طرح وہ اپنے دل کے اعتقاد کے ساتھ مومن اور کافر ہو جاتا ہے ایمان کا مدار دل پر ہے حقیقت میں معاملہ اسی طرح ہے لیکن علی الاطلاق ایسا نہیں ہم نے اس کی وضاحت اصول فقہ میں بیان کر دی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مکلف جب اپنے دل سے کفر کا ارادہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ وہ اپنی زبان سے اظہار نہ کرے مگر جب وہ اپنے دل سے ایمان کی نیت کرے تو وہ کسی حال میں بھی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ زبان سے اس کا اظہار کرے تقیہ اور خوف اس بات سے مانع نہیں کہ وہ اپنی زبان سے اس چیز کا اظہار کرے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات ہیں۔ تقیہ اس چیز سے مانع ہوتا ہے جسے غیر کو سنائے ایمان کی یہ شرط نہیں کہ کسی اور کو وہ سنائے غیر کا سماع اس لیے شرط ہے کہ وہ اپنا اور مال کا دفاع کرے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** بخاری اور مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت نقل کی کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے وہ واقعہ سناؤ (2) جس میں مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سخت ترین رویہ اپنایا ہو کہا: اسی اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے صحن میں موجود تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کندھا پکڑا آپ کا کپڑا گردن میں لپیٹا اور سختی سے آپ کا گلا دبایا حضرت ابوبکر صدیق آئے اس کا کندھا پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کو دور کیا فرمایا: کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بینات لایا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' (3) میں جعفر بن محمد سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1659
2۔ صحیح بخاری، کتاب الفضائل، فضائل ابی بکر، جلد 1، صفحہ 20-519
3۔ نوادر الاصول، صفحہ 45-244

کرتے ہیں کہ قریش ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد اکٹھے ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ایک آتا آپ کو مارتا اور یہ آتا آپ کو دھکے دیتا اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد چاہی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کی آپ کی دو مینڈھیاں تھیں آپ آگے بڑھے اس کو مارتے اور دوسرے کو پرے ہٹاتے اور بلند آواز سے کہتے: تم ہلاک ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اللہ کی قسم! وہ رسول ہیں اس دن حضرت ابو بکر صدیق کی ایک مینڈھی کٹ گئی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ابو بکر کا وہ دن آل فرعون کے مومن سے بہتر تھا، آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی تعریف کی یہ ابو بکر صدیق ہیں جس نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا اپنے مال اور جان کو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کیا۔

میں کہتا ہوں: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول اس آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا۔ آپ نے اس کے ابتدائی مرحلہ کا ارادہ کیا تھا جبکہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا اور اسے نہ چھپایا ورنہ قرآن اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ آل فرعون کے مومن نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کی وضاحت آنے والی ہے۔

''نوادر الاصول''(1) میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے لوگوں نے حضرت اسماء سے پوچھا: وہ کون سا تکلیف دہ امر ہے جو تم نے دیکھا جو مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنایا؟ حضرت اسماء نے کہا: مشرک مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ وہ کیا کچھ ان کے معبودوں کے بارے میں کہتے ہیں ابھی وہ اسی طرح تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے سب اٹھ کھڑے ہوئے جب وہ آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تو آپ ان کی تصدیق کرتے انہوں نے کہا: کیا تو ہمارے معبودوں کے بارے میں یہ نہیں کہتا؟ فرمایا: کیوں نہیں، تو وہ سب آپ پر جھپٹ پڑے ایک خبر دینے والا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ سے کہا: اپنے ساتھی تک پہنچو۔ وہ ہمارے پاس سے نکلے جبکہ ان کی مینڈیاں تھیں وہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ وہ کہہ رہے تھے: تم ہلاک ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بینات لایا ہے؟ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہماری طرف لوٹے آپ اپنی مینڈھیوں میں سے کسی کو ہاتھ نہ لگاتے مگر وہ آپ کے ساتھ ہی آجاتی آپ کہتے: تبارکت یا ذاالجلال والاکرام: اکرام اکرام۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؗ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَ

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 45-244

قَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

''اے میری قوم! (مانا) آج حکومت تمہاری ہے نیز تمہیں غلبہ حاصل ہے اس ملک میں لیکن مجھے یہ بتاؤ کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجائے۔ (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا: میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں راہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف اور کہنے لگا وہی ایمان والا: اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی کہیں پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن نہ آجائے جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے اور اللہ نہیں چاہتا بندوں پر ظلم کرے۔ اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا اور جسے گمراہ کردے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں''۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ یہ آل فرعون کے مومن کا قول ہے اس کا یہ قول يٰقَوْمِ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ قبطی تھا اسی وجہ سے اس نے انہیں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اس نے کہا: يٰقَوْمِ تاکہ اس کے وعظ کو قبول کرنے کے قریب ہو جائیں آج حکومت تمہاری ہے اس لیے تم اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ یعنی غالب۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی تمہارے غلبہ کی حالت میں یہاں ارض سے مراد ارض مصر ہے؛ یہ سدی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اسی طرح فرمایا: وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ (یوسف: 56) مصر کے علاقہ میں فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا (المومن: 29) باس سے مراد عذاب ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خبردار کرنا مقصود تھا اگرچہ حضرت موسیٰ سچے ہوں اس نے نصیحت کی اور خبردار کیا تو فرعون کو ان کی دلیل کے غلبہ کا علم ہو گیا تو اس نے کہا: مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا: میں تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جو میں بہتر خیال کرتا ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے منع کرنے میں صحیح راستہ کی طرف ہی راہنمائی کرتا ہوں (1)۔

وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ وعظ اور تخویف میں زیادتی کی اور اپنے ایمان کی وضاحت کی یا تو اس لیے یہ کہا کہ اپنے نفس کو قتل ہونے پر تیار کر رہے تھے یا یہ اعتقاد تھا کہ وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے سچے قول کی وجہ سے ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 154

عام قراءت التناد ہے دال مخفف ہے وہ یوم قیامت ہے۔ امیہ بن ابی صلت نے کہا:

وبثّ الخلق فیھا إذ دحاھا فھم سُکّانُھا حتی التّناد(1)

جب اس زمین کو پھیلا دیا تو اس میں مخلوق کو پھیلا دیا وہ قیامت تک اس کے رہائشی ہیں۔

اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کو بلائیں گے اصحاب اعراف ایسے لوگوں کو بلائیں گے جن کو وہ چہروں سے پہچانتے ہوں گے اصحاب جنت اصحاب النار کو آواز دیں گے: اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا (الاعراف:44) اور جہنمی اصحاب جنت کو ندا کریں گے: اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ (الاعراف:50) ایک منادی کرنے والا بدبختی اور سعادت کے حوالے سے اعلان کرے گا خبردار! فلان بن فلان ایسی بدبختی کے ساتھ بدبخت ہوا جس کے بعد وہ کبھی بھی سعادت مند نہ ہوگا خبردار فلان بن فلان ایسی سعادت کے ساتھ سعادت مند ہوا ہے جس کے بعد وہ بدبخت نہیں ہوگا یہ اعمال کے وزن کے بعد ہوگا ملائکہ جنتیوں کو ندا کریں: اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف)

جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت ندا کی جائے گی: اے جنتیو! یہ ہمیشہ کی زندگی ہے اب موت نہیں اے جہنمیو! یہ ہمیشہ کی زندگی ہے اب موت نہیں۔ اس ندا کے علاوہ ہر قوم کو اپنے امام کے ساتھ ندا کی جائے گی۔ حضرت حسن بصری، ابن سمیقع، یعقوب، ابن کثیر اور مجاہد نے التناد وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یاء کو ثابت رکھنے کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور عکرمہ نے یوم التنادّ دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے بعض اہل عربیہ نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ یہ ندّ، ینِدّ سے مشتق ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ اسی طرف بھاگتا چلا جائے جس طرف اس کا منہ ہو۔ کہا: قیامت میں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کی قراءت اچھی ہے جبکہ اس کا معنی یوم تنافر ہے۔ ضحاک نے کہا: جب وہ جہنم کی آواز کو سنیں گے تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے وہ زمین کے جس حصہ میں آئیں گے وہ فرشتوں کی صفیں پائیں گے تو اسی جگہ کی طرف لوٹ جائیں گے جہاں سے آئے تھے(2) یہی یوم التناد اللہ تعالیٰ کے فرمان: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الرحمٰن:33) سے مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىِٕهَا (الحاقۃ:17) ابن مبارک نے اس کے معنی کا ذکر کیا۔ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر، عبد الجبار بن عبد اللہ بن سلمان نے آیت اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ان کی آنکھیں آنسوؤں کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے پھر آنکھیں خون کے ساتھ انہیں جواب دیں گی تو وہ روئیں گے یہاں تک کہ خون ختم ہو جائے گا پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ جواب دیں گی کہا: ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر بھیجا جائے گا تو وہ منہ پھیر لیں گے پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ پیپ ختم ہو جائے گی ان کی آنکھیں اتنی گہری ہو جائیں گی جس طرح مٹی میں شق ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس وقت ہوگا جب حضرت اسرافیل فزع کا نفخہ پھونکیں گے؛ اسے علی بن معبد، طبری اور دوسرے علماء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 154 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 165

ذکر کیا ہے اس میں ہے زمین اس کشتی کی مانند ہوگی جو سمندر میں ہوتی ہے جسے موجیں تھپیڑے مارتی ہیں لوگ اس پر کانپنے لگیں گے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ اپنے حملوں کو گرا دیں گی بچے بوڑھے ہو جائیں گے شیاطین بھاگتے ہوئے اڑ رہے ہوں گے فرشتے انہیں ملیں گے ان کے منہ پر ماریں گے جبکہ ایک دوسرے کو ندا کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مراد ہے: یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا وہاں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔

علی بن نصر نے ابو عمرو سے وصل کی صورت میں خاص طور پر التناد دال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو معمر نے عبدالوارث سے وصل کی صورت میں خاص کر یاء کا اضافہ کیا ہے؛ یہ ورش کا مذہب ہے۔ ابو معمر سے دونوں حالت میں اس کا حذف مشہور ہے۔ ورش اور ابن کثیر کے علاوہ سب نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے یَوْمَ التَّنَادِ اس لیے نام دیا گیا کیونکہ کافر اسی دن اپنے لیے ویل، ثبور اور حسرت کو پکارے گا؛ یہ ابن صریح نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یوں ہے اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ یہ یَوْمَ التَّنَادِ سے بدل ہے۔

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جس کے دل میں گمراہی پیدا کر دے تو اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں (1) اس کے قائل کے بارے میں دو قول ہیں: (1) حضرت موسیٰ علیہ السلام (2) آل فرعون کا مومن؛ یہی زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚ﴿۳۴﴾ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

''(اے میری قوم!) بے شک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ علیہما السلام) سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آتے تھے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہوتا یونہی گمراہ کرتا ہے انہیں جو جھگڑتے رہتے اللہ کی آیتوں میں کسی معقول دلیل کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو یہ طریقہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش دل پر''۔

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 155

کیا گیا ہے: یہ آل فرعون کے مومن کی نصیحت کا کلمہ ہے انہیں یاد دلایا کہ وہ انبیاء پر پہلے بھی سرکشی کرتے آتے ہیں یہ ارادہ کیا کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ان کے پاس بینات لائے: ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ (یوسف) ابن جریج نے کہا: اس سے مراد حضرت یوسف بن یعقوب ہیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں قبطیوں کی طرف بھیجا تھا جبکہ بادشاہ فوت ہو چکا تھا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوا، بینات سے مراد خواب ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یوسف بن افرائیم ہیں۔ حضرت یوسف بن یعقوب ان کے درمیان بیس سال تک نبی کی حیثیت سے مقیم رہے نقاش نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جنوں میں سے ایک رسول بھیجا جسے یوسف کہا جاتا ہے (2)۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون حضرت یوسف کا ہی فرعون تھا اسے طویل عمر دی گئی تھی (3)۔ دوسرے علماء کہتے ہیں وہ کوئی اور تھا۔ نحاس نے کہا: آیت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ وہی فرعون تھا کیونکہ جب نبی بنیات لایا ان کے لیے جو اس کے ساتھ ہیں اور ان کے لیے جو ان کے بعد ہیں تو وہ ان سب کے پاس لایا تو سب پر لازم ہے کہ وہ ان کی وجہ سے اس کی تصدیق کریں۔

**فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ** یعنی تمہارے اسلاف شک میں تھے **حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا** یعنی جو رسالت کا دعویٰ کرے **كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ** اس گمراہی کی طرح۔ **یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ** مسرف سے مراد مشرک ہے **مُّرْتَابُ** جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شک کرے۔

**الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ** یعنی غالب دلائل۔ **بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ** بغیر حجت اور برہان کے **الَّذِیْنَ** یہ من سے بدل ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرتا ہے **الَّذِیْنَ** محل نصب میں ہے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو تقدیر کلام هم الذین ہے، یا یہ مبتدا ہو اور خبر **كَبُرَ مَقْتًا** ہو پھر کہا گیا: یہ آل فرعون کے مومن کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب کا آغاز ہے **مَقْتًا** بیان کے طور پر منصوب ہے یعنی کبر جدالهم مقتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **كَبُرَتْ كَلِمَةً** (الکہف: 5) مقت اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا ان کی مذمت کرنا، اللہ تعالیٰ کا انہیں اپنی رحمتوں سے دور کرنا اور ان پر عذاب کو نازل کرنا۔

**كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾** جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جھگڑا کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگائی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ ہدایت کو سمجھتا ہی نہیں اور حق کو قبول نہیں کرتا۔ عام قراءت **عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ** ہے یعنی قلب، متکبر کی طرف مضاف ہے: ابو حاتم اور ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے **كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ** على كل **مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ** دوسرا کل حذف کر دیا گیا کیونکہ اس سے پہلے وہ گزر چکا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے جب کل کو حذف نہ کیا جائے تو معنی درست نہیں رہتا کیونکہ اس کا معنی بنتا ہے کہ وہ اس کے تمام دل پر مہر لگا دیتا ہے معنی اس طرح نہیں معنی اس کا یہ ہے کہ وہ متکبرین جبارین کے دلوں میں سے ایک ایک

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 155 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 166

دل پر مہر لگا دیتا ہے ابوداؤد کا قول بھی کل کے حذف پر دلالت کرتا ہے:

أَكُلَّ امرِئٍ تَحْسَبِيْنَ امْرَأ ونارٍ تَوَقَّدُ بِاللَّيلِ نارا

کیا تو ہر انسان کو انسان گمان کرتا ہے اور ہر آگ جو رات کو روشن ہوتی ہے تو اسے ضیافت کی آگ سمجھتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی قراءت میں علی قلب کل متکبر ہے یہ قراءت تفسیر اور اضافت کی بنا پر ہے۔ اور عمرو، ابن محیصن اور ابن ذکوان نے اہل شام سے قلب نقل کیا ہے کہ متکبر قلب کی صفت ہے، قلب سے مراد پوری ذات ہے کیونکہ دل تکبر کرتا ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنّ فی الجسد لمضغة إذا صلُحت صلُح الجسد کلّه وإذا فسدت فسد الجسد کلّه ألا وهی القلب(1) بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے خبردار! وہ دل ہے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

"اور فرعون نے کہا: اے ہامان! بنا میرے لیے ایک اونچا محل اس پر چڑھ کر میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے، اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا برا عمل۔ اور روک دیا گیا اسے راہ راست سے، اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لیے"۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا جب آل فرعون نے کہا جو کہا تو فرعون کو خوف ہوا کہ اس مومن کا کلام قوم کے دل میں اثر انداز ہوگا تو اسے خیال گزرا کہ وہ اس چیز کا امتحان لے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام توحید کا پیغام لائے ہیں اگر اس کا درست ہونا واضح ہو گیا تو وہ ان سے مخفی نہیں رکھے گا اگر وہ درست نہ ہو تو وہ انہیں ان کے دین پر پختہ رکھے گا اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ محل بنائے۔ سورۂ قصص میں اس کا ذکر گزر چکا۔

لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ۔ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ پہلے الْاَسْبَابَ سے بدل ہے۔ قتادہ، زہری، سدی اور اخفش کے قول کے مطابق اسباب السماء سے مراد اس کے دروازے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا:

وَمَنْ هاب أَسْبَابَ المنايا يَنَلْنَهُ وَلَوْرَامَ أَسْبَابَ السَّماءِ بِسُلَّمِ(2)

جو موتوں کے اسباب سے ڈرتا ہے وہ اسے پالیتی ہیں اگرچہ آسمان کے دروازوں کا سیڑھی کے ذریعے قصد کرے۔

ابو صالح نے کہا: اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ سے مراد اس کے راستے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ امور ہیں جن کے وسیلہ سے آسمان مضبوط ہوتے ہیں۔ اسباب کو عظمت شان کے لیے مکرر ذکر کیا ہے کیونکہ جب کسی چیز کو مبہم ذکر کیا جائے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 13
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 156

پھر اس کی وضاحت کی جائے تو یہ اس کی عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى میں اس کے الہ کی طرف جھانکنے والے کی نظر سے دیکھوں۔ اس نے گمان کیا تھا کہ وہ ایسا جسم ہے جسے مکان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ فرعون الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا وہ خیال کرتا تھا کہ اسے ایسی جگہ بیٹھ کر ثابت کیا جا سکتا ہے جہاں سے کسی کی نگرانی کی جا سکے عام قراءت فَاَطَّلِعُ ہے اس کا عطف اَبْلُغُ پر ہے۔ اعرج، سلمی، عیسیٰ اور حفص نے فاطلع کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: لَّعَلِّيْۤ کے جواب میں فاء کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: نصب کا معنی رفع کے معنی کے خلاف ہے کیونکہ نصب کا معنی یہ ہے جب میں اسباب تک پہنچوں گا میں مطلع ہو جاؤں گا، رفع کا معنی ہے میں اسباب تک پہنچوں پھر اس کے بعد اس کی اطلاع پاؤں مگر ثم، فاء کی بنسبت تراخی میں شدید ہے۔

وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ وہ میرے سوا جو کسی کے الہ کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں وہ جھوٹا ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ محض علت کو ختم کرنے کے لیے کر رہا ہوں یہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں شک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظن، یقین کے معنی میں ہے یعنی میں یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے میں جو کچھ کہتا ہوں یہ شبہ کو زائل کرنے کے لیے کہتا ہوں۔

وَ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ جس طرح فرعون نے یہ بات کی اور اسے شک ہوا شیطان نے یا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کے عمل کو مزین کر دیا مراد شرک اور جھٹلانا ہے۔

وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ یہ کوفیوں کی قراءت ہے وَ صُدَّ مجہول ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ قول ہے۔ وصد کی قراءت بھی جائز ہے دال کے کسرہ کو صاد کی طرف نقل کر دیا؛ یہ یحییٰ بن وثاب اور علقمہ کی قراءت ہے۔ ابن ابی اسحاق اور عبدالرحمٰن بن بکرہ نے وصَدٌّ عن السبیل قراءت کی ہے یعنی رفع اور تنوین کے ساتھ قراءت کی ہے باقی قراء نے وصد یعنی فرعون نے لوگوں کو صراط مستقیم سے روکا۔ تَبَاب کا معنی خسران اور گمراہی ہے اسی سے تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ (لہب: 1) وَ مَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ۝ (ہود) ایک جگہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے مینار کو گرا دیا وہ خود اور اس کی قوم ہلاک ہو گئی جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ٘ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ٘ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرَدَّنَا إِلَى اللّٰهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۚ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

''اور کہنے لگا تھا جو ایمان لایا تھا: اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو چند (روزہ) لطف اندوزی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب۔ اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میرا حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی کی) طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں آج تمہیں کہہ رہا ہوں اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو''۔

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ آل فرعون کے مومن نے جو کہا یہ اس کا تتمہ ہے یعنی دین میں میری اقتدا کرو اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یعنی ہدایت کے راستہ کی طرف، اس سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ حضرت معاذ بن جبل نے اسے الرّشّاد پڑھا ہے جبکہ اکثر عربوں کے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ باب افعال سے یوں فعل ذکر کیا جاتا ہے أرشد یُرشِد۔ افعال سے فعال کا وزن نہیں ہوتا یہ ثلاثی سے وزن آتا ہے جب تو رباعی سے کثرت کا ارادہ کرتا ہے تو تو مفعال کہتا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ رشاد، یرشد کے معنی میں ہو نہ کہ یہ وہ اس سے مشتق ہو لیکن جس طرح یہ کہا جاتا ہے لَآّال یہ لؤلؤ سے ہے یہ اس کے معنی میں ہے مگر اس سے مشتق نہیں مانا جاتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ رشاد یہ رَشَدَ یرشُد سے ہو جس کا معنی صاحب رشاد ہو۔ جس طرح کسی نے کہا:

كِلِيني لِهَمٍ يَا أُمَيْمَةَ نَاصِبِ

زمخشری نے کہا: اسے الرَّشّاد بھی پڑھا گیا ہے یہ فعال کا وزن ہے یہ رشد سے مشتق ہے جس طرح علاّم، عِلم سے مشتق ہے یا یہ رشَد سے مشتق ہو جس طرح عبّاد ہوتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشد سے مشتق ہے جس طرح جبار، اجبر سے مشتق ہے یہ اس طرح نہیں کیونکہ افعل سے فعال چند کلمات سے ہی آتا ہے جس طرح دراك، سَآر، قصار اور جبّار ان قلیل کلمات پر قیاس صحیح نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رشد کی طرف منسوب ہو جس طرح عوّاج اور بتّات ہے اس میں فعل کی طرف نہیں دیکھا جاتا مصحف میں اتَّبِعُوْنِ یاء کے

بغیر ہے یعقوب اور ابن کثیر نے وصل اور وقف میں یاء کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوعمرو اور نافع نے وقف میں اسے حذف کیا ہے اور وصل میں اسے ثابت رکھا ہے مگر ورش نے اسے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ یعنی تھوڑا سا اس سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے پھر یہ دنیا منقطع ہو جاتی ہے اور زائل ہو جاتی ہے وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿﴾ یعنی آخرت قرار اور ہمیشگی کا گھر ہے۔ دار آخرت سے مراد جنت اور دوزخ ہے کیونکہ یہ دونوں فانی نہیں اس ارشاد کے ساتھ اس کی وضاحت کی مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً جس نے شرک کیا مِثْلَهَا سے مراد عذاب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عمل صالح سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جبکہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ اور انبیاء کی تصدیق کرنے والا ہو یُدْخَلُوْنَ یہ مجہول کا صیغہ ہے؛ یہ ابن کثیر، ابن محیصن، ابوعمرو، یعقوب اور ابوبکر کی عاصم سے روایت ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے یعنی یَدْخُلُوْنَ۔

وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ نجات سے مراد ایمان کا راستہ ہے جو جنتیوں تک پہنچانے والا ہے وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ اس میں اس امر کی وضاحت کی کہ فرعون نے جو کہا تھا: وَ مَاۤ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿﴾ ۔ یہ وہ گمراہی کا راستہ تھا جس کا انجام جہنم ہے انہوں نے آپ کو فرعون کی اتباع کی دعوت دی تھی اسی وجہ سے کہا: تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ اس سے مراد فرعون ہے۔ اور میں تمہیں عزیز و غفار کی طرف دعوت دیتا ہوں لَا جَرَمَ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اس کا معنی ہے حقا۔ ان ما اس میں ما، الذی کے معنی میں ہے لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ زجاج نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے (1) لیس له استجابه دعوة تنفع اس کے لیے دعوت کی قبولیت نہیں جو نفع دے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کی ایسی دعوت نہیں جو اس کے لیے الوہیت کو ثابت کرے۔

فِی الدُّنْیَا وَ لَا فِی الْاٰخِرَةِ کلبی نے کہا: اس کے لیے دنیا و آخرت میں کوئی شفاعت نہیں، فرعون پہلے بتوں کی عبادت کی طرف بلاتا تھا پھر لوگوں کو گائے کی پوجا کی دعوت دی جب تک وہ زندہ ہوتی اس کی عبادت کی جاتی جب وہ بوڑھی ہو جاتی تو اسے ذبح کرنے کا حکم دے دیتا پھر دوسری گائے لے آتا تاکہ اس کی عبادت کی جائے۔ جب اس پر طویل زمانہ گزر چکا تو کہا: میں تمہارا بڑا رب ہوں۔

وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿﴾ قتادہ اور ابن سیرین نے کہا: مسرفین سے مراد مشرک ہیں (2)۔ مجاہد اور شعبی نے کہا: اس سے مراد سفہاء اور ناحق خون بہانے والے ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد جبار اور متکبر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدود اللہ سے تجاوز کیا۔ اس کی تعبیر میں جو بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں یہ ان سب سے جامع ہے۔ اَنَّ جتنے بھی مواقع پر آیا ہے وہاں یہ محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار ساقط ہے۔ سیبویہ نے خلیل سے یہ قول نقل کیا ہے کہ لَا جَرَمَ کلام کا رد ہے اور ان کا محل رفع میں ہونا بھی جائز ہوگا تقدیر کلام یہ ہوگی وجب ان ما تدعوننی الیه یعنی جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ثابت ہے گویا فرمایا: جس امر کی طرف تم دعوت دیتے ہو اس کا بطلان، اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 170　2۔ ایضاً

مسرفین کا اصحاب نار میں سے ہونا ثابت ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ یہ دھمکی اور وعید ہے اور ما کا الذی کے معنی میں ہونا بھی جائز ہے یعنی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر یہ ہو جو میں نے تمہیں کہا ہے جب تم پر عذاب واقع ہوگا اس وقت تم میرا قول یاد کرو گے۔

وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ مومن پہاڑ کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہ اسے پکڑنے پر قادر نہ ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، زیادہ ظاہر یہی ہے کہ بات کہنے والا آل فرعون کا مومن تھا (1)، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

”پس بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کرو فرعونیوں کو سخت عذاب میں“۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا عذاب کی جو انواع انہوں نے آپ کو پہنچانے کا مکر کیا تھا انہوں نے اسے تلاش کیا اور نہ پایا کیونکہ اس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: وہ قبطی تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اسرائیل کے ساتھ نجات دی، اس تعبیر کی بنا پر ھاء ضمیر آل فرعون کے مومن کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوگی جس طرح یہ اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔

وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ کسائی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے حَاقَ یَحِیْقُ حَیْقًا وحُیُوقًا یعنی کوئی چیز نازل ہوا اور لازم ہو پھر عذاب کی وضاحت کی اور فرمایا: اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا اس میں چھ وجوہ ہیں: یہ مرفوع ہو اور سوء سے بدل ہو یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو ھو النار یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو۔ فراء نے کہا: یہ ضمیر عائد کی وجہ سے مرفوع ہو تقدیر کلام یوں ہو النار علیہا یعرضون رفع میں یہ چار وجوہ ہیں۔ فراء نے اس میں نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے مابعد ضمیر عائد ہے اور اس سے ماقبل وہ چیز ہے جس کے ساتھ یہ متصل ہے۔ اخفش نے الْعَذَابِ سے بدل کے طور پر جر کو جائز قرار دیا ہے۔ جمہور نے کہا ہے یہ پیشی برزخ میں ہے۔

بعض علماء نے اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا سے عذاب قبر کا اثبات کیا ہے جب تک دنیا قائم ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا؛ مجاہد، عکرمہ، مقاتل اور محمد بن کعب نے اسی طرح کا قول کیا ہے سب نے کہا: یہ آیت دنیا میں عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عذاب آخرت کے بارے میں فرمایا: وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 158

الْعَذَابِ۝ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث طیبہ میں ہے: ''آل فرعون اور جو ان کی مثل کافر ہیں ان کی روحوں کو صبح اور شام کے وقت آگ پر پیش کیا جاتا ہے انہیں کہا جاتا ہے: یہ تمہارا گھر ہے''۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ''ان کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں وہ ہر روز صبح اور شام کے وقت دو دفعہ جہنم پر جاتے ہیں'' یہی ان کی پیشی ہے۔ شعبہ نے یعلی بن عطا سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے میمون بن مہران کو کہتے ہوئے سنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صبح کے وقت یہ اعلان کرتے: الحمد اللہ ہم نے صبح کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا جب شام ہوتی تو اعلان کرتے الحمد اللہ ہم نے شام کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا: کوئی بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہ سنتا مگر آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا۔

صخر بن جویریہ، نافع سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کافر جب فوت ہوتا ہے تو اسے صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا جب مومن فوت ہوتا تو اس کی روح صبح و شام جنت پر پیش کی جاتی ہے''۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے تو صبح اور شام کو اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہو تو جنتی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جہنمی ہو تو جہنمی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تجھے دوبارہ اٹھائے گا''(1)۔

فراء نے کہا: غداۃ اور عشیہ یہ اس دنیا کے اعتبار سے ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کہا: غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا یہ دنیا کے ایام کے اعتبار سے ہے۔ حماد بن محمد فزاری نے کہا: ایک آدمی نے اوزاعی سے کہا ہم پرندے دیکھتے ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں جو مغرب کی سمت کو جاتے ہیں وہ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں وہ فوج درفوج ہوتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا جب پچھلا پہر ہوتا ہے تو اسی کی مثل سیاہ پرندے لوٹتے ہیں فرمایا: یہی وہ پرندے ہیں جن کی پوٹوں میں آل فرعون کی روحیں ہیں جنہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں جبکہ ان کے پر جل چکے ہوتے ہیں اور وہ سیاہ ہو جاتے ہیں رات کے وقت ان کے سفید پراگتے ہیں پھر وہ صبح کرتے ہیں تو انہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب تک دنیا رہے گی ان کا یہ معمول رہے گا جب قیامت ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۝ ۔ اَشَدَّ الْعَذَابِ سے مراد ھاویہ ہے۔ اوزاعی نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے وہ چھبیس لاکھ ہیں غُدُوًّا اصل میں مصدر ہے مجازاً اسے ظرف بنایا گیا ہے وَّ عَشِیًّا کا اس پر عطف کیا گیا ہے گفتگو یہاں مکمل ہوئی پھر تو نئی کلام شروع کرے گا وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یوم کو نصب اَدْخِلُوْۤا کے قول سے دی گئی ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ یُعْرَضُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہو معنی ہوگا دنیا میں انہیں آگ پر پیش کیا جائے گا وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اس پر وقف نہ کیا جائے گا۔

نافع، اہل مدینہ، حمزہ اور کسائی نے ادخلوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے اور خا مکسور ہے یہ اَدْخَلَ سے مشتق ہے؛ یہ ابو عبید

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، المیت یعرض علیه مقعده، جلد 1، صفحہ 184

کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ انہیں جہنم میں داخل کریں اس کی دلیل اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا ہے باقی قراء نے اسے اُدخلوا پڑھا ہے یہ دخل سے مشتق ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: اے آل فرعون! شدید ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ؛ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہا: پہلی قراءت کے مطابق آل مفعول اول ہے اور اشد مفعول ثانی ہے یہاں حرف جار حذف ہے دوسری قراءت میں یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادی مضاف ہے اور آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے دین اور مذہب پر تھے۔ وہ لوگ جو اس کے مذہب اور دین پر تھے ان کا عذاب شدید ترین تھا تو اس کے اپنے عذاب کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے: ''بے شک بندہ جو مومن کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے مومن کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے حضرت یحییٰ بن زکریا ہیں وہ مومن کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں، مومن کی حیثیت سے زندہ رہے اور مومن کی حیثیت سے فوت ہوئے اور ایک بندہ کافر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کافر کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے ایک فرعون ہے کافر کی حیثیت سے پیدا ہوا، کافر کی حیثیت سے زندہ رہا اور کافر کی حیثیت سے مرا''۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔

فراء نے آیت میں تقدیم و تاخیر کا قاعدہ جاری کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا عرض آخر میں رکھا یہ نقطہ نظر اس کے خلاف ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ کلام کو اس کے سیاق پر رکھتے ہیں، جس طرح یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْۤا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰی ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

''(اور کتنا ہوش ربا سماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ (میں بھن) رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (اب اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا) اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما دے۔ وہ (جواب میں) کہیں گے نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، وہ کہیں گے بے شک! داروغے کہیں

گے خود ہی دعا مانگو اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کافروں کی دعا مگر محض بے سود"۔

وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ جب وہ آگ میں جھگڑیں گے تو کمزور لوگ انہیں کہیں گے جو انبیاء کی اطاعت سے تکبر کیا کرتے تھے: ہم دنیا میں تمہاری ان معاملات میں پیروی کیا کرتے تھے جس شرک کی طرف تم ہمیں بلایا کرتے تھے کیا تم ہم سے اس چیز کو اٹھاتے ہو جو عذاب میں سے جزا کی صورت میں ہمیں ملا ہے۔ تبع یہ واحد ہے اور بصریوں کے قول کے مطابق یہ جمع ہے اس کی واحد تابع ہے۔ اہل کوفہ نے کہا: یہ جمع ہے اس کا کوئی واحد نہیں جس طرح مصدر ہوا کرتا ہے اسی وجہ سے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی اگر اس کی جمع بناتے تو کہتے: اتباع۔ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَاۤ، فیھا میں ھاء ضمیر سے مراد جہنم ہے اخفش نے کہا: کل مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ کسائی اور فراء نے انا کلا فیھا نصب کے طور پر پڑھا ہے انا میں جو ضمیر ہے اس سے کلا نعت اور تاکید ہے۔ ابن سمیقع اور عیسیٰ بن عمر نے اسی طرح پڑھا ہے۔ کوفی تاکید کو نعت کہتے ہیں۔ سیبویہ نے اس سے منع کیا ہے اس نے کہا کل صفت بیان نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے ساتھ صفت بیان کی جاتی ہے اس میں بدل بھی جائز نہیں کیونکہ جس کے بارے میں خبر دی جا رہی ہو اسکو کسی غیر کا بدل نہیں بنایا جا سکتا؛ مبرد نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے یہاں اسم ضمیر کا بدل ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ مخاطب ہے اور مخاطب کا بدل ذکر نہیں کیا جاتا اور اسی طرح مخاطب کا بدل بھی ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ ان دونوں میں کوئی اشکال نہیں ہوتا کہ ان کا بدل ذکر کیا جائے؛ یہ اس کی کلام کی نص ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ۝ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ کسی کا دوسرے کے گناہ کی وجہ سے مواخذہ نہیں کرے گا پس ہم میں سے ہر ایک کافر ہے (اس لیے ہم دونوں طبقات کو جہنم میں ڈالا گیا ہے)۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ یعنی کافر امتوں میں سے لوگوں نے کہا: عربوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں اللذون یہ جمع سالم ہے معرب ہے اور جس نے حالت رفع میں الَّذِیْنَ کہا تو اس نے اسے مبنی قرار دیا ہے جس طرح وہ واحد میں مبنی تھا اخفش نے کہا: الذی کے ساتھ نون ملایا گیا ہے تو یہ خمسة عشر کی طرح ہو گیا اور یہ مبنی برفتحہ ہو گیا خزنه یہ خازن کی جمع ہے یہ کہا جاتا ہے: خُزّان، خُزّن۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ۝ یخفف جواب ہے اور مجزوم ہے اگر یہ فاء کے ساتھ ہو تو یہ منصوب ہو گا مگر کلام میں اکثر جواب امر اور اس جیسی صورتوں میں فاء کے بغیر آتا ہے اسی وجہ سے قرآن فصیح ترین لغت میں آیا ہے جس طرح کہا:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ    تم دونوں ٹھہرو! ہم محبوب اور منزل کو یاد کر کے رو لیں۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے یا میرے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنمیوں نے جہنم کے داروغوں سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ۝ انہوں نے ایک دن سوال کیا کہ ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے تو ان کے مطالبہ رد کر دیا گیا۔

اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰی قَالُوْا فَادْعُوْا وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ۝ حدیث میں ہے

امام ترمذی اور دوسرے محدثین حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی یہاں تک کہ بھوک ان کے ہم پلہ ہو جائے گی جس عذاب میں وہ مبتلا ہو جائیں گے (1) وہ مدد طلب کریں گے تو انکی ضریع کے ساتھ مدد کی جائے گی نہ وہ جسم کو موٹا کرے گا اور نہ بھوک سے نفع دے گا وہ اسے کھائیں گے وہ انہیں کچھ نفع نہ دے گا وہ مدد طلب کریں گے تو ان کی مدد ایسے کھانے سے کی جائے گی جو گلے میں اٹک جاتا ہے تو اس کے ساتھ ان کے گلے اٹک جائیں گے وہ یاد کریں گے کہ وہ گلے میں رکاوٹ کو پانی سے ختم کرتے تھے وہ مشروب طلب کریں گے تو نکڑوں کے ساتھ کھولتا ہوا پانی ان کی طرف بلند کیا جائے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی ان کے مونہوں کے قریب ہوگا تو وہ انہیں جلا دے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی انکے پیٹوں میں پہنچے گا تو ان کی انتڑیوں اور جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا اس کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ وہ فرشتوں سے مدد طلب کریں گے وہ کہیں گے: ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ فرشتے انہیں جواب دیں گے: اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ضلال کا معنی گھاٹا اور ہلاکت ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

"بے شک ہم اب بھی مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی ان کی دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے، اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے دوزخ کا بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو نور ہدایت اور وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لیے"۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا رسلنا کے ضمہ کو اس کے ثقل کی وجہ سے حذف کرنا جائز ہے تو کہا جائے گا: رُسُلَنَا اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اسم موصول محل نصب میں ہے اس کا عطف الرسل پر ہے اس سے مراد وہ مومن ہے جس نے وعظ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسل اور مومنین میں عام ہے۔ ابو العالیہ کے قول کے مطابق ان کی مدد سے مراد ان کے دلائل کو غلبہ دینا اور ان کو کامیابی دینا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔ سدی نے کہا: کسی قوم نے کسی نبی کو قتل نہیں کیا یا ایسی قوم کو قتل نہیں کیا جو مومن تھے (3) اور حق کی طرف دعوت دیتے رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ ان پر ایسے آدمی کو مسلط کر دیتا ہے جو ان سے انتقام لیتا ہے تو وہ سب رحمت سے دور کیے گئے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ جہنم، ما جاء فی صفۃ الطعام، جلد 2، صفحہ 82

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 160

3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 161

ہوتے ہیں اگرچہ قتل ہی کیے جائیں۔

**وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ** قیامت کے روز وہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ زید بن اسلم نے کہا: اشہاد چار ہیں فرشتے، انبیاء، مومن اور جسم (1)۔ مجاہد اور سدی نے کہا: اشہاد سے مراد ملائکہ ہیں جو انبیاء کے بارے میں یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے پیغام حق پہنچایا اور امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی (2)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ملائکہ اور انبیاء ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْاَشْهَادُ شہید کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے۔ زجاج نے کہا: الاشهاد، شاهد کی جمع ہے جس طرح اصحاب، صاحب کی جمع ہے (4)۔ نحاس نے کہا: فاعل کے وزن کی جمع افعل کے وزن پر نہیں آتی اور نہ ہی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے مگر جو الفاظ اس بارے میں مسموع ہیں انہیں اس طرح ادا کیا جائے گا جس طرح انہیں سنا گیا اس میں حروف زائد کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اخفش اور فراء نے ویوم تقوم الاشهاد فعل کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ جمع مونث ہوتی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے محدثین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ”جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس سے جہنم کی آگ کو دور کرے پھر یہ آیت تلاوت کی“۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت مروی ہے: ”جس نے کسی مومن کی ایسے منافق کے مقابلہ میں حمایت کی جو منافق مومن کی غیبت کیا کرتا تھا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا جو آگ سے اس کو بچائے گا۔ جس نے کسی مسلمان کا ذکر کسی ایسی چیز کے ساتھ کیا جو اس کے لیے عیب کا باعث تھا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر روک لے گا یہاں تک کہ جو کچھ اس نے کہا تھا اس سے نقل کیا جائے گا“ (5)۔ يَوْمَ یہ پہلے یوم سے بدل ہے لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ نافع اور کوفیوں نے یاء کے ساتھ اسے ینفع پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے اور سُوْٓءُ الدَّارِ سے مراد جہنم ہے۔

**وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى** یہ دنیا و آخرت میں رسولوں کی مدد میں داخل ہے یعنی ہم نے اسے تورات اور نبوت عطا فرمائی۔ تورات کو ھدی کہا گیا کیونکہ تورات میں ہدایت اور نور ہے قرآن حکیم میں ہے اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ (المائدہ: 44)

**وَاَوْرَثْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ** کتاب سے مراد تورات ہے یعنی ہم نے تورات کو ان کی میراث بنایا ہے هُدًى یہ الْكِتٰبَ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اصل میں هو هدی ہو یعنی ذلك الكتاب اور اصحاب عقول کے لیے نصیحت ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 161 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 160 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 161
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، الرجل یذب، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، حدیث نمبر 4230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

''پس (اے محبوب!) آپ صبر فرمایئے (کفار کی اذیتوں) پر بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہیے اپنی کاتاہیوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت۔ جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو نہیں ہے ان کے سینوں میں بجز بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو پا نہیں سکیں گے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجئے بے شک وہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ بے شک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کو پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے۔ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور (اسی طرح) مومن نیکوکار اور بدکار یکساں نہیں، تم بہت کم غور کرتے ہو۔ یقیناً قیامت آ کر رہے گی ذرا شک نہیں اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر) ایمان نہیں لاتے''۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کی اذیتوں پر صبر کیجئے جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا جو آپ سے پہلے تھے تیری مدد اور تیری جانب سے غلبہ کا وعدہ حق ہے جس طرح تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مدد کی۔ کلبی نے کہا: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں لذنب امتك ہے مضاف حذف کر دیا گیا ہے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے لذنب نفسك ہے جو صغائر کو انبیاء کے لیے جائز سمجھتا ہے جس نے کہا: صغیرہ بھی انبیاء کے لیے جائز نہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس طرح فرمایا: وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا (آل عمران: 194) اس کا فائدہ یہ ہے کہ درجات زیادہ ہو جائیں اور دعا مابعد لوگوں کے لیے سنت ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی بخشش طلب کریں جو نبوت سے قبل آپ سے صادر ہوئے۔

وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اس سے فجر کی نماز اور عصر کی نماز مراد ہے (1)۔ حضرت حسن بصری، اور قتادہ نے کہا۔ ایک قول یہ ہے: اس سے مراد وہ نماز ہے جو پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے قبل مکہ میں پڑھی جاتی تھی دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے جسے ماوردی نے ذکر کیا ہے (2): یہ ان آیات میں سے ہے جس کا حکم منسوخ ہے بِحَمْدِ رَبِّكَ اس کا شکر بجالانا اور اس کی ثنا کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 409
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 161

مراد نماز میں اور نماز کے باہر بھی تسبیح پر دوام اختیار کر و تا کہ اس کے ذریعے جلد مدد چاہنے سے مشرف ہو جائیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ بے شک وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ان کے سینوں میں کبر ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے سینوں میں کبر ہی ہے وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے والے نہیں۔ زجاج نے کلام میں حذف تسلیم کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے ماھم ببالغی إرادتھم فیہ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے وہ اپنے کبر کو پانے والے نہیں اس میں حذف نہیں کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جنہوں نے یہ رائے قائم کی اگر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تو ان کی بلندی میں کمی واقع ہو جائے گی اور ان کے حالات خراب ہو جائیں گے جب وہ آپ کی تابعداری نہیں کریں گے تو وہ بلند مقام پائیں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ جس بلندی کی امید رکھتے تھے جھٹلانے کی صورت میں اس بلندی تک نہیں پہنچ پائیں گے مراد مشرک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہودی ہیں، آیت مدنی ہے جس طرح سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے معنی اس کا یہ بنتا ہے اگر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دجال عنقریب ظاہر ہوگا اور ملک ہماری طرف لوٹا دیا جائے گا اور اس کے ساتھ نہریں چلیں گی جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہے تو وہ ایسا کبر ہے جس تک وہ پہنچ سکیں گے تو یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ ابو العالیہ اور دوسرے علماء نے بات کی ہے۔ سورۂ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ وہ نکلے گا اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے سوا تمام علاقوں کو روندے گا ہم نے کتاب ''التذکرہ'' میں اس کا مفصل ذکر کر دیا ہے وہ یہودی ہے اس کا نام صاف ہے اس کی کنیت ابو یوسف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہر وہ شخص ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے؛ یہ اچھی تعبیر ہے کیونکہ یہ عام ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے سینوں میں عظمت ہے وہ اسے پانے والے نہیں معنی ایک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کبر سے مراد بڑا امر ہے یعنی وہ نبوت کا مطالبہ کرتے ہیں یا بڑے امور کو طلب کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ آپ تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی قتل وغیرہ۔ وہ اس کو پانے والے نہیں یا آپ کا دین مکمل ہونے سے قبل آپ کی موت کی آرزو کرتے ہیں جبکہ وہ اسکو پانے والے نہیں۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ایک قول یہ کیا گیا: دجال کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیے یہ اس کے قول کے مطابق ہے جو کہتا ہے کہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق کفار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کفر اور کبر جیسی جس مصیبت میں مبتلا ہوئے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ وہ سمیع و بصیر ہے اِنَّهٗ هُوَ میں ھو ضمیر فصل ہے یہ مبتدا ہوگی اور اس کا مابعد خبر ہوگی اور جملہ ان کی خبر ہوگا جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یہ مبتدا اور خبر ہے؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق دجال کی تخلیق سے بڑھ کر ہے جب یہودیوں نے اس کی عظمت بیان کی (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے یعنی وہ دونوں انسانوں کو دوبارہ تخلیق کرنے سے بڑھ کر ہیں تو انہوں نے کیوں یہ اعتقاد رکھا کہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 162

میں اس سے عاجز ہوں۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ يَعْلَمُوْنَ کا مفعول بہ ذلك ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ یعنی مومن اور کافر، گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر نہیں ہو سکتے۔ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ جو اچھے اعمال کرتا ہے اور جو برے اعمال کرتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا کیونکہ اس سے قبل اور مابعد غائب کے صیغے ہیں۔ کوفیوں نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ یہ لام تاکید ہے جو انّ کی خبر پر داخل ہے اس کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ کلام کے شروع میں ہو کیونکہ یہ جملہ کی تاکید کے لیے آتا ہے مگر اسے اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا ہے سیبویہ نے بھی اسی طرح کہا ہے تو کہتا ہے: انّ عمرا لخارج عمرو جانے والا ہے۔ اسے اپنی جگہ سے موخر کیا گیا ہے تا کہ لام مفتوح اور انّ دونوں جمع نہ ہو جائیں کیونکہ یہ دونوں ایک ہی معنی دیتے ہیں اسی طرح بصریوں کے نزدیک انّ انّ کو جمع نہیں کیا جاتا۔ ہشام نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ انّ ان زیدا منطلق حق اگر تو حق کے لفظ کو حذف کر دے تو میں کسی نحوی کو نہیں جانتا کہ جس نے کہا ہو کہ یہ جائز ہے جتنا میں علم رکھتا ہوں؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

لَا رَيْبَ فِيْهَا اس میں کوئی شک نہیں وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ یعنی وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے اس سے اطاعت شعار اور گناہگار کے درمیان جو فرق ہے واضح ہو جاتا ہے۔

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

”اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔ اللہ ہی ہے جس نے بنائی تمہارے لیے رات تاکہ تم آرام کرو اور (بنایا ہے) دن کو روشن، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (وکرم)

کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں) کا شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے الله تمہارا رب پیدا کرنے والا ہر چیز کا کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس کیسے راہ حق سے تم روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح (راہ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان (بدنصیبوں) کا جو الله کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ الله تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی، حسین بنادیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ایسی خوبیوں والا الله تمہارا پروردگار ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس اس کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے، سب تعریفیں الله کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے''۔

**وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ** حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''دعا ہی عبادت ہے[1]'' پھر اس آیت **وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝** تلاوت کی۔ ابو عیسیٰ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے[2]۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ دعا ہی عبادت ہے؛ اکثر مفسرین نے اسی طرح کہا معنی یہ ہے تم میری وحدانیت کو بیان کرو اور میری عبادت کرو میں تمہاری عبادت کروں گا اور میں تمہیں بخش دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ذکر، دعا اور سوال ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کو اپنی حاجت کا سوال اپنے رب سے کرنا چاہیے یہاں تک کہ اس کی جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے تو اس کا سوال بھی اپنے رب سے کرے'' ایک قول یہ کیا جاتا ہے: دعا سے مراد گناہوں کا ترک کرنا ہے۔ قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ کعب الاحبار نے کہا: اس امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں کہ ان سے قبل نبی کے سوا کسی امت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں جب کسی نبی کو بھیجا جاتا تو اسے کہا جاتا تو اپنی امت پر شاہد ہے الله تعالیٰ نے اس امت کے بارے میں فرمایا: **لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ** (بقرہ: 143) نبی کو کہا جاتا تھا: ليس عليك في الدين من حرج اور اس امت کو کہا گیا **وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ** (حج: 78) ایک نبی کو کہا جاتا تھا مجھ سے دعا کر میں تیری دعا کو قبول کروں گا جبکہ اس امت سے فرمایا گیا: **ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ**۔

میں کہتا ہوں: اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کی جاسکتی، ایک مرفوع حدیث ہے جسے لیث، شہر بن حوشب وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جیسی مجھ سے قبل انبیاء کو دی گئیں الله تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے: مجھ سے دعا مانگ میں تیری دعا قبول کروں گا اور اس امت کے بارے میں فرمایا: مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ بقرہ، جلد 2، صفحہ 121

2۔ جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء في فضل الدعاء، حدیث نمبر 3294، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گا، اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث کرتا تو ارشاد فرماتا: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ اور اس امت کے لیے فرمایا: وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا تو اسے اپنی قوم پر گواہ بناتا اور اس امت کو لوگوں پر گواہ بنایا''۔ اسے ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' میں ذکر کیا ہے۔

خالد بن ربعی کہا کرتے تھے: اس امت کی عجیب شان ہے اس امت کو کہا گیا: ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ انہیں دعا کا حکم دیا اور قبول کرنے کا وعدہ کیا دونوں کے درمیان کوئی شرط نہیں۔ ایک قائل نے اسے کہا: اس کی مثال کیا ہے؟ فرمایا: اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرہ: 25) یہاں شرط ذکر کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (یونس: 2) اس میں عمل کی شرط نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اس میں شرط ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں کوئی شرط نہیں۔ امتی گھبراہٹ میں ضرورتوں کے وقت اپنے انبیاء کی طرف جاتے تھے یہاں تک کہ انبیاء ان کے حق میں سوال کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مطلق ہے جبکہ سورۂ بقرہ میں مقید ہے جو بحث پہلے گزر چکی ہے یعنی أَسْتَجِبْ لكم ان شئتُ۔ اگر میں چاہوں گا تو تمہاری دعا قبول کروں گا جس طرح ارشاد فرمایا: فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام: 41) بعض اوقات دعا کی قبولیت عین مطلوب کے علاوہ میں ہوتی ہے جس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے وہاں ہی اس میں غور کرلو۔ ابن کثیر، ابن محیصن، رویس نے یعقوب سے، عیاش نے ابوعمرو سے ابوبکر اور مفضل نے عاصم سے قراءت نقل کی ہے کہ سَيُدْخَلُوْنَ یہ فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے داخرین کا معنی ہے وہ حقیر و ذلیل ہوں گے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ اس میں جعل، خلق کے معنی میں ہے جب جعل، خلق کے معنی میں ہو اور جب وہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو عرب ان میں فرق کرتے ہیں جب یہ خلق کے معنی میں ہو تو اس وقت یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور جب یہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو اس وقت یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف: 3) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا یعنی دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس دن میں اپنی ضروریات کو دیکھو اور اپنی معاش کی طلب میں چل پھر سکو اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کا شکر بجا نہیں لاتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلالت کو واضح کیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ جب تمہارے لیے دلائل واضح ہو چکے ہیں تو تم ایمان سے کیسے پھرتے ہو یعنی جس طرح دلیل کے قائم ہونے کے باوجود تم حق سے پھرتے ہو اسی طرح ان لوگوں کو حق سے پھیر دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا تعریف اور دلیل کی تاکید میں زیادتی کی، زمین کو تمہاری زندگی اور تمہاری موت کے بعد ٹھکانہ بنادیا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً، کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہیں بہترین صورت میں پیدا کیا۔ ابورزین اشہب عقیلی نے صِورکم پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: صُور میں صِور بھی ایک قراءت ہے یہ صورۃ کی جمع ہے اس شعر کو اس لغت پر پڑھا جاتا ہے وہ لونڈیوں کی تعریف کرتا ہے:

أَشْبَهْنَ مِنْ بَقَرِ الْخَلْصَاءِ أَعْيُنَها     وهُنَّ أَحْسَنُ مِن صِيرانِها صِوَرَا

محل استدلال صور ہے صیران یہ صُوار یا صِوار کی جمع ہے یہ گائیوں کا ریوڑ ہے صوار کا معنی کستوری کا برتن بھی ہے شاعر نے دونوں کو اس شعر میں جمع کیا:

إذا لاحَ الصِّوارُ ذَكَرْتُ لَيْلَى     وأذْكُرُها إذا نَفَحَ الصُّوَارُ

جب گائیوں کا ایک ریوڑ ظاہر ہوتا ہے تو میں لیلیٰ کو یاد کرتا ہوں اور جب کستوری کا برتن مہکے تو تو اسے یاد کر۔

الصیار بھی اس میں ایک لغت ہے۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ اس کے بارے میں بھی گفتگو پہلے گزر چکی ہے هُوَ الْحَيُّ وہ باقی رہنے والا ہے مرے گا نہیں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ دین سے مراد اطاعت وعبادت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ فراء نے کہا: یہ جملہ خبریہ ہے اور اس میں فعل امر مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ادعوہ واحمدوہ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے کہا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (1)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

"آپ فرمادیجئے: مجھے منع کردیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا (میں ان کی عبادت کیسے کرسکتا ہوں) جب آگئی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سرتسلیم خم کردوں رب العالمین کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تاکہ تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر تمہیں زندہ رکھا تاکہ تم بوڑھے ہوجاؤ اور بعض تم میں سے فوت ہوجاتے ہیں پہلے ہی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 52

اور (یہ سارا نظام اس لیے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ میعاد تک اور تا کہ (تم اپنے رب کی عظمتوں کو) سمجھنے لگ جاؤ۔ وہی ہے جو جلاتا ہے مارتا ہے پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے''۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے مجھے اس اللہ نے منع کیا ہے جو حی و قیوم ہے اور لا الہ الا غیرہ ہے کہ میں کسی اور کی عبادت کروں لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ یہاں بینات سے مراد توحید کے دلائل ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عاجزی کا اظہار کروں رب العالمین کے لیے۔ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی تو آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ یہ کہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا یہاں طفل بمعنی اطفال ہے یہ بحث پہلے گزر چکی ہے ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ یہ وہ حالت ہے جس میں قوت مجتمع ہو جاتی ہے اور عقل مکمل ہو جاتی ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ وضاحت گزر چکی ہے۔

ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا، شیوخا میں شین کے ضمہ کے ساتھ۔ نافع، ابن محیصن، حفص، ہشام، یعقوب اور ابو عمرو نے اپنے اصل پر پڑھا ہے کیونکہ یہ فَعْل کی جمع ہے جس طرح قَلْب کی جمع قلوب ہے اور رأس کی جمع رءوس آتی ہے باقی قراء نے یاء کی رعایت کرتے ہوئے شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے دونوں جمع کثرت کے صیغے ہیں بہت تھوڑی تعداد میں اشیاخ کا وزن آتا ہے جو اصل میں اشیخ تھا جس طرح فلس کی جمع افلس ہے مگر یاء میں حرکت ثقیل ہے اسے شیخا واحد بھی پڑھا گیا ہے جس طرح طفلا۔ یعنی تم میں سے ہر ایک۔ واحد پر اقتصار کیا گیا ہے کیونکہ غرض جنس کا بیان ہے۔ صحاح میں ہے شیخ کی جمع شیوخ، اشیاخ، شِیَخة، شِیخان، مشیخة، مشایخ اور مشیوخاء آتی ہے عورت کے لیے شیخہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے عبید نے کہا:

كَاَنَّهَا شَیْخَةٌ رَقُوْبٌ گویا وہ نگاہ رکھنے والی بڑھیا ہے۔

یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے شاخ الرجلُ یَشِیخ شَیخًا یہ اپنے اصل پر حرکت کے ساتھ ہے شیخوخة۔ اصل میں یاء متحرک ہے تو اسے کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کلام میں مفعول کا وزن نہیں شَیَّخ، تشییخا۔ یعنی وہ بوڑھا ہو گیا۔ و شیخته۔ میں نے اس کی تکریم کی خاطر اس کو شیخ کے طور پر بلایا۔ شیخ کی تصغیر شییخ ہے شِیَیْخ شین کے کسرہ کے ساتھ ہے تو شویخ نہ کہہ۔ نحاس نے کہا: اگر شاعر مجبور ہو تو اس کے لیے اشیخ کہنا جائز ہے جس طرح عین اور اعین ہے کیونکہ عین میں حسن ہے کیونکہ یہ مونث ہے۔ شیخ اسے کہتے ہیں جس کی عمر چالیس سال سے بڑھ جائے۔

وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قبل اس کے کہ وہ بوڑھا ہو جائے یا ان احوال سے قبل جب وہ ماں کے پیٹ سے نامکمل بچہ کی حیثیت سے نکلے وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى۔ مجاہد نے کہا: موت تو سب کے لیے ہے اور فعل میں لام عاقبت کا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ اس کا مفعول ذلك ہے پس تم جانو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ تنبیہ میں اضافہ کیا یعنی وہی ذات ہے جو زندہ کرنے اور موت دینے پر قادر ہے فَاِذَا قَضٰۤى

اَمْرًا یعنی جب وہ کسی عمل کو کرنے کا ارادہ کر لے تو اسے فرماتا ہے کُنْ فَیَكُوْنُ ۝ ابن عامر نے جواب امر کے طور پر یکون نصب دی ہے۔ سورۃ البقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۝ فِی الْحَمِیْمِ ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ۝ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ۝ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝ اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

"کیا تم نہیں دیکھتے ان نادانوں کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں الله کی آیات میں، یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا انہیں (اپنی تکذیب کا انجام) معلوم ہو جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا کھولتے ہوئے پانی میں پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے الله کے سوا؟ (بصد یاس) کہیں گے: وہ تو گم ہو گئے ہم سے بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ تھے، اس سے پہلے اسی طرح الله گمراہ کرتا ہے کافروں کو۔ یہ سزا (اور رسوائی) بدلہ ہے اس کا کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے آپس میں (اپنے عارضی اقتدار پر) ناحق اور بدلہ ہے اس کا جو تم (اپنے فانی اموال واملاک پر) اترایا کرتے تھے۔ اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں تم وہاں ہمیشہ رہنے والے ہو پس یہ بہت برا ٹھکانہ ہے تکبر وغرور کرنے والوں کا۔ (اے حبیب!) آپ ان کی نازیبا حرکتوں پر صبر فرمایئے الله کا وعدہ سچا ہے سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا ان سے وعدہ کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپ کو دنیا سے اٹھالیں (یہ بچ نہیں سکتے) آخر کار ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی

نشانی اللہ کی اجازت کے بغیر پس جب آ جائے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائے گا حق (وانصاف) کے ساتھ اور باطل پرست وہاں سراسر گھاٹے میں رہیں گے"۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۞ ابن زید نے کہا: اس سے مراد مشرک ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا اکثر مفسرین نے کہا: یہ آیت قدریہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن سیرین نے کہا: اگر یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی تو میں نہیں جانتا کہ یہ کس کے حق میں نازل ہوئی؟ ابوقبیل نے کہا: میں تقدیر کو جھٹلانے والوں کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ وہی ایمان والوں سے مجادلہ کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی" یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ یعنی عنقریب انہیں علم ہو جائے گا کہ جس عقیدہ کو انہوں نے اپنا رکھا تھا اس میں وہ باطل ہیں جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے جکڑ دیئے جائیں گے۔ تیمی نے کہا: اگر جہنم کے طوقوں میں سے ایک طوق پہاڑ پر رکھا جائے تو اسے ریزہ ریزہ کر دے گا یہاں تک کہ سیاہ پانی تک پہنچ جائے گا۔

السَّلٰسِلُ عام قراءت رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف الْاَغْلٰلُ پر ہے ابو حاتم نے کہا: يُسْحَبُوْنَ اس قراءت کی بنا پر جملہ مستانفہ ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ مسحوبین حضرت ابن عباس، ابو جوزاء، عکرمہ اور حضرت ابن مسعود نے السَّلٰسِلَ کو منصوب پڑھا ہے اور يَسْحَبُوْنَ کو یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس قراءت کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی یسحبون السلاسل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ اسے کھینچیں گے تو یہ ان پر بہت سخت ہوگا بعض سے یہ السلاسِلِ جر کی صورت میں مروی ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ معنی پر محمول ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہیں؛ یہ فراء نے کہا: زجاج نے کہا: جس نے وَالسَّلٰسِلِ ۭ يُسْحَبُوْنَ جر کی صورت میں پڑھا ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے زنجیروں میں انہیں گھسیٹا جائے گا۔ ابن انباری نے کہا: اس معنی کی بنا پر جر جائز نہیں کیونکہ جب تو یہ کہے زید فی الدار تو یہ اچھا نہیں کہ توفی کو مضمر کر دے اور تو کہے زید الدار لیکن معنی کے اعتبار سے جر دینا جائز ہے کیونکہ ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہونگی تو سلاسل کو عطف کی وجہ سے جر دینا جائز ہے کیونکہ اغلال جر کی تاویل میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: خاصم عبداللہ زیدا العاقلین تو تو العاقلین کو نصب دے دونوں کو رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ دونوں میں سے جب ایک اپنے ساتھی سے مخاصمت کرے تو اس کا ساتھی بھی اس سے مخاصمت کرے گا؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

قد سَالَم الحياتِ مِنه القدَمَا الأُفْعُوَانَ الشُّجاعَ الشَّجْعَما

الافعوان کو نصب، حیات کی اتباع میں دی گئی جب انہوں نے قدم سے صلح کر لی تو قدم نے بھی ان سے صلح کر لی۔ جو آدمی السلاسل کو نصب دے گا یا اس کو جر دے گا تو وہ اس پر وقف نہیں کرے گا۔ حمیم اسے کہتے ہیں جو گرمی میں اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد کھولتی ہوئی پیپ ہے۔

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝ یعنی اس آگ میں پھینکا جائے گا تو وہ اس کے لیے ایندھن ہوں گے، یہ مجاہد کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے سجرت، التنور میں نے تنور کو روشن کیا، سجرتہ۔ میں نے اسے بھر دیا۔ اسی سے وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ (الطور) ہے یعنی بھرا ہوا سمندر۔ اس تعبیر کی صورت میں معنی یہ ہوگا ان کے ساتھ جہنم بھر جائے گی۔ شاعر ایک پہاڑی بکرے کی تعریف کرتا ہے:

إِذَا شَاءَ طَالَعَ مَسْجُورَةً تَرَى حَوْلَهَا النَّبْعَ والسَّمْسَمَ

جب وہ چاہتا ہے تو بھرے ہوئے چشمے پر جا پہنچتا ہے تو اس چشمے کے اردگرد نبع کے درخت اور تل کے پودے دیکھے گا۔

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ کلام شرمندہ کرنے کے لیے ہے قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا یعنی ہلاک ہو گئے اور ہم سے دور چلے گئے اور ہمیں عذاب میں چھوڑ دیا یہ ضل الماء فی اللبن سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے پانی دودھ میں چھپ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس طرح ہو گئے کہ ہم انہیں نہیں پاتے بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا یعنی ایسی چیز جو نہ دیکھتی ہے، نہ سنتی ہے، نہ تکلیف دیتی ہے اور نہ نفع دیتی ہے یہ بتوں کی عبادت کا انکار نہیں بلکہ یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ بتوں کی جو عبادت کرتے رہے وہ باطل تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں گمراہی کو تخلیق کیا اسی طرح ہر کافر کے بارے میں یہی کرتا ہے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ اسم اشارہ کا مشار الیہ عذاب ہے یعنی یہی وہ عذاب ہے کہ تم نافرمانیاں کرتے خوش ہوا کرتے تھے۔ یہ بات انہیں شرمندہ کرنے کے لیے کہی جائے گی مراد یہ ہے کہ تمہیں یہ چیز اس لیے پہنچی ہے کہ دنیا میں معصیت، کثرت مال، کثرت خدام اور تابعداروں کی زیادتی اور صحت پر خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان باتوں پر ان کی خوشی سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے رسولوں سے کہا ہم جانتے ہیں کہ ہم کو نہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی ہمیں عذاب دیا جائے گا۔ مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (المؤمن: 83) میں یہی کچھ کہا ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ اس کے بدلہ میں ہے جو تم اترایا کرتے تھے "سبحان" میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ضحاک نے کہا: فرح کا معنی خوش ہونا ہے مرح کا معنی سرکشی کرنا ہے۔ خالد، ثور سے انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ یبغض البذخین الفرحین ویحب کل قلب حزین ویبغض أهل بیت لَحِمِین ویبغض کل حبر سمین (1) بے شک اللہ تعالیٰ متکبروں اور خوش ہونے والوں سے بغض رکھتا ہے اور ہر غمگین دل والے سے محبت کرتا ہے، غیبت کرنے والوں سے بغض رکھتا ہے اور ایسے علم سے بغض رکھتا ہے جو اپنا علم دوسرے لوگوں کو نہیں بتاتا۔

اھل بیت لحمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیبت کے ذریعے لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں حبر سمین سے مراد وہ ہے جو بہت بڑا عالم ہو اور لوگوں کو اس علم سے آگاہ نہ کرے یعنی جس کے پاس علم وافر ہو اور لوگوں کو اس سے فائدہ نہ پہنچائے؛ یہ ماوردی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 165

نے ذکر کیا ہے۔ لحمین کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے وہ بہت زیادہ گوشت کھاتے ہوں اسی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اتقوا ھذہ المجازر، فإن لھا ضراوۃ کضراوۃ الخمر گوشت کھانے کی عادت سے بچو اس میں ایسی عادت ہے جس طرح شراب کی عادت ہوا کرتی ہے؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے، پہلا سفیان ثوری کا قول ہے اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی انہیں یہ بات کہی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ (الحجر: 44)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے ہے۔ ہم تیرے لیے ان سے انتقام ضرور لیں گے اس دنیا میں اور آخرت میں فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ شرط کی وجہ سے محل جزم میں ہے "ما" تاکید کی وجہ سے زائدہ ہے اسی طرح نون بھی تاکید کے لیے ہے جزم زائل ہوگئی اور فعل مبنی برفتحہ ہوگیا۔ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ اس کا اس پر عطف ہے فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ یہ شرط کا جواب ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ اس آیت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ان سے قبل رسولوں نے تکلیفیں پائی ہیں مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ یعنی ہم نے ان کی خبریں تمہیں بتائیں اور انہوں نے اپنی قوموں سے جو کچھ حاصل کیا وہ تمہیں بتایا وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ یعنی کوئی رسول بھی اپنی جانب سے کوئی آیت نہیں لا یا تھا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ یعنی جب ان کے عذاب کا مقررہ وقت آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اس میں تاخیر اس لیے ہو رہی ہے تاکہ وہ لوگ اسلام لے آئیں جن کے اسلام لانے کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور اسی طرح جو ان کی پشتوں میں ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ غزوہ بدر میں قتل کی طرف اشارہ ہے قُضِیَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ مبطلون سے مراد ہے جو باطل اور شرک کی اتباع کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۹ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝۸۰ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝۸۱

"اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینے میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے"۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ ابو اسحاق زجاج نے کہا: انعام سے مراد یہاں اونٹ ہیں لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ جن علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا منع ہے اور اونٹ کا گوشت کھانا مباح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انعام کے بارے میں فرمایا: وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور گھوڑوں کے بارے میں فرمایا: وَّ الْخَیْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا (النحل: 8) ان کے کھانے کی اباحت کا ذکر نہیں کیا۔ سورۂ نحل میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اونٹ کے بالوں، اون، بکری کے بالوں، دودھ، مکھن، گھی اور پنیر وغیرہ میں تمہارے لیے منافع ہے وَ

لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ یعنی یہ جانور بوجھ اٹھاتے ہیں اور دور دراز سفروں پر لے جاتے ہیں۔ سورۂ نحل میں مفصل بحث گذر چکی ہے اب اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا: وَعَلَيْهَا یعنی خشکی میں اونٹوں پر وَعَلَى الْفُلْكِ اور سمندر میں کشتیوں پر تُحْمَلُوْنَ ۝ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ یہاں آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہے فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝ ، تُنْكِرُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ کلمہ استفہام کلام کے شروع میں آتا ہے اس لیے اس میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اگر فعل کے ساتھ ایسی ضمیر ہو جو اسی کی طرف لوٹے تو اس میں رفع پسندیدہ ہے اگر استفہام ہمزہ یا ھل کی صورت میں ہو اور ان کے بعد کوئی اسم، اس کے بعد فعل ہو جس کے ساتھ ایسی ضمیر ملی ہو جو اس اسم کی طرف لوٹے تو نصب دینا پسندیدہ ہوگا معنی یہ بنے گا جبکہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں تو تم دوبارہ اٹھانے پر اس کی قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

”کیا ان منکروں نے کبھی سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آجاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گذرے وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں ہنرمند تھے) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر تو انہوں نے کفر کیا اور نافرمان رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخر کار) گھیر لیا انہیں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے: ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب یہ دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے“۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کیا انہوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی کہ وہ سابقہ قوموں کے آثار کا مشاہدہ کرتے جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ یعنی عمارات، اموال، اولاد اور پیروکاروں نے انہیں کچھ

نفع نہ دیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: دلوت بفلان الیك یعنی میں نے اسے تیرے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔ اس تاویل کی بنا پر ما نافیہ ہے یعنی اس چیز نے انہیں کوئی نفع نہ دیا ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے یعنی جب وہ ہلاک ہوئے تو کسی چیز نے انہیں نفع نہ دیا۔ اَكْثَرَ غیر منصرف ہے کیونکہ وہ فعل کے وزن پر ہے کوفیوں کا خیال ہے کہ ہر وہ اسم جو غیر منصرف ہو تو اسے منصرف پڑھنا جائز ہے مگر افعل من کذا منصرف نہیں ہوگا کیونکہ اسے شعر اور کسی دوسری صورت میں منصرف پڑھنا جائز نہیں جب اس کے ساتھ مِن ہو۔ ابو العباس نے کہا: اگر مِنْ منصرف ہونے سے مانع ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ یہ نہ کہا جائے: مررت بخیر منك و شر منك و من عمرو۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بینات سے مراد واضح آیات ہیں فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اس کے معنی میں تین قول ہیں: مجاہد نے کہا: بے شک اس علم کی وجہ سے خوش تھے جو ان کے پاس موجود تھا وہ کہتے ہم ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں کہ نہ ہمیں عذاب دیا جائیگا اور نہ ہی ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار کے پاس جو دنیوی علم تھا اس پر وہ خوش تھے جس طرح اس آیت میں ہے يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الروم: 7) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو خوش ہوئے وہ سوال کرتے تھے جب ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ کافروں کو ہلاک کرنے والا ہے اور رسولوں اور مومنوں کو نجات دینے والا ہے تو رسول مومنوں کی نجات سے آگاہی حاصل کرنے کی بنا پر خوش ہوئے وَحَاقَ بِهِمْ بھم سے مراد وہ کفار ہیں مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ یعنی جو رسل ان کے پاس لائے ان کا ان کفار نے استہزاء اڑایا تو اس کے عقاب نے ان کا احاطہ کر لیا۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا جب انہوں نے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ یعنی ہم ان بتوں کا انکار کرنے والے ہیں جنہیں ہم نے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔

سُنَّتَ اللّٰهِ، سنة مصدر ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں سَنَّ یسن سنا و سُنّة۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار میں یہ ضابطہ نافذ کر دیا ہے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ایمان انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ سورۃ النساء اور سورۂ یونس میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ عذاب دیکھنے اور علم ضروری کے حصول کے بعد توبہ قبول نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے اہل مکہ! کفار کو ہلاک کرنے کا جو ضابطہ ہے اس سے ڈرو سُنَّتَ اللّٰهِ یہ تحذیر و اغراء کے طور پر منصوب ہے۔

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ زجاج نے کہا: وہ اس سے قبل خسارے میں تھے مگر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو ہمارے لیے ان کا خسران واضح ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا، وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ جس طرح تمام کافروں میں ہماری سنت ہے پس سنة کا لفظ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام امتوں میں ضابطہ ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 165

# سورۃ فصلت

آیاتھا ۵۴ ۔ ۴۱ سُورَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۱ ۔ رکوعاتھا ۶

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی چون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پچپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا فَاَعْرَضَ اَکْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝

"حا۔میم۔ اتارا گیا (یہ قرآن) رحمٰن ورحیم خدا کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں یہ قرآن عربی زبان میں ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم وفہم رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا (ہر وقت) خبردار کرنے والا ہے بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور (ان ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں"۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اس کا رفع ھذا کے مضمر ہونے کی بنا پر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کِتٰبٌ یہ تَنْزِیْلٌ سے بدل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ تَنْزِیْلٌ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حٰمٓ کی تقدیر یہ ہے ھذہ حم جس طرح تو کہتا ہے: باب کذا اصل میں ھو باب کذا تھا پس حم یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں یہ ھو حم تھا تَنْزِیْلٌ دوسرا مبتدا ہے اور کِتٰبٌ اس کی خبر ہے فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ یعنی ان کی وضاحت وتفسیر بیان کردی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے اس کے حرام سے اس کے حلال کو اور اس کی معصیت سے اس کی اطاعت کو واضح کردیا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وعدہ اور وعید کو بیان کردیا گیا۔ سفیان نے کہا: ثواب اور عقاب کو بیان کردیا گیا ہے(1)۔ اسے فَصَلَت بھی پڑھا گیا ہے یعنی ان آیات نے حق اور باطل میں فرق کردیا ہے یا ان آیات میں سے بعض اپنے معانی میں اختلاف کی وجہ سے دوسری آیات سے مختلف ہیں۔ تیسرا قول فصل من البلد سے مشتق ہے یعنی وہ ملک سے دور ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 167

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اس کے منصوب ہونے کی کئی وجوہ ہیں: اخفش نے کہا: یہ مدح کی حیثیت میں منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اذ کرقرآنا عربیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوبارہ وہی فعل ہے یعنی فصلنا قرآنا عربیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی آیات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اس حال میں کہ وہ قرآن عربی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فصلت کا فعل آیات کے ساتھ مشغول ہو گیا یہاں تک کہ وہ نائب فاعل ہو گیا تو قُرْاٰنًا اس کا بیان ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو گیا۔۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے منصوب اس لیے پڑھا گیا ہے کہ اسے ماقبل کلام سے الگ کیا گیا ہے۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ضحاک نے کہا: قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ جانتے ہیں کہ تورات اور انجیل میں وہ ایک الہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لغت عربی کو جانتے ہیں اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں اگر یہ عربی زبان میں نہ ہوتا تو اسے نہ جانتے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے یہ قریش کو عاجز کرنے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لیے ہے کہ قرآن معجزہ ہے بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا یہ دونوں الآیات سے حال ہیں اور اس میں عامل فصلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قرآن کی لغتیں ہیں بَشِيْرًا یہ اولیاء اللہ کے لیے ہے اور نَذِيْرًا یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے ہے اسے بشیر و نذیر بھی پڑھا گیا ہے یہ کتاب کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ یعنی اکثر اہل مکہ نے اعراض کیا تو ایسا سننا نہیں سنتے کہ وہ اس سے نفع اٹھائیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ ریان بن حرملہ نے کہا کہ قریش کے سرداروں اور ابوجہل نے کہا: ہم پر حضرت محمد ﷺ کا معاملہ ملتبس ہو گیا ہے اگر تم کوئی ایسا آدمی تلاش کرتے جو شعر، کہانت اور جادو کو جانتا ہوتا وہ حضرت محمد ﷺ سے کلام کرے پھر اس کے معاملہ کی ہمارے سامنے وضاحت کرے (2)۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے کہانت، شعر اور جادو کو سنا ہے میں اس کے بارے میں اتنا علم رکھتا ہوں اگر معاملہ ایسا ہوا تو مجھ سے مخفی نہیں رہے گا، انہوں نے کہا: ان کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! ﷺ تو بہتر ہے یا قصی بن کلاب؟ تو بہتر ہے یا ہاشم؟ تو بہتر ہے یا عبدالمطلب؟ تو بہتر ہے یا عبداللہ؟ تو کس وجہ سے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے؟ ہمارے آباء کو گمراہ قرار دیتا ہے؟ ہمارے دانشمند لوگوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے؟ اور ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے؟ اگر تو ریاست چاہتا ہے تو ہم اپنے سارے جھنڈے تیرے سپرد کر دیتے ہیں جب تک تو زندہ رہے گا تو ہمارا سردار ہوگا، اگر تو شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم قریش کی بچیوں میں سے دس عورتوں سے تیری شادی کر دیتے ہیں جن سے تو چاہتا ہے، اگر تو مال کی خواہش رکھتا ہے تو ہم تیرے لیے مال جمع کر دیتے ہیں جس سے تو اور تیرے بعد والے غنی ہو جائیں گے، اگر یہ سب کچھ جن کے سایہ کی وجہ سے ہے جو تجھ پر غالب آچکا ہے تو ہم تیرا علاج کروانے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم تیرے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 168 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 61-60

بارے میں اس پر غالب آ جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ جب وہ گفتگو سے فارغ ہوا فرمایا: ''اے ابو ولید! تو فارغ ہو گیا ہے؟'' اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ''اے بھتیجے سنتا ہے؟ اس نے کہا: سنتا ہوں۔ پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ تو عتبہ اچھل پڑا اور اپنا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ پر رکھ دیا اور آپ کو اللہ اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ خاموش ہو جائیں، وہ گھر لوٹ آیا اور قریش کے پاس نہ گیا۔ ابوجہل اس کے پاس آیا پوچھا: کیا تو نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے؟ یا اس کا کھانا تجھے اچھا لگا ہے؟ تو عتبہ غضبناک ہو گیا اور قسم اٹھائی کہ وہ محمد سے کبھی بھی ملاقات نہیں کرے گا پھر کہا: اللہ کی قسم! تم جانتے ہو میں قریش سے سب سے زیادہ مالدار ہوں لیکن جب میں نے اس پر واقعہ بیان کیا تو انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، نہ کہانت ہے اور نہ ہی جادو ہے، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو سنا تھا وہ اس پر تلاوت کیا صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ تو میں نے اس کا منہ روکا اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ رک جائے۔ تم خوب جانتے ہو کہ جب وہ کچھ کہتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا، اللہ کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا جیسی صاعقہ نازل ہو گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا حم فصلت یہاں تک کہ آیت سجدہ تک پہنچے تو سجدہ کیا جبکہ عتبہ توجہ سے سن رہا تھا اس نے پشت کے پیچھے سے ہاتھوں پر سہارا لیا ہوا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قراءت کو ختم کیا تو اسے کہا: ابو ولید! تو نے وہ سن لیا ہے جو میں نے تجھ پر پڑھا ہے اب تو جو چاہے کر۔ عتبہ قریش کی مجلس میں ان کے پاس گیا انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابو ولید تمہارے پاس اس چہرے سے آ رہا ہے جس چہرے سے گیا نہیں تھا پھر انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابو ولید کیا چھوڑ آئے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں محمد سے ایسا کلام سن آیا ہوں جیسا کلام میں نے کبھی بھی کسی سے نہیں سنا تھا، اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں اور نہ ہی وہ کہانت ہے اس مسئلہ میں میری اطاعت کرو اور میرے کہنے پر اس کے ساتھ معاملہ کرو محمد اور اس کے معاملہ کو چھوڑ دو اس سے الگ تھلگ ہو جاؤ اللہ کی قسم! میں نے جو اس کا کلام سنا ہے اس کی شان ہے اگر عرب اس تک رسائی حاصل کر لیں تو تم غیروں کے ہاتھوں اسے کافی ہو گے اگر وہ بادشاہ یا نبی ہو تو تم اس کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت مند ہو کیونکہ اس کا ملک تمہارا ملک ہے، اس کا شرف تمہارا شرف ہے انہوں نے کہا: دور ہو جا اے ابو ولید! محمد نے تجھ پر جادو کر دیا

ہے۔ ابو ولید نے کہا: یہ میری رائے ہے تم جو چاہو کرو۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ، اکنہ، کنان کی جمع ہے جس کا معنی ڈھکنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے: مجاہد نے کہا: کنان دل کے لیے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تیر کے لیے جنہ (جو تیر پر چڑھا دیا جائے) ہوتا ہے (1)۔

وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ہمارے کانوں میں گرانی ہے، تیرا کلام ہمارے کانوں میں داخل نہیں ہوتا، ہمارے دل فہم سے پردہ میں ہیں وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے یعنی دین میں اختلاف ہے کیونکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے، یہ معنی فراء اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پردہ جو قبول کرنے کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابو جہل نے اپنا سر کپڑے سے ڈھانپا اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے، یہ بات اس نے مذاق کے انداز میں کی؛ یہ بات نقاش نے کی اور زمخشری نے اسے ذکر کیا۔ یہاں حجاب سے مراد کپڑا ہے۔

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۝ یعنی ہماری ہلاکت کا اہتمام کرو ہم تیری ہلاکت کا اہتمام کرنے والے ہیں (2)؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: تو اپنے اس الٰہ کے لیے سرگرم عمل رہ جس نے تجھے بھیجا ہے اور ہم اپنے معبودوں کے لیے کام کرتے رہیں گے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیرا دین جو تقاضا کرتا ہے وہ کر اور ہم وہ کریں گے جو ہمارا دین تقاضا کرے گا۔ پانچویں قول کا بھی احتمال ہے اپنی آخرت کے لیے کام کرو ہم اپنی دنیا کے لیے کام کریں گے (3)؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْۤا اِلَیْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ۝ۙ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۝۸

"آپ فرمایئے: میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند البتہ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکتا ہی ہے پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے، اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے، اور وہ آخرت کے منکر ہیں بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا"۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں انسان ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی یُوْحٰۤى اِلَیَّ یعنی فرشتوں کے ذریعے آسمانوں سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (4)۔

اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا معبود ایک ہے اس پر ایمان لاؤ اور دعا کرتے وقت اور سوال کرتے وقت اس کی طرف متوجہ ہو وَ اسْتَغْفِرُوْهُ اپنے شرک پر مغفرت طلب کرو۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 241 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 168 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 412

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت نہیں دیتے یہ نفس کی زکوۃ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ زکوۃ کے فرض ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا: وہ صدقہ نہیں کرتے اور اطاعت میں خرچ نہیں کرتے انہیں بخل پر شرم دلائی گئی ہے جس سے صاحب فضل لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ کافر کو اس کے کفر پر عذاب دیا جائیگا۔

فراء اور دوسرے علماء نے کہا: مشرک مال خرچ کرتے، حاجیوں کو پانی پلاتے، انہیں کھانا کھلایا کرتے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے ان پر ان چیزوں کو مشرکین نے حرام کر دیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اس وجہ سے وہ اطاعت میں خرچ نہیں کرتے اور نہ ہی گناہوں پر بخشش طلب کرتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ مشرکین کے اوصاف میں سے زکوۃ کا انکار آخرت کے انکار کے ساتھ کیوں ملایا گیا ہے (1)؟ میں اس کا جواب دوں گا: انسان کو سب سے محبوب چیز اس کا مال ہوا کرتی ہے مال اس کی روح کا جز واں ہے جب انسان اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے ثابت قدم ہونے، اس کی استقامت، صدق نیت اور خلوص عمل پر دلیل ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھا: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (البقرۃ: 256) اپنے نفسوں کو ثابت رکھتے ہیں اور اپنے مال خرچ کر کے اس کے ثبات پر دلائل قائم کرتے ہیں مولفہ قلوب (وہ کفار جن کو زکوۃ کا مال تالیف قلوب کے لیے دیا جاتا تھا) ان کے ساتھ تھوڑے سے دنیاوی مال پر تدبیر کی گئی جس سے ان کی رشتہ داری قوی ہوگئی اور ان کی طبیعتوں میں نرمی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد مرتدین نے زکوۃ کے انکار کے لیے ہی باہم تعاون کیا تو انکے ساتھ جنگیں کی گئیں اور جہاد کیا گیا: اس میں مومنوں کو زکوۃ کی ادائیگی پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس کے روکنے پر سخت ڈرایا گیا ہے کیونکہ زکوۃ روکنے کو مشرکین کی صفات قرار دیا گیا ہے اور آخرت کے انکار کے ساتھ اسے ملایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا معنی غیر مقطوع کیا ہے وہ ختم نہ ہوگا یہ مننت الحبل سے ماخوذ ہے جب تو اس کو کاٹ دے اسی معنی میں ذی الاصبع کا شعر ہے:

إِنِّي لَعَمْرُكَ مَا بَابِي بِذِي غَلَقٍ ... عَلَى الصَّدِيقِ وَلَا خَيْرِي بِمَمْنُونٍ (2)

تیری زندگی کی قسم! میرا دروازہ دوست پر کبھی بند نہیں ہوا اور نہ میرا احسان ختم ہوا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَتَرَى خَلْفَهَا مِنَ الرَّجْعِ وَالْوَقْعِ ... مَنِينًا كَأَنَّهُ أَهْبَاءُ

منین سے مراد الغبار المنقطع الضعیف ہے۔

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 87-186

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 169

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے (1)؛ مقاتل نے کہا: اس میں نقص نہیں ہوگا اسی سے منون کا لفظ ہے کیونکہ موت انسان کی قوت کو کمزور کر دیتی ہے۔ زہیر نے کہا:

فَضْل الجیاد علی الخیل البطاء فَلَا یُعْطِی بِذٰلِك مَمْنُونًا ولا نَزِقًا

جوہری نے کہا: اس کا معنی کاٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کا معنی نقص ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ لبید نے کہا:

غُبْسٌ كَوَاسِبُ لَا يُمَنُّ طَعَامُها

مجاہد نے کہا: اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر کوئی احسان نہیں جتلایا جائیگا۔ سدی نے کہا: یہ آیت اپاہج، مریضوں اور بوڑھوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اطاعت بجالانے سے کمزور ہوئے تو ان کے لیے اتنا اجر لکھا جا تا رہے گا جتنا اجر ان کے لیے اس وقت لکھا جاتا تھا جب وہ عمل کیا کرتے تھے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

''آپ ان سے پوچھیے: کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لیے مدمقابل وہ تو رب العالمین ہے (اس کا مدمقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے ہی بنائے ہیں زمین میں گڑھے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دیں ہیں اس میں غذائیں (ہر نوع کے لیے) چار دنوں میں (ان کا حصول) یکساں ہے طلب گاروں کے لیے۔۔ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آجاؤ تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے خوشی سے یا مجبورا، دونوں نے عرض کی: ہم خوشی خوشی (دست بدستہ) حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال، اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے اور اسے خوب محفوظ کر دیا، یہ سارا نظام سب سے عالم سب کچھ جاننے والے (خدا کا) ہے''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 169

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ، ائنکم دو ہمزوں کے ساتھ ہے دوسرا ہمزہ بین بین ہے اور دو ہمزوں کے درمیان الف ہے اس کا معنی شرمندہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا تا کہ انہیں شرمندہ کیا جائے اور ان کے فعل پر تعجب کا اظہار کیا جائے معنی ہے تم کیوں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ یَوْمَیْنِ سے مراد اتوار اور سوموار ہے اَنْدَادًا کا معنی اضداد اور شریک ہیں وَ جَعَلَ فِیْهَا ضمیر سے مراد زمین ہے، رواسی سے مراد پہاڑ ہیں۔ وہب نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اسے پانی پر پھیلا دیا جبریل امین سے فرمایا: اے جبریل! اسے ایک جگہ ٹھہرا دو حضرت جبریل امین اترے اسے ایک جگہ روکا تو ہوائیں حضرت جبریل امین پر غالب آ گئیں عرض کی: اے میرے رب! تو خوب جانتا ہے میں تو اس میں مغلوب ہو گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا۔

وَ بٰرَكَ فِیْهَا یعنی اس زمین میں جو منافع پیدا کیے۔ سدی نے کہا: اس میں درخت اگائے وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا سدی اور حسن بصری نے کہا: اہل زمین کے رزق اور ان کے مصالح مقرر فرمائے (1)۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس میں نہریں، درخت اور چوپائے منگل اور بدھ کو پیدا فرمائے۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا سے مراد ہے اس میں اس کے مکینوں کے رزق اور جو لوگوں کی معیشت کے مناسب چیزیں تھیں وہ پیدا کیں یعنی تجارت، درخت اور منافع ایک شہر میں ایسی چیزیں پیدا کیں جو دوسرے شہر میں پیدا نہ کیں تا کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے تجارت کریں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کریں۔ عکرمہ نے کہا: یہاں تک کہ بعض ممالک ہیں وہ سونے کو نمک کے برابر خریدتے ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: وہ سابری (بڑھیا کھجور) سابور سے، بڑی چادریں ری سے اور دھاری دار چادریں یمن سے لیتے ہیں۔

فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ یعنی چار دنوں کی تکمیل میں، اس کی مثل ایک قائل کا قول ہے: خرجت من البصرۃ الی بغداد فی عشرۃ أیام والی الکوفة فی خمسة عشر یوما (2) یعنی پندرھویں دن کے مکمل ہونے پر میں کوفہ پہنچا؛ یہ معنی ابن انباری اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

سَوَآءً لِّلسَّآىٕلِیْنَ۝ حضرت حسن بصری نے کہا: معنی ہے مکمل چار دنوں میں (3)۔ فراء نے کہا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے اس نے ان میں ان کی روزیاں پیدا کیں جن کا حصول محتاجوں کے لیے یکساں ہے؛ یہ قول طبری نے پسند کیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور یعقوب حضرمی نے پڑھا سواء للسائلین ابن قینقاع سے سواء مرفوع ہے نصب مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے ہے جو استواء کے معنی میں ہے یعنی استوت استواء۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے جر، ایام یا اربعة کی صفت کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہے فی اربعة ایام مستویة تامة۔ رفع مبتدا کے اعتبار سے ہے اور خبر لِّلسَّآىٕلِیْنَ ہے یا اس تقدیر کی بنا پر مرفوع ہے ھذہ سواء للسائلین۔ اہل معانی نے کہا: معنی ہے وہ سائلین اور غیر سائلین کے لیے برابر ہے یعنی زمین اور زمین میں جو کچھ ہے وہ برابر ہے اس کے لیے جو سوال کرے اور اس کے لیے جو سوال نہ کرے اور وہ عطا فرماتا ہے جو سوال کرے اور جو سوال نہ کرے۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 414 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 171 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 414

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ یعنی آسمان کی تخلیق کا ارادہ کیا اور اس کے درست کرنے کا قصد کیا۔ اکثر اقوال کے مطابق استواء افعال کی صفت ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (البقرۃ:29) اس کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ یعنی اس کا امر آسمان کی طرف بلند ہوا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ جس نے یہ کہا یہ صفۃ ذاتیہ زائدہ ہے اس نے کہا: ازل میں اپنی صفات کا قصد کیا ثم کا لفظ ذکر کیا تو آسمان کو دخان کی صفت سے حالت کثافت منتقل کیا یہ دھواں پانی کے سانس لینے سے پیدا ہوتا تھا جس طرح سورۂ بقرہ میں حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے منقول ہے۔

فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا یعنی میں نے تم دونوں سے جو منافع اور مصالح پیدا کیے تھے ان کو لے آؤ اور میری مخلوق کے لیے نکالو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرمایا اپنے سورج، اپنے چاند اور اپنے ستاروں کو طلوع کرو اور اپنی ہوائیں اور بادل جاری کرو اور زمین سے فرمایا: اپنے دریاؤں کو جاری کرو، اپنے درخت اور پھلوں کو نکالو راضی ہو کر یا مجبور ہو کر۔ دونوں نے جواب دیا: ہم انہیں خوشی خوشی لے آئے ہیں۔ کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے أتینا أمرك، طَآىٕعِیْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امر سے مراد تسخیر ہے یعنی تم دونوں ہو جاؤ تو وہ ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ (النحل) اس تعبیر کی بنا پر یہ ارشاد اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق سے پہلے کیا ان دونوں کو جو ارشاد فرمایا اس کی دو توجیہیں ہیں: (1) یہ ایسا قول ہے جس کا تکلم ہوا۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قدرت ہے جو ان دونوں کے حق میں ظاہر ہوئی تو مقصد کو پانے میں یہ کلام کے قائم مقام ہو گئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ۝ اس میں بھی دو توجیہیں ہیں: (1) جب انہوں نے اطاعت کی اور جواب دیا تو دونوں سے اطاعت ظاہر ہو گئی تو یہ اطاعت ان کے قول کے قائم مقام ہو گئی؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے:

امْتَلَأَ الحَوْضُ وَقَالَ قَطْنِی مَهْلاً رُوَيْدًا قَدْ مَلَأْتُ بَطْنِی

حوض بھر گیا اور کہا: میرے لیے کافی ہے مہلت دو اور میں نے اپنا پیٹ بھر لیا ہے۔

یعنی اس میں یہ امر ظاہر ہو گیا ہے، اس نے قول نہیں کیا اکثر اہل علم لوگوں کی رائے ہے اللہ تعالیٰ نے دونوں میں کلام کو پیدا کیا تو دونوں نے اس طرح کلام کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا۔ ابو نصر سکسکی نے کہا: وہ کعبہ مشرفہ کی جگہ سے گویا ہوئی اور آسمان کی جو جگہ اس کے مقابل ہے وہ وہاں سے گویا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنا حرم رکھ دیا(1)۔ فرمایا: طَآىٕعِیْنَ، طاعتین نہیں فرمایا، لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اور نہ طائعات کہا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کیونکہ دونوں کئی آسمان اور زمینیں ہیں کیونکہ خبر ان دونوں میں جو کچھ ہے ان کے بارے میں دی جا رہی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان کی صفت قول اور جواب دینے سے لگائی گئی جو ذوالعقول کی صفات ہیں تو ضمیر میں بھی انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا اسی کی مثل رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝ (یوسف) یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حدیث طیبہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 173

میں ہے: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اگر میں آسمان اور زمین کو جب یہ کہوں: أتيا طوعا او کرھا تو وہ تیری نافرمانی کریں تو تو ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ فرمایا: میں اپنے جانوروں میں سے ایک جانور کو حکم دوں گا تو وہ ان دونوں کو نگل جائے گا عرض کی: اے میرے رب! وہ دابہ (جانور) کہاں ہے؟ فرمایا: میری چراگاہوں میں سے ایک چراگاہ میں عرض کی: وہ چراگاہ کہاں ہے؟ فرمایا: میرے علم میں''۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ نے آتیا مد اور فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اٰتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ معنی ہے تم دونوں اپنی جانب سے اطاعت پیش کرو۔ دونوں نے کہا: ہم نے خوشی خوشی اطاعت کی تو دونوں مفعول حذف کر دیئے گئے۔ اور یہ بھی جائز ہے اور یہ بہتر بھی ہے کہ آتَيْنَا فاعلنا کا وزن ہو تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ جس نے اٰتَيْنَا پڑھا ہے تو معنی ہوگا جو کچھ ہم میں تھا ہم اسے لے آئے جس طرح اس کی وضاحت کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ الحمد اللہ۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ انہیں مکمل کیا اور ان سے فارغ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے انہیں پختہ کیا جس طرح کہا:

وعليهما مسرودتانِ قَضَاهُمَا داؤد أَوْ صَنَعُ السَّوابِغِ تُبَّعُ

ان دونوں پر زرہیں ہیں جنہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے پختہ بنایا ہے۔

فِيْ يَوْمَيْنِ ان چار ایام کے علاوہ جن میں زمین کو پیدا کیا پس آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (یونس: 3) جس طرح اس کی وضاحت سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: ان چھ دنوں میں سے ایک دن ہزار سال کی طرح ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزیوں کو پیدا کیا دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا، زمین کو اتوار اور سوموار میں پیدا کیا منگل اور بدھ میں اس کی روزیوں کو مقرر کیا، آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کو پیدا کیا اور جمعہ کے روز آخری ساعت میں جلدی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی گھڑی میں قیامت برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جو جانور بھی پیدا کیا ہے وہ جمعہ کے دن سے ڈرتا ہے مگر انسان اور جن نہیں ڈرتے، علماء تفسیر کا یہی نقطہ نظر ہے مگر امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے روز پیدا کیا (1)'' ہم نے اس کی سند کے بارے میں سورۃ الانعام میں گفتگو کی ہے۔

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا قتادہ اور سدی نے کہا: اس میں اس کا سورج، اس کا چاند، اس کے ستارے اور افلاک پیدا کیے اور ہر آسمان میں اس کی مخلوق یعنی فرشتے اور اس میں اس کی مخلوق یعنی سمندر، اولوں اور برفوں کے پہاڑ پیدا کیے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس کا فرشتے حج کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں یہ گھر کعبہ کے مقابلہ میں ہے جو گھر آسمان دنیا میں ہے وہ بیت معمور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفۃ القیامۃ، جلد 2، صفحہ 371

اَمْرَهَا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں جس کا ارادہ کیا اور جس کا حکم دیا ایحاء سے مراد کبھی امر ہوا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (الزلزلۃ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (المائدہ: 111) یعنی میں نے انہیں حکم دیا اور یہ امر تکوین ہے۔

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ مصابیح سے مراد ایسے ستارے ہیں جو روشن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر آسمان میں روشن ستارے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو آسمان دنیا کے ساتھ خاص ہیں وَحِفْظًا اس کی تقدیر کلام یہ ہے وحفظنا ھا حفظا یعنی ان شیاطین سے ہم نے اسے محفوظ کیا جو چوری چھپے سنتے تھے۔ یہ ستاروں کے ساتھ جو حفاظت ہے یہ وہی ہے جو شیاطین کو ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے جیسا سورۂ حجر میں بیان گذر چکا ہے۔ اس آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے تخلیق کیا گیا، ایک دوسری آیت میں ہے: اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ۝ (النازعات) پھر فرمایا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ (النازعات) دحو، خلق سے مختلف چیز ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا پھر آسمانوں کو پیدا کیا پھر زمین کو پھیلا دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

"پس اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرمایئے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد وثمود کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی۔ (کچھ یاد ہے) جب آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور پیچھے سے یعنی (ہر طرف سے) یہ سمجھانے کے لیے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی کہ ہمیں کچھ سمجھائے تو فرشتے نازل کرتا پس ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے (اس کا سراسر) انکار کرتے ہیں۔ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق اور کہنے لگے: ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے زیادہ قوی ہے، اور وہ تو ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی ہوا منحوس دنوں میں تا کہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب، اس دنیوی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان

کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی"۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر کفار قریش ایمان سے اعراض کریں جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ یعنی ہم نے ڈرایا ہلاکت سے جس طرح عاد اور ثمود کی ہلاکت تھی اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ یعنی ان کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا اور ان سے قبل قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر حذف ہے اصل میں کلام یوں تھی بالا تعبدوا۔ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً یعنی رسولوں کی جگہ فرشتے مبعوث کرتا فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ یعنی انذار اور تبشیر کا انکار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کی طرف سے استہزاء ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے انہوں نے اقرار کیا ہے کہ ان کی طرف رسول مبعوث ہوئے اس کی بعد انکار اور عناد ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ انہوں نے اللہ کے بندوں حضرت ہود اور مومنوں پر تکبر کیا۔ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً جب انہیں عذاب کی دھمکی دی تو انہوں نے اپنے جسموں کی وجہ سے دھوکہ کھایا انہوں نے کہا: ہم اپنی قوت کی زیادتی کی وجہ سے اپنے آپ سے عذاب دور کرنے پر قادر ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لمبے جسموں والے اور موٹے تھے۔ سورۂ اعراف میں بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان میں سے طویل ترین سو ہاتھ اور چھوٹا ساٹھ ہاتھ کا ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً، قوۃ کا معنی قدرت ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے سے قادر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ زیادہ قادر ہے وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۝ وہ ہمارے معجزات کا انکار کرتے تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا یہ صاعقہ کی تفسیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجی تھی ایسی ہوا جو سخت ٹھنڈی تھی آواز شدید اور تیز چل رہی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے: اصل میں صرر تھا جو صر سے مشتق ہے جس کا معنی ٹھنڈک ہے درمیانی راء کو فعل کے فاء کلمہ سے بدل دیا جس طرح ان کا قول ہے کبکبوا اصل میں کببتوا تھا۔ تجفجف الثوب اصل میں تجفف الثوب ہے۔ ابو عبید نے کہا: صرصرا کا معنی ہے سخت آندھی، عکرمہ اور سعید بن جبیر نے کہا: سخت سرد۔ قطرب نے ابوحطیئہ کا قول ذکر کیا:

المُطْعِمون إذا هَبَّتْ بَصَرْصَرَةٍ والحامِلون إذا اسْتُودُوا علی النّاس (1)

جب سخت ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں تو وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور وہ جھنڈے اٹھانے والے ہیں جب لوگوں پر سردار بنایا جائے۔

مجاہد نے کہا: سخت زہریلی (2)۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے اس کا معنی ٹھنڈی ہے؛ یہ عطا نے کہا: کیونکہ صرصر یہ صر سے ماخوذ ہے کلام عرب میں صر سے مراد سرد ہے:

رُكَيْبَنَ فِی يومِ رِيحٍ صِرِّ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 174 2۔ ایضاً

ان پر سواری کی جاتی ہے سخت ہوا اور سردی میں۔

سدی نے کہا: سخت آواز (1)۔ اسی سے صرّ القلم والباب، یصر صریرا۔ جب قلم اور دروازہ آواز نکالے یہ جملہ کہا جاتا ہے: درھم صَرِیٌّ وصِرِیٌّ۔ جس کی آواز ہو جب اس کی چھان بین کی جائے۔ ابن سکیت نے کہا: صرصر جائز ہے کہ وہ صر سے ہو جس کا معنی ٹھنڈک ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ صریر الباب سے مشتق ہو اور الصرۃ سے مشتق ہو جس کا معنی صیحہ ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ (الذاریات: 29) صرصر، عراق میں ایک نہر کا نام ہے۔

فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ منحوس دنوں میں؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ شوال کے آخر میں ایک بدھ سے لے کر اگلے بدھ تک تھے یہی مراد ہیں سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (الحاقہ: 7) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کسی قوم کو عذاب نہیں دیا گیا مگر بدھ کے روز ہی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَّحِسَاتٍ کا معنی ٹھنڈے ہیں؛ نقاش نے یہ بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پے در پے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: سخت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غبار والا؛ یہ ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے:

قدِ اغْتَدَی قَبل طُلوعِ الشَّمسِ لِلصَّیْدِ فی یَوْمٍ قَلیلِ النَّحْسِ (3)

وہ سورج کے طلوع ہونے سے قبل شکار کے لیے ایسے دن میں جا پہنچا جس میں غبار کم تھا۔

ضحاک اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تین سالوں تک ان سے بارش کو روکے رکھا اور ہوائیں بارش کے بغیر ان پر خوب چلیں ان میں سے ایک جماعت مکہ مکرمہ کی طرف نکلی تا کہ وہاں بندوں کے لیے دعا کریں۔ اس زمانہ میں جب لوگوں کو کوئی مصیبت آ پہنچتی تو وہ مکہ مکرمہ میں آ کر اللہ تعالیٰ سے کشادگی کو طلب کرتے ان کا مطالبہ اللہ تعالیٰ سے بیت اللہ شریف کے پاس مکہ مکرمہ میں ہوتا وہ مسلمان ہوتے یا کافر ہوتے، مکہ مکرمہ میں کثیر لوگ جمع ہوتے جن کے دین مختلف ہوتے ہر ایک مکہ مکرمہ کی تعظیم کرتا وہ اس کی حرمت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مرتبہ کو پہچانتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ اور تیمی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ ان پر بارش کو نازل کرتا ہے اور زیادہ ہواؤں کو روک لیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے اور سخت ہواؤں کو ان پر مسلط کرتا ہے۔

نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے نَّحِسَاتٍ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے نحوست والے، جو قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نحس مصدر ہے وہ یہ ہے فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ (القمر) اگر یہ صفت ہوتا تو یوم کا لفظ اس کی طرف مضاف نہ ہوتا، ابو عمرو اپنی قراءت پر اسی آیت سے استدلال کیا کرتا تھا؛ ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ ابو عبید نے دوسری قراءت کو پسند کیا ہے کہا: ابو عمرو کی حجت صحیح نہیں کیونکہ اس نے یوم کے لفظ کو نحس کی طرف مضاف کیا ہے اور اس کی حاء کو ساکن کیا یہ دلیل تب ہوتی اگر یوم کو تنوین دی جاتی اور اس کی صفت لگائی جاتی اور اسے ساکن کیا جاتا اور وہ کہتا: فی یوم نحس یہ قراءت کسی نے بھی نہیں کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 174 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 175

جس کو ہم جانتے ہوں۔ مہدوی نے کہا: نحس میں اسکان ہی سنا گیا ہے۔

جوہری نے کہا: فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ میں اسے صفت کے طور پر پڑھا گیا ہے جبکہ اضافت بہت زیادہ اور عمدہ ہے قد نحس الشیٔ فھو نحس شاعر نے کہا:

أبلِغ جزاما ولَخما أنّ إخوتهم طيّا وبَهراء قوم نصرهم نحِس

جزام اور لخم کو خبر پہنچا دو ان کے بھائی طی اور براء ایسی قوم ہیں جن کی مدد غبار والے دن نے کی۔

اسی معنی میں ہے اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ہے۔

لِّنُذِيْقَهُمْ تاکہ ہم ان کو چکھائیں۔ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی بانجھ ہوا کے ساتھ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى آخرت کا عذاب بڑا اور شدید ہوگا۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے''۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ یعنی ہم نے ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور دوسرے علماء نے اما ثمود نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى انہوں نے ایمان پر کفر کو پسند کیا۔ ابوالعالیہ نے کہا: انہوں نے وضاحت پر اندھے پن کو پسند کیا۔ سدی نے کہا: معصیت کو اطاعت پر پسند کیا (1)۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ، الهون ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ذلت و رسوائی ہے۔ ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن معزر جو کنانہ اور اسد سے تعلق رکھتا تھا۔ اہانہ اس کو حقیر و خفیف جاننا اس کا اسم ھوان اور مھانہ ہے۔ صاعقہ کو عذاب کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ صاعقہ کہتے ہیں ہلاک کرنے والی چیز کو۔ گویا فرمایا: مھلك العذاب یعنی ایسا عذاب جو مہلک ہے ھون اگرچہ مصدر ہے اس کا معنی اُھانہ ہے اور اُھانہ کا معنی عذاب ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی صفت بنا دیا جائے گویا کہا: صاعقۃ الھون وہ تیرے اس قول کی طرح ہے: عندی علم الیقین اور عندی العلم الیقین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھون، دون کی طرح ایک اسم ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: عذاب ھون یعنی ایسا عذاب جو ذلیل کرنے والا ہے جس طرح فرمایا: مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿﴾ (سبا) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسے عذاب کا صاعقہ جو ذلت والا ہے بِمَا كَانُوْا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 175

یَكْسِبُوْنَ ۞ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں جس طرح یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَ نَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی حضرت صالح علیہ السلام اور جو ایمان لائے تھے یعنی ہم نے انہیں کفار سے ممتاز کر دیا ان پر وہ عذاب نازل نہ ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا، اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تیری قوم کے مومنوں اور ان کے کافروں کے ساتھ یہی معاملہ کریں گے۔

وَ یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۞ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۞ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞

"اور (ذرا خیال کرو) اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھر وہ گروہوں میں بانٹ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آ جائیں گے تو (حساب شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے، تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گی: (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو"۔

نافع نے نحشر نون کے ساتھ پڑھا ہے اور اعداء کو نصب دی ہے باقی قراء نے یُحْشَرُ یاء مضموم کے ساتھ پڑھا ہے اَعْدَآءُ مرفوع ہے دونوں کا معنی واضح ہے۔ اَعْدَآءُ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے امر کی مخالفت کی فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ انہیں ہانکا جائے گا اور جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: پہلوں کو انکے آخری افراد پر روک لیا جائیگا یہاں تک کہ وہ جمع ہو جائیں گے۔ ابو احوص نے کہا: جب تعداد مکمل ہو جائے گی تو جرم کے اعتبار سے سب سے بڑے پھر اس کے بعد بڑے کا آغاز کیا جائے گا یُوْزَعُوْنَ کے بارے میں گفتگو سورۃ النحل میں مفصل گزر چکی ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۞ حَتّٰۤى اِذَا مَا میں ما زائدہ ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ چمڑے بذات خود ان پر گواہی دیں گے۔ سدی اور عبید اللہ بن ابی جعفر اور فراء نے کہا: جلود سے مراد شرمگاہیں ہیں۔ ایک ادیب نے عامر بن جوئیہ کا شعر پڑھا:

المرءُ یسعی للسلامة والسلامةُ حسبه
أو سالم من قد تثنّی جلدهُ وابیض رأسه

وَ قَالُوْا یعنی کفار نے کہا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا تم ہماری جانب سے جھگڑا کیا کرتے تھے تو قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ

الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ انہوں نے کہا: اس اللہ تعالیٰ نے ہمیں گویا کیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا: جب انہوں نے خطاب کیا اور انہیں خطاب کیا گیا تو انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی پہلے تم نطفہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر زندگی پیدا کر دی جو اس پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ چمڑے اور دوسرے اعضاء کو گویا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام کا آغاز ہے۔

وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے تو آپ ہنسے، پوچھا گیا: ''کیا تم جانتے ہو میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: ''بندے کے اپنے رب سے خطاب کی وجہ سے ہنسا ہوں۔ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ وہ عرض کرتا ہے: میں اپنے خلاف کسی کو گواہ بننے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تیری ذات تیرے خلاف گواہ ہوگی اور کراماً کاتبین تیرے خلاف گواہ کافی ہوں گے فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء کو کہا جائیگا: تم بولو، تو وہ اس کے اعمال کے بارے میں گفتگو کریں گے پھر اسکے اور اس کی گفتگو کے درمیان رکاوٹ ختم کر دی جائے گی تو وہ کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو، میں اس لیے تمہاری حفاظت کیا کرتا تھا''(1)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے پھر کہا جائیگا: ''اب ہم اپنا گواہ تیرے خلاف پیش کرتے ہیں وہ دل میں سوچے گا کون میرے خلاف گواہی دے گا؟ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اس کی ران، اس کے گوشت اور ہڈیوں سے کہا جائیگا: بول، اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے عمل کے بارے میں گفتگو کریں گی یہ اس لیے ہوگا کیونکہ اس نے بکثرت گناہ کیے ہوں گے وہ منافق ہوگا اور یہی وہ شخص ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا(2)'' اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝ وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

''اور تم چھپا نہیں سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، جلد 2، صفحہ 409 2۔ ایضاً، أن الأعضاء منطوقة، جلد 2، صفحہ 409

جوتم کرتے ہو۔ اور تمہارے اسی گمان نے جوتم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں یا نہ کریں آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ (اس وقت) رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا۔ اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لیے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت ہو گیا ان پر فرمان (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گذر چکی تھیں جنوں اور انسانوں سے وہ سب (اگلے اور پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے''۔

وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ یہ جائز ہے کہ یہ اعضاء کا ان کے لیے قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کا قول ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ بیت اللہ شریف کے پاس تین افراد جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی۔ ان کے دلوں میں فہم کم تھا اور پیٹوں کی چربی بہت زیادہ تھی ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ جو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: اگر ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم خفیہ طریقہ سے بات کریں تو وہ نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: جب ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے پھر جب ہم مخفی طریقہ سے بات کریں گے تب بھی وہ سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1): وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے کہا: بیت اللہ شریف کے پاس تین آدمی اکٹھے ہوئے پھر حرف حرف اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہناد، ابو معاویہ سے وہ اعمش سے وہ عمارہ بن عمیر سے وہ عبدالرحمن بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہا حضرت عبداللہ نے کہا: میں اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کے پردوں سے چھپائے ہوئے تھا کہ تین افراد آئے ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے اور دانش کم تھی ایک قریشی اور دو اس کے داماد ثقفی یا ایک ثقفی اور دو اس کے داماد قریشی تھے انہوں نے آپس میں گفتگو کی جس کو میں نہ سمجھ سکا ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ، اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب ہم اپنی آوازیں بلند کریں تو وہ سن لیتا ہے اور جب ہم اپنی آوازوں کو بلند نہ کریں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ ہماری گفتگو سے کچھ سنتا ہے تو وہ تمام کچھ سن لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(2)۔ ثعلبی نے کہا: ثقفی عبد یالیل تھا اور اسکے داماد ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔

تَسْتَتِرُوْنَ کا اکثر علماء کے نزدیک معنی ہے جسے تم چھپاتے ہو یعنی جسے اپنے نفوس سے چھپاتے ہو کہ اعضاء تمہارے

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، وذالکم ظنکم، جلد 2، صفحہ 713

2۔ جامع الترمذی، باب ومن سورۃ حم السجدہ، حدیث نمبر 3171-3172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خلاف گواہی نہ دیں کیونکہ انسان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے نفس سے کوئی عمل چھپا سکے پس استخفاء، معصیت کو ترک کرنے کے معنی میں ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: استتار، اتقاء کے معنی میں ہے یعنی تم دنیا میں تقویٰ اختیار کرنے والے نہیں کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف کوئی گواہی دیں گے تو تم اس شہادت کے خوف سے معاصی کو ترک کر دو؛ یہ معنی مجاہد نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ یعنی تم گمان نہیں رکھتے کہ وہ کہے میں نے حق کو سنا اور میں نے یاد نہیں رکھا اور میں نے وہ بات سنی جو معاصی میں سے تھی اور سننا جائز نہ تھی وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ یعنی وہ کہیں: میں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھا اور میں نے عبرت حاصل نہ کی اور میں نے ایسی چیز کو دیکھا جو جائز نہ تھی وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ لیکن تمہارا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کو نہیں جانتا جنہیں تم جانتے ہو پس تم اس بات پر جھگڑتے ہو یہاں تک کہ تمہارے اعضاء تمہارے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔

بہز بن حکیم نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ کی تفسیر کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں ''قیامت کے روز تمہیں بلایا جائیگا تمہارے مونہوں میں فدام (جانور کے منہ پر ایسی چیز چڑھانا کہ وہ چر نہ سکے) چڑھایا گیا ہوگا انسان کے اعمال کے بارے میں سب سے پہلے جو چیز وضاحت کرے گی وہ اس کی ران اور ہتھیلی ہوگی''۔ عبداللہ بن عبدالاعلیٰ شامی نے کہا اور خوب کہا:

العُمْرُ يَنْقُصُ والذُّنُوب تَزِيدُ وتُقالُ عَثْراتُ الفتى فيعودُ

هل يستطيعُ جُحُودَ ذنبٍ واحِدٍ رجلٌ جوارِحُه عليه شُهودُ

والمرءُ يسأل عن سِنيهِ فيشتهي تقلِيلَها وعنِ المماتِ يحِيدُ

عمر کم ہو رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں نوجوان کی لغزشوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور واپس لوٹتا ہے۔ کیا کوئی انسان کسی ایک گناہ کے انکار کی طاقت رکھتا ہے جبکہ اعضاء اس پر گواہ ہیں۔ انسان سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ کمی کی خواہش کرتا ہے اور موت سے پہلو تہی کرتا ہے۔

حضرت معقل بن یسار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''کوئی دن جو انسان پر آتا ہے نہیں ہے مگر وہ اعلان کرتا ہے اے انسان! میں نئی مخلوق ہوں جو کچھ تو کرے گا میں کل تیرے خلاف اس پر گواہ ہوں گا مجھ میں اچھا عمل کر میں کل تیرے حق میں گواہی دوں گا اگر میں ایک دفعہ گذر گیا تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا اور رات بھی اسی طرح کہتی ہے(1)''۔ ابونعیم حافظ نے اسے ذکر کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرۃ'' میں زمیں، راتوں، دنوں اور مال کی شہادت کے بارے میں کیا ہے۔ محمد بن بشیر نے کہا اور خوب کہا:

مَضٰى أمسُك الأدنٰى شَهيدًا معدَّلًا ويومُك هذا بالفِعالِ شهيدُ

1۔ کتاب التذکرہ، جلد 1، صفحہ 389

فإنْ تكُ بِالأمسِ اقترفت إساءةً ۔۔۔ فثنِّ بإحسانٍ وأنتَ حميدُ

ولا تُرْجِ فِعْلَ الخير مِنك إلى غدٍ ۔۔۔ لعلّ غدًا يأتي وأنت فقيدُ

تیرا قریبی کل گذر گیا جوایسا گواہ ہے جس کو عادل قرار دیا گیا ہے تیرا یہ دن اعمال پر گواہی دینے والا ہے اگر تو نے گذشتہ کل برا عمل کیا ہے تو دو گنا احسان کر جبکہ تو جمود ہے۔ اچھے عمل کو کل تک موخر نہ کر ممکن ہے کل آئے اور تو نہ ہو۔

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ یعنی تمہیں ہلاک کر دے اور تمہیں جہنم میں داخل کر دے، قتادہ نے کہا: یہاں ظن کا لفظ علم کے معنی میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یموتنّ أحدُكم إلّا وهو یحسن الظنّ بالله فإنّ قوما أساء وا الظنّ بربّهم فأهلكم تم میں سے کوئی آدمی نہ مرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو اگر کوئی قوم اپنے رب کے بارے میں سوء ظن رکھے تو وہ انہیں ہلاک کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ کا یہی مطلب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا: کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں آرزوؤں نے غافل کر دیا ہے(1) یہاں تک کہ وہ دنیا سے نکلے تو ان کے لیے کوئی نیکی نہ تھی ان میں سے ایک کہتا ہے: میں اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں اور وہ جھوٹ بولتا ہے اگر وہ اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا تو حسن عمل کرتا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی۔ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قتادہ نے کہا: جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ وہ مرے تو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو تو وہ ایسا کرے کیونکہ گمان دو طرح کے ہیں ایک ظن نجات دیتا ہے اور ایک ظن ہلاک کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ بدکاریاں کرتے رہے تھے اور ان سے توبہ نہ کرتے تھے، وہ مغفرت کے بارے میں گفتگو کرتے تھے یہاں تک کہ وہ دنیا سے مفلس کی حیثیت سے نکلے پھر اس آیت کو پڑھا: وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾۔

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ اگر وہ دنیا میں جہنمیوں کے اعمال پر صبر کرتے رہے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ (بقرہ) جس طرح یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا اگر دنیا میں رضاء الٰہی کے طالب ہوتے جبکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہوں تو انہیں اللہ کی رضا نصیب نہیں ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ جہنم میں صبر کریں یا وہ جزع فزع کریں تو جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں جزع پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا کیونکہ مستعتب جزع کرتا ہے اور معتب اسے کہتے ہیں جس کی جزع قبول ہو، نابغہ نے کہا:

فإن أكُ مظلومًا فعبدٌ ظلمتَه ۔۔۔ وإنْ تكُ ذاعُتبى فمثلُك يُعتِبُ

اگر میں مظلوم ہوں تو ایسا بندہ ہوں جس پر تو نے ظلم کیا اگر تو رضا والا ہے تو تیری مثل ہی ناراضگی کا سبب دور کرتا ہے۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 416

یعنی تیری مثل ہی وہ ذات ہے جو صالحیت کو قبول کرتی ہے اور مراجعت کو قبول کرتی ہے جب اس سے اس کا سوال کیا جائے۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ہے محبت سے خطاب کرنا اور ناراضگی کا ذکر کرنا تو کہتا ہے: عاتبتہ معاتبۃ۔ میں نے اس سے ناراضگی اور محبت کے ساتھ اظہار کیا یہ کہا جاتا ہے: بینھم أعتوبۃ یتعاتبون بھا۔ یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: إذا تعاتبوا أصلح ما بینھم العتاب أعتبنی فلان، جب وہ ناراضگی سے میری خوشی کی طرف لوٹا۔ اس سے اسم عتبی آتا ہے اس سے مراد جس پر عتاب کیا جا رہا تھا وہ اس امر کی طرف لوٹا جس سے عتاب کرنے والا راضی ہوتا ہے۔ استعتب اور اعتب کا معنی ایک ہی ہے۔ استعتب کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے رضامندگی کا مطالبہ کیا تو کہتا ہے: استعتبتہ فاعتبنی میں نے اسے راضی کرنا چاہا تو اس نے مجھے راضی کر دیا۔ وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا معنی ہے انہوں نے رضا کو طلب کیا تو اس طلب نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بلکہ ان کے لیے جہنم ضروری ہے۔ تفاسیر میں یہ معنی لکھا ہوا ہے اگر وہ اپنے رب سے بخشش کے طالب ہوں گے تو وہ بخشے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے (1)۔ عبید بن عمیر اور ابو العالیہ نے اسے پڑھا أن یُسْتَعْتَبوا یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ۝ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی طرف لوٹا دے تب بھی وہ اس کی اطاعت والے عمل نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے کہ وہ بدبخت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: 28) یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلب نے کہا: جب وہ ناراض ہو تو کہا جاتا ہے اعتبہ جب وہ راضی ہو تو کہتے ہیں اعتب (2)۔

وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ نقاش نے کہا: ہم نے ان کے لیے شیاطین کو تیار کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان پر ایسے شیاطین مسلط کر دیے ہیں جو ان کے ہاں معاصی کو مزین کر کے پیش کرتے ہیں یہ جنوں، شیاطین اور انسانوں میں سے قرناء ہوں گے یہ کہا جاتا ہے: قیض اللہ فلانا بفلان۔ وہ اس کے پاس اسے لایا اور اس نے اس کے لیے قصد کیا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رزق کو مقرر کیا جس طرح میں اسے طلب کرتا تھا تقیض کا معنی بدل دینا ہے اسی سے مقایضہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قایضتُ الرجلَ مقایضۃ یعنی میں نے اس کے ساتھ سامان کے ساتھ مبادلہ کیا۔

فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ، مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے مراد امور دنیا ہیں ان شیاطین نے اسے ان کے لیے مزین کیا یہاں تک کہ اسے آخرت پر ترجیح دی وَ مَا خَلْفَهُمْ ان کی موت کے بعد مزین کیا اور انہیں امور آخرت کی تکذیب کی طرف دعوت دی؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ یعنی جہنم میں فَزَیَّنُوْا لَهُمْ دنیا میں ان کے اعمال کو مزین کیا معنی ہے ہم نے ان پر مقرر کیا کہ ایسا ہوگا اور ہم نے ان کے خلاف اس کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اقران کا محتاج کر دیا یعنی ہم نے فقیر کو غنی کا محتاج کر دیا تا کہ وہ اس سے لے اور غنی کو فقیر کا محتاج کر دیا ہے تا کہ وہ اس سے مدد لے تو ان میں سے بعض نے بعض کے لیے معاصی کو مزین کیا وَ مَا خَلْفَهُمْ کا عطف مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ پر نہیں بلکہ معنی ہے انہوں نے آخرت کو ان سے بھلا دیا، اس میں اضمار ہے۔ حضرت ابن عباس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 177 2۔ ایضاً

رضی اللہ عنہما نے کہا: مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ سے مراد ہے ان کا امور آخرت کو جھٹلانا اور وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے دنیا میں رغبت دلانا۔ زجاج نے کہا: مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ سے مراد ہے جو انہوں نے اعمال کیے (1) وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے انہوں نے جن اعمال کا ارادہ کیا۔ مجاہد کا قول پہلے گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے گناہ کیے اور وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد جو ان کے بعد عمل کیا جاتا رہا۔

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ ان پر عذاب ثابت ہو گیا جو عذاب ان سے قبل امتوں پر ثابت ہوا تھا جو کافر ہوئے جس طرح انہوں نے کفر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْٓ، مع کے معنی میں ہے معنی ہوگا وہ کافر امتوں کے ساتھ داخل ہوں گے جو ان سے قبل ہوئیں ایسے امور میں جن میں وہ داخل ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْٓ اُمَمٍ، فی جملۃ أمم کے معنی میں ہے اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

إِنْ تَكُ عَنْ أَحْسَنِ الصَّنِيعَةِ مَأْ فُوكًا فَفِي آخَرِينَ قد أَفكوا

شاعر یہ ارادہ کرتا ہے تو آخرین کے زمرہ میں ہے تو کوئی اکیلا نہیں۔ فِيْٓ اُمَمٍ محل نصب میں ہے عَلَيْهِمْ کی ضمیر سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہوگی حق علیهم القولُ كائنين فی جُملةِ أُمَمٍ۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ دنیا میں اپنے اعمال میں خسارہ اٹھانے والے اور قیامت کے روز اپنی ذاتوں اور اہل میں خسارہ اٹھانے والے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ۝

''اور کہنے لگے وہ کافر: مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم اس طرح غالب آجاؤ۔ پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب کا مزہ اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ، ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے، یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب ہمیں دکھا وہ دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تاکہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 178

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ جب الله تعالیٰ نے قوم ہود، قوم صالح اور دوسرے لوگوں کے کفر کا ذکر کیا تو قریش کے مشرکین کے بارے میں خبر دی اور یہ بتایا کہ انہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور کہا: لَا تَسْمَعُوْا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا تَسْمَعُوْا کا معنی ہے تم اطاعت نہ کرو یہ جملہ کہا جاتا ہے: سمعتُ لك، یعنی میں نے تیری اطاعت کی وَ الْغَوْا فِيْهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابو جہل نے کہا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھیں تو اس کے سامنے چیخنا چلانا شروع کر دیا کروتا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے نہ سمجھا جا سکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قرآن نے انہیں عاجز کر دیا تھا تو اس وقت انہوں نے کہا: مجاہد نے کہا: شور مچانے، سیٹیاں بجانے اور گفتگو میں خلط ملط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لغو ہو جائے (1)۔

ضحاک نے کہا: زیادہ گفتگو کیا کروتا کہ جو کچھ وہ کہیں وہ خلط ملط ہو جائے۔ ابو العالیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کہا ہے: اس میں عیب لگاؤ۔

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ ممکن ہے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت پر غالب آ جاؤ نہ وہ لوگوں پر غالب آئیگا اور نہ وہ دلوں کو مائل کرے گا۔

عیسیٰ بن عمر جحدری، ابن ابی اسحاق، ابو حیوہ اور بکر بن حبیب سہمی نے اسے والغُوا پڑھا ہے یہ لغا یلغو کی ایک لغت ہے۔ جماعت کی قراءت لغِی یَلْغیٰ مہدوی نے کہا: وَ الْغَوْا فِيْهِ کا معنی ہے اس کا سامنا ایسی کلام سے کرو جو سمجھ نہ آتی ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے لغوت، الغوِ اَلْغَى لغِی، یَلْغَى۔ یہ تین لغتیں ہیں۔ لغو کا معنی سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ لغوا سے کہتے ہیں جس کی حقیقت کا علم نہ ہو۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ ذوق محسوس ہوا کرتا ہے۔ عذاب شدید کا معنی یہ ہے جو پے درپے ہو منقطع نہ ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد تمام اجزاء میں عذاب ہے۔

وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی ہم آخرت میں ان کے ان برے اعمال کی جزا دیں گے جو عمل وہ دنیا میں کرتے رہے۔ اور اعمال میں سے سب سے برا شرک ہے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ یعنی وہ عذاب شدید اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی جزا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت النَّارُ سے کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے ذلك جزاء اعداء الله النار دار الخلود پڑھا ہے دار کو النار سے تعبیر کیا یہی آیت کا معنی ہے ذلك مبتدا ہے اور جزاء اس کی خبر ہے النار، جزا سے بدل ہے یا مضمر مبتدا کی خبر ہے اور جملہ پہلے جملہ کے بیان کے محل میں ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جہنم میں یہ بات کریں گے۔ اسے ماضی کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا مراد مستقبل ہے رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ، الذین سے مراد ابلیس اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا؛ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے اس قول کی تائید حدیث مرفوع کرتی ہے مَا مِنْ مُسْلِم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 178

یُقْتَلُ ظُلْمًا اِلَّا کَانَ عَلَی ابن آدم الْاَوَّل کفل من ذنبہ لِاَنَّہ اَوّل من سنّ القتل(1) جو مسلمان بھی ظلماً کسی کو قتل کرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے گناہ کا حصہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے قتل کیا تھا۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذِیْنَ اسم موصول تثنیہ ذکر کیا ہے مگر مراد جنس ہے کیونکہ دونوں جنسیں مختلف ہیں۔

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِیَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ ۝ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تاکہ ان سے شفا حاصل کریں کہ انہیں اپنے قدموں کے نیچے رکھیں الْاَسْفَلِیْنَ سے مراد ہے کہ وہ سب سے نچلے گڑھے میں ہوں۔ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ اس کے لیے عذاب کو کئی گنا کر دے جو جن وانس میں سے ان کی گمراہی کا سبب بنا تھا۔ ابن محیصن اور سوسی نے ابو عمرو، ابن عامر، ابو بکر اور مفضل نے اسے اَرْنَا پڑھا ہے یعنی راء ساکن ہے۔ ابو عمرو نے اس میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہے باقی نے کسرہ میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝

”بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ مہربانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے“۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اس کی وجہ یہ بنی کی مشرکین نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں تو انہوں نے استقامت کا مظاہرہ نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارا رب وحدہ لاشریک ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو آپ نے استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (3) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قراءت کی اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فرمایا: ”لوگوں نے یہ کہا پھر ان میں سے اکثر نے کفر کیا جو اس پر مر گیا تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا“۔ کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اس آیت کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق،

1۔ جامع ترمذی، کتاب العلم، ماجاء فی الدال، جلد 2، صفحہ 92

2۔ ایضاً، باب ماجاء الدال علی الخیر کفاعلہ، حدیث نمبر 2597، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ سجدہ، جلد 2، صفحہ 157

حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم سے معنی مروی ہے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے صحیح مسلم میں روایت مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام میں ایک ایسی نصیحت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں (1)۔ فرمایا: ''کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت کا اظہار کر''۔ ترمذی نے اس کا اضافہ کیا ہے میں نے عرض کی: یارسول اللہ! جس چیز کے بارے میں آپ مجھ پر زیادہ خوف کھاتے ہیں وہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی فرمایا: ''یہ'' (2) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا۔ اسود بن بلال نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: تم ان دو آیات کے بارے میں کیا کہتے ہو اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ انہوں نے جواب دیا: انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور گناہ نہ کیے اور اپنے ایمان کو خطا کے ساتھ خلط ملط نہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اسے ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو اس کا معنی نہیں ہے قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا مراد ہے وہ کسی اور الٰہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ (الانعام: 82) انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے طریقہ پر قائم رہے پھر انہوں نے لومڑی کے مکر جیسے مکر نہ کیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے پھر انہوں نے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے فرائض ادا کیے۔ تابعین کے اقوال بھی اسی معنی میں ہیں۔

ابن زید اور قتادہ نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر پر مستقیم رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے رہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا (3)۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: وہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت پر مستقیم رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ سفیان ثوری نے کہا: اس کے موافق عمل کیا۔ ربیع نے کہا: انہوں نے ماسوی اللہ سے اعراض کیا۔

فضیل بن عیاض نے کہا: فانی دنیا میں زہد اختیار کیا اور باقی (آخرت) میں رغبت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے مخفی طریقہ سے استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح اقرار میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے فعل میں اسی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح قول میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: رب کعبہ کی قسم! وہ میری امت ہیں۔ امام ابن فورک نے کہا: اس میں سین، طلب کی سین ہے جس طرح استسقی میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جامع اوصاف الاسلام، جلد 1، صفحہ 48

2۔ جامع الترمذی، بہاب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر 2334، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417

سوال کیا کہ وہ انہیں دین پر ثابت رکھے۔ حضرت حسن بصری جب اس آیت کو پڑھا کرتے تو کہتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت عطا فرما (1)۔

میں کہتا ہوں: اگر چہ ان اقوال میں مفہوم باہم ملا ہوا ہے ان کی تلخیص یہ ہے عقیدہ، قول اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اعتدال سے کام لو اور اس پر ہمیشگی اختیار کرو۔

**تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ** ابن زید اور مجاہد نے کہا: یہ موت کے وقت ہوگا (2)۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: جب وہ اپنی قبروں سے بعث کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آخرت میں فرشتوں کی جانب سے ان کے لیے بشارت ہوگی۔ وکیع اور ابن زید نے کہا: بشارت تین مقامات پر ہوگی موت، قبر اور دوبارہ اٹھانے کے وقت (3)۔

**اَلَّا تَخَافُوْا** اصل میں بألاتخافوا تھا تو حرف جار کو حذف کر دیا گیا۔ مجاہد نے کہا موت سے نہ ڈرو۔ **وَ لَا تَحْزَنُوْا** اپنی اولاد پر غم نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ان پر نائب ہے۔ عطا بن ابی رباح نے کہا: اپنے ثواب کے رد کا خوف نہ کرو کیونکہ وہ مقبول ہے، اپنے گناہوں کا غم نہ کرو کیونکہ میں انہیں تمہارے حق میں بخشنے والا ہوں۔ عکرمہ نے کہا: آنے والے وقت کا خوف نہ کرو اور اپنے گناہوں پر غمگین نہ ہو۔

**نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ** یہ بات انہیں فرشتے کہیں گے جو بشارت لے کر ان پر نازل ہوں گے۔ مجاہد نے کہا: ہم تمہارے ساتھی ہیں دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جب قیامت کا دن ہوگا تو کہیں گے: ہم تم سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تمہیں جنت میں داخل کر دیں۔ سدی نے کہا: ہم دنیا میں تمہارے اعمال کے محافظ تھے اور آخرت میں تمہارے دوست ہوں گے (4)۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہو کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی اور مولیٰ ہے۔

**وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ** یعنی لذت والی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا **وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱** جو تم سوال کرتے ہو اور جس کی تم تمنا کرتے ہو **نُزُلًا** سے مراد رزق اور ضیافت ہے۔ سورۂ آل عمران مین یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے انزلناہ نزلا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نازل کی جمع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لکم ماتدعون نازلین، **تَدَّعُوْنَ** میں جو ضمیر مرفوع ہے اس سے حال ہے یا لَكُمْ میں جو ضمیر مجرور ہے اس سے حال ہے۔

**وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳ وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ**

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 180 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

''اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا کہ میں تو اپنے رب کے فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس نیکی سے کرو جو بہتر ہے ناگہاں وہ شخص تیرے اور اس کے درمیان میں عداوت یوں بن جائیگا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان خصائل حمیدہ کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور اے سننے والے! اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ، یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا جنہوں نے قرآن میں لغو بات کرنے کی ایک دوسرے کو وصیت کی تو انہیں شرمندہ کیا جا رہا ہے معنی ہے قرآن سے بہتر کون سا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دینے والے سے بہتر قول میں کون اچھا ہو سکتا ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ ابن سیرین، سدی، ابن زید اور حسن بصری نے کہا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (1)۔ حضرت حسن بصری جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ حبیب اللہ ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں، اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور لوگوں کو ایسے امر کی طرف دعوت دی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ، عکرمہ، قیس بن ابی حاتم اور مجاہد نے کہا: یہ آیت موذنوں کے حق میں نازل ہوئی۔ فضیل بن رفیدہ نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کا موذن تھا مجھے عاصم بن ہبیرہ نے کہا: جب تو آذان کہے اور تو کہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، تو کہہ میں مسلمانوں میں سے ہوں پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

ابن عربی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آذان مدنی ہے آذان آیت میں معنی کے اعتبار سے داخل ہو جائے گی نہ یہ کہ یہ قول کے وقت مقصود تھی اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی داخل ہوں گے جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس وقت کہا جب ملعون لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے کو دبایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (غافر: 28) یہ آیت ان تمام کلاموں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جن میں توحید اور ایمان کا ذکر ہو۔

میں کہتا ہوں: تیسرا قول ہے یہ سب سے اچھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت ہر اس آدمی میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی (2)۔ قیس بن ابی حازم نے یہی کہا ہے کہا: یہ ہر مومن کے بارے میں نازل ہوئی وَعَمِلَ صَالِحًا کا معنی ہے آذان اور اقامت کے درمیان نماز۔ ابو امامہ نے کہا: آپ نے آذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ عکرمہ نے کہا: وَعَمِلَ صَالِحًا سے مراد ہے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ کلبی نے کہا: فرائض ادا کیے (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے اچھی تعبیر ہے جبکہ وہ محارم سے اجتناب اور مستحب امور کو کثرت سے بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 418 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 419 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 181

جانتا ہے وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ابن عربی نے کہا: جو بحث پہلے گزر چکی ہے (1) وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں اسلام مراد ہے لیکن جب قول اور تلوار کے ساتھ دعوت اعتقاد اور غلبہ کے لیے ہوتی ہے اور عمل ریاء اور اخلاص کے لیے ہو سکتا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وضاحت ضروری ہے ان سب میں اعتقاد اللہ کے لیے ہے اور عمل اس کی رضا کی خاطر ہے۔

مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ اسے یہ نہیں فرمایا کہ کہے: ان شاء اللہ۔ اس میں اس آدمی کا رد ہے جو یہ کہتا ہے: أنا مسلم ان شاء اللہ۔

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ فراء نے کہا: لا زائدہ ہے کلام یوں ہے ولا تستوی الحسنة والسیئة اور یہ شعر پڑھا:

ما كان يَرْضَى رسولُ الله فِعْلَهُمُ والطَّيِّبانِ أبو بكرٍ ولا عمرُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر دونوں پاکیزہ ہستیاں ان کے عمل پر راضی نہ تھے۔ شعر میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ارادہ کیا یعنی توحید جس پر آپ ہیں اور شرک جس پر مشرک ہیں برابر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سیئہ شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنہ سے مراد طاعت ہے اور سیئہ سے مراد شرک ہے بعینہ یہ پہلا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنہ سے مراد عفو و درگزر ہے اور سیئہ سے مراد انتقام ہے۔ ضحاک نے کہا: حسنہ سے مراد علم ہے اور سیئہ سے مراد فحش ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حسنہ سے مراد آل رسول سے محبت ہے اور سیئہ سے مراد ان سے بغض ہے (2)۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ آیت سیف کی وجہ سے یہ منسوخ ہے اور اس میں سے مستحب باقی ہے وہ حسن معاشرت، برداشت کرنا اور چشم پوشی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آدمی تیرے ساتھ جہل سازی کرتا ہے اپنے حلم کے ساتھ اس کے جہل کو دور کرے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: مراد ایسا آدمی ہے جو دوسرے کو گالی دیتا ہے دوسرا کہتا ہے: اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے، اسی طرح ایک اثر مروی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی بات ایک ایسے آدمی سے کہی جس سے آپ نے اس قسم کی اذیت پائی تھی۔

مجاہد نے کہا: بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ سے مراد یہ ہے سلام کہنا جب وہ اپنے دشمن سے ملے؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک تیسرا قول ہے جو قاضی ابوبکر بن عربی نے احکام میں ذکر کیا ہے (3) جو مصافحہ ہے ایک اثر میں ہے تصافحوا یذهب الغل (4) باہم مصافحہ کیا کرو کینہ جاتا رہتا ہے۔ امام مالک مصافحہ کی رائے نہ رکھتے تھے آپ کی سفیان کے ساتھ ملاقات ہوئی اور مصافحہ کے بارے میں گفتگو کی۔ سفیان نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر طیار سے اس وقت مصافحہ کیا تھا جب آپ حبشہ سے واپس لوٹے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ حکم خاص ہے۔ سفیان نے ان سے کہا: جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص ہے وہ ہمارے لیے بھی خاص ہے جو آپ کے لیے عام ہے وہ ہمارے لیے بھی عام ہے، مصافحہ ثابت ہے اس

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1662
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1663
4۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، ماجاء فی المهاجرة، صفحہ 7-706

کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

قتادہ نے روایت کی ہے کہا میں نے حضرت انس سے کہا: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ کا معمول تھا(1)؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ایک اثر ہے: محبت کا کمال ہاتھ پکڑنا ہے۔ محمد بن اسحاق (جو امام مقدم ہے) زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے جبکہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھے جبکہ جسم پر پورا لباس نہ تھا الله کی قسم! میں نے اس سے قبل اور اس کے بعد آپ کو بے لباس نہ دیکھا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ معانقہ کیا اور اسے بوسہ دیا(2)۔

میں کہتا ہوں: امام مالک سے مصافحہ کا جواز مروی ہے یہی علماء کی جماعت کا نقطہ نظر ہے۔ سورۂ یوسف میں یہ بحث گذر چکی ہے وہاں ہم نے حضرت براء کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے وجہ دونوں میں محبت اور خلوص ہوا کرتی ہے تو ان کے گناہ ان دونوں کے درمیان گرا دیے جاتے ہیں''(3)۔

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یعنی قریبی دوست۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوسفیان بن حرب کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا پہلے وہ دشمن تھا بعد میں رشتہ مصاہرت کی وجہ سے دوست بن گیا پھر وہ اسلام لے آیا۔ اسلام میں ولی اور قرابت میں حمیم بن گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیا کرتا الله تعالیٰ نے نبی کریم کو اس پر صبر اور درگزر کا حکم دیا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے(4)۔ پہلا قول ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے حکم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الله تعالیٰ نے اس آیت میں غضب کے وقت صبر، جہل کے وقت حلم، زیادتی کے وقت عفو کا حکم دیا جب لوگ ایسا کرتے ہیں تو الله تعالیٰ انہیں شیطان سے محفوظ رکھتا ہے اس کے دشمن کو زیر کر دیتا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی شیر خدا کے غلام قنبر کو گالی دی حضرت علی شیر خدا نے اپنے غلام کو آواز دی: اے قنبر! اپنے گالی دینے والے کو چھوڑ دو، اس سے بے نیاز ہو جا رحمٰن تجھ سے راضی ہوگا شیطان ناراض ہوگا اور تو اپنے گالی دینے والے کو سزا دے گا احمق کو اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں کہ اس کو جواب نہ دیا جائے انہوں نے یہ اشعار ذکر کیے:

وَلَلْكَفُّ عن شَتْمِ اللئيم تكرُّمًا أَضَرُّ له مِنْ شَتْمِهِ حين يُشْتَمُ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ماجاء فی المصافحہ، جلد 2، صفحہ 97

2۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ماجاء فی المصافحۃ، جلد 2، صفحہ 98-97

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی المصافحۃ، جلد 2، صفحہ 352

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182

شرافت کی بنا پر کمینے آدمی کو گالی پر جواب نہ دینا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے بنسبت اس کے کہ گالی کے وقت اسے گالی دی جائے۔

ایک اور نے کہا:

وما شيءٌ أحبُّ إلى سفيهٍ إذا سَبَّ الكَرِيمَ مِنَ الْجَوَابِ
مُتَارَكَةُ السَّفِيهِ بلا جوابٍ أَشَدُّ على السَّفِيهِ من السِّبابِ

بے وقوف کے لیے جو سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں جب وہ جو کریم کو گالی دے۔ جواب کے بغیر سفیہ کو چھوڑ دینا سفیہ بے وقوف کے لیے گالی دینے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

محمود وراق نے کہا:

سَأُلزِمُ نفسي الصَّفْحَ عن كلّ مذنبٍ وإن كَثُرَتْ منه لَدَيَّ الْجَرائِمُ

میں ہر گناہگار سے درگزر کرنا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں اگرچہ اس کے جرائم میرے ہاں بہت زیادہ ہو جائیں۔

فما الناس إلّا واحِدٌ من ثلاثةٍ شريفٌ ومَشْروفٌ ومِثْلٌ مقاوِمُ
فأمّا الذي فَوْقي فَأَعرِفُ قَدْرَهُ وَأَتْبَعُ فيه الْحَقَّ وَالحَقُّ لازِمُ

لوگ تینوں میں سے ایک ہی ہوتا ہے شریف، کمینہ اور مدمقابل جو مجھ سے بلند مرتبہ ہے میں اس کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہوں اور میں اس کے بارے میں حق کی اتباع کرتا ہوں اور حق لازم ہے۔

وأمّا الذي دوني فإنْ قال صُنْتُ عن إجابَتِه عِرضي وإن لَامَ لَائِمُ

جو مجھ سے مرتبہ میں کم ہے اگر وہ کچھ بات کرے تو میں اپنی عزت کو اس کا جواب دینے سے محفوظ رکھتا ہوں اگرچہ ملامت کرنے والا ملامت کرے۔

وأمّا الذي مِثْلِي فإنْ زَلَّ أوهفَا تَفَضَّلْتُ إنّ الفَضْلَ بالحِلم حاكِمُ

جو مرتبہ میں میری مثل ہے اگر وہ لغزش کرے تو میں بڑائی کا اظہار کروں بے شک فضیلت کا فیصلہ حلم کے ساتھ ہی ہونے والا ہوتا ہے۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ ھا ضمیر سے مراد معزز فعل اور اعلیٰ خصلت ہے اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا جو غصہ پی کر اور اذیت برداشت کر کے صبر کرتے ہیں وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ حظ عظیم سے مراد بھلائی میں سے وافر حصہ ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1): قتادہ اور مجاہد نے کہا: حَظٍّ عَظِيْمٍ سے مراد جنت ہے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حظ جنت کے بغیر کبھی بھی عظیم نہیں ہوتا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُلَقّٰهَآ میں ضمیر سے مراد جنت ہے یعنی جنت صرف صابر لوگ ہی پاتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی مت سجدہ کرو سورج اور چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر بھی اگر وہ تکبر کرتے رہیں تو ان کی قسمت' پس وہ فرشتے جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ کسی وقت خشک بنجر ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں ان پر بارش کا پانی تو جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے، بے شک وہ قادر مطلق ہے جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کا بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

اٰیٰتِهٖ سے مراد وہ علامات ہیں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہے الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ پھر ان دونوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا اگرچہ یہ دونوں عظیم مخلوق ہیں لیکن ان میں یہ فضیلت ان کی حالت کی وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ عبادت کے مستحق بن جائیں کیونکہ ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو نیست و نابود کر دے یا ان کے نور کو ختم کر دے۔

وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے انہیں صورت عطا کی اور انہیں مسخر کیا ضمیر سورج، چاند، رات اور دن کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خاص کر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ تثنیہ بھی جمع ہوا کرتا ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر آیات کے معنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ضمیر کو مونث ذکر کیا ہے جمع مذکر ہونے کی بنا پر اس میں مذکر و مونث کے اعتبار سے تغلیب کا قاعدہ جاری نہیں کیا کیونکہ یہ ایسے اسماء ہیں جو ذوالعقول ہیں۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا یعنی کفار اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اسم موصول سے مراد ملائکہ ہیں یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں اکتاتے۔ زہیر نے کہا:

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَا لَكَ يَسْأَمِ

میں زندگی کے امور سے اکتا گیا اور جو آدمی اسی سال کا ہو جائے۔ تیرا باپ نہ رہے۔ وہ اکتا جاتا ہے۔

**مسئلہ:** یہ آیت بلا اختلاف آیۂ سجدہ ہے سجود کے محل کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کا

محل اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ہے کیونکہ یہ امر کے ساتھ متصل ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء تَعْبُدُوْنَ پر سجدہ کرتے تھے۔ ابن وہب اور امام شافعی نے کہا: اس کا محل وَ هُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ہے کیونکہ یہی کلام کا تمہ، عبادت اور اطاعت کی غایت ہے امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما: يَسْئَمُوْنَ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ان دونوں میں سے اخری پر سجدہ کرو۔ مسروق، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابراہیم نخعی، ابوصالح، یحییٰ بن وثاب، طلحہ، زبید یمانی، حسن بصری اور ابن سیرین سے اسی طرح مروی ہے۔ ابووائل، قتادہ اور بکر بن عبداللہ يَسْئَمُوْنَ پر سجدہ کیا کرتے تھے(1)۔ ابن عربی نے کہا: امر قریب ہے(2)۔

**مسئلہ**: ابن خویز منداد نے ذکر کیا ہے یہ آیت چاند گرہن اور سورج گرہن والی نماز کو متضمن ہے کیونکہ عرب کہا کرتے تھے: سورج اور چاند کو گرہن عظیم آدمی کی وفات سے ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلاۃ کسوف پڑھی ہے۔

میں کہتا ہوں: صلاۃ کسوف صحاح بخاری و مسلم وغیرہما میں ثابت ہے اس نماز کی کیفیت میں بہت زیادہ اختلاف ہے کیونکہ آثار مختلف ہیں صحیح مسلم میں جو کچھ ہے وہ تیرے لیے کافی ہے اس باب میں وہی بہترین ہے، اللہ تعالیٰ صحیح کی توفیق دینے والا ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً خطاب ہر دانشمند کو ہے اس کی آیات جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً تو زمین کو خشک اور بنجر دیکھے گا۔ یہ زمین کی خشوع سے صفت بیان کرنا ہے۔ نابغہ نے کہا:

رمادٌ ككُحْلِ العَيْنِ لَأْيًا أُبِينُهُ وَنُؤْيٌ كَجِذْمِ الحَوْضِ أَثْلَمُ خَاشِعُ

الْاَرْضَ خَاشِعَةً سے مراد ایسی مٹی ہے جو فصل نہ اگائے بلد خاشعة سے مراد ایسی زمین ہے جس کی کوئی منزل نہ ہو اسی طرح مکان خاشع ہے۔

فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ یعنی نباتات سے جھومنے لگتی ہے(3)، یہ مجاہد کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اهتز الانسان یعنی انسان نے حرکت کی اسی معنی میں یہ قول ہے:

تراه كَنَصْلِ السيفِ يَهْتَزُّ لِلنَّدى تو اسے دیکھے گا کہ وہ تلوار کے پھل کی طرح سخاوت کے لیے جھومتا ہے۔

وَ رَبَتْ وہ پھول جاتی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے یعنی اپنی موت کے بعد نباتات سے اوپر کو اٹھ آتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے ربت و اهتزت، اهتزاز اور ربو بعض اوقات زمین سے نکلنے سے پہلے ہوتا ہے اور بعض اوقات سطح زمین کی طرف نکلنے کے بعد ہوتا ہے اس کے ربو سے مراد اس کا بلند ہونا ہے بلند جگہ کو ربوة اور رابية کہتے ہیں نبات ظاہر ہونے کے لیے حرکت کرتی ہے پھر طولاً اور عرضاً اس کا جسم بڑا ہو جاتا ہے۔ ابوجعفر اور خالد نے وربأت پڑھا ہے اس کا معنی عظیم الجثہ ہونا ہے، یہ ربيئة سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بارش سے خوش ہوئی اور نبات سے پھول گئی زمین جب

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 419 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 184 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1664

نبات سے پھٹتی ہے تو خشک کے ساتھ اس کی صفت بیان کی جاتی ہے اس کی صفت استبشار سے لگانا بھی جائز ہے کہ ربواور اهتزاز ایک ہی چیز ہے یہ نبات کے نکلنے کی حالت ہے۔ سورۂ حج میں یہ معنی گذر چکا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰىؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ کئی مواقع پر اس کی بحث گذر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَاؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ۝ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۝ مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ۝

"بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئیگا امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم وہ کرو جو تمہاری مرضی، یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خود دیکھ رہا ہے۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا تو (وہ ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بے شک وہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے اس کے نزدیک نہیں آ سکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کچھ کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بے شک آپ کا پروردگار اہل ایمان کے لیے بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لیے) دردناک عذاب دینے والا ہے"۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا یعنی ہمارے دلائل میں حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ الحاد کا معنی ایک طرف جھکنا اور صراط مستقیم کو چھوڑنا ہے اسی سے قبر میں لحد ہے کیونکہ اسے قبر سے ایک طرف بنایا گیا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: الحد فی دین اللہ یعنی اس سے ایک طرف ہو گیا لَحَدَ اس میں ایک لغت ہے یہ کلام بھی انہیں کے متعلق ہے جنہوں نے کہا: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیات میں الحاد کیا اور حق سے ایک طرف جھک گئے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے وہ شعر ہے یا جادو ہے۔ آیات سے مراد قرآن کی آیات ہیں۔ مجاہد نے کہا: یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا سے مراد ہے وہ قرآن کی تلاوت کے موقع پر شور کرنے، لغو اور غناء کرنے کے ساتھ الحاد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی کلام کو تبدیل کرنا اور بے موقع اسے رکھنا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے وہ ہماری آیات میں جھوٹ بولتے ہیں (1)۔ سدی نے کہا: وہ دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ شرک کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں، سب معنی قریب قریب ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 185

مقاتل نے کہا: یہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات سے مراد معجزات ہیں، یہ پہلے قول کی طرف راجع ہے کیونکہ قرآن حکیم معجز ہے۔

اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ کہا: وہ جسے منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کے نزدیک وہ ابوجہل ہے خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَّنْ یَّاْتِیْۤ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مومنین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے جسے آگ میں پھینکا جائے گا اس سے مراد کافر ہے جو قیامت کے روز امن سے آئے گا وہ مومن ہے۔ یہ ابن بحر کا قول ہے (1)۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ یہ امر تہدید کے لیے ہے یہ جاننے کے بعد کہ وہ برابر نہیں ہو سکتے تو تمہارے لیے جزاء لازمی ہے اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ یہ تہدید کے ساتھ وعید اور وعدہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ تمام کے اقوال میں یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس میں احکام ہیں جن کی انہیں ضرورت ہے خبر محذوف ہے تقدیر کلام ھالکون أو معذبون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خبر اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ۝ درمیان میں مَا یُقَالُ لَكَ جملہ معترضہ ہے پھر ذکر کی طرف کلام کو لوٹایا اور فرمایا وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ پہلا قول پسندیدہ ہے۔ نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک سب اقوال درست ہیں جنکا میں علم رکھتا ہوں۔

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۝ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے ایک قول یہ مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے معزز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عزیز کا معنی کریم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غالب کیا ہے باطل اس میں راہ نہیں پا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مناسب یہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کی عظمت شان کا اظہار کیا جائے اور اس میں کوئی لغو عمل نہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اس چیز سے محفوظ ہے کہ شیطان اس میں تبدیلی کرے؛ یہ سدی کا قول ہے (2)۔ مقاتل نے کہا: یہ شیطان اور باطل سے محفوظ ہے۔ سدی نے کہا: یہ غیر مخلوق ہے اس کی کوئی مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عزیز کا معنی ہے اس سے ممتنع ہے کہ لوگ اس قسم کی کلام کریں (3)۔

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ جو اس سے قبل نازل ہوا وہ اس کی تکذیب نہیں کرتا اور نہ اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہوگی جو اسے باطل اور منسوخ کر دے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ سدی اور قتادہ نے کہا: اس کے پاس شیطان نہیں آتا وہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس میں تبدیلی کرے نہ اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کمی کر سکتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس میں تکذیب داخل نہیں ہو سکتی۔ ابن جریج نے کہا: اس میں باطل نہیں آسکتا جو ان چیزوں میں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 185 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

جن کی زمانہ گذشتہ کے اعتبار سے خبر دی اور نہ ہی اس میں جن کی زمانہ آئندہ کے اعتبار سے خبر دی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ سے مراد اللہ تعالیٰ اور مِنۡ خَلۡفِهٖ سے مراد حضرت جبریل امین ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی مخلوق میں حکیم اور محمود ہے۔ قتادہ نے کہا اپنے امر میں حکیم اور اپنی مخلوق میں محمود ہے (2)۔

مَا يُقَالُ لَكَ اذیت اور تکذیب میں سے جو بات کی جاتی ہے اِلَّا مَا قَدۡ قِيۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِكَ اس میں اپنے نبی کو تسلی دینا مقصود ہے اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ تجھے اور تیرے صحابہ کو بخشنے والا ہے ذُوۡ عِقَابٍ اَلِيۡمٍ۝ تیرے دشمنوں کے لیے دردناک عذاب دینے والا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو جو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ لَقَدۡ اُوۡحِيَ اِلَيۡكَ وَ اِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65) یعنی آپ انہیں دعوت نہ دیں مگر اسی کی طرف جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں اس لیے وہ آپ کا انکار کرتے ہیں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استفہام ہے تقدیر کلام ہے: ای شیٔ یقال لك الا ما قیل للرسل من قبلك۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّ رَبَّكَ نئی کلام ہے اس سے قبل کلام مکمل ہے جب خبر مضمر ہو، ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام مَا يُقَالُ لَكَ کے ساتھ متصل ہے اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ وَّ ذُوۡ عِقَابٍ اَلِيۡمٍ۝ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انذار اور تبشیر کا حکم دیا گیا ہے۔

وَ لَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا لَّقَالُوۡا لَوۡ لَا فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعۡجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِيۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّ هُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِيۡدٍ۝

''اور بالفرض ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں کیا (اچھا ہے) کتاب عجمی اور نبی عربی۔ آپ فرمایئے: یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر ہر حال میں مشتبہ رہتا ہے، انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ لَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا یعنی یہ عربی لغت میں نہ ہوتا لَّقَالُوۡا لَوۡ لَا فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ یعنی اس کی آیات ہماری زبان میں کیوں نہ بیان کی گئیں کیونکہ ہم عرب ہیں ہم عجمی زبان کو تو نہیں سمجھتے تو یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اعجاز کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے کیونکہ نظم و نثر کے اعتبار سے وہ کلام کی اقسام کو خوب جانتے تھے۔ جب وہ اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے تو یہ سب سے قوی دلیل بن گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اگر یہ عجمی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 186 2۔ ایضاً

زبان میں ہوتا تو کہتے ہمیں اس زبان کا علم نہیں۔

**مسئلہ نمبر** 2۔ جب یہ بات ثابت ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ قرآن عربی ہے اور یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے یہ عجمی زبان میں نازل نہیں ہوا اور جب اسے کسی اور زبان میں نقل کیا جائے گا وہ قرآن نہ ہوگا۔

**مسئلہ نمبر** 3۔ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ابو بکر، حمزہ، کسائی نے اسے ااعجمی و عربی دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ عجمی اسے کہتے ہیں جو عربی نہ ہو خواہ فصیح ہو یا نہ ہو اعجمی اسے کہتے ہیں جو فصیح نہیں ہوتا وہ عربی ہو یا عجمی ہو۔ اعجم، فصیح کی ضد ہے وہ وہ ہوتا ہے جو اپنے کلام کی وضاحت نہیں کر سکتا حیوان جو غیر ناطق ہے اسے اعجم کہتے ہیں اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: صلاۃ النہار عجماء اس میں قراءت بلند آواز سے نہیں کی جاتی۔ اعجم کی طرف نسبت زیادہ موکد ہے کیونکہ عجمی کی طرف نسبت بیان میں زیادہ موکد ہے معنی ہوگا کیا قرآن عجمی اور نبی عربی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ حضرت حسن بصری، ابو العالیہ، نصر بن عاصم، مغیرہ اور ہشام نے ابن عامر سے اعجمی ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا اس کی آیات کو کیوں بیان نہیں کیا گیا ان میں سے کوئی عربی تھا تو وہ عربی سمجھ لیتا اور کوئی عجمی تھا تو وہ عجمی سمجھ لیتا۔

سعید بن جبیر نے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے کہا: قرآن عجمی اور عربی کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کی بعض آیات عجمی ہوتیں اور بعض عربی ہوتیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی قرآن حکیم میں ہر لغت سے کچھ نہ کچھ نازل کیا گیا ہے ان میں سجیل بھی ہے یہ فارسی ہے اس کی اصل سنگ گِل ہے یعنی مٹی اور پتھر۔ اسی سے ایک لفظ فردوس ہے یہ رومی زبان کا لفظ ہے اسی طرح قسطاس ہے۔ اہل حجاز، ابو عمرو، ابن ذکوان اور حفص نے استفہام کے انداز میں پڑھا ہے مگر انہوں نے اپنے اصول کے مطابق ہمزہ کو لین کر کے پڑھا ہے صحیح قراءت استفہام کی قراءت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قرآن شک، ریب اور درد سے ہدایت اور شفا ہے ہر اس آدمی کے لیے جو اس پر ایمان لایا۔

وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ یعنی قرآن کے سننے سے بہرے ہیں، اسی وجہ سے وہ آپس میں باہم لغو عمل کی وصیت کرتے ہیں اس آیت کی مثل وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ (الاسراء) ہے یہ بحث مکمل گذر چکی ہے عام قراءت عَمًى ہے یہ مصدر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ اور سلیمان بن قتہ نے اسے دھو علیہم عمِ میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کے لیے وہ واضح نہیں ابو عبید نے پہلی قراءت کو پسند کیا کیونکہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کیونکہ پہلا قول ہے: هُدًى وَّ شِفَآءٌ اگر یہ ھاد اور شاف ہوتا تو عمی میں کسرہ عمدہ ہوتا تا کہ یہ نعت ہوتا تقدیر کلام یہ بنتی ہے جو ایمان نہیں رکھتے قبول کو ترک کرنے میں ان کے قائم مقام ہیں جن کے کانوں میں ثقل ہے اور قرآن ان پر عمی والا ہے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَقْرٌ ہی ان پر عَمًى ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۴۴﴾ یہ قول اس آدمی کے لیے کیا جاتا ہے جو تمثیل کو نہیں سمجھتا۔ اہل لغت نے حکایت

بیان کی ہے کہ جو آدمی سمجھتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تسمع من قریب اور جو نہیں سمجھتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تنادی من بعید گویا اسے دور سے ندا دی جاتی ہے تو وہ آواز کو نہیں سنتا اور اسے نہیں سمجھتا۔ ضحاک نے کہا: قیامت کے روز انہیں قبیح ترین نام سے بلایا جائے گا مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ یہ ان کے لیے شدید ترین ہوگا مقصد انہیں شرمندہ کرنا اور ذلیل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے قرآن میں تدبر نہیں کیا تو وہ امی اور اصم کی طرح ہوگا تو اسے دور کے مکان سے ندا کی جاتی ہے بلانے والے کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تو وہ نہیں سنتا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور مجاہد نے کہا: وہ ان کے دلوں سے دور ہے (1)۔ تفسیر میں ہے گویا انہیں آسمان سے ندا کی جاتی ہے تو وہ اسے نہیں سنتے؛ نقاش نے یہ معنی بیان کیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿٤٥﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾

"اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات طے نہ ہوئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ کردیا جاتا ان کے درمیان اور بے شک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کردینے والا ہے۔ جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"۔

الْكِتٰبَ سے مراد تورات ہے فَاخْتُلِفَ فِيْهِ یعنی کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے جھٹلایا۔ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے یعنی آپ کی قوم جو آپ کی کتاب میں اختلاف کرتی ہے وہ آپ کو غمگین نہ کرے جو آپ سے قبل انبیاء ہو گزرے ہیں ان کی کتابوں میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ یعنی انہیں مہلت دینے کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے عذاب کے جلدی آنے کا فیصلہ کردیا جاتا۔ وہ قرآن کے بارے میں سخت شک میں مبتلا ہیں۔ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ کلبی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے عذاب کو قیامت تک موخر نہ کرتا تو انہیں عذاب آچکا ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے ساتھ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے عذاب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی صلبوں سے مومن نکلنے والے تھے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ یہ کلام شرط اور جواب ہے، اسی طرح یہ کلام ہے وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا اللہ تعالیٰ بندوں کی اطاعت سے مستغنی ہے پس جو اطاعت کرے اس کے لیے ثواب ہے اور جو برائی کرے عقاب اسی پر ہوگا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے تھوڑے اور زیادہ ظلم سے نفی کی۔ جب مبالغہ کی نفی ہوئی تو غیر کی بھی نفی ہوگئی اس کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 187

دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا (یونس: 44) عادل ثقہ، ائمہ ثبات نے زاہد عادل سے امین ارض سے وہ امین السماء سے وہ رب تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان حرام کر دیا تم باہم ظلم نہ کیا کرو نیز وہ حکیم و مالک ہے مالک اپنی مملوکہ چیز میں جو تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنی مملوکہ چیز میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ﴿۴۷﴾ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ ظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۴۸﴾

"اسی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر، اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا، اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں"۔

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی کب وہ قائم ہوگی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: اے محمد! اگر تو نبی ہے تو ہمیں بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ من زائدہ ہے، مراد ہے جو اس کا پھل نکلتا ہے مِّنْ اَكْمَامِهَا اپنے برتنوں سے۔ اکمام پھلوں کے برتن ہوتے ہیں اس کی واحد کمۃ ہے یہ مال اور دوسری چیزوں کا برتن ہوتا ہے اسی وجہ سے گابھے کے چھلکے کو کمۃ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کمہ، کفریٰ اس وقت ہوتا ہے جو ابھی پھٹا نہ ہو جب وہ پھٹ جائے تو وہ کمہ نہیں ہوتا۔ سورۃ الرحمٰن میں اس کی مزید وضاحت آئیگی۔ نافع، ابن عامر اور حفص نے جمع کا صیغہ مِنْ ثَمَرٰتٍ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ پڑھا ہے مراد جمع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى یہاں بھی جمع مراد ہے فرماتا ہے: قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس طرح پھلوں اور بچوں کے جننے کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ندا کرے گا: اَیْنَ شُرَكَآءِیْ دنیا میں جن کے بارے میں تم گمان کیا کرتے تھے کہ وہ الہ ہیں اور سفارش کریں گے وہ کہاں ہیں؟ قَالُوْۤا بتوں نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مشرک ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مراد عابد اور معبود سب ہیں اٰذَنّٰكَ ہم نے تجھے سنایا اور تجھے آگاہ کیا کہا جاتا ہے آذن یؤذن جب وہ آگاہ کرے، کہا:

آذَنَتْنَا بِبَیْنِهَا أَسْمَاءُ اسماء نے اپنے بیٹوں کے بارے میں ہمیں آگاہ کیا۔

مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ﴿۴۷﴾ ہم تجھے آگاہ کرتے ہیں ہمارے پاس کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کی گواہی دے کہ تیرا کوئی شریک ہے۔ جب انہوں نے قیامت کو دیکھا تو انہوں نے بتوں سے براءت کا اظہار کیا اور بتوں نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا، جس طرح یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ دنیا میں جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ آگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں یہاں ماحرف ہے اسم نہیں اس وجہ سے ظن نے اس میں عمل نہیں کیا اور فعل کو ملغا کر دیا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی و ظنوا انھم مالھم من محیص ولا مھرب یہ جملہ کہا جاتا ہے حاص، یحیص حیصا و محیصا جب وہ بھاگ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ظن، غالب رائے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس میں انہیں کوئی شک نہیں کہ وہ جہنمی ہیں لیکن وہ یہ طمع کرتے ہیں کہ اس سے نکل جائیں گے، یہ کوئی بعید نہیں کہ ان کا ظن اور رجا ان کے مایوس ہونے تک رہے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝۴۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۰ وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝۵۱

"نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے سے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جانب سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے: میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لیے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا (یہ احمق کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کئے اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔ اور جب ہم احسان فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے"۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ بھلائی کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا۔ یہاں خیر سے مراد مال، صحت، غلبہ اور عزت ہے۔ سدی نے کہا: یہاں انسان سے مراد کافر ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ولید بن مغیرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن خلف۔ عبداللہ کی قراءت میں لایسئمر الانسان من دعاء المال ہے۔

وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ شر سے مراد فقر اور مرض ہے، اگر اسے فقر اور مرض پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَيَـُٔوْسٌ دعا کی قبولیت کے حوالے سے اور قنوط اپنے رب کے بارے میں سوء ظن کے حوالے سے ذکر کیا ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَيَـُٔوْسٌ سے مراد ہے کہ اسے جو تکلیف لاحق ہے اس کے زائل ہونے سے مایوس ہے اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 188

قنوطا اس معنی میں ذکر کیا کہ یہ تکلیف ہمیشہ رہے گی۔ معنی قریب قریب ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا یہاں رحمت سے مراد عاقبت، آسودگی اور غنا ہے۔ ضراء سے مراد تکلیف، بیماری، سختی، اور فقر ہے لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ یہ وہ چیز ہے جس کا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق بن چکا ہوں کیونکہ وہ میرے لیے عمل پر راضی ہو چکا ہے تو وہ نعمت کو حتمی اور اللہ تعالیٰ پر واجب خیال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هٰذَا لِیْ کا معنی ہے یہ میرے پاس ہے۔

وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىٕمَةً ۙ وَّلَىٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى حسنی سے مراد جنت ہے اور لام تاکید کے لیے ہے وہ عمل کے بغیر آرزوئیں کرتا ہے حضرت حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو آرزوئیں ہونگی جہاں تک دنیاوی آرزو کا تعلق ہے وہ کہے گا: لَىٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ اور آخرت کے بارے میں کہے گا: یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الانعام) اور یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ (النباء)

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ہم ضرور انہیں جزا دیں گے۔ یہ قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر قسم اٹھائی ہے۔ غلیظ کا معنی شدید ہے۔

وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ انسان سے مراد کافر ہے اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں جنہوں نے اسلام سے اعراض کیا اور اس سے دور ہوئے نَاٰ بِجَانِبِهٖ کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو بلند جانا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء پر تکبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَاٰ کا معنی دور ہونا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نأیته ونأیت عنه نأیا۔ میں اس سے دور ہوا أنأیته فانتأی میں نے اسے دور کیا تو وہ دور ہو گیا۔ تناءوا۔ وہ دور ہو گئے منتأی۔ دور جگہ۔ نابغہ نے کہا:

فإنّك کاللّیلِ الّذی هو مُدرِکی وإنْ خِلْتُ أنّ المُنْتَأی عنْك واسِعُ

تو رات کی طرح ہے جو مجھے پانے والی ہے اگرچہ میں خیال کرتا تھا کہ تجھ سے دوری بہت وسیع ہے۔

یزید بن قعقاع نے اسے ناء بجانبه پڑھا ہے یعنی ہمزہ سے پہلے الف ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ناء سے مشتق ہو جب وہ اٹھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ قلب کیا گیا ہو معنی پہلے والا ہی ہے وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ۝ جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت زیادہ دعائیں کرتا ہے۔ عرب طول اور عرض کا لفظ کثرت کے معنی میں استعمال کرتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اطال فلان فی الکلام واعرض فی الدعاء؛ جب وہ گفتگو اور دعا کثرت سے کرے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ تضرع کرنے والا اور مدد طلب کرنے والا ہے۔ کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور خوشحالی میں اسے نہیں پہچانتا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۝ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۝

"آپ فرمائیے: (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت زیادہ دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے، کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے بارے میں یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے"۔

**قُلْ اَرَءَيْتُمْ** اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہو: اے مشرکو! اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو زیادہ گمراہ کون ہے تم سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں کیونکہ تمہاری دشمنی بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں ضمیر اسی کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا ذکر اس فرمان میں ہے: اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (المومنون: 49) پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

**سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** ہماری وحدانیت اور ہماری قدرت کی نشانیاں سابقہ امتوں کی منازل کی بربادی میں ہیں اور ان کی ذاتوں یعنی جو انہیں آزمائشیں اور امراض لاحق ہوتی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي الْاٰفَاقِ سے مراد آسمان کی نشانیاں اور فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ سے مراد زمین کے حادثات ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: فِي الْاٰفَاقِ سے مراد بستیوں کی فتوحات ہیں (2)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فتوحات کو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد خلفاء اور آفاق دنیا میں اس کے دین کے مددگاروں کے لیے فتوحات کو مشرق و مغرب کے علاقوں کو عموماً اور مغرب کے علاقوں کو خصوصاً آسان کر دیا کیونکہ یہ ایسی فتوحات ہیں جو ان سے قبل زمین کے کسی حاکم کے لیے آسان نہ ہوئیں اس طرح جابر حکمرانوں، فارس کے کسریٰ تھوڑے لشکر کو کثیر لشکر پر فتح دینا، کمزوروں کو قوی لوگوں پر غلبہ دینا اور ان سے ایسے امور کا صادر کرانا جو عام معمول سے ہٹ کر تھے سب صادر ہوئے فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ سے مراد فتح مکہ ہے؛ (3) یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یہ منہال بن عمرو اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: فِي الْاٰفَاقِ سے مراد قوموں میں واقعات اور فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ سے مراد غزوہ بدر کا واقعہ ہے (4)۔ عطا اور ابن زید نے یہ بھی کہا ہے کہ فِي الْاٰفَاقِ سے مراد آسمانوں اور زمین کے قطر ہیں یعنی سورج، چاند، ستارے، رات، دن، ہوائیں، بارشیں، کڑک، بجلی، صواعق، نبات، درخت، پہاڑ، سمندر وغیرہ (5)۔ صحاح میں ہے: آفاق سے مراد اطراف ہیں اس کا واحد اُفُق اور اُفْق ہے جس طرح عُسُر اور عُسْر ہے رجل اَفَقِي یعنی ہمزہ اور فاء مفتوح ہے جب وہ زمین کے آفاق سے ہو: یہ ابونصر نے حکایت بیان کی ہے۔ بعض کہتے ہیں اُفُقِي جوہری کے علاوہ کسی اور نے یہ شعر پڑھا:

اَخَذْنَا بِآفَاقِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمُ لَنَا قَمَراهَا وَالنُّجُومُ الطَّوَالِعُ (6)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے افق اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں ہمارے لیے اس کے دونوں چاند اور روشن ستارے ہیں۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106 — 2۔ ایضاً — 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 189
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106 — 5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 72 — 6۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 136

فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ یہ لطیف صنعت اور بدیع حکمت میں سے ہے یہاں تک کہ براز اور بول کے راستے اس میں شامل ہیں کیونکہ انسان ایک محل سے کھاتا پیتا ہے اور وہ کھانا پینا دوا الگ الگ جگہوں سے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور حکمت میں بداعت اس کی آنکھوں میں نمایاں ہوتی ہے دونوں پانی کا ایک قطرہ ہیں وہ ان دونوں کے ساتھ زمین سے آسمان تک دیکھتا ہے جس کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں بداعت کا اظہار ہے جن کے ساتھ انسان مختلف آوازوں میں فرق کرتا ہے اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کی بداعت کی امثلہ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وہ نطفہ تھا اس کے علاوہ اس کے احوال میں جو انتقال ہے جس طرح سورۂ مومنوں میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے عنقریب تم وہ فتنے اور غیب کی خبریں دیکھو گے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبریں دی ہیں۔ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اس میں چار وجوہ ہیں: (1) وہ قرآن ہے (2) اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں (3) اللہ تعالیٰ جو مظاہر انہیں دکھاتا ہے اور جو کرتا ہے وہ حق ہے (4) محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی رسول برحق ہیں۔

اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ، بربک محل رفع میں ہے کیونکہ یہ یکف کا فاعل ہے اَنَّهٗ، ربک سے بدل ہے اگر محل سے بدل بنائیں تو یہ مرفوع ہوگا اگر لفظ سے بدل بنائیں تو یہ مجرور ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام کے حذف کے ساتھ منصوب ہو معنی ہوگا کیا تیرا رب انہیں کافی نہیں ہوگا جس توحید پر اس نے ان کی راہنمائی کی ہے، کیونکہ وہ ہر شے پر شہید ہے جب وہ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے تو اس پر جزا دے گا۔ یہ قول کیا گیا ہے: کیا تیرا رب کفار کو سزا دینے میں کافی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا تیرا رب کافی نہیں کہ وہ کفار کے اعمال پر گواہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا تیرا رب گواہ کافی نہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ کافی نہیں کہ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے۔ یہ لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی حضور ہے کیا تیرا رب ہر چیز کے پاس حاضر ہونے کے اعتبار سے کافی نہیں۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ، مریۃ کا معنی شک ہے مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ آخرت میں اپنے رب کی ملاقات سے۔ سدی نے کہا: بعث سے۔ خبردار! وہ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں مبتلا ہیں (1) اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۝ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے؛ سدی نے یہ قول کیا۔ کلبی نے کہا: اس کی قدرت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے (2)۔ خطابی نے کہا: اس کی قدرت تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہی ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کا شمار کر رکھا ہے، یہ اسم کثیر طور پر وعید کے ضمن میں آتا ہے اس کا حقیقی معنی ہر شے کا احاطہ کرنا ہے جس کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے یہ اصل میں مُحْیِطٌ تھا یاء کی حرکت حاء کی طرف نقل کر دی تو یاء ساکن ہو گئی اسی سے یہ کہا جاتا ہے: أحاط يُحِيط إحاطة وحيطة۔ اسی سے حائط الدار (گھر کی دیوار) ہے حاطت الخيل بفلان یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس آدمی کو ہر جانب سے گھیر لیا جائے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ (کہف: 42) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 190 2۔ ایضاً

# سورۃ الشوریٰ

آیاتہا ۵۳ ۔ ۴۲ سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃٌ ۶۲ ۔ رکوعاتہا ۵

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور جابر کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: مگر چار آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں: قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى الی آخرہ۔ یہ ترپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

"حا، میم، عین، سین، قاف اسی طرح (کے مطالب نفسیہ) وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے گذرے ہیں اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہی سب سے اعلیٰ اور عظمت والا ہے"۔

حٰمٓ ۚ ۝ عٓسٓقٓ ۝ عبد المؤمن نے کہا: میں نے حسین بن فضل سے پوچھا حٰمٓ کو عٓسٓقٓ سے کیوں الگ کیا گیا ہے جبکہ کھیعص، المرا اور المص کو الگ الگ نہیں کیا گیا (2)۔ فرمایا: کیونکہ حٰمٓ عسق سورتوں کے درمیان ہے جن میں سے پہلی حٰمٓ ہے تو یہ ماقبل اور مابعد کے نظائر پر جاری ہوئی گویا حٰمٓ مبتدا ہے اور عٓسٓقٓ خبر ہے اور اس کی اخوات جن کو اکٹھے لکھا گیا ہے وہ ایک آیت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حروف معجمہ سب کے سب ایک معنی میں ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بیان بنیاد اور کلام کا قاعدہ ہے؛ یہ جرجانی نے ذکر کیا حٰمٓ۔ عسق کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے اور کھیعص کو متصل لکھا گیا ہے کیونکہ کلام یہ کی گئی ہے حٰمٓ سے مراد ہے مم ما ھو کائن۔ جو ہو کر رہنے والا ہے اس کا قصد کر لیا گیا ہے انہوں نے فرق کیا ہے جس میں فعل مقدر ہوتا ہے یا فعل مقدر نہیں ہوتا پھر اگر اسے الگ الگ کر دیا جاتا اور اسے متصل لکھا جاتا تو بھی جائز تھا۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس کی قراءت میں حم سق ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ذریعے فتنوں کو پہچانا کرتے تھے۔ ارطاۃ بن منذر نے کہا: ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی جبکہ ان کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان موجود تھے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان حم عسق کی تفسیر کے بارے میں بتایئے، تو آپ نے اس سے اعراض کیا یہاں تک کہ اس نے تین دفعہ اپنے سوال کو دہرایا تو پھر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اعراض کیا، حضرت حذیفہ بن یمان نے کہا: میں تجھے اس کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں میں خوب جانتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 158 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 73 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 25

نے اس کی تفسیر بیان کرنے سے کیوں اجتناب کیا! یہ آیت اہل بیت کے ایک فرد کے بارے میں نازل ہوئی جسے عبدالالہ اور عبداللہ کہا جائے گا وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا پر فروکش ہوگا اس پر دو شہر بسائے گا دریا دونوں کو الگ الگ کردے گا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال اور حکومت کے ختم ہونے کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ رات کے وقت ایک آگ بھیجے گا تو وہ شہر صبح کے وقت تاریک سیاہ ہوجائے گا وہ سب کا سب جل جائے گا گویا وہ اس جگہ شہر تھا ہی نہیں۔ اس کی مالکہ صبح کے وقت متعجب ہوگی یہ سب کچھ کیسے الٹ ہوگیا وہ دن ابھی روشن ہی ہوگا یہاں تک کہ اس میں ہر جابر سرکش جمع ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے اور انہیں سب کو دھنسا دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ (1) یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور فتنہ وقضا جس کا قصد کرلیا گیا ہے حٰم۔ ع۔ عدلا منہ اس کی جانب سے عدل۔ س، سیکون عنقریب ہوگا۔ ق، واقع ان دو شہروں میں واقع ہوگا۔

اس تفسیر کی مثل وہ روایت ہے جو جریر بن عبداللہ بجلی نے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''دجلہ اور دجیل، قطربل اور صراہ کے درمیان ایک شہر آباد کیا جائے گا جس میں زمین کے جابر حکمران جمع ہوں گے وہ زمین جس میں خزانے جمع کیے جائیں گے وہ اپنے مکینوں کے ساتھ زمین میں دھنس جائیں گے وہ زمین میں اس عمدہ کیل سے جلدی جائیں گے جو نرم زمین میں جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عین کے بغیر حم سق پڑھا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں یہ اسی طرح ہے؛ یہ طبری نے بیان کیا ہے۔ نافع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے: حا اسکے حلم سے، میم، اس کی مجد سے، عین اس کے علم سے، سین اس کی سنا سے اور قاف اس کی قدرت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اٹھائی ہے۔

محمد بن کعب سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم، اپنی مجد، اپنی علو، اپنی سنا اور اپنی قدرت کی قسم اٹھائی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو عذاب نہیں دے گا جو خلوص دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی پناہ چاہتا ہے۔

جعفر بن محمد اور سعید بن جبیر نے کہا: حا، رحمن سے، میم مجید سے، عین علیم سے، سین قدوس سے اور قاف قاصر سے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورتوں کے فواتح ہیں۔ عبداللہ بن بریدہ نے کہا: یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو دنیا کو محیط ہے۔ قشیری نے ذکر کیا جبکہ الفاظ ثعلبی کے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کے چہرے پر پریشانی پہچانی جاسکتی تھی۔ آپ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ﷺ کس چیز نے آپ کو غمگین کیا؟ فرمایا: ''مجھے ان امتحانات کے بارے میں بتایا گیا ہے جو میری امت میں واقع ہوں گے یعنی زمین میں دھنسنا، پتھروں کی بارش کرنا، آگ جو انہیں جمع کرے گی، ہوا جو انہیں سمندر میں پھینک دے گی، پے در پے آیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور دجال کا نکلنا'' اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم ﷺ کی شان کے متعلق ہے حاء سے مراد آپ کا حوض جس پر ہر کوئی وارد ہوگا، میم سے مراد آپ کی وسیع حکومت، عین سے مراد موجود عزت، سین سے مراد وہ بلندی جس کی گواہی دی جائے گی، قاف سے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 192 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 25

مراد مقام محمود میں آپ کا کھڑا ہونا اور کرامت و بزرگی کے مقام پر اپنے مالک و معبود کے قریب ہونا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی صاحب کتاب نبی نہیں مگر اس کی طرف وحی کی گئی حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ۔ اسی وجہ سے فرمایا: یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ (1)۔ مہدوی نے کہا: حدیث میں آیا ہے کہ حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ کا معنی ہے متقدمین انبیاء کی طرف وحی کی گئی۔ ابن محیصن، ابن کثیر اور مجاہد نے پڑھا یوحی۔ کہ یہ فعل مجہول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جار مجرور محل رفع میں ہے کیونکہ یہ فاعل کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسکا نائب فاعل مضمر ہو یعنی آپ کی طرف قرآن وحی کیا جاتا ہے جسے یہ سورت اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے تو لفظ اللہ فعل مضمر کے ساتھ مرفوع ہوگا تقدیر کلام یہ ہوئی: اللہ تعالیٰ تیری طرف وحی کرتا ہے جس طرح ابن عامر اور ابوبکر کی قراءت ہے یسبح له فیها بالغدو والآصال رجال یعنی لوگ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

لِیُبْكَ یزیدُ ضارعٌ بخصومة وأشعث ممّن طوّحته الطوائح(2)

کہا: لِیُبْكَ یزید۔ پھر اس کی وضاحت کی من ینبغی أن یبکیه۔ معنی ہے اسے ضارع رلاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو اور خبر محذوف ہو گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے یا کلام مبتدا کے مضمر ہونے کے اعتبار سے ہے الموحی اللہ یا یہ مبتدا ہے اور خبر الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ہے باقی قراء نے یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اسم اللہ کو فاعل ہونے کی حیثیت سے رفع دیا لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۝ اس کی وضاحت کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝

"قریب ہے کہ (جلال الٰہی سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) فرشتے تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہل زمین کے لیے، سن لو یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے"۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے۔ نافع، ابن وثاب اور کسائی نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے یَتَفَطَّرْنَ۔ نافع اور دوسرے قراء نے یاء، تاء اور طاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ عام قراءت ہے۔ ابو عمرو، ابوبکر، مفضل، ابو عبید نے ینفطرن انفطار کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۝ (الانفطار) سورۂ مریم میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ یعنی آسمانوں میں سے ہر ایک آسمان اس آسمان کے اوپر سے پھٹ جائے گا جو اس کے قریب ہے(3)۔ ضحاک نے کہا: یَتَفَطَّرْنَ وہ آسمان اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال سے اپنے اوپر سے لپٹ جائیں گے(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوْقِهِنَّ سے مراد زمینوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے لپٹ جاتے اگر وہ ان چیزوں سے ہوتے جو عقل رکھتے ہیں۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 74 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 26 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 192 4۔ ایضاً

وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وہ اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے پاکی بیان کرتا ہے جو اس کے وصف میں جائز نہیں اور جو اس کے جلال کے لائق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مشرکین کی جرأتوں سے متعجب ہوتے ہیں اور تعجب کے موقع پر تسبیح کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی تسبیح ان چیزوں پر تعجب کا اظہار ہے جو وہ دیکھتے ہیں کہ مشرک اپنے کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے جس کو وہ دیکھتے ہیں (2)۔ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ کا معنی ہے ان کے رب کے امر سے؛ یہ سدی کا قول ہے۔

وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ضحاک نے کہا: لِمَنْ فِي الْاَرْضِ سے مراد مومن ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے اس کی وضاحت سورۃ المومن: وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں گذر چکی ہے یہاں ملائکہ سے مراد حاملین عرش (عرش کو اٹھانے والے) ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام فرشتے مراد ہیں۔ کلبی کے قول سے یہی ظاہر ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ منسوخ ہے یہ جگہ مومنین کے لیے خاص ہے۔ مہدوی نے کہا: صحیح یہی ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور مومنین کے لیے خاص ہے۔ ابوالحسن ماوردی نے کلبی سے یہ قول نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے جب ان دونوں فرشتوں کو دیکھا جن کو آزمایا گیا اور زمین کی طرف انہیں بھیجا گیا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ زہرہ کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے اور وہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف بھاگ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ دونوں فرشتوں نے حضرت ادریس علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ ان دونوں کے حق میں دعا کریں۔ فرشتوں نے اپنے رب کی حمد بیان کرنے کے ساتھ تسبیح بیان کی اور بنی آدم کے لیے مغفرت طلب کی (3)۔ ابوالحسن بن حصار نے کہا: بعض جاہلوں نے یہ گمان کیا کہ یہ آیت ہاروت و ماروت کے سبب نازل ہوئی ہے اور یہ، مومنوں کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اس کے ساتھ منسوخ ہے اور وہ نہیں جانتے کہ حاملین عرش تو مومنوں کے استغفار کے لیے خاص ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور فرشتے ہیں جو اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: فرشتوں کے اہل زمین کے لیے استغفار میں (4) دو قول ہیں: (1) گناہوں اور خطاؤں سے؛ مقاتل کے قول کا ظاہر یہی معنی ہے (2) ان کے لیے رزق اور خوشحالی کی طلب ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی زیادہ نمایاں ہے کیونکہ زمین کافر اور غیر کو عام ہے مقاتل کے قول کے مطابق کافر اس میں داخل نہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے جسے عاصم احول نے ابوعثمان سے وہ سلمان سے نقل کرتے ہیں کہ بندہ جب خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اسے تنگ دستی آتی ہے فرشتے کہتے: وہ خوشحالی کے دور میں اللہ کا ذکر کرتا اب اسے تنگ دستی نے آلیا ہے تو وہ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کمزور آدمی سے معروف آواز ہے اور جب وہ خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے تکلیف نے آلیا تو فرشتے کہتے ہیں: انسان سے اجنبی سی آواز ہے وہ خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے مصیبت لاحق ہوئی تو وہ اس کے لیے بخشش طلب نہیں کرتے۔ یہ تعبیر اس امر پر دلالت کرتی

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 192 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 193 4۔ ایضاً

ہے کہ یہ آیت کریمہ اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کا ذکر خوشحالی اور تنگدستی میں کیا کرتا تھا تو یہ آیت اہل زمین سے یعنی مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے استغفار سے ارادہ طلب حلم اور طلب غفران لیا ہو اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝ (فاطر) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (الرعد:6)

یہاں استغفار سے مراد ان کے بارے میں حلم کرنا اور انتقام میں جلدی نہ کرنا ہے تو یہ حکم ہو گیا(1)؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔ مطرف نے کہا: ہم نے اللہ کے بندوں کے ساتھ سب سے مخلص فرشتے پائے ہیں اور اللہ کے بندوں کے ساتھ سب سے زیادہ دھوکہ کرنے والے شیطانوں کو پایا ہے(2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ڈرایا اور عظمت شان کو بیان کیا اور آخر میں مہربانی کا ذکر کیا اور بشارت دی۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ اللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ ۖؗ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝

"اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور دوست اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں"۔

اَوْلِیَآءَ سے مراد بت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ وہ ان کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے تاکہ ان اعمال پر انہیں بدلہ دے وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝ یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے، حدیث طیبہ میں ہے: أطّت السماء وحُقّ لها أن تئِط(3) آسمان اپنے مکینوں کے بوجھ کی وجہ سے آواز نکالنے لگا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوتاہی نہیں کرتے اور یہ کفار اس کے ساتھ شرک کرتے تھے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۝

"اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعے اتارا ہے آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس (آباد) ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے ہونے کے دن سے جس کی آمد پر کچھ شبہ نہیں (اس دن) ایک فریق جنت اور دوسرا بھڑکتی آگ میں ہوگا"۔

جس طرح ہم نے آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف ان معانی کو وحی کیا اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن وحی کیا ہم نے اسے لغت عرب میں بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ پر قرآن عربی آپ کی قوم کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 209
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 193
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الحزن والبکاء، جلد 1، صفحہ 319

زبان میں نازل کیا جس طرح ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں پیغام دے کر بھیجا۔ معنی ایک ہی ہے۔

اُمَّ الْقُرٰى سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ کو ام القری اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زمین اسی کے نیچے سے پھیلائی گئی ہے وَ مَنْ حَوْلَهَا یعنی باقی مخلوق۔ وَ تُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ یوم الجمع سے مراد یوم قیامت ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ اس میں کوئی شک نہیں فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۞ یہ مبتدا خبر ہے۔ کسائی نے نصب کو جائز قرار دیا ہے تقدیر کلام یوں ہے لتنذر فریقا فی الجنة وفریقا فی السعیر۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۞

"اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں، اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار"۔

ضحاک نے کہا: اُمَّةً وَّاحِدَةً سے مراد ہے ایک دین والے، یعنی سب گمراہ یا سب ہدایت یافتہ۔ حضرت انس بن مالک نے کہا: رحمت سے مراد اسلام ہے وَ الظّٰلِمُوْنَ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے (1) اس کی خبر مابعد مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۞ ہے نصیر کا عطف لفظ پر ہے اسے لا نصیر پڑھنا بھی جائز ہے اس صورت میں اس کا عطف محل پر ہوگا اور من زائدہ ہوگا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَ هُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ٘ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞

"کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کارساز پس اللہ ہی حقیقی کارساز ہے اور زندہ کرتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

اَمِ یہاں بل کے معنی میں ہے۔ اولیاء سے مراد بت ہیں۔ اے محمد! اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تیرا اور تیرے پیروکاروں کا ولی ہے اس کے سوا کوئی ولی نہیں وَ هُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى سے مراد بعث بعد الموت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر قادر ہے جبکہ اس کے سوا کوئی کسی شے پر قادر نہیں۔

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۗ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ۞

"اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو یہی اللہ میرا رب ہے اور اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں"۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 194

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے لیے فرمان کی حکایت ہے یعنی اہل کتاب میں اور مشرکین میں سے کفار دین کے معاملہ میں تم سے اختلاف کریں تو انہیں کہو: اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، تمہارے سپرد نہیں اس نے فیصلہ کر دیا کہ دین تو اسلام ہی ہے اور شریعت کے امور اللہ تعالیٰ کے بیان سے ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں (1)۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ یعنی جو ان صفات سے موصوف ہے وہ ہی میرا رب یکتا ہے۔ اس میں اضمار ہے یعنی اے محمد! انہیں کہو وہ ذات جو مردوں کو زندہ کرتی ہے وہی اللہ ہے اور جو مختلف امور میں فیصلہ کرنے والا ہے وہی میرا رب ہے اسی پر میں نے اعتماد کیا اور اسی کی طرف میں لوٹنے والا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

''وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اسی نے بنائے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں سے بھی جوڑے بنائے وہ پھیلاتا رہتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعہ، نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ یہ لفظ اللہ کی صفت ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یا تقدیر کلام یہ ہے ھو فاطر۔ ندا کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور علیہ کی ضمیر سے بدل کے طریقہ پر جر دینا بھی جائز ہے۔ فاطر کا معنی مبدع اور خالق ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ازواجا کا معنی عورتیں ہیں یہاں مِّنْ اَنْفُسِكُمْ فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا۔ مجاہد نے کہا: معنی نسل کے بعد نسل ہے (2)۔

وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یعنی آٹھ جوڑے جن کا ذکر سورۂ انعام میں گزر چکا ہے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری اور ان کے جوڑے۔

یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ تمہیں رحم میں پیدا کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بطن ہے۔ فراء اور ابن کیسان نے کہا: فِیْهِ میں ف، باء کے معنی میں ہے اسی طرح زجاج نے کہا: یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ کا معنی ہے وہ تمہیں اس کے ذریعے زیادہ کرتا ہے یعنی تمہیں زیادہ کرتا ہے کہ تمہاری اس نے بیویاں بنا دیں کیونکہ بیویاں نسل کا سبب بنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِیْهِ میں ضمیر جعل کے لیے ہے اس پر جعل دلالت کرتا ہے گویا فرمایا وہ تمہیں جعل میں پیدا کرتا ہے اور تمہیں زیادہ کرتا ہے۔

ابن قتیبہ نے کہا: فِیْهِ میں ضمیر زوج کے لیے ہے یعنی وہ تمہیں عورتوں کے بطن میں پیدا کرتا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِیْهِ میں ضمیر سے مراد رحم ہے۔ یہ تعبیر حقیقت سے بعید ہے کیونکہ رحم مونث ہے اور اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاف زائدہ تاکید کے لیے ہے یعنی اس کی مثل کوئی

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 211 2۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 244 3۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 112

چیز نہیں۔ شاعر نے کہا:

و صالیاتٍ کَکُمَا یُؤثَفَیْن (1)

یہاں کاف کو کاف پر داخل کیا گیا مقصود تشبیہ میں تاکید بیان کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مثل تاکید کے لیے زائد ہے، یہ ثعلب کا قول ہے لیس کھوشئ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (البقرہ: 137) یہاں بھی مثل زائد ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں فان آمنوا بما آمنتم به فقد اهتدوا اور بن حجر نے کہا:

وقتلٰى كمثل جذوع النخيل يغشاهم مطر منهمر (2)

کتنے ہی مقتول ہیں جو کھجور کے تنوں کی طرح ہیں جنہیں موسلا دھار بارش نے ڈھانپ رکھا ہے۔

شعر میں اصل کجذوع تھا۔ یہاں سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی، ملکوت، اسماء حسنیٰ، صفات کی بلندی میں اپنی مخلوقات میں سے کسی شے کے بھی مشابہ نہیں جہاں تک ان اسماء کا تعلق ہے جن کو شرع نے خالق اور مخلوق دونوں کے لیے ذکر کیا ہے تو معنی حقیقی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں کیونکہ قدیم ذات کی صفات مخلوق کی صفات سے مختلف ہیں کیونکہ مخلوقات کی صفات اغراض واعراض سے جدا نہیں ہوتیں جبکہ اللہ تعالیٰ غرض وعرض سے پاک ہے بلکہ وہ ہمیشہ اپنی صفات واسماء کے ساتھ رہتا ہے جس طرح ہم نے اس کی وضاحت الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں کی ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کافی ہے۔ بعض علماء محققین نے فرمایا: توحید کا مطلب ہے ایسی ذات کو ثابت کرنا جو کسی ذات کے مشابہ نہ ہو اور نہ ہی وہ صفات سے معطل ہو۔ واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ زائد بیان کیا ہے اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کے اسم جیسا کوئی اسم نہیں، اس کے فعل جیسا کوئی فعل نہیں، اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں مگر لفظ میں موافقت ہو سکتی ہے ذات قدیمہ اس سے بالا ہے کہ اس کی صفت حادث ہو جس طرح یہ محال ہے کہ حادث ذات کی کوئی صفت قدیم ہو؛ یہ اہل السنہ والجماعۃ کا مذہب ہے۔

لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۲﴾

''اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)، بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس کی وضاحت سورۂ زمر میں گزر چکی ہے۔ نحاس نے کہا: جو چابیوں کا مالک ہوتا ہے وہ خزانوں کا بھی مالک ہوتا ہے (3)۔ مفتاح کو اقلید کہتے ہیں اس کی جمع خلاف قیاس آتی ہے جس طرح حسن کی جمع

1۔ تفسیر طبری، جز 25، صفحہ 18 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 28 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 29

خلاف قیاس محاسن آتی ہے یَبْسُطُ الرِّزْقَ اس کی بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَ مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝

''اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اس دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا، اس میں بہت گراں گذرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ اور نہ بٹے وہ فرقوں میں مگر اس کے بعد کہ آ گیا ان کے پاس (صحیح) علم یہ (تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا، اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان اور جو لوگ وارث بنائے گئے تھے کتاب کے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو قلق انگیز ہے''۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ وہ ذات پاک جس کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں اس نے تمہارے لیے وہ دین مقرر فرمایا جو قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ علیہم السلام کے لیے مقرر فرمایا تھا پھر اس کی وضاحت اپنے اس ارشاد سے بیان کی اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بیان کرنا، اس کی اطاعت کرنا، اس کے رسولوں، کتابوں، یوم جزا اور باقی ماندہ تمام امور جنکو بجالانے سے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے پر ایمان لانا ہے۔ اور شرعی احکام جو امتوں کی مصلحتوں پر قائم ہیں اس طرح وارد نہیں ہوئے وہ مختلف اور متفاوت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ: 48) اس بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔

شرع کا معنی ہے راستوں کو واضح کرنا قد شرع لھم یَشْرَعُ شَرْعًا یعنی سنن سنت قائم کی، واضح کیا۔ شارع سے مراد راستہ ہے قد شَرَعَ المَنْزِلُ جب وہ ایسے راستے پر ہو جو آگے کھلتا ہو۔ وشرعتُ الإبل۔ جب تو اونٹ کو گھاٹ پر جانے کا موقع دے شرعتُ الادیم۔ جب تو اس کا چمڑا اتارے۔ یعقوب نے کہا: میں نے ام الحارس بکریہ کو کہتے ہوئے سنا شرعتُ فی ھذا

الامر شنہ و عا یعنی میں اس میں گھس گیا۔

اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ ان محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی والذی وصی به نوحًا أن اقیموا الدین اس تعبیر کی بنا پر عیسیٰ پر وقف کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان محل نصب میں ہے اس نے اقامت دین کو تمہارے لیے مقرر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بہ کی ھاء ضمیر سے بدل ہے گویا فرمایا: به أقیموا الدین ان دو تعبیروں کی بنا پر عِیۡسٰۤی پر وقف کرنا جائز نہیں یہ بھی جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو جیسے اَنِ امۡشُوۡا (ص:6) میں ہے اس صورت میں اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔

**مسئلہ نمبر** 2۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: حدیث صحیح میں ثابت ہے (1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کبیر والی مشہور حدیث میں کہا: ''بلکہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ عرض کریں گے: آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا'' یہ صحیح ہے اس میں کوئی اشکال نہیں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام صرف نبی ہی تھے آپ کے لیے فرائض معین ہوئے نہ محارم کا حکم دیا گیا، بعض امور کے بارے میں صرف تنبیہ تھی، معاش کی ضرورت تک معاملہ کو محدود رکھا گیا تھا، حیات و بقا کے کچھ معاملات کو اپنانے کا حکم تھا اور معاملہ حضرت نوح علیہ السلام تک آ پہنچا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماؤں، بیٹیوں، اور بہنوں کی حرمت کے ساتھ مبعوث کیا کچھ واجبات ان پر لازم کیے، دیانات میں آداب کو واضح کیا یہ امر رسولوں کے ساتھ موکد ہوتا رہا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یکے بعد دیگرے اور ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کے ساتھ پختہ ہوتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اختتام بہترین امت جو ہماری امت ہے پر کیا۔ اس کا ذکر تمام رسولوں سے معزز ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا معنی ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اور حضرت نوح علیہ السلام کو ایک دین کی وصیت کی یعنی اصول جن میں شریعت مختلف نہیں ہوتی وہ توحید، نماز، زکوۃ، روزے، حج، اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، صدق، عہد کو پورا کرنا، امانت ادا کرنا، صلہ رحمی، کفر، قتل، زنا اور مخلوقات کو اذیت پہنچانے کی حرمت کیسی بھی صورت ہو، حیوانات پر ظلم کرنا کسی بھی طریقہ سے ہو، ذلت و پستی کے امور میں داخل ہونے کی حرمت، جو امور مروت کو ختم کر دیں ان کی حرمت یہ سب امور مشروع تھے ان میں سب دین ایک دین اور سب ملتیں ایک ملت ہیں، انبیاء کی زبانوں سے ان امور میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ ان کی قومیں اور زمانے مختلف تھے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مقصود ہے: اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ یعنی اسے قائم رکھو اس سے مراد دائمی محفوظ ہے اس میں سے کسی قسم کا اختلاف نہ کرو کیونکہ ان امور میں کوئی اختلاف اور اضطراب نہیں۔ مخلوقات میں سے کچھ نے اس وعدہ کو پورا کیا اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جس نے اس کو توڑا۔ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ (فتح:10) ان چیزوں کے علاوہ میں شریعتوں میں چند امور میں اختلاف ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا، مصلحت نے جس کا تقاضا کیا اور حکمت نے مختلف زمانوں میں امتوں پر ان کے رکھنے کو لازم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1666

مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے تاکیدی حکم دیا (1) وہ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا اقرار کرے یہی وہ دین ہے جو ان کے لیے مشروع کیا گیا، یہی قول واسطی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے؛ یہی کلبی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: حلال کو حلال قرار دینا اور حرام کو حرام قرار دینا (2)۔ حکم نے کہا: ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو حرام قرار دینا۔ قاضی نے جو ذکر کیا ہے وہ ان تمام اقوال کو جامع ہے اور اس سے زائد بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کو خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہ شریعتوں والے ہیں۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مشرکوں پر بہت بھاری ہے مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں یعنی توحید اپنانا اور بتوں کو چھوڑنا۔ قتادہ نے کہا: مشرکین پر یہ بہت عظیم ہے ان پر شدید ترین لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے اس کے ساتھ ابلیس اور اس کے لشکر تنگ پڑ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی کو پسند کیا کہ وہ اس کی مدد کرے اسے بلند کرے اور جو اس کا مقابلہ کرے اس پر اسے غالب کرے (3)۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اختیار کرتا ہے۔ اجتباء کا معنی اختیار ہے یعنی توحید کے لیے جسے چاہتا ہے اپنا تا ہے وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۝ اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنے دین کے لیے چن لیتا ہے وَ مَا تَفَرَّقُوْۤا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: واؤ سے مراد قریش ہیں اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ علم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، قریش یہ آرزو کرتے تھے کہ ان کی طرف نبی مبعوث کیا جائے اس کی دلیل سورۂ فاطر 42 میں یہ ارشاد ہے: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ۔ اس میں نذیر سے مراد نبی ہے سورہ بقرہ میں ہے فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (89) اس کی وضاحت وہاں گذر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ ضمیر سے مراد متقدمین انبیاء ہیں کیونکہ جب ان کا زمانہ طویل ہو گیا تو انہوں نے باہم اختلاف کیا کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: واؤ ضمیر سے مراد اہل کتاب ہیں اس کی دلیل سورۂ منفکین کی آیت ہے وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ۝ (البینہ) مشرکوں نے کہا: اسے نبوت کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟ یہودیوں نے اس وقت حسد کیا جب آپ کو مبعوث کر دیا گیا، نصاریٰ کی بھی یہی صورتحال ہے بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وہ ریاست کو طلب کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے پر بغاوت کرتے تھے ان کا یہ تفرقہ بیان اور حجج میں کوتاہی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ بغاوت، ظلم اور دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے تھا وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ان لوگوں سے عذاب کو مؤخر کرنے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ (قمر: 46) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ وقت ہے جس میں ان پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ یعنی نزول عذاب کے ساتھ مومنوں اور کافروں میں فیصلہ کر دیا جاتا وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ اسم موصول سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِهِمْ حق میں اختلاف کرنے والوں کے بعد۔ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ۝ انبیاء نے

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 197 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

جس کا تاکیدی حکم دیا اس میں شک میں مبتلاء ہیں۔ یہاں کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ سے مراد قریش ہیں مِنْۢ بَعْدِهِمْ ضمیر سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں لَفِیْ شَكٍّ قرآن یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شک میں مبتلا ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: مِنْۢ بَعْدِهِمْ کا معنی ہے ان سے قبل یعنی مشرکین مکہ سے پہلے وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ؕ۝

”پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اتباع کیجئے ان کی خواہشات کی اور فرمایئے کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان، اللہ تعالیٰ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، کسی بحث و تکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان، اللہ ہم سب کو جمع کردے گا اور اسی کی طرف سب نے پلٹنا ہے“۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ جب یہ جائز ہے کہ شک یہود اور نصاریٰ کی جانب سے ہے یا شک قریش کی جانب سے ہے اس لیے آپ کو فرمایا: آپ نے ان کے شک کو پہچان لیا ہے پس آپ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں یعنی اس دین کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لیے مشروع کیا اور انہیں اس کا تاکیدی حکم دیا۔ یہاں لام، الی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ۝ (زلزال) اس میں لها، الیها کے معنی میں ہے اور ذلك، هذا کے معنی میں ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ معنی ہے قرآن کی طرف دعوت دیجیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اسی وجہ سے تم دعوت اور استقامت کا مظاہرہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مخلوق کو قرآن کی دعوت دو وَ اسْتَقِمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے امر پر استقامت کا مظاہرہ کرو (2)۔ سفیان نے کہا: قرآن پر استقامت کا مظاہرہ کرو۔ ضحاک نے کہا: رسالت کی تبلیغ پر استقامت کا مظاہرہ کرو (3)۔

وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ جو آدمی آپ کی مخالفت کرتا ہے اس کی مخالفت کی طرف نہ دیکھو وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ۔ لِاَعْدِلَ لِاَنْ اَعْدِلَ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (غافر) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ لام کئی ہے معنی بنے گا لکی اعدل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ نے کہا: تاکہ میں تمہارے درمیان دین میں برابری کروں اور میں ہر کتاب اور ہر رسول پر ایمان لاؤں۔ دوسرے علماء نے کہا: میں تمام احوال میں عدل کروں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ عدل، احکام میں عدل ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تبلیغ میں عدل ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 198 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 199 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: خطاب یہودیوں کو ہے یعنی ہمارے لیے ہمارا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین ہے، کہا: پھر اس ارشاد کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ:29)

مجاہد نے کہا: لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ کا معنی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خصوصیت نہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم منسوخ نہیں کیونکہ براہین ظاہر ہو چکیں اور دلائل قائم ہو چکے اب عناد کے سوا کوئی چیز باقی نہیں اور عناد کے بعد کوئی حجت اور جدال نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ معنی کرنا بھی جائز ہے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تمہارے خلاف دلیل قائم کی جائے اور تم سے جنگ کی جائے پھر اسے منسوخ کر دیا گیا جس طرح تحویل قبلہ سے پہلے کوئی کہے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو پھر لوگوں کو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ جائز ہے کہ یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا یوم قیامت کا ارادہ کیا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۞ جب ہم اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور ہر ایک کو اسی کے مطابق جزا دی جائیگی جس پر وہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اپنی دعوت اور دین سے قریش کے دین کی طرف پلٹ آئیں شرط انہوں نے یہ لگائی کہ ولید آپ کو اپنا نصف مال دے دے گا اور شیبہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ سے کر دے گا (2)۔

وَ الَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۞

"اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے سخت عذاب ہے"۔

وَ الَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ مشرکین کی طرف رجوع کیا۔ مجاہد نے کہا: لوگوں کے اسلام لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دین میں حجت بازیاں کرتے ہیں۔ کہا: ان لوگوں نے وہم کیا کہ جاہلیت لوٹ آئے گی (3)۔ قتادہ نے کہا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں حجت بازیاں کرتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں (4)، ان کی حجت بازی ان کا یہ قول تھا: ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، وہ اپنی فضیلت کا تصور رکھتے تھے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور انبیاء کی اولاد ہیں مشرکین کہتے ہیں اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ۞ (مریم) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ الَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے لیے کوئی ثبات نہیں اس شے کی طرح جو اپنی جگہ سے پھسل جاتی ہے لہ میں ھاء ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے بعد اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول کی جا چکی تھی جیسے اہل بدر اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کی تھی یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے دَحَضت حجة

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 199 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 200 4۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 245

دُحوضًا وہ باطل ہو گئی ادحضہا اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کر دیا۔ ادحاض کا معنی پھسلانا ہے۔ مکان دَحْض و دَحَض ایسی جگہ جس پر پھسلن ہو۔ دَحَضت رجلہ تَدْحَض دَحْضًا اس کا پاؤں پھسل گیا دحضت الشمس عند کبد السماء سورج زائل ہو گیا وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ مراد دنیا ہے یعنی دنیا میں اپ پر غضب ہوگا وَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ اس سے مراد ہے آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور نازل کیا ہے میزان کو اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ قرآن اور باقی کتب منزلہ ہیں۔ بِالْحَقِّ حق سے مراد صدق ہے وَالْمِيْزَانَ سے مراد عدل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے (1)۔ عدل کو میزان کہتے ہیں کیونکہ میزان انصاف اور عدل کا آلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد وہ ہے جو کتاب میں واضح کیا گیا ہے جس پر عمل کرنا انسان پر واجب ہے۔ قتادہ نے کہا: میزان سے مامور اور منہی میں عدل کرنا ہے (2)۔ یہ تمام اقوام معنی میں قریب قریب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اطاعت پر ثواب کے ساتھ جزا دینا اور معصیت پر عقاب سے جزا دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد ترازو ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان سے نازل کیا اور لوگوں کو اس کے ساتھ وزن کرنے کی تعلیم دی تاکہ لوگوں میں باہم ظلم اور حقوق میں کمی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید:25)

مجاہد نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے انزل المیزان کا معنی ہے مخلوق کو الہام کیا کہ اس کو کام میں لائیں (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ میزان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ قیامت کے وقت کے بارے میں آپ کو آگاہ نہ کیا کتاب اللہ پر عمل، عدل، برابری اور شرائع پر عمل کرنے پر برانگیختہ کیا قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں محاسبہ اور اعمال کا وزن ہو جس نے ان احکام پر پورا پورا عمل کیا تھا اس کو پورا پورا عطا کرے گا اور جس نے اس میں کمی کی ہوگی اس کے حق میں کمی کرے گا۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ ممکن ہے قیامت آپ کے قریب ہو جبکہ آپ اپنی دانش سے اس کو نہ جانیں۔ یہاں قریب فرمایا ہے قریبۃ نہیں فرمایا کیونکہ اس کی تانیث غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ وقت کی طرح ہے (4)؛ یہ زجاج کا قول ہے معنی ہے ممکن ہے بعث یا قیامت کا آنا قریب ہو۔ کسائی نے کہا: قریب صفت ہے جس کے ساتھ مذکر، مونث اور ایسی جمع کی صفت لگائی

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 114 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 200 3۔ ایضاً 4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 31

جاتی ہے جو معناً جمع ہو اور لفظاً واحد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (اعراف)

شاعر نے کہا:

كنا قريبا والديار بعيدة

ہم قریب تھے اور گھر دور تھے۔ محل استدلال قریبا ہے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝

"جلدی مچاتے ہیں اس کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق وہ بڑی گمراہی میں مبتلا ہیں"۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وہ یہ کلام استہزاء کے طور پر کرتے، ان کا گمان یہ تھا کہ قیامت واقع نہ ہوگی یا کمزور لوگوں کو وہم دلاتے تھے کہ وہ واقع نہ ہوگی مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اطاعت میں جس طرح انہیں کوشش کرنی چاہیے اس میں انہوں نے کوتاہی کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ فرمان ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (مومنون) وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ یعنی اس میں کوئی شک نہیں۔

اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ وہ قیامت کے برپا ہونے میں شک کرتے ہیں اور اس میں مخاصمت کرتے ہیں لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وہ حق اور عبرت کے راستہ سے بہت بعید ہیں کیونکہ اگر وہ سوچ و بچار کرتے تو وہ یہ جان لیتے کہ جس ذات پاک نے انہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ وہ پہنچے جہاں تک پہنچے تو وہ اس بات پر قادر ہے کہ انہیں دوبارہ اٹھائے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝

"اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہی قوی اور زبردست ہے"۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان پر شفیق ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ ان کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ سدی نے کہا: وہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ نیک اور فاجر کے ساتھ مہربانی کرنے والا ہے کیونکہ ان کے معاصی کی وجہ سے وہ بھوکوں نہیں مرتے۔ قرظی نے کہا: وہ پیشی اور محاسبہ کے موقع پر شفقت فرمانے والا ہے۔ کہا:

غدًا عند مَوْلَى الخلق للخلق موقفٌ يسائلهم فيه الجليل ويلطف

قیامت کے روز مخلوق نے خالق کے ہاں کھڑا ہونا ہے، اس روز اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا اور مہربانی فرمائے گا۔

جعفر بن محمد بن علی بن حسین نے کہا: رزق میں دو طریقوں سے مہربانی فرماتا ہے: (1) اس نے تیرا رزق پاکیزہ چیزوں سے بنایا ہے (2) اس نے رزق تجھے ایک ہی دفعہ نہیں دے دیا کہ تو اس میں فضول خرچی کر دے۔ حسین بن فضل نے کہا: قرآن میں اس کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے، اس کی تفسیر اور تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ جنید نے کہا: وہ اپنے اولیاء پر

مہربانی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اسے پہچان لیتے ہیں اور اگر وہ اپنے دشمنوں پر مہربانی فرماتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے۔
محمد بن علی کتانی نے کہا: لَطِيْفٌ سے مراد اس کے بندوں سے جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے جب وہ مخلوق سے مایوس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور اس پر توجہ فرماتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث طیبہ میں آیا ہے ''اللہ تعالیٰ بوسیدہ قبروں کی طرف جھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان کے آثار مٹ گئے اور ان کی صورتیں محو ہو گئیں اور ان پر عذاب باقی ہے جبکہ میں لطیف ہوں اور أرحم الراحمین ہوں، ان سے عذاب میں تخفیف کر دو، تو ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے''(1)۔ ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

أمر بأفناء القبور كأنني أخوفطنة والثوب فيه نحيف
ومن شق فاه الله قدر رزقه وربي بمن يلجأ إليه لطيف

میں قبرستانوں سے گذرتا ہوں گویا میں سمجھدار ہوں جبکہ کپڑا اس میں کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا منہ کھولتا ہے اس کا رزق مقرر کر دیتا ہے اور جو اس کی پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں جو اپنے بندوں کے مناقب کو عام کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو چھپاتا ہے اسی تعبیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: یا من أظهر الجميل وستر القبيح اے وہ ذات پاک! جو جمیل کو ظاہر کرتی ہے اور قبیح امر کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں کہ قلیل کو قبول کرے اور عظیم چیز کو خرچ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کرے اور مشکل کو آسان کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے عدل سے ڈرا جاتا ہے اور اس کے فضل سے امید رکھی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو اپنے بندے پر ہمت سے بڑھ کر نعمت کرتا ہے اور طاقت سے بڑھ کر اطاعت کی توفیق دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) وَ اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً (لقمان: 20) وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ (النساء: 28) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جو خدمت پر مدد کرتا ہے اور زیادہ مدح کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے جو اس کی نافرمانی کرے اس کو جلدی سزا نہیں دیتا اور جو اس سے امید رکھے اسے خائب و خاسر نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے سائل کو خالی نہیں لوٹاتا اور امید رکھنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو لغزش کرتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس پر رحم فرماتا ہے جو اپنے آپ پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو عارفین کے دلوں میں مشاہدہ کا چراغ روشن کرتی ہے اور صراط مستقیم کو اس کا منہاج بنا دیتی ہے اور اپنے نیکی کے بادلوں سے ان کے لیے موسلادھار بارش برساتی ہے۔ سورۃ الانعام میں ابو العالیہ اور جنید کا قول گذر چکا ہے، ہم نے یہ سب باتیں الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں لطیف اسم کے ضمن میں ذکر کر دی ہیں۔ الحمد للہ۔

---

1۔ صاوی علی الجلالین، جلد 4، صفحہ 31

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے، کسی قوم کو مال میں فضیلت دینے میں حکمت ہے تا کہ لوگ ایک دوسرے کے محتاج رہیں جس طرح ارشاد فرمایا: لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (زخرف: 32) یہ بندوں پر مہربانی ہے، یہ بھی مقصود ہے کہ اس کے ذریعے غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کے ساتھ امتحان میں ڈالا جائے جس طرح ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ (فرقان: 20) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ⑳

''جو طلبگار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم اپنے فضل و کرم سے اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے اور جو شخص خواہشمند ہو صرف دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ''۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ حرث سے مراد عمل اور کسب ہے، اسی معنی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: تو دنیا کے لیے تگ و دو کر گویا تو نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو نے کل ہی مر جانا ہے (1)۔ اسی وجہ سے انسان کو حارث کہتے ہیں معنی ہے ہم نے اسے رزق دیا ہے جو اسے آخرت کی کھیتی کے طور پر طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور دین کی عزت کی خاطر مال خرچ کرتا ہے تو ہم اس کا ثواب ایک کے بدلہ میں دس گنا، سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک دیتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا اللہ تعالیٰ نے اسے جو مال دیا ہے وہ اس کے ذریعہ دنیا کی ریاست چاہتا ہے ممنوعات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے ہم اسے رزق سے محروم نہیں کرتے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲ (بنی اسرائیل)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ کا معنی ہے ہم اسے عبادت کی توفیق دیتے ہیں اور ہم اسے ان پر آسان کر دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَرْثَ الْاٰخِرَةِ سے مراد اطاعت ہے یعنی جس نے اطاعت کی اس کے لیے ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ کا معنی ہے ہم اسے دنیا' آخرت کے ساتھ دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت جہاد کے بارے میں ہے یعنی جس نے جہاد کے ساتھ آخرت کا ارادہ کیا اسے ثواب دیا جائے گا جس نے اپنے جہاد سے غنیمت کا ارادہ کیا تو اسے غنیمت دے دی جائے گی۔

قشیری نے کہا: آیت کافر کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ جسے دنیا میں وسیع رزق دیتا ہے یعنی اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس سے دھوکہ میں مبتلا ہو کیونکہ دنیا باقی رہنے والی نہیں۔ قتادہ نے کہا: جو آخرت کی نیت کرتا ہے (2) اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی چیزیں بھی عطا فرماتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جس نے دنیا کی نیت کی اسے صرف دنیا میں عطا فرماتا ہے، یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 32 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 200

ارشاد فرماتا ہے: جو آدمی آخرت کے لیے عمل کرتا ہے تو ہم اسکے عمل میں اضافہ کر دیتے ہیں اور دنیا سے اسے وہ کچھ عطا کرتے ہیں جو کچھ ہم نے اس کے لیے لکھا ہوتا ہے اور جو اپنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو ہم اس کے لیے آخرت میں صرف آگ کا ہی حصہ بنا دیتے ہیں اور دنیا سے وہی رزق پاتا ہے جو ہم نے اس کے لیے تقسیم کر رکھا ہوتا ہے جو اسے دیا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ ترجیح دے یا نہ دے۔

جویبر نے ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب ہے: جو ابرار سے ہوتا ہے وہ اپنے عمل صالح کے ساتھ آخرت کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو فاجر ہوا کرتا ہے وہ اپنے عمل حسن کے ساتھ دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اسے وہی دے دیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ یہ منسوخ ہو گیا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ (اسرائیل: 18) صحیح یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حدیث صحیح ثابت ہے لا یقل أحدکم اللّٰھمّ أغفرلی إن شئت اللّٰھمّ ارحمنی إن شئت (1)۔ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے بخش دے اگر تو چاہے، اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اگر تو چاہے۔ قتادہ نے کہا: جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ تیرے سامنے اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ نسخ نہیں۔ ہم نے سورۂ ہود میں اس امر کی وضاحت کی ہے یہ مطلق اور مقید کے باب سے ہے اور نسخ اخبار میں داخل نہیں ہوتا۔

**مسئلہ**: یہ آیت امام ابوحنیفہ کے اس قول کو باطل کرتی ہے (2): جس نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے وضو کیا تو یہ وضو اس کے فرض کے قائم مقام ہو جائے گا کیونکہ وضو کی فرضیت آخرت کی کھیتی ہے اور ٹھنڈک حاصل کرنا امور دنیا سے ہے ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر داخل نہ ہو گا اس آیت کے ظاہر سے اس کی نیت اس کے قائم مقام نہ ہوگی؛ (☆) یہ ابن عربی کا قول ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

''کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر ان کے فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا ام میں میم زائدہ ہے اور ہمزہ تقریع کے لیے ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب العزم فی الدعاء، جلد 2، صفحہ 342

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1667

☆۔ ائمہ احناف یہ کہتے ہیں کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی عطا کرنے والا بنایا ہے۔ قرآن حکیم میں وضو کو نیت کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا اگر ایک آدمی پانی استعمال کرتا ہے اور وضو کے ارکان وسنن بجالاتا ہے تو اس کا وضو ہو جائے گا تاہم وضو میں نیت کرتا تو اس کے اعضاء کے گناہ زائل ہو جاتے۔

بِهٖ نُوْحًا اور اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ کے ساتھ متعلق ہے۔ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے تھے کیا ان کے اپنے معبود ہیں جنہوں نے ان کے لیے شرک مشروع کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی جب یہ محال ہے تو اللہ تعالیٰ نے شرک کو شروع نہیں کیا تو پھر تم کس طرح اس کو اپناتے ہو۔

وَ لَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ اس سے مراد یوم قیامت ہے کیونکہ ارشاد فرمایا: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ (قمر:46) لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ دنیا میں ہی ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی ظالم کو جلدی عذاب دیتا اور اطاعت شعار کو ثواب دیتا۔ ظالمین سے مراد مشرک ہیں ان کے لیے دنیا میں قتل، قید اور مغلوب ہونا ہے اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ ابن ہرمز نے کہا أن ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف وَ لَوْلَا كَلِمَةُ پر ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فاصلہ لولا کے جواب کے ساتھ جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان محل رفع میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی وجب أن الظالمین لهم عذاب الیم اسی صورت میں یہ کلام ماقبل سے منقطع ہوگی جس طرح جب ان کے ہمزہ کے نیچے کسرہ پڑھا جائے۔

تَرَى الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾

"آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے، یہی بڑا فضل ہے"۔

مُشْفِقِیْنَ کا معنی ڈرنے والے ہیں۔ مِمَّا كَسَبُوْا جو کچھ انہوں نے کیا اس کی جزا۔ یہاں ظالمون سے مراد کافرون ہیں، کیونکہ مومن اور کافر کے درمیان تقسیم والی دلیل موجود ہے۔

وَاقِعٌۢ بِهِمْ ان پر نازل ہونے والا ہے رَوْضٰتِ سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں بہت زیادہ سرسبزی ہوتی ہے۔ سورۂ روم میں یہ بحث گذر چکی ہے لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی ان کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمتیں اور عظیم ثواب ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ اس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا اور عقلیں اس کی صفت کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے کبیر کا لفظ استعمال کرے تو کون اس کا اندازہ لگائے گا؟

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى ؕ وَ مَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

"یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے ہیں.

آپ فرمایئے میں نہیں مانگتا اس دعوت حق پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے، اور جو شخص کماتا ہے کوئی نیکی ہم دوبالا کریں گے اس کے لیے اس میں حسن، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے''۔

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، یُبشِّر کو باب تفعیل سے یُبَشِّرُ باب افعال سے یُبْشِرُ اور مجرد سے یَبْشُرُ بھی پڑھا گیا ہے اس میں حذف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس کی بشارت دیتا ہے تاکہ انہیں جلدی خوشنودی حاصل ہو اور اطاعت میں وہ زیادہ شوق ومحبت پائیں۔

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کہہ دیجیے میں رسالت کی تبلیغ پر تم سے انعام کا سوال نہیں کرتا۔

زجاج نے کہا: اِلَّا الْمَوَدَّةَ مستثنیٰ ہے معنی یہ بنتا ہے میں تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا مگر یہ کہ تم میری قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری حفاظت کرو(1)۔ خطاب خاص طور پر قریش کے لیے تھا؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، ابو مالک، شعبی وغیرہ کا قول ہے۔ شعبی نے کہا: اس آیت کے بارے میں لوگوں نے ہم سے بہت زیادہ سوال کیے تو ہم نے اس کے متعلق سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں لکھ بھیجا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: قریش کے خاندانوں میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ جنا ہو یعنی (سب کے ساتھ نہال کی رشتہ داری تھی کسی کے ساتھ اپنی اور کسی کے ساتھ آباء واجداد کی) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا: قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى یعنی جو رشتہ داری میرے اور تمہارے درمیان ہے تم اس کا لحاظ رکھو اور میری تصدیق کرو۔ یہاں الْقُرْبٰى سے مراد ننہال کی رشتہ داری ہے گویا فرمایا: اگر تم میری اتباع نبوت کی وجہ سے نہیں کرتے تو رشتہ داری کا پاس رکھتے ہوئے ہی میری اتباع کرو۔ عکرمہ نے کہا: قریش ننہالی رشتہ داری کا بڑا پاس کرتے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہوں نے اسے قطع کیا تو فرمایا: ''تم میرے ساتھ ایسی ہی صلہ رحمی کرو جس طرح تم کیا کرتے تھے''۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا لیکن میں تمہیں اپنی قرابت یاد دلاتا ہوں؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

بخاری شریف میں طاؤس سے مروی ہے(2) وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان سے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى کے بارے میں پوچھا گیا تو سعید بن جبیر نے کہا: قربیٰ سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو نے بہت جلدی کی ہے قریش کے خاندانوں میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری نہ ہو تو فرمایا: مگر یہ کہ تم رشتہ داری کی وجہ سے صلہ رحمی کرو؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قربیٰ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت ہے، معنی ہے میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا(3) مگر یہ کہ تم میری قرابت اور اہل بیت اطہار سے محبت کرو جس طرح انہیں قریبی رشتہ داروں کی تعظیم کا حکم دیا؛ یہ قول علی بن

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 201 2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب حم عسق، جلد 2، صفحہ 713 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 202

حسین، عمرو بن شعیب اور سدی کا ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے ”جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا صحابی نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں جن سے ہم محبت کریں؟ فرمایا: ”علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (1)“ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسد کی شکایت کی فرمایا: ”کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو ان چار میں چوتھا ہو جو جنت میں پہلے داخل ہوں گے میں، تو، حسن اور حسین ہماری ازواج ہمارے دائیں اور بائیں ہونگی اور ہماری اولادیں ہماری بیویوں کے پیچھے ہونگی“ (2)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ان لوگوں پر جنت حرام کردی گئی جس نے تیرے اہل بیت پر ظلم کیا، میری عترت کے بارے میں مجھے اذیت دی، جس نے عبد المطلب کے خاندان میں سے کسی فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا اس نے اسے بدلہ نہ دیا جب قیامت کے روز وہ مجھے ملے گا تو میں اسے بدلہ دوں گا“ (3)۔

حسن بصری اور قتادہ نے یہ کہا: معنی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اس کی اطاعت اپنا کر اس کا قرب حاصل کریں (4)۔ اس صورت میں قربیٰ، قربت کے معنی میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: قربة اور قربیٰ ایک معنی میں ہیں جس طرح زلفة اور زلفیٰ ہے۔

قزعہ بن سوید، ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فرمادیجئے جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس پر میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم باہم محبت کرو اور اطاعت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو“ (5)۔

منصور اور عوف نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ مراد ہے: وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اس کی اطاعت اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کریں۔ ایک قوم کا نقطۂ نظر ہے: یہ آیت منسوخ ہے، یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیا کرتے تھے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ محبت کرنے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو انصار نے آپ کو پناہ دی اور آپ کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے انبیاء بھائیوں کے ساتھ لاحق کردے کیونکہ انہوں نے کہا تھا: وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (شعراء) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ ۝ (ص) اور اس ارشاد: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیْرٌ (مومنون:72) اور اس ارشاد: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ (طور) کے ساتھ منسوخ ہوگئی؛ یہ ضحاک اور

---

1۔ تفسیر ابن عباس و مروياته فی التفسير فی کتب السنة، جلد 2، صفحہ 780
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 220
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 202
5۔ المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، توضيح معنى الا المودة فی القربیٰ، جلد 2، صفحہ 82-481، حدیث نمبر 796

حسین بن فضل کا نقطۂ نظر ہے۔ جو یبر نے ضحاک سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں ثعلبی نے کہا: یہ قوی نہیں جو آدمی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی اطاعت کے ساتھ، اس کے نبی کی محبت کے ساتھ اور اہل بیت کی محبت کے ساتھ والا امر منسوخ ہے اس کے قول کی قباحت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر مرا وہ شہید کی حیثیت سے مرا، جو آدمی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کے زائرین رحمت کے فرشتوں کو بنا دے گا، جو آدمی آل محمد کے بغض پر مرا تو وہ قیامت کے روز یوں آئیگا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے، جو آدمی آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا، جو میرے آل بیت کے بغض پر مرا تو میری شفاعت میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں''۔

میں کہتا ہوں: اس روایت کو زمخشری نے اپنی تفسیر میں اس سے بھی طویل نقل کیا ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آل محمد کی محبت پر مرا تو وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا اور جو آل محمد کی محبت پر فوت ہوا تو مومن کی حیثیت سے فوت ہوا جبکہ وہ کامل ایمان والا ہوگا خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا ملک الموت پھر منکر نکیرا سے جنت کی بشارت دیں گے خبردار! جو آل محمد کی محبت میں مرا اسے جنت کی طرف یوں لے جایا جائے گا جس طرح دلہن کو اس کے خاوند کے گھر لے جایا جاتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر میں دو دروازے جنت کی طرف کھول دیئے جاتے ہیں خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ سنت اور جماعت پر مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ قیامت کے روز یوں آئیگا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ کافر کی حیثیت سے مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا''(1)۔ نحاس نے کہا: عکرمہ کا مذہب ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ کہا: قریش صلہ رحمی کیا کرتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انہوں نے قطع رحمی کی۔ فرمایا: ''میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو میری قرابت کی حفاظت کرو اور مجھے نہ جھٹلاؤ''۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس کا قول جو بخاری میں ہے امام شعبی نے بھی ان سے یہی قول نقل کیا ہے یہ کوئی منسوخ نہیں۔ نحاس نے کہا حضرت حسن بصری کا قول حسن ہے اس کی صحت پر یہ حدیث مسند دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جسے احمد بن محمد ازدی، ربیع بن سلیمان مرادی سے وہ اسد بن موسیٰ سے وہ قزعہ بن یزید بصری سے وہ عبداللہ بن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو کچھ بینات اور ہدایات میں تمہیں پہنچاتا ہوں اس پر میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کرو'' اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ واضح امر ہے آپ سے قبل انبیاء نے بھی یہی بات کہی تھی: اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (سبا: 47)

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 220

کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مشکلات بار بار آتیں اور ایسے حقوق ادا کرنے پڑتے جو کچھ وسائل آپ کے پاس ہوتے وہ آپ کو کفایت نہ کرتے ۔ انصار نے کہا: اس ذات نے تمہاری اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی کی ہے جبکہ یہ تمہارے عزیز بھی ہیں انہیں ایسے حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ایسے حقوق ادا کرنے پڑتے ہیں کہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ انہیں کافی نہیں ہوتا ہم آپ کے لیے مال جمع کرتے ہیں انہوں نے اسی طرح کیا پھر وہ مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انصار اور مہاجرین نے باہم فخر کیا، انصار نے کہا: ہم نے یہ کیا، مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت پر فخر کیا (1)۔ مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امر کے بارے میں سنا تو خطبہ ارشاد فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: ''کیا تم بے بس نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے عزت دی؟ (2)'' فرمایا: ''تم مجھے جواب نہیں دو گے؟'' انصار نے عرض کی: ہم کس طرح آپ کو جواب دیں؟ فرمایا: ''تم کہتے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ کو رد نہیں کر دیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی؟ کیا انہوں نے آپ کو جھٹلایا نہیں تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی باتیں ان پر شمار کیں کہا: صحابہ کرام گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا: ہماری جانیں اور ہمارے مال آپ کے لیے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ نے کہا: مشرکوں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز لاتے ہیں شائید اس کے ساتھ اجر کے طالب ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی تاکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رشتہ داروں کی محبت پر برانگیختہ کرے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تعبیر آیت کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ سورت مکی ہے۔

**وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً** ۔ **يَقْتَرِفْ** کا معنی یکتسب ہے۔ قرف کا اصل معنی کسب ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان يقرف لعياله فلاں اپنے اہل و عیال کے لیے مزدوری کرتا ہے۔ اقتراف کا معنی اکتساب ہے؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے رجل قرفة جب وہ محنت مزدوری کرتا ہو۔ سورۂ انعام میں اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً** سے مراد ہے جس نے آل محمد سے محبت کی **نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا** ہم اس کے لیے دس یا اس سے زائد گنا اجر دے دیں گے۔ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ** ۝ قتادہ نے کہا: **غَفُوْرٌ** یعنی گناہوں کو بخشنے والا **شَكُوْرٌ** یعنی نیکیوں پر خوش ہونے والا (3)۔ سدی نے کہا: آل محمد علیہم السلام کے گناہ بخشنے والا اور ان کی نیکیوں پر اجر دینے والا (4)۔

**اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ۝

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر، اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے، بے شک وہ جاننے والا

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 423 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 202 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ہے جو کچھ سینوں میں ہے''۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا، ام میں میم زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے أیقولون افتری کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (الشوریٰ:15) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (شوریٰ:17) بیان کو مکمل کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا واؤ ضمیر سے مراد کفار قریش ہیں انہوں نے کہا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا ہے۔

فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ یہ شرط اور جواب ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مہر لگا دے گا اور تجھے قرآن بھلا دے گا، اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تو اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یوں ہی معاملہ کرتا جس کی اس نے اس آیت میں خبر دی ہے۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل کو ان کی اذیتوں پر مضبوط کر دے ان کے قول سے آپ کے دل کو کوئی مشقت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیری دانش کو زائل کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تیرے دل میں خیال آئے کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے تو وہ تیرے دل پر مہر لگا دے (1)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کفار کے دلوں اور زبانوں پر مہر لگا دے اور جلدی عذاب میں مبتلا کر دے، خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور کفار مراد ہیں؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے، پھر کلام شروع کی اور فرمایا: وَ یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ ابن انباری نے کہا: یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ۔ کسائی نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے کلام اس طرح ہے وَ یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ مصحف میں واؤ محذوف ہے (2) یہ کلام محل رفع میں ہے جس طرح ان آیات میں حذف ہے سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ (علق) کیونکہ اس کا عطف یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ پر ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا مکمل گفتگو ہے وَ یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ یہ ان لوگوں کے خلاف استدلال ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام حق کا انکار کرتے ہیں یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پیغام لاتے ہیں وہ باطل ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا جس طرح بہتان لگانے والوں کے بارے میں اس کی عادت ہے۔

وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ حق سے مراد اسلام ہے یعنی اسلام کو قرآنی آیات کے ساتھ ثابت کرتا ہے اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ یہ عام ہے یعنی بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حکم خاص ہے اس کا معنی ہے اگر تیرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور تیرے دل پر مہر لگا دے گا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۝۲۵

''اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 202　　2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 18

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آیت قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا نازل ہوئی کچھ لوگوں نے اپنے دلوں میں سوچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے بعد ہمیں اپنے قریبی رشتہ داروں کی اتباع پر برانگیختہ کر رہے ہیں جبریل امین نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگائی ہے تو یہ آیت اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا نازل ہوئی تو ان لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور ہم توبہ کرتے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے اولیاء اور اہل اطاعت کی توبہ قبول فرماتا ہے، آیت عام ہے (2)۔ توبہ کے معنی اور اس کے احکام کے متعلق گفتگو گذر چکی ہے۔ سورۂ براءت میں یہ لفظ گذر چکا ہے۔

وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ یعنی اسلام لانے سے قبل جو شرک کیا کرتا تھا اس کو معاف فرماتا ہے اور تم جو اچھا یا برا عمل کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ حمزہ، کسائی، حفص اور خلف نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان شاگردوں کی قراءت ہے باقی نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ دو خبروں کے درمیان ہے پہلی خبر وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اور دوسری يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہے۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

"اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کے حق سے بھی انہیں زیادہ اجر دیتا ہے اپنی مہربانی سے، اور کفار، ان کے لیے سخت عذاب ہے"۔

الَّذِيْنَ محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس آدمی کی عبادت قبول فرماتا ہے جس نے دل کے اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اپنے بدن کے ساتھ اطاعت کی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی عرضداشت کو قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے حق میں ایک دوسرے کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجاب اور استجاب کا ایک معنی ہے۔ سورۂ بقرۃ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ مومنوں کی ایک دوسرے کے حق میں شفاعت قبول فرماتا ہے وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ کا معنی ہے وہ ان کے بھائیوں کے حق میں سفارش قبول فرماتا ہے (3)۔ مبرد نے کہا: وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا معنی ہے ولیستدع الذین آمنوا الاجابۃ باب استفعال کے معنی میں طلب پائی جاتی ہے الَّذِيْنَ محل رفع میں ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 83　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 84　3۔ ایضاً

"اور اگر کشادہ کردیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے (تمام) بندوں کے لیے تو سرکشی کرنے لگتے زمین میں لیکن وہ اتارتا ہے ایک اندازے سے جتنا چاہتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کے احوال سے خوب آگاہ ہے سب کچھ دیکھنے والا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ آیت کے نزول کے بارے میں ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اہل صفہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رزق کی وسعت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ حضرت حباب بن ارت نے کہا: یہ ہمارے بارے میں آیت نازل ہوئی ہم نے بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع کے اموال کو دیکھا تو ہم نے اس کی تمنا کی تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

وَ لَوْ بَسَطَ اس کا معنی ہے وسیع کرنا۔ بسط الشیٔ کا معنی ہے اس کو پھیلا دیا، جب یہ لفظ سین کی بجائے صاد کے ساتھ ہو تب بھی اس کا یہی معنی ہوتا ہے۔

لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وہ سرکش ہو جاتے اور نافرمانی کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **بغیھم** سے مراد ہے ایک منزل کے بعد دوسری منزل، ایک جانور کے بعد دوسرا جانور، ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کرنا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ انہیں کثیر مال دیتا تو وہ اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتے کیونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "اگر انسان کی سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی خواہش کرتا ہے (3)"۔ یہی بغی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہی مطلب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم سب کو مال میں برابر کر دیتے تو ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی اطاعت نہ کرتا اور صنعتیں معطل ہو کر رہ جاتیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رزق سے مراد بارش ہے رزق سبب ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ بارش لگاتار عطا فرماتا رہتا تو وہ دعا سے غافل ہو جاتے وہ کبھی کبھی بارش روک لیتا ہے تو وہ آہ وزاری شروع کر دیتے ہیں اور کبھی اس میں فراخی عطا فرماتا ہے تو وہ شکر بجا لاتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے جب وہ خوشحال ہوتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر غارت گری مچاتے ہیں تو بغی کو اس پر محمول کرنا کوئی بعید نہیں۔ زمخشری نے کہا: **لَبَغَوْا** ابغی سے مشتق ہے جس کا معنی ظلم ہے یعنی ایک دوسرے پر ظلم کرے اور دوسرا پہلے پر ظلم کرے کیونکہ مال و دولت تکبر و غرور کا باعث ہوا کرتی ہے قارون عبرت کے لیے کافی ہے (4)۔

اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: أخوف ما أخاف علی أمتی زھرۃ الدنیا و کثرتھا جن چیزوں سے میں اپنی امت سے ڈرتا ہوں ان میں سے خوفناک ترین دنیا کی تروتازگی اور کثرت ہے۔ ایک عرب نے کہا:

وقد جعل الوسْمِیّ یُنبت بیننا   وبین بنی دُودَان نَبْعًا وشَوْحَطَا

---

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 194
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 84
3۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، کراھیۃ الحرص علی الدنیا، جلد 1، صفحہ 235
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 223

موسم بہار کی پہلی بارش ہمارے اور بنی دودان کے درمیان نبع اور شوحط (دو قسم کے درخت) کو اگاتی ہے۔

یعنی ان میں خوشحالی آئی تو انہوں نے بغاوت اور باہم ظلم کا ارادہ کیا یا یہ لفظ بغی سے مشتق ہے جس کا معنی تکبر و غرور ہے یعنی تا کہ وہ زمین میں تکبر کریں اور وہ غلبہ پانے اور فساد برپا کرنے کی کوشش کریں جو اس کبر کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

**وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ** وہ ان کے رزق اس مقدار میں نازل فرماتا ہے جتنا چاہتا ہے اور جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ مقاتل نے کہا: **يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ** جسے چاہتا ہے غنی بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ہمارے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے افعال مصلحتوں سے خالی نہیں ہوں گے اگرچہ اللہ تعالیٰ پر یہ واجب نہیں۔ وہ اپنے بندے کے حال کو جانتا ہے کہ اگر وہ اس پر رزق کو وسیع کردے تو یہ اسے فساد کی طرف لے جائے گا تو وہ مصلحت کے باعث اس سے دنیا لپیٹ لیتا ہے، یہ رزق کی کمی اس کی ذلت نہیں اور نہ ہی رزق کی وسعت فضیلت ہے اس نے کئی قوموں کو رزق کی فراوانی دی جبکہ اسے علم تھا کہ وہ اسے فساد میں استعمال کریں گے اگر وہ اس کے برعکس کرے تو یہ صلاح کے زیادہ قریب ہوگا مجموعی طور پر امر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ کے تمام افعال میں استصلاح کا نقطہ نظر لازم کرنا ممکن نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جس نے میرے دوست کو ذلیل کیا اس نے مجھے دعوت مبارزت دی، میں اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں دوسروں سے زیادہ تیز ہوں میں ان کے لیے اس طرح غضبناک ہوتا ہوں جس طرح غضبناک شیر غصہ میں ہوتا ہے جس چیز کو میں کرنے والا ہوتا ہوں میں کسی میں بھی اتنا متردد نہیں ہوتا جتنا متردد اس مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہے، میں اسے ناراض کرنا ناپسند کرتا ہوں اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہوتا بندہ مومن کسی ذریعہ سے میرے قریب نہیں ہوتا جس قدر وہ فرائض کی بجا آوری کے ذریعے قریب ہوتا ہے بندہ مومن نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان، آنکھ، زبان اور ہاتھ اور تائید کرنے والا بن جاتا ہوں اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو مجھ سے عبادت کے ایک دروازے کا سوال کرتے ہیں جبکہ میں جانتا ہوں اگر میں انہیں وہ دے دوں تو اس میں عجب داخل ہو جائے گا اور وہ چیز انہیں تباہ و برباد کر دے گی اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جسے غنا ہی درست کر سکتی ہے اگر میں اسے فقر و تنگدستی دوں تو فقر اسے تباہ و برباد کر دے اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں فقر ہی درست کر سکتا ہے اگر میں اسے غنی کر دوں تو غنا اسے فاسد کر دیتی ہے۔ میں اپنے بندوں میں سے بعض سے اعراض برتتا ہوں کیونکہ مجھے ان کے دلوں کا علم ہوتا ہے، کیونکہ میں علیم و خبیر ہوں''(1)۔ پھر حضرت انس نے دعا کی: اے میرے اللہ! میں تیرے ان مومن بندوں میں سے ہوں جنہیں غنا ہی درست رکھتی ہے اپنی رحمت کے ساتھ مجھے محتاج نہ کرنا۔

**وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۸**

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 84

''اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کارساز حقیقی اور سب تعریفوں کے لائق ہے''۔

ابن کثیر، ابن محیصن، مجاہد، ابوعمرو، یعقوب، ابن وثاب، اعمش اور کسائی نے ینزل کو مخفف پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن وثاب، اعمش اور دوسرے قراء نے قنطوا پڑھا ہے۔ یہ سب بحثیں پہلے گذر چکی ہیں۔ غیث کا معنی بارش ہے، غیث کو غیث اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ مخلوق کی مدد کرتا ہے قد غاث الغیث الارض زمین پر بارش ہوئی غاث الله البلاد یَغِیثُها غَیْثًا اسی طرح یوں بھی استعمال ہوتا ہے غیث الأرض تغاث غیثا فھی أرض مغیثة و مغیوثة۔ اصمعی نے کہا: میں ایک عرب قبیلہ کے پاس سے گذرا جبکہ ان پر بارش ہوئی تھی میں نے ان کی ایک بوڑھی سے پوچھا تم پر بارش ہوئی ہے؟ تو اس نے جواب دیا: غِثنا ما شئنا غیثا یعنی ہم پر بارش ہوئی ہے۔ ذو رمہ نے کہا: الله تعالیٰ بنی فلاں کی لونڈی کو ہلاک کرے وہ کتنی فصیح ہے میں نے اسے کہا: تمہارے ہاں بارش کیسے ہوئی؟ تو اس نے جواب دیا غثنا ما شئنا پہلے قول کا ذکر ثعلبی نے کیا ہے اور دوسرے قول کا ذکر جوہری نے کیا ہے۔ بعض اوقات سحاب اور نبات کو بھی غیثا کہتے ہیں قنوط کا معنی مایوس ہونا ہے، یہ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا ہے۔ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب سے عرض کی! اے امیر المومنین قحط المطر و قل الغیث و قنط الناس بارش ناپید ہوگئی نباتات ناپید ہوگئی اور لوگ مایوس ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا: ان شاء الله تم پر بارش ہوگی پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ غیث اس بارش کو کہتے ہیں جو اس وقت میں نافع ہو۔ مطر اس بارش کو کہتے ہیں جو کسی وقت نافع ہوتی ہے اور کسی وقت نقصان دہ ہوتی ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے (1)۔

وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رحمت کا معنی بارش ہے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بارش کے بعد سورج کا ظاہر ہونا؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ مقاتل نے کہا: اہل مکہ سے سات سال تک بارش رکی رہی یہاں تک کہ وہ مایوس ہو گئے پھر الله تعالیٰ نے بارش کو نازل فرمایا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک بدو کے بارے میں آیت نازل ہوئی جس نے جمعہ کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے متعلق سوال کیا تھا جس کا ذکر استسقاء میں ہے؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ولی اسے کہتے ہیں جو اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے، حمید اسے کہتے ہیں جس کی ہر زبان سے تعریف کی جائے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے اور جو جاندار اس نے پھیلا دیے ہیں آسمان وزمین میں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

آیات سے مراد وہ علامات ہیں جو اس کی قدرت کی دلالت کرتی ہیں مِنْ دَآبَّةٍ میں فرشتے اور انسان بھی داخل ہیں الله

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 203 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 84

تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل) فراء نے کہا: یہاں مراد زمین میں پھیلائی جانے والی چیزیں ہیں نہ کہ وہ چیزیں جو آسمان میں ہیں جس طرح یہ فرمان ہے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ (الرحمٰن) یہ نمکین سمندر سے نکلتے ہیں میٹھے سمندر سے نہیں نکلتے ہیں۔ ابوعلی نے کہا: اس کی تقدیر یوں ہے جو ان میں سے ایک میں پھیلائیں، تو مضاف کو حذف کر دیا گیا يَخْرُجُ مِنْهُمَا یعنی من احدھما قیامت کے روز ان کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ

''اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ کریم درگزر فرما دیتا ہے تمہارے بہت سے کرتوتوں سے۔ اور تم عاجز نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کو زمین میں اور نہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار''۔

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ نافع اور ابن عامر نے بما کسبت فاء کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابوعبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ حرف اور اجر میں زیادتی ہے۔ مہدوی نے کہا: اگر تو یہ مقدر کرے کہ ما موصولہ ہے تو فاء کا حذف اور اس کا اثبات جائز ہے اور فاء کو ثابت رکھنا بہت اچھا ہے۔ اگر تو اسے شرطیہ کہے تو سیبویہ کے نزدیک اس کا حذف جائز نہیں۔ اخفش نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام) یہاں مصیبت سے مراد معاصی پر حدود ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری نے کہا: ضحاک نے کہا: کسی انسان نے قرآن سیکھا پھر اس کو بھول گیا تو یہ کسی گناہ کے ہی سبب ہوگا (1) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ پھر کہا: قرآن بھولنے سے بڑی مصیبت کونسی ہوگی؟ اسے ابن مبارک نے عبدالعزیز بن ابی رواد سے نقل کیا ہے۔ ابوعبید نے کہا: یہ ترک کرنے پر ہے جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو تلاوت کرتا رہتا ہے وہ اس کے حفظ پر حریص ہوتا ہے مگر نسیان اس پر غالب آ جاتا ہے تو یہ اس میں سے نہیں جو چیز اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن بھول جایا کرتے یہاں تک کہ آپ کو یاد دلایا جاتا۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک آدمی کی قراءت کو سنا تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر ہو اس نے مجھے ایسی آیات یاد دلائی ہیں جن کو میں فلاں فلاں سورت سے بھول گیا تھا'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما، الذی کے معنی میں ہے معنی ہے زمانہ گذشتہ میں جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کتاب اللہ میں سے زیادہ امید والی یہ آیت ہے جب وہ مصائب کے ساتھ مجھ سے خطاؤں کو بخش دیتا ہے اور بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے تو کفارہ اور معافی کے بعد کیا رہ جاتا ہے (3) یہی چیز آپ نے

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 424 2۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نسیان القرآن و ھل یقول کذا و کذا، جلد 2، صفحہ 753
3۔ ہادی علی الجلالین، جلد 4، صفحہ 35

ایک مرفوع حدیث میں بھی بیان کیا ہے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمہیں کتاب اللہ میں سے سب سے افضل آیت کے بارے میں آگاہ نہ کروں جس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کیا ہے وہ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ہے فرمایا: ''اے علی! جو تمہیں بیماری، تکلیف یا آزمائش دنیا میں آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے کہ وہ آخرت میں تمہیں دوبارہ سزا دے اور دنیا میں جس گناہ کو اس نے معاف کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ حلم والا ہے کہ وہ معافی کے بعد اس پر سزا دے''(1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: جو رگ پھڑکتی ہے، جو لکڑی سے خراش آتی ہے اور جو انسان پتھر پر گرتا ہے تو یہ کسی نہ کسی گناہ کے باعث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ بخش دیتا ہے''(2)۔

حضرت حسن بصری نے کہا: ہم عمران بن حصین کے پاس گئے تو ایک آدمی نے کہا: جو تکلیف میں تجھ میں دیکھ رہا ہوں میں اس کے بارے میں تم سے ضرور سوال کروں گا۔ عمران نے کہا: اے میرے بھائی! اس طرح نہ کر اللہ کی قسم! میں درد کو پسند کرتا ہوں اور جو اسے پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے(3)، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ یہ میرے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے جو گناہ باقی بچے ہیں میرے رب نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ وہ تعداد میں بہت بڑھ کر ہیں۔

مرہ ہمدانی نے کہا: میں نے شریح کی ہتھیلی کی پشت پر ایک زخم دیکھا میں نے پوچھا: اے ابوامیہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ میرے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت زیادہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

ابن عون نے کہا: جب محمد بن سیرین پر قرض چڑھ جاتا تو اس وجہ سے وہ غمگین ہوتے فرماتے: میں اس غم کو پہچانتا ہوں یہ اس گناہ کی وجہ سے ہے جو میں نے چالیس سال پہلے کیا تھا۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: ابو سلیمان دارانی سے کہا گیا: ان عقلاء کو کیا ہو گیا ہے انہوں نے ان لوگوں سے ملامت کو زائل کر دیا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی؟

انہوں نے جواب دیا: کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث آزمائش میں ڈالا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ۔

عکرمہ نے کہا: انسان کو گرنے کی صورت میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس گناہ کے باعث ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے ساتھ بخشنے والا تھا یا وہ ایسا درجہ پائے جس درجہ تک اس مصیبت کو برداشت کیے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ایک روایت کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اے موسیٰ! علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء لایزنی الزانی وھو مومن، روایت بالمعنی، حدیث نمبر 2550، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 25-424
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 37

میرے حق میں ایک حاجت کا سوال کیجئے کہ وہ میری حاجت پوری فرما دے (1) جبکہ اللہ تعالیٰ اس حاجت کو بخوبی جانتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کیا جب وہ نیچے آئے تو وہ اسی آدمی کے پاس تھے جسے درندے نے چیر پھاڑ دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ کیا معاملہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! اس نے مجھ سے ایک ایسے درجے کا سوال کیا جس کے بارے میں مجھے علم تھا کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے یہاں نہ پہنچ پائے گا تو میں نے اسے وہ تکلیف دی جسے تو دیکھ رہا ہے تا کہ میں اس درجہ کو پانے کے لیے اس مصیبت کو وسیلہ بنا دوں۔ ابو سلیمان دارانی جب اس حدیث کا ذکر کرتے تو کہتے: اس ذات کے لیے تمام پاکیزگیاں ہیں جو اس پر قادر ہے کہ آزمائش کے بغیر اسے اس درجہ پر پہنچا دے لیکن وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: معنی میں اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء: 123) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: یہ مومنین کے حق میں ہے جہاں تک کافر کا تعلق ہے اس کی سزا آخرت تک موخر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ کفار کو خطاب ہے جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو کہتے: یہ حضرت محمد ﷺ کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا بلکہ فرمایا: یہ ان کے کفر کی نحوست کی وجہ سے ہے جبکہ پہلی تعبیر زیادہ علماء کی، یہ زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: یہ بات کہی جاتی تھی کہ تکلیف کی ساعتیں خطاؤں کی ساعتوں کو ختم کر دیتی ہیں (2) پھر اس میں دو قول ہیں: (1) یہ بالغوں کے بارے میں خاص ہے کہ ان کے حق میں عقوبت ہو اور بچوں کے حق میں یہ اجر کا ذریعہ ہو۔ (2) یہ عقوبت عام ہے بالغوں کے حق میں انکی ذاتوں کے حوالہ سے اور بچوں کے حق میں ان کی والدہ اور والد کے حوالہ سے ہے۔

وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۝ یعنی بہت سے ایسے گناہوں کو بخش دیتا ہے جن پر حدود نہیں ہوتیں (3)؛ یہی حضرت بصری کے قول کا مقتضا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بہت سے گناہگاروں کو نہیں بخشتا یعنی ان پر جلدی عذاب نہیں دیتا۔

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ یعنی تم اللہ تعالیٰ کو فوت نہیں پاؤ گے یعنی تم بھی اسے عاجز نہیں پاؤ گے اور نہ ہی تم اسے ناپید پاؤ گے۔

وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ۝ اس کی بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۝

''اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ رکے رہیں سمندر کی پشت پر، بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے، شکر بجالانے والے کے لیے''۔

1۔ صاوی علی الجلالین، جلد 4، صفحہ 34 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 204 3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 425

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ ان کی ان علامات میں سے جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہے وہ سمندر میں چلنے والی کشتیاں ہیں گویا وہ بڑے ہونے میں پہاڑ ہیں۔ اعلام کا معنی پہاڑ ہے جواری کی واحد جاریۃ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ﴿۱۱﴾ (الحاقہ) اسے جاریہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ پانی میں چلتی ہے۔ جاریہ کا معنی نوجوان لڑکی بھی ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس میں نوجوانی کا پانی چلتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اعلام کا معنی محلات ہیں اس کا واحد علم ہے (1)، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ان سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں (2)۔ خلیل نے کہا: عربوں کے ہاں ہر بلند شے کو علم کہتے ہیں۔ خنساء اپنے بھائی صخر کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتی ہے:

وإنّ صخرًا لتأتم الهُداة به كأنّه علَمٌ في رأسه نار(3)

بے شک صخر کا راہنما بھی قصد کرتے ہیں گویا وہ ایسا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ ہے۔

اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ اہل مدینہ نے اسی طرح جمع کا صیغہ پڑھا ہے فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ کشتیاں سطح سمندر پر ساکن رہتی ہیں وہ چلتی نہیں ہیں رَكَدَ الماءُ رُكُودًا یعنی پانی ٹھہر گیا، اسی طرح ہوا اور کشتی ہے۔ سورج جب دوپہر کو ٹھہر جائے تو اس کے لیے بھی راکد کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو کسی جگہ ثابت ہو اسے راکد کہتے ہیں راکد المیزان جب وہ جھکنے سے رک جائے، مراکد ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں انسان اور دوسری چیزیں ٹھہرتی ہیں۔ قتادہ نے اسے فیظلِلن پہلے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے جس طرح ضلِلْتُ، اَضِلُّ ہے اور لام کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے؛ یہ قراءت مشہور ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ آیات سے مراد دلالات اور علامات ہیں یعنی جو آزمائش پر صبر کرتا ہے اور نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے۔ قطرب نے کہا: صابر وشاکر بندہ کتنا اچھا ہے جب اسے عطا کیا جائے تو شکر کرتا ہے اور جب اسے آزمائش میں ڈالا جائے تو صبر کرتا ہے (4)۔ عون بن عبد اللہ نے کہا: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن پر انعام کیا جاتا ہے تو شکر نہیں کرتے اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو امتحان میں ڈالا جاتا تو صبر نہیں کرتے۔

**اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ یَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّ یَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾**

''یا اگر وہ چاہے تو تباہ کردے انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور درگزر فرمادیا کرتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور اس وقت جان لیں گے جو جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں''۔

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا اگر چاہے تو ہواؤں کو آندھیاں بنادے اور کشتیوں کو تباہ کردے یعنی ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کردے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کشتیوں والے افراد کو ہلاک کردے۔

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 86 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 205 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَ يَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ۝ ان کشتیوں والے بہت سے افراد کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کشتیوں کے ساتھ انہیں غرق نہیں کرتا؛ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور انہیں ہلاکت سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماتا ہے۔ قشیری نے کہا: عام قراءت وَ يَعْفُ ہے اس میں اشکال ہے کیونکہ معنی ہے اگر چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے اور وہ کشتیاں ایک ہی جگہ ٹھہری رہیں اور ان کے سواروں کے گناہوں کے سبب انہیں تباہ کر دے اس صورت میں عطف کرنا اچھا نہیں کیونکہ اس صورت میں معنی بن جاتا ہے اگر چاہے تو معاف کر دے معنی یہ نہیں بلکہ معنی ہے بغیر مشیئت کی شرط کے انہیں معاف کرنے کی خبر دینا ہے اس صورت میں مجزوم پر عطف لفظ کے اعتبار سے ہوگا معنی کے اعتبار سے نہیں ہوگا۔

وَّ يَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ۝ اس کا مصداق کفار ہیں یعنی جب وہ سمندر کے بیچ میں ہوتے ہیں اور ہوائیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں یا کشتیاں کھڑی رہتی ہیں تو انہیں علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں اور نہ ہی انہیں بچانے والا ہے، اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پس وہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص سے عبادت کریں۔ یہ بحث بھی کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ سمندر میں سفر کرنے کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ اور دوسرے مقامات پر گزر چکی ہے اس لیے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ نافع اور ابن عامر نے ویعلم رفع کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ شرط و جزا کے بعد رفع استئناف کے طریقہ پر ہوگا جس طرح سورۂ توبہ میں ہے وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ (14) پھر فرمایا: وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ (التوبۃ: 15) رفع کے طور پر فرمایا، اس کی مثل کلام عربی میں ہے ان تاتنی آتك وینطلق عبد اللہ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور نصب محض کلام پھیرنے کے اعتبار سے ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۝ (آل عمران) جزم کی حالت سے نصب کی حالت کی طرف اسے پھیرا ہے مقصد تخفیف پیدا کرنا ہے کیونکہ پے در پے جزم ناپسندیدہ ہے جس طرح نابغہ کا قول ہے:

فإن يَهْلِك أبو قابوسَ يهلِكْ ربيعُ الناسِ والشهرُ الحرامُ
ويُمسِكْ بعده بذِناب عَيْشٍ أَجَبِّ الظَّهْرِ ليس له سنام

اگر ابو قابوس ہلاک ہو گیا ہے تو لوگوں کا موسم بہار اور شہر حرام فوت ہو گیا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد وہ زندگی کی دُم کو ہی پکڑے گا جس کی کہان کٹی ہوئی ہے۔

یہ فراء کے قول کا معنی ہے۔ اگر یعلم کو جزم دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ زجاج نے کہا: اَنْ کے مضمر ہونے کی بنا پر اسے نصب دی جائے گی (1) کیونکہ اس سے قبل جزم ہے تو کہتا ہے: تصنعْ أصنعْ مثله وأكرمَك۔ اگر تو چاہے تو تو کہہ سکتا ہے واکرمْك بعض مصاحف میں ولیعلمَ ہے یہ اس امر پر دال ہے کہ نصب معنی کی وجہ سے ہے کہ پہلا مصدر کے حکم میں ہے ویکون منہ عفو وأن یعلم۔ جب اسے اسم پر محمول کیا تو ان کو مضمر کیا جس طرح تو کہتا ہے: ان تاتنی و تعطینی اکرمك اور تو تعطینی کو نصب دیتا ہے تقدیر کلام یہ بنے گی ان یکن منكم إتیان وأن تعطینی۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 227

مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝ کا معنی فرار اور بھاگنے کی جگہ ہے(1)؛ یہ قطرب نے کہا۔ سدی نے کہا: معنی ہے پناہ گاہ۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے(2)؛ حاص به البعیر حیصة جب اونٹ نے اسے پھینک دیا اسی معنی میں ان کا قول ہے: فلان یحیص عن الحق فلاں حق سے مائل ہوتا ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

''پس جو کچھ تمہیں دیا گیا یہ دنیوی سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں''۔

مِّنْ شَيْءٍ سے مراد دنیا میں غنا اور خوشحالی ہے فَمَتَاعُ یہ چند دنوں کا سامان ہے جو دن ختم ہو جائیں گے اس لیے مناسب نہیں کہ کوئی اس پر فخر کرے، خطاب مشرکوں کو ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى سے مراد اطاعت پر ثواب ہے لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جنہوں نے تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کر دیا تو لوگوں نے آپ کو ملامت کی۔ حدیث طیبہ میں آیا ہے ''انہوں نے اسی ہزار خرچ کیا''۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝

''اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ اسم موصول محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پر ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ گناہ کبیرہ کے بارے میں بحث سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے کبیر الاثم پڑھا ہے اضافت کے وقت واحد سے بھی جمع کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) جس طرح حدیث طیبہ میں ہے مَنَعتِ العراقُ درهمها و قفیزها(3) محل استدلال درهمها اور قفیزها ہے۔ باقی قراء نے یہاں اور سورۂ نجم میں جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

وَالْفَوَاحِشَ سدی نے کہا: اس سے مراد زنا ہے(4)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ سے مراد شرک ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہاں كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ سے مراد گناہ ہیں کہ جب کوئی ان سے اجتناب کرتا ہے تو چھوٹے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ فواحش بھی کبائر میں داخل ہوتے ہیں لیکن یہ زیادہ فحش اور زیادہ شنیع ہو جاتے ہیں جس طرح قتل، زخمی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 205
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ۔ باب لا تقوم الساعۃ، جلد 2، صفحہ 391
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 21

کرنے کی بنسبت اور بدکاری گناہ کی ترغیب دینے کی بنسبت زیادہ قبیح ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فواحش اور کبائر دونوں کا معنی ایک ہے لفظ متعدد ہونے کی وجہ سے اسے مکرر ذکر کیا یعنی وہ نافرمانیوں سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ وہ کبائر اور فواحش ہیں۔ مقاتل نے کہا: فواحش سے مراد حدود کو واجب کرنے والے امور ہیں (1)۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ۝ یعنی وہ درگذر سے کام لیتے ہیں اور جس نے ان پر ظلم کیا ہوتا ہے ان سے حلم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت عمر کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں مکہ مکرمہ میں گالیاں دی گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب تمام مال خرچ کرنے پر لوگوں نے ان کی ملامت کی اور جب انہیں گالیاں دی گئیں تو انہوں نے حلم کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مال جمع ہوا تو آپ نے اللہ کی راہ میں تمام مال صدقہ کر دیا مسلمانوں نے انہیں ملامت کی اور کافروں نے ان پر غلط عمل کرنے کا الزام لگایا تو فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۝ وَ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ۝ تک آیات نازل ہوئیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مشرکوں میں سے ایک آدمی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ محاسن اخلاق میں سے ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے پر شفقت کرتے ہیں اور جو جاہل ہوتا ہے اس سے درگذر کرتے ہیں، وہ عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ثواب اور عفو کا سوال کرتے ہیں کیونکہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران: 134) وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی تیری عزت سے کھیلے اور تو اس سے غصہ پر قابو پائے، کسی نے یہ شعر کہا:

إني عفوتُ بظالمي ظلمي ووهبت ذاك له على علمي
مازال يظلمني وأرحمه حتى بكيت له من الظلم

میں نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا میں نے سب کچھ جانتے ہوئے اسے یہ چیز ہبہ کی۔ وہ لگاتار مجھ پر ظلم کرتا رہا اور میں اس پر رحم کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے ظلم کی وجہ سے میں اس کے حق میں رویا۔

وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۪ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۝

''اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ عبد الرحمٰن بن زید نے کہا: اس سے مراد مدینہ طیبہ کے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 121 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 228

انصار ہیں (1)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان لانے کی جب انہیں دعوت دی گئی تو انہوں نے اس پر لبیک کہی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل انہیں میں سے بارہ نقیب ان کی طرف روانہ کیے تھے۔

وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ یعنی انہوں نے نماز کو اسکے اوقات میں شروط اور ہیئتوں کے ساتھ ادا کیا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ وہ امور میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ شوری، شاورتہ کا مصدر ہے جس طرح بشریٰ اور ذکریٰ وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار مدینہ کے پاس آنے سے پہلے انصار کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتے تو وہ آپس میں مشورہ کرتے پھر اس پر عمل کرتے اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدح کی (2)؛ یہ نقاش کا قول ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: وہ امور میں رائے کی اتباع کرتے ہیں اس لیے وہ اتفاق کرتے ہیں وہ اختلاف نہیں کرتے تو ان کے اتفاق کی وجہ سے ان کی مدح کی گئی (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کسی قوم نے کبھی بھی مشورہ نہیں کیا مگر انہیں بہترین امر کی طرف ہدایت دی گئی (4)۔ ضحاک نے کہا: جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں سنا تو آپس میں مشورہ کیا وہ مراد ہے اور ان کے نقیب ان کے پاس آئے یہاں تک کہ ان کی رائے حضرت ایوب کے گھر میں آپ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے پر متفق ہو گئی (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بھی ان پر کوئی امر ظاہر ہوتا تو وہ آپس میں مشورہ کرتے ان میں سے بعض بعض کی خبر کو ترجیح نہ دیتے۔ ابن عربی نے کہا: مشورہ جماعت میں محبت پیدا کرتا ہے، عقلوں کو پرکھنے کا آلہ ہے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کا سبب ہے کسی قوم نے جب بھی مشورہ کیا وہ ہدایت پا گئے (6) ایک دانا نے کہا:

إذا بلغ الرأي المشورة فاستعن برأي لبيب او مشورة حازم

ولا تجعل الشورى عليك غضاضة فإن الخَوَافي قوة للقوادم

جب رائے مشورہ تک جا پہنچے تو دانشمند کی رائے اور محتاط کے مشورہ سے مدد لے تو مشورہ اپنے لیے نقص نہ سمجھ بے شک چھوٹے پر، بڑے پروں کی قوت ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امور میں مشورہ کی مدح کی ہے اس قوم کی مدح کے ساتھ جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگوں کے متعلق امر میں اپنے صحابہ سے مشورہ طلب کیا کرتے تھے یہ آراء میں بہت زیادہ ہوتا ہے آپ احکام میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوتے وہ فرض ہوتے، مستحب ہوتے، مکروہ ہوتے، مباح ہوتے یا حرام ہوتے، جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہم پر ترجیح دی ہے وہ احکام میں بھی مشورہ کیا کرتے تھے اور کتاب و سنت سے ان کو مستنبط کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے سب سے پہلے جس معاملہ میں مشورہ کیا وہ خلافت کا معاملہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں واضح ارشاد فرمایا تھا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور انصار کے درمیان معاملہ ہوا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اپنی دنیا کے لیے اسی پر راضی ہیں جس پر نبی کریم

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 206 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 426 4۔ ایضاً

5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 206 6۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1668

ﷺ ہمارے دین کے بارے میں راضی تھے۔ مرتدوں کے بارے میں صحابہ نے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر سب کا اتفاق ہوگیا، صحابہ نے دادا اور اس کی میراث میں مشورہ کیا، شراب اور ان کی حد کے بارے میں مشورہ کیا، رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد انہوں نے جنگوں کے بارے میں مشورہ کیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے بھی جنگوں کے بارے میں مشورہ کیا جب وہ مسلمان کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرمزان نے آپ سے عرض کی: اس جنگ اور اس جنگ میں مسلمانوں کے جو دشمن شریک ہیں ان کی مثال اس پرندے جیسی ہے جس کا ایک سر ہے اس کے دو بازو ہیں اور دو پاؤں ہیں اگر ایک بازو ٹوٹ جائے تو دونوں ٹانگیں، ایک بازو اور سر کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اگر دوسرا بازو بھی ٹوٹ جائے تو دونوں ٹانگیں اور سر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اگر سر کچل دیا جائے تو دونوں پاؤں اور دونوں بازو بھی ختم ہو جاتے ہیں، سر کسریٰ ہے، ایک بازو قیصر اور دوسرا بازو فارس ہے مسلمانوں کو حکم دو کسریٰ کی طرف نکلیں۔

ایک دانشمند نے کہا: میں نے کبھی بھی غلطی نہیں کی جب مجھے کوئی امر لاحق ہوتا تو میں اپنی قوم سے مشورہ کرتا میں وہی کرتا جو وہ رائے دیتے اگر میں صحیح نتیجہ تک جا پہنچتا تو وہ بھی صحیح نتیجہ تک پہنچتے اگر میں غلطی کرتا تو وہ بھی غلطی کرتے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ سورۂ آل عمران آیت 159 میں شوریٰ کے احکام: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ میں گذر چکے ہیں۔ مشورہ برکت ہے مشورہ سے مراد شوریٰ ہے اسی طرح مشورہ ہے تو کہتا ہے: شاورته فی الأمر و استشرته کا معنی ایک ہی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تمہارے امراء تم میں سے بہترین لوگ ہوں، تمہارے اغنیاء تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے امور باہم مشورہ سے ہوں تو تمہارے لیے سطح زمین، زمین کے بطن سے بہتر ہے جب تم میں سے امراء تم میں سے شریر ترین ہوں۔ تمہارے اغنیاء تم میں سے بخیل ترین لوگ ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے حق میں زمین کا بطن اس کی سطح سے بہتر ہے (1)'' یہ حدیث غریب ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ یعنی جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے صدقہ کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

1۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی النہی عن سب الریح، جلد 2، صفحہ 51۔ ایضاً، حدیث نمبر 2192، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

''اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا مناسب بدلہ دیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں، بے شک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد کرتے ہیں زمین میں ناحق یہی ہیں، جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو شخص ان مظالم پر صبر کرے اور طاقت کے باوجود معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

ان میں گیارہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ یعنی مشرکوں کی جانب سے ان پر زیادتی کی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی وجہ یہ بنی کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر بغاوت کی انہیں اذیتیں دیں اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نکلنے کی اجازت دی، زمین میں انہیں اختیار دیا اور جنہوں نے بغاوت کی تھی ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا (الحج) کا یہی مصداق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر باغی میں عام ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن یعنی جب انہیں ظالم کی جانب سے ظلم پہنچتا ہے تو وہ اس کے ظلم کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے اس میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اقامت حدود کی طرف اشارہ ہے۔

ابن عربی نے ذکر کیا۔ ہے: اللہ تعالیٰ نے ظلم کی صورت میں مدد کا ذکر مدح کے انداز میں کیا ہے، ایک اور موقع پر جرم سے معافی کا ذکر مدح کے انداز میں کیا۔ ہے تو یہ احتمال موجود ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو ختم کرنے والا ہے(1) اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ دو حالتوں کی طرف راجع ہو ان دونوں حالتوں میں سے ایک حالت یہ ہے کہ باغی اعلانیہ فجور کرنے والا ہے عام لوگوں میں بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا ہو اور چھوٹے بڑے کو اذیتیں دینے والا ہو تو ایسے شخص سے انتقام لینا افضل ہے اس کی مثل میں حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفوس کو ذلیل کریں کہ فاسق ان پر جری ہو جائیں۔

2۔ وہ امر جلد بازی میں ہو جائے یا اس سے واقع ہو جو لغزش کا اعتراف کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے تو یہاں معاف کرنا افضل ہے اسی کی مثل میں یہ آیات نازل ہوئیں وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (البقرۃ: 237) اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (المائدۃ: 45) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (النور: 22)

میں کہتا ہوں: یہ تعبیر بہت اچھی ہے۔ کہا: طبری نے احکام میں یہی ذکر کیا ہے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالَّذِيْنَ اِذَآ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1669

اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۔ اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ اس موقع پر انتقام لینا افضل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے اور نماز قائم کرنے کے ذکر کے ساتھ اسے ملایا ہے یہ اسی معنی پر محمول ہے (1) جو ابراہیم نخعی نے ذکر کیا ہے وہ مومنوں کے لیے اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کردیں، فساق ان پر جری ہو جائیں یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جو حد سے تجاوز کرے اور اس پر اصرار کرے۔ وہ موقع جس میں معافی کا حکم دیا گیا ہے وہ اس وقت ہوگا جب جنایت کرنے والا شرمندہ ہو اور غلطی کا ازالہ کرنے والا ہو اس آیت کے بعد ارشاد فرمایا: وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ۔ یہ انتقام لینے کے مباح ہونے کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا حکم دیتا ہے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا: وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ یہ غیر مصر کے لیے بخشش پر محمول ہے جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو بغی اور ظلم پر مصر ہوتا ہے تو اس سے انتقام لینا افضل ہوتا ہے کیونکہ اس سے ماقبل آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف باہم مدد کرتے ہیں یہاں تک کہ ظلم اپنے آپ سے دور کر لیتے ہیں (2)؛ اور اس کو دور کرتے ہیں یہ ابن بحر نے کہا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ عموم کی طرف لوٹتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دو قسمیں بنائی ہیں ایک قسم ہے جو ظالموں کو معاف کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ ان کے ذکر کا آغاز کیا وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ۔ ایک قسم ایسی ہے جو ظالم سے انتقام لیتے ہیں پھر اس ارشاد وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے ساتھ انتقام کی حد بیان کی۔ جو آدمی ان پر ظلم کرتا ہے وہ ظالم سے انتقام لیتے ہیں مگر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرتے۔ مقاتل اور ہشام بن حجیر نے کہا: یہ حکم اس آدمی کے بارے میں ہے جس کو زخمی کیا گیا ہو زخمی کرنے والے سے قصاص لے کر انتقام لیا جائے گا (3)، جس نے سب و شتم کی ہے اس سے انتقام نہیں لیا جائے گا یہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور سفیان کا مذہب ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: ابن شبرمہ کہا کرتے تھے مکہ مکرمہ میں ہشام کی مثل کوئی نہیں۔ امام شافعی نے اس آیت میں یہ تاویل کی ہے کہ انسان کو حق حاصل ہے کہ خائن کے مال سے اتنا مال لے لے جتنی خائن نے اس کے مال میں خیانت کی تھی جبکہ اسے بتانے کی ضرورت نہیں اس بارے میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ سے فرمایا تھا: ''تو اس کے مال سے اتنا لے لے جو تیرے اور تیرے بچے کے لیے کافی ہو'' (4)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کے بغیر اسے مال لینے کی اجازت دی۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

ابن ابی نجیح نے فرمایا: یہ زخم لگانے میں مقابلہ پر محمول ہے (5) جب کہے: اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے یا اس پر لعنت کرے جب وہ اسکی مثل کہے تو وہ تہمت کا مقابلہ تہمت سے اور جھوٹ کا مقابلہ جھوٹ سے نہ کرے۔

سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کی مدح کی جو ظلم کرنے والے سے اس قدر بدلہ لیتا ہے جبکہ وہ حد سے تجاوز نہیں

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 206 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 207

4۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب قضیة هند، جلد 2، صفحہ 75 5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 207

کرتا اور جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے اتنا ہی ظلم کرتا ہے جس طرح عرب کیا کرتے تھے جزا کو سیئۃ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بدلہ اس عمل (ظلم) کے مقابلہ میں ہے پہلے نے مال اور بدن میں زیادتی کی اور یہ قصاص اسی کی مثل برا ہے (1)۔ یہ بحث سورۂ بقرۃ میں مفصل گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے قصاص کو ترک کیا اور اپنے اور ظالم کے درمیان معافی کے ساتھ مصالحت کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر اجر دے گا۔ مقاتل نے کہا: عفو اعمال صالحہ میں سے ہے۔ سورۂ آل عمران میں اتنی بحث گذر چکی ہے جو اس میں کفایت کر جاتی ہے۔ الحمد اللہ۔

ابو نعیم حافظ نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی ہے: ''جب قیامت کا روز ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: تم میں سے فضیلت والے کون ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہوں گے انہیں کہا جائے گا: جنت کی طرف چلے جاؤ، فرشتے انہیں ملیں گے وہ پوچھیں گے: کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف جا رہے ہیں، فرشتے پوچھیں گے: حساب سے بھی پہلے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں۔ فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ جواب دیں گے: فضیلت والے۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہاری فضیلت کیا ہے؟ وہ فرمائیں گے: جب ہمارے ساتھ جہالت کا رویہ اپنایا جاتا تو ہم حلم کا مظاہرہ کرتے اور جب ہم پر ظلم کیا جاتا، تو ہم صبر کرتے جب ہم پر زیادتی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے۔ فرشتے کہیں گے: جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا اجر کتنا ہی اچھا ہے'' اور حدیث کا ذکر کیا۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۝ جو ظلم کا آغاز کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا (2)؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی قصاص میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے (3)۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ جو مسلمان کافر سے بدلہ لے تو اس مسلمان پر ملامت کرنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ مسلمان کی اس وجہ سے تعریف کی جائے گی، اگر کوئی مسلمان مسلمان ظالم سے بدلہ لے تو پھر بھی اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کافر سے انتقام لینا حتمی بات ہے اور مسلمان سے بدلہ لینا مباح ہے اور معاف کر دینا مستحب ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ۝ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ اپنا پورا پورا بدلہ لے۔ یہ تین قسموں میں منقسم ہے (1) وہ بدن میں قصاص ہو جس کا ایک آدمی مستحق ہوتا ہے اگر وہ زیادتی کے بغیر پورا پورا حق لیتا ہے اور حکام کے نزدیک اس کا حق ثابت ہوتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہ ہوگا لیکن امام اسے جھڑکے کیونکہ اس پر خون بہانے پر جرأت کا اظہار کرنا ہے اگر اس کا حق حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس میں اس پر کوئی حرج نہ ہوگا وہ ظاہر میں مطالبہ کرنے والا ہے اور اپنے فعل کے ساتھ مواخذہ کرنے والا ہے اور سزا دینے والا ہے۔ 2۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حد ہو کسی آدمی کا اس میں کوئی حق نہ ہو جس طرح حد زنا، چوری کی وجہ سے ہاتھ کا کاٹنا اگر یہ حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی اگر حاکم کے نزدیک وہ ثابت ہو تو انتظار کیا جائے گا اگر چوری میں کاٹنا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1669 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 207 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 208

ہی سزا ہو تو حد ساقط ہو جائیگی کیونکہ جس عضو کا کاٹنا لازم ہوا تھا وہ عضو زائل ہو چکا ہے اس پر اس بارے میں کوئی حق ثابت نہیں ہوا کیونکہ تعزیر ادب سکھانے کے لیے ہے، اگر اس آدمی کی سزا کوڑے مارنا ثابت ہو تو اس سے حد ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس نے تعدی کی ہے جبکہ اس کا محل باقی ہے تو وہ اس میں ماخوذ ہوگا۔ 3۔ مال میں اس کا حق ثابت ہو تو مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حق پر غلبہ حاصل کرے یہاں تک کہ اگر وہ جانتا ہے تو اس مال تک رسائی حاصل کرے اگر وہ نہیں جانتا تو مہلت دی جائے اگر مطالبہ کی صورت میں مال تک پہنچنا ممکن ہو تو خفیہ طریقہ سے لینا جائز نہیں اگر مطالبہ کے ساتھ پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ جس پر حق لازم ہوتا ہے وہ انکاری ہے کوئی گواہ بھی نہیں جو گواہی دے تو خفیہ طریقہ سے مال لینے میں دو مذہب ہیں: (1) یہ جائز ہے؛ یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے (2) اس طرح لینا منع ہے؛ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے (1)۔

**مسئلہ نمبر 5۔** اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ ان لوگوں پر ملامت ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی ان پر اپنی جانب سے حد سے تجاوز کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا نقطۂ نظر ہے۔ ابن جریج نے کہا: وہ ان پر شرک کے ذریعے ظلم کرتے ہیں جو ان کے دین کے مخالف ہے (2)۔

وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وہ زمین میں ناحق نفوس اور اموال کے معاملہ میں فساد برپا کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: بغیھم سے مراد نافرمانیوں کے اعمال کرنا ہے (3)۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے قریش کے کفار جس کی امید رکھتے تھے یعنی مکہ میں اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ہو (4)۔ اس تعبیر کی بنا پر ابن زید نے کہا: یہ سب جہاد کے ساتھ منسوخ ہے، یہ مشرکین کے ساتھ خاص ہے۔ قتادہ کا قول ہے: یہ عام ہے کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ الحمدللہ۔

**مسئلہ نمبر 7۔** ابن عربی نے کہا: یہ آیت سورۂ براءۃ میں آیت کے مقابل ہے (5) وہ آیت یہ ہے مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (التوبۃ: 91) جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے والے پر ملامت کی نفی کی اسی طرح مظلوم جب بدلہ لے تو اس پر سے ملامت کی نفی کر دی دونوں قسموں کو مکمل کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** علماء نے ایسے حاکم کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو ایک بستی کے لوگوں پر معین مال لازم کرتا ہے جو مال ان سے لے گا وہ لوگ اپنے اموال کی مقدار کے مطابق اسے دیں گے کیا وہ آدمی جو اس مال کی ادائیگی سے چھٹکارا پا سکتا ہے اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے جب وہ اس سے چھٹکارا پاتا ہے تو حاکم باقی مکینوں سے پورا مال لیتا ہے جو اس نے ان پر لازم کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، یہ ہمارے علماء میں سے سحنون کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں ایسا کر سکتا ہے اگر وہ چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر ہو؛ اسی طرف ابو جعفر احمد بن نصر داودی، مالکی گئے ہیں۔ امام مالک کا قول جو زکوۃ کا مال وصول کرنے والے کے بارے میں ہے اس کی تائید کرتا ہے: جو شریک افراد میں

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 208 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 209 5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1670

سے ایک کے ریوڑ میں سے ایک بکری لیتا ہے سب میں نصاب نہیں تھا جس سے بکری لی گئی وہ اس پر ظلم ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کہا:: سحنون سے جو روایت مروی ہے میں اسے اپنانے والا نہیں کیونکہ ظلم میں کوئی برابری نہیں کسی آدمی پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے آپ کو محض اس خوف سے ظلم میں داخل کر لے کہ کسی اور پر ظلم دوگنا ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ علماء نے تحلیل (کسی کے لیے کوئی چیز حلال قرار دینا، کسی کے لیے کوئی چیز جائز قرار دینا) میں اختلاف کیا ہے۔ ابن مسیب سامان اور مال میں سے کوئی چیز کسی کے لیے حلال نہیں کرتے تھے سلیمان بن یسار اور محمد بن سیرین سامان تجارت اور مال میں سے ہر چیز جائز قرار دے دیتے تھے۔ امام مالک مال کو جائز قرار دے دیتے تھے سامان تجارت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ ابن قاسم اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے آپ سے سعید بن مسیب کے قول لا احلل احدا کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ میں نے عرض کی: اے ابا عبداللہ! ایک آدمی دوسرے کو مال قرض دیتا ہے اور وہ مال ہلاک ہو جاتا ہے اب وہ اس کو ادا بھی نہیں کر سکتا؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ مال دینے والا مال لینے والے کے لیے مال حلال کر دے یہ میرے نزدیک افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (الزمر: 18)

آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: ایک آدمی دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ فرمایا: میں اس کے لیے تحلیل کی رائے نہیں رکھتا یہ میرے نزدیک پہلے قول سے مختلف ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ میری رائے نہیں کہ اس نے جو ظلم اس پر کیا ہے اسے اس پر حلال کر دے۔

ابن عربی نے کہا: اس مسئلہ میں تین قول ہیں: (1) کسی حال میں بھی اس کے لیے حلال نہ کرے، یہ سعید بن مسیب کا قول ہے (2) وہ اس کے لیے حلال کر دے؛ یہ محمد بن سیرین کا قول ہے (3) اگر مال ہو تو حلال کر دے، اگر ظلم ہو تو حلال نہ کرے؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا اسے حلال نہ کرے یہ صورت ایسی ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کرنے کی طرح ہوگا، دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ اس کا حق ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ساقط کر دے جس طرح وہ قصاص اور سامان تجارت کا حق ساقط کر دیتا ہے۔

تیسرے قول کی دلیل جسے امام مالک نے پسند کیا ہے ایک آدمی تیرا حق ادا کرنے میں مغلوب ہو گیا ہے تو اس کے ساتھ نرمی کی صورت یہ ہے کہ وہ مال اس کے لیے حلال کر دے اگر وہ ظالم ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ تو اسے نہ چھوڑے تاکہ ظالم لوگ دھوکہ میں مبتلا نہ ہوں ور اپنے قبیح افعال میں آزاد نہ ہو جائیں۔

صحیح مسلم میں ابو یسر طویل کی حدیث ہے اس میں ہے کہ آپ نے اپنے مقروض سے کہا: باہر آ جاؤ میں جانتا ہوں تو کہاں چھپا ہوا ہے؟ مقروض باہر آ گیا آپ نے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس امر پر برانگیختہ کیا کہ تو مجھ سے چھپے؟ جواب دیا: اللہ کی

قسم! میں تجھ سے ذکر کروں گا اور تجھ سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اللہ کی قسم! میں ڈرتا ہوں کہ تجھ سے بات کروں اور جھوٹ بولوں اور میں تجھ سے وعدہ کروں اور تیرے ساتھ اسکی خلاف ورزی کروں تو صحابی رسول ہے، اللہ کی قسم! میں تنگ دست ہوں۔ پوچھا: تو نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی ہے؟ عرض کی: اللہ کی قسم! وہ صحیفہ لائے اور اس قرض کی تحریر کو مٹا دیا فرمایا: اگر تو قرض ادا کرنے کی صورت پائے تو ادا کر دینا بصورت دیگر تو آزاد ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ تو اس زندہ آدمی کے بارے میں ہے جس سے ادائیگی کی امید ہوتی ہے کیونکہ ذمہ سلامت ہے اور حیلہ سے طلب کرنے کی امید موجود ہے تو اس میت کا کیا عالم ہوگا جس سے حیلہ سے طلب کی کوئی صورت نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی ذمہ ہے (1)؟

**مسئلہ نمبر 10۔** بعض علماء نے کہا: جس پر ظلم کیا گیا اور اس کا مال لے لیا گیا تو اس کا جو مال روکا گیا ہے اس کی موت تک اس کا ثواب ہے پھر ثواب اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گا یہ سلسلہ آخر تک چلتا رہے گا کیونکہ وفات کے بعد مال وارثوں کا ہو جاتا ہے۔ ابو جعفر داودی مالکی نے کہا: یہ نظر وفکر کے اعتبار سے صحیح ہے، اسی معنی میں یہ بھی ہے اگر ظالم مظلوم سے پہلے مر گیا اور اس نے کوئی چیز نہ چھوڑی جس کو وارث نہیں جانتا تھا تو مظلوم کا بوجھ ظالم کے وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا کیونکہ ظالم کی کوئی ایسی چیز باقی نہیں مظلوم کے ورثاء جس کے مستحق بنتے۔

**مسئلہ نمبر 11۔** وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ یعنی جس نے تکلیف پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بدلہ نہ لیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مسلمان نے اس پر ظلم کیا ہو۔ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ایک آدمی نے دوسرے کو گالیاں دیں جس آدمی کو گالیاں دی گئیں وہ غصہ پی رہا تھا اور اسے پسینہ آ رہا تھا وہ اپنا پسینہ صاف کر رہا تھا پھر وہ اٹھا اور اس آیت کی تلاوت کی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے اس آیت کو جانا اور سمجھا، جب جاہل لوگوں نے اسے ضائع کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ معاف کرنا مستحب ہے بعض صورتوں میں معاملہ الٹ ہو جاتا ہے تو معافی کو ترک کرنا مستحب ہو جاتا ہے جس طرح بحث پہلے گزر چکی ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب سرکشی کی زیادتی کو روکنا اور تکلیف کے مادہ کو ختم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک روایت ایسی مروی ہے جو اسی معنی پر دال ہے روایت یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے روکا کرتے تو وہ نہ رکتیں (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اس سے بدلہ لو"۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ معاصی سے صبر کرے اور برائیوں پر پردہ ڈالے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ یعنی یہ وہ امور ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان درست

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 71-1670

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب فی النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، جلد 1، صفحہ 143

امور میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے۔ کلبی اور فراء نے ذکر کیا ہے: یہ آیت اور اس سے قبل کی تین آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں (1) کسی انصاری نے انہیں برا بھلا کہا تو آپ نے اسے جواب دیا پھر خاموشی اختیار کر لی۔ یہ آیات اس سورت کی مدنی آیات ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیات مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئیں یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی تھیں پھر جہاد والی آیات نے انہیں منسوخ کر دیا۔ یہ ابن زید کا قول ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ تفسیر ابن عباس میں ہے: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ سے مراد حضرت حمزہ بن عبد المطلب، حضرت عبیدہ، حضرت علی اور تمام مہاجرین ہیں فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ سے مراد حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم ہیں۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابو جہل اور اسود اور تمام وہ مشرک ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ اس سے مراد ظلم اور کفر ہے اَلِيْمٌ سے مراد دردناک عذاب ہے وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اس سے مراد حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت مصعب بن عمیر اور تمام بدری صحابہ ہیں اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ کیونکہ انہوں نے فدیہ کو قبول کیا اور تکلیفوں پر صبر کیا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝

''اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کا کوئی کارساز نہیں اس کے بعد، اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب دیکھیں گے عذاب تو پوچھیں گے: کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے''۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ جسے اللہ تعالیٰ بے یار و مددگار چھوڑ دے فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور میں اعراض کیا جن امور کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت دی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور قربیٰ میں محبت اور ان لوگوں نے دوبارہ اٹھائے جانے اور دنیا کے سامان کے قلیل ہونے میں آپ کی تصدیق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ جسے ان چیزوں سے گمراہ کر دے تو کوئی ہدایت دینے والا اسے ہدایت نہیں دیتا۔

وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ یہاں ظالمین سے مراد کفار ہیں لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ عذاب سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے موت کے وقت عذاب کو دیکھا يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں دنیا کی طرف لوٹایا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو ان کی عرضداشت قبول نہیں کی جائیگی۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 209

الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝

''اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کیے جارہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و درماندہ ہوں گے ذلت کے باعث دیکھتے ہوں گے کنکھیوں سے چوری چوری، اور کہیں گے اہل ایمان کہ حقیقی گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز، سن لو! ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہوں گے''۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ھا ضمیر سے مراد آگ ہے کیونکہ یہی ان کا عذاب ہے اگر تو چاہے تو جہنم مراد لے لے اگر لفظ کی رعایت کی جاتی تو علیه ہوتا پھر یہ کہا گیا: اس سے مراد سب مشرک ہیں جنہیں جہنم پر پیش کیا جائے گا (1) جب وہ اس کی طرف جائیں گے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد آل فرعون ہیں ان کی روحوں کو سیاہ پرندوں میں محبوس کیا جاتا ہے (2) جو صبح کے وقت جہنم پر آتے ہیں اور شام کو واپس پلٹتے ہیں یہی جہنم پر انکی پیشی ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عام مشرک ہیں ان کی قبروں میں ان کے گناہ پیش کیے جاتے ہیں اور وہ قبروں میں عذاب پر پیش کیے جاتے ہیں؛ ابوحجاج کے قول کا یہی معنی ہے (3)۔

خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ بعض قراء نے خٰشِعِيْنَ پر وقف کیا اور مِنَ الذُّلِّ، يَنْظُرُوْنَ کے متعلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خٰشِعِيْنَ کے متعلق ہے۔ خشوع کا معنی تواضع و عاجزی ہے۔

يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ کا معنی ہے وہ اپنی نظروں کو پورا نہیں اٹھاتے کیونکہ وہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہوتے ہیں۔ عرب ذلیل کی صفت غض الطرف سے کرتے ہیں جس طرح اس کے مقابل کے لیے حدید النظر سے صفت بیان کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ سے مراد ہے ذلیل (4)۔ وہ اپنے دلوں سے دیکھیں گے کیونکہ وہ اندھے اٹھائے جائیں گے عین قلب سے مراد طرف خفی ہے۔

قتادہ، سدی، قرظی اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ خوف کی شدت کی وجہ سے نظریں چراتے ہیں (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ کمزور نظر سے دیکھتے ہیں۔ یونس نے کہا: من کا معنی باء ہے (6) تقدیر کلام یہ ہوگی ینظرون بطرف خفی یعنی ذلت اور خوف کی وجہ سے کمزور نظر سے دیکھتے ہیں اسی کی مثل اعمش سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ کملائی ہوئی کمزور نظر سے دیکھتے ہیں (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ عذاب کی اصناف کو دیکھتے ہیں تو پوری آنکھ سے دیکھنے سے ڈرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مومن جب اس چیز کا مشاہدہ کریں گے جو کفار پر واقع ہوا تو جنت میں یہ کہیں گے: حقیقت میں خسارہ تو وہ ہے جس کی طرف یہ لوگ پہنچے ہیں انہوں نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 209 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 246
5۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 123 | 6۔ ایضاً | 7۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 210

اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا ہے کیونکہ یہ دائمی عذاب میں ہیں اور انہوں نے اپنے اہل میں بھی خسارہ اٹھایا ہے کیونکہ ان کے گھر والے اگر آگ میں ہوں گے تو ان کی وجہ سے انہیں کوئی نفع نہ ہوگا اگر اہل جنت میں ہوں گے تو اس کے اور ان کے درمیان رکاوٹ موجود ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل کے خسران سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ ایمان لاتے تو جنت میں ان کے اہل حورعین میں سے ہوتے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک گھر جنت میں ہے اور ایک گھر دوزخ میں ہے جب وہ مرتا ہے اور جہنم میں داخل ہوتا ہے تو جنتی اس کے گھر کا وارث بن جاتا ہے (1) اللہ تعالیٰ کے فرمان: اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ (المومنون) کا یہی مطلب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسند دارمی میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی آدمی جسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ بہتر (72) بیویاں حورعین میں سے اور ستر (70) جہنمیوں کی میراث کے طور پر عطا فرماتا ہے ان میں سے ہر ایک کی شرمگاہ دل پسند ہوگی اور اس کا آلہ تناسل دہرہ نہیں ہوگا'' (2)۔

ہشام بن خالد نے کہا: من میراثہ من اھل النار سے مراد ایسے مرد ہیں جنہیں جہنم میں داخل کیا گیا تو جنتی ان کی عورتوں کے وارث ہو گئے جس طرح فرعون کی بیوی کے وارث ہو جائیں گے (3)۔

اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ۝ یعنی ایسا عذاب جو ختم نہ ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مومنوں کا قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ کلام ہو۔

وَ مَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ یَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ ۝

''اور نہیں ہوں گے اس روز اس کے لیے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر، اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو اس کے لیے بچنے کی کوئی راہ نہیں''۔

اَوْلِیَآءَ سے مراد مددگار ہیں مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اس کے عذاب سے انہیں بچائیں وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِیْلٍ ۝ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ نہیں جس کے ذریعے وہ دنیا میں حق تک اور آخرت میں جنت تک پہنچ سکے کیونکہ ان پر نجات کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّ مَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ۝

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب فی الزھد، صفۃ الجنۃ، جلد 332 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، باب فی صفۃ الجنۃ، حدیث 4327، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

"(لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آجائے وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں، نہ ہوگی تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا"۔

اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ اس نے تمہیں ایمان اور اطاعت کی طرف جو دعوت دی ہے اس پر لبیک کہو: استجاب اور اجاب دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں ہوگی جو تمہیں عذاب سے نجات دے۔

وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ کوئی مددگار نہیں جو تمہاری مدد کرے (1)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نکیر منکر کے معنی میں ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا تو اس روز تم کسی انکار کرنے والے کو نہ پاؤ گے؛ یہ ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے (2)۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان گناہوں کے انکار پر قادر نہ ہوں گے جن سے وہ آگاہ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِّنْ نَّكِيْرٍ سے مراد ہے تم پر جو عذاب نازل ہوگا اس کو تبدیل کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ نکیر اور انکار کا معنی ہے ناپسندیدہ چیز کو تبدیل کرنا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝

"پس اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا آپ کا فرض تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث تو شور مچانے لگتا ہے بے شک انسان بڑا ناشکر گزار ہے"۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا اگر انہوں نے ایمان سے اعراض کیا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا یعنی ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا یہاں تک کہ آپ ان کا اعمال پر محاسبہ کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ جب تک وہ ایمان نہ لائیں آپ ان سے جدا نہ ہوں یعنی انہیں ایمان پر مجبور کرنا جو آپ کی ذمہ داری نہیں اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت قتال سے یہ آیت منسوخ ہے وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ یہاں انسان سے مراد کافر ہے مِنَّا رَحْمَةً رحمت سے مراد خوشحالی اور صحت ہے فَرِحَ بِهَا اس کی وجہ سے وہ اترانے لگتا ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اگر انہیں آزمائش اور سختی آتی ہے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے جو نعمتیں اس پر پہلے ہو چکی ہیں ان کی ناشکری کرنے والا ہے وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 246
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 210

لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

''اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے، بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند اور ملا جلا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں اور بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ، بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ مبتدا اور خبر ہیں يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ یعنی مخلوقات میں سے جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ ابو عبیدہ، ابو مالک، مجاہد، حسن اور ضحاک نے کہا (1): جن کے بارے میں چاہتا ہے انہیں مونث عطا کرتا ہے ان کے ساتھ مذکر نہیں ہوتے اور جن کے بارے میں چاہتا ہے مذکر عطا فرماتا ہے ان کے ساتھ مونث نہیں ہوتے ذکور پر الف لام داخل کیا اناث پر الف لام داخل نہیں کیا کیونکہ مذکر شرف والے ہیں پس الف لام تعریف کے ساتھ مذکروں کو ممتاز کیا۔

واثلہ بن اسقع نے کہا: عورت کی برکت میں سے یہ ہے (2) کہ اس کا ذکر مردوں سے پہلے کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ عورتوں سے ذکر شروع کیا اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا مجاہد نے کہا: عورت پہلے بچہ اور پھر بچی جنے، پھر وہ بچہ اور پھر بچی جنے (3)۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: وہ جڑواں بچے اور بچی کو جنے یا انہیں مذکر اور مونث کی حیثیت میں جمع کر دے (4)۔ قتبی نے کہا: یہاں تزویج سے مراد بیٹوں او بیٹیوں کو جمع کرنا ہے (5)، عرب کہتے ہیں: زوجت ابلی۔ جب تو بڑوں اور چھوٹوں کو جمع کرے۔

وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا یعنی اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی یوں کہا جاتا ہے: رجل عقیم، امراۃ عقیم۔ عقمت المرأۃ تعقم عقما یہ بات اسی طرح ہے جس طرح حمد یحمد ہے عَقُمت تعقم جس طرح عظُم یعظُم ہے اس کا اصل معنی کاٹنا ہے اسی سے الملك العقیم ہے یعنی ایسا ملک جس میں رشتہ داریوں کو قتل اور نافرمانی کے ذریعے کاٹ دیا جاتا ہے کیونکہ ملک چھن جانے کا خوف ہوتا ہے ریح عقیم یعنی ایسی ہوا جو بادلوں اور درختوں میں طاقحہ کا فریضہ سرانجام نہیں دیتی۔ یوم قیامت یوم عقیم ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی دن نہیں، یہ کہا جاتا ہے: نساء عُقُم وعُقَّم۔ شاعر نے کہا:

عُقِم النساء فما یلدن شبیهه ان النساء بمثله عُقُمُ

عورتیں بانجھ ہو گئیں وہ اس کی مثل نہیں جنتیں عورتیں اس کی مثل لانے سے بانجھ ہیں۔

نقاش نے بیان کیا ہے: یہ آیت انبیاء کے بارے میں نازل ہوئی اگرچہ اس کا حکم عام ہے (6)۔ حضرت لوط علیہ السلام کو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 211
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 43
3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 246
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 211
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً

صرف بیٹیاں عطا کی گئیں ان کے ساتھ بیٹے نہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور بیٹیاں عطا کیں، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو کوئی اولاد نہ دی، اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسحاق بن بشر سے مروی ہے۔ اسحاق نے کہا: یہ آیت انبیاء کے بارے میں نازل ہوئی پھر یہ حکم عام رکھتی ہے یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا یعنی حضرت لوط علیہ السلام، ان کا کوئی بچہ نہ تھا ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۝ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کوئی بچی نہ تھی بلکہ ان کے آٹھ بیٹے تھے اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے آپ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا یعنی حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذکر نہ کیا۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا کا مصداق حضرت لوط علیہ السلام ہیں انکی صرف بیٹیاں تھیں ان کا کوئی بیٹا نہ تھا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۝ کا مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کے بیٹے تھے ان کی کوئی بیٹی نہ تھی اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں حضرت حواء ہر بطن سے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنا کرتی تھیں اس بطن کے مذکر کی دوسرے بطن کی مونث سے شادی کر دی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں حرمت کے حکم کو قطعی طور پر نافذ کر دیا اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے بھی تھے اور بیٹیاں بھی تھیں قاسم، طیب، طاہر اور عبداللہ، زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ سب حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ اس تقدیر پر جو اس کی حکمت بالغہ اور مشیت نافذہ کے ساتھ متعلق ہے نظام چل رہا ہے تاکہ نسل باقی رہے مخلوقات بڑھتی رہے وعدہ پورا ہوتا رہے امر ثابت ہوتا رہے دنیا آباد ہوتی رہے جنت اور جہنم میں سے ہر ایک اپنا حصہ لے جو اس کو بھر دے اور کچھ حصہ باقی رہے حدیث طیبہ میں ہے کہ ”جہنم نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی: قَطِ قَطِ۔ مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے جہاں تک جنت کا معاملہ ہے تو اسکا کچھ حصہ باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک اور مخلوق پیدا فرمائے گا“۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت عامہ اور قوت شدیدہ کی وجہ سے مخلوق کو ابتداءً بغیر کسی چیز کے پیدا فرماتا ہے وہ اپنی عظیم مہربانی اور حکمت بالغہ کے ساتھ ایک چیز سے دوسری چیز پیدا فرماتا ہے یہ کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ حاجات سے پاک ہے اور آفات سے سلامت ہے (1)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا فرمایا اور حضرت حواء کو آدم سے پیدا فرمایا اور دونوں سے مخلوق کو وطی کے طور پر پیدا فرمایا: ”وہ حمل ہوتا ہے وہ جنین ہوتا ہے اس میں وضع حمل ہوتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچی پیدا ہوتی ہے“ صحیح میں اسی طرح ہے ”جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی کے غالب ہوتا ہے تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے“۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1672

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا معنی ہے (1) اس کے الفاظ نہیں امام مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر کے واسطہ سے ان سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: جب عورت کو احتلام ہو اور وہ پانی دیکھے تو کیا وہ غسل کرے گی؟ فرمایا: ''ہاں'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے فرمایا: تَرِبَتْ یداك وألَّت کلمہ تعجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: ''اسے چھوڑ دے مشابہت تو اسی وجہ سے ہوتی ہے جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو بچہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو وہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے''۔

ہمارے علماء نے کہا: اس حدیث کے مقتضا کے مطابق غلبہ مشابہت کا تقاضا کرتا ہے، حضرت ثوبان کی حدیث میں ہے (2) جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی سے فرمایا: ''مرد کا پانی سفید اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے جب دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچی پیدا ہوتی ہے''۔

اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہوا کہ غلبہ مذکر اور مونث کا تقاضا کرتا ہے۔ دونوں حدیثوں کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ چچاؤں کے ساتھ مشابہت کے ساتھ اور مذکر ہونا اس صورت میں ہوگا جب مرد کا پانی غالب آجائے اسی طرح جب عورت کا پانی غالب آجائے تو ماموؤں کے ساتھ مشابہت اور مونث ہونا لازم آئیگا کیونکہ دونوں چیزیں ایک علت کا معلول ہیں معاملہ اسی طرح نہیں بلکہ اس کے خلاف بھی صورت موجود ہوتی ہے کیونکہ ہم یہ پاتے ہیں کہ مشابہت ماموؤں کے ساتھ ہوتی ہے اور بچہ ہوتا ہے اور چچاؤں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جبکہ بچی ہوتی ہے پس دونوں حدیثوں میں سے ایک کی تاویل متعین ہو گئی حدیث ثوبان کا جو معنی متعین ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غلبہ ہو تو یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے سابقنی فلان فسبقته فلاں نے میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں اس پر سبقت لے گیا اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۝ (الواقعۃ) یعنی ہم مغلوب نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غلبہ کا معنی ہے علا علیہ اس قول کی تائید حدیث کرتی ہے ''جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جائے تو بچی پیدا ہوتی ہے'' (3)۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے ان احادیث کی بنا پر قاعدہ بنایا ہے کہا: ان دونوں پانیوں کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: (1) مرد کا پانی پہلے نکلے۔ (2) عورت کا پانی پہلے نکلے۔ (3) مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو۔ (4) عورت کا پانی پہلے نکلے اور زیادہ ہو۔ تقسیم اسی طرح مکمل ہوتی ہے کہ مرد کا پانی پہلے نکلے پھر اس کے بعد عورت کا پانی نکلے اور عورت کا پانی زیادہ ہو یا اس کے برعکس ہو جب مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچہ ہوگا اور کثرت کی وجہ سے بچہ چچاؤں کے مشابہ ہوگا

---

1۔ صحیح مسلم،، کتاب الحیض، باب وجوب الغسل علی امرأۃ بخروج المنی منھا، جلد 1، صفحہ 146

2۔ صحیح مسلم،، کتاب الحیض، باب بیان صفۃ منی الرجل والمرأۃ، جلد 1، صفحہ 146

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1672

جب عورت کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچی ہوگی اور غلبہ کی وجہ سے مشابہت ماموؤں کے ساتھ ہوگی اگر مرد کا پانی پہلے نکلے لیکن جب عورت کا پانی نکلا تو وہ زیادہ تھا تو سبقت کی وجہ سے بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے پانی کی مشابہت سے بچہ ماموؤں کے مشابہ ہوگا، اگر عورت کا پانی پہلے نکلے لیکن جب مرد کا پانی نکلا تو وہ عورت کے پانی پر غالب آ گیا تو بچی ہوگی کیونکہ عورت کا پانی پہلے نکلا تھا اور مشابہت چچاؤں کے ساتھ ہوئی کیونکہ مرد کا پانی غالب تھا کہا: اقسام کو اس طرح ترتیب دینے سے کلام درست ہو جاتی ہے، احادیث کے درمیان تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ تمام تر پاکیزگیاں خالق علیم کے لیے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ہمارے علماء نے کہا: نسل انسانی مذکر اور مونث کی حیثیت سے رواں دواں رہی یہاں تک کہ دور جاہلیت میں پہلا خنثی واقع ہوا اسے علم میراث کے ماہر اور ان کے معمر آدمی عامر بن ظرب کے سامنے پیش کیا گیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے بارے میں کیا کہے اس نے ان سے مہلت مانگی۔ جب اس پر رات تاریک ہوگئی تو وہ بے کل ہو گیا وہ پہلو بدلتا رہا اس کے پاس ایک سوچ آتی اور ایک جاتی یہاں تک کہ اس کی خادمہ نے اس کی کیفیت کو عجیب جانا، پوچھا: کیا بات ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک معاملہ میرے پاس پیش کیا گیا ہے جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں اس وجہ سے جاگ رہا ہوں؟ خادمہ نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک آدمی ہے جس کا ذکر اور فرج دونوں ہیں اس کا میراث میں کیا حال ہوگا؟ لونڈی نے اسے کہا: جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے اسی مناسبت سے اسے وراثت دے دو، عامر اسے سمجھ گیا اس نے صبح کی اور عامر نے اس کا حل پیش کر دیا وہ خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ یہی صورتحال تھی کہ اسلام آ گیا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اس بارے میں فیصلہ کیا۔ کلبی نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کا ذکر اور فرج تھی تو کس اعتبار سے اسے ورثہ دیا جائے گا؟ فرمایا: ''جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے'' روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی خدمت میں انصار کا ایک خنثی پیش کیا گیا تو فرمایا: جہاں سے اسے پہلے پیشاب آتا ہے اس اعتبار سے اسے وارث بناؤ'' محمد بن حنیفہ نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے، ابن مسیب، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ مزنی نے کہا: امام شافعی سے اسی طرح مروی ہے۔

ایک قوم کا نقطہ نظر یہ ہے: پیشاب کا کوئی اعتبار نہیں اگر دونوں سے پیشاب آئے تو امام ابو یوسف کا قول ہے اکثر پر حکم لگایا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کیا تو اس کا کیل کرے گا؟ امام شافعی کے مقلدین نے اکثریت پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ حضرت علی اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ نے کہا: ان کی پسلیاں شمار کی جائیں گی (1) کیونکہ عورت کی پسلی مرد کی نسبت ایک زائد ہوتی ہے۔ میراث والی آیت میں علماء نے جو کچھ کہا ہے مفصل گذر چکا ہے۔ الحمد اللہ۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: ایک قوم نے خنثی کے وجود کا انکار کیا (2) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے مونث، مذکر۔ ہم کہتے ہیں: یہ لغت سے ناواقفیت، فصاحت سے کند ذہنی اور قدرت کی وسعت کی پہچان

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1674　　2۔ ایضاً

سے کوتاہی کی بنا پر ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق ہے کیونکہ وہ وسعت والا اور علیم ہے جہاں تک قرآن کے ظاہر کا تعلق ہے وہ خنثی کے وجود کی نفی نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یہ عموم مدح ہے اس میں تخصیص جائز نہیں کیونکہ قدرت اس کا تقاضا کرتی ہے جہاں تک اس آیت یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا کا تعلق ہے تو یہ موجودات میں غالب کی خبر دیتا ہے نادر کے ذکر سے سکوت فرمایا کیونکہ وہ کلام اول کے عموم کے تحت داخل ہے وجود اس کی گواہی دیتا ہے اور مشاہدہ منکر کی تکذیب کرتا ہے۔ رباط میں ہمارے ساتھ ابو سعید خنثی، امام شہید کے پاس پڑھتا تھا جو بلاد مغرب سے تعلق رکھتا تھا نہ اس کی داڑھی تھی اور نہ ہی پستان تھے اس کے پاس ایک لونڈی تھی تیرا رب اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے طویل سنگت کے باوجود حیاء اس سے سوال کرنے سے مانع رہا، آج میرے دل میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کاش میں اس کے حال سے آگاہ ہو جاتا۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴿۵۱﴾

"اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اس کا سبب یہ ہے (1) کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر آپ نبی ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کیوں نہیں کرتے اور اس کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور اسکو دیکھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ اس طرح کریں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت موسیٰ علیہ السلام ہرگز اس کو نہیں دیکھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ نقاش، واحدی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

وَحْیًا مجاہد نے کہا: یہ پھونکنا ہے اس کے دل میں پھونکا جاتا ہے (2) تو وہ الہام ہوتا ہے؛ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: إنّ روح القُدُس نفث فی رُوعی إنّ نَفْسًا لن تموت حتی تستکمل رزقها و أجلها فاتقوا الله و أجملوا فی الطلب روح القدس نے میرے دل میں الہام کیا کہ ایک نفس ہرگز نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ اپنا مکمل رزق پائے گا اور اپنی مدت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور طلب اچھی کرو۔

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ یا حجاب کے پیچھے سے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی۔ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا جس طرح حضرت جبریل امین کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا وَحْیًا کا معنی ہے (3) ایسے خواب جنہیں وہ اپنی نیند میں دیکھتا

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 195 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 212 3۔ ایضاً

ہے؛ یہ محمد بن زبیر کا قول ہے اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا زہیر نے کہا: رسول سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں (1) فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ یہ وحی جو رسل کی جانب سے ہوتی ہے یہ رسل یعنی فرشتوں کی جانب سے انبیاء کو خطاب ہوتا ہے جس کو انبیاء سنتے ہیں اور آنکھوں سے جسے دیکھتے ہیں، حضرت جبریل امین کی بھی یہی حالت تھی جب وہ وحی لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت جبریل امین ہر نبی کے پاس آتے رہے مگر حضرت جبریل امین کو حضرت محمد علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ذکریا علیہم السلام کے سوا کسی نے بھی نہیں دیکھا جہاں تک دوسرے انبیاء کا تعلق ہے تو ان کی طرف وحی نیند کی حالت میں الہام ہوا کرتا تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اِلَّا وَحْیًا سے مراد ہے جبریل امین کو بھیج کر اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا جس طرح تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

زہری، شیبہ اور نافع نے اَوْ یُرْسِلُ رَسُوْلًا فَیُوْحِیْ دونوں فعلوں کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے۔ رفع جملہ مستانفہ کے طور پر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ھو یرسل ایک قول یہ کیا گیا ہے یرسل فعل حال ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الاّ موحیا أو مرسلا جنہوں نے اسے نصب دی ہے انہوں نے فعل کو محل وحی پر معطوف کیا ہے تو اس کا معنی ہوگا کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ الله تعالیٰ اس سے ہم کلام ہو مگر یہ اس کی طرف وحی کرے یا رسول بھیجے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نصب حرف جار کے حذف کی وجہ سے ہو جو ان مضمرہ سے پہلے ہے اور وہ حال کے محل میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی أو بأن یرسل رسولا یہ جائز نہیں کہ أو یرسل منصوب فعل کا عطف اَنْ یُّکَلِّمَهٗ پر ہو کیونکہ معنی میں فساد واقع ہوتا ہے کیونکہ معنی یہ بنتا ہے کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اسے بھیجے یا اس کی طرف رسول بھیجے جبکہ الله تعالیٰ نے انسانوں میں رسول بنا کر بھیجے ہیں اور انسانوں کی طرف بھیجے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت سے اس آدمی نے استدلال کیا ہے جس کی رائے یہ ہے: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں آدمی سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس آدمی کی طرف قاصد بھیجا تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ آدمی بھیجنے والے کو بھی بعض اوقات اس آدمی کے ساتھ کلام کرنے والا ہی سمجھا جاتا ہے جس طرف اس نے آدمی بھیجا تھا مگر یہ صورت مختلف ہوگی کہ اس نے بالمشافہ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

ابن منذر نے کہا: اس آدمی کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے جو یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس کی طرف خط لکھا یا اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا تو ثوری نے کہا: رسول کلام نہیں ہے، امام شافعی نے کہا: اس کا حانث ہونا واضح نہیں ہوگا۔ امام نخعی نے کہا: خط کی صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا۔ امام مالک نے کہا: وہ خط اور قاصد دونوں کی صورت میں حانث ہو جائے گا۔ ایک دفعہ کہا قاصد، خط سے آسان ہے۔ ابو عبید نے کہا: کلام، خط اور اشارہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 212 2۔ ایضاً

سے مختلف ہے۔ ابو ثور نے کہا: وہ خط کی صورت میں حانث نہیں ہوگا۔ ابن منذر نے کہا: وہ خط اور قاصد میں حانث نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں اور یہی امام مالک کا قول ہے ابو عمر نے کہا: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ کسی آدمی سے کلام نہیں کرے گا اس نے اسے جان بوجھ کر یا بھول کر سلام کیا یا ایک جماعت کو سلام کیا جبکہ وہ بھی ان میں موجود تھا امام مالک کے نزدیک تمام صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ اگر اس نے اس کی طرف قاصد بھیجا یا اسے سلام کیا جبکہ وہ حالت نماز میں تھا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: قاصد بھیجا تب بھی حانث ہو جائے گا مگر وہ بالمشافہ کی نیت کرے؛ یہ امام مالک اور ابن ماجشون کا قول ہے سورۂ مریم کے آغاز میں یہ ہمارے علماء کی مفصل بحث گذر چکی ہے الحمد اللہ۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

”اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک (جانفزا) کلام اپنے حکم سے، نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے لیکن اے حبیب! ہم نے بنا دیا اس کتاب کو سراپا نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جن کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے، اور بلا شبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے خوب سن لو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ یعنی جس طرح ہم نے آپ سے قبل انبیاء کی طرف وحی کی اسی طرح آپ کی طرف وحی کی رُوْحًا یعنی نبوت؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے (2): اپنی جناب سے رحمت۔ سدی نے کہا: وحی (3)۔ کلبی نے کہا: کتاب (4)۔ ربیع نے کہا: اس سے مراد جبریل امین ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے (5)؛ یہ مالک بن دینار کا قول ہے۔ اسے روح کا نام دیا کیونکہ اس میں جہالت کی موت سے زندگی ہے روح کو اپنے امر کا حصہ بنانا اس معنی میں ہے اسے نازل کیا جس طرح چاہا اور جس پر چاہا یعنی جو نظم معجز ہے اور تالیف معجب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (الاسراء: 85) تو قرآن پر محمول کیا جائے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (الاسراء: 85) وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ قرآن آپ پر کہاں سے آتا ہے؟ کہہ دیجئے: یہ اللہ کا امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے اس حال میں کہ یہ معجز ہے؛ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مالک بن دینار کہا کرتے تھے: اے اہل قرآن!

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 90 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 212 3۔ ایضاً
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 90 5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 213

تمہارے دلوں میں قرآن نے کیا بویا ہے؟ بے شک قرآن دلوں کا موسم بہار ہے جس طرح بارش زمین کا موسم بہار ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ یعنی تم ایمان کی طرف جانے والے راستہ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وحی سے پہلے آپ ایمان سے متصف نہیں تھے۔ قشیری نے کہا: یہ امر عقول کے مجوزات میں سے ہے اکثر علماء جس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر وہ بعثت سے پہلے اس پر ایمان لانے والا تھا یہ بھی عقل سے حکم لگانا ہے مگر یہ کہ قطعی دلیل سے امر ثابت ہو۔ قاضی ابوالفضل عیاض نے کہا: نبوت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے وہ نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے جاہل ہونے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک سے پاک تھے انبیاء سے اخبار و آثار اس امر کی مؤید ہیں کیونکہ جب سے وہ پیدا ہوئے وہ اس نقص سے پاک ہی رہے بلکہ ان کی پیدائش توحید و ایمان پر ہی ہوئی بلکہ معارف کے انوار کے اشراق اور الطاف سعادت کے نغمات پر ہوئی۔ جو آدمی ان کی ولادت سے لے کر ان کی بعثت تک کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس کو تسلیم کرتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے احوال سے معروف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۞ (مریم)

مفسرین نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اللہ کا علم ان کے بچپنے میں دے دیا گیا تھا۔ معمر نے کہا: اس وقت ان کی عمر دو سال یا تین سال تھی، بچوں نے ان سے کہا: تو کھیلتا کیوں نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں کھیل کے لیے پیدا کیا گیا ہوں مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 39) کے بارے میں کہا: حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ ان کی عمر تین سال تھی حضرت یحییٰ نے گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں تھے حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم کو کہا کرتی تھی: میرے بطن میں جو ہے وہ تیرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے سلام کی غرض سے سجدہ کرتے ہوئے پاتی ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو انہوں نے اپنی والدہ سے گفتگو کی اس پر اللہ تعالیٰ کا کلام واضح ہے اَلَّا تَحْزَنِيْ (مریم: 24) اس کی قراءت کے مطابق جس نے من تحتها کی قراءت کی ہے، اس کے قول کے مطابق جس نے کہا: ندا کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور پنگھوڑے میں ان کی کلام پر یہ نص بیان کی، فرمایا: اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۞ (مریم) اور فرمایا: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا (الانبیاء: 79) حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے بارے میں کہا گیا جبکہ وہ بچے تھے۔ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے یہ فیصلہ انہوں نے رجم کی جانے والی عورت اور بچے کے بارے میں کیا تھا جس کی پیروی ان کے والد حضرت داؤد نے کی تھی۔

طبری نے یہ حکایت بیان کی ہے: جب ان کو حکومت ملی اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ جو واقعہ ہے وہ بھی اسی طرح ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑی جبکہ ابھی وہ بچے تھے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ (الانبیاء: 51) کے بارے میں فرمایا: ہم نے

اسے ہدایت دی جبکہ اس کی عمر چھوٹی تھی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن عطا نے کہا: اس کی پیدائش سے قبل ہی اس کو چن لیا گیا۔ بعض نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرے اور زبان سے اس کا ذکر کرے تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا میں نے ایسا کر لیا ہے یہ نہیں کہا میں ایسا کروں گا یہ ان کی ہدایت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا گیا اور ان کا امتحان ہوا اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی، حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبح کی صورت میں امتحان سات سال کی عمر میں ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، چاند اور سورج سے جب استدلال کیا اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت آپ بچے تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا (یوسف: 15) اس کے علاوہ بھی اخبار موجود ہیں۔

سیرت نگاروں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی جب ولادت ہوئی تو آپ اپنے ہاتھ زمین پر پھیلائے ہوئے تھے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں کا بغض پیدا ہو گیا، شعر سے بغض پیدا ہو گیا دور جاہلیت کے لوگ جس قسم کے کام کرتے میں نے ان سے کسی شے کا ارادہ نہیں کیا مگر صرف دو دفعہ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں دفعہ مجھے اس سے محفوظ رکھا پھر میں نے اس کا اعادہ نہ کیا'' (1)۔

پھر ان کے لیے امر پختہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی نوازشات پے در پے ان پر واقع ہوتی ہیں، معارف کے انوار ان میں روشن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ انتہا تک جا پہنچتے ہیں یہ کسی تجربہ اور مشق کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا (القصص: 14)

قاضی نے کہا: تاریخ دانوں میں سے کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ کسی ایسے شخص کو نبوت عطا کی گئی ہو یا اسے منتخب کیا گیا ہو جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ اس نے اس سے قبل کفر اور شرک کیا ہو اس بارے میں جس پر انحصار کیا جا سکتا ہے وہ اخبار منقولہ ہیں بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس آدمی کا یہ طریقہ رہا ہو دل اس سے نفرت کرتے ہیں۔

قاضی نے کہا میں کہتا ہوں: قریش نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر ایسی بات کے ساتھ اعتراض کیا جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا، امتوں کے کفار نے اپنے انبیاء کو ہر اس چیز سے عار دلائی جو ان کے لیے ممکن تھا اور جس کو انہوں نے گھڑا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا یا راویوں نے ہمارے لیے اسے نقل کیا لیکن ہم یہ نہیں پاتے کہ ان میں سے کسی نے کسی نبی کو اس بات پر شرمندہ کیا ہو جس امر میں وہ اس کے ساتھ متفق تھا اب اس کو ترک کر دیا ہے اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو وہ اعتراض کرنے میں جلدی کرتے اپنے معبود کو تبدیل کرنے پر اس کے خلاف استدلال کرتے وہ نبی انہیں جس چیز سے منع کرتا ہے جبکہ وہ خود

1۔ المستدرک للحاکم، کتاب التوبة والانابة، باب عصمة النبی عن عمل الجاهلية قبل النبوة، جلد 4، صفحہ 273

پہلے اس کی عبادت کرتے تھے اس معاملہ میں ان کا اسے شرمندہ کرنا یہ دلیل میں زیادہ خوفناک اور استدلال میں قطعی ہوتا اس کی بنسبت کہ اس نے ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے اور ان معبودوں کو چھوڑ دیا جن کی ان کے آباء پرستش کیا کرتے تھے ان لوگوں کا اس نبی سے اعراض پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی راہ نہیں پائی تھی کیونکہ اگر کوئی بات ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی اور وہ خاموش نہ رہتے جس طرح وہ تحویل قبلہ کے بارے میں خاموش نہ رہے انہوں نے کہا: **مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا** (البقرہ: 142) جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حکایت بیان کی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ علماء نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی کیا وحی سے قبل کسی دین کے پیروکار تھے یا نہیں تھے؟ کچھ نے تو مطلق اس کا انکار کیا اور از روئے عقل کے اسے محال جانا انہوں نے کہا: جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ وہ تابع ہے اس کے لیے متبوع ہونا بعید ہے انہوں نے اس کی بنیاد حسن و قبح پر رکھی ہے۔

دوسری جماعت نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور کسی کا قطعی حکم نہ لگایا کیونکہ عقل ان دونوں میں سے کسی صورت کو محال قرار نہیں دیتی اور نہ ہی بطریق نقل ان میں سے کوئی صورت واضح ہے؛ یہ ابو معالی کا مذہب ہے۔

تیسری جماعت کا نقطہ نظر ہے: آپ پہلی شریعت کے پیروکار تھے اور اسی پر عامل تھے، پھر ان علماء نے تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ کا دین تمام سابقہ ادیان اور ملل کے لیے ناسخ تھا کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی منسوخ دین پر عمل پیرا ہو۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اولاد تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء تھے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ وہ دینوں میں سے سب سے قدیمی دین ہے۔

معتزلہ کا کہنا ہے: لازماً آپ کسی دین کے پیروکار تھے مگر کون سا دین تھا یہ ہمیں معلوم نہیں۔ ہمارے ائمہ نے ان تمام اقوال کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایسے اقوال ہیں جو متعارض ہیں ان میں کوئی قطعی دلیل نہیں اگرچہ عقل ان سب کو جائز قرار دیتی ہے جو بات قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک نبی کی طرف اس طرح منسوب نہیں تھے کہ وہ نسبت یہ تقاضا کرتی ہو کہ آپ اس کے امتی ہیں اور اس کی شریعت کے مخاطب ہیں بلکہ ان کی شریعت بذات خود مستقل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا آغاز ہوا آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بت کو سجدہ نہ کیا نہ بارش والی قسم میں حاضر ہوئے اور نہ خوشبو لگا کر قسم اٹھانے والوں میں حاضر ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے محفوظ و مامون رکھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے: عثمان بن ابی شیبہ نے یہ حدیث بیان کی ہے(1) کہ حضرت جابر نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے ساتھ ان کے مشاہد میں حاضر ہوتے آپ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا: جاؤ یہاں تک کہ ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، تو دوسرے نے کہا: میں اس کے پیچھے کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں جبکہ اس کا وقت بت کو سلام کرنے کا ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ان کے ساتھ ان کی جگہوں پر حاضر نہ ہوئے۔

---

1۔ کتاب الشفاء، صفحہ 470

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس روایت پر سخت جرح قدح کی ہے کہا: یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے۔ دار قطنی نے کہا: عثمان کو سند میں وہم ہوا ہے، حدیث منکر ہے اس کی سند پر اتفاق نہیں اس وجہ سے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔

علماء کے نزدیک اس کے برعکس ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بُغِّضَتْ إِلَيَّ الْأَصْنَام اور بحیرہ راہب کے قصہ میں آپ کا ارشاد: لا تسألني بهما فواللهِ ما أبغضت شيأقطُّ بُغْضَهُمَا اس پر دلیل ہے بحیرہ راہب نے جب شام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی جبکہ اس سفر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ تھے اور ابھی بچے تھے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی علامات دیکھیں تو بطور امتحان کہا کہ لات اور عزیٰ کی قسم اٹھاؤ تو آپ نے یہ جواب دیا تھا: ''مجھ سے ان کے بارے میں قسم کا سوال نہ کرو جتنا میں ان دونوں سے بغض رکھتا ہوں ایسا بغض میں کسی سے نہیں رکھتا''۔ بحیرا نے آپ سے کہا: اللہ کی قسم! جو میں تجھ سے پوچھوں گا تم ضرور اسکا جواب دو گے۔ فرمایا: ''جو چاہو سوال کرو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہی معروف ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ نبوت کے اعلان سے قبل حج کے موقع پر مشرکین کی مخالفت کرتے وہ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں وقوف کرتے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ٹھہرنے کی یہی جگہ ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِمَ (البقرۃ:135) فرمایا: اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ (نحل:123) فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (الشوریٰ:13) یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ شریعت کے پیروکار تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں شریعتوں میں اختلاف نہیں ہوتا جیسے توحید، اقامت دین۔ جس کی وضاحت کئی مواقع پر ہو چکی ہے۔ اس سورت میں شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ میں گزر چکی ہے۔ الحمد اللہ۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ جب یہ بات واضح ہوگئی تو یہ بات جان لو کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ کی تعبیر کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس آیت میں ایمان کا معنی ایمان کے شرائع اور معالم ہیں؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس شرع کی تفاصیل مراد ہیں یعنی ان کی تفاصیل نہیں جانتے تھے۔ ایمان کے الفاظ کا اطلاق شرع کی تفاصیل پر کرنا بھی جائز ہے؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وحی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ آپ کیسے مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دیں؛ اسی کی مثل ابو العالیہ سے مروی ہے۔

ابو بکر قاضی نے کہا: یہاں ایمان سے مراد فرائض اور احکام ہیں، کہا: اس سے پہلے آپ توحید پر ایمان رکھنے والے تھے پھر فرائض نازل ہوئے جن سے پہلے آپ آگاہ نہ تھے احکام کے مکلف بنائے جانے کے ساتھ ایمان میں اضافہ ہوا۔ یہ چاروں اقوال قریب قریب ہیں۔

ابن خزیمہ نے کہا: ایمان سے مراد نماز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرۃ:143)

مراد یہ ہے تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی ہے اس کو ضائع کرنے والا کوئی نہیں، لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی اہل ایمان کا جانتے تھے یہ کلام اس قبیل سے ہوگی جس میں مضاف حذف ہوتا ہے یعنی کون ایمان لائے گا، ابو طالب، حضرت عباس یا کوئی اور؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ پنگھوڑے میں تھے اور بلوغت سے قبل آپ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

ماوردی نے علی بن عیسیٰ سے اسی کی مثل روایت بیان کی ہے۔ اگر رسالت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر بلوغت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارا تم پر انعام نہ ہوتا تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر ہم آپ کو ہدایت نہ دیتے تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے، اس میں احتمال موجود ہے۔

اس ایمان میں دو وجوہ ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان، اسے آپ بلوغت کے بعد اور نبوت سے پہلے جانتے تھے (2) دین اسلام، اسے آپ نبوت کے بعد جانتے تھے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے پیدائش سے لے کر بالغ ہونے تک جس طرح یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ یعنی آپ امی قوم سے تعلق رکھتے تھے وہ نہ کتاب کو جانتے اور نہ ہی ایمان کو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (العنکبوت) یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: ضمیر غائب سے مراد ایمان ہے(2)۔ سدی نے کہا: مراد قرآن ہے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وحی ہے یعنی ہم نے اس وحی کو بنایا نور۔

نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ، مَنْ نَّشَآءُ یعنی جسے ہم نبوت کے لیے پسند کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (البقرۃ:105) ضمیر واحد ذکر کی کیونکہ کثرت اسماء میں فعل اس فعل کے قائم مقام ہوتا ہے جو اسم واحد میں ہو کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کہتا ہے: إقبالك وإدبارك يعجبني تو ضمیر غائب واحد کی لاتا ہے جبکہ اقبال اور ادبار دو چیزیں ہیں۔

وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ تو راہنمائی کرتا ہے اور دعوت دیتا ہے ایسے دین کی طرف جو سیدھا ہے اس میں کوئی کجی نہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتاب مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے(4)۔

عاصم اور جحدری وَاِنَّكَ لَتُهْدَىٰ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے حضرت ابی کی قراءت میں وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت نہ کی جائیگی کیونکہ یہ مصاحف کے خلاف ہے اس قسم کے قول کو قائل کی جانب سے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ یہ تفسیر کے طور پر ہے جس طرح کہا: وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ یعنی آپ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 212　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 213　3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 212　4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 213

دعوت دیتے ہیں۔

معمر نے قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ کی تفسیر میں یہ آیت ذکر کی وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿﴾ (الرعد)

صِرَاطِ اللّٰهِ یہ پہلے صراط سے بدل ہے جس طرح معرفہ نکرہ سے بدل ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اسلام ہے۔ حضرت نواس بن سمعان نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ یعنی ملک، بندہ اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ دوبارہ اٹھانے اور جزا دینے کی وعید ہے۔ سہیل بن ابی جعد نے کہا: ایک مصحف جل گیا اس میں سے صرف اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ باقی بچا۔ ایک مصحف غرق ہوا اس میں سے سب مٹ گیا صرف اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ باقی بچا۔ والحمد للہ وحدہ۔

# سورة الزخرف

آیاتہا ۸۹ ﴿۴۳ سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ ۶۳﴾ رکوعاتہا ۷

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے مقاتل نے کہا مگر یہ آیت مدنی ہے وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ۔ اس کی نواسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۳﴾

”حا۔ میم۔ قسم ہے اس کتاب مبین کی ہم نے اتارا ہے اسے قرآن، عربی زبان میں تاکہ تم اس کے مطالب کو سمجھو“۔

حٰمٓ ۚ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ اس کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حٰمٓ قسم ہے وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ دوسری قسم ہے، اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کا جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے وَ الْكِتٰبِ کا جواب حٰمٓ کو بنایا جس طرح تو کہتا ہے نزل واللہ، وجب واللہ تو اس نے الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ پر وقف کیا ہے، جس نے جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ کو بنایا ہے اس نے وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ پر وقف نہیں کیا۔ جَعَلْنٰهُ کا معنی ہے ہم نے اس کا نام رکھا اور ہم نے اس کی صفت بیان کی۔ اسی وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ (المائدہ:103) سدی نے کہا: ہم نے اسے نازل کیا ہے جو قرآن ہے(1)۔ مجاہد نے کہا: ہم نے یہ کہا۔ زجاج اور سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اسے بیان کیا۔

عَرَبِیًّا ہم نے اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا کیونکہ ہر نبی کی کتاب اس کی قوم کی زبان میں نازل کی گئی(2)؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا: مقاتل نے کہا: آسمان والوں کی زبان عربی ہے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل کی گئیں کیونکہ کتاب اسم جنس ہے گویا جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں ان کی قسم اٹھائی کہ اس نے قرآن کو عربی بنایا جَعَلْنٰهُ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے اگرچہ اس سورت میں اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ تاکہ تم اس کے احکام اور اس کے معانی کو سمجھو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ عربوں کے لیے خاص ہوگا عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا(4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے تاکہ تم سوچ وبچار کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر عربیوں اور عجمیوں سب کے لیے عام ہوگا۔ کتاب کی صفت مبین سے لگائی ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 215　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے احکام اور فرائض کو بیان فرمایا ہے جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَ اِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ۝

''اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز''۔

وَ اِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن لوح محفوظ میں ہے لَدَیْنَا یعنی ہمارے پاس لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ۝ یعنی بلند اور محکم۔ اس میں اختلاف اور تناقض نہیں پایا جاتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ (الواقعہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۝ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (البروج) ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّهٗ سے مراد مخلوق کے اعمال یعنی ایمان، کفر، اطاعت اور معصیت لَعَلِیٌّ وہ اس سے بلند ہے کہ اسے پایا جا سکے اور اس میں تبدیلی کی جا سکے حَكِیْمٌ وہ نقص اور تغیر سے پاک ہے(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اسے حکم دیا کہ جس کو پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے لکھے کتاب اس کے پاس ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی(2)۔ حمزہ اور کسائی نے اُمِّ الْكِتٰبِ کے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ۝

''کیا ہم روک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو''۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ ذکر سے مراد قرآن ہے؛ یہ ضحاک اور دیگر سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر سے مراد عذاب ہو یعنی کیا ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے اور تمہارے اسراف اور کفر پر تمہیں سزا نہ دیں گے؛ یہ مجاہد، ابو صالح اور سدی کا قول ہے(3)۔ عوفی نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے جبکہ تم نے وہ کچھ نہیں کیا جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کیا تم قرآن کو جھٹلاتے ہو اور تمہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ سدی نے یہ بھی کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں فضول چھوڑ دیں گے اور ہم تمہیں حکم نہیں دیں گے اور ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے اور تمہیں حکم نہیں دیں گے اور تمہیں نہیں روکیں گے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا ہم قرآن نازل کرنے سے رک جائیں گے قبل اس کے کہ تم اس پر ایمان نہیں لائے ہو گے اور تم پر اسے نازل کریں گے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس قرآن کو اٹھا لیا جاتا جب اس امت کے لوگوں نے اس کا رد کیا تھا تو وہ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ اسے لوٹایا اور بار بار نازل کیا۔ کسائی نے کہا: ہم تم سے ذکر کو لپیٹ دیں گے نہ تمہیں نصیحت کی جائے گی اور نہ ہی تمہیں حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد تذکیر ہے گویا فرمایا: کیا تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ تم فضول خرچ قوم ہو۔ یہ تعبیر اس کے نزدیک ہے جس نے ان کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے، جس نے اسے کسرہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 215 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 91 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 216

دیا ہے اس نے اسے شرط کے لیے بنایا ہے اور اس کا ماقبل اس کا جواب ہے کیونکہ یہ لفظوں میں عمل نہیں کرتا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ (البقرۃ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے اس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے جس طرح تو کہتا ہے: أنت ظالم إن فعلت زجاج کے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کی صورت میں حال کا معنی ہوگا کیونکہ کلام میں تقریر اور توبیخ کا معنی پایا جارہا ہے صَفْحًا کا معنی اعراض کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے صفحتُ عن فلان جب تو نے اس کے گناہ سے درگذر کیا قد ضربت عنه صفحا جب تو نے اس سے اعراض کیا اور اس کو ترک کر دیا۔ اس کا اصل معنی گردن کا پہلو ہے یہ کہا جاتا ہے: اعرضت عنه یعنی میں نے اس سے اپنی گردن کا پہلو پھیر لیا۔ شاعر نے کہا:

صُفوحًا فما تلقاك إلّا بخيلةً فمن مَلَّ منها ذلك الوصلَ مَلّت (1)

وہ گردن کا پہلو پھیرنے والی ہے وہ تجھے بخیل کی حیثیت سے ہی ملے گی جو اس وصل سے اس سے اکتا جائے وہ اکتا جاتی ہے۔

صَفْحًا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ اَفَنَضْرِبُ کا معنی ہے افنصفح ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یوں ہے أفنضرب عنكم الذكر صافحين جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان مشياً۔

مُّسْرِفِیْنَ کا معنی ہے مشرکین۔ ابوعبیدہ نے ان میں ہمزہ کے فتحہ کو اختیار کیا ہے؛ یہ ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم اور ابن عامر کی قراءت ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر پر عتاب کیا جو ان سے واقع ہوا اور ان کے عمل سے پہلے اسے جان لیا۔

**وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ۝ وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۝ فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ۝**

''اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے پس ہم نے ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا''۔

وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ۝ یہاں کم خبر یہ ہے، یہاں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے معنی ہے ہم نے جو انبیاء بھیجے ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہے جس طرح فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ۝ (الدخان) انہوں نے کتنے ہی زیادہ باغات اور چشمے چھوڑے۔

وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ لوگ اس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا یعنی ایسی قوم کو ہلاک کیا جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھی مِنْهُمْ میں ضمیر مشرکین کی طرف لوٹ رہی ہے جو اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کے مخاطب ہے پہلے خطاب کیا اس کے بعد ضمیر ذکر کی اَشَدَّ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے؛ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مفعول ہے یعنی وہ لوگ جو بدن اور پیروکاروں کے اعتبار سے ان سے قوی تھے انہیں ہلاک کر دیا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ۝ یہاں مثل سے مراد عقوبت ہے؛ یہ قتادہ سے مروی ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صفحة الاولين سے مراد ہے ان کی خبر کہ انہیں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 216 2۔ ایضاً

ان کے کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا؛ یہ نقاش اور مہدوی نے ذکر کیا ہے(1)۔ مثل کا معنی وصف اور خبر ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ۙ﴿۹﴾

''اور آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے: پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست سب کچھ جاننے والے نے''۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ ضمیر سے مراد مشرکین ہیں مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿﴾ خلق اور ایجاد کا اس کے لیے اقرار کیا پھر اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی یہ ان کی طرف سے جہالت ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾

''جس نے بنا دیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ اور بنا دیے ہیں تمہارے لیے اس میں راستے تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو''۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اللہ تعالیٰ نے کمال قدرت کے ساتھ اپنی صفت بیان کی یہ کلام نئی شروع ہو رہی ہے اپنے بارے میں خبر دی اگر یہ کفار کے قول کی خبر ہوتی تو کلام یوں ہوتی الذی جعل لنا الارض۔

مَهْدًا یعنی بستر اور بچھونا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کوفیوں نے اسے مَهْدًا پڑھا ہے وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا یعنی زندگی کو اسباب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُبُلًا کا معنی ہے راستے تا کہ جہاں تم جانا چاہتے ہو ان میں چلو۔

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تا کہ تم اس کی مقدورات سے اس کی قدرت پر استدلال کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ تم اپنے سفروں میں ہدایت پاؤ، یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر نعمتوں کو پہچانوں؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ تم اپنی زندگی کے اسباب کی طرف راہنمائی پاؤ۔

وَ الَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾

''اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو یونہی تمہیں بھی قبروں سے نکالا جائے گا''۔

وَ الَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر بغیر اندازہ کے نازل کیا گیا یہاں تک کہ انہیں غرق کر دیا بلکہ وہ اندازے سے نازل کیا گیا غرق کرنے والے طوفان کی صورت میں نہیں اور نہ ہی ضرورت سے کم یہاں تک کہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے زندگی کا سبب بن گیا(4)۔

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا یعنی ہم نے پانی کے ذریعے چٹیل بستی کو زندہ کر دیا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 216 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 217 3۔ ایضاً 4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 129

كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۝ اسی طرح تمہیں قبور سے اٹھایا جائیگا کیونکہ جو ذات بے آباد بستی کو آباد کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ، کسائی اور ابن ذکوان نے ابن عامر سے یَخْرُجُوْن قراءت نقل کی ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجہول نقل کیا ہے۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۝

"اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنادیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنادیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ یعنی اللہ تعالیٰ نے جوڑے پیدا کیے۔ سعید بن جبیر نے کہا: تمام قسم کی اصناف پیدا کیں (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جس نے موسم سرما، موسم گرما، رات، دن، آسمان، زمین، سورج، چاند، جنت اور جہنم کو پیدا کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: حیوانوں میں سے مذکر اور مؤنث پیدا کیے (3)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نباتات کے جوڑے مراد ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ۝ (ق) مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ۝ (لقمان: 10) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایمان و کفر، نفع و نقصان، فقر و غنا اور صحت و بیماری ہیں جو انسان میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول تمام اقوال کو عام ہے اپنے عموم کی وجہ سے تمام کو جامع ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ فلک سے مراد کشتیاں ہیں وَالْاَنْعَامِ سے مراد اونٹ ہیں مَا تَرْكَبُوْنَ۝ جن پر تم خشکی اور تری میں سواری کرتے ہو۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ یہاں ضمیر ذکر کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا تَرْكَبُوْنَ کی طرف لوٹ رہا ہے؛ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ فراء نے کہا: ظُهُوْرِهٖ کو واحد ضمیر کی طرف مضاف کیا ہے (4)، کیونکہ اس سے مراد جنس ہے ایک جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح جیش اور جند واحد ہونے کے باوجود جمع کے معنی میں ہوتے ہیں اسی وجہ سے ضمیر مذکر ذکر کی اور ظہور کو جمع ذکر کیا تقدیر کلام یہ ہوگی علی ظهور هذا الجنس۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہاں انعام سے مراد اونٹ اور گائے ہے (5)۔ ابو معاذ نے کہا: صرف اونٹ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217
4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 218
5۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 217

ہیں (1)؛ یہی صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اسی اثنا میں کہ ایک آدمی گائے پر سوار تھا کہ گائے نے اس سے کہا: مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا مجھے تو ہل چلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے (2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں، ابو بکر، اور عمر اس پر ایمان لائے'' جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ سورۃ النحل کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد اللہ۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ اس سے مراد خاص طور پر اونٹ ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور کشتیوں کے اندر بیٹھا جاتا ہے ان کشتیوں پر سوار نہیں ہوا جاتا لیکن سورت کے آغاز میں ان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطف کیا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ کشتی کے ظاہر کو اس کا باطن بنا دیا جائے کیونکہ پانی کشتی کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے ہوتا ہے اس کا بطن ہی ظاہر بنا دیا جائے گا، کیونکہ یہ باطن لوگوں کے لیے منکشف ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہی پشت ہوتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ یعنی جس پر سواری کرتے ہو۔ نعمت کے ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا ہے کہ اس نے اس چیز کو ہمارے لیے خشکی اور تری میں مسخر کر دیا ہے وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا یعنی اس نے ہمارے لیے سواری کو مسخر کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے سبحان من سخرلنا ھذا۔

وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ یعنی ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی کا قول ہے (3)۔ اخفش اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے کہ مُقْرِنِيْنَ کا معنی ہے ضابطین ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قوت میں مماثل۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قرن فلان جب وہ قوت میں اس کی مماثل ہو، یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان مقرن لفلان یعنی فلاں، فلاں کو قابو کرنے والا ہے، اسی معنی میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں اقرنت کذا۔ اقرن لہ وہ اس پر قوی ہو گیا گویا وہ اس کا ہم مقابل ہو گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ یعنی ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ قطرب نے عمرو بن معد یکرب کا شعر پڑھا:

لقد علم القبائل ما عُقیلٌ لنا فی النائبات بمقرنینا

قبائل جان گئے ہیں عقیل حادثات زمانہ میں ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

رکبتم صَعْبَتی اَشَرًا وَ حَیْفًا ولستم للصعاب بمعرنینا

نیز مقرن اسے کہتے ہیں جس پر ضیاع غالب آ جائے اس کے اونٹ ہوں یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور ان پر اس کا کوئی معاون نہ ہو یا وہ اونٹوں کو پانی پلائے اور انہیں کوئی ہنکانے والا نہ ہو۔ سکیت نے کہا: اس کی اصل میں دو قول ہیں: (1) یہ اقران سے ماخوذ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217
2۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر و عمر، جلد 2، صفحہ 209
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 218

ہے یہ باب چلایا جاتا ہے اِقرن یُقرِن اقرانا جب وہ طاقت رکھے أقرنت کذا جب تو اسے محکم بنائے گویا اسے پہاڑ میں بنایا،
قرن سے مراد پہاڑ ہے اسے پختہ بنایا اور مضبوط کیا (2) یہ مقارنہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چال میں ایک دوسرے کے ساتھ
ملے ہوئے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: قرنت کذا بکذا جب تو اسے اس کے ساتھ باندھ دے اور تو اسے اس کا ساتھی بنا دے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جب ہم سواریوں پر سوار ہوں تو ہم کیا کہیں اور جب ہم کشتی پر سوار
ہوں تو حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے ایک اور آیت میں اس کو بھی پہچان لیا ہے وہ یہ ارشاد ہے: وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا
بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ہود) کتنے ہی جانوروں پر سوار لوگ ہیں کہ سواری سوار کے
ساتھ لڑکھڑا گئی یا سرگرداں ہوگئی یا اس نے سوار کو نیچے گرا دیا یا سوار اس کی پشت سے نیچے گر گیا اور ہلاک ہو گیا، کتنے ہی کشتی
میں سوار ہونے والے ہیں کشتی ان کے ساتھ ٹوٹ گئی تو سب غرق ہو گئے۔ جب سوار ہو یا ایک ممنوع امر کے ساتھ ملا ہوا ہے
اور تلف کے اسباب میں سے چند اسباب کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے وہ اس کی قضا سے بچنے والا
نہیں وہ اپنے دل اور زبان سے اس کے ذکر کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ملاقات کے لیے اس
طرح تیار ہو جائے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرنے والا ہو اور اس احتیاط کو بھی پیش نظر رکھے کہ اس کی یہ سواری اللہ تعالیٰ کے
علم میں اس کے موت کے اسباب میں سے ہو اور وہ خود اس سے غافل ہو۔

سلیمان بن یسار نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ لوگ سفر میں تھے جب وہ سوار ہوئے تو کہتے: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا
هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ ان میں سے ایک آدمی تھا جو انتہائی کمزور سواری پر سوار تھا اونٹ میں سے رازم اسے کہتے ہیں
جو زمین پر کھڑا رہتا ہے اور کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کرتا یا یوں جملہ بولا جاتا ہے قد رزمت الناقۃ ترزم وترزم
رزوما ورزاما وہ تھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے کھڑی ہوگئی وہ حرکت نہیں کرتی۔ صحاح میں جوہری نے یہ بات کہی ہے۔
اس آدمی نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو اس پر غالب ہوں اس اونٹنی نے اسے گرا دیا اور اسکی گردن ٹوٹ گئی۔

روایت بیان کی جاتی ہے: ایک بدو اپنے قعود اونٹ (چرواہا ہر ضرورت کے لیے جس اونٹ کو استعمال کرتا ہو) پر سوار ہوا
اس نے کہا: اسے قابو کرنے والا ہوں، وہ قعود اونٹ اسے لے کر دوڑ پڑا یہاں تک کہ اسے گرا دیا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی؛ پہلا
واقعہ ماوردی اور دوسرا ابن علی نے ذکر کیا ہے۔ کہا: کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس دعا کو چھوڑے زبان سے اس کا
ذکر واجب نہیں جب وہ سوار ہو تو یہ کہے اور سفر میں جب اسے یاد آ جائے سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ
مُقْرِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ اے اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی ہے اہل اور مال میں تو ہی خلیفہ ہے، اے اللہ! میں
سفر کی مشقت سے واپس پلٹنے کے غم، کور کے بعد جور اور اہل و مال میں برے منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ الجور بعد
الکور سے مراد ہے امور کے مجتمع ہونے کے بعد ان کا بکھر جانا۔

عمرو بن دینار نے کہا: میں ابو جعفر کے ساتھ ان کی زمین کی طرف نکلا جو باغ کی مثل تھی جسے مدرکہ کہتے وہ ایک تند خو اونٹ
پر سوار ہوئے میں نے ان سے عرض کی: اے ابو جعفر! کیا تجھے ڈر نہیں کہ یہ تجھے گرا دے گا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ”ہر اونٹ کی کوہان پر ایک شیطان ہوتا ہے جب تم اس پر سوار ہو تو اللہ تعالیٰ کا نام یاد کیا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر اس سے خدمت لو“ (1)۔ حضرت علی بن ربیعہ نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ایک روز سوار ہوئے جب آپ نے اپنا قدم رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللہ جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: الحمد للہ پھر کہا: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ پھر تین بار کہا: الحمد للہ واللہ اکبر اللّٰھم لا إله إلّا أنت ظلمتُ نفسی فاغفرلی إنه لا یغفر الذنوب إلّا أنت پھر آپ ہنسے۔ میں نے ان سے پوچھا کس چیز نے تجھے ہنسایا ہے؟ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسی طرح کہا جس طرح میں نے کہا ہے پھر آپ ہنسے میں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کس چیز نے آپ کو ہنسایا ہے فرمایا: اس بندے کے قول پر تعجب کی وجہ سے جو کہتا ہے: اللّٰھم لا إله إلّا أنت ظلمتُ نفسی فاغفرلی فإنّه لا یغفر الذّنوب إلّا أنت (2) وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔ ابوداؤد طیالسی نے اسے اپنی مسند میں اور ابوعبداللہ محمد بن خویز منداد نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مختصر نقل کیا ہے، الفاظ یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنا قدم رکاب میں رکھتے تو فرماتے بسم اللہ جب اوپر بیٹھ جاتے تو فرماتے (3): الحمد للہ علی کلّ حال سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ جب تم کشتی اور چوپائے سے نیچے اترو تو کہو اللّٰھم أنزلنا مُنزلًا مبارکًا وأنت خیرُ المنزلین۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی سوار ہوا اور سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ نہ کہا شیطان اسے کہتا ہے: تو اسکے لیے نغمہ گا (4)۔ اگر وہ اچھی طرح نہ گا سکتا ہو تو اسے کہتا ہے: اپنی طرف سے بنا لے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

جو آدمی اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: آج ہم گھوڑوں پر سیر کریں یا کشتی میں سیر کریں وہ سوار ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنے ساتھ شراب کے برتن اور آلات لہو ولعب اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ لگاتار اسے پیتے رہتے ہیں یہاں تک شراب سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے جبکہ وہ جانوروں کی پشتوں پر ہوتے ہیں یا کشتیوں کے اندر ہوتے ہیں جبکہ کشتیاں انہیں لے کر چل رہی ہوتی ہیں وہ صرف شیطان کا ذکر کرتے ہیں، وہ صرف اس کے حکم کو ہی مانتے ہیں، وہ ایسے لوگوں کے پاس کھڑا ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک حاکم سوار ہوا جبکہ وہ شراب پیتا تھا ایک شہر سے دوسرے شہر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اسے ہوش نہ آیا مگر جب وہ اپنے گھر پہنچ چکا تھا اسے سفر کا احساس تک نہ ہوا ایسے سواروں کے عمل اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو حکم دیا ہے ان کے درمیان کتنا بعد ہے (5)۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1677
2۔ جامع ترمذی، کتاب فی الدعوات، باب ما یقول اذا رکب الناقۃ، جلد 2، صفحہ 182
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 239
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48
5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 249

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

''اور بنادی ہے مشرکوں نے اس کے لیے اس کے بندوں سے اولاد، بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے''۔

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا یہاں جزء، عدل کے معنی میں ہے یعنی مثل (1)۔ قتادہ سے مروی ہے: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ زجاج اور مبرد نے کہا: یہاں جزء سے مراد بیٹیاں ہیں۔ مومن ان کی جہالت پر متعجب ہوئے جب انہوں نے یہ اقرار کیا کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک اور بچہ بنایا انہیں علم نہیں تھا کہ جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ قوت حاصل کرے یا اس سے انس حاصل کرے کیونکہ یہ نقص کی صفات میں سے ہے۔

ماوردی نے کہا: عربوں کے نزدیک جزء سے مراد بیٹیاں ہیں (2)۔ جب عورت بیٹیاں جنے تو عرب کہتے ہیں اجزأت المراءۃ شاعر نے کہا:

إن أجزأت حرة یوما فلا عجب　　وقد تجزئ الحُرَّةُ المذکار أحیانا(3)

اگر شریف عورت نے کسی روز بچی جنی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کئی مواقع پر وہ بچے بھی جن دیتی ہے۔

زمخشری نے کہا: عجیب وغریب تفاسیر میں سے یہ ہے کہ جزء کی تفسیر عورتوں سے کی جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ جزء کا لفظ لغت عرب میں عورتوں کے لیے آتا ہے (4) یہ عربوں پر جھوٹ ہے اور نئی وضع ہے انہوں نے اسی پر قناعت نہ کی یہاں تک کہ انہوں نے اس سے یہ فعل مشتق کر لیا اجزأت المرأۃ پھر شعر بنا دیے:

إن اجزأت حرة یوما فلا عجب　　زُوِّجْتُها من بنات الأوسِ مُجزِئة(5)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ کے ساتھ متصل ہے اگر تو ان سے آسمانوں اور زمین کے خالق کے بارے میں پوچھے تو وہ اس کا اعتراف کریں گے اس اعتراف کے باوجود انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کا جز بنا دیا ہے اور مخلوقات کی صفات سے اس کا وصف بیان کیا ہے مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا کا معنی ہے انہوں نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جز بنا دیا جس طرح اولاد والد کا جز ہوا کرتی ہے۔ اسے جُزْءًا دو ضموں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ انسان سے مراد کافر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے مُّبِیْنٌ کا معنی ہے وہ کفر کو ظاہر کرتا ہے (6)۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾

''کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں اپنے لیے اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ''۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219　2۔ ایضاً　3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 241　5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219　6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے کیا اس نے جو پیدا کیا ہے اس کو بیٹیاں بنا لیا ہے جس طرح تمہارا گمان ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لفظ استفہام کا ہے معنی توبیخ ہے وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ۝ تمہیں بیٹوں کے لیے خاص کیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: اصفیتہ بکذا یعنی میں نے اس کو اس کے پیچھے لگایا۔ أصفیتہ الوُدمیں نے اس کے لیے محبت کو خالص کیا۔ صافیتہ و تصافینا ہم نے خالص کیا۔ اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کو منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو منتخب کیا جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو پسند کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اگرچہ جاہل یہ وہم کرے کہ اس نے اپنے لیے بیٹا منتخب کیا ہے۔ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کی طرف دو جنسوں میں ارفع جنس کو کیوں منسوب نہیں کیا انہوں نے اپنے لیے معزز جنس کو کیوں بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ادنیٰ درجے کی جنس کو منتخب کیا یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى ۝ (النجم)

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ۝

''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے''۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا یعنی اس کی بیٹی پیدا ہوئی تو اسکا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی یہ صورت حال اس لیے ہوتی ہے کہ اس نے جو مثال بیان کی تھی وہ باطل ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے بچی کی جو بشارت دی گئی ہے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے اس کی دلیل سورۂ نحل میں موجود ہے وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک کو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بچی پیدا ہوئی ہے تو وہ غمگین ہو جاتا ہے اور اس کا چہرہ غصے اور افسوس سے سیاہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ ایک عرب کے بارے میں یہ مروی ہے کہ اس کی عورت نے بچی جنی تو اس نے اس گھر کو چھوڑ دیا جس میں اس کی بیوی تھی تو اس عورت نے کہا:

ما لأبی حمزة لایأتینا یَظَلُّ فی البیت الذی یلینا
غضبان ألاّ نلد البنینا وإنما نأخذ ما أعطینا(1)

ابوحمزہ کو کیا ہو گیا ہے وہ ہمارے پاس نہیں آتا اور اس گھر میں رہتا ہے جو ہمارے پڑوس میں ہے۔ وہ ناراض ہے کہ ہم بیٹوں کو کیوں نہیں جنتیں ہم تو وہی کچھ لیتی ہیں جو کچھ ہمیں عطا کیا گیا ہے۔

اسے مسودٌ اور مسوادٌ بھی پڑھا گیا ہے۔ جماعت کی قراءت کے مطابق وَجْهُهٗ یہ ظَلَّ کا اسم ہے اور مُسْوَدًّا اس کی خبر ہے(☆)۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَجْهُهٗ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور مسود اکو رفع اس لیے دیا جائے کہ یہ اس کی خبر ہو، ظَلَّ میں اس کا اسم ہو اور جملہ اس کی خبر ہو كَظِیْمٌ کا معنی ہے غمگین (2)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 243
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219

☆ یہ بھی جائز ہے کہ ظل میں ایک ضمیر ہو جو احد کی طرف لوٹے جو اس کا اسم ہو اور وجھہ اس کا بدل ہو اور مسودا، ظل کی خبر ہو۔

معنی مکروب ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہے؛ یہ ابن ابی حاتم کا قول ہے(1)، یہ سب کچھ اس کی مثل کے باطل ہونے اور دلیل کے باطل ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس نے اس امر کو جائز قرار دیا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو اس نے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ بچہ اپنے والد کی جنس اور اسکے مشابہ ہوا کرتا ہے جس آدمی کا چہرہ اس لیے سیاہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف اسے منسوب کیا جائے جو اس سے بھی جلیل الشان ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو منسوب کرنا کیسا ہوگا؟ اس آیت کی وضاحت میں سورۂ نحل میں ایسی بحث گزر چکی ہے جو کافی وشافی ہے۔

اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ۝

''کیا وہ ایسی اولاد جنے گا جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعی واضح نہیں کر سکتی۔ اور انہوں نے ٹھہرا لیا ہے فرشتوں کو جو خداوند رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں، کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت، لکھ دی جائیگی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ جوان ہوتی ہے۔ نشوء کا معنی تربیت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشأتُ فی بنی فلاں نشأ ونشوءا۔ جب تو ان میں جوان ہو۔ نشیٔ اور اَنشیٔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، ابن وثاب، حفص، حمزہ، کسائی اور خلف نے يُنَشَّأُ پڑھا ہے جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ بڑی ہوتی ہے زیورات میں؛ ابوعبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس صورت میں اسناد اعلیٰ ہے باقی قراء نے اسے يَنشأ یاء کے فتح اور نون کو ساکن کرنے کے ساتھ پڑھا ہے؛ اسے ابوحاتم نے پسند کیا ہے وہ راسخ ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ نشأ میں اصل معنی بلند ہونا ہے، یہ ہروی نے کہا ہے يُنشأ متعدی ہے اور يَنشأ لازم ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ فِي الْحِلْيَةِ یعنی زینت میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: وہ بچیاں ہیں ان کا لباس مردوں کے لباس سے مختلف ہے(2)۔ مجاہد نے کہا: عورتوں کو سونے اور ریشم کے استعمال کی اجازت دی گئی اور اس آیت کو پڑھا(3)۔ الکیا نے کہا: اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ عورتوں کے لیے زیورات استعمال کرنا جائز ہے اس پر اجماع منعقد ہے اس میں احادیث شمار سے باہر ہیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو کہا کرتے تھے: اے بیٹی! سونے کے زیورات پہننے سے بچو کیونکہ مجھے تیرے بارے میں آگ کا خوف آتا ہے۔

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ جھگڑا میں اور حجت ودلیل پیش کرنے میں واضح کلام نہیں کر سکتی۔ قتادہ نے کہا: کسی عورت نے گفتگو کی جبکہ اس کے پاس دلیل بھی موجود ہو تو وہ اسے اپنے خلاف ہی استعمال کر لیتی ہے(4)۔ حضرت عبداللہ بن

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 167 4۔ زادالمسیر، جلد 2، صفحہ 130

مسعود کے مصحف میں ہے وھو فی الکلام غیر مبین آیت کا معنی ہے کیا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے جس کا یہ وصف ہو؟ یعنی ایسا کرنا جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیورات میں آراستہ ان کے وہ بت ہیں جن کو انہوں نے سونے اور چاندی سے ڈھالا اور انہیں زیور پہنائے (1)، یہ ابن زید اور ضحاک کا قول ہے۔ اس قول کی بنا پر اس کا معنی ہوگا وہ جواب سے خاموش ہیں من محل نصب میں ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس چیز کو بنایا جو زیورات میں پروان چڑھتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کی حیثیت میں مرفوع ہو اور خبر مضمر ہو؛ یہ فراء کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہوگی کیا وہ چیز جو اس حالت پر ہو عبادت کی مستحق ہو سکتی ہے۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ لے کہ من محل جر میں ہے اسے کلام کے ابتدائی حصہ کی طرف پھیرا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بِمَا ضَرَبَ یا ما ہے جو اس آیت میں ہے مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ ان دونوں مواقع پر بدل بنانا ضعیف ہے کیونکہ ہمزہ استفہام بدل اور مبدل منہ کے درمیان حائل ہے۔

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا کوفیوں نے عباد کو جمع پڑھا ہے، ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس میں اسناد اعلیٰ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول میں انہیں جھٹلایا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں وہ اس کی بیٹیاں نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے عباد الرحمٰن پڑھا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: میرے مصحف میں عبد الرحمٰن تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسے مٹا دے اور اسے عباد الرحمٰن لکھ اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (الانبیاء) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (الاعراف: 194) باقی قراء نے اسے عند الرحمٰن نون ساکنہ کے ساتھ پڑھا ہے ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ (الاعراف: 206) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ (الانبیاء: 19) مقصود ان کے جھوٹ کو واضح کرنا اور ان کی جہالت کو بیان کرنا ہے کہ وہ اولاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ حکم لگاتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ عباد کے لفظ کا ذکر کر کے ان کی مدح ہے یعنی انہوں نے اس کی کیسے عبادت کی جو عبادت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے پھر انہوں نے کیسے حکم لگا دیا کہ وہ مونث ہیں جبکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہاں جعل قول اور حکم کے معنی میں ہے تو کہتا ہے: جعلت زیدا أعلم الناس یعنی میں نے اس پر سب سے بڑا عالم ہونے کا حکم لگا دیا۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان پر مؤنث ہونے کا حکم لگا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا اور کہا: تجھے کیسے علم ہوا کہ وہ مؤنث ہیں (2)؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے اپنے آباء سے سنا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اس قول میں جھوٹ نہیں بولا کہ وہ عورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَتُكْتَبُ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 220

2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 131

شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْـَٔلُوْنَ۝ یعنی آخرت میں ان سے سوال کیا جائے گا۔ نافع نے اسے اؤشھدوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ استفہام ہمزہ مضموم پر داخل ہوا اس کو مد کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا مگر مسیبی سے ایک روایت مروی ہے کہ وہ اسے مد کے ساتھ پڑھتے تھے مفضل نے عاصم سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے اور دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی روایت کی ہے باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ جو استفہامیہ ہے قراءت کی ہے اَشَهِدُوا زہری نے اُشْهِدُوْا خلقھم قراءت نقل کی ہے یعنی یہ جملہ خبر یہ ہے ستکتب عام قراءت ہے فعل مجہول ہے اور تاء مضموم ہے اور شَهَادَتُهُمْ مرفوع ہے۔ سلمی، ابن سمیقع اور ہبیرہ نے حفص سے سنکتب اور شھادتھم کو منصوب نقل کیا ہے کیونکہ فعل معروف ہے۔ ابو رجاء سے ستکتب شھاداتھم جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۝

''اور کفار کہتے ہیں کہ اگر چاہتا خداوند رحمٰن تو ہم انہیں نہ پوجتے انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں''۔

وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مشرکوں نے مذاق کے انداز میں کہا: تمہارے گمان کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی پوجا نہ کرتے۔ یہ ان کی طرف سے قول تو صحیح تھا مگر باطل تھا ہر شے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہے اس کا ارادہ ثابت ہے اسی طرح اس کا علم بھی ثابت ہے اس کے ارادہ کے ساتھ استدلال کرنا ممکن نہیں اسی طرح معلوم کے خلاف بھی ممکن نہیں۔ مراد تحت القدرت ہے اگرچہ واقع نہ ہوا اگر وہ بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تو ہم جان جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی چیز کا ارادہ کیا جو ان سے حاصل ہوا۔ سورہ انعام میں یہ بحث گذر چکی ہے سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا (انعام:148) سورۂ یٰس میں اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ (47)

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یہ کلام وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا کی طرف لوٹائی جائے گی یعنی وہ یہ جو کہتے ہیں الملائکۃ بنات اللہ کا انہیں کچھ علم نہیں (1)؛ یہ قتادہ، مقاتل اور کلبی کا قول ہے۔ مجاہد اور ابن جریج نے کہا: اس سے مراد بت ہیں یعنی بتوں کی جو عبادت کرتے ہیں اس کا انہیں کچھ علم نہیں (2)۔ مِنْ زائدہ ہے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۝ وہ اندازہ لگاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں غیر اللہ کی عبادت کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ان کے کلام کا بین السطور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا، ہم سے اس بات پر راضی ہوا، ہمیں اس چیز سے منع نہ کیا اور ہمیں جلدی سزا نہ دی۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ۝

''کیا ہم نے دی انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں''۔

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ کا معادل ہے معنی ہے کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یا ہم نے قرآن

---

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 131 2۔ ایضاً

سے پہلے کوئی کتاب انہیں عطا کی تھی جس نے انہیں اس امر کی دعوت دی تھی وہ اس کو پکڑے ہوئے ہیں وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔

بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝

’’بلکہ وہ خود کہتے ہیں: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقوش پر چل رہے تھے۔ اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں‘‘۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ عَلٰۤى اُمَّةٍ مراد طریقہ اور مذہب ہے؛ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے(1)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور قتادہ اسے اِمّۃ پڑھا کرتے تھے اور اِمۃ کا معنی طریقہ ہے۔ جوہری نے کہا: اِمۃ کا معنی نعمت ہے اور اِمۃ، اُمۃ کی بھی ایک لغت ہے اس سے مراد طریقہ اور دین ہے؛ یہ ابوعبیدہ سے مروی ہے۔ عدی بن زید نے نعمۃ کا معنی لیتے ہوئے کہا:

ثم بعد الفَلَاحِ والمُلْكِ والأَمّة وارتْهُم هناك القبور کامیابی، بادشاہت اور نعمت کے بعد وہاں قبروں نے انہیں چھپا لیا۔

یہ جوہری کے علاوہ سے مروی ہے۔ قتادہ اور عطیہ نے کہا: علی امۃ کا معنی ہے دین پر(2)۔ قیس بن خطیم کا قول اسی معنی میں مروی ہے:

کنا علی أمۃ آبائنا ویقتدی الآخر بالاول

ہم اپنے آباء کے دین پر ہیں اور بعد والا پہلے کی اقتداء کر رہا ہے۔

جوہری نے کہا: امۃ کا معنی طریقہ اور دین ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان لا أمۃ لہ فلاں کا کوئی دین نہیں، شاعر نے کہا:

وھل یستوی ذوامۃ وکفور

کیا دین والا اور کافر برابر ہو سکتے ہیں۔

مجاہد اور قطرب نے کہا علی دین، علی ملۃ(3)۔ دین اور ملت پر۔ بعض مصاحف میں ہے قالوا انا وجدنا آباءنا علی ملۃ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں(4)۔ فراء سے مروی ہے: ملت پر، قبلہ پر۔ اخفش نے کہا: استقامت پر۔ اور نابغہ کا شعر پڑھا:

حَلَفْتُ فلم أترك لنفسك رِیبۃً وھل تأثَمَنْ ذوأمَّۃ وھو طائع

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 221 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

میں نے قسم اٹھادی ہے اور میں نے تیرے نفس کے لیے کوئی شک نہیں چھوڑا کیا استقامت پرکار بند گناہگار ہو سکتا ہے جبکہ خوشی سے کام کر رہا ہو۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ۝ یعنی ہم ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ ایک اور آیت میں مقتدون کے الفاظ ہیں یعنی ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں معنی ایک ہی ہے۔ قتادہ نے کہا: ہم اقتدا کرتے ہیں (1)، ہم پیروی کرتے ہیں۔ اس میں تقلید کے ابطال پر دلیل ہے کیونکہ ان کی اپنے آباء کی تقلید پر مذمت کی گئی ہے اور اس پر مذمت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جس امر کی دعوت دی اس میں غور و فکر کو انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرۃ میں گذر چکی ہے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ، ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے وہی بات کی جو ان سے قبل لوگوں نے بات کی تھی۔ مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حم السجدہ: 43) مترف سے مراد خوشحال آدمی ہے یہاں اس سے مراد بادشاہ اور جابر لوگ ہیں۔

قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝

''اس نبی نے فرمایا کہ اگر میں لے آؤں تمہارے پاس زیادہ درست چیز اس سے جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو تب بھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو نہیں مانتے''۔

قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى اے محمد! اپنی قوم سے کہہ دیجئے: کیا میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں وہ زیادہ درست اور ہدایت والی نہیں۔

مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝ یعنی جس چیز کے ساتھ رسولوں کو مبعوث کیا گیا خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لفظ جمع کا ہے کیونکہ ایک رسول کو جھٹلانا باقی رسولوں کو جھٹلانا ہے اسے قل و جئتکم اور قال و جئناکم پڑھا گیا ہے یعنی کیا تم اپنے آباء کی پیروی کرتے ہو اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا دین لایا ہوں جو تمہارے آباء کے دین سے زیادہ درست ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے آباء کے دین پر ثابت قدم ہیں ہم اس سے جدا نہ ہوں گے اگرچہ تم ہمارے پاس وہ لاتے جو زیادہ صحیح ہو۔ تقلید کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۝

''پس ہم نے ان سے انتقام لیا ذرا دیکھو کیسا المناک انجام ہوا جھٹلانے والوں کا''۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ہم نے قحط، قتل اور قیدی بنانے کے ساتھ ان سے انتقام لیا قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ ہے ابن عامر اور حفص نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 221

قال اولو پڑھا ہے یہ نذیر کی طرف سے خبر ہوگی یعنی اس نے ان لوگوں سے کہا تھا۔ ابو جعفر نے اسے قل اولو جئتنا کم نون اور الف کے ساتھ پڑھا ہے تو خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رسولوں کی جانب سے کیا۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾

''اور یاد کیجئے جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بے زار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری راہنمائی کرے گا''۔

وَ اِذْ قَالَ انہیں یاد دلایئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: جن کی تمام عبادت کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔ براء کا لفظ واحد اور اس سے اوپر کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا نہ تثنیہ بنایا جا سکتا ہے نہ جمع اور نہ ہی اس کا مونث بنایا جاتا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور صفت کی جگہ اسے رکھا گیا ہے یہ نہیں کہا جاتا: البراءان، البراءون، کیونکہ معنی ذو البراء اور ذو والبراء ہے۔ جوہری نے کہا: تبرأتُ من کذا، أنا منه براء و خلاء منه اس کا تثنیہ اور جمع نہیں بنائی جاتی کیونکہ یہ اصل میں مصدر ہے جس طرح سمع سماعا جب تو کہے: أنا بریٔ منه و خلی۔ اس کا تثنیہ، جمع اور مونث بنائی جائیگی اور تو جمع میں کہے گا: نحن منه برآء، جس طرح فقیہ کی جمع فقہاء آتی ہے اور براء بھی آتی ہے جس طرح کریم کی جمع کرام آتی ہے ابراء بھی جمع آتی ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے اس کی جمع ابریاء بھی آتی ہے جس طرح نصیب کی جمع انصباء اور برئیون آتی ہے یوں کہا جاتا ہے: امراۃ بریٔة، هما بریٔتان، هن بریٔات، برایا اسی طرح یہ استعمال ہوتا ہے رجل بریٔ و براء۔ جس طرح عجیب اور عجاب ہے البراء جب فتحہ کے ساتھ استعمال ہو تو یہ مہینے کی پہلی رات ہوتی ہے اسے یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ چاند سورج سے بری ہوتا ہے اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ یہ مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ انہوں نے اپنے معبودوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ کہا کرتے تھے اللہ ربنا اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہو یعنی لیکن جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے ہدایت دے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اپنی قوم کو تنبیہ کرنے کی غرض سے تھا کہ ہدایت اسکے رب کی جانب سے ہوتی ہے۔

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

''اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً جعلها میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ کی طرف لوٹ رہی ہے اور جَعَلَهَا میں ضمیر فاعل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مراد ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ اور گفتگو کو آپ کے خاندان میں باقی رہنے والا بنا دیا تو وہ آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد ہے یعنی وہ ورثہ در ورثہ غیر اللہ کی عبادت سے براءت کا اظہار کرتے رہے اور انہوں نے اس معاملہ میں ایک دوسرے کو وصیت کی۔ عقب اسے کہتے ہیں جو بعد میں آتا ہے۔ سدی نے کہا: اس

سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فِیْ عَقِبِهٖ سے مراد ہے فی خلفہ کے بعد آنے والوں میں کلام میں (1)۔ تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فإنه سيهدين لعلهم يرجعون وجعلها كلمة باقية في عقبه یعنی انہیں بات کہی ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پلٹ آتے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا: کلمہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے (2)۔ قتادہ نے کہا: یہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ایسے افراد ہوں گے جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے (3)۔ ضحاک نے کہا: کلمہ سے مراد ہے اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (ہود: 26) (4) عکرمہ نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے (5) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ (الحج: 78) قرطبی نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی جو یہ تھی یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ (بقرۃ: 132) اسے ان کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ (البقرۃ) ہے اور یوں پڑھا هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ (الحج: 78) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد نبوت ہے۔ ابن عربی نے کہا: نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہے گی۔ توحید ان میں اصل ہے اور غیر اس کی تبع میں ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: نسلوں میں وہ کلمہ باقی رہا جو کئی زبانوں تک قائم رہا آپ کی دو دعائیں تھیں جو قبول ہوئیں: (1) اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۞ (البقرۃ) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ٹھیک ہے مگر ان میں سے جو ظالم ہوا اس کے لیے کوئی عہد نہیں (2) وَّاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۞ (ابراہیم) ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلی دعا یہ تھی وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۞ (الشعراء) ہر امت نے آپ کی تعظیم کی وہ آپ کی اولاد میں سے تھے یا غیروں میں سے تھے جو ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت سام یا حضرت نوح علیہ السلام میں آپ کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ابن عربی نے کہا: یہاں عقب کا ذکر معنی میں ملا ہوا ہے یہ ان چیزوں میں سے ہیں جو احکام میں داخل ہیں اور ان پر عمریٰ (عمر بھر کے لیے کسی کو کوئی چیز نفع اٹھانے کے لیے دینا) محبوس کرنے کے احکام مرتب ہوتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أيما رجلٍ أُعمِرَ عمرىٰ له ولعقبه یعنی وہ چیز اسی کی ہوگی جسے وہ چیز عطا کی گئی جس نے وہ چیز دی ہے اس کی طرف وہ نہ لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسے انداز میں چیز دی ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہے یہ گیارہ الفاظ میں وارد ہوتا ہے۔

1۔ ولد، جب اسے مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو مرد اور اس کی بیوی سے پایا جائے وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں لغت اور شرع کے اعتبار سے صرف مذکر کی اولاد مراد ہوگی اسی وجہ سے میراث معین بچے پر واقع ہوتی ہے اور معین کی مذکر اولاد پر واقع ہوتی ہے عورتوں کی اولاد پر واقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ دوسری قوم سے بھی ہو سکتے ہیں اسی وجہ سے وہ اس لفظ کے

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 222
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 168
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 222
5۔ ایضاً

ساتھ قید میں داخل نہ ہونگے امام مالک کے مجموعہ اور اس کے علاوہ کتابوں میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک کا مذہب ہے اور آپ کے تمام متقدمین ساتھیوں کا بھی یہی نقطہ نظر ہے اس اجماع پر ان کی دلیل یہ ہے کہ بچیوں کی اولاد کے لیے کوئی ورثہ نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ (النسا: 11)

علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ بچیوں کی اولاد بھی اولاد کے لفظ اور اعقاب میں داخل ہے وہ بھی احباس میں داخل ہوگی مجس کہتا ہے: جست علی ولدی او علی عقبی؛ ☆ یہ ابو عمر بن عبد البر اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ (النساء: 23) انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو حرام کیا تو اجماع سے بیٹی کی بیٹی بھی حرام کردی گئی تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بیٹی ہے اس لیے ضروری ہو گیا کہ یہ نواسی بھی اس کے باپ کے حبس میں داخل ہو جب وہ اپنی اولاد اور عقب پر کوئی چیز محبوس کرتا ہے۔ یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گذر چکی ہے۔

2۔ دوسرا لفظ بنون ہے اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے: یہ میرے بیٹے کے لیے وقف ہے، تو یہ حکم معین بچے سے تجاوز نہ کرے گا اور نہ ہی اس سے متعدد افراد مراد لیے جائیں گے اگر اس نے ولدی کا لفظ استعمال کیا تو وہ اس سے متجاوز ہوگا اور اولاد میں سے ہر فرد کے لیے حکم ثابت ہوگا اگر اس نے بنی کا لفظ ذکر کیا تو اس میں مذکر اور مونث سب شامل ہونگے، امام مالک نے فرمایا: جس نے اپنے بیٹوں اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں پر صدقہ کیا تو اس کی اپنی بیٹیاں اور پوتیاں سب اس میں شامل ہوں گی۔ عیسیٰ بن قاسم سے روایت نقل کی ہے اس آدمی کے بارے کہ جس نے اپنی بیٹیوں کے لیے کوئی چیز خاص کی تو اس کی نواسیاں بھی اس کی صلبی بیٹیوں کے ساتھ ہونگی جس پر امام مالک کے ساتھیوں کی ایک جماعت متفق ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بنین (بیٹوں) میں داخل نہ ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ تھا: "میرا یہ بیٹا سید ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان مصالحت کرائے" ہم نے کہا: اس میں مجاز کا قاعدہ جاری ہوا ہے، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرافت اور عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ نواسے کے بیٹا ہونے سے نفی کرنا بھی جائز ہے۔ ایک آدمی نواسے کے بارے میں کہہ سکتا ہے لیس بابنی۔ میرا بیٹا نہیں۔ اگر یہاں حقیقی معنی مراد ہوتا تو اس کی نفی کرنا جائز نہ ہوتا، کیونکہ حقائق کی مسمیات سے نفی کرنا جائز نہیں ہوتی (1)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بچوں کو باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ماں کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: وہ ہاشمی ہیں ہلالی نہیں۔ اگرچہ ان کی ماں ہلالی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ استدلال صحیح نہیں بلکہ لغت کے اعتبار سے وہ ولد (بچہ) ہے اور حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ اس میں ولادت کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ نواسی بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ (النساء: 23) اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 79-1678

☆ میں نے اسے اپنے بچے یا اپنے عقب پر روک دیا ہے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی ذریت میں شامل کیا جبکہ وہ ان کی بیٹی کی اولاد میں سے تھے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ شاعر نے کہا:

بنونا بنو أبنائنا وبناتنا بنوهن أبناء الرجال الاباعد

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے بعیدی مردوں کے بیٹے ہیں۔

انہیں کہا جائے گا: اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کے قول کا معنی ہے اس کے بیٹوں کی مذکر اولاد وہ افراد ہیں جن کا حکم وراثت اور نسب میں اس کے اپنے بیٹوں جیسا ہے اس کے نواسوں کا حکم اس معاملہ میں بیٹیوں کے حکم جیسا نہیں کیونکہ وہ غیر منسوب ہوتے ہیں تو یہ بتایا کہ حکم میں مختلف ہیں جبکہ نام میں اکٹھے ہیں۔ بچیوں کی اولاد سے ولد کے اسم کی نفی نہیں کی جائیگی کیونکہ وہ ابن ہے بعض اوقات ایک آدمی اولاد کے بارے میں کہتا ہے: لیس هو بابنی وہ میرا بیٹا نہیں کیونکہ وہ میری اطاعت نہیں کرتا اور نہ ہی میرے حق کا خیال کرتا ہے وہ اس کے لیے ولد کے اسم کی نفی نہیں کرتا وہ اس سے حکم کی نفی کا ارادہ کرتا ہے۔

جس نے اس شعر سے یہ استدلال کیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو ولد نہیں کہتے تو اس نے معنی کو فاسد کر دیا اور اس کے فائدہ کو باطل کر دیا اور قائل کے قول کی ایسی تاویل کی جو درست نہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ عربی زبان میں بیٹے کی اولاد کو ابن کہا جائے اور بیٹی کی اولاد کو ابن نہ کہا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کا معنی جس سے ولد کا اسم مشتق ہے اس میں واضح اور قوی ہے کیونکہ بیٹی کی اولاد ولادت کے حقیقی معنی کی وجہ سے اس کی اولاد ہے اور بیٹے کی اولاد اس کی اولاد ہے کیونکہ یہ ولادت کا سبب بنا ہے۔ امام مالک نے بیٹیوں کی اولاد کو اس حصہ سے خارج نہیں کیا جب وہ کوئی چیز اپنی اولاد کے لیے مختص کرتا ہے کہ ولد کا اسم لغت میں ان پر واقع نہیں ہوتا آپ نے ان کو وراثت کے احکام پر قیاس کرتے ہوئے خارج کیا ہے۔ یہ بحث سورۃ انعام میں گزر چکی ہے۔ الحمدالله۔

3۔ ذرية۔ یہ لفظ ذرأ الله الخلق سے ماخوذ ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی جانب سے ان کی اولاد میں سے تھے ذرية کے لفظ کی تحقیق سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام میں گزر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

4۔ عقب۔ لغت میں اس کا معنی ہے کوئی شے جب کسی شے کے بعد ہو وہ اس کی جنس سے ہو یا اس کی جنس سے نہ ہو(1)۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: أعقب الله بخير یعنی اللہ تعالیٰ نے سختی کے بعد خوشحالی دی۔ اعقب الشيب لسواد۔ سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آئے۔ عَقَبَ يَعْقِبُ عقوبا و عُقْبًا اسی وجہ سے انسان کی اولاد کو اسکی عقب کہتے ہیں معقاب من النساء۔ وہ عورت جو مؤنث کے بعد مذکر جنے اسی طرح ہمیشہ سلسلہ رہے۔ عقب الرجل۔ اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد جو اس کے بعد

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1679

رہے۔ عاقبۃ سے مراد اولاد ہوتی ہے۔ یعقوب نے کہا: قرآن حکیم میں ہے وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ تمام وارث عقب ہیں۔ عاقبہ سے مراد اولاد ہے اسی وجہ سے مجاہد نے یہاں تفسیر بیان کی ہے۔ ابن زید نے کہا: یہاں اس سے مراد ذریت ہے۔ ابن شہاب نے کہا: اس سے مراد بچے اور بچے کی اولاد ہے۔ دوسرے علماء نے وہ کہا جو سدی سے مروی ہے صحاح میں ہے: عقب ایڑی کو کہتے ہیں یہ مؤنث ہے عقب الرجل سے مراد اولاد اور اولاد کی اولاد ہے۔ اس میں دو لغتیں ہیں عَقِب اور عُقْب۔ یہ بھی مؤنث ہے۔ اخفش سے مروی ہے: عقب فلاں مکان أبیہ عاقبۃ یعنی فلاں اپنے باپ کا نائب بنا یہ اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۝ (الواقعہ) علماء کے نزدیک عقب اور ولد کے لفظ میں کوئی فرق نہیں۔ ذریۃ اور نسل میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں ولد اور عقب کے قائم مقام ہیں۔ امام مالک کے مذہب کے مطابق بیٹیوں کی اولاد اس میں داخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ سب ان دونوں میں داخل ہیں۔ ذریۃ کے بارے میں گفتگو یہاں اور سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

5۔ نسلی۔ ہمارے علماء کے نزدیک یہ ولدی اور ولد ولدی کے قول کی طرح ہے (1) اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہے ان کا داخل ہونا ضروری ہے کیونکہ نسل کا معنی نکلنا ہے بچیوں کی اولاد ایک اعتبار سے نکلی ہے ولم یقترن بہ مایخصہ کما اقترن بقولہ عقبی ماتناسلوا۔ اس کے ساتھ وہ مقترن نہیں ہوگا جو اسے خاص کرے جس طرح نسل عقبی کے ساتھ مقترن ہے۔

ہمارے بعض علماء نے کہا: نسل، ولد اور عقب کے معنی میں ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں مگر اس صورت میں کہ صدقہ وقف کرنے والا یہ کہے نسلی ونسل نسلی جس طرح وہ یہ کہے: عقبی وعقب عقبی مگر جب وہ یہ کہے ولدی یا کہے عقبی تو اس میں بیٹیاں داخل نہ ہونگی۔

6۔ آل۔ وہی اہل ہیں۔ یہ ساتواں لفظ ہے ابن قاسم نے کہا: یہ دونوں (آل اور اہل) برابر ہیں اس سے مراد عصبات، بھائی، بیٹیاں اور پھوپھیاں ہیں اس میں خالائیں داخل نہیں اس کا اصل معنی اجتماع ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: مکان آھل جب اس میں جماعت ہو یہ عصبہ کے ساتھ ہوتا ہے اور جو عورتوں کی جانب سے قرابت میں داخل ہوتا ہے عصبہ اس سے مشتق ہوتا ہے یہ اہل سے خاص ہے حدیث افک میں ہے یا رسول اللہ أھلُكَ ولا نعلم إلا خیرا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے اہل کے بارے میں بھلائی کا ہی علم رکھتے ہیں مراد حضرت عائشہ ہیں لیکن زوجہ آل میں داخل نہیں اس پر اجماع ہے اگرچہ یہی تاہل کی اصل ہے کیونکہ اس کا ثبوت یقینی نہیں کیونکہ اس کا ربط بعض اوقات تبدیل ہوجاتا ہے اور طلاق کے ذریعے ختم ہوجاتا ہے۔ امام مالک نے کہا: آل محمد سے مراد ہر متقی ہے۔ یہ تعبیر اس باب سے متعلق ہے آپ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ایمان قرابت سے خاص ہے اس پر دعوت مشتمل ہوتی ہے اور آپ نے رحمت کا ارادہ کیا ہے۔ ابو اسحاق تونسی نے کہا: اہل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو والدین کی جانب سے ہو۔ اس نے اشتقاق کو پورا حق دیا اور عرف اور استعمال سے غفلت کا اظہار کیا۔ یہ معانی حقیقت پر مبنی ہیں یا ایسے عرف پر جو اطلاق کے وقت مستعمل ہونے پر مبنی ہیں یہ دو لفظ ہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1679

8۔ قرابۃ۔ اس میں چار اقوال ہیں: (1) امام مالک نے محمد بن عبدوس کی کتاب میں کہا: اس سے مراد قریب ترین پھر قریب ترین ہیں، یہ اجتہاد کے قاعدہ کی بنا پر ہے اس میں بیٹیوں اور خالاؤں کی اولاد شامل نہیں (2) باپ اور ماں کی جانب سے قریبی اس میں داخل ہیں، یہ علی بن زیاد نے کہا (3) اشہب نے کہا: مردوں اور عورتوں کی جانب سے ہر ذی رحم اس میں شامل ہے۔ (4) ابن کنانہ نے کہا: اس میں چچے، پھوپھیاں، خالو، خالائیں اور بھانجیاں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى (الشوریٰ: 23) کی تفسیر میں کہا: مگر یہ کہ تم اس رشتہ کو جوڑو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ کہا: قریش کا کوئی خانوادہ نہیں تھا مگر اس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری تھی۔ یہ قول اسے جامع ہے۔

9۔ العشیرۃ۔ اسے حدیث صحیح جامع ہے اللہ تعالیٰ نے جب وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿ (الشعراء) کو نازل کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خاندانوں کو دعوت دی جس طرح اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے وہ قریبی خاندان تھے۔ باقی مطلق عشیرہ کا قول پہلے گذر چکا ہے۔

10۔ قوم۔ اسے عصبات میں خصوصا مردوں پر بولا جاتا ہے عورتیں اس میں شامل نہیں قوم مردوں اور عورتوں دونوں کو جامع ہے اگرچہ شاعر نے کہا:

وما ادری وسوف إخال أدری أقوم آل حِصن أم نساء

لیکن یہ ارادہ کیا کہ جب آدمی مدد کے لیے اپنی قوم کو بلاتا ہے تو مرد مراد لیتا ہے اور جب حرمت کے لیے انہیں بلاتا ہے تو اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتی ہیں صفت اسے عام کرتی ہے اور قرینہ اسے خاص کرتا ہے۔

11۔ موالی۔ امام مالک نے کہا: اس میں اس کے اپنے موالی کے ساتھ اس کے باپ اور بیٹے کے موالی بھی داخل ہوتے ہیں۔ ابن وہب نے کہا: اس میں موالی کی اولاد بھی شامل ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے اس میں ہر وہ فرد داخل ہوگا جو ولاء کی وجہ سے وارث بنتا ہے۔ کہا: یہ کلام کی فصول اور اصول ہیں جو قرآن کے ظاہر اور اس سنت کے ساتھ مرتبط ہیں جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے، اس کی جزئیات کتاب المسائل میں ہیں۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

"بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس حق اور کھول

کر بیان کرنے والا رسول۔ اور جب آ گیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے: یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے: کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جوان دو شہروں میں بڑا ہے کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض پر مراتب میں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں، اور آپ کے رب کی رحمت (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں"۔

بَلْ مَتَّعْتُ اسے بل متعنا بھی پڑھا گیا ہے هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ انہیں اور ان کے آباء کو دنیا میں حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم توحید اور اسلام ان کے پاس لے آئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل ہے یہی وہ کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان میں باقی رکھا وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ۝ وہ رسول ان کے لیے ایسی چیزوں کی وضاحت کرتا ہے جن کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ حق سے مراد قرآن حکیم ہے قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ یعنی انکار کرنے والے ہیں وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ یہاں لولا، هلا کے معنی میں ہے هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ اسے علی رَجل بھی پڑھا گیا ہے مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ دونوں بستیوں میں سے ایک میں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن) دو سمندروں میں سے ایک سے یہ دونوں نکلتے ہیں یا دونوں بستیوں میں سے ایک آدمی پر۔ قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے۔ رجلان سے مراد ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم یہ ابو جہل کا چچا تھا، طائف سے ابو مسعود عروہ بن مسعود ثقفی (1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمیر بن عبد یالیل ثقفی جو طائف سے تعلق رکھتا تھا (2)، عتبہ بن ربیعہ جو مکہ مکرمہ سے تعلق رکھتا تھا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: طائف کے عظیم آدمی سے مراد حبیب بن عمرو ثقفی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد کنانہ بن عبد بن عمرو ہے (3)۔ ایک روایت کی گئی ہے: اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اسے ریحانہ قریش کا نام دیا جاتا وہ کہا کرتا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اگر حق ہے تو وہ مجھ پر یا ابو مسعود پر نازل ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ اس سے مراد نبوت ہے وہ اسے جہاں چاہتے رکھتے نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا یعنی ایک قوم کو فقیر کر دیا اور ایک قوم کو غنی کر دیا جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت کا امر ان کے سپرد کیسے کیا جا سکتا ہے؟ قتادہ نے کہا: تو ایک انسان کو کمزور، کم حیلے والا، اپنا نقطہ نظر واضح نہ کر سکنے والا پاتا ہے جبکہ مال و متاع اس کے پاس بہت زیادہ ہے، تو ایک انسان کو پاتا ہے کہ وہ سخت محنت کرتا ہے، بڑا فرمان بردار ہے مگر مال و متاع اس کے پاس کچھ نہیں (4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ابن محیصن نے ایک روایت معایشهم نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے دو بستیوں کے عظیم افراد کو عطا کیا جو عطا کیا اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہم پر معزز ہیں جبکہ میں ان سے نعمت کو چھیننے والا ہوں تو ان کے لیے فضیلت اور شان کہاں سے آ گئی؟

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 223 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ یعنی ہم نے ان میں باہم فضیلت رکھی کچھ صاحب فضل ہیں اور کچھ پر فضیلت حاصل ہے کچھ رئیس ہیں اور کچھ محکوم ہیں (1)، یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آزادی اور غلامی میں باہم فضیلت دی بعض مالک ہیں اور بعض مملوک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غنا اور فقر میں باہم فضیلت دی ان میں سے بعض غنی اور بعض فقیر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اعتبار سے فضیلت دی۔

لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا سدی اور ابن زید نے کہا: غلام اور خدام کے اعتبار سے باہم فضیلت دی (2)، اغنیاء فقراء کا تمسخر اڑاتے ہیں ان میں سے بعض بعض کے معاش کا سبب ہیں۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: یعنی ان میں سے بعض کے مالک بن جائیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس سخریہ سے ماخوذ ہے جو استہزاء کے معنی میں ہے اور هزئت منه ربه۔ ہر ایک جملہ کہا جاتا ہے اسم سخریہ ہے اسی طرح سُخری اور سِخری ہے تمام علماء نے سُخریا میں سین کو ضمہ دیا ہے مگر ابن محیصن اور مجاہد نے ضمہ نہیں دیا دونوں نے سخریا پڑھا ہے وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ یعنی دنیا میں سے جو وہ جمع کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت اس سے افضل ہے پھر یہ کہا گیا ہے۔ رحمت سے مراد نبوت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرائض کو مکمل ادا کرنا نوافل کی زیادتی سے بہتر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ ان پر فضل واحسان کیا جاتا ہے یہ اس سے بہتر ہے جو ان کو ان کے اعمال پر جزا دی جاتی ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝

”اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لیے جو انکار کرتے ہیں رحمٰن کا ان کے مکانوں کے لیے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی)“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ علماء نے کہا: دنیا کی حقارت اور کم مرتبہ کا ذکر کیا وہ اس کی بارگاہ میں اتنی ذلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے گھروں اور انکی زینوں کو سونے اور چاندی کا بنا دیتا اگر دنیا کی محبت دونوں پر غالب نہ آجاتی اور یہ چیز کفر پر برانگیختہ نہ کرتی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر سارے لوگ اس وجہ سے کافر نہ ہو جاتے کہ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور آخرت کو ترک کرتے ہیں تو ہم دنیا میں انہیں وہ عطا کرتے جو ہم نے بیان کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا ذلیل و رسوا ہے (4)؛ اکثر مفسرین کا یہی نقطہ نظر ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے اگر سارے لوگ دنیا کی طلب اور اسے آخرت پر ترجیح دینے کے اعتبار سے بس ایک جیسے نہ ہو جاتے تو جو رحمٰن کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کے گھروں کے چھت چاندی کے بنا دیتے (5)۔ کسائی نے کہا: معنی ہے اگر کفار میں غنی اور فقیر نہ ہوتے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 223
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 224
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5
5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 224

اور مسلمانوں میں اسی کی مثل نہ ہوتے تو ہم کفار کو دنیا دے دیتے، یہ اس کی ذلت و حقارت کی وجہ سے ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے سَقْفًا پڑھا ہے یعنی سین کو مفتوح اور قاف کو ساکن پڑھا ہے یہ واحد کا صیغہ ہے اور اس کا معنی جمع کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر قیاس کرتے ہیں: فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ (النحل: 26) باقی قراء نے سین اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور صیغہ جمع کا ہے جس طرح رَھْن اور رُھُن ہے۔ ابو عبید نے کہا: ان میں تیسرا وزن نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ سقیف کی جمع ہے جس طرح کَثِیب کی جمع کُثُب ہے رَغِیف کی جمع رُغُف ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سقوف کی جمع ہے پس یہ جمع کی جمع ہوئی سقف و سقوف، جس طرح فلس، فُلُوس۔ پھر انہوں نے فعولا بنایا گویا یہ اسم واحد ہے تو انہوں نے فُعُل کے وزن پر جمع بنا دیا۔

مجاہد سے مروی ہے: یہ سَقْفًا ہے یعنی قاف کو ساکن کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِبُیُوْتِهِمْ میں لام، علی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بدل ہے جس طرح تو کہتا ہے: فعلت ھذا للزید لکرامته اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (النساء: 11) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ مَعَارِجَ اس سے مراد زینے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ یہ جمہور کا قول ہے اس کا واحد معراج ہے معراج کا معنی سیڑھی ہے اسی سے لیلۃ المعراج ہے اس کی جمع معارج اور معاریج ہے جس طرح مفاتح اور مفاتیح دو لغتیں ہیں معاریج یہ ابو رجا عطاردی اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے اس سے مراد سیڑھیاں ہیں۔ اخفش نے کہا: اگر تو چاہے تو اس کا واحد مِعْرَج اور مَعْرَج ہے جس طرح مِرقاۃ ہے۔

عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ ھا ضمیر سے مراد معارج ہیں جن پر وہ چڑھتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ظہرت علی البیت یعنی میں اس کی چھت پر چڑھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز پر بلند ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے لیے نمایاں ہو جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ظہرت علی الشیٔ میں نے اسے جانا۔ ظہرت علی العدو۔ میں دشمن پر غالب آ گیا۔ نابغہ بن جعدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شعر پڑھا:

عَلَوْنَا السماء عِزَّۃً ومهابۃً　وأنا لنرجو فوق ذلك مظهرا(1)

ہم عزت اور ہیبت کے اعتبار سے آسمان پر چڑھ گئے بے شک ہم اس سے اوپر چڑھنے کی امید رکھتے ہیں۔

مظهر کا معنی مصعد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے (2) فرمایا: ''کہاں؟'' عرض کی: جنت کی طرف۔ فرمایا: ''ہاں ان شاء اللہ''۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ کی قسم! دنیا نے اپنے مکینوں میں سے اکثر کو مائل کر لیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا بھی نہیں اگر اللہ تعالیٰ اس طرح کر دیتا تو کیا حال ہوتا (3)۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ چھت پر بالائی منزل والے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چھت کو کمرے کا حصہ قرار دیا ہے جس طرح دروازوں کو اس کا حصہ قرار دیا ہے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ ابن

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 224　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 225　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5

عربی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ بیت سے مراد صحن، دیوار، چھت اور دروازہ ہے جس کا وہ کمرہ ہوتا ہے اس کے لیے یہ اجزاء بھی ہونگے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا علو آسمان تک ہے (1)۔ سفل میں اختلاف ہے کچھ علماء نے کہا: سفل اسی کا ہوگا جس کا وہ کمرہ ہے اور ان میں سے بعض نے کہا: زمین کے بطن میں سے کوئی چیز اس کے لیے نہ ہوگی۔

ہمارے مذہب میں دو قول ہیں: اسرائیلی کی حدیث صحیح پہلے بیان کی جائیگی کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے ہاتھ گھر بیچا اس کی تعمیر کی اس میں سونے کا ایک گھڑا پایا وہ اس گھڑے کو بیچنے والے کے پاس لایا اس نے کہا: میں نے گھر خریدا تھا گھڑا نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا: گھر میں جو کچھ تھا اس کے ساتھ میں نے گھر بیچا تھا ان میں سے ہر ایک نے گھڑے کو لینے سے انکار کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، ان میں سے ہر ایک اپنے بچے کی شادی دوسرے کی بچی سے کر دے اور یہ مال ان دونوں کو دے دیا جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اوپر والا حصہ اور نچلے والا حصہ اس کمرے والے کا ہے مگر اس صورت میں کہ وہ بیع کرتے وقت اسے خارج کر دیں جب ان دونوں میں سے ایک نے دونوں جگہوں میں سے ایک کو بیچا تو اس سے جو نفع اٹھایا جاتا ہے وہ اس کے لیے ہوگا اور باقی خریدنے والے کے لیے ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ بالائی منزل اور زیریں حصہ کے احکام:۔ جب بالائی حصہ اور نچلے والا حصہ دو افراد کی ملکیت میں ہوں نچلی منزل خراب ہو جائے یا اس کا مالک اس کے گرانے کا ارادہ کرے سحنون نے اشہب سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: جب زیریں منزل والا اسے گرانا چاہے یا بالائی منزل والا اس پر مسجد بنانا چاہے تو مجبوری کے بغیر زیریں منزل والا اسے نہ گرائے اس کا گرانا بالائی منزل والے کے مناسب ہونا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ زیریں منزل کے گرانے سے بالائی منزل گر جائے بالائی منزل والے کو حق حاصل نہیں کہ بالائی منزل والا اوپر منزل بنائے جو اس سے پہلے نہ ہو مگر معمولی سی چیز جو زیریں منزل والے کو نقصان نہ دے۔

اگر بالائی منزل کی چھت میں سے ایک لکڑی ٹوٹ جائے تو وہ اس کی جگہ دوسری لکڑی رکھ لے جبکہ وہ پہلی لکڑی سے بھاری نہ ہو اور زیریں منزل پر ضرر کا خوف نہ ہو۔

اشہب نے کہا: گھر کا دروازہ زیریں منزل والے کا ذمہ ہے اگر زیریں منزل گر جائے تو اس کے مالک کو اس کے بنانے پر مجبور کیا جائے گا بالائی منزل والے پر لازم نہیں کہ وہ زیریں منزل تعمیر کرے اگر زیریں منزل والا تعمیر سے انکار کر دے تو اسے کہا جائے گا: اس کے ہاتھ بیچ دے جو اس کو بنائے۔

ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ زیریں منزل ایک آدمی کی ہے اور بالائی منزل دوسرے آدمی کی ہے زیریں منزل خراب ہو جاتی ہے تو اس کو درست کرنا زیریں منزل والے کے ذمہ ہے اس کے ذمہ یہ بھی ہے کہ بالائی منزل کو سہارا دے یہاں تک کہ وہ زیریں منزل کو درست کرلے۔

حضرت نعمان بن بشیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ''حدود اللہ پر قائم رہنے والا اور ان میں واقع

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1682

ہونے والا ان لوگوں کی مثل ہے جو ایک کشتی میں قرعہ اندازی کرتے ہیں ان میں سے بعض کو بالائی حصہ ملتا ہے اور ان میں سے بعض اسکا زیریں حصہ پاتے ہیں جو نچلے حصہ میں ہیں جب پانی لیتے ہیں تو اوپر والے لوگوں کے پاس سے گذرتے ہیں انہوں نے کہا: اگر ہم اپنے حصہ میں سے ایک سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو اذیت نہ دیں اگر اوپر والے انہیں چھوڑے رہیں اور جو وہ ارادہ کریں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں اگر اوپر والوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے (1)'' یہ اس باب میں اصل ہے یہ امام مالک اور اشہب کی دلیل ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ نچلے حصہ والے کو حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا نیا کام کرے جو اوپر والے کو نقصان پہنچاتا ہو اگر اس نے کوئی ایسا نیا کام کیا جس سے نقصان ہوا تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے درست کرے بالائی منزل والے پر درست کرنے کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی اوپر والے کو حق حاصل ہوگا کہ وہ نقصان پہنچانے والی چیز سے اسے روک دے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے'' ظالم کے علاوہ کسی کا ہاتھ پکڑنا جائز نہیں یا وہ امر ممنوع ہو کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو جائز ہی نہ ہو اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے سورۃ الانفال میں یہ بات گذر چکی ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ قرعہ جائز اور اس کا استعمال بھی جائز ہے سورۂ آل عمران میں یہ بحث گذر چکی ہے، اس کے تمام مواقع پر غور کرتو اسے واضح انداز میں پائے گا۔ الحمد اللہ۔

وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

''اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری اور رپہلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں، اور آخرت کی عزت وکامیابی آپ کے نزدیک پرہیزگاروں کے لیے ہے''۔

وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا یعنی ہم نے ان کے گھروں کے دروازے بنا دیئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِبُيُوْتِهِمْ، لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ سے بدل اشتمال ہے یعنی چاندی کے دروازے۔ وَّ سُرُرًا اسی طرح پلنگ بھی چاندی کے سرد یہ سریر کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسرۃ کی جمع ہے اور اسرہ، سریر کی جمع ہے پس سرر جمع کی جمع ہے۔

عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ اتکاء اور توکؤ سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کا سہارا لینا، اسی سے اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا (طٰہٰ: 18) یعنی میں اس پر سہارا لیتا ہوں رجل تُکاۃ جس طرح ھُمَزۃ ہے بہت زیادہ سہارا لینے والا۔ اس سے اسم فاعل متکی ہے اسم ظرف متکا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: طعنہ حتی اتکاہ اس نے اسے نیزہ مارا یہاں تک کہ اسے سہارا لینے پر مجبور کر دیا یعنی اسے سہارا لینے والے کی طرح گرا دیا اسی طرح توکات علی العصا میں نے ڈنڈے کا سہارا لیا۔ تمام میں تاء کی اصل واؤ ہے اس کے ساتھ وہی کچھ کیا گیا جو اتزن اور اتعد کے ساتھ کیا گیا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب فی الشرکۃ، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، جلد 1 صفحہ 339

وَزُخْرُفًا یہاں زخرف سے مراد سونا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے أو یکون لك بیت من زخرف یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ سامان ہے جو لوگ اپنے گھروں میں رکھتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد نقوش ہیں (3)، اس کا اصل معنی زینت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: زخرفت الدار۔ میں نے گھر کو مزین کیا تزخرف فلان۔ فلاں مزین ہوا۔ زُخْرُفًا کو نصب اس لیے دی گئی کہ اکی تعبیر یوں ہے وجعلنا لهم مع ذلك زخرفا اس کے ساتھ ساتھ ہم نے ان کے لیے زینت بنادی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے معنی ہے ہم نے ان کے لیے چھت، دروازے، سونے اور چاندی کے پلنگ بنائے جب من کو حذف کیا تو کہا وَزُخْرُفًا تو اسے نصب دی گئی۔

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا عاصم، حمزہ اور ہشام نے ابن عامر سے انّ تشدید کے ساتھ پڑھا جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے یہ بحث بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ ابو رجاء سے لِمَا کے لام کو مکسور نقل کیا گیا ہے اس کے نزدیک ما، الذی کے معنی میں ہے اس کی ضمیر عائد محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہے إنّ کل ذلك الذی هو متاع الحیاۃ الدنیا یہاں سے ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اسے حذف کیا گیا ہے اس کی قراءت کے مطابق جس نے قراءت کی مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (البقرۃ: 26) تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ (الانعام: 154) ابو الفتح نے کہا کہ اس قراءت کی بنا پر کل منصوب ہے کیونکہ اِن مثقلہ سے مخففہ ہے جب اسے مخفف کر دیا جائے اور اس کا عمل باطل ہو جائے تو کلام کے آخر میں لام لازم ہوتا ہے تاکہ اس کے اور ان نافیہ میں فرق ہو جائے جو ما کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح إنْ زید لقائم یہاں لام جارہ کے سوا کوئی لام نہیں۔

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۵﴾ یعنی جو متقی بنتا ہے اور خوف کھاتا ہے اس کے لیے جنت ہے۔ کعب نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی نازل کتب میں سے بعض میں پاتا ہوں لولا أنْ یَحْزَنَ عبدی المؤمن لکللت رأس عبدی الکافر بالإکلیل ولا یتصدع ولا ینبض منه عرق بوجع اگر یہ نہ ہوتا کہ میرا مومن بندہ غمگین ہوگا تو میں اپنے کافر بندے کے سر پر تاج پہنا تا اس کو سر درد نہ ہوتا اور نہ ہی درد کی وجہ سے اس کا پسینہ پھوٹتا۔

صحیح ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر "دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے" (4)۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو صنت الدنیا تعدل عند الله جناح بعوض ما سقی کافرا منها شربة ماء "اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیتا" (5)۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 225 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5

4۔ صحیح مسلم، کتاب فی الزهد و الرقائق، باب الدنیا سجن المؤمن، جلد 2، صفحہ 407

5۔ جامع ترمذی، کتاب فی الزهد، باب ما جاء فی هوان الدنیا علی الله، جلد 2، صفحہ 56

لوگوں نے یہ اشعار پڑھے:

فلوكانت الدنيا جزاء لمحسن إذًا لم يكن فيها معاش لظالم

لقد جاع فيها الأنبياء كرامةً وقد شبعت فيها بطون البهائم

اگر دنیا محسن کی جزا ہوتی تو اس میں ظلم کی زندگی کا وجود ہی نہ ہوتا اس میں انبیاء کرامت کے باوجود بھوکے رہے اور چوپاؤں کے پیٹ سیر ہوئے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تمتع من الآيام إن كنت حازما فإنك فيها بين ناهٍ وآمر

تو اگر محتاط ہے تو ان ایام سے تھوڑا سا لطف اٹھالے بے شک تو اس میں روکنے والے اور حکم دینے والے کے درمیان ہے۔

إذا أبقت الدنيا على المرء دينه فما فاته فيها فليس بضائر

جب دنیا انسان پر اسکا دین باقی رکھے تو جو چیز اس سے فوت ہوئی وہ اس کو نقصان دینے والی نہیں۔

فلاتَزِنُ الدنيا جناح بعوضة ولا وزن رَق من جناح لطائر

دنیا کا وزن مچھر کے پر سے نہ کر اور نہ ہی پرندے کے بازو کے ایک پر سے۔

فلم يرض بالدنيا ثوابا لمحسن ولا رضى الدنيا عقا بالكافر

وہ محسن کو دنیا کے ساتھ بدلہ دینے پر راضی نہیں اور نہ ہی کافر کو سزا دینے پر دنیا سے راضی ہے۔

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

''اور جو شخص دانستہ اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان اندھوں کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں یہاں تک کہ جب وہ اندھا ہمارے پاس آئے گا تو آنکھیں کھل جائیں گی کہے گا: کاش! میرے درمیان اور اے شیطان! تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی تو تو بہت برا ساتھی ہے''۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے ومن يَعْشِ پڑھا ہے (1) اس کا معنی اندھا ہونا ہے اسی معنی میں ہے عشی یعشی عشا جب وہ اندھا ہو، رجل اعشی، امراۃ عشواء جب وہ دیکھتا نہ ہو اس معنی میں اعشی کا قول ہے:

رأت رجلًا غائب الوافِدَين مختلفَ الخلق أعشَى ضريرا

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 135

اس نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس کے ساتھی جا چکے تھے شکل وصورت بڑی عجیب اور وہ اندھا تھا۔
باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ عشا یعشو سے مشتق ہے جب اسے ایسا عارضہ لاحق ہو جو اندھے کو لاحق ہوتا ہے خلیل نے کہا: عشو سے مراد کمزور نظر دیکھنا(1)؛ اور یہ شعر پڑھا:

متی تأتِہِ تَعْشُو إلی ضوْ نارہ تَجِد خیرَ نارٍ عندھا خَیرُ مُوقِد(2)

ایک اور شاعر نے کہا:

لنعم الفتی یعشو إلی ضوْ نارہ إذا الریح ھبّت والمکان جدیب

وہ کتنا اچھا نوجوان ہے جو اپنی آگ کی روشنی کی طرف لڑکھڑاتے ہوئے جاتا ہے جب کہ ہوا چل رہی ہے اور مکان چٹیل ہے۔
جوہری نے کہا: عشیٰ الف مقصورہ کے ساتھ اعشی کا مصدر ہے یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو رات کو نہیں دیکھ سکتا وہ صرف دن کو دیکھتا ہے اس کے یہ صیغے استعمال ہوتے ہیں إمراۃ عشواء، امرأتان عشواوان۔ أعشاہ اللہ فعشی یعشی عشی۔ ھما یعشیان وہ یہ نہیں کہتے یشموان۔ کیونکہ واؤ جب واحد کے صیغہ میں ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے یاء ہو جائے تو تثنیہ کے صیغہ میں اپنی حالت پر رہتی ہے تعاشی۔ جب وہ اپنے بارے میں یہ ظاہر کرے کہ وہ اندھا ہے اعشی کا اسم منسوب اعشوی آتا ہے اور عشیہ کا اسم منسوب عشوی آتا ہے عشواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سامنے نہ دیکھ سکے تو وہ بے ہنگم اپنے پاؤں ہر چیز پر مارتی ہے رکب فلان العشواء۔ جب وہ اپنے معاملہ میں سوچے سمجھے بغیر شروع ہو گیا۔ فلان خابط خبط عشواء فلاں آدمی اندھی اونٹنی کی طرح ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔
یہ آیت سورت کے آغاز اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کے ساتھ متصل ہے یعنی ہم تمہارے لیے پے در پے ذکر کرتے ہیں جو آدمی اس ذکر سے اندھا بنا رہتا ہے کہ اس سے اعراض کرتا ہے اور گمراہوں اور باطل لوگوں کے اقوال کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے کفر کی جزا کے طور پر ہم ایک شیطان اس پر مسلط کر دیتے ہیں فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے جو حلال چیز سے اسے روکتا ہے اور حرام چیز پر اسے برانگیختہ کرتا ہے اسے اطاعت سے منع کرتا ہے اور اسے معصیت کا حکم دیتا ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آخرت میں سے ہوگا جب وہ اپنی قبر میں سے اٹھے گا؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے حدیث طیبہ میں ہے" کافر جب اپنی قبر سے نکلتا ہے تو ایک شیطان اس کے ساتھ ہولیتا ہے وہ اسکے ساتھ ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں اور مومن کا ساتھی فرشتہ بنا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرما دے گا" یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔
قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ وہ شیطان دنیا اور آخرت میں اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ ابوہیثم اور ازہری نے کہا: عشوت إلی کذا۔ میں نے اس کا قصد کیا۔ عشوت عن کذا۔ میں نے اس سے اعراض کیا إلی اور عن صلہ کی وجہ سے معنی میں فرق ہوگا جس

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 99 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 225

طرح مِلْتُ إِلیه اور مِلْتُ عنه میں فرق ہے۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے یعش یعنی وہ اعراض کرتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: یہ لغت میں معروف نہیں۔ قرطبی نے کہا: وہ اپنی کمر کو دوہرا کرتا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: اس کی آنکھ تاریک ہو جاتی ہے۔ عتبی نے اس کا انکار کیا ہے کہ عشوت، أعرضت کے معنی میں ہے کہا درست تعاشیت ہے یہ قول، ابو ہیثم اور ازہری کا ہے تمام اہل علم نے یہی کہا ہے: سلمی، ابن اسحاق، یعقوب اور عصمہ نے عاصم اور اعمش سے یقیض پڑھا ہے کیونکہ الرَّحْمٰنِ کا ذکر ہے معنی ہوگا رحمٰن اس کے لیے شیطان مسلط کر دیتا ہے باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾ قرین کا معنی ساتھ رہنے والا اور ساتھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ شیطان سے کنایہ ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اعراض عن القرآن سے کنایہ ہے یعنی وہ شیطان کا قرین ہے وَ اِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ شیاطین انہیں ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ وَ مَنْ یَّعْشُ میں مَنْ جمع کے معنی میں ہے وَ یَحْسَبُوْنَ واؤ ضمیر سے مراد کفار ہیں یعنی کفار گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ شیاطین ہدایت یافتہ ہیں پس کفار ان کی اطاعت کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا فعل کا صیغہ واحد ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور حفص نے یہ پڑھا ہے یعنی جب کافر قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا، باقی قراء نے اسے جَآءَنَا تثنیہ کا صیغہ پڑھا ہے یعنی کافر اور اس کا ساتھی جب ہمارے پاس آئے گا دونوں کو ایک سلسلہ میں رکھا گیا ہے تو کافر کہے گا: یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ یعنی موسم سرما اور موسم گرما کا مشرق، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۷﴾ (الرحمٰن) اسی کی مثل مقاتل کا قول ہے۔ واحد کے صیغہ کی قراءت اگرچہ اس کا ظاہر تو افراد کے معنی پر ہے تاہم معنی دونوں کے لیے ہے کیونکہ مابعد کلام سے اسے پہچان لیا گیا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

وعَیْنٌ لها حَدْرَةٌ بَدْرَةٌ شُقَّت مآقیها من أخُرْ

محل استدلال عین ہے لفظ میں واحد ہے اور معنی میں تثنیہ کیونکہ مآقیها اس پر دلالت کر رہا ہے۔

مقاتل نے کہا: کافر تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان اتنی دوری ہوتی جو سال کے طویل ترین اور مختصر ترین دن کے درمیان ہوتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ۔ فراء نے کہا: مراد مشرق و مغرب ہے ان دونوں ہی سے ایک کے اسم کو غلبہ دیا جس طرح کہا جاتا ہے قمران، مراد سورج اور چاند ہوا کرتا ہے۔ عمران مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں بصرتان کوفہ اور بصرہ کے لیے۔ عصران، صبح اور عصر کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أخذنا بآفاق السماء علیکم لنا قمراها و النجوم الطوالع(1)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے آفاق کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے ہمارے پاس اس کا سورج اور چاند روشن ستارے ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 226

ابوعبیدہ نے جریر کا شعر پڑھا:

ما كان يرضى رسول الله فعلهم والعُمَران أبوبكر ولا عمر

ان کے عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عمران یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما راضی نہیں۔

سیبویہ نے یہ شعر پڑھا: قَدْنِیَ من نَصْرِ الخُبَيْبَيْنِ قَدِی

خبیبین سے مراد عبداللہ اور مصعب ہے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے وہ ابوخبیب عبداللہ تھے۔

فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ تو کتنا برا ساتھی ہے کیونکہ وہ اسے آگ پر لے جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری نے کہا: جب کافر کو اٹھایا جائے گا تو شیطان میں سے اس کے ساتھی کو ساتھ ملا دیا جائیگا وہ اس سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے ساتھ جہنم میں چلا جائے گا(1)۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

”اور (یہ شور وفغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم دنیا میں ظلم کر رہے ہو تم سب اس عذاب میں حصہ دار ہو“۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اذ، یوم سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر سے فرمائے گا: جب تم نے دنیا میں شرک کیا تو اس وقت تمہاری یہ گفتگو تمہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ وہ کافر کا قول ہے يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ یعنی آج تمہیں ندامت نفع نہ دے گی اَنَّكُمْ میں ہمزہ مکسور ہے فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ یہ ابن عامر کی قراءت ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے یہ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ بنے گی لن ینفعکم الیوم اشتراککم فی العذاب کیونکہ ہر ایک کے لیے اس کا وافر حصہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ جہنمیوں کو منع کر دیا گیا ہے کہ وہ غم کا اظہار کریں جس طرح مصیبت زدہ لوگ دنیا میں غم کا اظہار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غم کے اظہار سے اہل دنیا راحت حاصل کرتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے لی فی البلاء والمصیبة أسوة۔ آزمائش اور مصیبت میں میں ایک نمونہ ہوں۔ اس طرح وہ غم سے سکون حاصل کرتا ہے جس طرح خنساء نے کہا:

فلولا كثرة الباكين حولى على إخوانهم لقتلت نفسى

ومايكون مثل أخى ولكن أعزّى النفس عنه بالتأسى(2)

اگر میرے اردگرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے نفس کو قتل کر دیتا وہ میرے بھائی جیسے بھائیوں پر نہیں روتے مگر اپنے نفس کو اس غم کے اظہار پر تسلی دیتی ہوں۔

جب آخرت میں غم کا اظہار انہیں کوئی نفع نہ دے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مشغول کر دے گا۔ مقاتل نے کہا: آج معذرت اور شرمندگی تمہیں کوئی نفع نہ دے گی(3)، کیونکہ تمہارے ساتھی اور تم عذاب میں باہم شریک ہو جس طرح تم

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 100 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 137 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 100

کفر میں شریک ہو۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ مَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۴۰

''کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں''۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ خطاب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے وَ مَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۴۰ یعنی یہ آپ کے لیے نہیں اس لیے اگر وہ کفر کرتے ہیں تو آپ کا سینہ تنگ نہ پڑے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی ہے اس میں قدریہ اور دوسرے افراد کے لیے رد ہے دل میں ہدایت، رشد اور گمراہی یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی تخلیق فرما دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱ اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲

''پس اگر ہم لے جائیں آپ کو اس دار فانی سے تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں''۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ اس سے مراد یہ لی ہم آپ کو مکہ مکرمہ سے قریش کی اذیت سے نکال کر لے جائیں فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱ اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ اس سے مراد تیری زندگی میں ان سے انتقام لینا ہے فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ منظر بدر کے روز دکھایا؛ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: یہ مسلمانوں میں ہے اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فتنے ہیں (1) نَذْهَبَنَّ بِكَ اسی پر ہم تجھے موت عطا کر دیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد شدید انتقام واقع ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عزت بخشی اللہ تعالیٰ آپ کو لے گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت میں نہیں دکھایا مگر وہی کچھ جس سے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور انتقام کو اس کے بعد رکھا کوئی نبی نہیں گذرا مگر اس کی امت میں انتقام اسے دکھایا گیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت جب آزمائش کو پانے والی تھی وہ آپ کو دکھائی گئی تو آپ ہمیشہ منقبض ہی رہے آپ کھل کر نہ ہنسے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی امت کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کو قبض کر لیتا ہے اور اس نبی کو اس امت کے لیے فرط اور سلف بنا لیتا ہے اور جب کسی امت کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے عذاب دیتا ہے جبکہ اس کا نبی زندہ رہتا ہے تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب انہوں نے نبی کی تکذیب کی اور اس کے حکم کی نافرمانی کی''۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴۳ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 6
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227

وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۝

''پس مضبوطی سے پکڑے رہیے اس قرآن کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور (اے فرزندان اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی''۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ۔ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ سے مراد قرآن حکیم ہے اگرچہ اس کو جھٹلایا جس نے جھٹلایا اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یہ تمہیں اللہ تعالیٰ اس کی رضا اور ثواب تک پہنچا دے گا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ یعنی قرآن تیرے لیے اور تیری قوم قریش کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ انکی لغت اور انہیں میں سے ایک فرد پر نازل ہوا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) یعنی تمہارے لیے شرف ہے قرآن حکیم قریش کی زبان میں نازل ہوا اور انہیں کو خطاب کیا پس تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں جو بھی ایمان لایا وہ ان کے خوشہ چین ہوئے کیونکہ تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں کہ ان کی لغت کو اپنائیں یہاں تک کہ اس معنی پر آگاہی حاصل کریں جس کا امر، نہی اور خبر سے ارادہ کیا گیا ہے اس اعتبار سے قریش تمام اہل لغات پر شرف والے ہو گئے اسی وجہ سے انہیں عربی کہا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے لیے اور تیری امت کے لیے بیان ہے جس کے تم محتاج ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تذکرہ ہے جس کی مدد سے تم دین کا معاملہ سمجھتے ہو اور اس پر عمل کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ اس سے مراد خلافت ہے یہ قریش میں ہے غیروں میں نہ ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس مسئلہ میں لوگ قریش کے تابع ہیں لوگوں کے مسلمان قریش کے مسلمانوں کے تابع ہوں گے اور ان کے کافر ان کے کافروں کے تابع ہوں گے'' (1)۔

امام مالک نے کہا: اس سے مراد آدمی کا یہ قول ہے: مجھے میرے والد نے میرے باپ سے وہ ابن ابی مسلمہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت مالک بن انس سے روایت نقل کرتے ہیں؛ یہ ماوردی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا (2)۔ ابن عربی نے کہا: میں نے اسلام میں ایسا مرتبہ کسی کے لیے نہیں پایا مگر بغداد میں ایسا پایا (3) کیونکہ بنی تمیم وہاں یہ کہا کرتے تھے: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا اور سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک چلائی اس طرح ان کی اقدار شرف والی ہو گئیں لوگوں نے ان کی شان کو عظیم خیال کیا اور خلافت نے انہیں تلاش کیا۔

میں نے مدینۃ السلام میں ابو محمد رزق اللہ بن عبد الوھاب ابو فرج بن عبد العزیز بن حارث بن اسد بن لیث بن سلیمان بن اسود بن سفیان بن یزید بن اکینہ بن عبد اللہ تمیمی کے دو بیٹوں کو دیکھا دونوں کہہ رہے تھے: ہم نے اپنے باپ رزق اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا یہ صیغہ ادا آخر تک چلتا رہا اور آخر میں کہا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے حنان ومنان کے بارے میں سوال کیا گیا تھا فرمایا: حنان اسے کہتے ہیں جو اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب فی الامارۃ، الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، جلد 2، صفحہ 119

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 84-1683

طرف توجہ کرے جو اس سے اعراض کرے اور منان اسے کہتے ہیں جو سوال سے پہلے عطا کرے۔ جس نے یہ کہا تھا میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: وہ اکینہ بن عبداللہ ہے جو ان کا جد اعلیٰ تھا۔ زیادہ قوی یہ ہے وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ سے مراد قرآن حکیم ہو کلام کا انحصار اسی پر ہے اور اس کی طرف رجوع ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ماوردی نے کہا: وَ لِقَوْمِكَ میں دو قول ہیں (1) آپ کی امت میں سے جو آپ کی اتباع کرے (1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری سے اسے ذکر کیا ہے (2) مراد قریش ہیں (2)، کہا جاتا ہے: وہ کن سے ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے: عربوں میں سے۔ پوچھا جاتا ہے: کون سے عرب؟ تو جواب دیا جاتا ہے: قریش سے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ شرف عمل کرنے والے کے لیے ہے وہ قریش سے ہو یا غیر قریش سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سریہ یا غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا فرمایا: ''اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ دے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے کوئی نفع نہیں دے سکتا، اپنی ازواج سے بھی اسی کی مثل فرمایا، اپنی اولاد کو بھی اسی کی مثل فرمایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے بنو ہاشم لوگوں میں سے اولیٰ نہیں میری امت میں سے بہترین نہیں میری امت میں سے بہترین متقین ہیں، موالی (جو غلام تھے یا جن کے ساتھ معاہدہ ہوا یا جو کسی قبیلہ کے سردار کے ہاتھ پر اسلام لائے) میری امت سے بہترین متقین ہیں تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو تم صاع کے کناروں سے بھرے پیمانے زائد ماپ کی طرح ہو کسی ایک کو دوسرے پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو اس امر سے رک جانا چاہیے کہ وہ جہنم کے کوئلہ میں سے ایک کوئلہ پر فخر کرتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاہ بھونرے سے بھی زیادہ شریر ہوں جو اپنی ناک سے بدبو پھینکتا ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا عیب اور آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے، مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے'' دونوں روایات طبری نے ذکر کی ہیں۔ سورۂ حجرات میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ۝ تم سے ان نعمتوں پر شکر بجالانے کے بارے میں پوچھا جائے گا (3)؛ یہ مقاتل اور فراء کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا کیا ہے اس کے بارے میں آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے باز پرس ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے اس بارے میں جو عمل کیا اس کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا: معنی قریب قریب ہے۔

وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ۝

''اور آپ پوچھیے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند کے علاوہ اور خدا تاکہ انکی پوجا کی جائے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام میں مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی، مسجد اقصیٰ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

سے مراد مسجد بیت المقدس ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی اولاد میں سے مرسلین کو بھیجا جبکہ جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضرت جبریل امین نے آذان کہی پھر نماز کے لیے اقامت کہی پھر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھو اور انہیں نماز پڑھاؤ، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے جبریل امین نے کہا: اے محمد! آپ سے قبل جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے ان سے پوچھئے: کیا اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے علاوہ اور الہ بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں پوچھوں گا تو ہی کافی ہے'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ستر نبی تھے جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے آپ نے ان سے سوال نہ کیا کیونکہ آپ ان کی بنسبت اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری روایت میں ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سات صفیں بنا کر نماز پڑھی مرسلین کی تین صفیں تھیں اور انبیاء کی چار صفیں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل پیچھے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل اور ان کی بائیں جانب حضرت اسحاق پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام تھے پھر باقی ماندہ مرسلین تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور کہا: ''میرے رب نے میری طرف وحی کی کہ میں تم سے سوال کروں کیا تم میں سے کوئی ایسا رسول بھی بھیجا گیا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہو؟'' انہوں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کیا کرتے ہیں وہ سب باطل ہے آپ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں آپ نے ہمیں جو امامت کرائی ہے اس سے یہ امر ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تیرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں''(1)۔

سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ کے بارے میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج کو رسولوں سے ملے۔ ولید بن مسلم نے اس ارشاد کی وضاحت میں کہا: میں نے اس بارے میں خلید بن دعلج سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے قتادہ نے بیان کیا کہا: معراج کی رات ان سے سوال کیا آپ انبیاء سے ملے حضرت آدم سے ملے اور جہنم کے خازن سے ملاقات کی۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں یہی صحیح ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر رُّسُلِنَاۤ سے پہلے من زائد نہیں۔ مبرد اور علماء کی ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے تم سے قبل جو رسول بھیجے گئے ان کی امتوں سے پوچھو۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے واسأل الذی ارسلنا الیھم قبلك رسلنا یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہے اس تعبیر کی بنا پر من زائد ہے؛ یہ مجاہد، سدی، ضحاک، قتادہ، حسن بصری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے(2) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھیے جو دو کتابوں یعنی تورات و انجیل والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ان انبیاء کے بارے میں پوچھیں جو آپ سے قبل مبعوث کیے گئے عن کو حذف کر دیا گیا اور رُّسُلِنَاۤ پر وقف تام ہے پھر انکار کے طریقہ پر

1۔ صاوی علی الجلالین، جلد 4، صفحہ 45 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 228

استفہام سے ابتدا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ان رسولوں کے پیروکاروں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا، تو یہاں سے مضاف محذوف ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد ساری امت ہے۔

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ آلھۃ کی خبر اس صیغہ کے ساتھ لگائی گئی جس صیغہ کے ساتھ ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے فرمایا يُّعْبَدُوْنَ ۝، تعبد اور یعبدن نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک آلھۃ ذوالعقول کے قائم مقام ہیں تو ان کی خبر اسی طریقہ پر لگائی گئی جیسے ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے۔

سوال کے امر کا سبب یہ تھا کہ یہودیوں اور مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: جو آپ لاتے ہیں وہ اس کے مخالف ہے جو آپ سے قبل انبیاء لائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ انبیاء سے سوال کریں (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تو رسولوں نے جواب دیا ہمیں توحید کا اعلان کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا؛ یہ واقدی کا قول ہے۔

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال نہیں کیا تھا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یقین تھا یہاں تک کہ یہ حکایت بیان کی گئی کہ حضرت میکائیل نے حضرت جبریل امین سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے؟ حضرت جبریل امین نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان اور یقین اس سے عظیم ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوال کریں (1)، یہ بحث دونوں روایات میں گزر چکی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ٘ وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ۬ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝

''اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس آپ نے انہیں کہا: بے شک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آ جائیں۔ اور وہ بولے: اے جادوگر! دعا مانگیے ہمارے لئے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 228

پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور پکارا فرعون اپنی قوم میں اور کہنے لگا: اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم انہیں دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا''۔

**وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ** جب الله تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ آپ کے دشمن سے انتقام لینے والا ہے اور انبیاء کی شہادت اور تمام کے اتفاق سے توحید پر دلیل قائم کر دی تو اس امر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے مؤکد کیا، فرعون نے جو تکذیب کی اور اس پر اور اس کی قوم پر غرق کی صورت میں جو عذاب آیا یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کے ساتھ بھیجا وہ نو معجزات تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا گیا اور اچھا انجام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں مقرر کیا گیا یہی صورتحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

**یَضْحَكُوْنَ** کا معنی ہے وہ استہزاء کرتے ہیں وہ اپنے پیروکاروں کو وہم دلاتے ہیں کہ وہ معجزات جادو اور وہم ہیں اور وہ بھی ان پر قادر ہیں۔

**وَ مَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بڑے معجزات میں سے تھے ان میں سے ہر ایک پہلے سے بڑا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا معجزہ علم کا تقاضا کرتا تھا اور دوسرا بھی علم کا تقاضا کرتا تھا تو دوسرے کو پہلے کے ساتھ ملایا جاتا تو وضاحت میں اضافہ ہو جاتا۔ اخوت کا معنی مشاکلت اور مناسبت ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: هذه صاحبة هذه۔ یعنی دونوں معنی میں قریب ہیں۔

**وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ** انہوں نے معجزات کو جو جھٹلایا وہ الله تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہیں **وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ** (اعراف: 130) عذاب سے مراد طوفان، مکڑیاں، جوئیں اور مینڈک ہیں۔ یہ آخری آیات ان کے لیے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ **لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ** شائید وہ کفر سے لوٹ آئیں۔

**وَ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ** جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: اے جادوگر! انہوں نے اس طرح ندا کی جس طرح وہ پہلے عادت کے مطابق ندا کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ علماء کو سحرہ کا نام دیتے انہوں نے بطور تعظیم آپ کو اسی نام سے پکارا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ**، اے عالم! ساحر ان کے نزدیک عظیم ہوا کرتا وہ اس کی تعظیم بجالایا کرتے تھے سحر صفت ذم نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے وہ شخص جو اپنے سحر کی وجہ سے ہم پر غالب آگیا ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ساحرته فسحرته یعنی میں سحر کی وجہ سے اس پر غالب آگیا جس طرح عربوں کا قول ہے: خاصمته فخصمته یعنی میں خصومت کے ساتھ اس پر غالب آگیا اسی طرح فاضلته ففضلته ہے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ انہوں نے ساحر کا حقیقی معنی مراد لیا ہو اور گفتگو استفہام کے انداز میں کی ہو۔ آپ نے انہیں ملامت نہ کی ہو کیونکہ آپ ان کے ایمان لانے کی امید رکھتے تھے۔ ابن عامر، ابوحیوہ اور یحییٰ بن وثاب نے الف کو بغیر ھاء مضموم کے ساتھ اتے پڑھا ہے، اس کی علت یہ ہے کہ ھا کو ماقبل کے ساتھ ملا دیا گیا اور یاء کو وہ ضمہ لازم ہو گیا جو نداء مفرد کی وجہ سے واجب تھا فراء نے یہ شعر پڑھا:

یا ایہُ القلبُ اللّجُوجُ النفسِ أفِق عن البیضِ الحسانِ اللُّعُسِ

محل استدلال یا ایہُ ہے۔

ھا کا ضمہ یاء کے ضمہ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے۔ سورۂ نور میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ ابوعمرو، ابن ابی اسحاق، یحییٰ اور کسائی نے ایھا الف کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ مصحف میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔

اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ یعنی جس عہد کی تم نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ کیا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے اسے دور کردے گا تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیجئے تو وہ ہم سے اس تکلیف کو دور کردے اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ کہ ہم آنے والے وقت میں ہدایت پا جائیں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے تکلیف کو رفع کر دیا اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ یعنی وہ عہد جو انہوں نے اس بارے میں کیا تھا اس کو انہوں نے توڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا قول اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ انہوں نے اپنے بارے میں ایمان کی خبر دی جب ان سے عذاب دور ہو گیا تو وہ مرتد ہو گئے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فرعون نے ان معجزات کو دیکھا تو اسے خوف ہوا کہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہو جائیگی تو اس نے کہا: نَادٰى، قال کے معنی میں ہے (1)؛ یہ ابو مالک کا نقطہ نظر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے پاس قبطیوں کے سردار لوگ ہوں تو ان کے درمیان آواز کو بلند کیا پھر وہ تمام قبطیوں میں اس بات کو عام کر دیں گویا اس طریقہ سے ان میں ندا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم میں ندا کرے، یہ ابن جریج کا نقطہ نظر ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ یعنی اس بارے میں مجھ سے کوئی جھگڑا نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ مصر کے چالیس فرسخ کا ملک تھا، یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہاں ملک سے مراد اسکندریہ ہے وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ یعنی نیل کی نہریں۔ ان کی چار بڑی نہریں تھیں نہر ملک، نہر طولان، نہر دمیاط اور نہر تنیس۔ قتادہ نے کہا: وہاں باغات اور نہریں تھیں جو اس کے محل کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے تخت کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنْ تَحْتِيْ سے مراد ہے میرا تصرف ان میں نافذ ہے ان میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اس کی لگام کھینچتا تو نیل چلنے سے رک جاتا۔ قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ربوبیت کے مدعی کے ہاتھ پر خارق للعادۃ امور کا ظہور مراد ہے کیونکہ الہٰ کو غیر سے تمیز کے لیے خارق للعادۃ امر کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ سے مراد قائدین، رؤساء اور جابرہ ہیں جو اس کے جھنڈے کے نیچے چلا کرتے تھے؛ یہ ضحاک کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہار سے مراد اموال ہیں ان کی کثرت اور ظہور کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 229 2۔ ایضاً

بنا پر انہیں انہار سے تعبیر کیا ہے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ میں انہیں ان افراد پر تقسیم کر دیتا ہوں جو میری اتباع کرتے ہیں کیونکہ ترغیب اور قدرت اموال میں ہوتی ہے انہار میں نہیں ہوتی۔

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝ کیا تم میری عظمت، قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری کو نہیں دیکھتے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے وسائل رزق پر میری قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عجز کو نہیں دیکھتے وَ هٰذِهٖ میں واؤ اس میں جائز ہو کہ عاطفہ ہو اور الْاَنْهٰرُ کا عطف مُلْكُ مِصْرَ پر ہو اور تَجْرِیْ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور اسم اشارہ ہو اور الْاَنْهٰرُ اسم اشارہ کی صفت ہو اور تَجْرِیْ مبتدا کی خبر ہو تَحْتِیْ کی یاء کو اہل مدینہ، بزی اور ابو عمرو نے فتحہ دیا ہے باقی قراء نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ رشید سے مروی ہے جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی تو کہا: میں یہ اپنے غلاموں میں سے سب سے خوبصورت کو دوں گا تو اس نے وہ خصیب کو دے دیا وہ اُسے وضو کرایا کرتا تھا، عبداللہ بن طاہر سے مروی ہے کہ وہ اس کا والی بنا اور اس کی طرف نکلا جب اس نے اس شہر کو دیکھا اور اس پر اس کی نظر پڑی کہا: کیا یہ وہ بستی ہے جس پر فرعون نے فخر کیا تھا یہاں تک کہ اس نے کہا تھا اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ اللہ کی قسم! یہ تو اس سے کم درجہ کا ہے کہ میں اس میں داخل ہوں تو اس نے اپنی لگام موڑ لی۔

پھر اس کی حالت کی وضاحت کی اور کہا: اَمْ اَنَا خَیْرٌ ابو عبیدہ اور سدی نے کہا: ام یہاں بل کے معنی میں ہے (2)۔ یہ حرف عطف نہیں، اکثر مفسرین کا یہی قول ہے معنی ہے فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس سے بہتر ہوں مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ یعنی اس کے لیے کوئی عزت نہیں وہ اپنی حقارت اور ضعف کے باعث اپنی حاجات کے لیے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے۔

وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ۝ یہ بات اس نے اس لیے کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس طرح سورۂ طٰہٰ میں گذر چکا ہے۔ فراء نے کہا: ام میں دو وجوہ ہیں: اگر چاہے تو اسے استفہامیہ بنا دے کیونکہ یہ ماقبل کلام کے ساتھ متصل ہے اگر چاہے تو اسے عاطفہ بنا دے معطوف علیہ یہ کلام ہے اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائدہ ہے ابو زید نے عربوں سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ام کو زائدہ قرار دیتے ہیں معنی ہوگا میں اس سے بہتر ہوں جو حقیر ذلیل ہے۔ اخفش نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہوگا افلا تبصرون ام تبصرون۔

جس طرح شاعر نے کہا:

أیا ظَبْیَةَ الوَعْساء بین جُلَاجِلٍ　　وبین النَّقا آانتِ أَمْ أُمُّ سالِمِ

مراد ہے کیا تو اچھا ہے یا ام سالم اچھی ہے۔

پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اَنَا خَیْرٌ خلیل اور سیبویہ نے کہا: اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝ کا معنی ہے کیا تم دیکھنے والے ہو تو ام کے ساتھ تُبْصِرُوْنَ پر عطف کیا کیونکہ اَمْ اَنَا خَیْرٌ کا معنی ہے یا تم دیکھتے ہو کہ میں اس سے بہتر ہوں، اس کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 230　2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 258

وجہ یہ ہے جب انہوں نے اسے کہا: انت خیر منہ فرعون کے نزدیک وہ دیکھنے والے اور بصیرت والے تھے۔

عیسیٰ ثقفی اور یعقوب حضرمی سے مروی ہے کہ وہ امر پر وقف کرتے تو اس بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی افلا تبصرون ام تبصرون تو دوسرا تبصرون حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے امر پر وقف کیا اس نے اسے زائدہ بنایا گویا اس نے اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ پر وقف کیا۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک تبصرون پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ ام ما قبل سے اتصال کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ پر وقف ہے پھر اَمْ اَنَا خَيْرٌ سے نیا کلام ہے اس کا معنی ہے بل انا بلکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

بدت مثل قَرْن الشمس فی رَوْنَقِ الضحی صورتِها أم أنتِ فی العین أمْلَحُ(1)

اس میں بھی معنی ہے بل انت املح فراء نے ذکر کیا: ایک قاری نے پڑھا اما انا خیر اس کا معنی ہوگا کیا میں بہتر نہیں۔

مجاہد کے بارے میں مروی ہے وہ امر پر وقف کرتے پھر نئے سرے سے پڑھتے اَنَا خَيْرٌ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾

"اگر یہ سچا نبی ہے تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار"۔

فَلَوْلَآ یہ ھلا کے معنی میں ہے اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اس نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ اس وقت یہی معمول تھا اور معززین کا لباس تھا۔ حفص نے اسے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے جس طرح خمار کی جمع اخمرہ آتی ہے باقی قراء نے اساورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے حضرت ابن مسعود نے اسے اساویر پڑھا ہے باقی قراء نے اساورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے یہ جمع کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اساورۃ، اسوار کی جمع ہو جمع میں ھاء، یاء کے عوض میں لاحق کی گئی ہے؛ جس طرح زنادیق، زنادقہ، بطاریق بطارقہ کی جمع ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اساورہ، اساور اور اساویر کی واحد اسوار ہے یہ سوار میں ایک لغت ہے۔ مجاہد نے کہا: جب وہ کسی کو سردار بناتے تو اسے دو کنگن پہناتے اور گلے میں سونے کا ایک طوق ڈالتے۔ یہ اس کے سردار ہونے کی علامت ہوتی فرعون نے کہا: اگر یہ سچا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب نے اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں پھینکے؟

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ یعنی پے در پے؛ یہ قتادہ کا قول ہے(2)۔ مجاہد نے کہا: وہ اکٹھے چلتے ہیں(3)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو ان کی مخالفت کرتا اس کے خلاف انکی مدد کرتے معنی ہے اس کے ساتھ ملائکہ کیوں نہ ملائے گئے جن کے بارے میں وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس کے رب کے پاس ہوتے ہیں تا کہ ان کے ساتھ مل کر وہ تعداد میں زیادہ ہو جاتا اور اپنے امر و نہی میں انہیں کام میں لاتا یہ امر دلوں میں زیادہ ہیبت کا باعث ہوتا اس نے اپنی قوم کو وہم دلایا کہ اللہ کے رسل کے بارے میں مناسب یہی ہے کہ وہ جنگوں میں بادشاہوں کے رسول کی طرح ہوں اسے علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے

1۔ التفسیر الکبیر، جلد 8، صفحہ 22 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 231 3۔ ایضاً

رسولوں کی آسمانی لشکروں سے مدد کی جاتی ہے ہر دانشمند آدمی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی جب کہ وہ یکہ وتنہا تھے اور فرعون کے پاس لشکروں کی تعداد بے شمار تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو مدد عصا اور ید بیضاء کے ساتھ کی ہے وہ اس سے زیادہ مؤثر تھی اس کی بنسبت کہ ان کے کنگن ہوتے یا ان کے مددگار فرشتے ہوتے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ ان کی سچائی پر دلیل ہوگی، یہ کلبی کا قول ہے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ معجزہ کافی ہوتا ہے یہ جائز تھا کہ فرشتوں کے آنے کے ساتھ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی جس طرح معجزات کے ظہور کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی فرعون نے ملائکہ کا ذکر اس لیے کیا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا ذکر کرتے تھے کیونکہ جو آدمی فرشتوں کے خالق کو نہیں پہچانتا وہ ملائکہ پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔

**فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝**

”یوں اس نے احمق بنادیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے“۔

**فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ** ابن اعرابی نے کہا: معنی ہے اس نے اپنی قوم کو جاہل جانا **فَاَطَاعُوْهُ** تو انہوں نے اپنی کم عقل کی وجہ سے اس کی اطاعت کی یہ جملہ کہا جاتا ہے: استخفه یعنی اسے جہالت پر برانگیختہ کیا اسی معنی میں ہے ولا یستخفنك الذین لایوقنون ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے انہیں گفتگو کے ساتھ دھمکایا تو قوم نے جھٹلانے میں اس کی اطاعت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استخف قومه۔ یعنی اس نے انہیں کم عقل پایا۔ یہ امر اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ ان پر اطاعت کرنا واجب تھا تو اس صورت میں اضمار کی ضرورت ہوگی اس کی تقدیر کلام یہ ہے وجدھم خفاف العقول فدعاھم الی الغوایة فاطاعوه۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے اپنی قوم کو دھمکایا اور ان پر جبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی اتباع کی یہ کہا جاتا ہے: استخفه یہ استقله کے برعکس ہے۔ استخف به اس کو ذلیل کیا۔

**اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝** وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

**فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝**

”پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کردیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کردیا“۔

**فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ** ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ ہم پر غصے ہوا اور ہم پر غضبناک ہوا (2)۔ علی بن ابی طلحہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ہم سے ناراض ہوگیا۔ ماوردی نے کہا: دونوں کا معنی مختلف ہے دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ سخط سے مراد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور غضب سے مراد انتقام کا ارادہ ہے قشیری نے کہا: یہاں اسف سے مراد غضب ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف غضب کی نسبت کی جاتی ہے یا تو اس سے مراد سزا دینا ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ صفات ذات میں سے ایک صفت ہوگی یا عین سزا ہوگی تو اس صورت میں یہ صفات فعل میں سے ہوگی؛

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 231
2۔ ایضاً

ماوردی کے قول کا یہی معنی ہے۔ عمر بن ذر نے کہا: اے اللہ کی نافرمانی کرنے والو! اللہ تعالیٰ جو تم سے طویل وقت تک حلم کیے ہوئے ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس کی پکڑ سے ڈرو، کیونکہ اس نے ارشاد فرمایا: فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے اٰسَفُوْنَا وہ ہمارے رسولوں اور ہمارے مومن اولیاء پر غضبناک ہوئے جس طرح علماء اور بنی اسرائیل یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ (احزاب: 57) یحاربون اللہ مراد اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے رسول ہیں۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

''اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے''۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا ہم نے قوم فرعون کو پیش رو بنایا۔ ابومجلز نے کہا: یعنی جوان جیسا عمل کرے ان کا پیش رو بنا دیا اور جوان جیسا عمل کرے اس کے لیے نمونہ بنا دیا(1)۔ مجاہد نے کہا: سَلَفًا یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو خبر دینے والا اور مَثَلًا یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے عبرت بنا دیا(2)۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے آپ کی قوم کے کفار کے لیے قیادت کرنے والا بنا دیا وہ جہنم کی طرف ان کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: جہنم کی طرف آگے جانے والا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت۔ سلف کا معنی آگے جانے والا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سَلَف یسلُف سَلَفا، جس طرح طلب یطلب طلبا ہے جس کا معنی آگے جانا اور گزرنا۔ سلف له عمل صالح یعنی آگے چلا گیا القوم السلاف۔ آگے جانے والے لوگ۔ سلف الرجل۔ آگے جانے والے آباء اس کی جمع اسلاف اور سلاف ہے عام قراءت سَلَفا ہے یہ سالف کی جمع ہے جس طرح خادم کی جمع خدم ہے، راصد کی رصد ہے، حارس کی جمع حرس ہے۔

حمزہ اور کسائی کی قراءت سُلُفًا فراء نے کہا یہ سلیف کی جمع ہے جس طرح سریر کی جمع سرر آتی ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یہ سلف کی جمع ہے جس طرح خشب کی جمع خُشُب۔ ثمر کی جمع ثُمُر آتی ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود، حضرت علقمہ، حضرت ابووائل نخعی اور حمید بن قیس نے اسے سلفا پڑھا ہے یہ اسلفہ کی جمع ہے یعنی گزر جانے والی جماعت۔ مورج اور نضر بن شمیل نے کہا: سُلفا یہ سُلفہ کی جمع ہے جس طرح غرفته کی جمع غرف اور طرفه کی جمع طرف ظلمته کی جمع ظلم آتی ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

''اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا دیتی ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ تو مشرکوں نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امر کے ساتھ جوڑا اور کہا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم اسے اپنا الٰہ بنالیں جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو الٰہ بنالیا۔ یہ قتادہ کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد کا قول ہے قریش نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 232 2۔ ایضاً

کی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جو عبداللہ بن زبعری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا تھا یہ مثال دینے والا عبداللہ بن زبعری تھا جو اس نے حالت کفر میں مثال دی تھی جب قریش نے اس سے کہا: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ تلاوت کرتے ہیں اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء:98) اس نے کہا: اگر میں ان کے پاس حاضر ہوتا تو میں جواب دیتا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: تو انہیں کیا کہتا؟ اس نے کہا: میں انہیں کہتا: یہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ یہودی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں جہنم کا ایندھن ہیں؟ قریش اس کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے لاجواب ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: یَصِدُّوْنَ کا بھی یہی معنی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (انبیاء) اگر ابن زبعری آیت پر غور کرتا تو اس پر اعتراض نہ کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ مَا تَعْبُدُوْنَ یہ ارشاد نہیں فرمایا و من تعبدون اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد بت اور غیر ذوی العقول چیزیں لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت مسیح اور فرشتے مراد نہیں لیے اگرچہ ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ سورۂ انبیاء کے آخر میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا: ''اے قریش کی جماعت! اس میں کوئی بھلائی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو؟'' انہوں نے سوال کیا: کیا تو یہ گمان نہیں کرتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے اور نبی تھے اور عبد صالح تھے اگر بات اس طرح ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو تو ان کی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ۝ وہ یوں آواز نکالتے ہیں جس طرح وہ اونٹ آواز نکالتا ہے جس پر بوجھ لادا جائے۔

نافع، ابن عامر اور کسائی نے یَصُدون صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی اعرض کرنا ہے، یہ نخعی کا قول ہے باقی قراء نے اسے کسرہ دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح یَعْرِشون اور یَعرُشون۔ یَنِموں اور ینموں۔ اس کا معنی شور و غل ہے۔ جوہری نے کہا: صدّ اور یَصِدّ صدیدا، شور و غل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمہ کے ساتھ صدود سے مشتق ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی شور و غل کرنا ہے؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ ابوعبید نے کہا: اگر یہ حق سے اعراض کرنے کے معنی میں ہو تو مطلب ہوگا آپ کی قوم حق سے اعراض کرتی ہے۔ فراء نے کہا: دونوں برابر ہیں صلہ من ہو یا عن ہو۔ ابن مسیب نے کہا: یصدون کا معنی شور و غل کرنا ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آوازیں بلند کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنستے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: جس نے صاد کو ضمہ دیا ہے تو اس کا معنی ہوگا وہ اعراض کرتے ہیں تو معنی ہوگا وہ میلان کی وجہ سے اعراض کرتے ہیں یصدون کو من کے ساتھ متعدی نہیں کرتے جس نے صاد کو کسرہ دیا تو اس کا معنی ہے وہ شور و غل کرتے ہیں مِن، یصدون کے ساتھ متصل ہے معنی ہے وہ اسے سن کر شور و غل کرتے ہیں۔

وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝۵۸

''اور کہتے ہیں: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لیے درحقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں''۔

وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ یعنی کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا حضرت عیسیٰ؟ یہ سدی کا قول ہے کہا: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑا کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ جہنم میں ہوگا تو ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام، فرشتوں اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ ہوں (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝۱۰۱ (انبیاء) قتادہ نے کہا: وہ اَمْ هُوَ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لیا کرتے تھے (2)۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے آلھتنا خیر امر ھذا یہ قتادہ کے قول کی تائید کرتا ہے یہ استفہام تقریری ہے کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ کوفیوں اور یعقوب نے جدلا پڑھا ہے یہ حال ہے جدلین کا معنی دے رہا ہے یعنی انہوں نے آپ کے لیے یہ مثال بیان نہیں کی مگر جھگڑا مقصود تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) سے مراد وہ چیزیں ہیں جن بے جان چیزوں کو انہوں نے معبود بنا لیا تھا۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝۵۸ بلکہ وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہیں۔ صحیح ترمذی میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر انہوں نے جھگڑا کیا (3)'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۵۹ وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝۶۰

''نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کے لیے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے''۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک بندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے جس پر نبوت کا انعام کیا ہے اور بنی اسرائیل کے لیے مثال بنا دیا ہے یعنی ایک آیت اور عبرت بنا دیا ہے جس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ معجزات عطا کیے وہ مردوں کو زندہ کرتے، مادرزاد اندھوں، برص کے مریضوں اور تمام قسم کی امراض سے تندرست کر دیتے جبکہ ان کے زمانہ میں اس قسم کی شان کسی اور کو نہ دی گئی جبکہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل بہترین مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے تھے جبکہ لوگ ان سے درجہ میں کم تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منعم علیہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 61
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 234
3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، من سورۃ زخرف، جلد 2، صفحہ 157

ذات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔

**وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ** اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلے بناتے **مَّلٰٓئِكَةً** جو تمہارے خلیفہ ہوتے؛ یہ سدی کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد سے مروی ہے کہا: فرشتے جو تمہاری بجائے زمین کو آباد کرتے (1)۔ ازہری نے کہا: مِنْ بعض اوقات بدل کے لیے آتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی سورۂ براءت اور دوسری سورتوں میں بھی گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم چاہتے تو انسانوں میں سے فرشتے بنا دیتے اگرچہ یہ عادت نہیں ہے، جواہر سب ایک ہی جنس ہیں، اختلاف اوصاف کی بنا پر ہے معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم زمین میں فرشتے بنا دیتے انہیں آسمانوں میں ٹھہرانا یہ ان کا شرف نہیں کہ ان کی عبادت کی جانے لگے اور انہیں کہا جانے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں **يَخْلُفُوْنَ** کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی نیابت کرتے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

**وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝**

''اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لیے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان اس راہ سے بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

**وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا** حضرت حسن بصری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ یہ قیامت کے قریب ہونے پر دلالت ہے یا اس کے ذریعے قیامت، اس کی ہولناکیوں اور احوال کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، سدی اور قتادہ نے یہی کہا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہر ہونا ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے وقوع سے تھوڑا پہلے انہیں آسمان سے نازل فرمائے گا جس طرح دجال کا ظاہر ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، قتادہ، مالک بن دینار اور ضحاک نے اسے وانه لعلم الساعة عین اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی نشانی ہے۔ عکرمہ سے دو لاموں کے ساتھ للعلم مروی ہے۔ یہ مصاحف کے خلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملے تو سب نے قیامت کا ذکر کیا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کو شروع کیا اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہ تھا پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو ان کے پاس بھی کوئی علم نہ تھا تو گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی گئی تو انہوں نے کہا: مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ وجبہ کے بعد ہے جہاں تک وجبہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اور دجال کے ظاہر ہونے کا ذکر کیا کہا: میں اتروں گا اور اسے قتل

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 249 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 61 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 234

کر دوں گا اور حدیث کا ذکر کیا(1)۔ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم کو مبعوث کرے گا دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے پاس اتریں گے وہ حلہ زیب تن کیے ہونگے اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے سروں پر رکھے ہونگے جب اپنا سر نیچے جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتی گریں گے جو لولو کی طرح ہونگے کافر کے لیے حلال نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے سانس کی ہوا پائے مگر جو پائے ہوگا وہ مرجائے گا اس کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک نظر پہنچے گی آپ دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے لُدّ کے دروازے پر پائیں گے اور اسے قتل کر دیں گے(2)۔

ثعلبی، زمخشری اور دوسرے مفسرین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارض مقدس کے ایک ٹیلہ پر آسمان سے اتریں گے جس ٹیلہ کو افیق کہتے ہیں دو کپڑے زیب تن کیے ہونگے جو ہلکے سے زرد ہونگے ان کے سر کے بالوں کو تیل لگا ہوگا، ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ ہوگا امام ان کی امامت کروا رہا ہوگا امام پیچھے ہٹے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کریں گے اور اسی امام کے پیچھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے پھر آپ خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، کنیسوں اور گرجوں کو برباد کر دیں گے، نصاریٰ کو قتل کریں گے مگر جو ایمان لے آیا''(3)۔

خالد نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے قریبی ہوں اس کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں وہ سب سے پہلے آسمان سے اتریں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اسلام کے حق میں لوگوں سے جنگ کریں گے''(4)۔

ماوردی نے کہا: ابن عیسیٰ نے ایک قوم سے یہ بیان کیا انہوں نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو لوگوں کو مکلف بنانے کا معاملہ اٹھا لیا جائیگا تا کہ وہ اس زمانہ کی طرف رسول نہ ہوں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیں اور انہیں روکیں۔ یہ قول تین وجوہ سے مردود ہے: ان میں سے ایک حدیث بھی ہے، دوسری وجہ یہ ہے دنیا کی بقا امور کا مکلف ہونے کا تقاضا کرتی ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے کی حیثیت میں اتریں گے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے امر صرف اسلام کی تائید، اسلام کا حکم دینے اور اس کی طرف دعوت دینے تک محدود ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں گے وہ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائیگا اس پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جائیگا دشمنی، باہمی بغض اور حسد ختم ہو جائے گا ایک آدمی مال لینے کو دعوت دے گا

---

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، صفحہ 309

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، ذکر الدجال، جلد 2، صفحہ 399　3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 235　4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 235

تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا(1)" ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارا کیا حال ہوگا جب حضرت ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم سے ہوگا" ایک روایت میں ہے "تمہاری امامت تم میں سے ایک آدمی کرے گا(2)" ابن ابی ذئب نے کہا: تو جانتا ہے امکم منکم سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: تو مجھے بتائے گا۔ کہا: "وہ تمہاری امامت تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق کرائے گا" ہمارے علماء نے کہا: یہ روایت اس امر میں نص ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مجدد کے طور پر اتریں گے جو دین انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوگا وہ کسی نئی شرع کے ساتھ نہیں اتریں گے جبکہ احکام کے مکلف ہونے کا سلسلہ باقی ہوگا جس طرح ہم نے یہاں اور کتاب "التذکرہ" میں ذکر کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا قیامت اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے پر دلیل ہے؛ یہ ابن اسحاق نے کہا۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی نشانی ہوں اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میں اور قیامت یوں مبعوث کیے گئے ہیں(3)" اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں(4)۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا تم قیامت میں شک نہ کرو؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ سدی نے کہا: تم اس کو نہ جھٹلاؤ اور تم اس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ یہ لازماً ہو کر رہنے والی ہے(5) وَاتَّبِعُوْنِ تم توحید کے عقیدہ میں میری اتباع کرو اور جو میں تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اس میں میری اتباع کرو۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب جانے والا سیدھا راستہ ہے یعنی اس کی جنت کی طرف جانے والا سیدھا راستہ ہے۔ یعقوب نے وَاتَّبِعُوْنِ میں دونوں حالتوں میں یاء کو قائم رکھا ہے اسی طرح اطیعون میں قائم رکھا ہے۔ ابو عمرو اور اسماعیل نے نافع سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وصل میں قائم رکھا اور وقف میں حذف کر دیا باقی قراء نے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اس کے وساوس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ جھگڑا کرنے والے کفار کو شیطان سے تشبیہ دی گئی کیونکہ انبیاء کی شریعتیں توحید میں مختلف نہیں اور قیامت کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اسی طرح جنت یا دوزخ کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اس میں وہ مختلف نہیں۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 17۔ سنن ابن ماجہ، باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، حدیث 4067

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 87 3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، قرب الساعۃ، جلد 2، صفحہ 406

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 9 5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 236

تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۞ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۞

''اور جب آئے (عیسیٰ علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا: میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے''۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بینات سے مراد مردوں کو زندہ کرنا، مریضوں کو صحت مند کرنا، پرندوں کو بنانا، دسترخوانوں کا نزول وغیرہ اور بہت سی غیب کی خبریں دینا۔ قتادہ نے کہا: یہاں بینات سے مراد انجیل ہے۔

قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ حکمت سے مراد نبوت ہے، یہ سدی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ایسا علم ہے جو نیکی کی طرف لے جائے اور برائی سے روک دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد انجیل ہے؛ یہ قشیری اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ مجاہد نے کہا: مراد ہے جو تورات میں تبدیلی کی گئی (1)۔ زجاج نے کہا: میں انجیل میں بعض ایسی چیزیں تمہارے لیے بیان کردوں گا تورات میں تبدیلی کے متعلق تم جن میں باہم اختلاف کرتے ہو۔ مجاہد نے کہا: جن چیزوں کے وہ محتاج ہیں انجیل کے علاوہ ان کے لیے واضح کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تورات کے احکام کے بارے میں انہوں نے جو اختلاف کیا جس قدر انہوں نے سوال کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے واضح کیا۔ یہ بھی جائز ہے انہوں نے اس کے علاوہ میں اختلاف کیا جس کے بارے میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل نے دین کے امور میں کچھ چیزوں میں اختلاف کیا اور دنیاوی امور میں سے چند چیزوں کے بارے میں اختلاف کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے دینی امر کے بارے میں واضح کر دیا۔

ابوعبیدہ کا مذہب یہ ہے کہ یہاں بعض، کل کے معنی میں ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (غافر: 28) اخفش نے لبید کا شعر پڑھا:

تراك أمكنة إذا لم أرضها أو تعتلق بعض النفوس حمامها (2)

موت بعض نفوس کے متعلق نہیں ہوتی موت کو علوق اور علاقہ کہتے ہیں۔ مفضل بکری نے کہا:

وسائلة بثَعْلَبَة بن سَيْر وقد عَلِقت بثعلبة العَلُوقُ

ثعلبہ بن سیر کو کتنے پوچھنے والے ہیں جبکہ موت ثعلبہ کے ساتھ متعلق ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 236 2۔ احکام القرآن للطبری، جز 25-26، صفحہ 109

مقاتل نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی طرح ہے: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران: 50) یعنی انجیل میں وہ چیزیں حلال کرنے والا ہوں جن کو تورات میں حرام کر دیا گیا تھا جس طرح اونٹ کا گوشت، ہر حیوان کی چربی، ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کرنا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ شرک سے بچو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جب؛ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ الہ ہو یا ابن الہ ہو۔

وَ اَطِيْعُوْنِ یعنی توحید اور دوسرے امور کی طرف دعوت دیتا ہوں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ کی عبادت صراط مستقیم ہے اس کے سوا ٹیڑھا راستہ ہے اس پر چلنے والا حق تک پہنچنے والا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

”پھر اختلاف کرنے لگے (ان کے) گروہ آپس میں پس ہلاکت ہے ظالموں کے لیے دردناک عذاب کے دن سے۔ کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آجائے ان پر اچانک اور انہیں خبر تک نہ ہو“۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ قتادہ نے کہا: یہاں من، ما کے معنی میں ہے ان کے بارے میں دو قول ہیں (1) اس سے مراد یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب ہیں انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کی (1)؛ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے (2) نصاریٰ کی مختلف جماعتیں ہیں نسطوریہ، ملکیہ، یعاقبہ، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا نسطوریہ نے کہا: وہ ابن اللہ ہیں۔ یعاقبہ نے کہا: وہ اللہ ہے۔ ملکیہ نے کہا: وہ تین میں سے تیسرا ہے، ان میں سے ایک اللہ ہے؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ سورۂ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا انہوں نے کفر اور شرک کیا جس طرح سورۂ مریم میں ہے مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ یعنی جس کا عذاب دردناک ہے اسی کی مثل لیل نائم ہے اس رات میں سویا جاتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ واؤ ضمیر سے مراد احزاب ہیں یعنی وہ انتظار نہیں کرتے اِلَّا السَّاعَةَ سے مراد قیامت ہے اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً، بغتۃ یعنی اچانک۔ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ کئی اور مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے عرب کے مشرک صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں اس تعبیر کی بنا پر احزاب سے مراد وہ قبائل ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکٹھ کیا تھا اور مشرکین میں سے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا کے ساتھ متصل ہے۔

اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 237

''گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے بجز ان کے جو متقی اور پرہیزگار ہیں''۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍ یوم سے مراد یوم قیامت ہے بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی وہ دشمن ہیں جو ایک دوسرے سے دشمنی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ کیونکہ وہی دنیا و آخرت میں دوست ہیں؛ یہ معنی حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی، عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی وہ دونوں دوست تھے (1) عقبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا تھا قریش نے کہا: عقبہ بن ابی معیط صابی ہو گیا۔ امیہ نے اس سے کہا: اگر تو محمد سے ملا اور تو نے اس کے منہ پر نہ تھوکا تو میرا تجھ سے ملنا حرام ہوگا۔ عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی نذر مانی اور اسے غزوہ بدر کے موقع پر قتل کر دیا۔ امیہ معرکہ میں قتل ہو گیا انہیں کے متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے دو مومن دوست تھے اور دو کافر دوست تھے دو مومنوں میں سے ایک مر گیا اس نے عرض کی: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکا کرتا تھا اور وہ مجھے خبر دیتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں، اے میرے رب! اسے میرے بعد گمراہ نہ کرنا اسے اس طرح ہدایت دینا جس طرح اس نے مجھے ہدایت دی، اسے عزت بخشنا جس طرح اس نے مجھے عزت بخشی۔ جب اس کا مومن دوست فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میں سے ہر ایک دوست اپنے ساتھی کی تعریف کرے گا ایک عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کو حکم دیتا اور مجھے برائی سے روکا کرتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وہ کتنا اچھا دوست ہے کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا ساتھی ہے۔ کہا: کافروں میں سے ایک مرے گا اور کہے گا: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اطاعت سے اور تیرے رسول کی اطاعت سے روکتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا اور مجھے نیکی سے روکتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں۔ اے میرے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اسے میرے بعد ہدایت نہ دینا۔ اور اسے اسی طرح گمراہ کرنا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرنا جس طرح تو نے مجھے ذلیل و رسوا کیا ہے جب اس کا کافر دوست مرتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے فرماتا ہے: تم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے تیری نافرمانی اور تیرے رسول کی نافرمانی کا حکم دیتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا خیر سے منع کرتا تھا اور مجھے بتایا کرتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو اس پر عذاب دو گنا کر دے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو کتنا برا ساتھی، بھائی اور دوست ہوگا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک ساتھی پر لعنت کرے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت ہر مومن، متقی، کافر اور گمراہ کے بارے میں عام ہے۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 238

"اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم آج غمزدہ ہو گے"۔

مقاتل نے کہا اور اسے معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے: منادی کرنے والا کھلی جگہ اعلان کرے گا اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں۔ کھلے میدان والے اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو منادی کرنے والا کہے گا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ تو مسلمانوں کے علاوہ تمام ادیان والے اپنے سروں کو جھکالیں گے۔ محاسبی نے رعایہ میں ذکر کیا ہے: اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن منادی کرنے والا ندا کرے گا: یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ مخلوقات اپنے سروں کو اوپر اٹھائے گی وہ کہیں گے: ہم الله کے بندے ہیں (1)۔ پھر دوبارہ وہ ندا کرے گا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ کفار اپنے سروں کو جھکالیں گے اور موحد اپنے سروں کو اٹھائے رکھیں گے پھر وہ تیسری دفعہ اعلان کرے گا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (یونس) تو گناہ کبیرہ کرنے والے اپنا سر جھکائیں گے اور تقویٰ اختیار کرنے والے اپنے سر اٹھائے رکھیں گے جبکہ الله تعالیٰ نے ان سے خوف اور حزن کو زائل کر دیا ہو گا جس طرح الله تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہو گا کیونکہ وہ معززین میں سے سب سے معزز ہے وہ اپنے ولی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور ہلاکت کے وقت اسے کسی کے سپرد نہیں کرتا۔ اسے یٰعِبَادِ پڑھا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾

"یعنی وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہو گا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش"۔

زجاج نے کہا: اَلَّذِیْنَ۔ عبادی کی صفت کے طور پر محل نصب میں ہے کیونکہ عبادی منادی مضاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے ھم الذین آمنوا یا ہے الذین آمنوا یقال لھم ادخلوا الجنۃ۔

ابو بکر اور زر بن حبیش نے یاعبادی پڑھا ہے یاء مفتوح ہے اور دونوں حالتوں میں ثابت ہے اسی وجہ سے نافع، ابن عامر، ابو عمرو اور رویس نے دونوں حالتوں میں یاء ساکنہ کو ثابت رکھا ہے باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے کیونکہ اہل شام اور اہل مدینہ کے مصاحف میں یاء ثابت ہے کسی اور مصحف میں یاء نہیں ہے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی انہیں کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ یا کہا جائے گا: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو جنت میں داخل ہو جاؤ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ یعنی جو دنیا میں مسلمان تھیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنوں میں سے جو تمہارے ساتھی ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حورعین میں سے جو تمہاری ازواج ہیں۔

تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ تمہاری عزت کی جائیگی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی مقام و منزل کے اعتبار سے تم معزز

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 143 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 238

ہو گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں خوش کیا جائیگا اس سے مراد دل میں خوشی ہے۔ قتادہ نے کہا: تم پر انعام کیا جائے گا اس سے مراد بدن میں نعمت ہے۔ مجاہد نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا اس سے مراد آنکھ میں خوشی ہے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا یہاں عجب سے مراد اس چیز کا پانا ہے جو پسند ہو۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: اس سے مراد سماع کے ذریعے لذت حاصل کرنا ہے۔ سورۂ روم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ﴿۷۱﴾

"گردش میں ہونگے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ یعنی ان کے لیے جنت میں کھانے اور مشروبات ہونگے جنہیں سونے اور چاندی کے تھالوں میں ان پر گھمایا جائے گا، یہاں کھانوں اور مشروبات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ تھالوں اور پیالوں کے گھمانے کا کوئی مطلب نہیں جب ان میں کھانے اور مشروبات نہ ہوں۔ صحاف میں سونے کا ذکر کیا جبکہ اکواب میں اس کے ذکر سے استغنا برتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (احزاب: 35)

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: لا تلبسوا الحریر ولا الدیباج ولا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة ولا تأكلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولكم فی الآخرة(1)۔ ریشم اور دیباج کا لباس نہ پہنو اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو ان کے پیالوں میں نہ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔ سورۂ الحج میں یہ گذر چکا ہے جس نے ان دونوں میں دنیا میں کھایا یا دنیا میں ریشم کا لباس پہنا اور توبہ نہ کی آخرت میں ہمیشہ کے لیے اس پر یہ چیزیں حرام کر دی جائیں گی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مفسرین نے کہا: جنت میں سب سے کم مرتبہ جنتی پر ستر ہزار غلام سونے کے پیالوں کے ساتھ گھومیں گے دن کا کھانا اسے پیش کیا جائیگا ہر ایک برتن میں ایسی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔ وہ اس کے آخر سے اسی طرح کھائے گا جس طرح پہلے سے کھاتا ہے آخری کو اسی طرح لذیذ پائے گا جس طرح پہلے کو لذیذ پاتا ہے اسکا بعض بعض کے مشابہ نہ ہوگا۔

وَّ اَكْوَابٍ یعنی اس پر پیالے گھمائے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ (الدہر: 15) ابن مبارک نے ذکر کیا ہے ہمیں معمر نے بیان کیا وہ ایک آدمی سے وہ ابوقلابہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: اس کے پاس کھانا اور مشروب لایا جائے گا جب وہ ان کے آخر تک پہنچیں گے تو ان کے پاس شراب طہور لایا جائے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأطعمة، باب الأكل فی أنا مفضض، جلد 2، صفحہ 816

گا اس کے لیے ان کے پیٹ ضامر ہو جائیں گے ان کے جسموں سے مشک سے پاکیزہ خوشبو نکلے گی پھر یہ پڑھا شُرَابًا طَهُوْرًا ۝ (دہر)

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جنتی اس میں کھائیں گے، اس میں پئیں گے وہ تھوکیں گے نہیں وہ پیشاب نہیں کریں گے وہ براز نہیں کریں گے وہ ریشہ نہیں پھینکیں گے''(1)۔ پوچھا: کھانے کا کیا بنے گا؟ کہا ''ڈکار اور مہک جس طرح کستوری کی مہک ہوتی ہے انہیں تسبیح تحمید اور تکبیر کا الہام کیا جائے گا'' ایک روایت میں یلھمون التسبیح کی جگہ یلھمون النفس کے الفاظ ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ آئمہ نے حضرت ام سلمہ کی حدیث نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے فرمایا: ''وہ آدمی جو سونے اور چاندی کے برتن سے پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹ غٹ پیتا ہے(2)'' اور کہا: ''سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور اس کے پیالوں (برتنوں) میں نہ کھاؤ(3)'' یہ روایات حرمت کا تقاضا کرتی ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

علماء نے اور مقاصد کے لیے ان کے استعمال کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ مردوں کے لیے کسی مقصد کے لیے انہیں استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا سونے اور ریشم کے بارے میں ارشاد ہے: ''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مذکر افراد کے لیے حرام ہیں اور مؤنث افراد کے لیے حلال ہیں''(4) ان میں کھانے پینے سے نہی ان کے استعمال کی حرمت پر دال ہے کیونکہ یہ بھی سامان کی ایک صورت ہے جو جائز نہیں اس کا اصل کھانا اور پینا ہے اس کی علت آخرت کے امر کو جلدی چاہنا ہے اس اعتبار سے اس میں کھانا پینا اور باقی ماندہ انتفاع کی جو صورتیں ہیں سب مراد ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لیے دنیا میں حصہ نہیں بنایا''۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ جب برتن پر ان سے کلی کی گئی ہو یا برتن میں ان دونوں میں سے حلقہ ہو۔ امام مالک نے کہا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس برتن میں پیا جائے، اسی طرح آئینہ ہو جس میں چاندی کا حلقہ ہو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا برتن تھا جس پر چاندی کی کلی کی گئی تھی اور کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اس برتن میں مشروب پلایا تھا۔ ابن سیرین نے کہا: اس میں لوہے کا حلقہ تھا تو حضرت انس نے ارادہ کیا کہ اس میں چاندی کا حلقہ لگوائیں تو حضرت ابو طلحہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کیا ہے میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا تو حضرت انس نے اسے ترک کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ جب ان چیزوں کا استعمال جائز نہیں تو ان کو جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ جس چیز کا استعمال جائز نہیں اس کو ذخیرہ کرنا بھی جائز نہیں ہوتا جس طرح بت اور طنبور (آلہ لہو) ہمارے علماء کی کتابوں میں ہے: جو آدمی کسی کا ایسا برتن

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الأشربة، انية الفضة، جلد 2، صفحہ 379    2۔ صحیح بخاری، کتاب الأشربة، انية الفضة، جلد 2، صفحہ 842

3۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزينة، تحريم الأستعمال الأناء الذهب والفضة، جلد 2، صفحہ 189

4۔ سنن ابن ماجہ، باب لبس الحرير والذهب للنساء، حدیث نمبر 3584، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

توڑے گا اس پر بازاری قیمت چٹی لازم ہوگی۔ یہ فاسد معنی ہے کیونکہ اس کا توڑنا واجب ہے تو اس وجہ سے اس قیمت کی کوئی ثمن (جو باہم بائع اور مشتری لگاتے ہیں) نہ ہوگی زکوٰۃ میں کسی حال میں اس کی قیمت جائز نہ ہوگی اس کے علاوہ میں اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائیگی۔

**بِصِحَافٍ** جوہری نے کہا صحفہ، قصعہ کی طرح ہے اس کی جمع صحاف آتی ہے۔ کسائی نے کہا: پیالوں میں سے سب سے بڑا جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس افراد کو سیر کر دیتا ہے پھر صحفہ ہے جو پانچ آدمیوں کو سیر کو دیتا ہے پھر مئکلہ ہے جو دو یا تین افراد کو سیر کر دیتا ہے پھر صحیفہ ہے جو ایک آدمی کو سیر کر دیتا ہے صحیفہ کا معنی کتاب بھی ہے اس کی جمع صحف اور صحائف ہے۔

**وَّ اَكْوَابٍ** جوہری نے کہا: کوب ایسے لوٹے کو کہتے ہیں جس کا دستہ نہ ہو اس کی جمع اکواب ہے۔ شاعر نے کہا:

مُتَّكِئًا تَصْفِقُ أبوابُه يسعَى عليه العَبْدُ بالكوب

وہ ٹیک لگائے ہوئے ہے اس کے دوازے کھلے ہیں اس پر غلام پیالے کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔

قتادہ نے کہا: کوب ایسے پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا چھوٹا اور دستہ بھی چھوٹا ہو اور ابریق اس پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا لمبا اور دستہ بھی لمبا ہو(1)۔ اخفش نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جس کی سنت نہیں ہوتی۔ قطرب نے کہا: اس سے مراد لوٹے ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی (2)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کے منہ گول ہوں۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی۔ ابن عزیز نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جن کا دستہ اور سنت نہیں ہوتی۔ اس کا واحد کوب ہے۔

میں کہتا ہوں: مجاہد اور سدی کے قول کا یہی معنی ہے، یہی اہل لغت کا مذہب ہے کہ جس کی سنت اور دستہ نہ ہو۔

**وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ** ترمذی نے سلیمان بن برید سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں گھوڑے ہیں(3)؟ فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے تو کیا تو نہیں چاہے گا کہ تو اس میں سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو وہ جنت میں تجھے لے کر اڑتا رہے جہاں تو چاہے" کہا: ایک آدمی نے پوچھا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں اونٹ ہیں(4)؟ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی مثل جواب نہ دیا جو آپ نے پہلے فرد کو جواب دیا تھا فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا تو وہاں تیرے لیے وہ کچھ ہوگا جو تیرا نفس چاہے گا اور تیری آنکھ پسند کرے گی"۔

اہل مدینہ، ابن عامر اور اہل شام نے اسے **فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ** پڑھا ہے باقی قراء نے **تشتهی الانفس** اصل میں یہ **تشتهیه الانفس** ہے تو کہتا ہے: **الذی ضربت زید** اصل میں یہ **الذی ضربته زید** تھا **وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ** تو کہتا ہے: **لذ الشیٔ یلذ لذاذا ولذاذة، لذذت بالشیٔ الذ** یعنی ماضی میں عین کلمہ مکسور ہے اور مضارع میں مفتوح ہے مصدر لذاذا

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 239 — 2۔ ایضاً

3۔ ... ب صفة الجنة، ما جاء فی صفة خیل الجنة، جلد 2، صفحہ 77 — 4۔ ایضاً

ولذاذۃ۔ یعنی میں نے اسے لذیذ پایا۔ التذذت بہ وتلذذت بہ، دونوں کا معنی ایک ہے یعنی جنت میں وہ کچھ ہوگا جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی تو وہ خوبصورت منظر والا ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: آنکھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے لذت حاصل کریں گی جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: أسألك لذة النظر إلى وجهك۔

وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ باقی رہیں گے، ہمیشہ رہیں گے کیونکہ یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو یہ رنج دیتا ہے۔

وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

"اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔

وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ انہیں یہ بات کہی جائے گی یہ وہ جنت ہے جس کی صفت دنیا میں تمہارے لیے بیان کی جاتی تھی۔ ابن خالویہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف اشارہ تلك سے اور جہنم کی طرف ھذہ سے کیا ہے تاکہ جہنم سے ڈرائے اور اسم اشارہ قریب کے ساتھ اشارہ کر کے اس کو مؤکد ذکر کیا اسم اشارہ قریب کے ساتھ اسے یوں بیان کر دیا گیا جس طرح وہ چیز حاضر ہو جس کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کے لیے جنت اور دوزخ پیدا کی ہے۔ کافر مسلمان کی جہنم کا وارث بنے گا اور مسلم کافر کی جنت کا وارث بنے گا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (المومنون) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور سورۃ الاعراف میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝

"تمہارے لیے بکثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے)"۔

فَاكِهَةٌ کا لفظ معروف ہے اس کی جمع فواکہ ہے فاکھانی اسے کہتے ہیں جو پھل بیچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تمام پھل ہیں تر بھی اور خشک بھی، یعنی جنت میں کھانے اور پینے کے علاوہ کثیر پھل جن کو جنتی کھائیں گے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ۝ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ۝

"بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ہلکا کیا جائیگا ان سے عذاب (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس توڑے بیٹھیں ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے والے تھے"۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝ جب اہل جنت کے احوال کا ذکر کیا تو اہل جہنم کے احوال کا ذکر کیا تاکہ اطاعت شعار کی نافرمان پر فضیلت کو بیان کرے۔ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ ان سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ۝ وہ رحمت سے مایوس ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہونگے سکوت کا معنی ناامیدی ہے۔ سورۂ انعام

میں یہ بحث گذر چکی ہے وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ہم نے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر شرک کا ارتکاب کر کے ظلم کرنے والے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الظالمون کو مرفوع پڑھا جائے یہ مبتدا اور خبر ہو اور جملہ کان کی خبر ہو۔

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝

''اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ جلتے رہنا ہے''۔

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ مالک جہنم کا خازن ہے اپنے غضب کے اظہار کے لیے اسے پیدا کیا جب وہ جہنم کو جھڑکے گا تو اس کا بعض بعض کو کھا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے یوں قراءت بیان کی ہے ونادوا یامال یہ مصحف کے خلاف ہے۔ حضرت ابودرداء اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ونادوا یامال قراءت کی یعنی خاص طور پر لام کے ساتھ، یعنی اسم میں ترخیم کا قاعدہ جاری کیا اور کاف کو حذف کر دیا۔ ترخیم کا معنی حذف ہے اسی سے ندا میں اسم میں ترخیم ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے آخر سے ایک یا زیادہ حرف حذف کر دیے جائیں تو مالک میں کہے گا: یامال۔ حارث میں کہے گا: یاحار فاطمہ میں کہے گا: یافاطم، عائشہ میں کہے گا: یاعائش، مروان میں کہے گا: یامرو اسی طرح باقی کے اندر بھی یہی صورتحال ہوگی۔ کئی اشعار میں اسی طرح آیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ای فُلُ اور هلمّ موجود ہے اسم مرخم کے آخر میں تیرے لیے دو صورتیں موجود ہیں (1) حذف سے پہلے آخری حرف کی جو حالت تھی اس پر اسے باقی رکھے (2) اسے مبنی بر ضمہ بنا دے جس طرح یازید گویا تو نے اسے کامل اسم کے قائم مقام رکھا ہے اور اس میں حذف کی رعایت نہیں کی۔ ابو بکر انباری نے ذکر کیا کہا محمد بن مروزی، محمد سے جو ابن سعدان ہے وہ حجاج سے وہ شعبہ سے وہ حکم بن عیینہ سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں: کہا ہم نہیں جانتے تھے کہ زخرف کیا ہے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ کی قراءت میں بیت من ذھب کے الفاظ پائے اور ہم وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور يٰمٰلِكُ کے بارے میں نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں پایا یامال یعنی ترخیم کے طریقہ پر پایا۔ ابوبکر نے کہا اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا کیونکہ اس کی سند مقطوع ہے اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مقبول نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس امر کی زیادہ حقدار ہے کہ اس میں احتیاط کی جائے اور باطل کی اس سے نفی کی جائے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں صفوان بن یعلی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر پڑھتے ہوئے سنا: وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی کاف کو ثابت رکھا (1)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے یا میرے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنمیوں نے خزان سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ (غافر) تو ان کی عرضداشت رد کر دی گئی اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (غافر) جب وہ خازنوں سے مایوس

1۔ صحیح بخاری، باب قولہ ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک سورۃ حم زخرف، جلد 2، صفحہ 713

ہو چکے تو انہوں نے مالک کو ندا کی وہ ان پر سردار تھا اور اس کی مجلس خازنوں کے وسط میں ہے اور پل ہیں جن کے اوپر عذاب کے فرشتے گذرتے ہیں وہ جہنم کے بعید ترین حصہ کو یوں ہی دیکھتا ہے جس طرح اس کے قریب ترین حصہ کو دیکھتا ہے ان جہنمیوں نے عرض کی: یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ انہوں نے موت کا سوال کیا کہا مالک ان سے خاموش رہے گا انہیں اسی سال تک کوئی جواب نہ دے گا کہا: سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا مہینہ تیس دن کا ہوگا اور دن ان ہزار سالوں کے برابر ہوگا جسے تم شمار کرتے ہو پھر اسی (80) سال کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوگا اور کہے گا: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ۝ اور حدیث کا ذکر کیا۔ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو درداء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ''وہ کہیں گے مالک کو بلاؤ وہ عرض کریں گے: اے مالک! تمہارا رب ہمیں موت ہی عطا کر دے تو اس نے جواب دیا تم اسی طرح رہو گے (1)'' اعمش نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا ہے ان کے بلانے اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ عرض کریں گے تو مالک ایک ہزار سال تک انہیں جواب نہیں دے گا پھر وہ کہے گا: تم ہمیشہ اسی طرح رہو گے (2)۔ مجاہد اور نوف بکالی نے کہا: ان کی ندا اور اس کے جواب کے درمیان سو سال کا عرصہ ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: چالیس سال کا عرصہ ہوگا؛ یہ ابن مبارک نے ذکر کیا۔

## لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝۷۸

''بے شک ہم لے آئے تمہارے پاس دین حق لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے''۔

یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مالک کا قول ہے یعنی تم جہنم میں ہی رہو گے کیونکہ دنیا میں تمہارے پاس حق لائے تو تم نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ آج ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام ہو یعنی ہم نے تمہارے لیے دلائل کو واضح کیا اور تمہاری جانب رسول بھیجے وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں اکثر کل کے معنی میں ہے یہاں کثرت سے مراد رؤساء اور قائدین ہیں جہاں تک پیروکاروں کا تعلق ہے تو ان کا کوئی اثر نہ ہوگا لِلْحَقِّ اسلام کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو كٰرِهُوْنَ ناپسند کرتے تھے۔

## اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ۝۷۹

''اور اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں''۔

مقاتل نے کہا: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی جب کفار نے دار الندوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تدبیر کی جب ان کا مشورہ اس بات پر اختتام کو پہنچا جو ابو جہل نے رائے پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی سامنے آئے تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل میں شریک ہو تو اس طرح قصاص کا مطالبہ کمزور ہو جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان سب

1۔ جامع ترمذی، باب صفۃ الجہنم، ما جاء فی صفۃ طعام اہل النار، جلد 2، صفحہ 82

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 239

سرداروں کو بدر کے واقعہ میں قتل کر دیا اَبۡرَمُوۡۤا کا معنی ہے انہوں نے پختہ فیصلہ کر لیا(1)۔ ابرام کا معنی پختہ کرنا ہے ابرمت الشئ میں نے اسے پختہ کیا۔ ابرام الفتال، جب اسے بانٹنے والا اچھی طرح بانٹے اس سے مراد دوسری دفعہ باٹنا ہوتا ہے پہلے کو سحیل کہتے ہیں جس طرح من سحیل و مبرم ہے آیت کا معنی ہے انہوں نے تدبیر کو پختہ کیا(2) ہم بھی ان کے لیے تدبیر کو پختہ کرنے والے ہیں، یہ ابن زید، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے یا انہوں نے تکذیب پر اتفاق کر لیا تو ہم دوبارہ اٹھانے کے ساتھ جزا پر پختہ عزم کیے ہوئے ہیں۔ کلبی نے کہا: یا انہوں نے معاملہ کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی ان کے خلاف عذاب کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ امر، بل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا کا عطف اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحقیق ہم تمہارے پاس حق لائے تو تم نے نہ سنا یا سنا تو سہی مگر اعراض کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں ایسے امر کا فیصلہ کر لیا تھا جس کے ذریعے وہ عقاب سے امن میں ہو جاتے۔

اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ‌ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾

"کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشی کو؟ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں"۔

اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ یعنی جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور باہم سرگوشیاں کر رہے ہیں بَلٰى کیوں نہیں ہم سنتے اور جانتے ہیں وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾ ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت ان تین افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو بیت اللہ شریف اور اس کے پردوں کے درمیان تھے(3) ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب تم بلند آواز سے باتیں کرو تو وہ سنتا ہے اور جب تم رازداری سے باتیں کرو تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ تمہاری اعلانیہ گفتگو سنتا ہے تو پھر جب تم رازداری سے بات کرو تب بھی سنتا ہے؛ یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ سورۂ فصلت میں یہی چیز حضرت ابن مسعود کی روایت میں گذر چکی ہے۔

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ‌ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۸۳﴾

"آپ فرمائیے: (بفرض محال) اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار اور عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ پس (اے حبیب) آپ رہنے دیں انہیں کہ بے ہودہ باتیں بناتے رہیں اور کھیل تماشہ کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 240 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 65 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 241

کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سدی نے یہ کہا: معنی ہے، رحمن کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہاں ان، ما کے معنی میں ہے۔ اس اعتبار سے کلام مکمل ہو گی پھر تو نئے سرے سے کلام شروع کرے گا فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ میں اہل مکہ میں سے پہلا موحد ہوں کیونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں۔ الْعٰبِدِيْنَ پر وقف تام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! کہہ دو اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں ان میں سے سب سے پہلا ہوتا جو اس کی عبادت کرتا، لیکن یہ امر محال ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو یہ اسی طرح ہے جس طرح تو اسے کہتا ہے جس سے تو مناظرہ کرتا ہے: جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ دلیل سے ثابت ہو گیا تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اس کا اعتقاد رکھے گا۔ یہ امر کو بعید جاننے میں مبالغہ کا اظہار ہے یعنی اس کے اعتقاد کی کوئی صورت نہیں یہ کلام میں نرمی کرنا ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: وَ اِنَّاۤ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (سبا) اس تعبیر میں یہ معنی ہوگا میں اس بچے کا سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ کیونکہ بچے کی تعظیم اس کے والد کی تعظیم ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اگر رحمن کا بچہ ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا کیونکہ اس کا کوئی بچہ نہیں۔ سدی نے یہ بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں پہلا وہ شخص ہوتا جو اس کی عبادت کرتا اس وجہ سے کہ اس کا بیٹا ہے لیکن یہ مناسب نہیں۔ مہدوی نے کہا: ان تمام اقوال کی بنا پر شرط کے لیے ہے یہ سب سے مناسب ہے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ یہ جس کلام کے ساتھ متصل ہو اس بارے میں وہم ہوتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں یہ متحقق نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ الْعٰبِدِيْنَ، الآنفین کے معنی میں ہے، میں ناپسند کرنے والوں میں سے پہلا ہوتا۔ بعض علماء نے کہا: اگر معنی یہ ہے تو قراءت یوں ہوگی العبدین ابو عبد الرحمن اور یمانی نے اسی طرح قراءت کی ہے فانا اول العبدین یوں باب ذکر کیا جاتا ہے عبد یعبد عبدا جب وہ ناپسند کرلے اور غضبناک ہو اس سے اسم فاعل عَبِدٌ آئے گا۔ اسم عبد ہ، انفہ کی طرح ہے؛ یہ ابو زید سے مروی ہے۔ فرزدق نے کہا:

أولئك أحلاسي فجئني بمثلهم    واعْبَدُ أن أهْجُو كُلَيْبًا بدارِمِ

وہ میرے ساتھی ہیں میرے پاس ان کی مثل لے آؤ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے مقابلہ میں کلیب کی ہجو کرو۔ وہ یہ شعر بھی کہتا ہے:

أولئك ناس إن هَجَوْنِي هجوتهم    وأَعْبَدُ أن يهجى كُلَيْبٌ بدارِمِ

وہ ایسے لوگ ہیں اگر وہ میری ہجو کریں تو میں ان کی ہجو کروں گا۔ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے بدلہ میں کلیب کی ہجو کی جائے۔

جوہری نے کہا: ابو عمرو نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ میں عابدین کا معنی ناپسند کرنا اور ناراض ہونا ہے(1)؛ یہ نسائی اور قتبی کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے ان دونوں سے روایت کیا۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاَنَا اَوَّلُ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 241

الْعٰبِدِیْنَ۔ یہ عَبِدَ یَعْبَدَ سے مشتق ہے یعنی ناپسند کرنے والوں میں سے میں پہلا ہوں گا۔ ابن عرفہ نے کہا: عبد یعبد کا اسم فاعل عَبِد آتا ہے بہت ہی کم اسے عابد کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم لغت میں قلیل استعمال ہونے والے اور شاذ استعمال ہونے والے مادہ کو ذکر نہیں کرتا بلکہ معنی ہے میں وہ پہلا شخص ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا کہ وہ واحد ہے اس کی کوئی اولاد نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند کے حرم میں داخل ہوئی اس عورت نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا اس کا ذکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو آپ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (احقاف: 15) ایک اور آیت میں فرمایا: وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (لقمان: 14) اللہ کی قسم! حضرت عثمان نے کوئی ناپسند نہ کیا کہ اس امر کی طرف لوٹیں (1)۔ عبد اللہ بن وہب نے کہا: معنی ہے انہوں نے اسے ناپسند نہ کیا۔ ابن اعرابی نے کہا: فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ کا معنی ہے میں سب سے پہلا غضبناک ہونے والوں اور ناپسند کرنے والوں میں سے ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے میں تمہارے برعکس سب سے پہلا شخص ہوتا جو اس کی وحدانیت پر اس کی عبادت کرتا۔ ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوتا۔ اور یہ حکایت کی عبدنی حقی۔ اس نے میرے حق کا انکار کیا۔ اہل کوفہ نے عاصم کے علاوہ وُلد پڑھا ہے باقی قراء اور عاصم نے وَلد پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے: سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ اللہ تعالیٰ نے ہر اس امر سے اپنی پاکی بیان کی ہے جو حادث ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ کلام بھی تقدیس و تنزیہ کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا ان تمام چیزوں سے جو وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا مراد کفار مکہ ہیں جب انہوں نے عذاب آخرت کو جھٹلایا یعنی وہ اپنے باطل میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں اور اپنی دنیا میں کھیلتے رہیں۔

حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ یا تو اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے یا آخرت کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم جہاد والی آیت سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت محکم ہے اسے دھمکی دینے کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے۔ ابن محیصن، مجاہد، حمید، ابن قعقاع اور ابن سمیقع نے اسے حَتّٰی یَلْقُوْا پڑھا ہے (2) یعنی الف نہیں، یہاں، سورۂ طور اور سورۂ معارج میں قاف کو فتحہ دیا ہے جبکہ باقی قراء نے یلاقوا پڑھا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾

''اور وہی ایک، آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے''۔

ان کو جھٹلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی آسمان و زمین میں مستحق عبادت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے کہا: معنی ہے وہی ذات آسمان اور زمین میں معبود ہے یعنی دونوں میں اسی کی عبادت کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 65
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 66

جاتی ہے۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ نے یوں قراءت کی ہے وھو الذی فی السماء اللہ وفی الأرض اللہ یہ مصحف کے خلاف ہے (1) اللّٰہ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ذات جو آسمان میں ہے وہ معبود ہے؛ یہ ابو علی کا قول ہے۔ کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے ضمیر کا حذف کرنا اچھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی، علی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ: 71) اس میں فی علی کے معنی میں ہے یعنی وہ آسمان اور زمین پر قادر ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۞ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَ تَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞

”اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے“۔

تَبٰرَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اس کے قیام کا وقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ابن کثیر، حمزہ اور نسائی نے اسے والیہ یرجعون پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا۔ ابن محیصن، حمید، یعقوب اور ابن ابی اسحاق اپنے اصول کے مطابق علامت مضارع کو فتحہ اور باقی ضمہ دیتے ہیں۔

وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞

”اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا، ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں“۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ من محل جر میں ہے الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یعنی یہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے مگر اس کے حق میں جو حق کی گواہی دے اور علم و بصیرت پر ایمان لائے؛ یہ سعید بن جبیر اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ کہا: حق کی شہادت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: من محل رفع میں ہے، یعنی جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ مراد معبودان باطلہ ہیں۔ قتادہ کے قول میں ہے: معبود اپنے عبادت گذاروں کے حق میں شفاعت نہیں کر سکتے مگر وہ معبود جو حق کی گواہی دیں جیسے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کیونکہ وہ حق اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں (2)۔ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ جو انہوں نے گواہی دی اس کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ نضر بن حارث اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اگر (حضرت) محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے تو ہم تو فرشتوں کے دوست ہوئے وہ فرشتے اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 66 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 67

کی بجائے ہمارے حق میں شفاعت کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یعنی وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ملائکہ، بت، جن یا شیاطین ان کے حق میں شفاعت کریں گے، قیامت کے روز کسی کے حق میں کوئی شفاعت نہیں۔

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ یعنی مومنوں کے حق میں شفاعت کریں گے جب انہیں اجازت دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے کیا مراد ہے یعنی وہ یہ گواہی دے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر یہ عبادت کرنے والے اس کے حق دار نہیں کہ کوئی ان کی شفاعت کرے مگر جو حق کی گواہی دے کیونکہ جو حق کی گواہی دے گا اس کے حق میں شفاعت کی جائے گی اور مشرک کے حق میں شفاعت نہیں کی جائے گی۔ الا یہ لیکن کے معنی میں ہے۔ مشرک شفاعت نہیں پائیں گے مگر شفاعت وہ پائے گا جو حق کی گواہی دے گا۔ پس یہ استثناء منقطع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو، کیونکہ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ میں ملائکہ بھی شامل ہیں یوں کہا جاتا ہے: شفعته، شفعت له، جس طرح کلته، کلت له۔ سورۂ بقرہ میں شفاعت کا معنی اور اس کا اشتقاق گذر چکا ہے تو اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے مراد ہے جس کے حق میں فرشتے گواہی دیں کہ وہ دنیا میں حق پر تھا جبکہ وہ اس بارے میں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی ہے یا انہوں نے اسے ایمان کی حالت میں دیکھا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ یہ کلام دو معنوں پر دلالت کرتی ہے: (1) حق کے بارے میں سفارش نفع نہیں دیتی مگر جب علم ہو اور تقلید بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک مقالہ کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو۔ (2) حقوق اور دوسرے امور میں تمام شہادات کے لیے شرط یہ ہے کہ شاہد اس کے بارے میں آگاہ ہو، اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: إذا رأیت مثل الشمس فاشهد وإلا فدع (1) جب تو سورج کی طرح کسی امر کو دیکھے تو گواہی دے بصورت دیگر اسے چھوڑ دے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے: اللہ نے، پھر کدھر یہ الٹے پھر رہے ہیں''۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ وہ ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ کیسے اس کی عبادت سے پلٹتے ہیں اور اس سے پھرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اس کے ساتھ اوروں کو شریک کر لیا، وہ محض ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کی امید رکھتے ہیں۔ اَفَكَ يَاْفِكُ اَفْكًا اسے الٹ دیا اور اسے کسی چیز سے پھیر دیا، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (احقاف: 22) ایک قول یہ کیا گیا: اگر آپ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں کس نے انہیں پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے۔ فَاَنّٰى

1۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 3، صفحہ 388

یُؤْفَکُوْنَ ﴿۸۷﴾ تو یہ لوگ جو انہیں معبود قرار دیتے ہیں اس میں کہاں بھٹک رہے ہیں۔

وَ قِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

”اور قسم ہے میرے رسول کے اس قول کی اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے“۔

قِیْلِهٖ میں تین قراءتیں ہیں: نصب، جر اور رفع (1)۔ جہاں تک جر کا تعلق ہے یہ عاصم اور حمزہ کی قراءت ہے جس نے اسے جر دی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوئی وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وعلم قیله جس نے اسے نصب دی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی وعندہ علم الساعة ویعلم قیله یہ زجاج کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے فراء اور اخفش نے کہا یہ جائز ہے کہ قِیْلِهٖ کا عطف انا لانسمع سرھم و نجواھم پر ہو۔ ابن انباری نے کہا: میں نے ابو العباس محمد بن یزید مبرد سے پوچھا قیل کو تو کس چیز کے ساتھ نصب دیتا ہے؟ کہا: میں اسے ہوئی وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ و یعلم قیله کے ساتھ نصب دیتا ہوں۔ اس توجیہہ کی صورت میں تُرْجَعُوْنَ اور یَعْلَمُوْنَ پر عطف اچھا نہیں اور یَكْتُبُوْنَ پر عطف اچھا ہوگا۔ فراء اور اخفش نے قیل کو اس معنی کی بناء پر نصب دی۔ لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وقیله جس طرح ہم نے ان سے ذکر کیا ہے۔ اس توجیہہ کی بنا پر یَكْتُبُوْنَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ فراء اور اخفش نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت میں نصب دی جائے۔ گویا یوں کلام کی: وقال قیله و شکا شکواہ إلی اللہ عزوجل۔ جس طرح کعب بن زہیر نے کہا:

تمشی الوُشاۃُ جَنابَیها وقِیلَهُمُ إنك یابْنَ أبی سُلْمَی لَمَقتُولُ

چغل خور اس کی دونوں جانب چلتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے: اے ابن ابی سلمی! تو مقتول ہے۔

شاعر نے یہ ارادہ کیا ہے ویقولون قیلم۔ جس نے قیلہ کو رفع دیا ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی وعندہ قیله یا قیله مسموع یا قیله هذا القول۔ زمخشری نے کہا: جو انہوں نے کہا یہ معنی کے اعتبار سے قوی نہیں ساتھ ہی ساتھ معطوف اور معطوف علیہ میں فاصلہ ہے جبکہ یہ جملہ معترضہ بھی نہیں بن سکتا اور نظم میں تنافر پایا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ قوی اور مناسب یہ ہے کہ جر اور نصب حرف قسم کے اضمار اور حذف کی بنا پر ہو۔ اور رفع ان کے اس قول کی بنا پر ہو أیمن الله، أمانة الله، یمین الله، لعمرك۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ جواب قسم ہوگا۔ گویا فرمایا: وأقسم بقیله یارب یا قیله یا رب قسمی ان هولاء قوم لایؤمنون۔ ابن انباری نے کہا: عربی زبان میں وقیله رفع کے ساتھ بھی جائز ہے اس شرط پر کہ تو اسے اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ کے ساتھ رفع دے۔ مہدوی نے کہا: یا تقدیر کلام یہ ہے وقیله قیله یا رب۔ دوسرے قیله کو حذف کر دیا گیا جو خبر ہے اور یا رب کا محل خبر مضمر کی وجہ سے نصب ہے یہ ممتنع نہیں جبکہ موصول کے بعض کو حذف کرنا اور بعض کو باقی رکھنا ممتنع ہے کیونکہ قول کا حذف بہت زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مذکور کے حکم میں ہوگیا ہے۔ قیله میں ھا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 242

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے جبکہ آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ۔ ابو قلابہ نے پڑھا یا رب، قیل، قول کی طرح مصدر ہے اسی معنی میں حدیث ہے نهی عن قيل و قال، قیل و قال سے منع کیا۔ یوں بھی جملہ کہا جاتا ہے: قلت قوله و قيلا و قالا سورۂ نساء میں موجود ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

”پس (اے حبیب) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمایئے: تم سلامت رہو وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے“۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا پھر ان کو قتل کرنے کا حکم کیا پس صفح کا حکم تلوار والے حکم کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے وَقُلْ سَلٰمٌ یعنی انہیں اچھی بات کہیں یعنی مکہ کے مشرکوں کو کہو فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ پھر اسے سورۂ براءۃ میں منسوخ کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (آیت: 5) ایک قول یہ کہ گیا ہے: یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں عام قراءت فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے نبی کو دھمکی کی خبر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے تعلمون پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مشرکین کو دھمکی کا خطاب ہے۔ سَلٰمٌ یہ علیکم کے مضمر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے؛ یہ فراء کا قول ہے اس کا معنی ہے انہیں لفظ سلام کہہ کر الوداع کر دیں یہ ان کے لیے سلام نہیں یہ نقاش نے بیان کیا ہے؛ شعیب بن حجاب نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس ذریعے یہ پہچانا کہ انہیں سلام کیسے کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

# سورۃ الدخان

آیاتہا ۵۹ ۴۴ سورۃ الدخان مکیۃ ۶۴ رکوعاتہا ۳

علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر یہ آیت اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا یہ ستاون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انسٹھ آیات ہیں۔ مسند دارمی میں حضرت ابو رافع سے مروی ہے جس نے جمعہ کی رات سورۃ الدخان پڑھی وہ صبح بخشے ہوئے کرے گا اور حور عین سے اس کی شادی کردی جائے گی۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ کے واسطہ سے اسے مرفوع نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے جمعہ کی شب سورۂ دخان پڑھی تو وہ صبح بخشے ہوئے کرے گا''۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ نے یہ الفاظ نقل کیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے رات کے وقت سورۂ دخان پڑھی تو وہ صبح یوں کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں بخشش طلب کررہے ہوں گے (1)''۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن سورۂ دخان پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا'' (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۞

''حا۔میم۔حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم بے شک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبردار کردیا کرتے ہیں''۔

اگر تو میم کو جواب قسم بنائے تو کلام الْمُبِیْنِ پر مکمل ہوجائے گی پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے گا اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ اگر تو اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ کو اس قسم کا جواب بنائے جو قسم الْكِتٰبِ ہے تو تو مُنْذِرِیْنَ پر وقف کرے گا اور فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۞ سے نئی کلام شروع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ ہے۔ بعض نحویوں نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ مقسم بمعنی صفت ہے تو مقسم بہ کی صفت جواب قسم نہ ہوگی اور اَنْزَلْنٰهُ ھاء قرآن کے لیے ہے۔ جس نے کہا: باقی کتابوں کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ میں ضمیر سے مراد غیر قرآن ہے جس کا بیان سورۂ احزاب کی ابتدائی حصہ میں ہوچکا ہے لیلۃ۔ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اس سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے (3)۔ اس کے چار نام ہیں 1۔ لیلۃ مبارکہ، 2۔ لیلۃ البراءۃ، 3۔ لیلۃ الصک، 4۔ لیلۃ القدر (4)۔ اس کی صفت برکت سے لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکات، خیرات اور ثواب اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی حم الدخان، جلد 2، صفحہ 112

2۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 581، حدیث نمبر 2634 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 244 4۔ ایضاً

قتادہ نے حضرت واثلہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صحف ابراہیم رمضان شریف کی پہلی رات میں نازل کیے گئے۔ تورات نازل ہوئی جبکہ رمضان شریف کے چھ دن گذر چکے تھے۔ زبور اس وقت نازل ہوئی جب رمضان شریف کے بارہ دن گذر چکے تھے۔ انجیل اس وقت نازل ہوئی جب رمضان کے اٹھارہ دن گذر چکے تھے اور قرآن حکیم اس وقت نازل ہوا جب رمضان کے چوبیس دن گذر چکے تھے''۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے کہ پھر قرآن اس رات کو آسمان دنیا پر نازل ہوا پھر تھوڑا تھوڑا باقی دنوں میں اسباب کے موافق نازل ہوتا رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہر لیلۃ القدر کو اتنا نازل ہوتا جتنا پورے سال میں نازل ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے نزول کا آغاز اس رات میں ہوا۔ عکرمہ نے کہا: لیلۃ مبارکہ سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے (1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ (القدر) قتادہ اور ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن لیلۃ القدر میں ام الکتاب سے بیت العزۃ کی طرف جو آسمان دنیا میں ہے نازل کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی ﷺ پر راتوں اور دنوں میں تیئس سالوں میں نازل کیا۔ یہ بحث سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ (185) میں گذر چکی ہے۔ ان شاء اللہ ابھی یہ بحث آئے گی۔

فِیۡهَا یُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِیۡمٍ ۝

''اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ دنیا کے امور کا اگلی لیلۃ القدر تک فیصلہ فرما دیتا ہے وہ چیز زندگی سے متعلق ہو، موت سے متعلق ہو یا رزق سے متعلق ہو (2)؛ یہ قتادہ، مجاہد، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر بدبختی اور سعادت مندی، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تبدیل نہیں ہوتیں؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے (3)۔ مہدوی نے کہا: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو کچھ اس سال میں ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ شعبان کی نصف کی رات ہے جس میں سال بھر کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مردوں سے زندوں کو لکھ لیا جاتا ہے حاجیوں کے کام لکھ لیے جاتے ہیں، اس میں نہ کسی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس میں سے کوئی فرد کم کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان بن مغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کے مرنے والوں کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے، اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کا نام مردوں میں شامل ہو چکا ہوتا ہے'' (4)۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے ''جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس کی رات میں قیام کیا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب شمس کے ساتھ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے ارشاد فرماتا ہے: کیا کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں کیا کوئی مصیبت کا شکار ہے کہ میں اس کی مصیبت کو دور کروں کیا کوئی رزق طلب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 245 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 694، حدیث نمبر 42780

کرنے والا ہے کہ میں اسے رزق دوں کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے؟ یہاں تک کہ فجر صادق طلوع ہو جاتی ہے"(1)۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس کی ہم معنی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے تو بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ افراد کو بخشش دیتا ہے"(2)۔ اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے ابو عیسیٰ نے کہا: حضرت عائشہ سے مروی حدیث ہم صرف حجاج بن ارطاہ سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مرفوع جانتے ہیں میں نے محمد کو سنا وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے کہا: یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن ارطاہ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت نہیں سنی۔ میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ کی طویل حدیث صاحب کتاب العروس نے ذکر کی ہے اور اس کو اختیار کیا ہے کہ وہ رات جس میں ہر عظیم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے وہ شعبان کی نصف رات ہے اسے لیلۃ البراءۃ کہتے ہیں ہم نے اس کا قول اور اس کا رد کسی اور موقع پر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہے جس طرح ہم نے وضاحت کی ہے۔

حماد بن سلمہ، ربیعہ بن کلثوم سے روایت نقل کرتے ہیں: ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے پوچھا جب کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا: اے ابا سعید! بتایئے کیا لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوا کرتی ہے؟ فرمایا: ہاں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر رمضان میں ہوتی ہے یہ وہی رات ہے جس میں ہر عظیم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ ہر مخلوق، موت، رزق اور عمل کا اس کی مثل تک فیصلہ فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: لیلۃ القدر کو ام الکتاب میں سے جو کچھ لکھا جاتا ہے جو کچھ سال میں ہوا ہوتا ہے وہ موت ہو زندگی ہو رزق ہو اور بارش ہوحتی کہ حج (3)۔ یہ کہا جاتا ہے: فلاں حج کرے گا فلاں حج کرے گا اور اس آیت کے بارے میں فرمایا: تو ایک آدمی کو بازاروں میں چلتا ہوا دیکھے گا جب کہ اس کا نام مردوں میں لکھا جا چکا ہوگا۔ یہ وضاحت اس طبقہ کو پختہ کرنے کے لئے ہے یہ ان فرشتوں کے لئے ہے جو اسباب خلق پر معین ہیں۔ ہم نے اس کی وضاحت ابھی کی ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: جمہور علماء نے کہا اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: وہ نصف شعبان کی رات ہے (4)۔ یہ قول باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ: 185) اس امر پر وضاحت کی کہ نزول کا وقت رمضان ہے پھر یہاں اس کا زمانہ رات کو معین کیا ارشاد فرمایا فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ جس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ رمضان شریف کے علاوہ میں ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر عظیم بہتان بنایا ہے نصف شعبان کی رات کے متعلق کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے نہ تو اس کی فضیلت میں کوئی حدیث ہے اور نہ

---

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ، ماجاء فی لیلۃ نصف من شعبان، صفحہ 100۔ ایضاً حدیث نمبر 1377، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ، ماجاء فی لیلۃ نصف من شعبان، صفحہ 100۔ ایضاً حدیث نمبر 1378، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 245

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 246

ہی اوقات کے منسوخ کرنے کے بارے میں کوئی حدیث ہے تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔

زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے لیلۃ برائۃ میں لوح محفوظ سے لکھنے کا عمل شروع ہوگا اور لیلۃ القدر میں اس سے فراغت ہوگی (1)۔ رزقوں کا نسخہ حضرت میکائیل کے حوالے کیا جائے گا حروب کا نسخہ حضرت جبریل کے حوالے کیا جائے گا اور اسی طرح زلزلوں صاعقوں اور دھنسانے کا معاملہ سپرد ہوگا اعمال کا نسخہ حضرت اسماعیل جو آسمان دنیا کے ذمہ دار ہیں ان کے سپرد ہوگا جو عظیم فرشتہ ہے۔ مصائب والا نسخہ (مسودہ) ملک الموت کے حوالے کیا جائے گا۔ بعض سے یہ مروی ہے: ہر عامل کو اس کے اعمال کی برکات عطا کی جائیں گی مخلوق کی زبانوں پر اس کی مدح ڈال دی جائے گی اور ان کے دلوں پر ہیبت ڈال دی جائے گی۔ اسے یُفرِّق اور یَفرُق بھی پڑھا گیا ہے ہر ایک میں صیغہ معروف ہوتا ہے اور کل کو نصب دی جائے گی جدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نَفرُق پڑھا ہے۔

كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ یہ امر حکمت والا ہے ہر عمل کرنے والا ہے حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

”ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے ہم ہی (کتاب و رسول بھیجنے والے ہیں سراپا رحمت آپ کے رب کی طرف سے، بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے“۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا نقاش نے کہا: امر سے مراد قرآن ہے، اللہ تعالیٰ نے جسے اپنی جناب سے نازل کیا ہے (2)۔ ابن عیسیٰ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے احوال میں سے فیصلہ کیا ہوگا۔ یہ مصدر ہے اور حال کے محل میں ہے۔ اسی طرح رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ہے اخفش کے نزدیک دونوں حال ہیں ان کی تقدیر ہے انزلناہ آمرین بہ و راحمین۔ مبرد نے کہا: اَمْرًا مصدر کے محل میں ہے تقدیر کلام ہے اَنزلناہ اِنزالا فراء اور زجاج نے کہا: اَمْرًا، يُفْرَقُ کی وجہ سے منصوب ہے۔ جس طرح تیرا قول ہے: یُفرق فرقا پس امر، فرق کے معنی میں ہوگا یہ مصدر ہے جس طرح تیرا قول یضرب ضربا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُفْرَقُ، یو مر پر دلالت کرتا ہے یہ اس عمل کا مصدر ہے جو اس سے قبل ہے۔ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ فراء نے کہا رَحْمَةً، مُرْسِلِيْنَ کا مفعول بہ ہے۔ رحمۃ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ زجاج نے کہا: رحمۃ مفعول بہ ہے تقدیر کلام ہے ارسلناہ للرحمۃ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے۔ زمخشری نے کہا: اَمْرًا اختصاص کے طور پر منصوب ہے۔ ہر امر کو عظیم بنایا کہ اس کی صفت حکیم سے بنائی پھر اس کی عظمت میں اضافہ کیا اور فخامت عطا کی کہ یہ کہا اس امر سے میری مراد یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جو ہماری جناب سے حاصل ہے، یعنی ہماری جناب سے واقع ہوگا اور جس طرح ہمارے علم اور ہماری تدبیر نے تقاضا کیا۔ زید بن علی کی قراءت میں ہے امر من عندنا تقدیر کلام یہ ہوگی ھو امر یہ اس کے اختصاص کی بنا پر منصوب ہونے پر دال ہے۔ حضرت حسن بصری نے رحمۃ پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ھی رحمۃ یہ اس کے مفعول لہ کے طور پر منصوب ہونے کی مددگار ہے۔

---

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 271 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 246

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝

''وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے، بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں''۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کوفیوں نے رب جر کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ کی طرف لوٹے گا، چاہے تو اس سے کلام کو شروع کرے جز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو، تقدیر کلام ہو ھو رب السموات والارض۔

جر یہ مِّنْ رَّبِّكَ سے بدل ہونے کی وجہ سے ہوگی، اسی طرح رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ دونوں میں جر کی صورت ہوگی؛ شیزری نے نسائی سے یہ روایت نقل کی ہے۔ باقی قراء نے استئناف کے طریقہ پر مرفوع پڑھا ہے۔ پھر یہ احتمال موجود ہے کہ یہ خطاب اس معترف کو ہو جو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے یعنی اگر تم اس کا یقین رکھتے ہو تو جان لو کہ اس کا حق ہے کہ رسولوں کو بھیجے اور کتابوں کو نازل کرے۔

یہ بھی جائز ہے کہ خطاب اس کو ہو جو اس کے خالق ہونے کا اعتراف نہیں کرتا یعنی انہیں چاہیے کہ اس کے خالق ہونے کا اعتراف کریں اور یہ اعتراف کریں کہ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں موقف سے مراد وہ ہے جو یقین کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو طلب کرتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فلان ینجد، وہ نجد کا ارادہ کرتا ہے، فلان یتھم وہ تہامہ کا ارادہ کرتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وہ عالم کا خالق ہے اس لیے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے۔ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یعنی تمہارا مالک ہے اور تم سے پہلوں کا مالک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے سے بچو تا کہ تم پر عذاب نازل نہ ہو بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝ یعنی جس ایمان اور اقرار کا اظہار کرتے ہیں اس میں یقین پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے وہ یہ بات علم کے بغیر اپنے آباء کی تقلید میں کہتے ہیں پس وہ شک میں مبتلا ہیں اگر وہ یہ وہم کرتے ہیں کہ وہ مومن ہیں تو وہ اپنے دین میں اس چیز کے ساتھ کھیلتے ہیں جو ان کے لیے بغیر حجت کے ظاہر ہوگا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ يَلْعَبُوْنَ کا معنی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف استہزاء کے طور پر جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ جو آدمی مواعظ سے اعراض کرتا ہے اسے لاعب کہتے ہیں، وہ اس بچے کی مانند ہوتا ہے جو کھیلتا ہے اور وہ کرتا ہے جس کے انجام سے آگاہ نہیں ہوتا۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''پس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں جو چھا جائے گا لوگوں

پر، یہ دردناک عذاب ہوگا"۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ ارتقب کا معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان کفار کے ساتھ انتظار کریں جس آسمان پر واضح دھواں ہوگا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ان کی بات کو یاد رکھیے تاکہ جس روز آسمان پر واضح دھواں ہوگا اس روز آپ ان پر گواہی دیں، اسی وجہ سے نگہبان کو رقیب کہتے ہیں۔ دخان کے بارے میں تین اقوال ہیں:

1۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے یہ ابھی ظاہر نہیں ہوا یہ زمین میں چالیس روز تک رہے گا جو زمین و آسمان کے درمیانی حصہ کو بھر دے گا۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر زکام ہوتا ہے جہاں تک کافر اور فاجر کا تعلق ہے تو وہ دھواں ان کے ناکوں میں داخل ہوگا اور ان کے کانوں میں سوراخ کر دے گا اور ان کی سانسیں تنگ پڑ جائیں گی۔ قیامت کے روز یہ جہنم کے آثار میں سے ہوگا۔ جس نے کہا: یہ دھواں ابھی ظاہر نہیں ہوا وہ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم، زید بن علی، حضرت حسن بصری، ابن ابی ملیکہ اور دوسرے علماء ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت نقل کی ہے: "وہ ایسا دھواں ہوگا جو قیامت کے روز لوگوں پر سختی سے گردش کر رہا ہوگا (1)۔ مومن اس سے زکام جیسی تکلیف محسوس کرے گا اور کافر پھونکے مارے گا یہاں تک کہ اس کے کانوں سے وہ دھواں نکلے گا" ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابوالطفیل سے وہ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک تشریف لائے جبکہ ہم گفتگو کر رہے تھے۔ پوچھا: "تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ (2)" ہم نے عرض کی: ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا: "قیامت ہرگز برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے قبل دس نشانیاں دیکھو گے اور ان کا ذکر کیا دھواں، دجال، دابہ، مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے اترنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، تین دفعہ دھنسنا، ایک دھنسنا مشرق میں، ایک دھنسنا مغرب میں اور ایک دھنسنا جزیرہ عرب میں ہوگا ان کے آخر میں آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی"۔

ایک روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ دس نشانیاں ظاہر ہوں گی مشرق میں دھنسنا، مغرب میں دھنسنا، جزیرہ عرب میں ایک دفعہ دھنسنا، دھواں، دجال، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج، سورج کا مغرب سے نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی"۔ اسے ثعلبی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان نشانیوں میں سے پہلی نشانی دجال کا نکلنا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم کا نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا (3) جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی جہاں لوگ رات گذاریں گے وہ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 247 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال، صفحہ 472

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 272

آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر جائے گی اور جہاں وہ قیلولہ کریں گے یہ آگ بھی قیلولہ کرے گی، جہاں وہ صبح کریں گے یہ آگ بھی صبح کرے گی، جہاں لوگ شام کریں گے یہ آگ بھی شام کرے گی'' ۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ دھواں کیا ہے؟ تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ جو مغرب و مشرق کو بھر دے گا یہ دھواں چالیس دن اور راتیں رہے گا، جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے زکام جیسی تکلیف لاحق ہوگی، جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ نشے والے آدمی کی حالت کی طرح ہوگا، دھواں اس کے منہ، اس کے نتھوں، اس کی آنکھوں، اس کے کانوں اور اس کی دبر سے نکلے گا'' یہ ایک قول ہے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ دھویں سے مراد وہ بھوک ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قریش کو پہنچی تھی یہاں تک کہ ایک آدمی آسمان اور زمین کے درمیان دھواں دیکھتا؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے اس مصیبت کو دور کر دیا اگر یہ قیامت کے دن ہوتا ان سے اس دھویں کو دور نہ کیا جاتا۔ ان سے یہ حدیث، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی میں موجود ہے۔ امام بخاری نے کہا: یحییٰ، ابو معاویہ سے، وہ اعمش سے وہ مسلم سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا: یہ قحط اس لیے آیا تھا کیونکہ قریش نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خشک سالی کے مسلط ہونے کی دعا کی انہیں قحط اور مشقت نے آلیا یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں ایک آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو وہ اپنے اور آسمان کے درمیان دھویں جیسی چیز کو دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا کہا: لوگ حضرت محمد مصطفیٰ علی التحیۃ والثناء کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی گئی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے مضر کے لیے بارش کو طلب کیجئے کیونکہ وہ تو ہلاک ہوا جاتے ہیں (1)۔ فرمایا: ''مضر کے لیے تو تو بہت جری ہے'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا کی، تو ان پر بارش ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ جب ان کے پاس خوشحالی آتی تو وہ پھر اس حالت کی طرف لوٹ آتے۔ یہ خوشحالی کی حالت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ کہا: اس سے مراد غزوہ بدر ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: دخان کا معنی خشک سال ہے۔ قتبی نے کہا: زمین کے خشک ہونے کی وجہ سے اسے دھواں کا نام دیا جب وہ زمین سے اٹھتی ہے جس طرح دھواں۔

3۔ اس سے مراد فتح مکہ ہے جب غبار نے آسمان کو چھپا دیا؛ یہ عبدالرحمٰن اعرج کا قول ہے۔

يَّغْشَى النَّاسَ یہ دخان کی صفت ہے۔ اگر مراد وہ ہے جو ابھی گذرا ہے جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا تو یہ اہل مکہ کے مشرکوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے تو یہ عام ہے جس طرح پہلے گذرا ہے۔ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں یہ ارشاد فرمائے گا۔ جس نے کہا: دخان (دھواں) گذر چکا ہے تو هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ حال ماضیہ کی حکایت ہے، جس نے اسے آنے والے واقعات میں شمار کیا ہے تو وہ آنے والے حالات کی حکایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هذا یہ ذلك کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ اس دھویں کے بارے میں کہیں گے: یہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قوله يغشى الناس هذا عذاب اليم، جلد 2، صفحہ 714

دردناک عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کے قریب آنے کی خبر ہے جس طرح تو کہتا ہے: هذا الشتاء فاعدله یہ موسم سرما ہے اس کے لیے تیاری کرو۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

"(اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے یہ عذاب ہم (ابھی) ایمان لاتے ہیں"۔

وہ عرض کریں گے: ہم سے عذاب کو دور کر دے ہم ایمان لانے والے ہیں یعنی اگر تو ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: اگر اللہ تعالیٰ ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم اسلام لے آئیں گے پھر انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں عذاب سے مراد دھواں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد بھوک ہے؛ نقاش نے اس کی حکایت بیان کی۔

میں کہتا ہوں: کوئی تناقض نہیں کیونکہ دھواں اس بھوک کی وجہ سے تھا جو انہیں لاحق ہوئی جس طرح یہ بحث گذری ہے بعض اوقات بھوک اور قحط کو بھی دخان کہتے ہیں کیونکہ خشک سالی کی وجہ سے زمین خشک ہوتی ہے اور بارشوں کے کم ہونے کی وجہ سے غبار بلند ہوتا ہے اسی وجہ سے خشک سالی کو غبراء کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہاں عذاب سے مراد برف ہے۔ ماوردی نے کہا: اس کی کوئی توجیہ نہیں کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا یا اہل مکہ کے لیے ہوگا جبکہ مکہ برف باری کا علاقہ نہیں مگر یہ بات کی گئی تو ہم نے اس کا ذکر کر دیا (2)۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾

"ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا: سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے"۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى یعنی ان کے لیے عذاب کے نازل ہونے کے وقت کہاں سے نصیحت ہوگی۔ وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ یعنی ایسا رسول جو ان کے لیے حق کو واضح کرتا ہے۔ ذکریٰ اور ذکرا ایک ہی چیز ہیں؛ یہ امام بخاری کا قول ہے (3)۔ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ یعنی انہوں نے اعراض کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کیا اور آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت حاصل کرنے سے دور کر دیا تو اب وہ کیسے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب کے ظاہر ہونے کے بعد اور قیامت کی نشانیوں کے ظہور کے بعد ان کا قول اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ انہیں کیسے نفع دے گا جبکہ علامات علم بدیہی بن چکی ہیں۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب تو دخان کو ایسی علامت بنائے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ یعنی اسے کسی انسان نے تعلیم دی یا اسے کاہنوں اور شیاطین نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 247 2۔ ایضاً

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ تعالیٰ انی لهم الذکری وقد جاءهم رسول مبین، جلد 2، صفحہ 714

تعلیم دی ہے اس سے بڑھ کر یہ مجنون ہے رسول نہیں ہے۔

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآىِٕدُوْنَ ۝۱۵

''ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو قلیل عرصہ کے لیے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے''۔

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا یعنی وقتا قلیلا۔ وعدہ کیا کہ ان سے وہ عذاب تھوڑے عرصہ کے لیے دور کر لیا جائے گا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والے نہیں، بلکہ اس عذاب کے دور ہونے کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ جائیں گے: یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارش کی دعا کرنے کے بعد عذاب دور ہو گیا تو وہ جھٹلانے والے طریقہ کی طرف لوٹ گئے (1)۔ جس نے یہ کہا تھا: دھویں کا انتظار کیا جا رہا ہے کہا اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں کے درمیان کچھ نہ کچھ سہولت و رخصت ہوگی پھر جس پر کفر کا فیصلہ ہو چکا ہوگا تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے گا۔ جس نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا اگر ہم تم سے عذاب کو دور کر دیں تو تم کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم ہماری طرف لوٹنے والے ہو، یعنی تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم ایمان نہ لائے تو تم جہنم کی آگ کی طرف لوٹنے والے ہو (2)۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝۱۶

''جس روز ہم انہیں شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے''۔

يَوْمَ یہ لفظ اسی پر محمول ہے جس پر مُنْتَقِمُوْنَ ۝ دلالت کرتا ہے یعنی ہم ان سے انتقام لیں گے۔ بعض نحویوں نے اسے بعید از حقیقت خیال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مابعد ماقبل کی تفسیر بیان نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں مُنْتَقِمُوْنَ ہے یہ قول بھی بعید ہے کیونکہ انا اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اسے عَآىِٕدُوْنَ کے متعلق کرنا بھی اچھا نہیں اور اسی طرح اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ کے متعلق کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ معنی کا اس پر انحصار نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے مضمر ہونے کے ساتھ اسے نصب دی جائے گویا فرمایا: ذکرهم یا اذکر۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تم لوٹنے والے ہو۔ جب تم لوٹو گے تو تم سے اس روز انتقام لیا جائے گا جس روز ہم بڑی پکڑ سے پکڑیں گے۔ اس وجہ سے یہ فرعون کے قصہ کے ساتھ کلام ملی ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان سے عذاب دور کر دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے پھر وہ ایمان نہ لائے یہاں تک کہ غرق کر دیئے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآىِٕدُوْنَ ۝ یہ مکمل کلام ہے۔ پھر يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ نئی کلام ہے یعنی ہم تمام کفار سے انتقام لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے دھویں کا انتظار کرو اور ان کا انتظار کرو جس روز ہم پکڑیں گے تو واؤ عطف کو حذف کیا گیا جس طرح تو کہتا ہے: اتق النار اتق العذاب۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 247 2۔ ایضاً

اَلْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول میں اس سے مراد یوم بدر ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا: قیامت کے روز عذاب جہنم مراد ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے؛ اسے زجاج نے پسند کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ دھواں ہے جو دنیا میں واقع ہوگا یا بھوک یا قحط جو قیامت سے پہلے واقع ہوگی۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا ہے کیونکہ دنیا میں یہ پکڑوں میں سے آخری پکڑ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نقمہ اور عقبہ میں فرق ہے عقوبت، معصیت کے بعد ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی عاقبہ میں سے ہے نقمہ بعض اوقات پہلے ہوا کرتی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقوبت اسے کہتے ہیں جو اندازہ سے ہو اور انتقام جو اندازہ سے نہیں ہوتا۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۷﴾

"اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول"۔

یعنی ہم نے انہیں آزمایا (3)۔ اس فتنہ اور ابتلا کا معنی ہے طاعت کا امر، یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کر کے ممتحن کا سا معاملہ کیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم تیرے دشمنوں کے ساتھ اسی قوم کا معاملہ کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کو فتنہ میں ڈالنے کا مطلب ہے ہم نے انہیں غرق کرنے کے ساتھ عذاب میں ڈالا۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی آل فرعون کے پاس رسول کریم آئے تو ہم نے انہیں غرق کر دیا کیونکہ فتنہ رسول کے آنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی۔ كَرِیْمٌ کا معنی ہے وہ اپنی قوم میں معزز تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اخلاق میں کریم تھے یعنی درگذر سے کام لیتے تھے (4)۔ فراء نے کہا: وہ اپنے رب کی بارگاہ میں معزز تھے کیونکہ آپ کو نبوت اور کلام سنانے کے لیے مختص کیا گیا۔

اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾

"اس نے فرمایا تھا کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں اور نہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلہ میں، میں لے آیا ہوں تمہارے پاس اپنی رسالت کی روشن دلیل"۔

اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے وہ ان کے پاس آیا اس نے کہا میری اتباع کرو عِبَادَ اللّٰهِ یہ منادی ہے۔ مجاہد نے کہا: اللہ کے بندوں کو میرے ساتھ بھیج دو اور انہیں عذاب سے آزاد کر دو۔ اس تعبیر کی بنا پر عباد اللہ مفعول بہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مجھے اپنی قوت سماعت دو یعنی میری بات سنو یہاں تک کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، انی لھم الذکری، جلد 5، صفحہ 15
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 248
3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 2249
4۔ ایضاً

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿ یعنی میں وحی پر امین ہوں پس میری نصیحتوں کو قبول کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو میں تم سے لیتا ہوں اس میں امین ہوں میں اس میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔

وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ تم اس پر تکبر نہ کرو اور اس کی طاعت سے اپنے آپ کو بلند نہ جانو۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ پر بغاوت نہ کرو(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے میں سستی نہ کرو۔ بغی اور افتراء میں فرق ہے بغی فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور افتراء قول کے ساتھ ہوتا ہے(2)۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ پر عظیم نہ بنو(3)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہ کرو(4)۔ تعظیم اور استکبار میں فرق ہے تعظیم سے مراد متنذر فرد کا بڑا جاننا اور استکبار کا معنی ہے ذلیل کم مرتبہ آدمی کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿ قتادہ نے کہا: واضح عذر۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: واضح دلیل، معنی ایک ہی ہے، یعنی واضح دلیل۔

وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿

''اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھراؤ کر سکو''۔

گویا انہوں نے آپ کو قتل کی دھمکی دی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی۔ قتادہ نے کہا: تم پتھروں سے رجم کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مجھے گالیاں دو تو تم کہو جادوگر جھوٹا ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے عُذْتُ کی ذال کو ظاہر کر کے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔ ادغام تخفیف کو طلب کرنے کے لیے ہے اور اظہار اصل قاعدہ کے مطابق ہے۔ پھر یہ قول یہ کیا گیا ہے: زمانہ گزشتہ میں، میں نے تجھ سے پناہ چاہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا اور فرمایا: فلا یصلون الیکما۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انی اعوذ کے معنی میں ہے، جس طرح تو کہتا ہے: نشدتك بالله، اقسمت علیك بالله۔ یعنی میں قسم کھاتا ہوں۔

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿

''اور اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو پھر مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ''۔

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ اگر تم میری تصدیق نہ کرو اور میری دلیل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ لی میں لام اجلیہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے یہاں لام، باء کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ (عنکبوت:26) یہاں بھی لام، باء کے معنی میں ہے۔

فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿ مجھے چھوڑ دو نہ میری طرف داری کرو اور نہ میرے خلاف کسی کی مدد کرو؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم مجھ سے الگ تھلگ ہو جاؤ میں تم سے الگ تھلگ ہو جاتا ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھ سے اپنی اذیت کو روک دو(5)۔ معنی قریب قریب ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 249 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ ایضاً 5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 71

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝

''پس پکارا موسیٰ نے اپنے رب کو (الٰہی) بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں''۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اس میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے فکفروا فدعا ربہ۔ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ یہاں ان کا ہمزہ مفتوح ہے کیونکہ اصل میں یہ بان تھا۔ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وہ مشرک قوم ہیں، انہوں نے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝

''(حکم ملا) لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات تمہارا تعاقب کیا جائے گا''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے چلو یعنی بنی اسرائیل میں سے جو ایمان لائے ہیں، لَيْلًا صبح سے پہلے۔

اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ اہل حجاز نے فاسر ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے، ابن کثیر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے یہ سری سے مشتق ہے باقی قراء نے اسے فأسر ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے یہ سری سے مشتق ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ سورۂ بقرہ، اعراف، طٰہٰ، شعراء اور یونس میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی۔ اس لیے دوبارہ اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رات کے وقت نکلنے کا حکم دیا تھا (1)، رات کا سفر عموماً خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خوف دو وجہ سے ہوتا ہے۔ 1۔ دشمن کا خوف ہوتا ہے تو رات کو پردہ بنایا جاتا ہے۔ یہ رات اللہ تعالیٰ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے۔ 2۔ جانوروں اور جسموں پر مشقت اور تکلیف سے خوف کی وجہ سے رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ وجہ گرمی ہو یا خشک سالی ہو۔ تو مصلحت کی غرض سے رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سفر کرتے، رات کے پہلے پہر سفر کرتے کبھی آہستہ چلتے اور کبھی جلدی کرتے، جس طرح ضرورت ہوتی اور مصلحت کا تقاضا ہوتا۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: إذا سَافَرْتُمْ فی الخصب فأعطوا الإبل حظها فی الأرض وإذا سافرتم فی السَّنَة فبادروا بها نِقْيَهَا (2) جب تم سرسبز و شادابی کے دور میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے اس کا حصہ دو (اپنے چرنے کا موقع دو) جب تم خشک سالی کے دور میں سفر کرو تو جلدی چلو تاکہ مقصد کو پالو جبکہ اونٹ میں قوت باقی ہو۔ سورۂ نحل کے آغاز میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝

''اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا، بے شک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رَهْوًا کا معنی راستہ ہے؛ یہ قول کعب اور حضرت حسن بصری کا بھی ہے۔ حضرت ابن

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1691

2۔ جامع ترمذی، کتاب الأدب، ما جاء فی الفصاحة والبیان، جلد 2، صفحہ 108

عباس بنیدہم نے کہا: اس کا معنی ہے راستہ۔ ضحاک اور ربیع نے کہا: اس کا معنی آسان ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی خشک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيقًا فِي الۡبَحۡرِ يَبَسًا (طٰہٰ: 77) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جدا جدا۔ مجاہد نے کہا: کھلا، ان سے یہ قول بھی مروی ہے: خشک، ان سے یہ قول بھی مروی ہے: ساکن، لغت میں یہی معروف ہے، یہ قتادہ اور ہروی کا قول ہے۔ دوسروں نے کہا: کھلا۔ ابن عرفہ نے کہا: یہ دونوں ایک معنی کے طرف لوٹتے ہیں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں کیونکہ جب اس کا چلنا ساکن ہو جاتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے، اسی طرح سمندر اس کا چلنا ساکن ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کھل گیا۔ عربوں کے نزدیک رھو سے مراد ساکن ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: جاءت الخیل رھوا۔ گھوڑے پرسکون آئے۔ شاعر نے کہا:

والخیل تَمْزَعُ رَهْوًا فی أعنتها　　كالطیر تنجو من الشُّؤْبُوب ذی البرد

گھوڑے تیزی سے گذرتے ہیں جبکہ ان کی لگامیں پرسکون ہیں، جس طرح پرندے ایسے بادل سے نجات پاتے ہیں جو موٹے قطرات والی بارش اور سردی والا ہو۔

جوہری نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے افعل ذلك رھوا یعنی سکون و وقار سے یہ کام کر۔ عیشٌ راہٍ، پرسکون خوشحال زندگی، رھا البحر، سمندر پرسکون ہو گیا۔ ابوعبید نے کہا: رَهَا بین رجلیه یَرْهُو رَهْوًا۔ یعنی اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھلا کیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا رھو سے مراد نرم چال ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاءت الخیل رھوا۔ ابن اعرابی نے کہا: رَهَا يَرْهُو فی السیر یعنی اس نے نرمی کی۔ قطامی نے سواری کے اونٹوں کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

یَمْشِین رَهْوًا فلا الأعجازُ خاذِلَةٌ　　ولا الصدورُ علی الأعجاز تَتَّكِلُ

وہ نرمی سے چلتے ہیں ان کے پچھلے حصے کمزور نہیں اور نہ ہی ان کے سینے ان کے پچھلے حصوں کا سہارا لیتے ہیں۔ رھو اور رھوۃ سے مراد بلند جگہ ہے اور پست جگہ کو کہہ دیتے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ ابوعبید نے کہا: رھو سے مراد وہ گڑھا ہے جو ایک قوم کے محلہ میں ہو جس میں بارش اور دوسرا پانی بہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ "یہ فیصلہ ہو چکا ہے گھر کے صحن، راستہ، منقبہ (دو گھروں کے درمیان راستہ) رکحہ (پیچھے کی جانب سے کمرے کا کنارہ) اور پانی کے رستے میں کوئی شفع نہیں"۔ اس کی جمع رحاء آتی ہے الرھو المرأۃ الواسعۃ الھن۔ وسیع خصلتوں والی عورت، اسے نضر بن شمیل نے بیان کیا ہے۔ رھو سے مراد پرندے کی ایک قسم۔ اسے کرکی کہتے ہیں۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ رھو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت ہو؛ یہ قشیری کا قول ہے یعنی اپنی حالت پر پرسکون رہو۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی صفت ہے، یہ سمندر کی صفت نہیں۔ پہلی تعبیر کی صورت میں یہ سمندر کی صفت ہے یعنی جس طرح وہ تھا اسی طرح اسے ساکن رہنے دو جس طرح وہ جدا جدا تھا اسے ملنے کا حکم نہ دو یہاں تک کہ فرعون اور اس کی قوم داخل ہو جائے۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا کہ جب انہوں نے اپنے عصا کے ساتھ اسے الگ الگ کیا تھا (1) تو عصا مار کر سمندر کو ملا دیں یہ بھی خوف تھا کہ فرعون

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 72

ان کے پیچھے بھی نہ آ جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہا گیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: رھو کا معنی سکون نہیں بلکہ اس سے مراد دو چیزوں کے درمیان کشادگی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رھا مابین الرجلین اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھلا کیا۔ عیش راہ خوشحال زندگی، افعل ذلک سھوا رھوا اس امر کو نرمی سے سختی کے بغیر کرو۔ ہم نے اس کا ذکر ابھی کیا ہے اِنَّهُمْ یعنی فرعون اور اس کی قوم جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ وہ غرق ہونے والے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی گئی تا کہ ان کا دل پر سکون رہے۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾

''وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات اور بہت سارا ساز و سامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے''۔

كَمْ کثرت بیان کرنے کے لیے ہے۔ سورۂ شعراء میں اس آیت کے معنی کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔ نَعْمَةٍ نون کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی تنعیم ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نانعمه الله و ناعمه فتنعم اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا تو وہ اچھی و خوشحال زندگی گذارنے لگا۔ نعمة۔ کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی احسان ہے جو تجویز کیا جاتا ہے، اسی طرح نعمی ہے۔ اگر تو نون کو فتح دے گا تو اسے مدہ پڑھے گا تو کہے گا: نعماء۔ نعم اس کی مثل ہے۔ فلان واسع النعمة۔ اس کے پاس وسیع مال ہے؛ یہ سب اقوال جوہری کی صحاح سے منقول ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نَعْمَةٍ سے مراد دریائے نیل ہے(1)۔ ابن لہیعہ نے کہا: فیوم ہے۔ ابن زیاد نے کہا: مصر کی سرزمین ہے جس میں بہت زیادہ منافع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوشحالی ہے۔ اسے نَعمة اور نِعمة دونوں طرح پڑھا جاتا ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے(2)۔ کہا: دونوں میں فرق کی دو وجوہ ہیں: 1۔ نون کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا اطلاق ملک میں ہوتا ہے اور فتحہ کے ساتھ ہو تو بدن اور دین میں ہوتا ہے؛ یہ نضر بن شمیل نے کہا ہے۔ 2۔ یہ کسرہ کے ساتھ ہے جس کا معنی فضل و احسان کرنا اور عطیہ دینا ہے۔ فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی تنعیم ہے جس سے مراد خوشحال زندگی اور راحت ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ فرق صحاح میں موجود ہے، ہم اس کا ذکر چکے ہیں۔ ابو رجاء، حضرت حسن بصری، ابو اشہب، شرح، ابو جعفر اور شیبہ نے فکھین پڑھا ہے۔ یہ الف کے بغیر ہے اس کا معنی اترانے والے ہیں۔ جوہری نے کہا: فکه الرجل اس سے اسم فاعل فکِه ہے جب وہ اچھے مزاج کا مزاح کرنے والا ہو۔ فکه کا معنی بھی اترانے والا ہے۔ اسے ونعمة کانوا فیہا فکھین اس میں اترانے والے ہیں۔ فٰكِهِيْنَ لطف اندوز ہونے والے خوشحال۔ قشیری نے کہا: اس کا معنی ہے مزاح کرنے والے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: انه لفاکه۔ وہ مزاح کرنے والا ہے۔ فیه فکاهة اس میں مزاح کی حس موجود ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح حاذر اور حذر، فارکا اور فرکا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فاکه اسے کہتے ہیں جو لذت کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 251 2۔ ایضاً

باتیں سنتا ہے جس طرح کھانے والا مختلف قسم کے پھل کھاتا ہے (1)۔ فاکھہ اسے کہتے ہیں جو اس خوراک سے زائد ہو جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہوگا۔

كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾

''یونہی ہم نے وارث بنادیا تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو''۔

زجاج نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے الأمر كذلك (2)۔ تو كذلك پر وقف کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاف، محل نصب میں ہے، معنی یہ بنے گا جس کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ہم اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: جو آدمی میری نافرمانی کرتا ہے میں اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معاملہ اس طرح تھا تو پس انہیں ہلاک کیا گیا۔

وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ ۔ قَوْمًا اٰخَرِيْنَ سے مراد بنو اسرائیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر کے علاقہ کا مالک بنادیا جبکہ وہ پہلے جس طرح غلام تھے تو وہ اس کے وارث بن گئے کیونکہ یہ چیزیں ان تک اس طرح پہنچیں جس طرح میراث کا مال پہنچتا ہے، اس کی مثل وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا ہے۔ (الاعراف: 137)

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

''پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی''۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ ان پر آسمان اور زمین ان کے کفر کے باعث نہ روئے وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ اور انہیں غرق ہونے میں مہلت نہ دی گئی۔ عرب اپنے سردار کی موت کے وقت کہا کرتے تھے: بكت له السماء والأرض اس کی مصیبت تمام اشیاء کو عام ہوگئی یہاں تک کہ آسمان، زمین، ہوا اور بجلی بھی روئے۔ بكته الليالی الشاتيات۔ اس کے لیے موسم سرما کی راتیں روئیں۔ شاعر نے کہا:

فالريح تبكي شَجْوَهَا والبرق يلمع في الغمامة

ہوا اپنے غم کو روتی ہے اور بجلی بادل میں چمکتی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

والشمسُ طالعةٌ ليست بكا سفة تُبْكِي عليك نجوم الليل والقمرا

سورج طلوع ہے وہ گرہن میں نہیں تجھ پر رات کے ستارے اور چاند رو رہے ہیں۔

خارجیہ نے کہا:

أيا شجر الخابور مالك مُورِقًا كأنك لم تجزع على ابن طَرِيف

اے خابور کے درخت! کیا وجہ ہے تو پتے نکالے ہوئے ہے گویا تو ابن طریف پر غمگین نہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 252 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 73

یہ تمثیل اور تخییل کا طریقہ جزع کرنے اور رونے میں مبالغہ کے لیے ہے اس کا معنی ہے وہ ہلاک ہوئے نہ ان کہ مصیبت عظیم ہوئی اور نہ ان کی گمشدگی کو محسوس کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں اضمار ہے معنی ہے ان پر آسمان اور زمین والے یعنی فرشتے نہیں روئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف :82) بلکہ وہ اس کی ہلاکت سے خوش ہوئے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ یزید رقاشی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی مومن نہیں مگر اس کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور ایک دروازہ ہے جس سے اس کا کلام اور عمل داخل ہوتا ہے۔ جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کی کمی محسوس کرتے ہیں اور اس پر روتے ہیں''(1)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ یعنی انہوں نے زمین پر کوئی عمل صالح نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر رویا جائے۔ اور آسمان کی طرف بھی ان کا کوئی عمل صالح نہیں چڑھا کہ آسمان اس کے مفقود ہونے پر روئے۔ مجاہد نے کہا: آسمان اور زمین مومن پر چالیس دن تک روتے ہیں۔ ابو یحییٰ نے کہا: میں ان کے قول پر متعجب ہوا۔ مجاہد نے کہا: کیا تو تعجب کا اظہار کرتا ہے زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جو اسے رکوع و سجود کے ساتھ آباد کرتا تھا اور آسمان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جس کی تسبیح اور تکبیر کی وجہ سے ایسی آواز ہوتی تھی جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پر زمین میں سے اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں سے اس کے عمل کے بلند ہونے کی جگہ روتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آیت کی تقدیر یہ ہوگی آسمان میں سے اس کے اعمال کے بلند ہونے کی جگہ اور زمین میں سے اس کی عبادات کی جگہ اس پر روئیں؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کے قول کا معنی ہے۔ آسمان اور زمین کے رونے کی تین وجوہ ہیں: 1۔ وہ معروف طریقہ ہے جس طرح حیوان روتا ہے؛ یہ مجاہد کے قول کے مشابہ ہے۔ شریح حضرمی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسلام شروع ہوا تو بھی تنہا تنہا لوگ اسلام لائے اور جس طرح شروع ہوا تھا اسی حالت کی طرف یہ لوٹ جائے گا۔ قیامت کے روز ان تھوڑے سے افراد کے لیے مبارک ہے''(2)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ''وہ وہ لوگ ہیں جب لوگ فساد کا شکار ہو جائیں گے تو وہ صالحیت کو اپنائیں گے'' پھر فرمایا: ''خبردار! اب مومن پر کوئی تنہائی نہیں کوئی مومن تنہائی میں نہیں مرتا جب اس پر رونے والے اس سے غائب ہوتے ہیں تو آسمان اور زمین اس پر روتے ہیں'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ پھر فرمایا: ''بے شک یہ دونوں کافر پر نہیں روتے''۔

میں کہتا ہوں: ابو نعیم محمد بن معمر نے کہا ابو شعیب حرانی، یحییٰ بن عبد اللہ سے وہ اوزاعی سے وہ حضرت عطا خراسانی سے روایت نقل کرتے ہیں ''کوئی بندہ بھی زمین کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے تو وہ بقعہ زمین قیامت کے

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ دخان، جلد 2، صفحہ 158۔ ایضاً، حدیث نمبر 3177، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان الاسلام بدأ غریباً وسیعود غریباً، جلد 1، صفحہ 84

روز اس کے حق میں گواہی دیگا اور جس روز وہ مرتا ہے وہ بقعہ زمین اس پر روتا ہے''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے رونے سے مراد اس کے اطراف کا سرخ ہو جاتا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا، عطا، سدی، ترمذی محمد بن علی کا قول ہے۔ اسے حضرت حسن بصری نے روایت کیا ہے۔ سدی نے کہا: جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو آپ پر آسمان رویا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہونا تھا (1)۔

جریر نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے: جب حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آسمان کے افق چار ماہ تک آپ کے لیے سرخ رہے۔ یزید نے کہا: اس کا سرخ ہونا ہی اس کا رونا ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا: لوگوں نے ہمیں بتایا وہ سرخی جو شفق کے ساتھ ہوتی ہے وہ نہ ہوا کرتی یہاں تک کہ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ سلیمان قاضی نے کہا: جس روز امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ہم پر خون کی بارش کی گئی۔

میں کہتا ہوں: دار قطنی نے امام مالک بن انس سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شفق سے مراد سرخی ہے'' (2)۔ حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس دونوں نے کہا: شفق کی دو صورتیں ہیں۔ سرخ اور سفید (3)۔ جب سرخی غائب ہو جاتی ہے تو عشاء کی نماز حلال ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے (4)۔ یہ قول اس قول کو رد کر دیتا ہے ابن سیرین نے جس کی حکایت بیان کی ہے۔ سبحان (سورۂ اسراء) میں قرہ بن خالد سے روایت گذر چکی ہے۔ ''آسمان کسی پر نہیں رویا مگر حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام پر اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر۔ اس کا سرخ ہونا ہی اس کا رونا ہے''۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: رونے سے مراد کسی شے کو تیزی سے حرکت دینا جب آنکھ اپنے پانی کو حرکت دے تو کہا جاتا ہے آنکھ روئی، جب آسمان اپنی سرخی کو حرکت دے تو کہتے ہیں آسمان رویا، جب زمین اپنے غبار کو حرکت دے تو کہتے ہیں زمین روئی، کیونکہ مومن نور ہے اس کے ساتھ اللہ کا نور ہے زمین اس کے نور سے روشن ہے اگرچہ تیری آنکھوں سے غائب ہے۔ اگر وہ مومن کے نور کو نہیں پاتی تو وہ غبار آلود ہوتی ہے اور اس کا غبار زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ زمین مشرکوں کی خطاؤں کی وجہ سے غبار آلود ہے یہ مومن کے نور سے روشن ہوتی ہے جب اس سے مومن کو قبض کیا جاتا ہے تو اس کا غبار زیادہ ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہر شے روشن ہوگی، جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو ہر شے تاریک ہوگئی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں مصروف تھے ہم نے اس سے اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑا یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی اجنبی پایا۔ جہاں تک آسمان کے رونے کا تعلق ہے وہ اس کا سرخ ہونا ہے جس طرح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

نصر بن عاصم نے کہا: نشانیوں میں سے پہلی سرخی ہوگی جو ظاہر ہوگی یہ قیامت کے قریب ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ وہ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 253 2۔ سنن دار قطنی، کتاب الصلوٰۃ، باب فی صفۃ المغرب والصبح، جلد 1، صفحہ 269

3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

شدت سے روئے گی کیونکہ وہ مومنوں کے انوار سے خالی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا رونا ایسی نشانی ہے جو اس سے ظاہر ہوتی ہے جو افسوس اور غم پر دلالت کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ جب آسمان اور زمین تسبیح کرتے ہیں سنتے ہیں اور کلام کرتے ہیں، جس طرح ہم نے سبحان (سورۂ اسراء)، مریم اور حم فصلت میں بیان کیا ہے، اسی طرح زمین روتی ہے جبکہ اس کے بارے میں روایات بھی آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اقوال کے صحیح ہونے کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔

وَ لَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾

''اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے بلاشبہ وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا''۔

یعنی ان تمام مظالم سے جو قبطی فرعون کے حکم سے بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھتے تھے جس طرح انبیاء کو قتل کرنا، عورتوں سے خدمت لینا، مردوں کو غلام بنالینا اور مشکل امور ان پر لازم کرنا۔

مِنْ فِرْعَوْنَ یہ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۳۰﴾ سے بدل ہے مِنْ فِرْعَوْنَ یہ مِنَ الْعَذَابِ کے متعلق نہیں ہوگا کیونکہ اس کی صفت نہیں لگائی گئی ہے وہ وصف کے بعد فعل کا سا عمل نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے انہیں عذاب اور فرعون سے نجات دی۔

اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ وہ مشرکوں میں سے جابر تھا۔ یہ مدح میں زیادتی نہیں بلکہ اسراف میں زیادتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ (قصص: 4) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس بلندی سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بلندی ہے۔

وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۲﴾

''اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر''۔

وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ ھم ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں عَلٰی عِلْمٍ ہمیں ان کے بارے میں علم تھا کہ ان میں سے کثیر انبیاء ہوں گے۔ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۲﴾ ان کے زمانہ کے لوگوں پر۔ اس کی دلیل پر آیت ہے كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ (آل عمران: 110) یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام عالموں پر کیونکہ ان میں انبیاء بنائے۔ یہ ان کے لیے خاص ہے یہ غیر کے لیے نہیں؛ یہ قول ابن عیسیٰ، زمخشری اور دوسرے علماء نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ یہ بنی اسرائیل کے بعد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پسندیدگی، اس بنا پر تھی کہ انہیں غرق ہونے سے چھٹکارا دلا دیا اور فرعون کے بعد انہیں زمین کا مالک بنا دیا۔

وَ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾

''اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی''۔

وَ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ آیات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾ قتادہ نے کہا: آیات سے مراد انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دینا، ان کے لیے سمندر کو پھاڑنا، ان پر بادل سے سایہ کرنا اور من وسلویٰ کو نازل کرنا ہے (1)۔ یہ خطاب بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عصا اور ید بیضا کا معجزہ ہے۔ یہ فراء کے قول کے مشابہ ہے اور خطاب قوم فرعون کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک تیسرا قول یہ ہے: اس سے مراد وہ برائی ہے جس سے آپ نے ان کو روکا اور وہ بھلائی ہے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا؛ یہ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے۔ خطاب ایک ہی ہے دونوں فریقوں کی طرف متوجہ ہوگا یعنی قوم فرعون اور بنی اسرائیل۔ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ میں چار قول ہیں: 1۔ ظاہر نعمت، یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا (انفال: 17)

زہیر نے کہا:

فأبلاهما خيرَ البلاء الذی يَبْلُو

وہ نعمت جو وہ کرتا ہے اس میں سے بہترین نعمت ان دونوں پر کی۔ 2۔ شدید عذاب، یہ فراء کا قول ہے۔ 3۔ اس آزمائش جس کے ساتھ مومن کافر سے ممتاز ہو جاتا ہے؛ یہ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: خوشحالی اور تنگ دستی کے ساتھ آزمایا، پھر یہ آیت پڑھی: وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً (انبیاء: 35)

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾

''بے شک یہ (کفار مکہ) بھی کہتے ہیں: نہیں ہے (ہمارے لیے) مگر ہماری (یہی) پہلی موت اور نہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا بھلا ہمارے باپ دادوں کو تو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو''۔

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ واؤ ضمیر سے مراد قریش کے کفار ہیں اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى یہ مبتدا اور خبر ہے، جس طرح یہ کلام ہے اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ (اعراف: 155) اور یہ کلام ہے اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا (انعام: 29) وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اٹھایا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ منشورون کا معنی مبعوثون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار قریش میں سے یہ بات کرنے والا ابوجہل تھا، اس نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو ہمارے آباء میں سے دو آدمی اٹھاؤ! ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 254

میں سے ایک قصی بن کلاب ہے کیونکہ وہ ایک سچا شخص تھا تا کہ ہم اس سے پوچھ سکیں کہ موت کے بعد کیا ہوا۔ یہ قول ابوجہل کی جانب سے کمزور ترین شبہ ہے، کیونکہ دوبارہ اٹھانا جزا کے لیے ہے احکام کا مکلف بنانے کے لیے نہیں گویا اس نے کہا: اگر آپ اس قول میں سچے ہیں کہ دوبارہ اٹھانا جزا کے لیے ہے تو انہیں دوبارہ مکلف بنانے کے لیے اٹھائیں۔ یہ قائل کے اس قول کی طرح ہے اگر وہ یہ کہتا ہے: اگر ہمارے بعد ابناء میں سے افراد کو اٹھایا جانا ہے تو آباء میں سے جو گذر چکے ہیں وہ کیوں نہیں لوٹتے۔ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا: فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے جس طرح ارشاد ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿ (المومنون) یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو خطاب ہے۔

اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ؗ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

''(اے لوگو! ذرا سوچو) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ہم نے انہیں (بہمہ شوکت وحشمت) ہلاک کر دیا ہے، بے شک وہ مجرم تھے۔ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان وزمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے''۔

اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ یہ استفہام انکاری ہے۔ وہ ایسی بات کر کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، کیونکہ وہ قوم تبع اور ہلاک ہونے والی قوموں سے بہتر نہیں۔ جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ہے تو اسی طرح ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ زیادہ نعمتوں والے ہیں اور زیادہ اموال والے ہیں یا تبع کی قوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ زیادہ عزت والے، طاقت ور اور محفوظ ہیں یا تبع کی قوم۔ تبع سے مراد ایک فرد نہیں بلکہ اس سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں۔ یمن والے اپنے بادشاہوں کو تبابع کہتے تھے۔ تبع بادشاہ کا لقب تھا جس طرح مسلمانوں کے لیے خلیفہ ہوتا ہے۔ کسریٰ ایرانیوں کا حاکم ہوتا ہے اور قیصر رومیوں کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو تبع کہتے کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی اتباع کرتا۔ جوہری نے کہا: تبابع یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں۔ ان کا واحد تبع ہے تبع کا معنی سایہ بھی ہے۔ شاعر نے کہا:

یرد المیاہ حضیرۃً و نَفِیضۃً　وِرْدَ القطاۃ إذا اسمَأَل التُّبَّع

''وہ چشموں پر حضیرہ، نفیضۃ (جماعتوں کی صورت) میں وارد ہوتے ہیں جس طرح کونج وارد ہوتی ہیں جب سایہ چھوٹا ہو جائے''۔ تبع پرندوں کی ایک قسم کو بھی کہتے ہیں۔ سہیلی نے کہا: تبع اس بادشاہ کو کہتے جو یمن، شحر اور حضرموت کا مالک ہوتا وہ صرف یمن کا مالک ہوتا تو اسے تبع نہ کہتے؛ یہ مسعودی کا قول ہے۔ تبابع میں سے حارث رائش تھا جو ابن ہمال ذی سدد تھا، ابرہہ ذو منار، عمرو ذو الاذعار، شمر بن مالک جس کی طرف سمرقند منسوب ہے۔ افریقیس بن قیس، جس نے بربروں کو کنعان کے علاقہ سے افریقہ کی طرف نکالا اسی وجہ سے انہیں افریقی کہتے ہیں۔

آیات سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کا ارادہ کیا ہے عرب اسے اس نام سے زیادہ جانتے تھے بنسبت کسی دوسرے آدمی کے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں جانتا کیا تبع لعین ہے یا نہیں ہے'' (1)۔ پھر نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے ''تبع کو گالیاں نہ دیا کرو کیونکہ وہ مومن تھا'' (2)۔ یہ تیری راہنمائی کرتا ہے کہ وہ ایک معین فرد تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وہ ابوکرب تھا جس نے بیت اللہ شریف پر لحاف چڑھایا تھا بعد اس کے کہ اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا اور اس کو برباد کرنے کا ارادہ کیا تھا، پھر جب اسے یہ بتایا گیا کہ یہ ایک نبی کی ہجرت کی جگہ ہے جس کا نام احمد ہوگا، تو وہ واپس چلا گیا تھا۔ اس نے ایک شعر کہا جسے وہ اس کے مکینوں کے پاس چھوڑ گیا تھا وہ یکے بعد دیگرے اس کے وارث بنتے رہے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے وہ اشعار حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: وہ مکتوب اور شعر حضرت ابوایوب خالد بن زید کے پاس تھے۔ ان اشعار میں ہے:

شهدت على أحمد أنه رسول من الله باری النَّسَمَة
فلو مُدّ عمری إلى عمره لكنت وزيرًا له وابنَ عَمّ

میں حضرت احمد پر گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ جو خالق کائنات ہے کے رسول ہیں۔ اگر میری عمر ان کی عمر تک طویل ہوئی تو میں ان کا وزیر اور ان کا چچازاد ہوں گا یعنی مددگار، اور دست و بازو۔

زجاج، ابن ابی دنیا، زمخشری اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے دور اسلام میں اس کی صنعاء میں ایک قول کے مطابق حمیر کی اطراف میں، قبر کھودی گئی اس میں دو عورتوں کے وجود پائے گئے ان کے سروں کے پاس چاندی کی تختی پائی گئی جس پر سونے سے لکھا گیا تھا: یہ حبیٰ اور لمیس کی قبر ہے، یہ روایت بھی کی جاتی ہے: یہ حبیٰ اور تماضر کی قبر ہے، یہ روایت بھی کی جاتی ہے: یہ رضوی کی قبر ہے (3) اور حبی کی قبر ہے جو دونوں تبع کی بیٹیاں تھیں وہ دونوں فوت ہوئیں جبکہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دیتی تھیں وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں اسی پر اس سے قبل صالح لوگ فوت ہوئے۔

میں کہتا ہوں: ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے روایت کی ہے جو مکتوب اس نے لکھا تھا اس میں تھا امابعد میں تجھ پر اور تجھ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لایا، میں تیرے دین اور تیری سنت پر ہوں، میں تیرے رب اور ہر شے کے رب پر ایمان لایا اور میں اس پر ایمان لایا جو تیرے رب کی جانب سے احکام آئے اگر میں نے تجھے پالیا تو بہت بہتر، اگر میں نے تجھے نہ پایا تو میری شفاعت کرنا اور قیامت کے روز مجھے نہ بھولنا۔ میں تیری اس امت میں سے ہوں جو پہلے گذر چکے ہیں۔ اور میں نے تیرے آنے سے قبل تیرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے میں تیری ملت اور تیرے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں۔ پھر مکتوب پر مہر لگائی اور اس پر یہ نقش بنایا لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ (الروم: 4) اور اس کے سرنامے پر لکھا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، فی التخییر بین الانبیاء، جلد 2، صفحہ 286۔ ایضاً، حدیث نمبر 4054، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 80، حدیث نمبر 34085
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 280

الی محمد بن عبداللہ نبی اللہ و رسولہ خاتم النبیین محمد رسول رب العالمین ﷺ من تبع الاول ہم نے اس کے باقی ماندہ حالات اور اس کا ابتدائی حصہ اللمع اللؤلؤیۃ شرح العشر بینات النبویہ '' جو فارابی کی کتاب ہے میں ذکر کیا ہے۔ وہ دن جس میں تبع فوت ہوا اس دن سے لے کر اس دن تک جس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی ایک ہزار سال کا عرصہ تھا نہ زائد اور نہ کم۔

اس امر میں اختلاف کیا گیا ہے کیا وہ نبی تھا یا بادشاہ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تبع نبی تھا (1)۔ کعب نے کہا: تبع بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اس کی قوم کاہنوں میں سے تھی اور ان کے ساتھ ایک اہل کتاب کی ایک قوم تھی۔ اس نے دونوں فریقوں کو حکم دیا کہ ہر فریق قربانی پیش کرے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اہل کتاب کی قربانی قبول ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تبع کو گالیاں نہ دیا کرو وہ ایک صالح آدمی تھا۔ قتادہ نے بیان کیا ہے: تبع حمیر قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ وہ لشکر لے کر چلا یہاں تک کہ اس نے حیرہ کو عبور کیا اور سمرقند آیا اس نے اس شہر کو گرا دیا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے (2)۔ ثعلبی نے قتادہ سے روایت کیا ہے: وہ لشکر لے کر چلا یہاں تک کہ حیرہ کو عبور کیا اس نے سمرقند شہر بنایا اس نے لوگوں کو قتل کیا اور شہروں کو برباد کیا۔ کلبی نے کہا: تبع ابوکرب اسعد بن ملکیکرب ہے، اس کو تبع اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس نے پہلوں کی پیروی کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہی وہ شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف پر یمن کی دھاری دار چادروں کا غلاف چڑھایا تھا۔ کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی اس کی مذمت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے اس کی مثال بیان فرمائی کیونکہ قریش ان کے قریب رہتے تھے اور ان کی عظمت دلوں میں رکھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان سے قبل کے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ لوگ مجرم تھے تو وہ آدمی جو مجرم ہو جبکہ اس کی طاقت تھوڑی اور تعداد کم ہو تو وہ ہلاک ہونے کے زیادہ لائق ہے۔ اہل یمن اس آیت پر فخر کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تبع کی قوم کو قریش سے بہتر قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے پہلے حاکم کو تبع اس لیے کہتے کیونکہ اس نے سورج کی ٹکیا کی پیروی کی اور مشرق کی جانب لشکروں کے ساتھ سفر کیا۔

وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ، الذین محل رفع میں ہے اس کا عطف قَوْمُ تُبَّعٍ پر ہے اَهْلَكْنٰهُمْ اس کا صلہ ہے مِنْ قَبْلِهِمْ اس کے متعلق یہ بھی جائز ہے کہ مِنْ قَبْلِهِمْ، الَّذِيْنَ کا صلہ ہو ظرف میں ضمیر ہو گی جو اسم موصول کی طرف لوٹے گی۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اَهْلَكْنٰهُمْ دو وجوہ کی وجہ سے ایک وجہ سے ہو گا۔ یا تو اس کے ساتھ قد کو مضمر مانا جائے گا تو یہ حال کے محل میں ہو گا یا موصوف کے حذف کو مقدر کیا جائے گا۔ گویا کہا: قوم اَهْلَكْنٰهُمْ تقدیر کلام یہ ہو گی کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے جب ہم ان مذکورہ افراد کو ہلاک کرنے پر قادر ہیں تو ہم مشرکوں کے ہلاک کرنے پر قادر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ابتدا ہے اور خبر اهلكنا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الَّذِيْنَ محل جر میں ہو اس کا عطف تبع پر ہو گویا فرمایا تبع کی قوم اور ان سے قبل ہلاک کی گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ الَّذِيْنَ محل نصب میں ہو اس کا فعل مضمر ہو جس پر اَهْلَكْنٰهُمْ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 75
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 255

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ لاعبین کا معنی غافلین ہے؛ یہ مقاتل کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لاھین، یہ کلبی قول ہے مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ الحق سے پہلے الامر محذوف ہے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ باء، لام کے معنی میں ہے؛ یہ کلبی اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حق قائم کرنے کے لیے، اللہ تعالیٰ کی توحید کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس کی طاعت کو لازم پکڑنے کے لیے۔ سورۃ الانبیاء میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ لوگوں میں سے اکثر اسے نہیں جانتے۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۰﴾

''یقیناً فیصلہ کا دن ان سب کو (دوبارہ زندہ کرنے کے لیے) مقررہ وقت ہے''۔

یَوْمَ الْفَصْلِ سے مراد یوم قیامت ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن میں لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ (الممتحنہ:3) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ (الروم) یوم الفصل سب کے لیے میقات ہے جس طرح ارشاد فرمایا: اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۷﴾ (النباء) یعنی وہ وقت جسے گناہ گار اور نیکوکار کے درمیان تمیز دینے اور فیصلہ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے، ایک جماعت جنت میں ہوگی اور ایک جماعت جہنم میں ہوگی۔ یہ حد درجہ کی تحذیر اور وعید ہے۔ قراء کے درمیان مِیْقَاتُهُمْ کو رفع دینے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ اِنَّ کی خبر ہے اور اس کا اسم یوم الفصل ہے۔ نسائی اور فراء نے میقاتھم کو ان کی وجہ سے نصب کو جائز قرار دیا ہے اور یوم الفصل ظرف ہے جو ان کی خبر کی جگہ واقع ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِنّ میقاتھم یوم الفصل۔

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْـًٔا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۲﴾

''جس روز کوئی دوست کسی دوست کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہے، بے شک وہ سب پر غالب ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْـًٔا یوم پہلے یوم سے بدل ہے۔ مولی سے مراد ولی ہے جس سے مراد چچازاد بھائی اور مددگار ہے یعنی چچازاد بھائی چچازاد بھائی کا دفاع نہیں کرے گا۔ کوئی قریبی کسی قریبی کا اور کوئی دوست کسی دوست کا دفاع نہیں کرے گا۔ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ یعنی مومن کافر کا قربت کی وجہ سے دفاع نہیں کرے گا۔ اس آیت کی مثل یہ آیت ہے وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا (بقرہ:48)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 256

اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ من محل رفع میں ہے یہ یُنۡصَرُوۡنَ کی خبر سے بدل ہے گویا تو نے کہا لایقوم احدٌ الا فلان یا یہ مبتدا ہے اور خبر مضمر ہے گویا فرمایا: الا من رحم الله فمغفور له یا اس کو فائدہ دے اور شفاعت کرے اور مدد کرے یا پھر پہلے مولی سے بدل ہے گویا کہا: کوئی فائدہ نہیں دے گا مگر جس پر الله تعالیٰ رحم فرمائے۔ نسائی اور فراء کے نزدیک یہ مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، لیکن جس پر الله تعالیٰ رحمت فرمائے جس چیز کے وہ محتاج ہوں گے وہ اس دن انہیں ملے گی یہاں تک کہ وہ مخلوق کو فائدہ پہنچائیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو یعنی کوئی قریبی کسی قریبی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا مگر مومن فائدہ پہنچائیں گے کیونکہ انہیں اجازت دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی شفاعت کریں۔

اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ یعنی وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے دوستوں پر رحم فرمانے والا ہے، جس طرح ارشاد فرمایا: شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوۡلِ (غافر: 3) وعدے کو وعید کے ساتھ ملایا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۙ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿ۖۛ۴۴﴾ كَالۡمُهۡلِ ۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ۙ﴿۴۵﴾ كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ ﴿۴۶﴾

''بلا شبہ زقوم کا درخت گناہگار کی خوراک ہوگا، پگھلے تانبے کی مانند پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے''۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ کتاب الله میں جہاں بھی شجرہ کا ذکر آیا ہے تو اس میں ھاء پر وقف ہوا ہے مگر سورۂ دخان میں ایک حرف ہے اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۙ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿۴۴﴾ یہ ابن انباری نے کہا الۡاَثِيۡمِ یعنی فاجر۔ حضرت ابوذر نے کہا: حضرت ابودرداء اور حضرت ابن مسعود نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ ہمام بن حارث نے کہا: حضرت ابودرداء ایک آدمی کو پڑھاتے اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۙ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿۴۴﴾ جبکہ وہ آدمی پڑھتا طعام الیتیم جب اس نے اس کو نہ سمجھا تو حضرت ابودرداء نے کہا: طعام الفاجر۔

ابوبکر انباری نے کہا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا ہمیں نصر نے وہ ابوعبید سے وہ نعیم بن حماد سے وہ عبدالعزیز بن محمد سے وہ ابن عجلان سے وہ عون بن عبدالله بن عتبہ بن مسعود سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ نے ایک آدمی کو اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۙ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿۴۴﴾ پڑھایا تو اس آدمی نے پڑھا طعام الیتیم حضرت عبدالله نے اسے صحیح دہرایا اس آدمی نے غلط دہرایا۔ جب حضرت عبدالله نے دیکھا کہ اس آدمی کی زبان صحیح الفاظ کو ادا نہیں کرسکتی تو اسے کہا: کیا تو طعام الفاجر اچھی طرح نہیں کہہ سکتا؟ عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: تو اسی طرح کر۔ بے دین لوگوں میں سے جاہلوں کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں کہ قرآن کا کوئی حرف کسی دوسرے حرف سے بدلنا جائز ہے۔ حضرت عبدالله بن مسعود کی جانب سے یہ طرز عمل متعلم کو قریب کرنے اور اسے اس قابل بنانے کے لیے تھا کہ وہ صحیح نقطہ نظر کی طرف لوٹ آئے وہ حق کو استعمال کرسکے اور الله تعالیٰ نے جیسے نازل کیا ہے اور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے حکایت بیان کی ہے اسی طرح وہ تعلم کرے۔

زمخشری نے کہا: اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ استعمال کرنا جائز ہے جبکہ وہ کلمہ دوسرے کلمہ کا

معنی دیتا ہو (1)، اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فارسی زبان میں قراءت کو جائز قرار دیا ہے شرط یہ ہے کہ قاری پورے کے پورے معانی ادا کرے جبکہ ان میں سے کسی چیز کی قطع و برید نہ کرے۔

علماء نے کہا: یہ شرط گواہی دیتی ہے کہ یہ اجازت ایسے ہے جیسے کوئی اجازت نہیں کیونکہ کلام عرب خصوصاً قرآن جو اپنی وضاحت، غرابت نظم اور اسالیب میں معجز ہے اس میں معانی اور اغراض کے لیے لطائف ہیں جن کی فارسی وغیرہ زبان ادائیگی میں مستقل نہیں۔ امام ابوحنیفہ فارسی زبان کو اچھی طرح نہیں جانتے تھے یہ قول آپ سے تحقیق و تبصری بنا پر ثابت نہیں۔

علی بن جعد، ابو یوسف سے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے صاحبین کے قول کے موافق روایت کرتے ہیں کہ فارسی زبان میں قراءت جائز نہیں۔

**شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ** وہ درخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں پیدا کیا ہے اور اسے شجرہ ملعونہ کا نام دیا ہے۔ جب جہنمیوں کو بھوک لگے گی تو اس کی پناہ لیں گے اور اس سے کھائیں گے تو وہ ان کے پیٹوں میں یوں جوش مارنے لگے گا جس طرح گرم پانی جوش مارتا ہے۔ ان کے پیٹوں میں زقوم سے جو چیز بنے گی اسے مہل سے تشبیہ دی وہ پگھلا ہوا تانبا ہے۔ عام قراء کی قراءت تغلی تاء کے ساتھ ہے، اسے شجرہ پر محمول کیا۔

ابن کثیر، حفص، ابن محیصن اور رویس نے یعقوب سے **یَغْلِیْ** پڑھا ہے یہ کھانے پر محمول ہوگا۔ وہ شجرہ کے معنی میں ہے۔ اسے مہل پر محمول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کا ذکر تشبیہ کے لیے ہے **الْاَثِیْمِ** سے مراد آثم ہے یہ اثم یاثم اثما سے مشتق ہے؛ یہ قشیری اور ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسا شرک ہے جو گناہ کرنے والا ہو (2)؛ یہ یحییٰ بن سلام نے کہا۔ صحاح میں ہے أثم الرجل إثما و ماثما یعنی وہ گناہ میں پڑ گیا، اس کے لیے اسم فاعل کا صیغہ آثم، اثما اور أثوما استعمال ہوتا ہے۔ **طَعَامُ الْاَثِیْمِ** کا معنی ہوگا یہ گناہ گار فاجر کا کھانا ہے وہ ابوجہل ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے کہا تھا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں دھمکی دیتے ہیں کہ جہنم میں زقوم ہے اس سے مراد وہ ثرید ہے جس میں مکھن اور کھجور ہو۔ اس نے جو کہا اللہ تعالیٰ نے اسکے خلاف وضاحت کی۔ نقاش نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ شجرہ زقوم سے مراد ابوجہل ہے (3)۔

میں کہتا ہوں: مجاہد سے اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہم نے سورۂ صافات اور سبحان (سورۂ اسراء) میں جو ذکر کیا ہے اس کے ساتھ رد ہو جاتا ہے۔

**خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾**

"(حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں، پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی اسے عذاب دینے کے لیے"۔

**خُذُوْهُ** زبانیہ سے کہا جائے گا: اسے پکڑ لو یعنی گناہ گار کو پکڑ لو۔ **فَاعْتِلُوْهُ** اسے کھینچو اور اسے ہانکو۔ عتل سے مراد ...

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 281 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 257 3۔ ...

آدمی کا گریبان پکڑے اور اسے اپنی طرف کھینچے تاکہ تو اسے قید خانہ اور یا کسی اور امتحان کی طرف لے جائے۔ عتلت الرجل أعتله، اعتله عتلا۔ جب تو اسے سختی کے ساتھ کھینچے رجل معتل۔ شاعر نے گھوڑے کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

نَفْرَعُه فَرْعًا ولسنا نَعْتِلُه

ہم اس گھوڑے کو لگام کھینچ کر روک لیتے ہیں ہم اسے گھسیٹتے نہیں۔ اس میں دو لغتیں ہیں عَتَلَه، عَتَنَهٗ۔ یہ ابن سکیت نے کہا: کوفیوں اور ابو عمرو نے کہا: فَاعْتِلُوْهُ یعنی تاء کے نیچے کسرہ پڑھا اور باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِیْمِ یعنی جحیم کے وسط میں ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ۝ مقاتل نے کہا: مالک فرشتہ جو جہنم کا خازن ہے وہ ابوجہل کے سر پر لوہے کا ایک ہنٹر مارے گا تو ابوجہل کا سر دماغ والی جگہ سے لیٹ جائے گا تو اس کا دماغ اس کے جسم پر بہہ جائے گا۔ پھر مالک فرشتہ اس میں کھولتا ہوا پانی انڈیلے گا جس کی گرمی انتہاء کو پہنچی ہوگی تو وہ پانی اس کے پیٹ میں جا پہنچے گا تو فرشتہ کہے گا: عذاب کا مزا چکھو اس کی مثل ہے: یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۝ (الحج)

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝

”لو چکھو تم بڑے معزز (و مکرم) ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے“۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۝ ابن انباری نے کہا: عوام نے اِنَّ کے کسرہ پر اتفاق کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اَنَّ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ نسائی نے اسی طرح پڑھا ہے جس نے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے اس نے ذُقْ پر وقف کیا ہے۔ جس نے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے اس نے ذُقْ پر وقف نہیں کیا کیونکہ معنی ہے تم چکھو کیونکہ تو عزیز و کریم ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ابوجہل کے حق میں آیت نازل ہوئی (1)، اس نے کہا تھا: اس وادی میں مجھ سے بڑھ کر قوت والا اور معزز نہیں اسی وجہ سے اسے کہا گیا: ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۝ عکرمہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے کہوں اولی لك فاولی ابوجہل نے کہا: تو کس چیز کے ساتھ مجھے دھمکی دیتا ہے۔ اللہ کی قسم! تو اور تیرا رب طاقت نہیں رکھتے کہ تم میرے ساتھ کچھ معاملہ کرو، میں اس وادی کا غالب ترین شخص ہوں اور اپنی قوم کا معزز ترین فرد ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر کے دن قتل کر دیا اور اسے ذلیل و رسوا کر دیا اور یہ آیت نازل ہوئی یعنی اسے فرشتہ کہے گا: چکھو تم اپنے گمان کے مطابق معزز و مکرم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استخفاف، توبیخ، استہزاء، اہانت اور تنقیص کے معنی میں ہے، یعنی اسے کہا: تو ذلیل و رسوا ہے، یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب کو کہا تھا: اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۝ (ہود) ایک تاویل کے مطابق وہ اس سے سفیہ و جاہل مراد لیتے؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ یعنی فرشتے انہیں کہیں گے: یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق تم دنیا میں شک کیا کرتے تھے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 77

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾

"یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے باغات میں اور (بہتے ہوئے) چشموں میں پہنے ہوئے ہوں گے لباس باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے"۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مستقر اور عذاب کا ذکر کیا تو مومنوں کی مہمانی اور نعمتوں کا ذکر کیا۔ نافع اور ابن عامر نے فی مُقام پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نسائی نے کہا: مقام سے مراد مکان ہے اور مقام سے مراد اقامت بھی ہے جس طرح شاعر نے کہا

عفت الدیارُ مَحَلُّھَا فَمُقَامُه

گھر یعنی اترنے کی جگہیں اور اقامت کی جگہیں ناپید ہو گئے۔

جوہری نے کہا: مَقام اور مُقام دونوں میں سے ہر ایک اقامت کے معنی میں ہوتے ہیں، بعض اوقات یہ قیام کی جگہ کے لیے بھی لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ جب تو اسے قام یقوم سے مشتق مانے تو یہ مَقام ہوگا اور اگر تو اسے اقام یقیم سے مشتق مانے تو مُقام ہوگا کیونکہ جب فعل غیر ثلاثی ہو تو اسم ظرف کے صیغہ میں میم مضموم ہوگا، کیونکہ ایسا فعل رباعی کے مشابہ ہوتا ہے جس طرح دحرج سے مدحرج۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَقام کا معنی حاضر ہونے کی جگہ اور مجلس ہے اور مُقام اس سے مکان مراد لینا ممکن ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مصدر ہو اس میں مضاف مقدر ہو یعنی ٹھہرنے کی جگہ۔

أَمِينٍ ﴿٥١﴾ اس میں آفات سے امن ہوتا ہے فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ یہ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ سے بدل ہے۔

يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ وہ ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کیے ہوں گے ان کی مجلس گردش کرے گی جہاں وہ گردش کریں گے۔ سندس سے مراد وہ ریشم ہے جو باریک ہو، استبرق سے مراد وہ ریشم ہے جو موٹا ہو۔ سورۂ کہف میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾

"ہاں یونہی ہوگا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہو چشم عورتوں سے"۔

كَذَٰلِكَ امر اسی طرح ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ كَذَٰلِكَ پر وقف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جس طرح ہم نے انہیں جنت میں داخل کیا اور ان کے ساتھ معاملہ کیا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اسی طرح ہم نے انہیں عزت دی کہ ان کی شادی حورعین سے کردی۔ عین کے بارے میں گفتگو سورۂ صافات میں گذر چکی ہے۔ حور کا معنی سفید ہے (1)، یہ قتادہ اور عام علماء کا قول ہے۔ یہ حوراء کی جمع ہے۔ حوراء کا معنی سفید ہے، جس کی پنڈلی اس کے کپڑے کے باہر سے دکھائی دے گی اور

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 188

دیکھنے والا اپنا چہرہ اس کے پستان سے دیکھ لے گا جس طرح آئینہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کی جلد بڑی باریک، چہرہ تروتازہ اور رنگ صاف ہوگا۔ اس تاویل کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں بِعِیس عِین ہے۔ ابوبکر انباری نے احمد بن حسین سے وہ حسین سے وہ عمار بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہا: میں نے منصور بن معتمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے حم الدخان میں بعیس عین لاینذوقون طعم الموت إلا الموتة الاولی پڑھا۔ عیس کا معنی سفید ہے اسی وجہ سے سفید اونٹوں کو عیس کہتے ہیں اس کا واحد بعیر اعیس ہے اور ناقۃ عیساء ہے۔ امرؤ القیس نے کہا

يَرُعْنَ إلى صوتی إذا ماسمعنه كما تَرْعَوِى عِيطٌ إلى صوت أَعْيَسا

وہ میری آواز کی طرف لوٹ آتی ہیں جب وہ اسے سنتی ہیں جس طرح جوان اونٹنی اونٹ کی آواز کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یہاں حور کا معنی ہے خوبصورت، روشن، سفید۔ ابن مبارک نے ذکر کیا معمر ابواسحاق سے وہ عمرو بن میمون اُودی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: حورعین میں سے عورت ایسی ہوگی جس کی پنڈلی کا گودا گوشت اور ہڈی اور ستر حلوں کے نیچے سے دکھائی دے گا جس طرح سرخ شراب سفید شیشے میں دکھائی دیتا ہے۔ مجاہد نے کہا: حور کو حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ آنکھ ان کے حسن، سفیدی اور رنگ کی صفائی میں حیران ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان کی آنکھوں میں حور ہوگا۔ حور سے مراد آنکھوں میں شدید سیاہی میں انتہائی سفیدی ہے۔ امراۃ حوراء اسے کہتے ہیں جس کی حور واضح ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: أحورت عینہ إحورارا، أحور الشئ یعنی وہ شے سفید ہوگئی۔ اصمعی نے کہا: میں نہیں جانتا آنکھوں میں حور کیا ہوتی ہے؟ ابوعمرو نے کہا: حور یہ ہے کہ ساری آنکھ سیاہ ہو جائے جس طرح ہرنوں اور گائیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں کہا: انسانوں میں حور نہیں ہوتا عورتوں کو حورالعین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہرنوں اور گائیوں کے مشابہ ہوتی ہیں۔ عجاج نے کہا۔

بأَعْيُنٍ مُحَوَّرَاتٍ حُورِ

یعنی ایسی آنکھیں جو صاف سفید ہوں جس کی ڈھیری سخت سیاہ ہو۔ عِین، عَیناء کی جمع ہے اس سے مراد کھلی بڑی آنکھوں والی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حورعین کا مہر کھجور کی مٹھ اور روئی کا ٹکڑا ہوگا'' (1)۔

حضرت ابوقرصافہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''مسجدوں سے کوڑا کرکٹ کا نکالنا حورعین کا مہر ہے'' (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ''مساجد میں جھاڑو دینا یہ حورعین کا مہر ہے'' (3). اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے ہم نے کتاب التذکرہ میں اس بارے میں ایک الگ باب باندھا ہے۔ الحمدللہ۔

1۔ کتاب التذکرہ، ماجاء ان الأعمال الصالحۃ محصور الحصور العین، جلد 2، صفحہ 203 2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 311

اس میں اختلاف ہے کہ جنت میں افضل کون ہے انسانوں میں سے عورتیں یا حوریں؟ ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے: رشدین، ابن انعم سے وہ حبان بن ابی جبلہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انسانوں میں سے عورتیں جو جنت میں داخل ہوں گی انہیں دنیا میں اعمال کی وجہ سے حورعین پر فضیلت دی جائے گی۔

مرفوع روایت ہے کہ ''انسانوں میں سے عورتیں، حورعین میں سے ستر ہزار گنا فضیلت والی ہوں گی''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حورعین افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں کہا: وأبدِله زوجا خیرا من زوجه (1) اسے بیوی عطا فرما جو اس کی اس بیوی سے بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: بِحُوْرٍ عِیْنٍ یہ مضاف، مضاف الیہ ہے بِحُوْرٍ عِیْنٍ میں اضافت اور تنوین برابر ہیں۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝

''وہ منگوالیا کریں گے وہیں ہر قسم کا پھل اطمینان سے''۔

قتادہ نے کہا: اٰمِنِيْنَ ۝ وہ موت سے، بیماری سے اور شیطان سے محفوظ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جو نعمتیں ہیں ان کے انقطاع سے امن میں ہوں گے یا اس چیز سے امن میں ہوں گے کہ ان چیزوں کے کھانے سے انہیں کوئی تکلیف یا ناپسندیدہ چیز لاحق ہو سکتی ہے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

''نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے اور اللہ نے بچا لیا انہیں عذاب جہنم سے محض آپ کے رب کی مہربانی سے یہی وہ بڑی کامیابی ہے (جس کی انہیں آرزو تھی)''۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ لیکن پہلی موت کا ذائقہ انہوں نے دنیا میں چکھ لیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ الا، بعد کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: ماکلمت رجلا الیوم الاّ رجلا عندك۔ اس میں الا رجلا بعد رجل عندك کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: الا، سوی کے معنی میں ہے یعنی سوائے اس موت کے جس کا ذائقہ دنیا میں انہوں نے چکھ لیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء: 22) یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: ماذقت الیوم طعاما سوی ما اکلت امس میں نے آج کوئی کھانا نہیں کھایا سوائے اس کے جو میں نے کل کھایا تھا۔

قتبی نے کہا: اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى اس کا معنی ہے مومن جب موت کے قریب جاتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اور وہ روح و ریحان سے ملاقات کرتا ہے جنت میں اس کی موت اس کے اسباب کے ساتھ متصف ہونے کی بنا پر ہوگی۔ استثنا صحیح ہے موت ایک عرض ہے اس کو چکھا نہیں جاتا لیکن اسے کھانے کی طرح بنا دیا گیا ہے جس کا چکھنا ناپسند کیا جاتا

1۔ کتاب التذکرہ، ماجاء ان الأعمال الصالحة محصور الحصور العین، جلد 2، صفحہ 203

ہے تو ذوق کا لفظ بطور مجاز ذکر کیا جاتا ہے۔

وَ وَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۵۱﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل و احسان ہے فَضْلًا یہ مصدر ہے جس کا یدعون عامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل وَ وَقٰىهُمْ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فعل مضمر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عامل اس کلام کا معنی ہے جو اس سے قبل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل واحسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں ایسے اعمال کی توفیق دی جن کے باعث وہ جنت میں داخل ہوتے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۵۷﴾ یعنی سعادت، عظیم نفع اور عظیم نجات۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے فاز بکذا یعنی اسے پایا اور اس کے ساتھ کامیاب ہوا۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

''پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں''۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ یعنی قرآن، ہم نے اسے آپ کی زبان پر نازل کر کے آپ پر اور جو بھی اسے پڑھے اس پر آسان کر دیا ہے۔ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کریں اور اپنے برے اعمال سے رک جائیں اسکی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ (القمر) اس سورت کا اختتام قرآن کی اتباع پر برانگیختہ کرنے پر کیا ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح سورت کے آغاز میں ہوا اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ (القدر) جس طرح پہلے گذر چکا۔ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ میں نے آپ سے ان کے خلاف جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کیجئے جس طرح وہ آپ کی موت کا انتظار کر رہے ہیں، نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کی جانب سے فتح کا انتظار کیجئے جس طرح وہ اپنے گمان کے مطابق تجھ پر غلبہ پانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا جس طرح وہ تیرے بارے میں حادثات کا انتظار کر رہے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے تجھ سے ثواب کا جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کر وہ اس طرح ہیں گویا میں نے ان سے جو عقاب کا وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم قیامت کا انتظار کرو کیونکہ وہ فیصلہ کا دن ہے اگرچہ وہ اس کے وقوع کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ انہیں انتظار کرنے والا بنا دیا گیا ہے کیونکہ ان کا انجام یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

# سورۃ الجاثیہ

آیاتہا ۳۷ ۴۵ سُورَۃُ الجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۵ رکوعاتہا ۴

یہ تمام سورت مکی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، حضرت جابر اور عکرمہ کا قول ہے(1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: صرف ایک آیت مدنی ہے وہ ہے قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ حضرت عمر بن خطاب کے متعلق مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے(2)۔ مہدوی اور نحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی(3)۔ ہجرت سے قبل مشرکوں میں سے ایک آدمی نے آپ کو گالیاں دی تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ آیت کو نازل فرمایا پھر یہ آیت اس آیت کے ساتھ منسوخ کر دی گئی۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ:5) اس تعبیر کی بنا پر یہ ساری سورت مکی ہے۔ اس کی سینتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی چھتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝

"حا۔میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست اور حکمت والا ہے"۔

حٰمٓ ۝ یہ مبتدا ہے تَنْزِیْلُ یہ خبر ہے بعض نے کہا: حٰمٓ سورت کا نام ہے تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مبتدا ہے اس کی خبر مِنَ اللّٰهِ ہے کتاب سے مراد قرآن ہے الْعَزِیْزِ کا معنی زبردست محفوظ الْحَكِیْمِ اپنے افعال میں حکمت والا۔ ان تمام کلمات کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ فِیْ خَلْقِكُمْ وَ مَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

"بے شک آسمانوں اور زمین میں (اس کی یکتائی) (قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے۔ اور (خود) تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو وہ پھیلا رہا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں نیز گردش لیل و نہار میں اور جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق (کا سبب مینہ) پھر زندہ کر دیا اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے ادھر ادھر چلنے میں نشانیاں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 260 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 262

ہیں ان کے لیے جو عقل مند ہیں''۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی ان دونوں کی تخلیق میں۔ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ رزق سے مراد بارش ہے فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ تمام بحث سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔ عام قراءت وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ، وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ دونوں میں آیات رفع کے ساتھ ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے دونوں میں تاء کے نیچے کسرہ دیا ہے۔ پہلے میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ وہ منصوب ہے وہ ان کا اسم ہے اور اس کی خبر فِي السَّمٰوٰتِ ہے دوسرے لفظ آیات میں کسرہ اس پر عطف کی وجہ سے ہے جو اس میں عامل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ان فی خلقکم و ما یبث من دابۃ آیات جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں نصب لفظ آیات کے تکرار کی وجہ سے ہے جب کلام لمبا ہو گیا جس طرح تو کہتا ہے: ضربت زیدا زیدا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس پر محمول کریں گے جس میں ان عامل ہے اس میں فی کو محذوف مقدر مانیں گے، تقدیر کلام یہ ہے فی اختلاف اللیل والنہار آیات، فی حذف ہو گیا کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ سیبویہ نے اس کے حذف میں یہ شعر پڑھا ہے:

أَكُلُّ امرئٍ تَحْسِبِيْنَ اِمرأً ونارٍ تَوَقَّدُ بالليل نارا(1)

''کیا ہر آدمی کو تو آدمی خیال کرتی ہے اور ہر آگ جورات کو روشن کی جاتی ہے اسے ضیافت کی آگ شمار کرتی ہے''۔ لفظ کل حذف کر دیا گیا جو نار کی طرف مضاف ہے جو مجرور ہے حذف کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دو عاملوں پر عطف کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ سیبویہ نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ اخفش اور کوفیوں کی جماعت نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ وَاخْتِلَافِ کا عطف وَفِيْ خَلْقِكُمْ پر ہے پھر فرمایا: وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ تو یہ دو عاملوں پر عطف کا محتاج ہے اور دو عاملوں پر عطف قبیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف عطف عامل کے قائم مقام ہوتے ہیں پس یہ اس کی قوت نہ رکھیں گے کہ دو مختلف عاملوں کے قائم مقام ہو جائیں کیونکہ اگر یہ ناصب اور رافع کے قائم مقام ہو تو یہ ایک ہی حال میں رفع اور نصب دینے والا ہوگا۔ جہاں تک رفع کی قراءت کا تعلق ہے تو یہ ان اور جس میں ان عامل ہے اس کے محل پر محمول ہوگا جبکہ نحویوں نے اس صورت میں بھی دو عاملوں پر عطف کو لازم کیا ہے، کیونکہ اس نے وَاخْتِلَافِ کا عطف وَفِيْ خَلْقِكُمْ پر کیا ہے اور اٰيٰتٌ کا عطف پہلے لفظ اٰيٰتٌ کے محل پر کیا ہے لیکن لفظ فی کو مکرر مقدر کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ماقبل کلام سے اسے قطع کر کے اسے رفع دیا جائے تو اسے مبتدا ہونے کی حیثیت میں اسے رفع دیا جائے گا اور ماقبل اس کی خبر ہوگی اور جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا۔ فراء نے اخْتِلَافِ اور اٰيٰتٌ دونوں کے منع کا ذکر کیا ہے اور اختلاف ہی کو آیات بنایا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝

''یہ سب نشانیاں ہیں الله کی (قدرت کی) ہم بیان کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ پس وہ کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ الله اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے''۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 80

تِلْكَ اٰيٰتُ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں یعنی ایسے دلائل اور براہین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ حق سے مراد صدق ہے، یعنی یہ ایسی آیات ہیں جو باطل نہیں اور جن میں جھوٹ نہیں۔ اسے یتلوھا پڑھا گیا ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے قرآن کے بعد۔ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے۔ ابن محیصن اور ابوبکر نے عاصم سے، حمزہ اور کسائی نے تومنون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝

''ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لیے جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں پس آپ اسے دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں''۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝ وَيْلٌ جہنم میں ایک وادی ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ کی آیات سے استدلال کو ترک کرتا ہے اس کے لیے دھمکی ہے اَفَّاكٍ کا معنی کذاب ہے۔ افلک کا معنی جھوٹ ہے اَثِيْمٍ گناہ کا ارتکاب کرنے والا مراد ہے نضر بن حارث۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد حارث بن کلدہ ہے۔ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے: مراد ابوجہل اور اس کے ساتھی ہیں۔

يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ آیات اللہ سے مراد قرآن کی آیات ہیں ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا وہ اپنے کفر میں بہت دور نکل گیا ہے اور اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتا ہے یہ صَرَّ الصَّرَّۃ سے ماخوذ ہے جب وہ تھیلی کو باندھے؛ یہ معنی حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ اصر الحمار علی العانۃ ہے وہ اپنے کان کھڑے کر کے اس کی طرف مڑتا ہے۔ کَاَنْ میں اَنْ مثقلہ سے مخففہ ہے گویا اس نے اس کو سنا ہی نہیں ضمیر ضمیر شان ہے جس طرح اس مصرعہ میں اسم ضمیر شان محذوف ہے:

كَاَنْ ظَبْيَةً تَعْطُوْ اِلٰى نَاضِرِ السَّلَمْ گویا ہرن تر و تازہ سلم کے درخت سے کھاتا ہے۔

جملہ کا محل نصب ہے یعنی کان اس طرح کھڑے کرتا ہے جس طرح نہ سننے والا کان کھڑے کرتا ہے۔ سورۂ لقمان کے آغاز میں اس آیت کا معنی گذر چکا ہے۔ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ کا معنی بھی سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْــًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝

''اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے، یہی وہ (بدقماش) ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے (عمر بھر) کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنایا تھا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا''۔

وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا جس طرح وہ زقوم کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ مکھن اور کھجور کا مجموعہ ہے جہنم کے داروغوں کے بارے میں کہتا: اگر وہ انیس ہیں تو میں اکیلا انہیں کافی ہو جاؤں گا۔ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ مُّهِیْنٌ سے مراد ذلیل و رسوا کرنے والا ہے۔ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ دنیا میں جس غلبہ میں تھے اور حق سے تکبر کیا کرتے تھے اب ان کے آگے جہنم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ان کے آگے جہنم ہے۔ اس کی مثل مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۝ (ابراہیم) یعنی ان کے آگے جہنم ہے۔ شاعر نے کہا:

أليس ورائي إن تراخت منيتي　　أدبّ مع الولدان أزحف كالنسر

اگر میری موت مؤخر ہو جائے تو کیا میرے آگے ایسا وقت نہیں کہ میں بچوں کے ساتھ رینگوں گا اور گدھ کی طرح گھسٹوں گا۔

وَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْـًٔا یعنی مال اور اولاد میں سے کوئی چیز انہیں نفع نہ دے گی۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا (آل عمران: 10) یہاں بھی مراد مال اور اولاد ہے۔ وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ مراد بت ہیں وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یعنی ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا اور تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝

''یہ قرآن سراپا ہدایت ہے، اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لیے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے''۔

هٰذَا هُدًى یہ مبتدا خبر ہے یعنی قرآن سراپا ہدایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دلائل کا انکار کیا لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝ رجز سے مراد عذاب ہے، یعنی ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (بقرہ: 59) رجز سے مراد عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجز سے مراد ناپاک شے ہے جس طرح رجس ہوا کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَ یُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۝ (ابراہیم) یعنی گندہ مشروب پینے کی صورت میں ان کے لیے عذاب ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی واقع ہوا ہے ابن محیصن نے راء کو ضمہ دیا ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن اور حفص نے اَلِیْمٌ کو مرفوع پڑھا ہے معنی ہے ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو رجز ہے۔ باقی قراء نے اَلِیْمٍ کو مجرور پڑھا ہے، یہ رجز کی صفت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

"اللہ وہ ہے جس نے مسخر کردیا ہے تمہارے لیے سمندر کو تاکہ رواں رہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ (تم بحری تجارت سے) تلاش کرو اس کا فضل اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو اور مسخر کردیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے، بے شک اس (نظام) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں"۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت اور اپنے بندوں پر تمام نعمت کا ذکر کیا اور اس امر کی وضاحت کی کہ جو کچھ پیدا کیا وہ لوگوں کے منافع کے لیے پیدا کیا۔

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فعل، اس کی تخلیق اس کا احسان اور انعام ہے۔ حضرت ابن عباس، جحدری اور دوسرے علماء نے جَمِيْعًا مِّنَّةً پڑھا ہے یعنی میم مکسور، نون مشدد اور ھاء پر تنوین ہے۔ یہ مفعول مطلق کے طریقہ پر منصوب ہے۔ ابو عمرو نے کہا: میں نے مسلمہ سے اسی طرح سنا کہ انہوں نے اسے مِنَّه پڑھا، یعنی فضل و کرم کے طریقہ پر۔

مسلم بن محارب نے اسے جَمِيْعًا مِّنَّهٗ پڑھا ہے کہ من کا لفظ ھاء کنایہ کی طرف منسوب ہے۔ ابو حاتم کے نزدیک یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ذلك وهو منه۔ جماعت کی قراءت ظاہر ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

"(اے حبیب) فرمائیے اہل ایمان کو کہ درگزر کرتے رہیں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تاکہ اللہ خود بدلہ دے ہر قوم کو جو وہ کیا کرتے تھے"۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا قل کے جواب کی وجہ سے يَغْفِرُوْا مجزوم ہے اسے شرط و جزا کے ساتھ تشبیہ دی، جس طرح تیرا قول ہے: قُمْ تُصِبْ خيرا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَغْفِرُوْا لام کے حذف کی وجہ سے مجزوم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس معنی کی بنا پر یہ مجزوم ہے قل لهم اغفروا ايغفروا یہ امر محذوف کا جواب ہے جس امر پر کلام دلالت کرتی ہے۔ یہ علی بن عیسیٰ نے قول کیا ہے، ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے۔ یہ آیت اس سبب سے نازل ہوئی (1) کہ قریش کے ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول صحیح نہیں۔ واحدی، قشیری اور دوسرے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 262

علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں نازل ہوئی جوان کا معاملہ غزوہ بنی مصطلق میں عبداللہ بن ابی کے ساتھ ہوا تھا (1) یہ سب لوگ ایک چشمہ پر فروکش ہوئے جسے مریسیع کہا جاتا۔ عبداللہ نے اپنا غلام پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے واپس آنے میں دیری کی۔ عبداللہ بن ابی نے پوچھا: کس چیز نے تجھے روکے رکھا؟ اس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب کے غلام نے وہ کنویں کے منہ پر بیٹھ گیا اس نے کسی کو بھی پانی بھرنے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور اپنے آقا کا مشکیزہ بھرا۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: ہماری اور ان کی مثال ایسے ہی ہے جس طرح کہا گیا سمّن کلبک یا کلک اپنے کتے کو موٹا کرو کہ وہ تمہیں کھا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بات پہنچ گئی آپ نے تلوار لی آپ اس کی طرف جانا چاہتے تھے کہ اسے قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما دیا؛ یہ عطا کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی: من ذاالذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ مدینہ کا یہودی جس کو فنحاص کہا جاتا اس نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب محتاج ہو گیا ہے۔ کہا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سنی تو آپ نے تلوار لی اس کی تلاش میں نکلے جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا: ان ربک یقول لک قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ حضرت جبریل امین نے بتایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لی ہے اور یہودی کی تلاش میں نکلے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کی تلاش میں آدمی بھیجا جب حضرت عمر آ گئے فرمایا: ''اے عمر! اپنی تلوار رکھ لو''۔ عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیرا رب کہتا ہے قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ'' عرض کی: کوئی حرج نہیں جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ میرے چہرے پر غضب نہ دیکھیں گے۔

میں کہتا ہوں: مہدوی اور نحاس نے جو ذکر کیا ہے وہ ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے؛ یہ قرظی اور سدی کا قول ہے۔ اسی قول کی بنا پر آیت میں نسخ کی طرف توجیہ کی جاتی ہے اور یہ کہنا کہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے یا غزوہ بنی مصطلق میں نازل ہوئی ہے تو یہ منسوخ نہیں۔ یَغْفِرُوْا کا معنی معاف کرنا اور درگزر کرنا ہے۔ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ کا معنی ہے وہ اس کے ثواب کی امید نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور انتقام سے خوف نہیں کھاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجاء کا معنی خوف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ (نوح) تم اس کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے؟ تم سابقہ امتوں کے عذاب کی مثل سے نہیں ڈرتے۔ ایام سے مراد بڑے واقعات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بعث (دوبارہ اٹھائے جانے) سے نہیں ڈرتے۔

لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ عام قراءت لِيَجْزِيَ ہے معنی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ جزا دے۔ حمزہ، نسائی اور ابن

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 196

عامر نے لنجزی پڑھا ہے۔ جمع متکلم کا صیغہ تعظیم کے طریقہ پر ہے۔

ابوجعفر، اعرج اور شیبہ نے لیُجْزٰی پڑھا ہے، فعل مجہول ہے۔ قَوْمًا یہ منصوب ہے۔ ابوعمرو نے کہا: وہ واضح غلطی ہے۔ نسائی نے کہا: اس کا معنی ہے لیجزی الجزاء قوما قوم کو جزا دی جاتی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ (الانبیاء) یہ ابن عامر اور ابوبکر کی سورۃ الانبیاء میں قرائت ہے۔ شاعر نے کہا:

ولو وَلَدَتْ قُفَيْرَةُ جَرْوَ كَلْبٍ لَسُبَّ بذلك الجَرْوِ الكلابا

اگر قفیرہ کتے کے پلے کو جنم دیتی تو اسی پلے کی وجہ سے کتوں کو گالیاں دی جاتیں۔

تو اس کی تعبیر یہ ہے لَسُبَّ السَّبُّ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

''جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیئے پس آپس میں انہوں نے جھگڑنا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ انہیں (حقائق) کا صحیح علم آ گیا محض باہم حسد و عناد کے باعث، یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے''۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا ... اس کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ کتاب سے مراد تورات ہے وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ حکم سے مراد کتاب کا فہم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حکم سے مراد لوگوں پر حکم چلانا اور فیصلہ کرنا ہے۔ النُّبُوَّةَ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انبیاء ہیں۔

وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ طیبات سے مراد غذاؤں، پھلوں اور کھانوں میں سے حلال چیزیں جو ملک شام میں تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تیہ کے ریگستان میں من وسلویٰ ہے۔ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ یعنی ان کے زمانہ کے عالم۔ جس طرح اس کی وضاحت سورۂ دخان میں گذر چکی ہے۔

وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اور آپ

کی نبوت کے شواہد ہیں (1) کہ آپ تہامہ سے یثرب کی طرف ہجرت کریں گے اہل یثرب آپ کی مدد کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ سے مراد شرعی احکام ہیں جو حلال وحرام میں واضح ہیں اور معجزات ہیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے ان میں سے بعض ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے کفر کیا (2)؛ یہ نقاش نے بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ہے پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔

بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حسد کرنے کی بنا پر (3)؛ یہ معنی ضحاک نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَغْیًا کا معنی ہے بعض بعض پر بغاوت کرتے ہیں اور فضل وسرداری کو طلب کرتے ہیں اور انہوں نے انبیاء کو قتل کیا، اسی طرح تیرے زمانے کے مشرک ہیں اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے پاس بینات آگئیں لیکن انہوں نے بینات سے اعراض کیا کیونکہ وہ ریاست میں باہم مقابلہ کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ تیرا رب ان کو حکم دیتا ہے اور ان کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔

**ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾**

''پھر ہم نے پختہ کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ لغت میں شریعت سے مراد مذہب اور ملت ہے۔ پانی کے گھاٹ کو شریعہ کہتے ہیں اسی سے لفظ شارع ہے کیونکہ یہ مقصد کی طرف جانے کا راستہ ہے شریعت اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دین شروع کیا ہوتا ہے۔ اس کی جمع شرائع ہے۔ دین میں شرائع سے مراد وہ مذاہب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے مشروع کیے ہوتے ہیں۔ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ کا معنی ہے یعنی دین کے معاملہ میں واضح منہاج جو تجھے حق کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَلٰى شَرِیْعَةٍ کا معنی ہے دین کے معاملہ میں ہدایت پر۔ قتادہ نے کہا: شریعت سے مراد امر، نہی، حدود اور فرائض ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی بینہ ہے کیونکہ یہ حق کی طرف واضح راستہ ہے۔ کلبی نے کہا: مراد السنۃ ہے کیونکہ اس کے ذریعے ماقبل انبیاء کے راستہ پر چلا جاتا ہے (4)۔ ابن زید نے کہا: مراد دین ہے کیونکہ وہ نجات کا راستہ ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: امر کا لفظ لغت میں دو معنوں میں وارد ہوتا ہے۔ 1۔ یہ شان کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ﴿۹۷﴾ (ہود) 2۔ کلام کی وہ قسم ہے نہی جس کے مقابل ہوتی ہے دونوں معانی کو یہاں مراد بنانا صحیح ہے تقدیر کلام یہ ہوگی پھر ہم نے تجھے دین کے طریقہ پر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 263 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 264 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

چلایا یہ ملت اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (النحل)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توحید، مکارم اخلاق اور مصالح میں شرائع میں کوئی فرق نہیں رکھا فرعی مسائل میں فرق کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم محیط تقاضا کرتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ابن عربی نے کہا: جو لوگ علوم میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتیں ہماری شریعتیں نہیں کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت کو شریعت میں خاص کیا ہے۔ ہم اس بات کا تو انکار نہیں کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت شریعت میں منفرد ہے اختلاف اس امر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماقبل شریعتوں کے بارے میں مدح اور ثنا کے انداز میں خبر دی ہے کیا اس کی اتباع لازم ہے یا نہیں؟۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی مشرکوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب قریش نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

"یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں آپ کو قطعا کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے، بلا شبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے"۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اگر آپ ان کی خواہشات کی اتباع کریں تو وہ تجھ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دور نہیں کریں گے۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ظالم ایک دوسرے کے دوست، مددگار اور احباب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے منافق یہودیوں کے دوست ہیں۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اللہ متقین کا مددگار ہے۔ یہاں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

"یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لیے اور (باعث) ہدایت و رحمت ہے ان کے لیے جو یقین رکھتے ہیں"۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ یہ کلام مبتدا اور خبر ہے یعنی یہ چیز جو تم پر نازل کی گئی ہے یہ حدود و احکام میں لوگوں کے لیے براہین،

دلائل اور علم کے محل ہیں۔ اسے هٰذَا بَصَآئِرُ پڑھا گیا ہے یعنی یہ آیات بصائر ہیں۔ وَهُدًى یعنی راہنمائی اور طریقہ ہیں جو اس آدمی کو جنت کی طرف لے جاتا ہے جو بھی اسے اپناتا ہے وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝ اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے آخرت میں رحمت ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۝۲۱

''کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنا دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان (دونوں) کا جینا اور مرنا، بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ یعنی جنہوں نے برائیاں کیں۔ اجتراح کا معنی کمانا ہے، اسی سے جو جوارح کا لفظ ہے اس کی وضاحت سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کلبی نے کہا: الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا سے مراد عتبہ، شیبہ جو ربیع کے بیٹے تھے (1) اور ولید بن عتبہ ہے كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث ہیں جب انہوں نے ان کو بدر کے روز دعوت مبارزت دی اور انہیں قتل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مشرکوں کی ایک جماعت کے بارے میں آیت نازل ہوئی انہوں نے کہا تھا: آخرت میں انہیں مومنوں کے مقابلہ میں بہتر دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کے بارے میں بتایا۔

وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (فصلت: 50) اَمْ حَسِبَ یہ استفہام ہے یہ کلام معطوف ہے اس کا معنی انکار ہے اہل عربیہ عطف کے بغیر بھی اسے جائز سمجھتے ہیں جب وہ خطاب کے وسط میں ہو۔ ایک قوم کہتی ہے: اس میں اضمار ہے یعنی اللہ تعالیٰ متقین کا ولی ہے کیا مشرک یہ جانتے ہیں یا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کے درمیان برابری کریں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام منقطعہ ہے اس میں ہمزہ کا معنی حسبان کا انکار ہے عام قراء کی قراءت سَوَآءٌ رفع کے ساتھ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر مقدم ہے تقدیر کلام یہ ہے محیاهم و مماتهم سواء۔ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ میں ضمیر کفار کی طرف لوٹے گی ، یعنی ان کی زندگی بری زندگی ہے اور ان کی موت بھی اسی طرح ہے۔ حمزہ، کسائی اور اعمش نے سَوَآءً نصب کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے اس کا معنی ہے ہم اسے برابر بنا دیں گے۔ اعمش اور عیسیٰ بن عمر نے مَمَاتَهُمْ نصب کے ساتھ پڑھا ہے، معنی ہو گا وہ اپنی زندگی اور موت میں برابر ہیں جب حرف جار فی محیاهم و مماتهم میں سے ساقط کر دیا تو وہ منصوب ہو گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ یہ نَّجْعَلَهُمْ کی ہم ضمیر سے بدل ہوں، معنی ہو گا کیا ہم ان کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے جس طرح مومنوں کی زندگی اور موت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کی ضمیر کفار اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 264

مومنین سب کے لیے ہو۔ مجاہد نے کہا: مومن مومن کی حیثیت سے مرتا ہے، مومن کی حیثیت سے اٹھایا جاتا ہے، کافر کافر کی حیثیت سے مرتا ہے اور کافر کی حیثیت سے اٹھایا جاتا ہے (1)۔ ابن مبارک نے ذکر کیا شعبہ، عمرو بن مرہ سے وہ ابوضحا سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے آدمی نے کہا: یہ تمیم داری کا مقام ہے میں نے اسے ایک رات دیکھا یہاں تک کہ اس نے صبح کی یا صبح کے قریب تھا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ایک آیت کو پڑھتا، رکوع کرتا، سجدہ کرتا اور روتا اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

بشیر نے کہا: میں ایک رات ربیع بن خیثمہ کے پاس گزرا وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے وہ اس آیت کے پاس سے گذرے ساری رات اسی پر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ صبح کر دی شدید رونے کی وجہ سے اس سے آگے نہ بڑھے۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا: میں فضیل بن عیاض کو اکثر دیکھا کرتا وہ رات کے پہلے حصہ سے آخر رات تک اس آیت کو دہراتے رہتے اور اس کی مثل آیات پڑھتے رہتے، پھر کہتے: کاش! تو جانتا تو کس جماعت میں سے ہے؟ اس آیت کو عابدین کو رلانے والی آیت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ محکم ہے۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

"اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر (قطعاً) ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ الحق سے پہلے الامر کا لفظ محذوف ہے وَ لِتُجْزٰى اصل میں لکی تجزی تھا كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ہر نفس نے جو کیا ہوگا اسے آخرت میں جزا دی جائے گی وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

"ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ، پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد (لوگو!) کیا تم غور نہیں کرتے"۔

حضرت ابن عباس، قتادہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کافر نے اپنا دین اسی کو بنا لیا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے وہ کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا مگر اس پر سوار ہو جاتا ہے (2)۔ عکرمہ نے کہا: ذرا اسے تو دیکھو جس نے اپنا معبود اسے بنا لیا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے یا جسے وہ اچھا جانتا ہے جب وہ کسی چیز کو اچھا خیال کرتا ہے اور اس کی خواہش کرتا ہے تو اسے اپنا الہ بنا لیتا ہے (3)۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان میں سے کوئی پتھر کی پوجا کرتا جب اس پتھر سے خوبصورت پتھر دیکھتا

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 253 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 264 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 265

تو پہلے پتھر کو پھینک دیتا اور دوسرے کی عبادت شروع کر دیتا۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت حارث بن قیس سہمی کے بارے میں نازل ہوئی جو مذاق اڑانے والوں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ اس کی پوجا کرتا جس کی خواہش کرتا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: انہوں نے پتھر کی عبادت کی کیونکہ بیت اللہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جو اپنی خواہش اور اپنے معبود کی پیروی کرتا ہے۔ اس کلام سے مقصود ذوی العقول کی اس جہالت پر تعجب کا اظہار کرنا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا: اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ شعبی نے کہا: خواہش کو ھوی کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ خواہش کرنے والے کو آگ میں پھینک دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ھوی کا ذکر نہیں کیا مگر اس کی مذمت کی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (اعراف: 176) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ (کہف) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (الروم: 29) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (قصص: 50) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (ص: 26)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جس پیغام حق کو میں لایا ہوں" (1)۔

حضرت ابو امامہ نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "آسمان کے نیچے کسی معبود کی عبادت نہیں کی گئی جو خواہش نفس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہو"۔ حضرت شداد بن اوس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والفاجر من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ (2)۔ دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع کیا اور موت کے بعد کے لیے عمل کیا اور فاجر وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے تابع کیا اور اللہ تعالیٰ پر تمنا کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تو ایسا بخل رکھے جس کی اتباع کی جاتی ہو، خواہش کی پیروی کی جاتی ہو، دنیا کو ترجیح دی جاتی ہو ہر رائے والا اپنی رائے پر خوش ہوتا ہے تو تجھے اپنی ذات کی فکر کرنی چاہیے اور تجھے عام لوگوں کے معاملات کو چھوڑ دینا چاہیے (3)" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ثلاث مهلكات و ثلاث منجيات فالمهلكات شح مطاع وهوى متبع واعجاب المرء بنفسه والمنجيات خشية الله في السر والعلانية والقصد في الغناء والفقر والعدل في الرضا والغضب (4) تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں۔ ایسا بخل

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، صفحہ 30
2۔ سنن ابن ماجہ، باب ذکر الموت والاستعداد بہ، جلد 2، صفحہ 324
3۔ سنن ابن ماجہ، باب قولہ تعالیٰ یایھا الذین آمنوا، جلد 2، صفحہ 299
4۔ کنز العمال، جلد 16، صفحہ 45، حدیث نمبر 43866

جس کی اطاعت کی جائے، ایسی خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنے آپ پر خوش ہونا۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں مخفی اور علانیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غنا اور فقر میں میانہ روی اختیار کرنا اور رضامندی اور ناراضگی میں عدل کرنا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ایک آدمی صبح کرتا ہے تو اس کی خواہش، اس کا عمل اور اس کا علم اکٹھے ہوتے ہیں اگر اس کا عمل اس کی خواہش کے تابع ہو تو اس کا دن برا دن ہوتا ہے۔ اگر اس کا عمل اس کے علم کے تابع ہوتا ہے تو اس کا دن صالح دن ہوتا ہے۔ اصمعی نے کہا میں نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا:

إن الهوان هو الهوى قُلِب اسمه     فإذا هويت فقد لقيت هوانا

ذلت ہی خواہش ہے اس کا نام الٹ دیا گیا ہے جب تو خواہش کرے تو تو نے ذلت کو پالیا

ابن مقفع سے ھوی کے بارے میں پوچھا گیا اس نے کہا: ھوان کا نون چرالیا گیا شاعر نے اسے لیا اور اسے اشعار میں نظم کیا اور کہا

نُونُ الهوان من الهَوىٰ مسروقةٌ     فإذا هَوِيت فقد لقيت هوانا

ھوان کا نون ھوی سے چرالیا گیا ہے جب تو خواہش کرے گا تو تو نے ذلت کو پالیا۔ اور ایک شاعر نے کہا:

ان الهوى لهو الهوان بعينه     فإذا هوِيت كَسَبت هوانا

وإذا هويت فقد تعبّدك الهوى     فاخضع لحبّك كائنا من كانا

بے شک ھواء بعینہٖ ہی ھوان ہے جب تو نے خواہش کی تو تو نے ذلت کو کمالیا۔

جب تو نے خواہش کی تو خواہش نے تجھے اپنا غلام بنالیا اپنی محبت کو پست رکھو وہ جس سے بھی ہو۔

عبداللہ بن مبارک کے اشعار ہیں:

ومن البلايا للبلاء علامة     ألا يُرىٰ لك عن هواك نزوع

العبد عبدالنفس فى شهواتها     والحرّ يشبع تارة ويجوع

آزمائشیں آزمائشوں کی علامت ہوتی ہیں کیا تیرے لیے تیری خواہش سے میلان دکھائی نہیں دیتا۔ بندہ اپنی خواہشات میں نفس کا غلام ہوتا ہے، شریف آدمی کبھی سیر ہوتا ہے اور کبھی بھوکا رہتا ہے۔

ابن درید کے اشعار ہیں:

إذا طالبتك النفس يوما بشهوة     وكان إليها للخلاف طريق

فَدَعْها وخالف ما هَوِيت فإنما     هواك عدو والخلاف صديق

جب نفس کسی روز تجھ سے کسی خواہش کا مطالبہ کرے جبکہ اس سے اختلاف کا طریقہ ہو اسے چھوڑ دو اور جو تو نے خواہش کی ہے اس کی مخالفت کر بے شک تیری خواہش دشمن ہے اور اس سے اختلاف کرنا درست ہے۔

ابوعبید طوسی کا شعر ہے۔

والنفس إن أعطيتها مناها فاغرة نحو هواها فاها

اگر تو نفس کو اس کی آرزو عطا کرے نفس اپنی خواہش کی طرف اپنا منہ کھولے ہوئے ہے۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: میں ایک راہب کے پاس سے گذرا تو میں نے اسے نحیف و نزار پایا، میں نے اسے کہا: تو کمزور ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: کتنے عرصہ سے؟ اس نے کہا: جب سے میں نے اپنے نفس کو پہچانا ہے، میں نے کہا: تو اس کی دوا کرتا ہے؟ اس نے کہا: دوا نے مجھے تھکا دیا ہے اور میں نے کی کا عزم کیا ہے۔ میں نے کہا: کی کیا ہے؟ اس نے کہا: خواہش نفس کی مخالفت۔ سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: تیری خواہش تیری بیماری ہے اگر تو اس کی مخالفت کرے تو تیری دوائی ہے۔ وہب نے کہا: جب تجھے دو امور میں شک ہو اور تو ان میں سے بہترین کو نہ جانتا ہو تو ان دونوں میں سے تیری خواہش سے جو زیادہ دور ہے اس کو دیکھو اور اس پر عمل کرو۔

اس باب یعنی خواہش نفس کی مخالفت اور اس کی مذمت میں مستقل کتابیں اور کتابوں کے ابواب ہیں ان میں سے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (نازعات)

وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ یعنی علم جو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں رکھتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے ثواب سے محروم رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ اس کا مستحق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ گمراہ ہوگا (1)۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ گمراہ ہے (2)۔ معنی قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بت پرست کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ عمل اسے نہ نفع دے گا اور نہ نقصان پہنچائے گا۔ پھر کہا گیا: عَلٰى عِلْمٍ کے بارے میں جائز ہے کہ فاعل سے حال ہو معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول سے حال ہو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں کہ کافر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ گمراہ ہے۔

وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ اس کے کان پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ وعظ کو نہیں سنتا (3)، اس کے دل پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں سمجھتا۔

وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً یعنی ایسا پردہ یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ حمزہ اور کسائی نے کہا: غشوۃ الف کے بغیر غین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ شاعر نے کہا:

أما والذی أنا عبدٌ له يَمِينًا و مالك أبدى اليمينا

لئن كنت ألبستنی غشوة لقد كنت أصفيتك الوُدّ حينا

محل استدلال ألبستنی غشوة ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 265 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ جب اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے تو کون اسے ہدایت دے گا۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کہا: تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور تم نہیں پہچانتے کہ وہ ہر چاہت پر قادر ہے۔

یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے اور جو بھی ان کی راہ چلا اس کا رد کرتی ہے، کیونکہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ انہیں ہدایت سے روک دیا گیا ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ یہ ان کے احوال کے بارے میں خبر کے طریقہ پر کلام چلائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے خلاف دعا کے طریقہ پر کلام ذکر کی گئی ہے جس طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں کلام گذری ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حارث بن قیس غیاطلہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ نقاش نے کہا: یہ آیت حارث بن نوفل بن عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس نے ایک روز بیت اللہ شریف کا طواف کیا جبکہ اس کے ساتھ ولید بن مغیرہ تھا دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی ابوجہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا: رہنے دو کس چیز نے تجھے اس پر آگاہ کیا؟ اس نے کہا: اے ابوعبد شمس! ہم بچپن میں اسے صادق و امین کہتے تھے جب اس کی عقل مکمل ہو گئی اور دانش کمال کو پہنچ گئی تو ہم اسے کذاب و خائن کہتے ہیں، اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ صادق ہیں۔ ولید نے پوچھا: تجھے کونسی چیز روکتی ہے کہ تو اس کی تصدیق کرے اور اس پر ایمان لائے؟ ابوجہل نے کہا: میرے بارے میں قریش کی بچیاں باتیں کریں گی کہ میں نے ابوطالب کے ہاں پرورش پانے والے یتیم کی پیروی کی ہے وجہ مقابلہ نہ کر سکنا ہے، لات و عزیٰ کی قسم! میں کبھی بھی اس کی پیروی نہیں کروں گا۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

”اور وہ کہتے ہیں: نہیں (کوئی دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض ظن (وتخمین) سے کام لے رہے ہیں“۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا یہ ان کی جانب سے انکار، دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانا اور جزا کا ابطال ہے نَمُوْتُ وَنَحْیَا کا معنی ہے ہم مریں گے اور ہماری اولادیں زندہ رہیں گی (1)؛ یہ کلبی کا قول ہے اسے نُحیَا بھی پڑھا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے بعض مریں گے اور ہم میں سے بعض زندہ ہوں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہم زندہ ہوں گے اور ہم مریں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔

وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ مجاہد نے کہا: اس سے مراد سال اور دن ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: عمر ہے (4)؛ معنی ایک ہی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 266 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ہے۔ اسے الادھریمر بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن عیینہ نے کہا: دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے اور وہی زندہ کرتا ہے اور ہمیں مارتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قطرب نے کہا: معنی ہے ہمیں موت ہی ہلاک کرتی ہے اور ابوذ ؤیب کا قول پڑھا۔

أمِن المَنُونِ وريبِها تتوجَعُ والدّهرُ ليس بمعتبٍ مَنْ يَجْزَعُ

کیا تم موتوں اور ان کے حادثات سے دکھی ہوتے ہو جو آدمی جزع فزع کرتا ہے زمانہ اس پر عتاب نہیں کرتا۔

عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔ ''دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر رات اور دن اور وہی ہمیں ہلاک کرتا ہے، ہمیں موت دیتا ہے اور ہمیں زندہ کرتا ہے پس وہ زمانہ کو گالیاں دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یؤذینی ابن آدم یسبّ الدّھر وأنا الدّھر بیدی الأمر أقلب اللیل والنھار (1)۔ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے میں دھر ہوں اور میرے قبضہ قدرت میں امر ہے، میں رات اور دن کو گھماتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول قال اللہ إلی آخرہ بخاری کی نص اور اس کے الفاظ ہیں۔ امام مسلم نے بھی اسے نقل کیا ہے سنن ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے۔ موطا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لایقولن أحدکم یاخیبۃ الدّھر فإن اللہ ھو الدّھر (2)۔ تم میں سے کوئی ایک یہ نہ کہے: ہائے زمانہ کی بربادی، بے شک اللہ ہی زمانہ ہے۔ جس نے یہ کہا کہ دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اس نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور کہا: علماء میں سے جنہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا اسم قرار نہیں دیا اس نے اسے دور جاہلیت میں عربوں کا جو انداز کلام تھا اس کا رد بنایا ہے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دہر ہی حقیقت میں فاعل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے آیت میں ان کے بارے میں بتایا ہے جب انہیں کوئی مصیبت، ظلم یا ناپسندیدہ چیز پہنچتی تو اسے دہر کی طرف منسوب کرتے تو انہیں یہ کہا گیا: تم زمانہ کو گالیاں نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے (3)، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کو بجالانے والا ہے جن کو تم زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہو، تو گالی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتی ہے تو انہیں اس امر سے روک دیا گیا۔ اس نے جو ذکر کیا ہے اس کی صحت پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے (4)''

جس نے کہا بہت اچھا کہا وہ ابو علی ثقفی ہے:

یا عاتب الدّھرِ إذا نَابَہٗ لاتَلُمِ الدھر علی غَدْرِہٖ

الدّھرُ مأمورٌ لہ آمرٌ و ینتھی الدّھرُ إلی أمرہ

کم کافرٍ أموالُہ جَمّۃٌ تزداد أضعافًا علی کفرہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ تعالیٰ وما یھلکنا إلا الدھر، جلد 2، صفحہ 715

2۔ صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الأدب وغیرھا، باب النھی سب الدھر، جلد 2، صفحہ 237

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

ومؤمن لیس له درهمٌ یزداد إیمانًا علی فَقْرِہ

اے زمانہ کو عتاب کرنے والے جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے زمانہ کی جانب سے وعدہ پورا نہ کرنے پر اسے ملامت نہ کر، زمانہ تو مامور ہے اس کا ایک آمر ہے زمانہ اس کے امر پر منتہی ہو جائے گا۔ کتنے ہی کافر ہیں جن کے اموال بے شمار ہیں ان کے کفر کے باوجود ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک مومن ہے اس کے پاس کوئی درہم نہیں اس کے فقر کے باوجود اس کے ایمان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر اکثر زمانہ کا ذکر کرتے تو ان کے والد نے انہیں اس بات سے جھڑکا فرمایا: اے بیٹے! زمانہ کے ذکر سے بچ اور یہ شعر پڑھا:

فما الدهر بالجانی لِشیٔ لِحَینِهٖ ولا جالبَ البَلْوَی فلاتشتم الدّهْرَا

ولکن متی مایبعث الله باعثا علی معشرٍ یَجْعَلْ میاسیرهم عُسْرَا

زمانہ کسی شے پر آزمائش کے ساتھ جنایت کرنے والا نہیں اور نہ ہی مصیبت لانے والا ہے پس تو زمانہ کو گالیاں نہ دے مگر جب اللہ تعالیٰ کسی قبیلہ پر کوئی مصیبت بھیجتا ہے تو ان کی خوشحالیوں کو تنگدستی بنا دیتا ہے۔

ابوعبید نے کہا: میں نے ایک ملحد سے مناظرہ کیا اس نے کہا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کہتا ہے: فإنّ الله هو الدّهر۔ میں نے کہا: کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زمانہ کی ہلاکتوں میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہو بلکہ وہ کہتے جس طرح اعشیٰ نے کہا:

إن محلا وإن مُرتحَلا وإنّ فی السَّفْرِ إذ مَضَوا مَهَلَا

أستأثر الله بالوفاء وبالعد ل و ولیّ الملامةَ الرَّجُلَا

بے شک سفر پڑاؤ ڈالنے کا ایک محل ہے اور کوچ کرنے کی جگہ ہے اور اس میں آرام و فرصت ہے جب وہ چلے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے وفا اور عدل کو چن لیا ہے اور ملامت کو انسان کی طرف پھیر دیا ہے۔

ابوعبید نے کہا: اور حادثات کو اس کی طرف منسوب کیا۔ عمرو بن قمیہ نے کہا:

رمتنی بنات الدهر من حیث لا أری فکیف بمن یُرْمَی و لیس برامِ

فلو أنها نَبْل إذا لاتّقیتها ولکننی أُرْمَی بغیر سهامِ

علی الراحتین مرة وعلی العصا أنوءُ ثلاثًا بعدهن قیامی

مجھے حادثات زمانہ تیر مارتے ہیں جہاں سے میں دیکھتا نہیں اس آدمی کا کیا حال ہوگا جس پر تیر مارا جائے اور وہ خود تیر نہ مار سکے اگر وہ تیر ہوتا تو میں اس سے بچ جاتا، لیکن مجھے تو تیر اس کے بغیر مارا جاتا ہے۔ ایک دفعہ دونوں ہتھیلیوں پر اور تیسری دفعہ عصا کے سہارے اٹھتا ہوں ان کے بعد میرا کھڑا ہونا ہوتا ہے۔

اس کی مثل اشعار میں بہت زیادہ ذکر ہے شعراء اسے زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی فاعل حقیقی ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یہاں من زائدہ ہے یعنی انہوں نے جو کچھ کہا شک کرتے ہوئے کہا۔

اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ یعنی وہ ظن کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو بعث میں شک کرتے ہیں اور قطعی طور پر انکار نہیں کرتے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے ان کے لیے قیامت کا انکار تو ممکن نہیں وہ تاویل کرتے ہیں اور قیامت سے مراد بدن کی موت لیتے ہیں اور ثواب وعقاب اسے خیالات دیکھتے ہیں جو ان کے گمان کے مطابق روحوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا شر تمام کفار کے شر سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ لوگ حق پر ملمع سازی کرتے ہیں اور ان کی ظاہری تلبیس سے دھوکہ کھایا جاتا ہے۔ وہ مشرک جو اعلانیہ شرک کرتا ہے مسلمان اس سے احتیاط کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم مرتے ہیں اور ہمارے آثار زندہ رہتے ہیں۔ یہ اچھے ذکر کے ساتھ زندگی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے تناسخ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی روح مردوں میں رکھ دی جاتی ہے تو وہ اس کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

"اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو (ان کے جواب میں) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا اگر تم سچے ہو۔ فرمایئے: اللہ نے زندہ فرمادیا ہے تمہیں پھر وہ مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں اور قیامت جس میں ذرا شک نہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے"۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ جب ان مشرکوں پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو بعث کے جواز میں نازل ہوئی ہیں تو ان کے پاس رد کرنے کے کوئی دلائل نہیں۔

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ، حُجَّتَهُمْ یہ کان کی خبر ہے اور اسم اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ ہے یعنی ہمارے مردہ آباء کو لے آؤ جن ہے ہم اس بارے میں سوال کریں گے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا قول رد کر دیا قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ بعد اس کے کہ تم مردہ نطفہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کر دیا ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں قیامت کے روز جمع کرے گا جس طرح اس نے تمہیں دنیا میں زندہ کیا۔ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا جس طرح اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

زمخشری نے کہا: اگر تو کہے ان کے قول کو کیوں حجت قرار دیا گیا جبکہ وہ حجت نہیں؟ میں کہوں گا: انہوں نے اس کے ساتھ اسی طرح دلیل پکڑی جس طرح استدلال کرنے والا اپنی دلیل سے استدلال کرتا ہے (1)۔ انہوں نے اسے دلیل کے انداز میں

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 291

ذکر کیا تو بطور استہزاء اسے حجت کا نام دیا گیا یا ان کے گمان اور انداز سے کے مطابق وہ حجت تھی یا یہ اس اسلوب میں کلام ہے

تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيعٌ ان کا اہم سلام تکلیف دہ وار ہے۔

گویا کہا گیا: ان کی حجت نہیں تھی مگر جو حجت نہیں تھی۔ مراد یہ ہے اس امر کی نفی کی جائے کہ ان کی کوئی حجت ہو۔

اگر تو یہ کہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ کیسے ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ کا جواب ہے۔ میں اس کا جواب دوں گا: جب انہوں نے بعث کا انکار کیا، رسولوں کی تکذیب کی اور انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے یہ خاموش کرنے والا قول ہے تو ان پر بطریق دلیل الزامی اس چیز کو لازم کیا جائے گا جس کے وہ اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا پھر وہی انہیں مارے گا۔ اس دلیل الزامی کے ساتھ اس دلیل الزامی کو ملا دیا جائے گا جو اس اقرار کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے وہ قیامت کے روز انہیں جمع کرنا ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں اور حق کے داعی کی طرف توجہ کریں جو ذات اس امر پر قادر ہے وہ ان کے آباء کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے یہ امر اس پر زیادہ آسان ہے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست''۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خلقت اور ملک کے اعتبار سے یہ اللہ کے لیے ہیں۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ پہلا یوم يَّخْسَرُ کی وجہ سے منصوب ہے اور يَوْمَئِذٍ تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے یا یہ بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تقدیر کلام یہ ہے ولله الملك يوم تقوم الساعة، يومئذ میں عامل يخسر ہے۔ يخسر کا مفعول محذوف ہے، معنی ہے وہ جنت میں اپنی منازل کے بارے میں خسارے میں ہوں گے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے''۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً اس دن کی ہولناکی کے باعث تو یہ گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھے گا۔ یہاں امت سے مراد ہر ملت والے ہیں۔ جاثیہ میں پانچ تاویلیں ہیں:

1۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی مستوفزہ ہے (1)۔ سفیان نے کہا: مستوفزا اسے کہتے ہیں جس کے زمین پر اس کے دونوں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 267

گھٹنے اور اس کے پوروں کے اطراف لگتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ حساب کے موقع پر ہوتا ہے۔ 2۔ مجتمع، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول کیا ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے تو ہر دین والے کو مجتمع دیکھے گا۔ 3۔ متمیزہ، الگ الگ؛ یہ عکرمہ نے قول کیا ہے۔ 4۔ جھکا ہوا یہ قریش کی لغت ہے؛ یہ مورج کا قول ہے۔ 5۔ گھٹنوں پر بیٹھنے والا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ جثا سے مراد گھٹنوں پر بیٹھنا ہے۔ جثا علی رکبتہ یجثو ویجثی جُثُوًّا وجُثِیًّا۔ دونوں میں فعول کا وزن ہے۔۔ سورۂ مریم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ جثوۃ کا اصل معنی ہر شے کی جماعت ہے۔ طرفہ دو قبروں کی صفت بیان کرتا ہے:

ترى جُثْوَتَيْنِ من تراب عليهما صفائحُ صُمٌّ من صفيح مُنَضَّدِ

تو مٹی کی دو قبریں دیکھے گا جن پر پتلے مضبوط پتھر ہیں جو ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔

پھر یہ کہا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر اور مومن دونوں کو عام ہے وجہ حساب کا انتظار ہے۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو سے وہ عبداللہ بن باباہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ''گویا میں تمہیں اونچی جگہوں پر جہنم سے پہلے گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھتا ہوں''۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے(1)۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا: قیامت کے دن ایک گھڑی ہے جو دس سال کے برابر ہوگی لوگ اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: آج میں تجھے اپنی ذات کے سوا کسی کے لیے سوال نہیں کرتا۔

**كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا** یحییٰ بن سلام نے کہا: کتاب سے مراد حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ کتاب ہے جس میں اس کے اچھے اور برے اعمال لکھے جاتے تھے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے **كِتٰبِهَا** سے مراد وہ کتاب ہے جس پر فرشتے لکھتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **كِتٰبِهَا** سے مراد وہ کتاب ہے جو اس امت پر نازل کی گئی تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کیا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا یا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے(2)۔ یعقوب حضرمی نے کہا: **كُلَّ اُمَّةٍ** منصوب ہے کیونکہ یہ پہلے کل سے بدل ہے کیونکہ دوسرے کل میں وضاحت ہے جو پہلے میں نہیں ہے، کیونکہ پہلے جثو میں جثو کی حالت کی کوئی وضاحت نہیں جس طرح دوسرے جثو میں اس سبب کا ذکر ہے جو اس کا داعی ہے وہ اس امت کو اس کی کتاب کی طرف دعوت دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منصوب ہے اس میں عامل تَرٰی ہے جو مضمر ہے اور رفع مبتدا ہونے کی بنا پر ہے۔

**اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸** جو اچھا یا برا عمل کرتے تھے۔ اس کی آج تمہیں جزا دی جائے گی۔

**هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹**

''یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ، ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے''۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 267 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 268

هٰذَا كِتٰبُنَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ فرشتوں کا قول ہے۔
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یعنی وہ گواہی دیتا ہے۔ یہ استعارہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نطق الکتاب بکذا یعنی کتاب نے اس کی وضاحت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کتاب کو پڑھیں گے تو کتاب انہیں ان کے اعمال یاد دلائے گی، گویا وہ ان سے کلام کرے گی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا (کہف: 49) مومن کے بارے میں ہے: وَ لَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝ (مومنون: 62) یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

يَنْطِقُ یہ الکتاب سے حال ہے یا ذا سے حال ہے یا ذا کی دوسری خبر ہے یا كِتٰبُنَا، هٰذَا سے بدل ہے اور يَنْطِقُ خبر ہے۔
اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ یعنی تم جو عمل کرتے تھے اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں وہ ہر روز کسی چیز کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جس میں وہ انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ لکھنے کا عمل کتاب سے ہوگا (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حفظہ فرشتوں نے جو لکھا ہوگا ہم اسے لکھ لیا کرتے تھے کیونکہ حفظہ فرشتے اعمال کے صحیفے خازنوں کی طرف بلند کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حفظہ بندوں کے جو اعمال لکھتے ہیں ہر روز انہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے مکان کی طرف لوٹتے ہیں تو اس سے نیکیاں اور برائیاں لکھ لی جاتی ہیں۔ مباحات کو دوسرے نسخہ کی طرف منتقل نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے جب بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں تو وہ حکم دیتا ہے جن اعمال پر ثواب و عقاب ہے انہیں اس کے ہاں لکھ لیا جائے اور جن پر ثواب و عقاب نہیں ہوتا وہ ان سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ۝ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝

"پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، یہی وہ روشن کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (سن کر) تکبر کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے"۔

فِيْ رَحْمَتِهٖ رحمت سے مراد جنت ہے اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ یعنی انہیں یہ بات کہی جائے گی یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔
فَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے اس کو قبول کرنے سے تکبر کیا۔ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝ تم مشرک قوم ہو تم نافرمانیاں کرتے ہو۔ یہ جملہ

1۔ تفسیر طبری، جز 25، صفحہ 182

کہا جاتا ہے: فلان جریمة أهله جب وہ اس جرم کا ارتکاب کرنیوالا ہو۔ مجرم اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو نافرمانیوں پر برانگیختہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ (القلم) مجرم مسلم کی ضد ہے پس وہ کفر کے گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے۔

وَ اِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾

''اور جب (تمہیں) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (بڑے غرور سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر (قطعاً) یقین نہیں''۔

وَ اِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یعنی دوبارہ اٹھانا ہو کر رہے گا۔ وَّ السَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا حمزہ نے الساعة نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف وَعْدَ پر ہے باقی قراء نے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے یا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ کے محل پر اس کا عطف ہے۔ مصدر میں جو ضمیر ہے اس پر عطف کرنا اچھا ہے، کیونکہ اس کی تاکید نہیں لگائی گئی۔ ضمیر مرفوع پر شعر میں تاکید کے بغیر عطف کیا جاتا ہے۔

قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ یعنی کیا قیامت حق ہے یا باطل ہے۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا مبرد کے نزدیک اس کی تقدیر یہ ہے اِنْ نحن اِلّا نظن ظنا ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر یہ ہے اِن نظن اِلّا انکم تظنون ظنا ایک قول یہ کیا گیا ہے: قلتم اِن نظن اِلّا ظنا۔

وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾ یعنی ہم یقین کرنے والے نہیں تھے کہ قیامت ہو کر رہنے والی ہے۔

وَ بَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

''اور ظاہر ہو گئے ان کے لیے برے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور (ہر طرف سے) گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔

وَ بَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا انہوں نے جو برے اعمال کیے تھے ان کی جزا ان کے لیے ظاہر ہوگی۔ وَ حَاقَ بِهِمْ ان پر نازل ہوئی یا انہیں گھیر لیا مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

وَ قِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۴﴾

''اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کریں گے جس طرح تم نے فراموش کیے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا''۔

وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ ہم تمہیں آگ میں چھوڑ جائیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو چھوڑ دیا تھا یعنی اس کے لیے عمل کر ترک کر دیا تھا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ تمہارا مسکن اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝ یعنی تمہارے لیے کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہاری مدد کرے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ۝

''یہ اس لیے کہ تم نے بنا رکھا تھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا تمہیں دنیوی زندگی نے پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا''۔

اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مراد قرآن حکیم ہے هُزُوًا کھیل۔ وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیاوی زندگی نے اپنی باطل چیزوں اور زیب وزینت سے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا تو تم نے یہ گمان کیا کہ اس کے سوا کوئی چیز نہیں اور دوبارہ اٹھانا بھی نہیں لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا ھا ضمیر سے مراد آگ ہے وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ اور نہ انہیں توبہ کر کے راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے فالیوم لا یَخْرُجُوْن یاء کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (الحج:22) باقی قراء نے یاء کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا (مومنون:107) اس کی مثل دوسری آیات ہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝

''پس اللہ کے لیے ہیں سب تعریفیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا (اور وہی) سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور فقط اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے''۔

مجاہد، حمید اور ابن محیصن نے رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ سب میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ اصل میں ھو ربٌّ ہے وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ کبریاء سے مراد عظمت، جلال، بقا، حکومت، قدرت اور کمال ہے۔

# سورۃ الاحقاف

ایاتہا ۳۵ ۴۶ سورۃ الاحقاف مکیۃ ۶۶ رکوعاتہا ۴

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے اس کی چونتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پینتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝

''حا۔میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب بہت دانا ہے۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقررہ تک، اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں''۔

اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد قیامت ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے یہ وہ موت ہے جس پر آسمان اور زمین ختم ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وقت ہے(2) جو ہر مخلوق کے لیے مقدر ہے۔ عَمَّآ اُنْذِرُوْا جس سے انہیں ڈرایا گیا۔ مُعْرِضُوْنَ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں، غفلت کا اظہار کرنے والے ہیں وہ اس کے لیے تیاری کرنے والے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مصدر یہ ہو معنی ہوگا انہیں اس دن کے ڈرانے سے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

''فرمایئے: اے کفار! کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے، لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1** ۔ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بتوں اور اللہ تعالیٰ کے جن شریکوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ مَاذَا خَلَقُوْا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271 2۔ ایضاً

مِنَ الْاَرْضِ کیا انہوں نے زمین میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے فِي السَّمٰوٰتِ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کی تخلیق میں۔ مِنْ قَبْلِ هٰذَآ یعنی اس قرآن سے قبل۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ عام قراءت اَوْ اَثٰرَةٍ ہے یعنی ثاء کے بعد الف ہے۔ حضرت ابن عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے" یہ وہ خط تھا جو عرب زمین میں لگاتے تھے"(1)۔ اسے مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ درست نہیں۔ مشہور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:" انبیاء میں سے ایک خط لگایا کرتا تھا جس نے ان کے خط کی موافقت کی تو وہ صحیح نتیجہ تک پہنچ گیا"(2)۔ یہ بھی روایت صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ معاویہ بن حکم سلمی کی حدیث سے ثابت ہے؛ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے نحاس نے اس کی سند بیان کی محمد بن احمد جرایجی، محمد بن بندار سے وہ یحییٰ بن سعید سے وہ سفیان ثوری سے وہ صفوان بن سلیم سے وہ ابوسلمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں(3) کہ آپ نے فرمایا:" وْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ سے مراد خط ہے" یہ بھی صحیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس کی تاویل میں علماء نے اختلاف کیا ان میں سے کچھ نے کہا: یہ خط لگانے کی اباحت کو بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ کچھ انبیاء اس طرح کیا کرتے تھے، ان میں سے بعض نے کہا: یہ نہی بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو گیا تو وہ اس امر کو جان گیا" کیونکہ پہلے نبی کے طریقہ کی پہچان کا کوئی طریقہ نہیں کہ اس پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ شاعر نے کہا:

لعمرك ما تدری الضوارب بالحصا ولا زاجراتُ الطير ما الله صانع

تیری زندگی کی قسم! کنکریاں پھینکنے والیاں نہیں جانتی اور نہ پرندے کو جھڑکنے والیاں جانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے۔

اس کی حقیقت اس علم کو جاننے والوں کے ہاں اسی طرح ہے جس طرح ستاروں کی صورتیں ہوا کرتی ہیں ایسا آدمی اس چیز کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے جس پر ستارے دلالت کرتے ہیں کہ سعادت یا نحوست ان میں واقع ہوئی پس یہ گمان پر مبنی ہوگا اور امر غائب کے متعلق ہوگا، جس کا طریقہ ناپید ہو چکا ہے اور اس کی تحقیق فوت ہو چکی ہے اور شریعت نے اس بارے میں منع کیا ہے اور اس امر کی خبر دی ہے کہ یہ وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور مخلوق سے اس امر کو قطع کر دیا ہے اگرچہ ان کے لیے اس سے قبل ایسے اسباب تھے کہ وہ غائب اشیاء کو جاننے کے لیے ان اسباب سے وابستہ ہوا کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اٹھا دیا ہے، ان دروازوں کو مٹا دیا ہے اور علم غیب کے لیے اپنی ذات کو خاص کر دیا ہے۔ اس میں اس ذات کے ساتھ مزاحمت جائز نہیں، اس کا دعویٰ کرنا کسی کے لیے حلال نہیں اس میں اگر نہی نہ بھی ہو تو اس کی طلب صرف تھکاوٹ ہی تھکاوٹ ہے۔ جب اس میں نہی وارد ہو چکی ہے تو اس کی طلب معصیت ہوگی یا کفر ہوگا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271 2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکہانۃ واتیان الکہانۃ، جلد 2، صفحہ 232

3۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد 7، صفحہ 233، حدیث نمبر 11335

جیسا طالب کا ارادہ ہوگا (1)۔

میں کہتا ہوں: جو قول اس نے اختیار کیا ہے وہ خطابی کا قول ہے خطابی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: فمن وافق خطه فذاك یہ زجر کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ نبوت کا علم تھا جو منقطع ہو چکا ہے، ہمیں اس کے حاصل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: لفظ کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو اس کی تصویب کی گئی ہے لیکن موافقت کہاں سے معلوم ہو جبکہ شرع نے گمان اور غیب کا دعویٰ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس حدیث کا معنی ہے جس نے اس کے خط کی موافقت کی یہی وہ چیز ہے جس کی درستگی کو وہ پاتے تھے اس سے یہ مراد نہیں کہ ایسا عمل کرنے والے کے لیے اباحت ثابت ہوتی ہے جس طرح بعض لوگوں نے معنی کیا ہے۔

مکی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: کان نبی من الانبیاء یخط (2) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے ریت میں خط لگاتے پھر وہ فال لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول دمنا رجال یخطون کی یہ وضاحت کی اس سے مراد وہ خط ہے جو کاہن لگایا کرتا اور اسے عطیہ دیا جاتا اور کہتا: بیٹھو یہاں تک کہ میں تیرے لیے خط لگاؤں، کاہن کے سامنے ایک بچہ ہوتا جس کے پاس سرچو ہوتا پھر وہ نرم زمین پر آتا استاذ جلدی جلدی خط لگاتا تاکہ اسے ساتھ ساتھ گنا نہ جا سکے پھر وہ پلٹتا اور آہستہ آہستہ دو دو خط مٹاتا اگر دو خط باقی رہ جاتے تو یہ کامیابی کی علامت ہوتی اگر ایک خط باقی رہ جاتا تو یہ ناکامی کی علامت ہوتا۔ عرب اسے اسحم کا نام دیتے، یہ ان کے نزدیک منحوس ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب نہیں چھوڑے جو غیب پر دلالت کرتے ہوں جن کے ساتھ تعلق کی اجازت دی گئی تھی اور جن کے ساتھ استدلال کی اجازت دی گئی تھی صرف خواب باقی ہیں اور یہ بتایا کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے اسی طرح فال ہے جہاں تک طیرہ اور زجر کا تعلق ہے ان دونوں سے منع کیا گیا ہے (3)۔

فال سے مراد ہے جو کلام سنی جائے اس سے اس امر پر استدلال کرنا جس کا ارادہ ہو جب وہ آواز اچھی ہو جب مکروہ کو سنے تو یہ تطیر ہے۔ شرع نے یہ حکم دیا ہے کہ فال سے خوش ہو اور خوشی خوشی اپنے امر کو کر گزرے اور جب وہ مکروہ آواز سنے تو اس سے اعراض کرے اور اس کی وجہ سے نہ لوٹے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللّٰھم لا طَیْرَ الا طیرك ولا خیر الا خیرك ولا إله غیرك اے اللہ کوئی فال نہیں مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں مگر تیری خیر تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک ادیب نے اس کا ذکر کیا ہے:

الفأل والزجر والكهان كلهم مضلّلون ودون الغيب أقفال

فال، پرندوں کو جھڑکنا سب گمراہ کرنے والے ہیں، علم غیب کے سامنے تالے لگے ہوئے ہیں۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1696

2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھانۃ، جلد 2، صفحہ 232

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1697

یہ کلام صحیح ہے مگر فال میں درست نہیں کیونکہ شرع نے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے۔ شاعر نے جو کچھ اس میں کہا ہے اسے قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس نے جہالت کی بات کی ہے اور صاحب شرع زیادہ سچا، زیادہ علم رکھنے والا اور زیادہ حکیم ہے۔

میں کہتا ہوں: طیرہ، فال اور ان دونوں میں فرق کے بارے میں بحث سورۂ مائدہ اور دوسری سورتوں میں گذر چکی ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیب میں منفرد ہے۔ کوئی اسے نہیں جان سکتا مگر اللہ تعالیٰ اسے جو علم عطا کرے یا اس پر دلالت عادیہ بنادے اس کی مدد سے اسے جانا جا سکے جو عام معمول ہو۔ بعض اوقات اس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جب وہ کھجور کا ایک درخت دیکھے جس پر گابھے نکلے ہوں تو وہ جان لے گا یہ پھل دے گا اور جب وہ درخت کو دیکھے گا کہ اس کا گابھا گر چکا ہے تو اسے علم ہو جائے گا کہ وہ پھل دار نہیں ہوگا۔ یہ جائز ہے کہ اس پر کوئی آفت آجائے جو اس کے پھل کو ہلاک کر دے تو وہ پھل نہ دے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کا گابھا گر جائے اللہ تعالیٰ اس میں دوبارہ گابھا پیدا کر دے تو وہ پھلدار ہو جائے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کے مہینہ کے بعد کوئی مہینہ نہ ہو اور اس دن کے بعد کوئی دن نہ ہو جب اللہ تعالیٰ اس عالم کو فنا کرنے کا ارادہ کرے۔ اس کے علاوہ بھی کئی امثلہ ہیں جن کی وضاحت سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ ابن خویز منداد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان **اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ** سے مراد خط ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خط (تحریر) دیکھ کر فیصلہ فرمادیا کرتے تھے جب گواہ خط پہچان لیتا، جب حاکم اس کی تحریر پہچان لیتا اور جس کی طرف وہ خط لکھا جاتا اسے پہچان لیتا تو اس کے مطابق وہ فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔ پھر جب لوگوں میں دھوکہ اور فریب ظاہر ہونے لگا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ امام مالک سے یہ مروی ہے فرمایا: لوگ فسق و فجور کرتے ہیں تو ان کے لیے فیصلے بھی نئے ہو جاتے ہیں۔ جب گواہ اس تحریر پر گواہی دے دیں جس کے مطابق میں فیصلہ کیا گیا ہو، مثلاً وہ یہ گواہی دیں کہ یہ حاکم کا خط ہے یا اس کی تحریر ہے اس میں جو کچھ ہے ہم اس پر گواہی دیتے ہیں اگرچہ اس تحریر میں جو کچھ ہے اسے نہ جانتے ہوں۔ اسی طرح وصیت ہے یا کسی آدمی کے اعتراف کی تحریر ہے کہ اس نے کسی کا مال دینا ہے گواہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اس کا خط ہے اور اسی قسم کی گواہی دیں۔ ان کے مذہب میں اختلاف نہیں کہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ** کا معنی ہے علم میں سے باقی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی، ابوبکر بن عیاش اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ صحاح میں ہے **اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ** اس علم میں سے باقی، اسی طرح الاثرہ کا لفظ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سِمنت الابل علی أثارۃ اس میں بھی یہ لفظ باقی ماندہ چربی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ ماوردی اور ثعلبی نے ایک چرواہے کا قول ذکر کیا ہے جس میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

وذاتِ أثارۃ أکلتْ علیها نباتا فی أکِنّتہ قفارا

ہروی نے کہا: اثارہ اور اثرہ دونوں کا معنی باقی ماندہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماثَمّ عین ولا أثر نہ وہاں چشمہ ہے اور نہ باقی

ماندہ چیز۔ میمون بن مہران، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور قتادہ نے کہا: اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ علم میں سے کوئی خاص چیز (1)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسی روایت ہے جو تم متقدین سے بیان کرتے ہو۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: انبیاء سے مروی (2)۔ قرظی نے کہا: اس سے مراد اسناد ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ایسی چیز جو بیان کی جائے یا جو استخراج کی جائے (3)۔ زجاج نے کہا: اَوْ اَثٰرَةٍ کا معنی ہے یا علامت۔ اثارہ مصدر ہے جس طرح سماحہ اور شجاعہ۔ کلمہ کا اصل اثر ہے جس کا معنی روایت ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: أثرت الحدیث آثُرہ أثْرا و أثارۃً و أُثْرۃ فانا آثر یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اسے غیر سے بیان کرے اسی معنی میں یہ قول ہے: حدیث ماثور، یعنی اسے بعد والوں نے پہلے والوں سے نقل کیا۔ اعشیٰ نے کہا:

إن الذی فیہ تماریتما بُیِّنَ للسامع والآثر

جس میں تم نے شک کیا ہے وہ سننے والے اور روایت کرنے والے کے لیے واضح ہے۔

اس شعر کو بَیَّن اور اَوْ اُثْرۃٍ بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی باقی ماندہ علم ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ایسی چیز ہو جو پہلے لوگوں کی کتابوں سے بیان کی گئی ہو۔ ماثور اسے کہتے ہیں جسے بیان کیا جائے اور جس سے اسے بیان کیا جائے اسی سے اس کی سند صحیح ہو۔ سلمی، حسن بصری اور ابورجاء نے ہمزہ اور ثاء کو الف کے بغیر مفتوح پڑھا ہے معنی ہوگا خاص علم جو تمہیں عطا کیا گیا یا جس کے ساتھ تمہیں غیر پر ترجیح دی گئی۔ حضرت حسن بصری اور ایک طائفہ سے اثرۃ بھی منقول ہے یعنی ہمزہ مفتوح اور ثاء ساکن ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے عکرمہ سے بیان کیا ہے: معنی ہے علم کی میراث (4)۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اس میں ادلہ کے تمام مسالک کا بیان ہے ان میں سے پہلا درجہ معقول کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ یہ دلیل عقلی سے استدلال ہے کہ جامد چیز اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اس کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ چیز نہ نقصان دیتی ہے اور نہ نفع پہنچاتی ہے، پھر فرمایا: اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَاۤ اس میں ادلہ سمعیہ کا بیان ہے۔

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

''اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کرسکتا اور وہ اس کے پکارنے سے ہی غافل ہیں''۔

وَ مَنْ اَضَلُّ یعنی اس سے بڑھ کر نہ کوئی گمراہ ہے اور نہ ہی جاہل ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت ہیں۔ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ یعنی نہ وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، یہ بت جامد چیزیں ہیں انہیں انسانوں سے مذکر افراد کے قائم مقام رکھ کر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے عبادت کرنے والے بتوں کو بادشاہوں اور امراء کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے جن کی خدمت کی جاتی تھی۔

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

''اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''۔

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ اس سے مراد یوم قیامت ہے كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً یعنی یہ معبود قیامت کے روز کفار کے دشمن ہوں گے، ملائکہ کفار کے دشمن ہوں گے جن اور شیاطین قیامت کے روز اپنے عبادت گذاروں سے برات کا اظہار کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کفار کے بت جن کی یہ لوگ عبادت کرتے رہے وہ دشمن ہوں اس تقدیر کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے زندگی پیدا فرما دے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ (القصص)

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اپنے معبودوں سے دشمنی کا اظہار کیا کیونکہ یہ معبود ان کفار کی ہلاکت کا سبب بنے اور معبودوں نے ان کی عبادت کا انکار کر دیا، اسی پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار حق کے بارے میں جب ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا جادو ہے''۔

اٰيٰتُنَا سے مراد قرآن ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۭ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

''کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے، فرمایئے: اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے چھڑا لو وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو، وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ام میں میم زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے أیقولون افتراہ۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے بات کی ہے۔ وہ آیات کو جو جادو کا نام دیتے تھے اس سے اضراب کیا گیا ہے۔ ام میں ہمزہ انکار اور تعجب کے لیے ہے گویا فرمایا: اسے چھوڑو ان کا عجیب و غریب قول سنو جس سے تعجب عیاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر نہیں یہاں تک کہ وہ یہ کہیں اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھیں اگر آپ اس پر قادر ہوں عرب قوم اس پر قادر نہ ہو تو عادت کے

خلاف ہونے کی وجہ سے آپ کی قدرت معجزہ ہوگی، جب معجزہ ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی تصدیق ہوگی۔ حکیم جھوٹے کی تو تصدیق نہیں کرتا تو آپ مفتری تو نہ ہوئے۔ اور ضمیر حق کے لیے ہے اور مراد آیات ہیں۔

قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ کہہ دیجئے: اگر بفرض محال میں اس پر افتراء باندھوں فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا تو تم اس بات پر قادر نہ ہوگے کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب دور کر سکو تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ پر کیسے افتراء باندھوں گا۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ جو تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ الافاضہ فی الشی سے مراد ہوتا ہے اس میں داخل ہونا اور اس میں شروع ہو جانا۔ أفاضوا فی الحدیث وہ گفتگو میں شروع ہو گئے۔ أفاض البعیر یعنی اونٹ نے جگالی کو اوجھ سے دھکیلا اور اسے نکالا۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وأفضن بعد كُظُو مِهِنَّ بجِرّة

انہوں نے اوجھ کی خشکی کے بعد جگالی کو باہر نکالا۔

أفاض الناس من عرفات إلى منًى یعنی تیزی سے چلے۔ پس ہر وہ چیز جس میں دفعہ کا معنی پایا جاتا ہو اس کو افاضہ کہتے ہیں۔ كَفٰی بِهٖ شَهِیْدًا یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ یعنی وہ میری سچائی کو جانتا ہے جبکہ تم باطل پر ہو۔ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ جو توبہ کرے اس کو بخشنے والا ہے الرَّحِیْمُ ۝ اپنے مومن بندوں پر رحیم ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۹

"آپ کہیے: میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (از خود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ، میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا"۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی پہلا رسول تو نہیں ہوں مجھ سے قبل بھی تو رسول تھے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ البدع یعنی پہلا۔ عکرمہ اور دوسرے علماء نے اسے بدعا پڑھا ہے یعنی دال مفتوح ہے اس بنا پر کہ مضاف مقدر ہے معنی ہے میں رسالت والا پہلا تو نہیں ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدع اور بدیع ایک معنی میں ہیں جس طرح نصف اور نصیف ہے۔ ابدع الشاعر یعنی وہ بدیع لایا۔ شئ بدع یعنی نئی چیز۔ فلاں بدع فی هذا الأمر۔ فلاں اس معاملہ میں بدیع ہے۔ قوم ابداع؛ یہ اخفش سے مروی ہے۔ قطرب نے عدی بن زید کا شعر پڑھا:

فلا أنا بدع من حوادث تعتری(1)

میں کوئی پہلا شخص نہیں جسے حوادثات لاحق ہوئے ہیں

وَ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ یعنی قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں اسے نہیں

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 10

جاننا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک، یہودی اور منافق بڑے خوش ہوئے انہوں نے کہا: ہم اس نبی کی کیسے پیروی کریں جو جانتا ہی نہیں کہ اس کے ساتھ اور ہمارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے، اسے ہمارے اوپر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اگر یہ اپنی جانب سے نہ کہتے تو جس ذات نے اسے مبعوث کیا ہے وہ اسے ضرور بتا دیتا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 2) تو یہ آیت منسوخ ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا ہے جو وہ تیرے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے کاش! ہم بھی جان لیتے وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الفتح: 5) اور یہ آیت نازل ہوئی وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ۝ (احزاب) یہ حضرت انس، حضرت ابن عباس، قتادہ، حضرت حسن بصری، عکرمہ اور ضحاک نے کہا، حضرت ام العلاء جو انصار کی ایک عورت تھی نے کہا: ہم نے مہاجرین کو تقسیم کیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون بن حذافہ بن جمح آئے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا تو وہ فوت ہوگئے۔ میں نے کہا: اے ابا سائب! اللہ تعالیٰ کی رحمت تجھ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تجھے کیسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے" میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان تو پھر کون؟ فرمایا: "جہاں تک اس کا تعلق ہے اسے موت آئی ہے ہم نے بھلائی ہی دیکھی ہے، اللہ کی قسم! میں اس کے لیے جنت کی امید رکھتا ہوں اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے"۔ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کسی کا کبھی بھی تذکیہ نہیں کروں گی۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے اور کہا: یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ اپنی خطاؤں کی بخشش کو نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال سے چار سال قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر بخشش کی نوید سنائی تھی۔

میں کہتا ہوں: حضرت ام العلاء کی حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے اس میں میری روایت یہ ہے وما أدری مایفعل به اس میں بی و بکم نہیں ہے (1) انشاء اللہ یہ صحیح ہے جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ آیت منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے نحاس نے کہا: یہ محال ہے کہ اس میں ناسخ و منسوخ ہو اس کی دو وجوہ ہیں: 1۔ یہ خبر ہے۔ 2۔ سورت کے آغاز سے لے کر اس جملہ تک مشرکوں سے خطاب ہے ان کے خلاف استدلال ہے اور انہیں شرمندہ کرنا ہے تو ضروری ہے کہ یہ بھی مشرکوں سے خطاب ہو جس طرح اس سے پہلے اور اس کے بعد مشرکوں سے خطاب ہے اور یہ امر محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو کہیں: وَ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ یعنی آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے میں نہیں جانتا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز سے لے کر وصال تک یہی خبر دیتے کہ "جو آدمی حالت کفر پر مرا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو حالت ایمان پر مرا اتباع اور اطاعت کی وہ جنت میں ہوگا"۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ منظر دیکھا تھا کہ آخرت میں اس کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے تو وہ کہیں گے: ہم تیری اتباع کیسے کریں جبکہ تو جانتا ہی نہیں کہ کیا تو خوشحالی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، الدخول علی المیت بعد الموت، جلد 1، صفحہ 166

کی طرف لوٹے گا یا عذاب وعقاب کی طرف (لوٹے) گا۔

آیت کے بارے میں صحیح قول حضرت حسن بصری کا ہے جس طرح علی بن محمد بن جعفر بن حفص، یوسف بن موسیٰ سے وہ وکیع سے وہ ابو بکر ہذلی سے وہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ سب سے صحیح اور اچھا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے کہ آپ کو اور ان لوگوں کو مرض، صحت، نرمی، سختی، غنا اور فقر میں سے کیا کچھ لاحق ہونے والا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ (اعراف: 188)

واحدی اور دوسرے علماء نے کلبی سے وہ ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر آزمائشیں بڑھ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں جہاں کھجوریں، درخت اور پانی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے صحابہ پر بیان کیا تو صحابہ خوش ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ مشرکوں کی جانب سے جس اذیت میں مبتلا ہیں اس سے آسودگی پا جائیں گے۔ پھر وہ تھوڑا عرصہ رکے رہے جس میں انہوں نے ہجرت کا منظر نہ دیکھا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم کب اس علاقہ کی طرف ہجرت کریں گے جو آپ نے دیکھا تھا؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ جس جگہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس کی طرف میں نکلوں گا یا نہیں۔ پھر کہا: یہ تو وہ چیز تھی جو میں نے خواب میں دیکھی میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے(1)، یعنی جس امر کی میں نے تمہیں خبر دی ہے وہ میری طرف وحی نہیں کی گئی۔ قشیری نے کہا: اس اعتبار سے اس آیت میں کوئی نسخ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے جو فرائض مجھ پر، تم پر لازم کیے گئے ہیں میں انہیں نہیں جانتا۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرا اور تمہارا انجام کیا ہو گا، کیا تم ایمان لاؤ گے یا کفر کرو گے، تمہیں جلدی عذاب آئے گا یا تم کو مہلت دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ حضرت حسن بصری، سدی اور دوسرے علماء کے قول کا معنی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اللہ کی پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ آپ جنت میں ہیں(2)۔ جب آپ نے رسولوں سے میثاق لیا تھا، لیکن فرمایا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا کیا مجھے میری بستی سے نکال دیا جائے گا جس طرح انہیں ان کی بستیوں سے نکالا گیا تھا یا مجھے قتل کر دیا جائے گا جس طرح انہیں قتل کر دیا گیا تھا اور میں تمہارے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہو گا کیا میری امت تصدیق کرنے والی ہو گی یا جھٹلانے والی ہو گی یا میری امت پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی جائے گی یا انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر یہ آیت نازل ہوئی: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (توبہ: 33) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا دین تمام ادیان پر غالب آئے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 170　　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 24

امت کے بارے میں فرمایا: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: 33) اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی کہ وہ آپ کے ساتھ اور آپ کی امت کے ساتھ کیا کچھ کرنے والے ہیں۔ ان تمام تعبیروں کی بنا پر کوئی نسخ نہیں۔ الحمد للہ۔

ضحاک نے یہ بھی کہا ہے: وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ کا معنی ہے میں نہیں جانتا کہ تمہیں کس چیز کا حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ مومنوں کو کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں وضاحت فرما دی: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 2) اس کے بعد مومنوں کی حالت کو بیان فرمایا پھر کافروں کی حالت کو بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اول کا معنی ہے مگر اس میں نسخ کا ذکر بیان کے معنی میں کیا اور یہ حکم دیا کہ یہ مومنوں کو کہہ دیں۔ صحیح وہ ہے جو ہم نے حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے بیان کیا ہے۔ مَا يُفْعَلُ میں ما کے بارے میں جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ موصولہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے استفہامیہ بنایا جائے اور یہ مرفوع ہو اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ اسے یوحی بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے۔ اس کے بارے میں بحث کئی دفعہ پہلے گزر چکی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۠۝

"فرمائیے: کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو تم اس کا انکار کر دو (تو اس کا کیا انجام ہوگا) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو"۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کان میں ھو ضمیر سے مراد قرآن ہے وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ ضمیر غائب سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے؛ یہ امام شعبی کا قول ہے(1)۔

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، عکرمہ، قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں(2)، آپ نے یہودیوں کے خلاف گواہی دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تورات میں ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی ہیں۔ ترمذی میں ان سے روایت ہے کہا: میرے بارے میں کتاب اللہ کی آیات نازل ہوئیں میرے بارے میں یہ آیت وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ نازل ہوئی۔ سورۂ رعد کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔

مسروق نے کہا: اس آیت کا مصداق حضرت موسیٰ اور تورات ہے حضرت ابن سلام نہیں، کیونکہ آپ مدینہ طیبہ میں اسلام لائے جبکہ سورت مکی ہے۔ کہا: وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ یہ قریش سے خطاب ہے۔ شعبی نے کہا: اس سے مراد بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لائے کیونکہ ابن سلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل اسلام قبول کیا تھا، جبکہ سورت مکی ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے کہا شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اس نے کہا سورت مکی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 273　2۔ ایضاً

ہے اور حضرت ابن سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے دو سال قبل اسلام لائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیت مدنی ہو اور اسے مکی سورت میں رکھا گیا ہو، کیونکہ آیت نازل ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے: ''اسے فلاں سورت میں رکھو''۔ آیت مشرکین سے دلیل کے ساتھ مدعا ثابت کرنے کے بارے میں ہے۔ دلیل کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے معاملات میں یہودیوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ان کی شہادت مومنوں کے بارے میں ان کے نبی کی شہادت میرے بارے میں واضح ترین دلائل میں سے تھی۔ یہ بھی بعید نہیں کہ سورت یہودیوں کے ساتھ مناظرہ کی صورت میں ہو جب حضرت عبداللہ بن سلام مسلمان کی حیثیت میں آئے جبکہ یہودیوں کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا عرض کی: یارسول اللہ! اپنے درمیان اور یہودیوں کے درمیان مجھے حکم بتائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں پوچھا: ''عبداللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟'' یہودیوں نے کہا: وہ ہمارا سردار اور ہمارا عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تو مجھ پر ایمان لا چکا ہے'' تو یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن سلام کی برائیاں کیں۔ یہ بھی بات پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہودی حضرت عبداللہ بن سلام کے فیصلہ پر راضی ہو گئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: اگر اس نے آپ کے حق میں گواہی دی تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا گیا: تو انہوں نے گواہی دے دی پھر اسلام قبول کر لیا۔

عَلٰی مِثْلِهٖ جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس کی مثل، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پر گواہی دی۔ جرجانی نے کہا: مثل کا لفظ زائد ہے پھر کلام اس طرح ہوگی شَهِدَ شَاهِدٌ علیه أنه مِنْ عِنْدِ الله۔

فَاٰمَنَ وہ گواہ ایمان لے آیا وَ اسْتَكْبَرْتُمْ تم نے ایمان لانے سے تکبر کیا۔ اِنْ كَانَ کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے فآمن اتؤمنون یہ زجاج کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ کیا تم نے ظلم نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ، أفتؤمنون عذاب الله۔

اَرَءَيْتُمْ یہ ایسا لفظ ہے جو سوال اور استفہام کے لیے وضع کیا گیا ہے، اسی وجہ سے یہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا۔ نقاش اور دوسرے علماء نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے (2)، تقدیر کلام یہ ہوگی قل أرأیتم إن کان من عند الله و شهد شاهد من بنی اسرائیل فآمن هو و کفرتم إن الله لایهدی القوم الظالمین۔

**وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ⑪**

''اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 274 2۔ ایضاً

(اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے"۔

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے اور چھ اقوال ہیں:

1۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابوذر غفاری کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے دعوت قبول کر لی ان کی قوم نے ان سے پناہ چاہی تو ان کا سردار آیا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا پھر سردار نے قوم کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے یہ خبر قریش کو پہنچی انہوں نے کہا: بنوغفار تو حلیف لوگ ہیں اگر یہ دعوت خیر ہوتی تو بنوغفار ہم سے سبقت نہ لے جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ابومتوکل کا قول ہے۔

2۔ حضرت زنیرہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی نظر خراب ہو گئی لوگوں نے کہا: لات و عزیٰ نے تیری نظر خراب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر لوٹا دی قریش کے سرداروں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو لائے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو زنیرہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا؛ یہ عروہ بن زبیر کا قول ہے۔

3۔ بنوعامر، بنوغطفان، بنوتمیم، بنواسد، بنوحنظلہ اور بنواشجع میں سے کافروں نے کہا: جو لوگ بنی غفار، بنی اسلم، بنی جہینہ، بنی مزینہ اور بنی خزاعہ سے اسلام لائے تو انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ لائے ہیں اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو گائے، بھیڑ، بکری کے بچوں کو چرانے والے ہم پر سبقت نہ لے جاتے کیونکہ ہم ان سے بہتر ہیں، یہ کلبی اور زجاج کا قول ہے؛ قشیری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ آیت قریش کے مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی، انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس امر کی ہمیں دعوت دیتے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو بلال، صہیب، عمار، فلاں اور فلاں ہم پر سبقت نہ لے جاتے؛ یہ چوتھا قول ہے۔

5۔ یہودیوں میں سے کافروں نے اپنے میں سے مومنوں یعنی حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کو کہا: اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین حق ہوتا تو وہ ہم پر اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے؛ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ ثعلبی نے بھی یہ حکایت بیان کی ہے۔ مسروق نے کہا: کفار نے کہا اگر یہ بہتر ہوتا تو یہودی اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے؛ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کفار کی جانب سے یہ معارضہ جو ان کے قول میں ہوتا: "اگر یہ خیر ہوتا وہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے" یہ بڑے معارضات میں سے ایک تھا کیونکہ یہ اس پر منطبق ہو جاتا جو ان سے مخالفت کرتا یہاں تک کہ یہ انہیں کہا جاتا: جس پر تم ہو اگر یہ بہتر ہوتا تو ہم اس سے نہ پھرتے اگر رسولوں کی تکذیب بہتر ہوتی تو تم ہم پر سبقت نہ لے جاتے (1)؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ قول مَا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ اس کے بارے میں یہ جائز ہے کہ یہ کفار کا بعض مومنوں کے لیے قول ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب کے صیغہ سے غیبت کے صیغہ کی طرف خطاب ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ (یونس:22)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ ضمیر سے مراد ایمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد قرآن حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (1)۔

فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ۝ جب انہوں نے قرآن سے ہدایت حاصل نہ کی اور نہ اس سے جو اس قرآن کو لایا تو اس سے دشمنی کی اور اسے جھوٹ کی طرف منسوب کیا اور کہا: یہ پرانا جھوٹ ہے جس طرح انہوں نے اس کے بارے میں کہا: اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (الانعام) کسی سے پوچھا گیا: کیا قرآن میں بھی ہے جو آدمی کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس سے دشمنی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ۝ اس کی مثل ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ (یونس: 39)

وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِیْنَ ۝

"حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے، اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کردے ظالموں کو، اور خوشخبری ہے نیکو کاروں کے لیے"۔

وَ مِنْ قَبْلِهٖ یعنی قرآن سے پہلے كِتٰبُ مُوْسٰۤى یعنی تورات اِمَامًا اس میں جو کچھ ہے اس کی اقتدا کی جاتی ہے وَّ رَحْمَةً اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت ہے۔ کلام میں حذف ہے یعنی تم اس سے ہدایت نہ پاؤ گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ پر ایمان لانے کا ذکر ہے تو انہوں نے اسے ترک کیا۔ اِمَامًا حال کی حیثیت سے منصوب ہو گا، کیونکہ معنی ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب بطور امام گذر چکی ہے وَّ رَحْمَةً اس اِمَامًا پر معطوف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی أنزلناه إماما و رحمة۔ اخفش نے کہا: ماقبل سے الگ ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ کتاب موسیٰ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے، کیونکہ نکرہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے یا اسے مضاف کیا جائے یا اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے۔

وَ هٰذَا كِتٰبٌ مراد قرآن ہے مُّصَدِّقٌ یہ تورات اور اس سے قبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِّسَانًا عَرَبِیًّا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے، یعنی عربی ہوتے ہوئے سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِّسَانًا یہ حال کی تمہید کے لیے ہے یعنی تاکید ہے جس طرح تیرا قول ہے: جاءنی زید رجلا صالحا تو تو رجلا کو تاکید کے طور پر ذکر کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوئی: هذا کتاب مصدق اعنی لسانا عربیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے بلسان عربی۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

ہے کہ لفظ لسان مفعول بہ ہے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تقدیر کلام یہ ہے هذا كتاب مصدق للنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والی ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یہ عربی زبان والے کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لفظ لسان مصدق کی وجہ سے منصوب ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ قول بعید ہوگا کہ لسان سے مراد قرآن لیا جائے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا وہ اپنی ذات کی تصدیق کرتا ہے۔

لِّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا عام قراءت لِّيُنۡذِرَ ہے یہ کتاب کے بارے میں خبر دے رہی ہے یعنی جن لوگوں نے کفر اور معصیت کے ساتھ اپنی جانوں پر ظلم کیا انہیں یہ کتاب خبردار کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبر دے رہی ہے۔ نافع، ابن عامر اور بزی نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ (النازعات: 45)

وَبُشۡرٰى لِلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ بشری محل رفع میں ہے یعنی هو بشری۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف کتاب پر ہے یعنی هذا كتاب مصدق و بشری یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہو تقدیر کلام یہ ہوگی لینذر الذين ظلموا وللبشری جب حرف جار کو حذف کیا تو اسے نصب دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی تبشر المحسنين بشری جب اسے وتبشر بشری أو بشارة کی جگہ رکھا تو اسے نصب دی، جس طرح تو کہتا ہے: أتيتك لأزورك وكرامة لك وقضاء لحقك معنی ہوگا میں تیری ملاقات کروں گا میں تیری عزت کروں گا اور تیرا حق ادا کروں گا۔ کرامة کے لفظ کو فعل مضمر کی وجہ سے نصب دی گئی۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝۱۳ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۴

"بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ غمگین ہوں گے، یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں، یہ جزاء ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ آیت عام ہے جَزَآءً مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا ؕ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰٮهُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝۱۵

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

”اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے، اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرما دے بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا انسان کی اپنے والدین کے ساتھ حالت کے اختلاف کو بیان کیا کبھی وہ ان دونوں کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی ان کی مخالفت کرتا ہے اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی قوم میں بعید نہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض آپ کی دعوت کو قبول کریں اور بعض انکار کریں یہ کلام کے بعض سے اتصال کی صورت ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ حسنا عام قراءت حُسنا ہے۔ اہل حرمین، اہل بصرہ، اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس اور کوفیوں نے اسے اِحْسٰنًا پڑھا ہے ان کی حجت سورۃ الانعام اور بنی اسرائیل میں ہے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بقرہ: 83) کوفہ کے مصاحف میں اسی طرح ہے (1)۔ پہلی قراءت کی حجت اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو سورۂ عنکبوت میں ہے وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ اس میں قراء نے اختلاف نہیں کیا۔ حسن، قبح کا خلاف ہے احسان، اساءۃ کے خلاف ہے توصیۃ کا معنی حکم دینا ہے اس بارے میں اور جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی گفتگو گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا یہاں باء حرف جار حذف ہے اصل میں بکرۃ و مشقۃ تھا عام قراءت کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے، ابو عبید نے اسے پسند کیا، کہا: اسی طرح لفظ کرہ پورے قرآن میں فتحہ کے ساتھ ہے مگر وہ جو سورۂ بقرہ میں ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کیونکہ وہ اسم ہے اور یہ تمام مصادر ہیں۔ کوفیوں نے كُرْهًا ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح ضُعْف، ضَعْف اور شُهْد، شَهْد ہے۔ یہ کسائی کا قول ہے تمام بصریوں کے نزدیک یہ اسی طرح ہے۔ کسائی نے بھی یہ کہا ہے۔ فراء نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ کرہ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ تکلیف ہوتی ہے جو انسان اپنی ذات پر برداشت کرتا ہے اور فتحہ کے ساتھ وہ ہوتی ہے جو غیر پر لازم کرتا ہے۔ اس سے مراد قہر اور غضب ہے، اسی وجہ سے بعض عربوں نے کہا: کرھا یہ غلط ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ نو ماہ تک حاملہ رہے تو وہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

اکیس ماہ تک دودھ پلائے اگر وہ چھ ماہ تک حاملہ رہے تو چوبیس ماہ تک دودھ پلائے (1)۔ یہ روایت کی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی جس نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا تھا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس پر حد جاری کریں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اس پر لازم نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ (بقرہ:233)۔ دودھ پلانے کی مدت چوبیس ماہ اور حاملہ کی مدت چھ ماہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا اور اس پر حد جاری نہ کی۔ سورۂ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے حمل کے ابتدائی تین ماہ کو شمار نہیں کیا کیونکہ ان تین مہینوں میں وہ نطفہ، علقہ اور مضغہ ہوتا ہے اس کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا جس کو محسوس کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ (اعراف:189) فصال کا معنی دودھ چھڑانا ہے۔ سورۂ لقمان میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری یعقوب اور دوسرے علماء نے وفصلہ پڑھا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تیس سال تھا ان کی ماں نے انہیں نو ماہ تک رحم میں اٹھایا اور اکیس ماہ تک دودھ پلایا، کلام میں اضمار ہے یعنی مدۃ حملہ ومدۃ فصالہ ثلاثون شھرا ان کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ تھی۔ اگر یہ اضمار نہ ہوتا تو ثلاثین کی ظرف کی وجہ سے نصب دی جاتی اور معنی بدل جاتا۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مدت اٹھارہ سال ہے عطا نے ان سے جو روایت کی وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست بنے جبکہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی، یہ لوگ تجارت کے لیے شام کا ارادہ رکھتے تھے وہ ایک جگہ اترے جس میں بیری کا درخت تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سائے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ایک راہب کے پاس گئے تا کہ اس سے دین کے بارے میں کوئی بات پوچھیں۔ راہب نے کہا: اس درخت کے سائے میں کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ اس راہب نے کہا: اللہ کی قسم! وہ نبی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی آدمی اس درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بیٹھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دل میں یقین اور تصدیق بیٹھ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق سفر و حضر میں جدا نہیں رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا جبکہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی جبکہ آپ کی عمر مبارک اڑتیس سال تھی۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو دعا کی رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ (نمل:19) امام شعبی اور ابن زید نے کہا: الاشد سے مراد حلم ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد چالیس سال کی عمر کو پہنچنا ہے۔ اسی سے اس امر پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ سورۃ الانعام میں اس بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ سدی اور ضحاک نے کہا: یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے اور عمومی حکم لے کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 276

**مسئلہ نمبر 6۔** قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیٓ یعنی مجھے الہام کیجئے۔ اَنْ اَشْكُرَ یہ محل نصب میں ہے جو مفعول مطلق کے قائم مقام ہے تقدیر کلام یہ ہوگی أوزعنی شکر نعمتك۔ عَلَیَّ جو تو نے ہدایت کی صورت میں مجھ پر انعام فرمایا ہے عَلٰی وَالِدَیَّ یعنی میرے والدین پر شفقت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے میری چھوٹی عمر میں تربیت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو نے مجھ پر صحت و عافیت کے ساتھ انعام فرمایا اور میرے والدین پر غنا اور ثروت کے ساتھ انعام فرمایا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ان کے دونوں والدین مسلمان ہوئے۔ مہاجرین میں سے آپ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ اس کے والدین مسلمان ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان دونوں کے بارے میں تاکیدی حکم دیا اور آپ کے بعد ہر کسی کے لیے یہ حکم لازم ہو گیا۔ ان کے والد حضرت ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم تھے۔ ان کی والدہ ام الخیر تھی اس کا نام سلمٰی بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی دادی کا نام قیلہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی کا نام قتیلہ تھا جو عبدالعزی کی بیٹی تھی۔

وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی تو آپ نے ان نو غلاموں کو آزاد کیا جن کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، ان میں حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ آپ نے بھلائی میں سے کسی چیز کی دعا نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدد کی۔

صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟'' (1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں۔ پوچھا: ''آج تم میں سے کس نے نماز جنازہ پڑھی؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے۔ فرمایا: ''آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ امور کسی انسان میں جمع نہیں ہوتے مگر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے''۔

**مسئلہ نمبر 7۔** وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ یعنی میری ذریت کو صالحین میں سے بنا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد اور والدین میں سے کوئی بھی نہ رہا مگر وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیق کے سوا کوئی بھی ایسا نہ تھا جو خود، اس کے والدین، اس کے بچے اور بچیاں صحابی ہوں۔

سہل بن عبداللہ نے کہا: معنی ہے انہیں میرا اچھا نائب اور تیرا سچا بندہ بنا دے (2)۔ ابوعثمان نے کہا: انہیں میرے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اور اپنا اطاعت گذار بنا دے۔

ابن عطا نے کہا: انہیں ایسے اعمال صالح کی توفیق دے جن کے ساتھ تو ان پر راضی ہو جائے۔ محمد بن علی نے کہا: شیطان، نفس اور خواہش کو تو ان پر غلبہ نہ دے۔

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، فضل من ضم إلى صدقة غيرها من انواع البر، جلد 1، صفحہ 330

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 278

مالک بن مغول نے کہا: ابو معشر نے اپنے بیٹے کی شکایت حضرت طلحہ بن مصرف سے کی۔ فرمایا: اس آیت کے ذریعے اس کے خلاف مدد طلب کر۔ اور یہ آیت پڑھی رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ ۔ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ یعنی میں نے اس امر سے رجوع کر لیا جس پر میں تھا۔ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ یعنی میں توحید میں مخلص ہوں۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۝

"یہی وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے، یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے"۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ عام قراء کی قراءت یتقبل ہے اسے یتقبل اور یتجاوز یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے دونوں میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ حفص، حمزہ اور کسائی نے نتقبل اور نتجاوز دونوں میں نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم انہیں بخش دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ تجاوز کا اصل معنی ہے جزت الشی یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اس چیز پر سے گزر جائے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس سے پہلے آیت وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ آخر تک کسی کے ساتھ مقید نہیں بلکہ عموم کے لیے نازل ہوئی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ معنی ہے ہم ان کی نیکیاں قبول کرتے ہیں اور ان کی سیئات سے درگزر کرتے ہیں۔

زید بن اسلم نے کہا: وہ اسے مرفوع نقل کرتے ہیں: جب وہ اسلام لائیں گے تو ان کی نیکیاں قبول ہوں گی اور برائیاں بخش دی جائیں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احسن سے مراد طاعات میں سے وہ اعمال ہیں جو ثواب کا تقاضا کرتے ہیں۔ حسن مباح میں نہ ثواب ہے اور نہ عقاب ہے؛ یہ ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے (2)۔

فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ۔ فی، مع کے معنی میں ہے یعنی جنتیوں کے ساتھ، تو کہتا ہے: أکرمك وأحسن إليك في جميع أهل البلد یہاں بھی فی، مع کے معنی میں ہے۔

وَعْدَ الصِّدْقِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق ہے اور ماقبل کی تاکید کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ محسن کی نیکیاں قبول کرے اور گناہ گار سے درگزر کرے، یہ سچا وعدہ ہے۔ یہ اضافۃ الشی الی نفسہ کے باب سے ہے، کیونکہ صدق وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: حَقُّ الْیَقِیْنِ۝ (الواقعہ) کی طرح ہے۔ یہ کوفیوں کی رائے ہے، جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے اس کی تقدیر یہ ہے۔ وعد الکلام الصدق او الکتاب الصدق تو موصوف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۝ یعنی دنیا میں رسولوں کی زبانوں پر ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اس سے مراد جنت ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 279

2۔ ایضاً

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

''اور جس نے کہا اپنے والدین کو: افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گذر چکی ہیں کئی صدیاں مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک زندہ نہ ہوا) اور اس کے والدین بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا خانہ خراب ہو ایمان لے آ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ ''جواباً'' کہتا ہے: نہیں ہیں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں، یہی وہ (بدبخت) ہیں جن پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے، بے شک وہ سراسر گھاٹے میں تھے''۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ، أن أخرج یعنی مجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ نافع، حفص اور دوسرے قراء نے اف مکسور اور منون پڑھا ہے ابن کثیر، ابن محیصن، ابن عامر اور مفضل نے عاصم سے اف تنوین کے بغیر مفتوح منقول ہے باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ تمام لغتیں ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ بات گذر چکی ہے عام قراءت اَتَعِدٰنِنِیْۤ مخففہ نونوں کے ساتھ ہے۔ اہل مدینہ اور اہل مکہ نے اس کی یاء کو فتحہ دیا ہے، باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔

ابوحیوہ، مغیرہ اور ہشام نے أتعدانی نون مشددہ کے ساتھ پڑھا ہے اہل شام کے مصاحف میں اسی طرح ہے عام قراءت ان کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اَنْ اُخْرَجَ حضرت حسن بصری، نصر، ابو عالیہ، اعمش اور ابو معمر نے الف کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، سدی، ابو العالیہ اور مجاہد نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ عبداللہ کے والدین اسے اسلام کی طرف دعوت دیتے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی۔ قتادہ اور سدی نے یہ بھی کہا ہے: وہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھے وہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ عبدالرحمٰن کے والد، اس کی والدہ حضرت ام رومان اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے اور دوبارہ اسے اٹھانے کی دعوت دیتے تھے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی اللہ تعالیٰ نے وصیت بیان کی ہے، یہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہو۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے بھی یہ کہا: یہ ایک ایسے بندے کی صفت ہے جو کافر تھا اور اپنے والدین کا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 279

نافرمان تھا۔ زجاج نے کہا: یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ یہ آیت حضرت عبد الرحمٰن کے بارے میں اسلام لانے سے قبل نازل ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ قول سے مراد عذاب ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ایمان نہ ہو جبکہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر مومنوں میں سے بڑی فضیلت کے حامل تھے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ایسے کافر بندے کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے والدین کا نافرمان تھا۔

محمد بن زیاد نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کی طرف خط لکھا کہ لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لیں تو حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر نے کہا: تم نے ہرقل والا کام کیا ہے کیا تم اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لیتے ہو؛ مروان نے کہا: یہ عبد الرحمٰن وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ کہا: اللہ کی قسم! وہ عبد الرحمٰن نہیں اگر میں چاہوں تو میں اس کا نام بھی لے دوں لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر لعنت کی جبکہ تو اس کی پشت میں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ایک حصہ ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ یہ آیت حضرت عبد الرحمٰن کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس نے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ سے یہ مراد لیا ہے کہ یہ اس کے متعلق ہے جو وہ اعتقاد رکھتا ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ آیت کا ابتدائی حصہ خاص ہے اور آخری حصہ عام ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن نے جب یہ کہا: وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا تھا تو پھر عبد اللہ بن جدعان، عثمان بن عمرو، عامر بن کعب اور قریش کے مشائخ کہاں ہیں یہاں تک کہ میں ان سے پوچھوں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تو اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ ان لوگوں کی طرف لوٹتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں واقعہ سورۃ انعام کی آیت: لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى (انعام: 71) میں گزر چکا ہے جو اس آیت کے حضرت عبد الرحمٰن کے بارے میں نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے جب وہ کافر تھے اور اسلام لانے اور اپنی فضیلت کے باعث وہ اس کلام اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ کا مصداق نہ رہے۔

وَهُمَا یعنی اس کے والدین یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لیے ہدایت کی التجا کرتے ہیں یا کفر سے چھٹکارا کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ جب حرف جار کو حذف کر دیا اور مفعول فعل کے ساتھ مل گیا تو اسے نصب دے دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: استغاثہ سے مراد دعا ہے تو باء کی ضرورت ہی نہیں۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کیا۔ وَیْلَكَ اٰمِنْ تو ہلاک ہو ایمان لے آ اور دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کر۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اس میں خلاف ورزی کی کوئی صورت نہیں۔ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ وہ کہتا ہے جو اس کے والدین کہتے ہیں: نہیں ہیں یہ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۞ مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں اور جن کو انہوں نے لکھا ہے جبکہ ان کی کوئی اصل نہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ یعنی وہ لوگ جن کی طرف ابن ابی بکر نے اپنے قول میں اشارہ کیا تھا میرے لیے قریش کے مشائخ کو زندہ کرو وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ یہاں بھی وہی مراد ہیں جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے عبد اللہ یا عبد الرحمٰن کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں ان کے باپ کی دعا قبول کر لی وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ جس طرح

پہلے گذر چکا ہے۔

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ کا معنی ہے ان پر عذاب لازم ہو چکا یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ہولاء فی الجنة ولا آبالی وھولاء فی النار ولا آبالی یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ لوگ جہنم میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

فِیْۤ اُمَمٍ یہاں فی مع کے معنی میں ہے قَدْ خَلَتْ یعنی گذر چکے ہیں۔ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ یعنی کافر جن وانس میں سے۔ اِنَّهُمْ وہ کافر امتیں كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے خسارہ پانے والوں میں سے تھے؛ یعنی ان کی سعی ضائع ہوگئی اور جنت کو حاصل نہ کر سکے۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَ لِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

''اور ہر ایک کے لیے مرتبے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ جنوں اور انسانوں میں سے مومنوں اور کافروں کی دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک کے قیامت کے روز اعمال کے مطابق مراتب ہوں گے۔ ابن زید نے کہا: اس آیت میں جہنمیوں کے درجات نچلی جانب اور جنتیوں کے درجات اوپر کی جانب جاتے ہیں (1)۔ وَ لِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ ابن کثیر، ابن محیصن، عاصم، ابوبکر اور یعقوب نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے، باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ کی طرف لوٹایا ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ مسلک ہے۔

وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ یعنی گناہ گار پر عذاب میں زیادتی اور نیکوکار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝

''اور جس روز لا کر کھڑا کر دیا جائے گا کفار کو آگ کے سامنے (تو انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھایا تھا تم نے ان سے آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے''۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یاد دلایئے جس روز انہیں پیش کیا جائے گا۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ یعنی جہنم سے پردہ ہٹا دیا جائے گا انہیں آگ کے قریب کیا جائے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 26

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ یعنی انہیں کہا جائے گا اَذْهَبْتُمْ قول مضمر ہے۔ حضرت حسن بصری، نصر ابو العالیہ، یعقوب اور ابن کثیر نے أأذهبتم دو ہمزہ مخففہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ بغیر مد کے جملہ خبریہ کی صورت میں پڑھا ہے۔ یہ سب فصیح لغتیں ہیں۔ اس کا معنی شرمندہ ہونا ہے عرب استفہام کے ساتھ اور استفہام کے بغیر شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ابو عبید نے استفہام کے ترک کو اختیار کیا ہے کیونکہ ائمہ سبعہ میں سے یہ اکثر کی قراءت ہے یعنی نافع، عاصم، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی ساتھ ہی ساتھ ان کے ساتھ شیبہ، زہری، ابن محیصن، مغیرہ بن ابی شہاب، یحییٰ بن حارث، اعمش، یحییٰ بن وثاب اور دوسرے قراء ہیں یہی وہ قراء ہیں جن کی قراءت پر اکثر لوگوں کو اتفاق ہے۔ استفہام کا ترک کرنا احسن ہے کیونکہ ہمزہ کا اثبات اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ انہوں نے یہ عمل نہیں کیا تھا، جس طرح تو کہتا ہے: أنا ظلمتك؟ تو اس سے تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں نے تجھ پر ظلم نہیں کیا۔ ہمزہ کو ثابت رکھنا بھی اچھا ہے ایک کہنے والا کہتا ہے: ذهبت فعلت كذا وہ توبیخ کرتا ہے اور کہتا ہے: اذهبت فعلت یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ تم دنیا میں پاکیزہ چیزوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور تم نے شہوات اور لذات کی پیروی کی، مراد نافرمانیاں ہیں۔

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ یعنی ذلت و رسوائی کا عذاب۔ مجاہد نے کہا: هون سے مراد هوان ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: یہ قریش کی لغت کے مطابق ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی اس کے باعث تم اہل زمین پر ناحق بلند مرتبہ چاہتے تھے وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۝ اس کے باعث کہ تم اپنے افعال میں بغاوت اور ظلم کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ یعنی تم نے اپنی جوانی کفر اور معاصی میں فنا کر دی۔ ابن بحر نے کہا: طیبات سے مراد جوانی اور قوت ہے (2)؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ذهب أطيباه؛ یعنی اس کی جوانی اور قوت ختم ہوگئی۔ ماوردی نے کہا: میں نے ضحاک کو پایا کہ اس نے بھی یہی معنی کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت حسن بصری نے آحنف بن قیس سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: میں عیش و نشاط کی زندگی کو سمجھتا ہوں اگر میں چاہتا تو کلیجی، بھنا ہوا گوشت، باریک روٹی اور چٹنی بناتا لیکن میں اپنی نیکیوں کو باقی رکھنا چاہتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے اور کہا ہے (3): اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔

ابو عبید نے حضرت عمر کی حدیث میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: لوشئت لدعوت بصلائق وصناب وكراكر واسنمة (4) ایک حدیث میں ہے وأفلاذ۔ ابو عمرو اور دوسرے علماء نے کہا: انصلاء مد اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بھنا ہوا گوشت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اسے آگ پر بھونا جاتا ہے الصلاء کا معنی صلاء النار بھی ہے اگر تو صاد کو فتحہ دے

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 28　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 281　3۔ ایضاً　4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 305

گا تو آخر میں الف مقصورہ ہوگا اور تو کہے گا: صَلَی النارِ۔ صناب وہ چٹنی جورائی اور کشمش سے بنائی جاتی ہے۔ اور عمرو نے کہا: اسی وجہ سے برذون کو صنابی کہتے ہیں کیونکہ اس کا رنگ اس کے مشابہ ہوتا ہے کہا: سلائق جب سین کے ساتھ ہو تو اس سے مراد سبزی وغیرہ میں سے ابلی ہوئی چیز ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ لفظ صاد کے ساتھ ہے؛ جریر نے کہا:

تُکَلِّفُنِی معیشۃَ آل زیدٍ ومَن لی بالصّلائق والصِّناب

تو مجھے آل زید کی زندگی کا مکلف بناتا ہے تو کون میرے لیے پتلی روٹی اور بھنے گوشت کا اہتمام کرے گا۔

الصلائق سے مراد پتلی چوڑی روٹی ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے جہاں تک کراکر کا تعلق ہے تو اس سے مراد کراکر ابل ہے اس کا واحد کرکرۃ ہے جو معروف ہے یعنی سینہ؛ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ صحاح میں ہے الکرکرۃ رحی زور البعیر یعنی اونٹ کے سینے کی چکی ہے۔ یہ پانچ ثفنات (☆) میں سے ایک ہے۔ کِرکِرہ کا معنی لوگوں کی جماعت ہے۔ ابو مالک عمرو بن کرکرہ علماء لغت میں سے ایک ہے۔ ابو عبید نے کہا جہاں تک افلاذ کا تعلق ہے اس کا واحد فلذ ہے یہ جگر کا ایک ٹکڑا ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

تَکْفِیہِ حُزّۃُ فِلْذٍ إن اَلَمّ بھا من الشِّواء ویُرْوِی شُرْبَہ الغُمَرُ

اگر وہ اس کے ہاں اترے گا تو بھنے ہوئے جگر کا ایک ٹکڑا اس کے لیے کافی ہوگا اور چھوٹے پیالے کا مشروب اسے سیراب کر دے گا۔

قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں چاہتا تو میں تم سے سب سے اچھے کھانے والا ہوتا اور سب سے نرم لباس پہننے والا ہوتا، لیکن میں اپنی نیکیاں آخرت کے لیے باقی رکھنے والا ہوں (1)۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو آپ کے لیے کھانا تیار کیا گیا جس کھانے جیسا آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا فرمایا: یہ ہمارے لیے ہے، تو ان مسلمان فقراء کا کیا ہوگا جو فوت ہو گئے اور جو کی روٹی سے بھی کبھی سیر نہ ہوتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید نے عرض کی: ان کے لیے جنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں فرمایا: اگر ہمارے حصہ میں دنیا میں سے یہ ٹکڑے ہیں اور وہ اپنے حصہ کی جنت میں چلے گئے ہیں تو وہ تو ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

صحیح مسلم اور دوسری احادیث کی کتب میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل کے ایک کمرہ میں تشریف فرما تھے یہ اس دور کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے تو کوئی چیز نہ دیکھی جو نظر کو لوٹاتی مگر چمڑے تھے جن پر نمک لگایا گیا تھا جن کی بو بھی پھیل رہی تھی (2)۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور اللہ کے منتخب ہیں۔ یہ کسریٰ اور قیصر ہیں جو دیباج و حریر میں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے فرمایا: "اے ابن خطاب! تو شک میں

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 305 2۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، بیان ان تخییرہ امراتہ لا یکون طلاقا إلا بالنیۃ، جلد 1، صفحہ 482

☆ ثفنہ کی جمع ہے ثفنہ سے مراد اونٹ کے بدن کا وہ حصہ ہوتا ہے جو بیٹھتے وقت زمین پر لگے۔

بتلایا ہے؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن کی عمدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی ان تک پہنچ گئی ہیں''۔ میں نے عرض کی: میرے لیے بخشش طلب کیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی: اے اللہ! اسے بخش دے۔

حضرت حفص بن ابی العاص نے کہا: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا کھایا کرتا جو کی روٹی اور زیتون، روٹی اور سرکہ، روٹی اور دودھ، روٹی اور گوشت کے خشک ٹکڑے ہوتے بہت ہی کم ایسا ہوتا کہ تازہ گوشت ہوا کرتا۔ آپ فرمایا کرتے: آٹے کو چھانا نہ کرو کیونکہ یہ سارے کا سارا کھانا ہے۔ آپ کی خدمت میں روٹی کے ٹکڑے لائے گئے جو موٹے تھے آپ اسے کھانے لگے اور فرمانے لگے: کھاؤ، ہم نے اسے نہ کھایا، پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کھاتے نہیں؟ ہم نے عرض کی: اے امیر المومنین! ہم آپ کے اس کھانے سے نرم کھانے کی طرف لوٹیں گے۔ فرمایا: اے ابن عاص! کیا تجھے خبر نہیں کہ میں جانتا ہوں اگر میں بکری کے موٹے تازے بچے کے بارے میں حکم دوں اس کے بال اتارے جائیں پھر اسے اس طرح اس طرح بھونا ہوا نکالا جائے کیا تو نہیں جانتا کہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں ایک صاع یا دو صاع کشمش کے بارے میں حکم دوں میں اسے مشکیزے میں رکھوں پھر اس پر پانی انڈیلوں تو وہ صبح تک یوں ہو جائے جس طرح ہرن کا خون ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! ہاں، جس عیش و نشاط کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قیامت کے روز میری نیکیاں کم ہو جائیں گی تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس عیش و نشاط میں شریک ہو جاتے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کو کچھ اقوام کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ، الْهُوْنِ سے مراد ھوان (ذلت) ہے بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی اس کی وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے سے بڑے بنتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بڑائی کا اظہار کرتے ہو۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل جاتے ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گھر والوں نے گوشت کی خواہش کی میں نے ان کے لیے گوشت خریدا میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس سے گذرا پوچھا: اے جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے آپ کو بتایا، پوچھا: کیا تم میں سے جب بھی کوئی کسی چیز کی خواہش کرتا ہے (1) اسے اپنے پیٹ میں رکھ لیتا ہے کیا وہ نہیں ڈرتا کہ وہ اس آیت کا مصداق بن جائے گا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ۔

ابن عربی نے کہا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عتاب تھا کہ وہ گوشت خریدنے کی وسعت رکھتے ہیں اور خشک روٹی اور پانی کے معمول سے نکل چکے ہیں (2) کیونکہ حلال چیز میں سے پاکیزہ چیزوں کے حصول کی طبیعتیں حریص ہوتی ہیں اور دل انکو پسند کرتا ہے جب وہ انہیں پاتیں تو وہ شبہات کے ساتھ ان کے حصول کو سہل بنانے کی کوشش کرتی ہیں یہاں تک کہ عادت کے غلبے اور خواہش کے اس کے نفس پر غلبہ پانے کی وجہ سے جو نفس برائی کا حکم دیتا ہے خالص حرام میں جا واقع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ کو اس کے ابتدا سے ہی پکڑ لیا اور ابتدا سے اسے بچا لیا جس طرح آپ کا معمول تھا اور جو اس دروازہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 140
2۔ تفسیر احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1698

کی حفاظت کرتا ہے اور قانون کی پاسداری کرتا ہے تو اس آدمی پر لازم ہے کہ جو پائے اسے کھالے وہ پاکیزہ یا سالن کے بغیر روٹی وہ عمدہ کھانے کا تکلف نہ کرے اور نہ ہی اسے عادت بنائے۔ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک تھا جو پاتے تو سیر ہو کر کھا لیتے، جب نہ پاتے تو صبر کرتے، آپ حلوہ کھا لیتے جب اس پر قادر ہوتے جب اتفاق ہوتا تو شہد بھی پی لیتے جب میسر ہوتا تو گوشت بھی کھا لیتے کسی چیز پر کبھی بھی انحصار نہ کرتے اور نہ ہی اسے عادت بناتے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا معمول معروف و مشہور تھا صحابہ کا طریقہ منقول تھا جہاں تک آج کا تعلق ہے حرام اور لقمہ کا فساد غالب آ چکا ہے اس سے خلاصی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ خلاصی عطا فرماتا ہے اور چھٹکارا پانے میں اپنی رحمت سے مدد فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: توبیخ شکر ترک کرنے پر واقع ہے پاکیزہ اور حلال چیزوں کے حصول پر واقع نہیں یہ تعبیر اچھی ہے کیونکہ پاکیزہ حلال چیز کا حاصل کرنا جائز ہے جب وہ اس پر شکر کرنا چھوڑ دے اور اس کے خلاف ایسی چیز سے مدد لے جو حلال ہی نہ ہو تو اس نے نعمت کو ختم کیا۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۗ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ۗ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

"(اے حبیب!) ذکر سنائیے انہیں قوم عاد کے بھائی (ثمود) کا جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گذر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے"۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ وہ ہود بن عبد اللہ بن رباح علیہ السلام ہیں وہ ان کے نبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ ان مشرکوں کو عاد کا قصہ یاد دلائیں تا کہ وہ عبرت حاصل کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ کو حکم دیا اپنے دل میں حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ یاد کریں تا کہ اس کی اقتدا کریں اور آپ ﷺ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے اس کے ذریعے آپ ﷺ پر یہ معاملہ آسان ہو جائے گا۔ احقاف سے مراد عاد کا علاقہ ہے۔ احقاف سے مراد ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں (1)؛ یہ خلیل اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے وہ لوگ اپنی قوت کے باعث اہل زمین پر غالب آ گئے تھے، اَحقاف، حِقف کی جمع ہے اس سے مراد ریت کا لمبا ٹیلہ ہے جو ٹیڑھا ہوا اور پہاڑ تک نہ پہنچا ہوا اس کی جمع حقاف، احقاف اور حقوف ہے۔ احقوقف الرمل و الهلال یعنی ریت کا ٹیلا اور چاند ٹیڑھا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حِقف حِقاف کی جمع ہے اور اَحقاف جمع کی جمع ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: حِقفٌ اَحقفُ۔ اعشی نے کہا:

بات إلى أرطاة حِقف أحْقفا

یعنی ایسی ریت جو لمبی ہو اور جس کا کنارہ آگے کو جھکا ہوا ہو۔ اس سے فعل احقوقف ہے۔ عجاج نے کہا:

طيُّ الليالي زُلَفا فزلفا سَمَاوَةَ الهلال حتّى احقوقفا

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 177

احقوقف یعنی مڑ گیا اور گول ہو گیا۔

یہاں احقاف سے جو مراد ہے اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد ریت کے ایسے ٹیلے ہیں جو ابھرے ہوئے لمبے ہوں جس طرح پہاڑوں کی حالت ہوتی ہے اور پہاڑوں تک نہ پہنچے ہوئے ہوں اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اسی امر کا شاہد ہے(1)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ایسے پہاڑ ہیں جو شحر پر جھکے ہوئے ہوں۔ شحر عدن کے قریب ہے کہا جاتا ہے: شِحْرُ عمان، شَحْرُ عمان۔ یہ عمان اور عدن کے درمیان سمندر کا ساحل ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے(2) کہ عاد یمن میں قبائل تھے ریتلے علاقے میں بستے سمندر کے قریبی علاقے میں رہتے جسے شحر کہا جاتا۔ مجاہد نے کہا: یہ حسمی کا علاقہ ہے(3) جسے احقاف کہتے حسمی ایسا صحرائی علاقہ جس میں اونچے پہاڑ ہوں جن کی اطراف ملائم ہوں اور گرمیاں اس علاقہ کو نہیں چھوڑتیں۔ نابغہ نے اسی حوالے سے کہا:

فَاصبَحَ عَاقِلًا بِجِبَالِ حِسْمَى دُقَاقَ التُّرْبِ مُحْتَزِمَ القَتَامِ

یہ جوہری کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: احقاف سے مراد شام میں پہاڑ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: عمان اور مہرہ کے درمیان وادی ہے۔ مقاتل نے کہا: عاد کے گھر یمن کے ملک حضر موت کے علاقہ میں ایک وادی میں تھے جسے مہرہ کہا جاتا تھا اسی طرح مہری اونٹ منسوب ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: ابل مہریہ، ابل مہاری۔

یہ قبیلہ ارم سے تعلق رکھتے تھے۔ کلبی نے کہا: احقاف الجبل سے مراد وہ پہاڑ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جب ہر کوئی غرق ہوا تھا اس پہاڑ سے پانی جاری ہوا تھا زمین سے پانی جاری ہوتا تھا اور اس کا اثر باقی رہتا تھا۔

طفیل نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا: لوگوں میں دو وادیاں بہترین ہیں(4) ایک وادی مکہ میں اور ایک وادی جہاں حضرت آدم علیہ السلام اترے جو ہند کے علاقہ میں ہے۔ لوگوں میں سب سے بری دو وادیاں ہیں ایک وادی احقاف میں ہے اور ایک وادی حضر موت میں ہے جسے برحوت کہتے ہیں جس میں کفار کی روحیں آپس میں ملیں گی۔ لوگوں میں بہترین کنواں بئر زمزم ہے اور لوگوں میں سے برا کنواں بئر برحوت ہے۔ وہ حضر موت کی اسی وادی میں ہے۔

وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ نذر سے مراد رسل ہیں۔ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ یعنی حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ اور حضرت ہود علیہ السلام کے بعد؛ یہ فراء کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں من بین یدیہ و من بعدہ ہے اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ یہ رسل کی جانب سے قول ہے، یہ جملہ معترضہ ہے پھر حضرت ہود علیہ السلام نے کہا: اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ یہ حضرت ہود علیہ السلام کا کلام ہے۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 282 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 141 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 282 4۔ ایضاً

اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۚ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

''وہ (برافروختہ ہو کر) بولے (اے ہود) کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو، لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم دھمکیاں دیتے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ نزول عذاب کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے (نہیں نہیں) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے، اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو''۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا اس میں دو وجوہ ہیں: (1) بہتان لگا کر ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کرنا چاہتے ہیں (1)۔ (2) منع کرنے کے ساتھ ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کرنا چاہتے ہیں، یہ ضحاک کا قول ہے۔ عروہ بن اذینہ نے کہا:

إن تَكُ عن أحسن الصنيعة مأ فُوكًا ففي آخرين قد أفِكوا

شاعر کہتا ہے: اگر تجھے احسان کی توفیق نہیں دی گئی تو تو ایسی قوم میں ہے جنہیں پھیر دیا گیا ہے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وعدہ کا لفظ کبھی کبھی وعد کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اگر اس بات میں سچے ہو کہ تم نبی ہو۔ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی عذاب کے آنے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میرے پاس نہیں وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ جو پیغام مجھے دے کر بھیجا گیا ہے میں تمہارے رب کی جانب سے تم تک پہنچانے والا ہوں وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ یعنی تم جو جلدی عذاب کے آنے کا مطالبہ کر رہے ہو اس میں تمہیں جاہل خیال کرتا ہوں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مبرد نے کہا: رَاَوْهُ میں ضمیر اسی چیز کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔ اس کی وضاحت عَارِضًا کا لفظ بیان کر رہا ہے۔ ضمیر، سحاب کی طرف لوٹ رہی ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فلما رأوا السحاب عارضا۔ عارضا کا لفظ تکریر کے طور پر منصوب ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ آسمان کی چوڑائی میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو انہوں نے اسے ایسا بادل خیال کیا جو ان پر بارش برسائے گا۔ بارش ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا، جب انہوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو وہ خوش ہوئے۔ وہ بادل اس وادی کی جانب سے آیا تھا جس میں عام طریقہ یہ تھا کہ اس وادی سے جو بادل آتا اس میں بارش ہوتی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 283

جوہری نے کہا: عارض سے مراد وہ بادل ہے جو افق میں چوڑائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا یعنی ہم پر بارش برسائے گا کیونکہ یہ معرفہ ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ عارض کی صفت بنے کیونکہ وہ نکرہ ہے عرب یہ افعال سے اسماء مشتقہ میں کرتے ہیں کسی اور میں ایسا نہیں کرتے۔

یہ کہنا جائز نہیں: هذا رجل غلامنا۔ اعرابی نے روزہ افطار کرنے کے بعد کہا: رب صائمة لن تصومه وقائمة لن تقومه۔ تو اس نے اسے نکرہ کی صفت بنایا اور اسے معرفہ کی طرف مضاف کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول لایجوز ان یکون صفة لعارض نحویوں کے قول کے خلاف نہیں، اضافت، انفصال کی تقدیر میں ہے یہ اضافت لفظیہ ہے حقیقیہ نہیں کیونکہ یہ پہلے اسم کو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ اسم اپنی جگہ نکرہ ہی رہتا ہے اسی وجہ سے نکرہ کی حیثیت سے صفت آتی ہے۔ آیت میں یہ نحویوں کا قول ہے۔ نکرہ کی صفت نکرہ ہوتی ہے۔ رب کا لفظ نکرہ پر داخل نہیں ہوتا۔

بَلْ هُوَ ہود نے انہیں کہا اس پر دلیل اس کی قراءت ہے جس نے پڑھا قال هود بل هو اسے قل بل ما استعجلتم به هي ريح بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دیجئے: بلکہ تم نے اس کی جلدی مچائی ہے۔ اس سے مراد ان کا قول ہے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ پھر اس کی وضاحت کی اور کہا: رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وہ ہوا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا گیا تھا وہ اس بادل سے پیدا ہوئی تھی جس کو انہوں نے دیکھا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے درمیان سے نکل گئے وہ ہوا خیموں کو اٹھاتی ہودجوں کو اٹھاتی، انہیں بلند کرتی گویا وہ ٹڈیاں ہوں پھر انہیں چٹانوں پر دے مارتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پہلی دفعہ جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو وہ اٹھے انہوں نے ہاتھ پھیلائے سب سے پہلے جنہوں نے پہچانا کہ یہ عذاب ہے وہ وہ لوگ تھے جو گھروں سے باہر تھے، انہوں نے لوگوں اور مواشی کو دیکھا، ہوا انہیں زمین و آسمان کے درمیان یوں اڑا رہی تھی جس طرح پر ہوتے ہیں۔ وہ لوگ گھروں میں داخل ہو گئے دروازوں کو بند کر دیا ہوا نے دروازوں کو اکھیڑ دیا اور انہیں پچھاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا اس نے ان پر ریت ڈال دی۔ وہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ریت کے نیچے پڑے رہے جبکہ ان کے رونے کی آواز آتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان سے ریت کو دور کر دیا ہوا نے انہیں اٹھایا اور سمندر میں جا پھینکا۔ یہ وہی ہوا ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا یعنی ہر وہ شے جس پر ہوا گزری وہ عاد کے لوگ تھے یا اموال تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہر وہ شے جس کی طرف ہوا بھیجی گئی۔ تدمیر کا معنی ہلاکت ہے اسی طرح دمار ہے۔ اسے ید مر کل شی بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دمر دمارا سے مشتق ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: دمرہ تدمیرا و دمارا اور دمّرعلیه کا معنی ایک ہی ہے۔ دَمَرَیَدْمُرُ دُمورا الغیر اجازت کے داخل ہو گیا۔ حدیث میں ہے من سبق طَرْفه استئذانه فقد دَمَرَ جس کی نظر اجازت طلب کرنے سے سبقت لے گئی تو وہ اندر داخل ہو گیا۔ تَدْمُر۔ شام میں ایک شہر ہے یربوع تدمری۔ جب وہ چوہا چھوٹا ہو۔

بِاَمْرِ رَبِّهَا اس کے رب کے اذن سے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہا: میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ میں ان کا کوا دیکھتی۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بارش کی امید ہوتی ہے۔ جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے خوف آتا ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو ہوا کے ساتھ عذاب دیا گیا، ایک قوم نے عذاب دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا'' (1)۔ اسے امام مسلم اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری مدد باد صبا سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور ہوا سے ہلاک کیا گیا'' (2)۔ ماوردی نے ذکر کیا: هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا کا قائل قوم عاد میں سے ایک تھا۔ وہ بکر بن معاویہ تھا۔ جب اس نے بادل دیکھا تو اس نے کہا: میں تباہ و برباد کرنے والا بادل دیکھتا ہوں وہ عاد میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ عمرو بن میمون نے کہا: وہ ہوا ان میں سے غائب آدمی کو لاتی اور ان کی مجلس میں اسے پھینک دیتی۔

ابن اسحاق نے کہا: حضرت ہود اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ ایک باڑہ میں الگ ہو گئے۔ آپ کو اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے انہیں ہوا نہیں پہنچتی تھی مگر وہ ان کے اوپر والے کپڑوں کو ہلاتی اور اس کے ساتھ ان کے نفوس کو لذت حاصل ہوتی اور قوم عاد میں سے ہودج میں بیٹھی کسی عورت کے پاس سے گذرتی انہیں زمین و آسمان کے درمیان اٹھاتی اور انہیں پتھروں پر پٹخ دیتی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ کلبی نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک شاعر نے کہا:

فدعا هود عليهم دعوةً أضحَوْا همودا (3)

عصفت ريح عليهم تركت عادًا خمودا

سخرت سبع ليال لم تدع في الأرض عودا

حضرت ہود علیہ السلام نے ان پر ایسی بددعا کی تو وہ مر کر ٹھنڈے ہو گئے۔ ہوا ان پر چلی جس نے عاد کو ٹھنڈی آگ بنا دیا وہ سات راتوں تک ان پر مسلط کی گئی اس نے زمین میں قوم عاد کا کوئی فرد نہ چھوڑا۔

حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہلاک ہونے کے بعد ڈیڑھ سو سال تک اپنی قوم میں زندہ رہے۔

فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ عاصم اور حمزہ نے لا يُرى إلا مساكنهم پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے۔ اسی طرح حماد بن سلمہ نے ابن کثیر سے روایت کیا ہے مگر اس نے تری پڑھا ہے یہ ابو بکر سے مروی ہے انہوں نے اسے عاصم سے روایت کیا ہے باقی قراء نے تری تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور مساکنهم کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں دیکھیں گے مگر ان کے مسکن۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، فلما رأوه عارضا، جلد 2، صفحہ 715

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، قول النبی ۔۔۔ نصرت بالصبا، جلد 1، صفحہ 295

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 283

مہدوی نے کہا: جس نے تاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو مساکن جو مونث ہے اس کے ظاہر کا اعتبار کیا ہے یہ بہت ہی قلیل ہے صرف شعروں میں استعمال ہوتا ہے اور حاتم نے کہا: یہ لغت میں درست نہیں ہوتا مگر جس میں اضمار ہو جس طرح تو کہتا ہے: الاتری النساء إلا زینب۔ لاتری الا زینب جائز نہیں۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے تو ان کے اشخاص نہیں دیکھتا مگر ان کے مساکن۔ ابوعبید اور ابوحاتم نے عاصم اور حمزہ کی قراءت پسند کی ہے۔ کسائی نے کہا: معنی ہے ان کے مساکن کے علاوہ کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ معنی پر محمول ہے جس طرح تو نے کہا ہے: ماقام الاھند۔ معنی ہے کوئی کھڑا نہیں ہوا مگر ہند۔ فراء نے کہا: لوگ نہیں دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ ریت کے نیچے تھے، ان کے گھر دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ کھڑے تھے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ یعنی مشرکوں کو اس جیسا عذاب دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

''اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کیے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان زائدہ ہے اس کی تقدیر کلام ہے مکنا کم فیما مکنا کم فیہ یہ قتبی کا قول ہے۔ اخفش نے یہ شعر پڑھا:

يُرَجِّي المرءُ ما إن لايراه وتعرِض دون أدناه الخطوب (1)

انسان امید رکھتا ہے کہ وہ اسے نہیں دیکھے گا جبکہ اسکے قریب سے مصائب اسے آپہنچتے ہیں۔

پہلے مصرعہ میں ان زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے (2)، تقدیر کلام یہ ہے ونقد مکنا ھم فی الذی ما مکنا کم فیہ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب مضمر محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہو گی: لقد مکنا ھم فی ما إن مکنا کم فیہ کان بغیکم اکثر وعناد کم أشد یہاں پر کلام مکمل ہوگئی پھر نئی کلام کی اور فرمایا: وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً۔ افئدۃ سے مراد دل ہیں جو اسے سمجھتے ہیں۔ مِّنْ شَيْءٍ سے مراد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ کیونکہ وہ انکار کرتے تھے وَحَاقَ بِهِمْ ان کا احاطہ کر لیا (اس نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے)۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 309 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 142

"اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شائد وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں"۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اس سے مراد قوم ثمود کے دیہات، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں اور اسی طرح کی دوسری بستیاں جو بلاد حجاز کے قریب قریب تھیں۔ ان کی خبریں ان کے پاس متواتر آتی رہتی تھیں۔ وَ صَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ آیات سے مراد حجج اور دلائل، بینات اور مواعظ کی انواع، یعنی ہم نے انہیں ان بستیوں والوں کے لیے بیان کیا۔ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۝ تو وہ نہ لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے قرآن کی آیات وعدہ، وعید، قصص اور اعجاز کی صورت میں پھیر پھیر کر بیان کیں۔ ممکن ہے یہ مشرک لوٹ آئیں۔

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۝۲۸

"پس کیوں مدد نہ کی ان کی معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لیے (اپنے) خدا بنا رکھا تھا بلکہ وہ تو ان سے روپوش ہو گئے اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے"۔

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ، لولا، هلا کے معنی میں ہے یعنی ان کے معبودوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ یہ معبود ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں گے، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس: 18) اور جو ہلاکت ان پر واقع ہوگی اس سے یہ معبود انہیں محفوظ رکھیں گے۔ کسائی نے کہا: قربان سے مراد ہر طاعت اور قربانی ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع قرابین ہے، جس طرح رھبان کی جمع رھابین ہے۔ اتخذ کے دو مفعولوں میں سے ایک الذین محذوف کی طرف لوٹ رہا ہے۔ دوسرا مفعول آلھۃ ہے (1) اور قُرْبَانًا حال بن رہا ہے۔ قُرْبَانًا کو دوسرا مفعول بنانا صحیح نہیں۔ اٰلِهَةً اس سے بدل ہے کیونکہ معنی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ زمخشری کا قول ہے: اسے قربانا راء کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ یعنی وہ ان سے ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ یعنی ان سے ان کے معبود گم ہو گئے کیونکہ انہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی تھی جو انہیں پہنچی ہے کیونکہ وہ تو جمادات تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضَلُّوْا عَنْهُمْ انہوں نے بتوں کو ترک کر دیا اور ان سے براءت کا اظہار کیا۔

وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ یعنی وہ بت جو ان سے گم ہو گئے تھے یہ ان کا اپنے قول میں جھوٹ تھا انها تقربهم الی اللہ زلفی یہ بت انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کر دیں گے۔ عام قراءت اِفْكُهُمْ ہے ہمزہ مکسور ہے اور فاء ساکن ہے یعنی ان کا جھوٹ تھا اسی طرح افیکہ ہے جمع افائک ہے۔ رجل افاك یعنی جھوٹا آدمی۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حضرت ابن زبیر نے پڑھا و ذلك افكهم یعنی ہمزہ، فاء، اور کاف مفتوح ہے کیونکہ یہ فعل ہے یعنی اس قول نے انہیں توحید سے پھیر دیا۔ عکرمہ نے اسے افکھم فاء کی

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 310

تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ تاکید اور تکثیر کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یعنی وہ جن نعمتوں پر تھے ان سے ان کو پھیر دیا۔
مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آفِکہم مد اور کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی انہیں پھیرنے والا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے ان سے اختلاف کے ساتھ آفکہم مد کے ساتھ نقل کیا ہے تو یہ جائز ہوگا کہ وہ افعل کا صیغہ ہو، یعنی انہیں افک کی طرف پھیر دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ فاعلہم کے وزن پر ہو جس طرح خادعہم ہے عام قراءت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ جو وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اُفکہم، اَفکہم کی طرح ہے اِفک اور اَفک یہ حِذر اور حَذر کی طرح ہیں؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝

''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو، پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے''۔

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یہ قریش کے مشرکوں کو توبیخ ہے یعنی جنوں نے قرآن کو سنا وہ آپ پر ایمان لائے اور انہیں علم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جبکہ تم اعراض کرنے والے اور کفر پر اصرار کرنے والے ہو۔ صَرَفْنَاۤ کا معنی ہے ہم نے انہیں آپ کی طرف متوجہ کیا اور ہم نے بھیجا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ انہیں آسمان سے چوری چھپے سننے سے شہاب مارنے کے ساتھ پھیر دیا گیا تھا جس طرح اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انہیں اس امر سے نہیں روکا گیا تھا مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

مفسرین حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد وغیرہ نے کہا: جب ابو طالب فوت ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ثقیف سے مدد لینے کے لیے طائف کی طرف نکلے آپ نے عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس جانے کا ارادہ کیا جو بھائی تھے ان کا تعلق بنو عمرو بن عمیر سے تھا، ان کے ہاں بنی جمح کے خاندان کی ایک قریشی عورت بیاہی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور ان سے سوال کیا کہ وہ قوم کے خلاف آپ کی مدد کریں تو ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کا غلاف اتار دے گا۔ دوسرے نے کہا: اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی نہیں ملا تھا کہ اسے رسول بنا کر بھیجتا۔ تیسرے نے کہا: اللہ کی قسم! میں تجھ سے کوئی کلام نہیں کروں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے بھیجا ہے جس طرح تو کہتا ہے تو تو اس سے عظیم شان رکھتا ہے کہ میں تجھ پر تیرا کلام لوٹاؤں اور اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو تجھ سے کلام کرنا مجھے زیب نہیں دیتا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے بے وقوف لوگوں اور اپنے غلاموں کو بھڑکایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور آپ پر قہقہے لگائیں، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو آپ نے جمحیہ عورت سے کہا: ہم نے تیرے سسرال سے کیا پایا؟ پھر آپ نے یوں دعا کی: اللّٰھمّ إنی أشکو

إليك ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس يا أرحم الراحمين أنت رب المستضعفين وأنت ربي لمن تكلني إلى عبد يتجهمني أو إلى عدو ملكته امري! إن لم كن بك غضب علي فلا أبالي ولكن عافيتك هي أوسع لي. أعوذ بنور وجهك من أن ينزل بي غضبك. أو يحل علي سخطك لك العتبى حتى ترضى. ولاحول ولا قوة إلا بك

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی قوت کی کمزوری، حیلہ کی کمی، لوگوں پر ہلکا ہونے کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے تو میرا رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے اس بندے کے جو میرے ساتھ ترش روی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جس کو تو میرے معاملہ کا مالک بنا دے، اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری ناراضگی نازل ہو تجھے عتاب کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ کسی مصیبت کو دور کرنا اور کسی امر پر طاقت ہونا تیرے ذریعے ہی ہے۔

ربیعہ کے دونوں بیٹوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم آ گیا دونوں نے اپنے غلام سے کہا جو ایک نصرانی تھا جسے عداس کہا جاتا انگور کا یہ گچھا لو اسے اس طبق پر رکھو پھر اسے اس آدمی کے سامنے رکھ آؤ۔ جب اس نے وہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''باسم اللہ'' پھر اسے کھایا، عداس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھا پھر کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اس شہر والے نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''تو کس شہر سے تعلق رکھتا ہے؟ اے عداس اور تیرا دین کیا ہے؟'' کہا میں نصرانی ہوں، اہل نینوی سے میرا تعلق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''کیا صالح انسان حضرت یونس بن متی کی بستی سے؟'' عداس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا کہ یونس بن متی کون ہے؟ فرمایا: ''وہ میرا بھائی ہے وہ نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں''۔ عداس آپ پر جھکا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے اسے کہا: تو نے اس طرح کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: اے میرے آقا! زمین میں ان سے بہتر کوئی فرد نہیں انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ثقیف کی جانب سے کسی بھلائی سے مایوس ہو گئے تو آپ واپس لوٹے یہاں تک کہ جب آپ نخلہ وادی میں تھے تو آپ رات کے وقت نماز پڑھنے لگے تو اہل نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس سے گذری۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جن چوری چھپے سنا کرتے تھے جب آسمان کی حفاظت کی جانے لگی اور انہیں شہابیوں سے مارا گیا تو ابلیس نے کہا: آسمان میں جو یہ حادثہ رونما ہوا ہے وہ زمین میں کسی حادثہ کی وجہ سے ہے۔ اس نے اپنے لشکر بھیجے تا کہ حقیقت حال کو جانیں۔ ان میں سے پہلا قافلہ نصیبین والوں کا تھا وہ معزز جنوں پر مشتمل تھا یہ تہامہ کی طرف آئے، جب وہ نخلہ وادی میں پہنچے تو انہوں نخلہ وادی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے سنا جبکہ آپ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کان لگائے اور کہا: خاموش ہو جاؤ۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ جنوں کو ڈرائیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے نینوی کے جنوں کی ایک جماعت آپ کی طرف

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں آج کی رات جنوں کو قرآن پڑھانے کا ارادہ رکھتا ہوں تم میں سے کون میری اتباع کرے گا؟" تو صحابہ نے اپنے سر جھکا لیے۔ دوسری دفعہ ارشاد فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ تیسری دفعہ فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یا رسول اللہ! میں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے سوا آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ ہم چلے یہاں تک کہ ہم مکہ مکرمہ کے بالائی علاقہ میں تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل ہوئے جسے "شعب حجون" کہا جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے ایک خط لگا دیا اور مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھوں۔ فرمایا: "اس سے باہر نہ نکلنا یہاں تک کہ میں تیری طرف واپس آؤں"۔ پھر آپ چلے یہاں تک کہ کھڑے ہو گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں گدھوں جیسی چیزیں دیکھتا جو نیچے گرتیں اور وہ آواز پیدا کرتے ہوئے چلتیں۔ میں غیر واضح سی گفتگو سنتا یہاں تک کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوف ہونے لگا۔ آپ کو کثیر جماعتوں نے ڈھانپ لیا جو میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو گئیں یہاں تک کہ میں ان کی آواز نہیں سنتا تھا۔ پھر وہ یوں چھٹنے لگے جس طرح بادل کا ٹکڑا ہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت اس سے فارغ ہوئے (1)۔ پوچھا: "کیا تو سویا ہے؟" میں نے عرض کی: نہیں اللہ کی قسم! میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد طلب کروں یہاں تک کہ میں آپ کو سنتا کہ آپ اپنے عصا کو کھٹکھٹا کر انہیں تنبیہ کرتے اور کہتے: بیٹھ جاؤ۔ فرمایا: "اگر تو اس دائرہ سے باہر نکلتا تو مجھے تیرے بارے میں خوف ہوتا کہ ان میں سے کوئی تجھے اچک ہی نہ لے"۔ پھر پوچھا: "کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟" میں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! میں نے سیاہ رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید رنگوں کی دھوتیاں رانوں سے لپیٹے ہوئے ہیں۔ فرمایا: "وہ نصیبین کے جن تھے، انہوں نے مجھ سے متاع اور زاد کے بارے میں سوال کیا تو میں نے انہیں ہر بوسیدہ ہڈی اور گوبر و مینگنی وغیرہ کو ان کے لیے خوراک بنا دیا ہے"۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! لوگ انہیں ہمارے لیے گدلا کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا کیا جائے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ چیز انہیں کیا فائدہ دے گی؟ فرمایا: "وہ کسی ہڈی کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس پر ایسا گوشت پائیں گے جس روز اسے کھایا گیا تھا اور وہ کسی گوبر کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس میں ایسا دانہ پائیں گے جس طرح اسے کھایا گیا تھا"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے بہت زیادہ غیر واضح سی گفتگو سنی؟ فرمایا: "جنوں نے ایک مقتول کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور میرے سامنے معاملہ پیش کیا تو میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا"۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے اور میرے پاس تشریف لائے۔ پوچھا: "کیا تیرے پاس پانی ہے؟" میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے پاس برتن ہے جس میں کچھ نبیذ تمر ہے، میں نے اسے آپ کے ہاتھوں پر انڈیلا تو آپ نے وضو کیا۔ فرمایا: "پاکیزہ کھجور اور طہارت عطا کرنے والا پانی"۔ معمر نے قتادہ سے اور شعبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ معمر کی حدیث میں نبیذ تمر کا ذکر نہیں۔

ابو عثمان نہدی نے روایت بیان کی ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے زطیوں (ہند کے ایک علاقہ کے رہائشی) کو دیکھا۔ پوچھا:

---

1۔ تفسیر ثعالبی، جلد 4، صفحہ 312

یہ لوگ کون ہیں؟ جواب دیا: یہ زطی ہیں۔ فرمایا: میں نے ان کی مثل نہیں دیکھا مگر جنوں والی رات میں جنوں کو ان کی مثل دیکھا تھا، وہ لنگوٹ مارے ہوئے تھے ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے۔

دارقطنی، عبداللہ بن لہیعہ سے وہ قیس بن حجاج سے وہ حنش سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں والی رات نبیذ سے وضو کروایا تو آپ نے اس کے ساتھ وضو کیا۔ فرمایا: ثمرۃ طیبۃ و طہور۔ ابن لہیعہ ایسا راوی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

اس سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ وہ جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے رسول اللہ نے آپ کو فرمایا: ''اے ابن مسعود! کیا تیرے پاس پانی ہے؟'' عرض کی: میرے پاس برتن میں نبیذ ہے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ''اس سے مجھ پر انڈیلو'' تو آپ نے وضو کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ھو شراب وطہور۔ ابن لہیعہ اس روایت کو نقل کرنے میں اکیلا ہے اور حدیث میں ضعیف ہے۔ دارقطنی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔ علقمہ بن قیس اور ابوعبیدہ بن عبداللہ وغیرہ نے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جنوں والی رات آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

ابو محمد بن صاعد، ابو اشعث سے وہ مبشر بن فضل وہ داؤد بن ابی ہند سے وہ عامر سے وہ علقمہ بن قیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایک لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ جواب دیا: نہیں۔ دارقطنی نے کہا: یہ اسناد صحیح ہے اس کے راویوں کی عدالت میں کوئی اختلاف نہیں۔

عمرو بن مرہ نے کہا: میں نے ابوعبیدہ سے پوچھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات حاضر تھے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جن، نصیبین کے جنوں میں سے سات افراد تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنایا۔ زر بن حبیش نے کہا: وہ کل نو تھے ان میں سے ایک زوبعہ تھا (2)۔ قتادہ نے کہا: وہ اہل نینوی تھے۔ مجاہد نے کہا: وہ اہل حران تھے۔ عکرمہ نے کہا: وہ موصل کے جزیرہ سے تھے (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا: وہ سات تھے، تین اہل نجران سے اور چار اہل نصیبین سے تھے۔ ابن ابی دنیا نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کہا اور اس میں نصیبین کا ذکر کیا، فرمایا: اسے میری طرف اٹھایا گیا یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھ لیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کی بارش زیادہ ہو، اس کے درخت سرسبز و شاداب ہوں اور دریاؤں میں پانی زیادہ ہو۔ سہیلی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وہ سات تھے، وہ یہودی تھے اور اسلام لائے، اسی وجہ سے کہا: **اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى** ان کے ناموں کے بارے میں کہا گیا: شاصر، ماصر، منشی، ماشی، احقب؛ ان پانچ کا ذکر ابن درید نے کیا ہے۔ ان میں سے عمرو بن جابر بھی ہے۔ ابن اسلام نے اس کا ذکر ابو اسحاق سبیعی کی سند سے اپنے اشیاخ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر

---

1۔ سنن دارقطنی، جلد 1، صفحہ 76 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 286 3۔ ایضاً

کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں چل رہے تھے تو ان کے لیے ایک بگولہ بلند ہوا پھر اس سے بڑا بگولہ آیا تو کیا دیکھتے ہیں ایک مردہ سانپ ہے ہم میں سے ایک آدمی نے اپنی چادر کا قصد کیا اسے پھاڑا اس کے کچھ حصہ سے سانپ کو کفن دیا اور اسے دفن کر دیا۔ جب رات تاریک ہوگئی تو دو عورتیں پوچھ رہی تھیں: عمرو بن جابر کو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا: ہم نہیں جانتے عمرو بن جابر کون ہے؟ دونوں نے کہا: اگر تم نے اجر کی نیت کی ہے تو تم نے اسے پایا ہے فاسق جنوں نے مومن جنوں کے ساتھ جنگ کی تو عمرو کو قتل کر دیا گیا۔ وہ سانپ تھا جسے تم نے دیکھا تھا۔ وہ اس جماعت سے تھا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف خبردار کرنے والے ہو کر واپس لوٹ گئے۔ ابن سلام نے ایک اور روایت کا ذکر کیا جس نے اسے کفن دیا تھا وہ صفوان بن معطل تھا۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اس کی مثل خبر ذکر کی ہے، اس نے کہا: ثابت بن قطبہ نے کہا کچھ لوگ حضرت ابن مسعود کی خدمت میں آئے انہوں نے کہا: ہم ایک سفر میں تھے ہم نے ایک سانپ دیکھا جو اپنے خون میں لت پت تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے اسے لیا اور ہم نے اسے مٹی میں دبا دیا، کچھ لوگ آئے انہوں نے کہا: عمرو کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا: کون عمرو؟ انہوں نے کہا: وہ سانپ جسے تم نے فلاں جگہ دفن کیا، خبردار! وہ اس جماعت میں سے تھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا مسلمان جنوں اور کافر جنوں میں جنگ ہوئی تو وہ شہید ہو گئے۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نہ تو سفر میں تھے اور نہ دفن میں حاضر تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابن ابی دنیا نے ایک تابعی کا ذکر کیا اس کا نام بھی لیا، ایک سانپ اس کے خیمہ میں داخل ہوا وہ پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا اس نے اسے پانی پلایا پھر وہ سانپ مر گیا تو اس تابعی نے اسے دفن کر دیا۔ رات کے وقت کوئی اس کے پاس آیا اسے سلام کیا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا وہ نصیبین کے جنوں میں سے تھا اس کا نام زوبعہ تھا۔

سہیلی نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فضائل میں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے جس کو ابوبکر بن طاہر اشبیلی نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ نے ایک مردہ سانپ دیکھا آپ نے اپنی زائد چادر سے اسے کفن دیا اور اسے دفن کر دیا تو کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے سرق! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''تو بیابان میں مرے گا اور تجھے ایک صالح آدمی کفن دے گا''۔ پوچھا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ اس نے کہا: ان جنوں میں سے ایک جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا ان میں سے میں اور سرق باقی رہ گئے تھے یہ سرق فوت ہو چکا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سانپ کو قتل کر دیا جسے آپ نے اپنے حجرہ میں قرآن سنتے ہوئے دیکھا جبکہ حضرت عائشہ قرآن حکیم پڑھ رہی تھیں۔ خواب میں ان کے پاس کوئی آیا اور ان سے کہا: آپ نے جنوں میں سے ایک مومن کو قتل کر دیا، وہ جن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اگر وہ مومن ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل نہ ہوتا۔ آپ سے عرض کی گئی: وہ آپ کے پاس حاضر نہیں ہوا تھا مگر آپ نے نقاب اوڑھا ہوا تھا و

تو قرآن سننے کے لیے آیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ گھبرا گئیں آپ نے غلام خریدے اور انہیں آزاد کیا۔ سہیلی نے کہا: ہمارے پاس جو جنوں کے نام تھے ہم نے ان کا ذکر کر دیا، اگر وہ سات تھے تو احقب ان میں سے کسی کا وصف ہوگا۔ یہ اسم علم نہیں ہے سب نے وہ اسماء جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ احقب کے ساتھ مل کر آٹھ بنتے ہیں۔

میں نے کہا: حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہامہ بن ہیم بن اقیس بن ابلیس۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومن جنوں میں سے تھا یہ ان جنوں میں سے تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساءلون، سورۂ اذا الشمس کورت، سورۃ الحمد اور معوذتین پڑھائیں۔ اور یہ ذکر کیا وہ ہابیل کے قتل کے وقت حاضر تھا اور اس کے خون میں شریک ہوا تھا وہ غلام بن اعوام ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ملا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی وہ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت الیاس، حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے ملا۔ ماوردی نے ان کے اسماء مجاہد سے ذکر کیے ہیں اور کہا: حسی، مسی، منشی، شاصر، ماصر، اُرد، اُنیان اور احقم۔ ان کا ابو عمرو عثمان بن احمد جو ابن سماک کے نام سے معروف ہیں نے کیا ہے کہا: محمد بن براء، زبیر بن بکار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حمزہ بن عتبہ بن ابی لہب نصیبین والے ان جنوں کے نام ذکر کیا کرتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ کہتے: حسی، مسی، شاصر، ماصر، الفخر، اَرد اور انیال۔

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ التفات (1) کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک قول یہ ہے: جب وہ قرآن اور اس کے سماعت کے لیے حاضر ہوئے۔ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ان میں سے بعض نے کہا: قرآن حکیم کو سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (2) جبکہ آپ بطن نخلہ میں قرآن حکیم پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آپ کی آواز کو سنا تو کہا: خاموش ہو جاؤ، وہ سات تھے ان میں سے ایک زوبعہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ کو نازل فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ معنی قریب قریب ہے۔

فَلَمَّا قُضِیَ لاحق بن حمید اور حبیب بن عبداللہ بن زبیر نے اسے فلما قضی پڑھا یعنی فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے جب آسمان کو چوری چھپے سننے سے محفوظ کر دیا گیا تو وہ نکلے تا کہ اس کا جو سبب بنا وہ اس سے آگاہی حاصل کریں، وہ وادی نخلہ میں آئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ رہے تھے وہ کل سات تھے، انہوں نے اسے سنا اور

---

1۔ یہ علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام کو غیب سے خطاب اور خطاب سے تکلم کی طرف پھیر دیا جائے یہاں کلام خطاب سے غیب کی طرف پھیری گئی ہے۔ مترجم

2۔ ... اسباب نزول للسیوطی، صفحہ 315

اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں اللہ تعالیٰ نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے قرآن سنیں اور اپنی قوموں کو ڈرائیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآن کو پڑھا اور آپ اس سے فارغ ہوئے تو آپ کے حکم سے واپس گئے وہ اپنی قوم کے جنوں کا قصد کر رہے تھے، انہیں قرآن کی مخالفت سے خبردار کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے انہیں خبردار کرنے والے تھے اگر وہ ایمان نہ لائیں۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باقی ماندہ جنوں کو ڈرانے کے لیے بھیجا اس کے اوپر یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ اگر ایسا واقعہ نہ ہوتا تو وہ اپنی قوم کو نہ ڈراتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا (1)۔ اسی تاویل کی بنا پر جنوں والی دو راتیں ہیں۔ یہ بحث پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں وہ روایت ہے جو اسی چیز پر دلالت کرتی ہے جس کی وضاحت قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ (الجن: 1) میں آئے گی صحیح مسلم میں حضرت معن سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہا میں نے مسروق سے پوچھا: کس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ جنوں نے اس رات قرآن حکیم سنا (2)؟ تو مسروق نے کہا: تیرے باپ یعنی حضرت ابن مسعود نے بتایا کہ درخت نے آپ کو ان کے متعلق بتایا تھا۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

"انہوں نے (جا کر) کہا: اے میری قوم ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کرلو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب سے"۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى کتاب سے مراد قرآن ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے۔ عطا نے کہا: وہ پہلے یہودی تھے تو اسلام لے آئے، اسی وجہ سے کہا: اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں نہیں سنا تھا (3)، اسی وجہ سے انہوں نے اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى کہا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یعنی وہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وہ دین حق کی طرف دعوت

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 36
2۔ صحیح بخاری، کتاب بنیان الکعبہ، ذکر الجن قول انہ قل اُوحی الی، جلد 1، صفحہ 544
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 312

دینے والے تھے وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین قدیم کی طرف۔

يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ داعی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی ذات جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث تھی۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے قبل کوئی نبی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر وہ حدیث جو صحیح مسلم میں ہے دلالت کرتی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں کی گئیں، ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا اور میں احمر و اسود کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں یا میرے لیے غنیمت حلال کی گئیں وہ مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں، زمین میرے لیے پاکیزہ طہارت عطا کرنے والی اور مسجد بنادی گئی ہے، جس نماز کا وقت ہو جائے تو وہ جہاں ہو نماز پڑھ لے، مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے''(1)۔

مجاہد نے کہا: احمر و اسود سے مراد جن اور انسان ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے: ''مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے''(2)۔

وَ اٰمِنُوْا بِهٖ ہ ضمیر سے مراد داعی ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی قوم سے ستر افراد ایمان لائے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف لوٹے اور آپ کو بطحاء میں ملے ان پر قرآن حکیم کو پڑھا انہیں حکم دیا اور نہی کی۔

**مسئلہ:** یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امر، نہی، ثواب اور عقاب میں جن، انسانوں کی طرح ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مومن جنوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی ثواب نہیں کہ انہیں جہنم سے نجات دے دی جائے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، فرمایا: جنوں کے لیے اس کے سوا کوئی ثواب نہیں کہ انہیں آگ سے پناہ دی جاتی ہے، پھر انہیں کہا جاتا ہے: تم مٹی ہو جاؤ جس طرح چوپاؤں کو کہا جائے گا: تم مٹی ہو جاؤ۔ دوسروں نے کہا: انہیں گناہوں پر سزا دی جائے گی اور احسان کی صورت میں ثواب دیا جائے گا جس طرح انسان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور ابن ابی لیلیٰ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے کہا: جن جنت میں داخل ہوں گے، وہ کھائیں گے اور پئیں گے۔ قشیری نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں ثواب دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ سورت کے آغاز میں فرمایا: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 199 2۔ ایضاً

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ (انعام: 130) آخر میں فرمایا: وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سورۂ رحمٰن میں اس بارے میں مزید گفتگو ہوگی۔ انشاء اللہ۔

وَ مَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۲

"اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں"۔

فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائے گا اور نہ اس پر سبقت لے جاسکے گا اَوْلِيَآءُ اس کے ایسے مددگار نہیں ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۳

"کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ یہاں رویۃ علم کے معنی میں ہے ان، اس کا اسم اور اس کی خبر رویۃ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔

وَ لَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے۔ لَمْ يَعْيَ کا معنی ہے وہ انہیں پیدا کرنے میں عاجز اور کمزور نہیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: عَيِيَ بأمره وعَيِيَ جب وہ ہدایت نہ پائے۔ اس میں ادغام اکثر ہوتا ہے جمع میں تو عیوا لمخفف کہے گا۔ اس کو تشدید کے ساتھ عیوا بھی کہتے ہیں۔ کہا:

عَيُّوا بأمرهم كما عَيَّتْ ببيضتها الحمامة

وہ اپنے معاملے میں یوں عاجز آ گئے جس طرح کبوتری اپنے انڈے کے بارے میں عاجز آ گئی۔

عَيِيتُ بأمري جب تو اس کی صحیح صورت کی طرف ہدایت نہ پائے أعياني هوا اس نے مجھے عاجز کر دیا۔ حضرت حسن بصری نے ولم يَعْيِ عین کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قلیل شاذ ہے کیونکہ عین کلمہ میں اعلال اور لام کلمہ میں تصحیح واقع نہیں ہوتی مگر چند اسماء میں ایسا ہوتا ہے، جس طرح غاية اور آية ہے شعر کے علاوہ فعل میں ایسا نہیں ہوتا۔ فراء نے اس شعر کو پڑھا ہے، وہ شاعر کا قول ہے:

فكأنها بين النساء سَبِيكَةٌ تمشي بِسُدّة بَيْتها فتُعِيِ

محل استدلال فتعی ہے۔ بقادر ابوعبیدہ اور اخفش نے کہا: باء زائدہ ہے تاکید کے لیے آئی ہے، جس طرح اس ارشاد میں باء زائدہ ہے: وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿﴾ (النساء) تَنۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 20) نسائی، فراء اور زجاج نے کہا: باء استفہام کا نائب ہے اور کلام کے آغاز میں نفی کا معنی ہے۔ زجاج نے کہا: عرب اسے نفی کے ساتھ داخل کرتے ہیں تو کہتا ہے: ماظننتَ إن زیدا ابقائم (1) تو یہ نہیں کہتا: ظننت أن زیدا ابقائم۔ اس باء کے داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ما داخل ہوا ہے اور انّ داخل ہوا ہے جو تاکید کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہے أليس الله بقادر جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے أَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ (یٰس: 81) حضرت ابن مسعود، اعرج، جحدری، ابن اسحاق اور یعقوب نے اسے یقدر پڑھا ہے؛ ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ ان کی خبر میں باء کا داخل کرنا قبیح ہے۔ ابوعبید نے عام قراءت کو پسند کیا کیونکہ حضرت عبداللہ کی قراءت میں ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ (بنی اسرائیل: 99) باء کے بغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿﴾

''اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں۔ کہیں گے: ہمارے رب کی قسم! یہ حق ہے۔ اللہ فرمائے گا: اچھا اب چکھو عذاب کا مزا اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے''۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ انہیں وہ دن یاد دلایا جس روز انہیں پیش کیا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا: اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا تو انہیں بیان کرنے والا کہے گا: فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿﴾ ما مصدریہ ہے یعنی اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿﴾

''پس (اے محبوب) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (بددعا کرنے میں) جلدی نہ کیجئے جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر دن کی فقط ایک گھڑی، یہ پیغام حق ہے پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا''۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حزم و صبر والے۔ مجاہد نے کہا: وہ پانچ ہیں

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 313

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ سب شریعتوں والے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: اولوا العزم رسول یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ چوتھے ہو جائیں۔ سدی نے کہا: وہ چھ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ یہ سب سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں مذکور ہیں۔ مقاتل نے کہا: یہ چھ ہیں حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ پر صبر کیا، حضرت اسحاق علیہ السلام نے ذبح پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچے کے گم ہونے اور نظر کے چلے جانے پر صبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں میں گرنے اور قید خانے میں گرنے پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیماری پر صبر کیا (2)۔ ابن جریج نے کہا: ان میں حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت ایوب ہیں ان میں حضرت یونس، حضرت سلیمان اور حضرت آدم علیہ السلام نہیں۔

شعبی، کلبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ رسل ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا انہوں نے مکاشفہ کو ظاہر کیا اور کافروں سے جہاد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ عظیم رسول ہیں جو سورۂ انعام میں مذکور ہیں وہ اٹھارہ ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام، حسن بن فضل نے اس قول کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد میں ہے: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 90)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمام رسول اولوا العزم تھے؛ اسے علی بن مہدی طبری نے پسند کیا ہے۔ کہا: اس میں من جنس کو ظاہر کرنے کے لیے ہے بعضیت کو بیان کرنے کے لیے نہیں، جس طرح تو کہتا ہے: اشتريت أردية من البز وأكسية من الخز میں نے بز کی بنی چادریں اور خز کی بنی کساءیں خریدیں، یعنی آپ صبر کریں جس طرح رسولوں نے صبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام انبیاء اولوا العزم ہیں مگر حضرت یونس بن متی کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر سے منع کیا گیا کہ آپ ان کی مثل ہو جائیں اس کی وجہ ان کا ہلکا پن اور جلد بازی ہے جو ان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تین امور کے ساتھ انہیں آزمایا۔ اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا یہاں تک کہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 288 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 289

انہوں نے آپ کے اہل اور مال پر غارت گری مچائی۔ اللہ تعالیٰ نے بھیڑیے کو ان کے بیٹے پر مسلط کر دیا تو وہ اسے کھا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان پر مسلط کر دیا تو اس نے آپ کو نگل لیا، یہ بات ابو القاسم حکیم نے کہی ہے۔

بعض علماء نے کہا: اولوا العزم نبی بارہ ہیں جنہیں بنی اسرائیل کی طرف شام کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ تو بنی اسرائیل نے ان کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ میں اپنا عذاب بنی اسرائیل کے نافرمانوں کی طرف بھیجنے والا ہوں۔ یہ امر رسولوں پر شاق گذرا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنے لیے پسند کر لو اگر چاہو تو میں تم پر عذاب کو نازل کر دوں اور بنو اسرائیل کو نجات دے دوں اور اگر چاہو تو تمہیں نجات دے دوں اور عذاب بنی اسرائیل پر نازل کر دوں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کو نازل کر دے اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرما دے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی اور ان پر عذاب کو نازل کر دیا اس کی صورت یہ بنی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زمین کے بادشاہوں کو مسلط کر دیا ان میں سے کسی کو آری سے چیر دیا گیا، کسی کے چہرے اور سر کی جلد اتار لی گئی، کسی کو سولی پر لٹکا دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، کسی کو آگ میں جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اولوا العزم چار تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (1)۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہیں کہا گیا: **اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (بقرہ) پھر ان سے ان کے مال، ان کی اولاد، وطن اور ذات کے بارے میں امتحان لیا گیا تو جن جن امور میں ان کا امتحان لیا گیا ان میں آپ کو پورا اور سچا پایا گیا۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے عزم کا اظہار کیا جب ان کی قوم نے ان کو کہا: **اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ** (الشعراء) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: **كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ** (الشعراء) جہاں تک حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان سے خطا ہوئی تو اس خطا پر انہیں متنبہ کیا گیا، آپ چالیس سال روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے درخت اُگ آئے تو آپ اس کے سائے میں بیٹھے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ عزم کیا کہ وہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھیں گے۔ انہوں نے فرمایا: **انہا معبرۃ فاعبروھا ولا تعمروھا** یہ ایک راستہ ہے اسے عبور کرو اسے آباد نہ کرو۔

گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے: صبر کیجئے یعنی جن امور میں آپ کو آزمایا گیا ہے ان میں سچے ہو جائیے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سچ کا اظہار کیا اپنے مولیٰ کی مدد پر اس طرح اعتماد کرتے ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد تھا، اپنی لغزشوں پر ایسے غم کا اظہار کیجئے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے غم کا اظہار کیا تھا اور دنیا میں ایسا زہد اختیار کیجئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد اختیار کیا تھا۔ پھر یہ کہا گیا: یہ آیت آیت سیف سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت محکم ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ سورت مکی ہے؛ مقاتل نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو مصیبت آپ کو پہنچی ہے اس پر صبر کیجئے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 32

جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ مقصود اس امر کو آپ پر آسان کرنا اور اس پر ثابت قدم کرنا تھا۔ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ مقاتل نے کہا: ان کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ قیامت کے روز یہ ان کے مقاصد میں سے سب سے بعید مقصد ہوگا۔ استعجال فعل کا مفعول محذوف ہے اور وہ عذاب ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ یحییٰ نے کہا: مَا يُوْعَدُوْنَ سے مراد عذاب ہے(1)۔ نقاش نے کہا: مراد آخرت ہے(2)۔ لَمْ يَلْبَثُوْٓا وہ دنیا میں نہ رہے یہاں تک کہ انہیں عذاب نے آلیا(3)؛ یہ یحییٰ کے قول کا مقتضا ہے۔ نقاش نے کہا: وہ اپنی قبروں میں رہیں گے یہاں تک کہ انہیں حساب کے لیے اٹھالیا جائے گا۔ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ یعنی یوم قیامت کا ایک حصہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے جو عذاب دیکھا اس کی ہولناکی نے انہیں دنیا میں طویل عرصہ تک رہنے کے عمل کو بھلا دیا۔ پھر کہا: بَلٰغٌ کو رفع مبتدا کے مضمر ہونے کی بنا پر ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ (ابراہیم: 52) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (الانبیاء) بلاغ تبلیغ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ٹھہرنا ہی بلاغ ہے(4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں وقف بَلٰغٌ اور نَّهَارٍ پر ہوگا۔

ابو حاتم نے ذکر کیا ان میں سے بعض نے وَ لَا تَسْتَعْجِلْ پر وقف کیا پھر لھم سے کلام کا آغاز کیا کلام یوں ہوگی لھم بلاغ۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ تو نے البلاغ اور لام میں فاصلہ کر دیا ہے۔ عربی زبان میں بلاغا اور بلاغ دونوں طرح جائز ہے نصب اس اعتبار سے کہ تقدیر کلام یہ ہوگی الا ساعة بلاغا کہ یہ مفعول مطلق ہے یا یہ ساعة کی صفت ہے، جر اس اعتبار سے کہ کلام ہے من نهار بلاغ۔ نصب کے ساتھ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے۔ بعض قراء سے یہ مروی ہے بلغ یہ امر کا صیغہ ہے۔ اس صورت میں وقف مِّنْ نَّهَارٍ پر ہے پھر بَلٰغٌ سے کلام شروع ہوگی۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی اللہ کے حکم سے خارج۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن محیصن نے پڑھا فَهَلْ يُهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمُ فعل قوم کی طرف منسوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب عورت پر بچے کی پیدائش مشکل ہو جائے تو یہ دو آیتیں اور دو کلمے ایک کاغذ پر لکھے جائیں پھر انہیں دھویا جائے اور اسے پلایا جائے۔ وہ یہ ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ العظيم الحليم الكريم سبحان رب السموات و رب الارض و رب العرش العظيم كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ تعالیٰ جو عظیم شان والا ہے اس نے سچ بولا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا مگر مشرک کو(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امید میں سب سے قوی آیت ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 289　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

4۔ ایضاً　　5۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 46

# سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

آیاتہا ۳۸ | ۴۷ سورۃ محمد مدنیۃ ۹۵ | رکوعاتہا ۴

سورۂ قتال یہ سورت محمد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ ماوردی نے کہا: تمام کا قول یہی ہے (1) مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہ قول ہے: مگر ایک آیت جو حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی جب آپ مکہ مکرمہ سے نکلے آپ بیت اللہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے اور غم کی وجہ سے رو رہے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ ثعلبی نے کہا: یہ مکی ہے؛ ابن ہبۃ اللہ نے ضحاک اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے: یہ انتالیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اڑتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

”جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے رہے“۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں (2) جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا انہوں نے اپنے آپ کو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکا وہ دین اسلام ہے وہ مومنوں کو اس دین میں داخل ہونے سے روکا کرتے تھے؛ (3) یہ سدی کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے مراد عن بیت اللہ جو بیت اللہ شریف کا قصد کرتے وہ انہیں روکتے۔ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان مکروفریب کو باطل کر دیا (4) جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان کا وبال ان پر ڈال دیا؛ یہ ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے حالت کفر میں جو اعمال کیے جنہیں وہ مکارم کا نام دیتے تھے جیسے صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرانا، مہمانوں کی خدمت کرنا، پڑوسیوں کی حفاظت کرنا ان سب کو باطل کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت بدر میں کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی (5) وہ کل بارہ افراد تھے ابوجہل، حارث بن ہشام، عتبہ، شیبہ جو دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے ابی، امیہ جو خلف کے بیٹے تھے منبہ، نبیہ جو حجاج کے بیٹے تھے، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور حارث بن نوفل۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ②

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 47
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 314
5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 151

"اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسول معظم) محمد ﷺ پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو"۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد انصار ہیں مقاتل نے کہا: یہ قریش کے چند افراد کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں مومنوں اور کافروں کے بارے میں عام ہیں۔ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۝ کا معنی ہے ان کو باطل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ہدایت پانے سے گمراہ کر دیا اس کی صورت یہ تھی کہ انہیں توفیق دینے سے پھیر دیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جس نے کہا: اس کا مصداق انصار ہیں اس نے صالحات سے مراد ان کو گھر دینے اور مال دینے میں ان کے ساتھ ہمدردی کرنا لیا ہے۔ جس نے کہا: مراد قریش ہیں تو عمل صالح سے مراد ہجرت ہے۔ جس نے کہا: یہاں عام مراد ہے تو صالحات سے مراد تمام وہ اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ یعنی حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا اس کے ساتھ کسی چیز میں مخالفت نہیں کی؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد ﷺ جو لائے اس کے بارے میں آپ کی تصدیق کی۔

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اس سے مراد ہے کہ ان کا ایمان ہی ان کے رب کی جانب سے حق تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قرآن ان کے رب کی جانب سے حق ہے جو اس سے قبل وحی آئی تھی اسے منسوخ کر دیا۔ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ مراد وہ سیآت ہیں جو ایمان لانے سے پہلے انہوں نے کی تھیں ان کو اس نے معاف کر دیا وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ۝ ان کے عمل کو درست کر دیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کے حال کو درست کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے امور کو درست کر دیا تینوں کا معنی قریب قریب ہے۔ اس کی یہ تاویل بھی کی گئی ہے جو امور ان کی دنیا سے متعلق ہیں ان کو درست کر دیا نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ معنی ہے ان کی نیتوں کو درست کر دیا۔ شاعر نے کہا:

فإن تُقبلی بالودّ أقبل بمثله وإن تدبری أذهب إلى حال بالیا(1)

یہ اس تاویل کی بنا پر ان کے دین کی اصلاح پر محمول ہوگا۔ بال مصدر کی طرح ہے اس کا فعل معروف نہیں ضرورت شعری کے سوا عرب اس سے جمع کا صیغہ نہیں لاتے مگر ضرورت شعری میں ایسا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: بالات۔ مبرد نے کہا: بعض اوقات بال کسی اور جگہ قلب کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما یخطر فلان علی بالی فلاں میرے دل پر نہیں کھٹکتا۔ جوہری نے کہا: بال کا معنی نفس کی فارغ البالی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلاں رخی البال فلاں فارغ البال ہے۔ بال کا معنی حال ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما بالک تیرا کیا حال ہے۔ ان کا قول ہے: لیس ھذا من بالی یہ وہ چیز نہیں جس کی میں پرواہ کرتا ہوں۔ بال سے مراد سمندر کی مچھلیوں میں سے بڑی مچھلی ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں۔ بالہ خوشبو والے برتن کو کہتے ہیں۔ یہ فارسی سے معرب ہے فارسی زبان میں یہ اصل میں بیلہ تھا۔ ابوذؤیب نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 291

كأن عليها بالة لطيبة لها من خلال الدأيتين أريج

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

''(یوں) اس لیے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے حالات''۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ذلك اسم اشارہ یہ محل رفع میں ہے۔ یعنی الامر کذلك۔ معاملہ اسی طرح ہے یا تقدیر کلام یہ ہوگی ذلك الاضلال والهدی جن دونوں کا ذکر گذر چکا ہے اس کا سبب یہ ہے کافر نے باطل کی پیروی کی اور مومن نے حق کی پیروی کی۔ باطل سے مراد شرک اور حق سے مراد توحید و ایمان ہے۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝ یعنی اس بیان کی طرح جس کی وضاحت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے نیکیوں اور برائیوں کے معاملہ کی وضاحت کرتا ہے اَمْثَالَهُمْ میں جو ضمیر ہے وہ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کی طرف لوٹ رہی ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڜ ذٰلِكَ ڒ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

''پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، یہی حکم ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے، اور جو مار ڈالے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ جب دونوں فریقوں کو الگ الگ کر لیا تو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار سے مراد مشرک ہیں جو بتوں کے پجاری تھے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 293

ہے: اس سے مراد ہر وہ فرد ہے جو دین کا مخالف ہے وہ مشرک ہو یا کتابی ہو جبکہ اس کا کوئی عہد و پیمان نہ ہو؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا اور ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے اور کہا: عموم آیت کی وجہ سے یہی صحیح ہے (1)۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ مفعول مطلق ہے۔ زجاج نے کہا: فاضربوا الرقاب ضربا رقاب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ قتل عموماً اسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: یہ کلام اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: یانفس صبرا ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام اقصدوا ضرب الرقاب ہے ارشاد فرمایا: فَضَرْبَ الرِّقَابِ۔ یہ نہیں کہا ماقتلوھم کیونکہ قتل کے لفظ کی بجائے ضرب رقاب میں سختی کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں خوفناک ترین صورت میں اس کے قتل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وہ اس کی گردن کا کاٹنا اور ایسے عضو کو اڑانا ہے جو بدن کا سردار، اس کا بلند حصہ اور وجیہ ترین عضو ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ یعنی جب تم قتل کا عمل زیادہ کر چکو۔ سورۂ انفال میں یہ بحث حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ میں گزر چکی ہے۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ یعنی جب تم قیدی بنا چکو۔ وثاق یہ ایثاق کا اسم ہے بعض اوقات یہ مصدر ہوتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: أوثقته ایثاقا و وثاقا جہاں تک وثاق کا تعلق ہے تو یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے، جس طرح رباط یہ قشیری کا نقطہ نظر ہے۔ جوہری نے کہا: اوثقه فی الوثاق یعنی اسے باندھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَشُدُّوا الْوَثَاقَ، وثاق واؤ کے کسرہ کے ساتھ، اس میں یہ لغت ہے۔ باندھنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ وہ کھسک ہی نہ جائیں۔

فَاِمَّا مَنًّۢا یعنی یا تو بغیر فدیہ کے مطلق ان پر احسان کیا جائے وَ اِمَّا فِدَآءً یا فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا جائے۔ ان دونوں کو فعل مضمر کے ساتھ نصب دی گئی ہے۔ اسے فدی الف مقصورہ کی صورت میں فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فإما أن تمنوا علیهم منا وإما أن تفادوهم فداء۔ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ میں حجاج کے پاس کھڑا تھا جب عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھی اس کے پاس لائے گئے ان کی تعداد چار ہزار آٹھ سو تھی اس نے تین ہزار کے قریب افراد کو قتل کر دیا یہاں تک کہ کندہ قبیلہ کا ایک آدمی اس کے پاس آیا اس نے کہا: اے حجاج! تو سنت اور کرم سے اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھلائی کے ساتھ بدلہ نہیں دے گا۔ اس نے پوچھا: یہ کیوں؟ اس آدمی نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ تو نے احسان کیا اور نہ ہی فدیہ لیا۔ تمہارے شاعر نے کہا جبکہ وہ تمہارے مکارم، صدق کا وصف بیان کرتا ہے:

ولانقتل الأسری ولانفکهم إذا أثقل الأعناق حِملُ المغارم

نہ ہم قیدیوں کو قتل کرتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں چھڑاتے ہیں جب چٹیوں کے بوجھ گردنوں کو بوجھل کر دیں۔

حجاج نے کہا: ان مردہ لاشوں پر افسوس! کیا ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو اس قسم کی کلام اچھے انداز میں کرتا۔ جو لوگ بچ گئے ہیں ان کو آزاد کر دو۔ اس روز باقی قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اس آدمی کے بقول وہ دو ہزار تھے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے اور پانچ اقوال ذکر کیے ہیں:

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1700

1۔ یہ منسوخ ہے، یہ بتوں کے پجاریوں کے بارے میں ہے ان سے فدیہ لینا اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں ان کے نزدیک اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبۃ:5) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (الانفال:57) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً (التوبہ:36) یہ قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ کوفہ کے بہت سے علماء نے یہی بات کی ہے۔ عبدالکریم جوزی نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک کے بارے میں خط لکھا گیا جو قید کیا گیا تھا(1)۔ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ اس نے اتنے اتنے فدیہ کے بدلے میں جان بخشی کی التماس کی ہے۔ فرمایا: اسے قتل کردو ایک مشرک آدمی کا قتل مجھے اتنے اتنے مال کی بنسبت زیادہ محبوب ہے۔

2۔ یہ تمام کفار کے بارے میں ہے علماء اور اہل نظر کی ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ منسوخ ہے ان میں قتادہ اور مجاہد بھی ہیں۔ انہوں نے کہا: جب مشرک کو قید کیا جائے تو اس پر احسان کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے شرط پر فدیہ لینا جائز ہے کہ اسے واپس مشرکوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک صرف عورت کا فدیہ لینا جائز ہے کیونکہ اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا، اس آیت کی ناسخ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبۃ:5) ہے کیونکہ سورۂ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ ضروری ہے کہ مشرک کو قتل کر دیا جائے مگر جس کے قتل کو ترک کرنے میں دلیل قائم ہو جس طرح عورتیں، بچے اور جن سے فدیہ لیا جاتا ہے؛ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ وجہ یہ خوف ہے کہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو جائیں۔

عبدالرزاق، معمر سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً اسے فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (الانفال:57) نے منسوخ کر دیا۔ مجاہد نے کہا: اسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبۃ:5) نے منسوخ کیا ہے؛ یہ حکم کا قول ہے۔

3۔ یہ آیت ناسخ ہے؛ یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ثوری نے جویبر سے وہ ضحاک سے روایت نقل کرتے ہیں فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبۃ:5) کو فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً نے منسوخ کر دیا ہے۔ ابن مبارک نے ابن جریج سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً مشرک کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر احسان کیا جائے گا اور اس سے جذیہ لیا جائے گا(2)، جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اشعث نے کہا: حضرت حسن بصری قیدی کو قتل کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور یہ آیت پڑھا کرتے فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے گویا فرمایا: فضرب الرقاب حتی تضع الحرب اوزارھا پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ اور اس نے یہ گمان کیا کہ امام کو حق حاصل نہیں کہ جب قیدی اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اسے قتل کرے لیکن اسے تین چیزوں میں اختیار ہے۔

---

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 50

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 34

1۔ اس پر احسان کرے۔ 2۔ اس سے فدیہ لے۔ 3۔ اس کو غلام بنا لے۔

4۔ سعید بن جبیر کا قول ہے: فدیہ اور قید کرنا نہیں مگر جب تلوار سے بہت زیادہ افراد کو قتل کیا جا چکا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال: 67) جب اس کے بعد قیدی بنائے جائیں تو امام کو حق حاصل ہے کہ جو اس کی رائے ہو اس پر عمل کرے خواہ وہ قتل کرے یا کوئی اور معاملہ کرے۔

5۔ آیت محکم ہے امام کو ہر حال میں اختیار ہے؛ اسے علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے؛ یہ قول کثیر علماء نے کیا ہے ان میں حضرت ابن عمر، حضرت حسن بصری، عطا ہیں یہی امام مالک، امام شافعی، ثوری، اوزاعی، ابوعبید وغیرہ کا قول ہے۔ یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے یہ کہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو غزوہ بدر کے موقع پر انتقام کے طور پر قتل کیا تھا اور باقی بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا تھا۔ ثمامہ بن اثال حنفی جبکہ وہ آپ کے پاس قیدی تھا پر احسان کیا تھا، سلمہ بن اکوع سے لونڈی لی تھی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے بہت سے لوگوں کا فدیہ دیا تھا۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ لیا تھا اور ان پر احسان کیا تھا، آپ نے ہوازن کے قیدیوں پر احسان کیا تھا۔ یہ سب صحیح میں ثابت ہے اور یہ سب باتیں سورۃ الانفال میں گزر چکی ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ تعبیر اس شرط پر ہے کہ یہ دونوں آیتیں محکم ہیں ان دونوں پر عمل کیا جاتا ہے وہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کیونکہ نسخ قطعی امر کے لیے ہوتا ہے جب دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو نسخ کے قول کا کوئی معنی نہیں جب یہ جائز ہے کہ اس حکم پر عمل کیا جائے جب کافروں سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہم ان کو قتل کریں جب قیدی بنایا جائے گا تو قتل کرنا، غلام بنانا، فدیہ دینا اور احسان کرنا بھی جائز ہوگا جس میں مسلمانوں کے لیے خیر کا پہلو موجود ہو؛ یہ قول اہل مدینہ، امام شافعی اور ابوعبید سے مروی ہے۔ امام طحاوی نے ایک رائے امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی یہی بیان کی ہے، مشہور وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا مجاہد اور ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا ہے (1)۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے کوئی دین نہیں ہے مگر دین اسلام۔ ہر یہودی، ہر نصرانی اور ہر ملت والا اسلام قبول کرے اور بکری بھیڑیے سے بےخوف ہو جائے، اسی کی مثل حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی سے قول مروی ہے۔ کسائی نے کہا: یہاں تک کہ مخلوق مسلمان ہو جائے۔ فراء نے کہا: یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور کفر ناپید ہو جائے۔ کلبی نے کہا: یہاں تک کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آ جائے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوزار کا معنی اسلحہ ہے، معنی ہے رسیاں باندھ دو یہاں تک کہ تم امن میں ہو جاؤ اور تم اسلحہ رکھ دو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یعنی وہ دشمن جو برسرپیکار تھے وہ اپنے اوزار رکھ دیں۔ اوزار سے مراد ان کا اسلحہ ہے یعنی شکست کھا جائیں یا جنگ کو ترک کر دیں، اور خچروں کو بھی اوزار

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 51 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 294 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 36

کہتے ہیں، اعشی نے کہا:

وأعددت للحرب أوزارها رماحا طوالا وخیلا ذکورا(1)

میں نے جنگ کے لیے خچروں کو تیار کیا ہے لمبے نیزے اور مذکر گھوڑے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا کا معنی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بوجھ رکھ دے، اوزار کا معنی بوجھ ہے، اسی معنی میں وزیر الملک ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی جانب سے بوجھ اٹھاتا ہے۔ اثقالھا سے مراد اسلحہ ہے کیونکہ اس کا بوجھ بڑا اوزنی ہوتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت حسن بصری اور عطا نے کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، معنی ہے گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ اتار دے جب تم ان کو کثرت سے قتل کر چکو تو رسیوں کو مضبوطی سے باندھو۔ امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسیر کو قتل کرے۔ حجاج سے مروی ہے کہ اس نے ایک قیدی حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے کیا تا کہ آپ اسے قتل کریں تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت پڑھی حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ہم نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اور اس پر عمل بھی کیا احسان کرنے اور فدیہ لینے کی وضاحت میں کسی غیر چیز کے منع کا ذکر نہیں اللہ تعالیٰ نے زنا کے بارے میں کوڑے مارنے کا حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شائد حجاج کے ہاتھ سے قیدی لے کر قتل کرنے کو مکروہ جانا اور اس نے جو کہا تھا اس سے معذرت کر لی۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

ذٰلِكَ ۛ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ذلك محل رفع میں ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الأمر ذلك الذی ذکرت و بینت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس معنی کی بنا پر منصوب ہے افعلوا ذلك یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو، معنی ہے یہ کفار کا حکم ہے یہ ایسا کلمہ ہے جسے فصیح اس وقت استعمال کرتا ہے جب وہ ایک کلام سے دوسری کلام کی طرف نکلتا ہے، وہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هٰذَا ۭ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ (ص) یعنی یہ حق ہے اور میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ظالموں کے لیے یہ انجام ہے لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ کا معنی ہے انہیں جنگ کے بغیر ہلاک کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں فرشتوں کے لشکروں کے ساتھ ہلاک کر دے گا۔

وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ یعنی تمہیں جنگ کا حکم دیا تا کہ وہ آزمائے اور تم میں سے بعض کو بعض کے ساتھ امتحان میں ڈالے تو وہ مجاہدین اور صبر کرنے والوں سے آگاہ ہو جائے، جس طرح اس سورت میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس سے مراد غزوہ احد میں شہید ہونے والے مومن ہیں فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ عام قراءت قاتلوا ہے؛ یہ ابو عبید کا اختیار ہے۔ ابو عمرو اور حفص نے قُتِلُوْا قاف کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت اس طرح ہے مگر انہوں نے تاء کو مشدد پڑھا ہے تا کہ کثرت کے معنی پر دلالت کرے۔ جحدری، عیسیٰ بن عمر اور ابو حیوہ نے قتلوا الف کے بغیر پڑھا ہے۔ مراد ہے جنہوں نے مشرکوں کو قتل کیا۔ قتادہ نے لکھا

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 36

ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ ایک گھاٹی میں موجود تھے۔ صحابہ کرام میں زخم اور شہادت کا عمل بہت ہو چکا تھا مشرکوں نے اعلان کیا: اعل ھبل مسلمانوں نے نعرہ لگایا: اللہ اعلی واجل۔ مشرکوں نے کہا: یہ دن بعد کے دن کے مقابل ہے اور جنگ میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے مومنو! تم کہو کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتول اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہارے مقتول آگ میں ہیں انہیں عذاب دیا جاتا ہے"۔ مشرکوں نے کہا: ہمارا عزی ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں (1)۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ اس کا ذکر سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے۔

## سَيَهْدِيهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝

"وہ پہنچا دے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو"۔

قشیری نے کہا: ابو عمرو کی قراءت قتلوا بڑی بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَيَهْدِيهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ مقتول کی یہ صفت نہیں ذکر کی جاتی۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے عنقریب وہ انہیں جنت کی طرف لے جائے گا ان میں جو باقی ہیں انہیں ہدایت عطا فرما دے گا۔ ابن زیاد نے کہا: وہ قبر میں منکر و نکیر کے ساتھ دلیل قائم کرنے میں ان کی رہنمائی کرے گا (2)۔ ابو المعالی نے کہا: بعض اوقات ہدایت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد مومنوں کو جنت کے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا اور ایسے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا ہے جو جنت کی طرف جاتے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو مجاہدین کی صفت میں ہے: فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ (الصافات: 23) اس کا معنی ہے انہیں اس کی طرف تم لے جاؤ۔

## وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

"اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی"۔

جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا: اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ تو وہ اپنے گھروں کو ان جمعہ پڑھنے والوں سے زیادہ جانتے ہوں گے جب وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹتے ہیں؛ یہ معنی مجاہد اور اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ بخاری شریف میں ایسی حدیث موجود ہے جو اس قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مومنوں کو جہنم سے چھٹکارا دیا جائے گا تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان پل پر روک لیا جائے گا تو ان میں سے بعض کے بعض پر مظالم کو بیان کیا جائے گا جو ان کے درمیان ہوئے تھے یہاں تک کہ جب انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی (3)۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! ان میں سے ایک جنت میں اپنے گھر کے بارے میں دنیا میں اپنے گھر سے زیادہ آگاہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 53 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 294

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیمۃ، جلد 2، صفحہ 967

گیا ہے: عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بیان کرے گا یہاں تک کہ وہ بغیر راہنمائی طلب کیے اس کو پہچان لیں گے۔
حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا میں جنت کی صفت بیان کی جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ اس کی صفت سے اسے پہچان گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں حذف ہے، تقدیر کلام یہ ہے عرف طرقھا و مساکنھا و بیوتھا لھم تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک پہچان راہنمائی کی صورت میں ہوئی یعنی وہ فرشتہ جو بندے کے عمل پر مقرر تھا وہ اس بندے کے سامنے چلے گا اور بندہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ بندہ اپنے مکان تک پہنچ جائے گا۔ فرشتہ ان تمام چیزوں کا اسے تعارف کروائے گا جو اس کے لیے جنت میں تیار کی گئیں۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی روایت اس کا رد کرتی ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنتیوں کے لیے مختلف قسم کی لذتوں کے ساتھ انہیں خوشبودار بنا دے گا۔ یہ عرف سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد پاکیزہ خوشبو ہے۔ طعام معرف خوشبودار کھانا۔ عرب کہتے ہیں: عرفت القدر یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس میں نمک اور مصالحہ جات ڈال کر مزے دار بنا دے۔ شاعر ایک آدمی سے خطاب کرتا ہے اور اس کی مدح بیان کرتا ہے:

عَرُفْتَ كإتْبٍ عرفته اللّطائم

وہ اسے کہتا ہے: کما عَرُف الاتب اس سے مراد بقیر اور بقیرہ ہے یہ ایسی قمیص ہوتی ہے جس کی آستین نہیں ہوتی جسے عورتیں پہنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کھانے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے ایک دوسرے کے اوپر رکھنا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: حریر معرف یعنی اس کا بعض بعض پر ہے۔ یہ عرف متتابع سے مشتق ہے جس طرح گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ یعنی طاعت کی توفیق دی یہاں تک وہ جنت کے مستحق بن گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اہل آسمان کو بتایا کہ یہ جنت ان کے لیے ہے مقصد ان کی کرامت کا اظہار تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اطاعت شعاروں کو پہچان کرائی کہ یہ جنت ان کے لیے ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا''۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج: 40) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ قطرب نے کہا: اگر تم اللہ کے نبی کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔
وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ یعنی جنگ کے وقت تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسلام پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پل صراط پر تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول کیا گیا مراد ہے: امن دے کر دلوں کو ثابت رکھتا ہے تو ثابت قدمی سے مراد جنگ کے وقت مدد کرنا ہے۔ سورۃ الانفال میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہاں ہی فرمایا: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى

الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الانفال:12) وہاں واسطہ کو ثابت رکھا اور یہاں اس کی نفی کردی جس طرح اس آیت میں ملائکہ کو ثابت رکھا قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (السجدۃ:11) پھر اس قول میں اس کی نفی کردی اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ (الروم:40) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ (الملک:2) اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

''اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا (خدا کرے) وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کردے''۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مبتدا ہونے کی حیثیت میں رفع کا تقاضا کرتا ہے اور نصب اس وجہ سے جو اس کی تفسیر کررہا ہے یعنی فَتَعْسًا لَّهُمْ گویا فرمایا: اتعس الذین کفروا۔ فَتَعْسًا لَّهُمْ یہ بددعا کے طریقہ پر مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے: یہ فراء کا قول ہے، جس طرح سَقْیًا لَه و رَعْیًا۔ یہ کلام لعالہ کی ضد ہے کیونکہ لعالہ دعائیہ کلمہ ہے۔ اعشی نے کہا:

فَالتَّعْسُ أَدْنٰى لَهَا مِنْ أَنْ أَقُولَ لَعَا (1)۔ میرا اس کے حق لعا کہنا اولیٰ تعس کہنے سے بہتر ہے۔

اس میں دس اقوال ہیں: 1۔ اس کا معنی ہے بعدالھم (2)؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کا قول ہے۔ 2۔ حُزْنًالھم (3)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ شقاءلھم (4)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ 4۔ شتمالھم من اللہ (5)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ 5۔ ھلاکالھم (6)؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ 6۔ خیبۃ لھم (7)؛ یہ ضحاک اور ابن زید کا قول ہے۔ 7۔ قبحالھم (8)؛ یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ 8۔ رغمالھم (9)؛ یہ بھی ضحاک کا قول ہے۔ 9۔ شرالھم؛ یہ بھی ثعلب کا قول ہے۔ 10۔ شقوۃ لھم؛ یہ ابوالعالیہ کا قول ہے۔ سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعس سے مراد انحطاط (10) (گرنا) اور لغزش کھانا ہے۔ ابن سکیت نے کہا: تعس کا معنی ہے منہ کے بل گرنا۔ نکس کا معنی ہے سر کے بل گرنا (11)۔ کہا: تعس کا معنی ہلاک ہونا ہے۔ جوہری نے کہا: اس کا اصل معنی منہ کے بل گرنا۔ یہ انتعاش (گرنے کے بعد اٹھنا) کی ضد ہے۔ قد تَعَسَ یَتْعَسُ تَعْسًا۔ أتعسه اللہ۔ مجمع بن ہلال نے کہا:

تقول وقد أفْرَدْتُها من خَلِیلِها ۔۔۔ تَعِسْتَ كما أتْعَسْتَنِی یامُجَمِّعُ

یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعسا لفلان۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت کو لازم کردیا۔ قشیری نے کہا: ایک قوم نے تعس کو جائز قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دینار، درہم، دثار

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 316 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 295 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً 8۔ ایضاً
9۔ ایضاً 10۔ ایضاً 11۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 112

(بڑی چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے) اور سیاہ مربع چادر کا غلام ہلاک ہو گیا، اگر اسے عطا کیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے"(1)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے اس حدیث کی بعض اسناد میں یوں مروی ہے تعس وانتکس واذا شیك فلا انتقش (2) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔

وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞ ان کے اعمال کو باطل کر دیا کیونکہ وہ شیطان کی طاعت میں تھے فَتَعْسًا میں فاء داخل ہوتی ہے اس ابہام کی وجہ سے جو الَّذِیْنَ میں ہے۔ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞ جملہ خبریہ ہے الَّذِیْنَ کے لفظ پر محمول ہے، کیونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے خبر ہے فاء کا دخول معنی کے اعتبار سے ہے اور اَضَلَّ لفظ پر محمول کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۞

"یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیے ان کے اعمال"۔

ذٰلِكَ کا مشار الیہ الإضلال والإتعاس ہے۔ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد کتب اور شرائع ہیں۔ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۞ ان کے لیے بھلائی کی جو صورتیں موجود تھیں، جس طرح بیت اللہ شریف کی آبادی، مہمان نوازی، قربانی کی مختلف صورتیں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے علاوہ کسی کا عمل قبول نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال یعنی بتوں کی عبادت کو برباد کر دیا۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ٘ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۞

"تو کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ وہ خود دیکھ لیتے کہ کیسے انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کفار کے لیے اسی قسم کی سزائیں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے احوال کو بیان کیا تا کہ ایمان کے وجوب پر آگاہی ہو پھر اس امر کو نظر و فکر کے ساتھ ملایا۔ کیا یہ لوگ عاد، ثمود، قوم لوط وغیرہ کے علاقوں میں نہیں گھومے پھرے تا کہ ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنے دلوں سے غور و فکر کریں کہ ان سے قبل جو کافر ہوئے ہیں ان کا انجام کیسے ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کو جڑ سے اکھیڑ دیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: دمرہ تدمیرا اور دمر علیہ، دونوں کا معنی ایک ہی ہے پھر مشرکین مکہ کو دھمکی دی فرمایا: کافروں کے لیے اسی کی مثل ہے یعنی ان کے لیے بھی اسی کی مثل بربادی ہوگی۔ زجاج اور طبری نے کہا: ھاء ضمیر عاقبۃ کی طرف لوٹ رہی ہے قریش کے کافروں کے لیے ایسا ہی انجام ہوگا جیسا انجام ان لوگوں کا ہوا جو سابقہ امتوں میں سے تھے جنہوں نے جھٹلایا اگر یہ کفار قریش ایمان نہ لائے (3)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۞

"یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں"۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة في الغدو في سبيل الله، جلد 1، صفحہ 404
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 315
3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 56

یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت وہی ہے ذلک بان اللہ ولی الذین آمنوا مولیٰ سے یہاں مراد مددگار ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ شاعر نے کہا:

فَغدَتْ كِلَا الفَرْجَيْنِ تحسبِ أنه مَوْلَى المخافة خَلْفَها وأمامَها

وہ گائے دونوں کھلے میدانوں کو گمان کرتی ہے کہ وہ آگے سے اور پیچھے سے خوف کی جگہ ہے۔

قتادہ نے کہا: یہ آیت غزوۂ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں تھے جب مشرکوں نے یہ نعرہ لگایا تھا دن دن کے مقابلہ میں ہے لنا العزی ولا عزی لکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قولوا اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم ''تم کہو اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں'' (1)۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝ اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی مدد کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور محض کھانے (پینے) میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانہ ہے''۔

اس آیت کی وضاحت کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ جنہوں نے کفر کیا وہ دنیا میں لطف اندوز ہوں گے یا وہ چوپائے ہیں، ان کے لیے کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی مگر ان کے پیٹ اور ان کی شرمگاہیں، وہ آنے والے دن میں جو کچھ ہونے والا ہے اس سے غافل ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن دنیا میں زادراہ پر اکتفا کرتا ہے، منافق زیب وزینت کرتا ہے اور کافر لطف اندوز ہوتا ہے وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ آگ ہی ان کا ٹھکانہ اور منزل ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝

''اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت وشوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا''۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ کاین کے بارے میں گفتگو آل عمران میں گذر چکی ہے، یہاں یہ کم کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وکم من قریۃ اخفش نے لبید کا شعر پڑھا۔

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 293

کائن رأینا من ملوك وسوقة و مفتاح قید للأسیر المکبل(1)

کتنے ہی بادشاہوں اور رعیتوں کو دیکھا۔ اس کا معنی ہے کتنے ہی بستیوں والے ہیں۔ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ یعنی جنہوں نے آپ کو بستی سے نکالا ان سے وہ زیادہ طاقتور تھے اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے غار ثور کی طرف نکلے تو مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''اللھم اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے اور مشرک جو تیرے اندر رہنے والے ہیں اگر مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا'' تو یہ آیت نازل ہوئی (2)؛ اسے ثعلبی نے ذکر کیا یہ حدیث صحیح ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ۝

''کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کے پاس سے اس (بدبخت) کی مانند ہے آراستہ کر دیے گئے جس کے لیے اس کے برے اعمال اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی''۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یہاں ہمزہ استفہام تقریری ہے۔ عَلٰى بَیِّنَةٍ کا معنی ہے ثبات و یقین پر؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (3) بَیِّنَةٍ سے مراد وحی ہے' كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ سوء عمل سے مراد بتوں کی عبادت ہے من سے مراد ابوجہل اور کفار ہیں۔

وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ۝ یعنی جو خواہش کی اس کی پیروی کی۔ یہ تزیین، خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دعوت اور وسوسہ کے اعتبار سے شیطان کی جانب سے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کافر کی جانب سے ہو، یعنی اس نے اپنے لیے اپنا برا عمل مزین کر کے پیش کیا اور کفر پر اصرار کیا اور سُوْٓءُ، من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اور اتَّبَعُوْۤا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کہا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ۝۱۵

''احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخشتی ہے پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 296
2۔ جامع ترمذی، باب فی فضل مکۃ، حدیث نمبر 3861، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 296

(مزید برآں ان کے لیے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو!) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ اللہ تعالیٰ نے ان جنتوں کی صفت بیان کی یعنی اس جنت کی صفت جو متقین کے لیے تیار کی گئی۔ سورۂ رعد میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مثال الجنة التی وعد المتقون قراءت کی ہے۔

فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ایسا پانی جس کی بو تبدیل نہیں ہوتی۔ پانی میں آسن، آجن کی مثل ہے قد أسَن الماء یاسُن ویاسِن أسناو أسونا جب اس کی بو تبدیل ہو جائے، اسی طرح أجَن الماء یاجُن، یاجِن أجنا وأجونا ہے۔ دونوں میں کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ أجِن أسِن یاسَن ویاجَن إسناو إجنا۔ یہ یزیدی نے کہا: اسن الرجل یاسن جب کسرہ کے ساتھ ہو جب وہ آدمی کنویں میں داخل ہو تو اسے کنویں کی بد بو دار ہوا پہنچے یا اس کے علاوہ تو اس پر غشی طاری ہو جائے یا اس کا سر چکرا جائے۔ اس میں الوَسِن بھی مروی ہے۔ تاسّن الماءُ جب پانی متغیر ہو جائے ابوزید نے کہا تاسّن علیّ تاسنا وہ بیمار ہو جائے اور سستی کرے۔ ابوعمرو نے کہا: تاسن الرجل اباہ۔ اس نے اپنے باپ کے اخلاق کو اپنایا۔ لحیانی نے کہا: جب اس نے اپنے باپ کی مشابہت اختیار کی۔ عام قراءت آسن، مد کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر اور حمید نے أسن، ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح حاذر اور حذر۔ اخفش نے کہا: أسن یہ حال کا معنی دیتا ہے اور آسن سے مراد استقبال ہے۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وہ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے نہیں ہوں گے جس طرح دنیا کے دودھ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے ہو جاتے ہیں۔ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ اسے پاؤں آلودہ نہیں کریں گے اور ہاتھ انہیں گدلا نہیں کریں گے جس طرح دنیا کی شراب ہوا کرتی ہے اس کا ذائقہ لذیذ اور مشروب عمدہ ہوگا پینے والے اسے ناپسند نہیں کریں گے یہ کہا جاتا ہے: مشروب لذّ ولذیذ۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ استلذہ، اسے لذیذ شمار کیا۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى عسل جو شہد کی مکھی کے لعاب سے بہتا ہے، مصفّٰی جو گوند اور آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پیدا کیا اسے نہ آگ پر پکایا گیا اور نہ شہد کی مکھی نے اسے آلودہ کیا۔ ترمذی میں حکیم بن معاویہ نے اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''جنت میں پانی کا سمندر، شہد کا سمندر، دودھ کا سمندر اور شراب کا سمندر ہے پھر اس سے نہریں جاری ہوتی ہیں''(1)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سیحان، جیحان، نیل اور فرات سب جنت کے دریا ہیں''(2)۔ کعب نے کہا: دریائے دجلہ جنتیوں کے پانی کا دریا ہے۔ دریائے فرات ان کے دودھ کا دریا

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ماجاء فی صفة انهار الجنة، جلد 2، صفحہ 80

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة اهلها، ماجاء فی صفة أنهار الجنة، جلد 2، صفحہ 380

ہے، مصر کا دریا ان کے مشروب کا دریا ہے اور دریائے سیحان ان کے شہد کا دریا ہے۔ یہ چاروں دریا کوثر سے نکلتے ہیں۔ عسل مذکر و مونث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى یہ شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلا۔

وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ من زائدہ ہے اور تاکید کے لیے ہے وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ان کے رب کی جانب سے ان کے گناہوں کی بخشش ہے كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ فراء نے کہا: معنی ہے کیا وہ جو ان نعمتوں میں ہمیشہ رہے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو جہنم میں ہمیشہ رہتا ہے۔ زجاج نے کہا: کیا وہ جو اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہے اور اسے یہ اشیاء عطا کی گئی ہیں اس آدمی کی طرح ہوگا جس کے اعمال اس کے لیے مزین کیے گئے جبکہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنے والا ہو۔ تو اس کا قول كمن، كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ کا بدل ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہ جنت جس میں پھل اور نہریں ہیں ان کی مثال اس جہنم جیسی ہے جس میں کھولتا ہوا پانی اور زقوم ہوگا۔ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں میں جنتیوں کی مثال ہمیشہ رہنے والی جہنم میں جہنمیوں کی مثل ہے۔

وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا انہیں ایسا پانی پلایا جائے گا جو بہت زیادہ جوش مار رہا ہوگا۔ جب اس پانی کو ان کے قریب کیا جائے گا تو ان کے چہرے بھون دیئے جائیں گے اور ان کے سروں کی جلد اتر جائے گی۔ جب وہ اسے پئیں گے تو وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا اور ان کی دبر سے انہیں نکال دے گا امعاء یہ معی کی جمع ہے اس کا تثنیہ معیان ہے پیٹ میں جو انتڑیاں ہیں ان کو امعاء کہتے ہیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

''اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ ذرا فرمایئے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے، یہی وہ (بدبخت) ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے''۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ یعنی وہ لوگ جو لطف اندوز ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں ان کے اعمال ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں وہ آپ کی بات کو سنتے ہیں وہ منافق ہیں عبداللہ بن ابی بن سلول، رفاعہ بن تابوت، زید بن صلیت، حارث بن عمرو اور مالک بن دخشم، وہ جمعہ کے روز خطبہ میں حاضر ہوتے جب اس میں منافقوں کا ذکر سنتے تو اس سے اعراض کرتے، جب وہ باہر نکلتے تو اس کے بارے میں سوال کرتے (1)؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ جو ارشاد فرماتے اسے سنتے مومن اسے یاد کر لیتے اور کافر اسے یاد نہ رکھتے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 297

حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ جب وہ تیری مجلس سے جدا ہوتے قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ عکرمہ نے کہا: اس کا مصداق حضرت عبداللہ بن عباس ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں وہ تھا جس سے پوچھا جاتا تھا یعنی میں اہل علم میں سے تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں (2)۔ عبداللہ بن بریدہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ قاسم بن عبدالرحمن نے کہا: مراد حضرت ابودرداء ہیں۔ ابن زید نے کہا: مراد صحابہ کرام ہیں۔

مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ابھی ابھی۔ وہ یہ بات استہزاء کے طور پر کرتے تھے یعنی میں نے ان کے قول کی طرف توجہ نہیں کی۔ اٰنِفًا سے مراد وہ گھڑی ہے جو اوقات میں سے سب سے زیادہ تیرے قریب ہو، یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: استأنفت الشئ۔ جب تو اس کی ابتدا کرے۔ اس سے امر أنف و روضة أنف ہے یعنی اسے کسی نے نہیں چرا۔ کأس انف۔ جب اس سے کوئی چیز نہ پی گئی ہو گویا اس کے پینے کو شروع کیا گیا، جس طرح روضة أنف۔ شاعر نے کہا:

ويَحْرُم سِرُّ جارتهم عليهم ويأكل جارهم أنف القصاع

ان کی پڑوسن کا راز ان پر حرام ہوتا ہے اور ان کا پڑوسی ایسے پیالے سے کھاتا ہے جس کو پہلے نہیں کھایا گیا ہوتا۔

امرؤالقیس نے کہا: قد غدا يحملني في أنفه وہ مجھے آغاز میں ہی اٹھالیتا ہے۔

أنفُ كلّ شئ أوّله۔ ہر شے کا انف اس کا اول ہوا کرتا ہے۔ قتادہ نے ان منافقین کے بارے میں کہا: لوگ دو قسم کے ہیں ایسا آدمی جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھ بوجھ نصیب ہو تو اس نے جو سنا اس سے فائدہ اٹھایا، دوسرا وہ آدمی ہے جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو اور اس نے جو سنا اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ یہ بات بھی کی جاتی تھی: لوگ تین طرح کے ہیں۔ سننے والا عمل کرنے والا۔ سننے والا، سمجھنے والا، سننے والا، غافل اور ترک کرنے والا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پس وہ ایمان نہ لائے وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ۝ کفر اختیار کرنے میں اپنی خواہشات کی پیروی کی وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا جنہوں نے ایمان کی طرف ہدایت پائی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرآن سے جو وہ سنتے ہیں جو قرآن سراپا ہدایت ہے یعنی ان کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: منافقوں کے اعراض اور ان کے استہزاء نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ناسخ کے نزول نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ وہ ہدایت جو ان میں زیادہ ہوئی اس میں چار قول ہیں: 1۔ ان کے علم میں اضافہ ہوا (4)؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ 2۔ جو سنا اس کو جانا اور جو جانا اس پر عمل کیا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ 3۔ دین کے بارے میں ان کی بصیرت میں اضافہ کیا اور اپنے نبی کی تصدیق میں اضافہ کیا؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ 4۔ جس ایمان پر وہ پہلے سے موجود تھے اس کے بارے میں انہیں شرح صدر عطا فرمایا۔

وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ۝ یعنی ان میں تقویٰ کا الہام کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں پانچ وجوہ ہیں: 1۔ انہیں خشیت و

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 297 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 298 4۔ ایضاً

خوف عطا فرمایا، یہ ربیع کا قول ہے۔ 2۔ آخرت میں انہیں تقویٰ کا ثواب عطا فرمایا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ جو امور ان پر فرض کیے گئے ان پر عمل کی انہیں توفیق عطا فرمائی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ 4۔ جن چیزوں سے انہیں بچنا تھا وہ ان کے لیے بیان کر دیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے اور سدی نے بھی یہ کہا ہے۔ 5۔ منسوخ کو ترک کرنا اور ناسخ پر عمل کرنا؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ ماوردی نے کہا: چھٹے کا بھی احتمال ہے رخصت کو ترک کرنا اور عزیمت کو اپنانا۔ وَاٰتٰىهُمْ کی بجائے واعطاھم بھی پڑھا گیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ آیت ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی اہل کتاب میں سے جو ایمان لائے تھے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ⑪

"پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں (تو جب قیامت ان پر آ گئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا"۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً۔ بغتة یعنی اچانک۔ یہ کفار کے لیے وعید ہے فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا أشراطها سے مراد اس کی علامات ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ پڑھا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کی نشانیوں اور دلیلوں میں سے ایک ہے؛ یہ ضحاک اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح مبعوث ہوئے ہیں" اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا (1)۔ الفاظ مسلم کے ہیں اسے امام بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ روایت کی جاتی ہے: "میں اور قیامت گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح یعنی مساوی ہیں"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشراط الساعة سے مراد اس کے اسباب ہیں جو بڑی نشانیوں سے کم ہیں، اسی وجہ سے لوگوں میں سے کم مرتبہ لوگوں کو الشرط کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی نشانیوں سے مراد چاند کا پھٹنا اور دھواں ہے؛ یہ حضرت بصری کا بھی قول ہے۔ کلبی سے مروی ہے: مال کی کثرت، تجارت، جھوٹی گواہی، قطع رحمی، شریف لوگوں کی کمی اور کمینے لوگوں کی کثرت ہے (2)۔ ہم نے کتاب "التذکرہ" میں اسے مفصل ذکر کیا ہے۔ اشراط کا واحد شرط ہے اس کا اصل معنی علامات ہیں اسی معنی میں شرط کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے لیے ایک علامت بنائی ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں، اسی معنی میں بیع وغیرہ میں شرط ہے۔ ابوالاسود نے کہا:

فإن كنتِ قد أزمعتِ بالصرم بيننا  فقد جعلت أشراط أوله تبدو (3)

اگر تو نے ہمارے درمیان قطع تعلقی کا عزم کر لیا ہے تو اس کی ابتدائی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے: أشرط فلان نفسه في عمل كذا فلاں نے اپنے نفس کو فلاں عمل سے آگاہ کیا اور نفس کو اس عمل کے لیے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعة، جلد 2، صفحہ 406۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 43-4029، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 223
3۔ ایضاً

خاص کر دیا۔ اوس بن حجر ایک آدمی کی تعریف کرتا ہے جو پہاڑ کی چوٹی سے ایک رسی کی مدد سے نبعہ (پہاڑی درخت جس سے قوسیں بنائی جاتی ہیں) کاٹنے کے لیے نیچے لٹکا تا کہ اس سے کمان بنائے:

فأشرط نفسه فيها وهو معصِمٌ وألقى بأسباب له وتوكلا (1)

اس نے اپنے آپ کو اس کام میں لگا دیا جبکہ وہ اس کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا اس نے رسیوں کے ساتھ اپنے آپ کو لٹکایا اور توکل کیا۔

اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً۔ ان، الساعة سے بدل اشتمال ہے جس طرح ان تطئوهم، رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ (الفتح: 25) سے بدل ہے اسے بغتة، جزية کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ کلمہ غریب ہے مصادر میں اس کی مثل واقع نہیں ہوا؛ یہ ابی عمرو سے مروی ہے۔ زمخشری نے کہا: مجھے خوف لاحق ہے کہ راوی نے ابو عمرو سے روایت کرنے میں غلطی کی ہو اور صحیح بغتة ہو جس طرح حضرت بصری کی قراءت ہے۔ ابو جعفر رواسی اور دوسرے علماء نے اہل مکہ سے اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً روایت کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً پڑھا تو وقف السَّاعَةَ پر ہوگا۔ پھر شرط سے نئی کلام شروع ہوگی۔ کلام شک میں سے جس کا احتمال رکھتی ہے اسے خلق کی طرف پھیر دیا جائے گا گویا فرمایا: اگر اس کے آنے میں انہوں نے شک کیا ہے تو اس کی علامات تو آ گئی ہیں۔

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۞ - ذِكْرٰىهُمْ مبتدا ہے اور فَاَنّٰى لَهُمْ خبر ہے۔ جَآءَتْهُمْ میں ضمیر مرفوع السَّاعَةَ کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فمن این لهم التذکر اذا جاء تهم الساعة یہ معنی قتادہ اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نجات کیسے ملے گی جب قیامت کے آنے پر ان کے پاس ذکری آ جائے گی؛ یہ ابن زید نے کہا ہے۔ ذکری میں دو وجوہ ہیں: 1۔ انہوں نے اچھے یا برے جو عمل کیے وہ انہیں یاد دلائے جائیں گے۔ 2۔ بشارت دینے یا خوف دلانے کے لیے انہیں ان کے ناموں سے بلانا (2)۔ ابان نے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''اپنے نام اچھے رکھا کرو تمہیں قیامت کے روز ان کے ساتھ بلایا جائے گا، اے فلاں! اپنے نور کی طرف اٹھ، اے فلاں! اٹھ تیرے لیے کوئی نور نہیں''۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ۠۞

''پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو''۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ماوردی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جانتے تھے تو اس میں تین

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 63 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 299 3۔ ایضاً

وجہ ہوں گی۔ 1۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے باخبر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ 2۔ جس کو استدلال سے جانا ہے اسے خبر یقین کے ساتھ جان لو۔ 3۔ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ذکر کو علم سے تعبیر کیا کیونکہ ذکر علم سے ہی ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ ان سے علم کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا جب اس کا آغاز اس سے فرمایا فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ عمل کا حکم علم کے بعد دیا۔ فرمایا: اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۔۔۔۔ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الحدید: 21-20) فرمایا: وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: 28) بعد میں فرمایا: فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن: 14) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (الانفال: 41) بعد میں عمل کا حکم دیا۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: 1۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو کہ آپ سے گناہ واقع ہو۔ 2۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو کہ تجھے گناہوں سے محفوظ رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ کے لیے کافروں اور مومنوں کی حالت کا ذکر کیا تو ایمان پر ثابت قدمی کا حکم دیا یعنی توحید و اخلاص میں سے جس حالت پر آپ ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور ان چیزوں سے احتیاط کرتے رہیں کہ جن کو بجالانے کی صورت میں استغفار کی ضرورت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد امت ہے۔ اس قول کی بنا پر آیت اس امر کو واجب کرتی ہے کہ انسان تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کفار کے کفر اور منافقین کے نفاق سے تنگ پڑتا تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی یہ بات جان لو کہ جو تکلیف آپ کو ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تیرا دل کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو استغفار کا حکم اس لیے دیا تاکہ امت آپ کی اقتداء کرے۔

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یعنی ان کے گناہوں کے لیے بخشش طلب کیجئے۔ یہ شفاعت کا امر ہے (1) مسلم، عاصم احول سے وہ عبد اللہ بن سرجس مخزومی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے۔ تو ان کے ساتھی نے ان سے پوچھا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے بخشش طلب کی ہے؟ فرمایا: ہاں اور تیرے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ پھر میں پھرا اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر کو دیکھا۔ جُمْعًا علیه خیلان کانه الثآلیل۔ وہ بند مٹھی نما چیز تھی جس پر تل تھے گویا وہ مسے ہو۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝ اس میں پانچ اقوال ہیں: 1۔ وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے خواہ تو حالت سفر میں ہو یا حالت اقامت میں ہو۔ 2۔ مُتَقَلَّبَكُمْ یعنی دن کے وقت جو تمہارے اعمال ہیں۔ وَمَثْوٰىكُمْ رات کے وقت جو تم سوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد دنیا اور آخرت میں جو کچھ تم کرتے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات ختم النبوۃ، جلد 2، صفحہ 260

ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ نے کہا: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد آباء کی پشتوں سے لے کر ماؤں کے رحموں تک (1)۔ مَثْوٰىكُمْ زمین میں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ۔ ابن کیسان نے کہا: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد پشت سے بطن اور بطن سے دنیا۔ اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں: عموم ان تمام صورتوں میں آتا ہے۔ انسان کی حرکات و سکنات میں سے کوئی چیز الله تعالیٰ کی ذات سے مخفی نہیں، اسی طرح اس کی تمام مخلوق مخفی نہیں، وہ ان تمام کو جانتا ہے قبل اس کے کہ وہ اکٹھے ہوں یا الگ الگ، پہلا ہو یا آخری ہو سبحانہ لا الٰہ الا ھو۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

''اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں)۔ پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو، پس ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے الله تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا''۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مخلص مومن کہتے ہیں۔ لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ان کا کہنا وحی کے اشتیاق، جہاد اور اس کے ثواب کے حرص کی بنا پر ہے۔ لَوْلَا کا معنی ھلا ہے۔ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ سورۂ محکم سے مراد جس میں نسخ نہ ہو۔ قتادہ نے کہا: ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر ہو اس کو محکم کہتے ہیں (2)۔ منافقین پر قرآن میں سے یہ شدید ترین ہوتی ہے۔ حضرت عبدالله کی قراءت میں فإذا أنزلت سورۃٌ محدثة ہے، یعنی جس کا نزول ابھی ابھی ہوا ہو۔ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ جس میں جہاد فرض ہو۔ اسے وذَكَر فيها القتالَ بھی پڑھا گیا ہے کہ فعل معروف ہے اور قتال منصوب ہے۔ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ایسے آدمی کی نظر جس کی آنکھ میں کیچڑ ہو اور غیظ و غضب کا شکار ہو جس طرح ایک آدمی کی نظر موت کے وقت کھل جاتی ہے۔ یہ صورت حال جنگ سے بزدلی کی بنا پر ہوتی ہے جبکہ وہ جزع فزع کر رہے ہوتے ہیں اور دل سے کفار کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ جوہری نے کہا ان کا قول اولی لك یہ دھمکی اور وعید ہے۔ شاعر نے کہا:

---

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 191

2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 65

فَأَوْلَىٰ ثم أَوْلَىٰ ثم أَوْلَىٰ وهل لِلدَّرِّ يُحْلَبُ من مَرَدِّ

اصمعی نے کہا: اس کا معنی ہے جو چیز اس کو ہلاک کرتی ہے وہ اس کے قریب آ پہنچی ہے یعنی اس پر نازل ہو چکی ہے اور یہ شعر پڑھا:

فعادَى بين هادِيَتَيْنِ منها وأَوْلَىٰ أن يزيد على الثلاث

یعنی وہ زائد ہونے کے قریب ہے۔

ثعلب نے کہا: اصمعی نے اولی کے بارے میں جو کہا ہے اس سے بہتر کسی نے گفتگو نہیں کی۔ مبرد نے کہا: جو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پھر چھوٹ جائے۔ اولی لك یعنی تو ہلاکت کے قریب پہنچ گیا تھا، جس طرح یہ روایت کی گئی ہے کہ ایک بدو لگا تار شکار پر تیر چلا رہا تھا تو وہ تیر چوک جاتا وہ کہتا اولی لك پھر اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ اس کے قریب ہوا پھر اس سے چوک گیا تو بدو نے کہا:

فلوكان أَوْلَىٰ يُطعِمِ القومَ صِدْتُهم ولكن أَوْلَىٰ يَتْرُكُ القومَ جُوَّعَا

اگر اولی قوم کو کھلاتا تو میں انہیں شکار کر لیتا لیکن اولی قوم کو بھوکا چھوڑتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آدمی کے اس قول کی طرح ہے جو وہ اپنے ساتھی کو کہتا ہے: یا محروم أی شئ فاتك! اے محروم! کون سی چیز تجھ سے فوت ہوئی۔ جرجانی نے کہا: یہ ویل سے مشتق ہے، یہ افعل کا وزن ہے لیکن اس میں قلب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ فعل کا عین کلمہ لام کلمہ کی جگہ واقع ہوا ہے۔ فاولی لهم پر کلام مکمل ہو چکی ہے۔

قتادہ نے کہا: گویا یہ کہا عقاب ان کے قریب و موزوں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے انہیں مصیبت نے آلیا۔

پھر فرمایا: طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی طاعت اور اچھی بات بہت بہتر ہیں؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا مذہب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أمرنا طاعة وقول معروف۔ مبتدا کو حذف کر دیا گیا اور اولی لهم پر وقف تام کیا گیا، اس طرح جس نے یہ مقدر کیا ہے۔ يقولون منا طاعة۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسری آیت پہلی آیت کے ساتھ متصل ہے۔ لهم میں لام باء کے معنی میں ہے، یعنی الطاعة اولی وأليق لهم وأحق لهم من ترك إمتثال أمر الله یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کرنے کی بجائے طاعت زیادہ مناسب، موزوں اور لازم ہے؛ یہ حضرت ابی کی قراءت ہے۔ يقولون طاعة ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ طاعة، سورة کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاذا انزلت سورة ذات طاعة اس صورت میں فاولی لهم پر عطف نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کا قول طاعة یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے منافقین کے بارے میں خبر ہے۔ معنی ہوگا لَهُمْ ۞ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ایک قول یہ کیا گیا: فرائض کا وجوب ان پر ہے۔ جب فرائض نازل ہوتے ہیں تو ان کا نزول ان پر شاق گذرتا ہے اس صورت میں فاولی پر وقف ہوگا۔

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 65

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ جب جہاد لازم ہو جائے یا قتال کی فرضیت ثابت ہو جائے تو وہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ علماء نے اسے اذا کا جواب مکروہ جانا ہے۔ وہ محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب اصحاب امر عزم کر لیں۔

فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ اگر وہ ایمان اور جہاد میں اللہ تعالیٰ سے سچ بولتے تو وہ معصیت اور مخالفت کی بنسبت ان کے حق میں بہتر ہوتے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

''پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کر دو گے اپنی قرابتوں کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولایۃ سے مشتق ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا: معنی ہے تم سے یہی توقع ہے اگر تم حکومت کے والی بن جاؤ تو تم ایسے حکام بن جاؤ گے کہ رشوت لینے کے ساتھ زمین پر فساد برپا کرو گے (1)۔ کلبی نے کہا: تم سے یہی توقع ہے اگر تم امت کے امور کے ذمہ دار بن جاؤ تو تم زمین میں ظلم کے ذریعے فساد برپا کرو گے۔

ابن جریج نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم طاعت سے رخ پھیرو گے تو تم زمین میں نافرمانیوں اور قطع رحمی کے ساتھ فساد برپا کرو گے (2)۔ کعب نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم امر کے والی بن جاؤ تو تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کسی شے سے اعراض کرو۔ قتادہ نے کہا: تم سے یہی توقع ہے اگر تم کتاب اللہ سے اعراض کرو تو تم زمین میں حرام خون بہا کر فساد برپا کرو اور رشتہ داری کو ختم کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ کا معنی ہے ممکن ہے اگر تم قرآن سے اعراض کرو اور اس کے احکام سے دور ہو تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور اپنی جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ۔ اسے سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بکر مزنی نے کہا: یہ آیت حروریہ اور خوارج کے بارے میں نازل ہوئی (3)۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ ابن حبان نے کہا: مراد قریش ہیں۔ اسی کی مثل مسیب بن شریک اور فراء نے کہا ہے دونوں نے کہا: یہ آیت بنی امیہ اور بنی ہاشم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جسے حضرت عبداللہ بن مغفل نے روایت کیا ہے۔ کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اس سے مراد قریش کا یہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 302 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

قبیلہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا اگر یہ لوگوں پر والی بنیں تو وہ زمین میں فساد برپا نہ کریں اور رشتہ داری کو ختم نہ کریں"۔
حضرت علی بن ابی طالب نے یوں قراءت کی اِن تولیتم اَن تفسدوا فی الأرض تاء، واو کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ، یہ ابن ابی اسحاق کی قراءت ہے اسے رویس نے یعقوب سے روایت کیا ہے وہ کہتے: اگر تم پر ظالم حکمران بن گئے تو تم ان کے ساتھ فتنہ میں نکلو گے اور تم ان کے ساتھ جنگ کرو گے۔ وَ تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ۝ تم بغاوت، ظلم اور قتل کے ذریعے اپنی رشتہ داری کو ختم کرو گے۔ یعقوب، سلام، عیسیٰ اور ابو حاتم نے و تقطعوا تاء کے فتحہ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے: یہ قطع سے مشتق ہے وہ اس آیت پر استدلال کرتے وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرۃ: 27) ہارون نے ابو عمرو سے اس قراءت کو روایت کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے و تقطعوا حروف کو مفتوح اور مشدد پڑھا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ (الانبیاء: 93) پر قیاس کیا ہے باقی قراء نے و تقطعوا تاء کے ضمہ اور طاء کو مشدد پڑھا ہے۔ یہ تقطیع سے مشتق ہے جو کثرت کے معنی کو بیان کرتی ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سورۂ بقرہ میں عسیتم کی بحث گذر چکی ہے۔ زجاج نے نافع کی قراءت میں کہا: اگر یہ جائز ہے تو عَسِیَ بھی جائز ہے۔ جوہری نے کہا: یہ کہا جاتا ہے عسیت أن افعل ذلك وعسیت اسے فھل عَسِیتم کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔
اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ انہیں دھتکار دیا اور اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا۔ فَاَصَمَّهُمْ انہیں حق سے بہرہ کر دیا وَ اَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ۝ ان کے دلوں کو خیر سے اندھا کر دیا۔ ان خبروں کو اس کے پیچھے ذکر کیا کہ جس نے ایسا کیا اس پر اس کی لعنت ثابت ہوگئی اسکے کان اور آنکھ سے نفع حاصل کرنے کو سلب کرنا ثابت ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ حق کی اطاعت نہیں کرے گا اگرچہ اس کو سنے تو اسے اس چوپائے کی مانند کر دیا جو عقل نہیں رکھتا، فرمایا: فَهَلْ عَسَيْتُمْ پھر فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ تو عربوں کی عادت کے مطابق خطاب سے غیب کی طرف رجوع کیا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ یعنی کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ جان جاتے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کر دیا ہے جو اسلام سے نہیں پھرے اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝ بلکہ دلوں پر قفل ہیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں ان کے دلوں پر لگایا ہے پس وہ نہیں سمجھتے۔ یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے مذہب کو رد کرتی ہے۔ حدیث مرفوع میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان پر ایسے تالے ہیں جس طرح لوہے کے تالے ہوتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں کھولے گا"۔ قفل کا اصل معنی خشکی اور سختی ہے۔ جب درخت خشک ہو جائے تو اسے قفل کہتے ہیں، قفیل بھی اسی کی مثل ہے۔ قفیل کا معنی نباتات ہے۔ قفیل کا معنی آواز ہے۔ اقفله الصوم۔ روزے نے اسے خشک کر دیا؛ یہ قشیری اور جوہری کا قول ہے یہاں اقفال سے اشارہ دل کے بند ہونے اور ایمان سے خالی ہونے کی طرف ہے یعنی ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگا اور ان سے کفر باہر نہیں نکلے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ یہاں عَلٰى قُلُوْبٍ فرمایا کیونکہ اگر علی قلوبهم ہوتا تو دوسروں کا دل اس میں داخل نہ ہوتا۔ مراد ہے ان کے دلوں پر اور جو دل ان کی صفت پر ہوں گے سب پر تالے لگے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب وہ ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو رحم اٹھ کھڑی ہوئی اس نے عرض کی یہ قطع رحمی سے پناہ چاہنے والے کا مقام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جو تجھے قطع کرے میں اسے قطع کروں۔ رحم نے عرض کی: کیوں نہیں تو فرمایا: پس یہ تیرے لیے ہے“۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”چاہو تو یہ پڑھو فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝“ (1) آیت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام کفار کو خطاب ہے۔ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: آیت کا معنی ہے امید ہے یا تمہارے بارے میں خوف ہے اگر تم ایمان سے اعراض کرو تو زمین میں خون بہانے کے ساتھ تم فساد کی طرف لوٹو (2)۔ قتادہ نے کہا: تم نے قوم کو کیسا دیکھا جب انہوں نے کتاب اللہ سے اعراض کیا کیا انہوں نے حرام خون کو نہیں بہایا، رحموں کو قطع نہیں کیا اور رحمٰن کی نافرمانی نہیں کی؟۔

اس تعبیر کی بنا پر رحم سے مراد دین اسلام اور ایمان کی رحم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اخوۃ کا نام دیا ہے: انما المومنون اخوۃ۔ فراء کے قول کے مطابق آیت بنی ہاشم اور بنی امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان میں نفاق کو چھپایا اور قطع رحم سے اس امر کی طرف اشارہ کیا جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری تھی انہوں نے آپ کو جھٹلا کر اس کو توڑا۔ یہ قتال کو واجب کرتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے رحم کی دو صورتیں ہیں۔ عام، خاص۔ عام دین کا رحم ہے اس کو جوڑنا واجب ہے ایمان کو لازم پکڑنے کے ساتھ، ایمان داروں سے محبت اور ان کی مدد کرنے کے ساتھ، ان کے لیے اخلاص کا اظہار کرنا، ان کو نقصان نہ دینا، ان کے درمیان عدل کرنا، ان کے معاملہ میں انصاف کرنا، ان کے حقوق کو بجالانا جس طرح مریضوں کی تیمارداری کرنا، مردوں کے حقوق بجالانا، جیسے انہیں غسل دینا، ان کی نماز جنازہ پڑھنا، انہیں دفن کرنا اور اس کے علاوہ ان کے جو حقوق ہیں۔

جہاں تک رحم خاص کا تعلق ہے وہ ماں باپ کی جانب سے قرابت کی رحم ہے۔ ان کے لیے خاص حقوق اور زائد حقوق ثابت ہوتے ہیں جس طرح نفقہ دینا، احوال کی خبر لینا، ضرورت کے وقت ان کے معاملات میں غفلت کو چھوڑ دینا، ان کے حق میں رحم عامہ کے حقوق مؤکد ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب حقوق متزاحم ہوں تو زیادہ قریبی پھر اس کے بعد والے سے حقوق کی ادائیگی کو شروع کیا جائے گا۔

بعض علماء نے کہا: وہ رحم جس کی صلہ رحمی واجب ہے وہ یہ ذی رحم محرم کی رشتہ داری ہے چچازاد بھائیوں اور خالہ زاد بھائیوں میں یہ واجب نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ یہ ہر اس رشتہ داری میں ہے جو ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں وہ محرم ہو یا غیر محرم ہوں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ماں کی رشتہ داری جس کی وجہ سے باہم وراثت جاری نہیں ہوتی ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب نہ ہو اور ان کے ساتھ قطع رحمی حرام ہو۔ یہ صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جسے رحم عام ہو ہر حال میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب صلۃ الرحم وتحریم قطعیتھا، جلد 2، صفحہ 315

2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 67

ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے وہ خونی رشتہ ہو یا دینی رشتہ ہو، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ شعبہ، محمد بن عبدالجبار سے وہ محمد بن کعب قرظی سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے روز رحم کی زبان ہوگی۔ وہ عرض کرے گی: اے میرے رب! مجھے قطع کیا گیا، اے میرے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے میرے رب! میرے ساتھ برا سلوک کیا گیا تو اس کا رب اسے جواب دے گا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تیرے ساتھ رشتہ جوڑے میں اس کے ساتھ تعلق جوڑوں اور جو تیرے ساتھ تعلق توڑے میں اس کے ساتھ تعلق کو منقطع کروں''۔

صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''رشتہ داری کو قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا'' (1)۔ ابن ابی عربی نے کہا سفیان نے کہا: یعنی قطع رحمی کرنے والا؛ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِنّ اللہ تعالٰی خلق الخلق حتی اِذا فرغ منه (2) یہاں خلق، اختراع کے معنی میں ہے اس کا اصل معنی اندازہ لگانا ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ یہاں خلق، مخلوق کے معنی میں ہے اسی معنی میں اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ (لقمان: 11) یعنی یہ اس کی مخلوق ہے۔ فرغ منهم سے مراد ان کی خلقت کو مکمل کیا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کو پیدا کرنے میں مشغول ہوا پھر ان کی پیدائش سے فارغ ہو گیا، کیونکہ اس کا فعل مباشرہ، مناولہ کی صورت میں نہیں ہوا۔ اس کی تخلیق آلہ اور حیلہ سے نہیں ہوئی اللہ تعالٰی کی ذات اس سے بالا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: قالت الرحم فقالت یہ کلام دو وجہوں میں سے ایک کا احتمال رکھتی ہے۔ 1۔ اللہ تعالٰی فرشتوں میں سے کسی کو کھڑا کر دے گا جو رحم کی جانب سے گفتگو کرے گا اور وہ یہ کہے گا، گویا اس عبادت پر کسی فرشتے کو معین کر دیا ہے جو رحم کی جانب سے اس ذمہ داری کو ادا کرے گا، جو صلہ رحمی کرتا ہے اس کے ثواب کو لکھتا ہے اور جو اسے قطع کرتا ہے اس کا بوجھ لکھتا ہے جس طرح اس نے باقی ماندہ اعمال کے لیے کراما کاتبین معین کیے ہیں اور نمازوں کے اوقات کے مشاہدہ کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے معین کیے ہیں۔

2۔ یہ کلام تقدیر و تمثیل کی صورت میں ہے جو اس کے محفوظ کرنے اور بہت زیادہ اہتمام کرنے کا فہم عطا کرتی ہے، گویا کلام یوں کی اگر رحم ان چیزوں میں سے ہوتی جو سمجھ بوجھ رکھتی ہیں اور گفتگو کر سکتی ہیں تو وہ یہ گفتگو کرتیں جس طرح اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (الحشر: 21) پھر فرمایا: وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۝ (الحشر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: فقالت هذا مقام العائذ بك من القطیعة اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ یہ خبر دی جائے کہ صلہ رحمی

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب باب اثم قاطع، جلد 2، صفحہ 885

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم وتحریم قطعها، جلد 2، صفحہ 315

کا امر موکد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ حیثیت دی ہے جو اس آدمی کو حیثیت دی جاتی ہے کہ جو اس سے پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پناہ دیتا ہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اللہ تعالیٰ کا پڑوس اپنانے والا رسوا نہیں ہوتا اور اس کا وعدہ توڑا نہیں جاتا، اسی وجہ سے رحم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: أما ترضين أن أصل من وصلك وأقطع من قطعك یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ومن صلى الصبح فهو في ذمة الله تعالى فلا يطلبنكم الله من ذمته بشئ فإنه من يطلبه بذمته بشئ يدركه ثم يكبه في النار على وجهه(1) جو آدمی صبح کی نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے پس تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آئی ہوئی چیز میں سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ جو اس کے ذمہ میں موجود چیز کا مطالبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لیتا ہے پھر اسے منہ کے بل آگ میں گرا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

”بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی“۔

قتادہ نے کہا: وہ اہل کتاب کے کفار ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت سے بخوبی آشنا تھے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور سدی نے کہا: وہ منافق ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاد کے حکم سے آگاہی کے بعد وہ جہاد کرنے کی بجائے گھروں میں بیٹھ گئے۔

**الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ** شیطان نے ان کی خطاؤں کو مزین کیا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ أَمْلَىٰ لَهُمْ نے انہیں طویل آرزو دلائی اور لمبی عمر کا وعدہ کیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ وہ ذات جس نے انہیں لمبی آرزوئیں دلائیں اور ان کی عمروں کو لمبا کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ فراء اور مفضل کا قول ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا أَمْلَىٰ لَهُمْ کا معنی ہے انہیں مہلت دی۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مہلت دینے والا ہے۔

ابوعمرو، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمرو، ابوجعفر اور شیبہ نے وَأُمْلِيَ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ہمزہ کے ضمہ، لام کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ابن ہرمز، مجاہد جحدری اور یعقوب نے اسی طرح پڑھا ہے مگر انہوں نے یاء کو ساکن پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ یہ معاملہ ان کے ساتھ کرے گا گویا فرمایا: میں انہیں مہلت دیتا ہوں؛ ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے، کہا: ہمزہ کا فتحہ وہم دلاتا ہے شیطان انہیں آرزوئیں دلاتا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں، اسی وجہ سے ضمہ کی طرف عدول کیا۔ مہدوی نے کہا: جس نے پڑھا وأملى لهم تو فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد شیطان ہے۔ ابوعبید نے عام قراءت کو پسند کیا ہے، کہا: کیونکہ معنی معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَتُؤْمِنُوا

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 233

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۗ وَتُسَبِّحُوْهُ (الفتح: 9) تُسَبِّحُوْهُ کی ضمیر غائب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی اور توقیر وتعزیر کے فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کی طرف پھیرا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝۲۶

''یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے''۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا یعنی انہیں یہ مہلت دی تا کہ وہ کفر میں دور چلے جائیں کیونکہ قَالُوْا میں واؤ ضمیر سے مراد منافقین اور یہودی ہیں۔

لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا سے مراد مشرک ہیں۔ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ، بعض الامر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا، آپ کے دشمن میں باہم مدد کرنا، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا اور راز داری کے عالم میں آپ کی توہین کرنا۔ انہوں نے یہ بات راز داری کے عالم میں کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا۔ عام قراءت اَسْرَارَهُمْ ہے یہ سر کی جمع ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ کوفہ کے قراء، ابن وثاب، اعمش، حمزہ، کسائی اور حفص نے عاصم سے اسرارھم نقل کیا ہے کہ یہ مصدر ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ (نوح) یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ راز کی کئی صورتیں ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝۲۷

''پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر''۔

فَكَيْفَ یعنی ان کا حال کیسا ہوگا اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ۔ یضربون، ضاربین کے معنی میں ہے۔ یہ حال کی جگہ واقع ہے۔ کلام کا معنی خوف دلانا اور دھمکانا ہے، یعنی اگر عذاب ان سے موخر ہو گیا تو عمر کے اختتام تک یہ سلسلہ ہوگا۔ سورۃ الانفال اور سورۃ النحل میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی آدمی معصیت پر فوت نہیں ہوتا مگر اس کے چہرے اور اس کی گدی پر شدید ضرب لگائی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنگ کے وقت ہوتا ہے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہوتی ہے۔ فرشتے ان کے مونہوں پر مارتے ہیں جب وہ جنگ کا سامنا کرتے ہیں اور جب وہ بھاگتے ہیں تو ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قیامت کے روز ہوگا جب انہیں جہنم کی طرف ہانکا جار ہا ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۲۸

''یہ [illegible] لیے ہے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی

خوشنودی کو پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے"۔

ذٰلِكَ تقدیر کلام یہ ہو گی ذلك جزاء هم۔ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعت تورات میں تھی اسے انہوں نے چھپایا، اس سے مراد ان کا یہ عمل ہے۔ اگر اسے منافقین پر محمول کیا جائے تو مراد وہ کفر ہو گا جو انہوں نے اپنے سینہ میں چھپا رکھا ہے۔ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ رضوان سے مراد ایمان ہے فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ اعمال سے مراد صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ کے اعمال ہیں، جس طرح یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝

"کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو۔ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ' سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے، اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو"۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد نفاق اور شک ہے مراد منافقین ہیں اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ اضغان سے مراد وہ چیز ہے جو ناپسندیدہ چیز چھپائے ہوئے ہیں۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ان کا کھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ان کا حسد ہے۔ قطرب نے کہا: مراد ان کی عداوت ہے اور شاعر کا قول ذکر کیا:

قل لابن هند ما أردت بمنطق ساء الصديق وشيد الأضغانا(1)

ابن ہند سے کہو میں نے ایسی گفتگو کا ارادہ نہیں کیا جو دوست کو بری لگے اور عداوت کو پختہ کرے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد ان کے کینے ہیں۔ اس کا واحد ضغن ہے کہا:

وذی ضغن کففت النفس عنه میں نے کینہ والے سے اپنے نفس کو روکا۔

یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ عمرو بن کلثوم نے کہا

وإن الضغن بعد الضغن يفشو عليك ويُخرج الداء الدفينا

کینہ کے بعد کینہ تجھ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور مخفی مرض کو باہر نکال دیتا ہے۔

جوہری نے کہا: ضغن اور ضغینه سے مراد کینہ ہے قد ضغِن علیه ضِغناً اس نے فلاں پر کینہ کیا۔

تضاغن القومُ واضطغنوا انہوں نے کینوں کو چھپایا۔ اضْطَغَنْتُ الصبيَّ جب تو نے بچے کو اپنی گود میں لیا۔ احمر نے یہ شعر پڑھا: كأنه مُضْطَغِنٌ صبِيًّا گویا وہ بچے کو گود میں لیے ہوئے ہے۔

فرس ضاغن ایسا گھوڑا جو مار کے بغیر نہیں چلتا۔ معنی ہے کیا انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عداوت اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 304

کینے کو اہل اسلام کے لیے ظاہر نہیں کرے گا۔

وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم تیری ان کو پہچان کرا دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان کو سورۂ براءت میں پہچان کرادی تھی۔ عرب کہتے ہیں: سأریك أصنع یعنی جو کچھ میں کرنے والا ہوں تجھے اس کی پہچان کرادوں گا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء:105) اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے۔

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ یعنی آپ ان کی ان کی علامتوں سے پہچان کرلیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے بعد منافقوں میں سے کوئی بھی آپ کی ذات پر مخفی نہ رہا، آپ انہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے تھے۔ ہم ایک غزوہ میں تھے اس میں سات منافق تھے جن کے بارے میں لوگوں کو شک تھا ایک رات انہوں نے صبح کی تو ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: هذا منافق یہ منافق ہیں (1)۔ یہ ان کی نشانی تھی۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اظہار کو مقدر کیا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسجد سے نکلیں تو انہوں نے انکار کردیا مگر یہ کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ چمٹے رہیں تو ان کے خون محفوظ ہو گئے انہوں نے نکاح کیا اور ان کے ساتھ نکاح کیا گیا۔

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ اور آپ انہیں ضرور پہچان لیں گے ان کی گفتگو کے معنی سے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وخیر الکلام ما کان لَحْنًا (2) بہترین کلام وہ ہوا کرتی ہے جو معنی سے پہچانی جائے اور اس کی تصریح نہ کی جائے۔

یہ اللحن فی الإعراب سے ماخوذ ہے اس کا مطلب صحیح بات سے نکل جانا ہے، اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إنکم تختصمون إلی ولعل بعضکم أن یکون اَلْحَنَ بحجته من بعض (3) تم میرے سامنے اپنے جھگڑے پیش کرتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ قوت والا ہو یعنی وہ جواب میں دلیل کو لے جانے والا ہو کیونکہ وہ کلام کو پھیرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ابوزید نے کہا: لَحَنْتُ له أَلْحَنُ لَحْنًا جب تو اسے ایسی بات کرے وہ تجھ سے اس کا معنی سمجھ لے اور دوسرے پر وہ مخفی رہ جائے۔ لَحِنَه هو عَنّی یلحنه لَحْنًا یعنی اسے سمجھا۔ ألحنته أنا إیاہ میں نے اسے یہ سمجھایا۔ لاحنت الناس میں ان کو سمجھ گیا۔ فزاری نے کہا:

وحدیثٍ اَلَذُّهُ هو مما يَنْعَتُ النَّاعِتُون يُوزَن وزنًا
منطقٌ رائعٌ وتَلْحَنُ أحیا نًا وخیر الحدیث ما کان لحنًا

کتنی ہی باتیں ہیں جن سے میں لذت حاصل کرتا ہوں جو ان میں سے ہیں جن کی نعت بیان کرنے والے نعت بیان کرتے ہیں۔ اس کا وزن بیان کیا جاتا ہے خوبصورت گفتگو ہوتی ہے بعض اوقات اس میں لحن ہوتا ہے اور بہترین گفتگو وہ ہوتی ہے جو بامعنی ہو۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 328 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 121
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، موعظة الإمام للخصوم، جلد 2، صفحہ 1062

وہ مراد یہ لیتا ہے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور ارادہ کسی اور چیز کا کرتی ہے وہ اپنی گفتگو میں تعریض کرتی ہے اور اپنی ذہانت وفطانت سے اسے اصل جہت سے پھیر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ۔

کلبی نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد کسی منافق نے آپ سے گفتگو نہ کی مگر آپ نے اسے پہچان لیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی گفتگو کرتے تھے جس میں آپ کے سامنے تواضع سے کام لیا کرتے تھے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سن رہے ہوتے تھے اور ظاہر و معتاد معنی لیتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا بعد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کلام سنتے تو انہیں پہچان لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق آپ پر مخفی نہ رہا اللہ تعالیٰ نے اس کی وحی یا کسی علامت کے ساتھ ذریعے پہچان کرادی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علامت کو پہچان لیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پہچان کرادی تھی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ۝ یعنی اس پر ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

**وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ۝۳۱**

''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تا کہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو''۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ہم تم پر شرعی احکام لازم کریں گے اگرچہ ہم امور کے عواقب کو اچھی طرح جانتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے ہم تمہارے ساتھ ممتحن کا سا معاملہ کریں گے۔

حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حَتّٰى نَعْلَمَ کا معنی ہے ہم جدا جدا کر دیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ عام قراءت نون کے ساتھ ہے نَبْلُونکم، نَعْلَم، نَبْلُوا۔

ابو بکر نے عاصم سے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور رویس نے یعقوب سے واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی نبلو۔ کیونکہ یہ ماقبل سے الگ ہے۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس کا تعلق حَتّٰى نَعْلَمَ کے ساتھ ہے، یہ علم وہ ہے جس کے ساتھ جزا واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا علم قدیم کی بنا پر نہیں دے گا بلکہ ان کے اعمال پر جزا دے گا۔ اس کی تاویل یہ ہے یہاں تک ہم مجاہدین کو علم شہادت سے جان لیں کیونکہ انہیں عمل کا حکم دیا گیا انہوں نے جو کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے ثواب و عقاب کی جزا علم شہادت پر ہوگی۔

وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ۝ ہم ان کو آزمائیں اور ہم انہیں ظاہر کریں۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا: جب حضرت فضیل بن عیاض اس آیت کو پڑھا کرتے تھے تو رویا کرتے اور دعا کرتے: اے اللہ! ہمیں نہ آزما کیونکہ جب تو ہمیں آزمائے گا تو تو ہمیں رسوا کردے گا اور ہمارے پردوں کو چاک کردے گا (2)۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 305

2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 328

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲

''بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسول (کریم) کی باوجودیکہ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لیے راہ ہدایت وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا''۔

یہ آیت منافقوں یا یہودیوں کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر کے موقع پر کھانا کھلایا کرتے تھے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانفال: 36)

وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ یعنی رسول سے دشمنی کی اور اس کی مخالفت کی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى یعنی وہ دلائل اور آیات سے جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں۔ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وہ اپنے کفر کے باعث اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وَ سَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲ انہوں نے جو عمل کیا اس کا ثواب برباد کر دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ جب کفار کی حالت کو بیان کیا تو مومنوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہ کی سنن میں طاعت کو لازم پکڑو۔

وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳ یعنی اپنی نیکیوں کو معاصی کے ساتھ باطل نہ کرو(1)، یہ حضرت حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: کبیرہ گناہ کر کے اپنے اعمال کو باطل نہ کرو(2)۔ ابن جریج نے کہا: ریاکاری اور شہرت کی خواہش کر کے اپنے اعمال باطل نہ کرو(3)۔ مقاتل اور ثمالی نے کہا: احسان جتلا کر اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ یہ ایسے خطاب ہے جو اسلام قبول کرنے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان جتلایا کرتا تھا۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول سب کو جامع ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ کبیرہ گناہ طاعات کو برباد کر دیتا ہے اور نافرمانیاں ایمان سے خارج کر دیتی ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ہمارے دوسرے علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نفل نماز ہو یا روزہ اس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑ دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں عمل کا ابطال ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ جس نے اس کی اجازت دی یعنی امام شافعی وغیرہ انہوں نے کہا: اس سے مراد فرض عمل کا ثواب ہے تو ایسے آدمی کو اپنے عمل کے ثواب کو باطل کرنے سے منع

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 306
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً

کیا گیا۔ جہاں تک نفل عمل کا تعلق ہے اسکے شروع کرنے کے بعد توڑنا کوئی منع نہیں، کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں تھا۔ اگر وہ یہ گمان کریں کہ لفظ عام ہے تو عام کی تخصیص جائز ہے۔ اس کی تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ نفل زائد عمل ہوتا ہے اور زائد عمل اختیار کا تقاضا کرتا ہے۔

ابوالعالیہ سے مروی ہے: لوگوں کا خیال تھا اسلام لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگ اعمال کی بربادی کے ڈر سے گناہ کبیرہ سے ڈرنے لگے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تم نے اپنے اعمال کو باطل کر دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾

''بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حال میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا''۔

اس امر کو واضح کیا کہ کفر کی صورت میں موت یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کو واجب کر دیتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ وضاحت گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آیت کا مصداق غزوہ بدر کے گڑھے میں ڈالے جانے والے لوگ ہیں (1)۔ اس آیت کے احکام عام ہیں۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

''(اے فرزندان اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال اور (کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دے گا''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ فَلَا تَهِنُوْا تم قتال سے ضعف کا اظہار نہ کرو۔ وھن کا معنی ضعف ہے۔ وقد وھن الانسان وَوَھَنَهٗ غیرہ یہ کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا: اِنَّنِي لَسْتُ بِمَوْهُونٍ فَقَرْ وھن کسرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اس کا معنی بھی کمزور ہونا ہے۔ اسے فما دھنوا بھی پڑھا گیا ہے یعنی ھاء پر ضمہ اور کسرہ ہے۔ سورۂ آل عمران میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ السلم کا معنی صلح ہے وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم ان کی بنسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم دلیل دینے میں غالب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم غالب ہو

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 329

کیونکہ تم مومن ہو اگرچہ بعض احوال میں وہ تم پر غالب آجائیں گے۔ قتادہ نے کہا: تم پہلا ایسا طائفہ نہ بنو جو اپنے مدمقابل کے سامنے مغلوب ہو گیا(1)۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ علماء نے اس کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال: 61) کے لیے ناسخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی طرف میلان کرنے سے منع کیا ہے جب مسلمانوں کو صلح کی ضرورت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے۔ دونوں آیات دو مختلف الحال وقتوں میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا یہ مخصوص افراد کے بارے میں ہے، جبکہ دوسری عام ہے۔ کفار کے ساتھ صلح ضرورت کے وقت ہی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کے ضعف کی وجہ سے ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں۔ یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ اللہ تعالیٰ نصرت اور مدد کرنے میں تمہارے ساتھ ہے جس طرح ارشاد ہے: وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ (العنکبوت)

وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ یعنی وہ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ قول مروی ہے اسی سے ایک لفظ موتور ہے جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کا قصاص نہ لیا جا سکے۔ اس کا باب یوں چلے گا وَتَرَہٗ یَتِرَہٗ وَتْرًا وَتِرَۃً۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: من فاتته صلاة العصر فكأنما وتر أهله وماله (2) جس آدمی کی عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کے اہل اور مال میں نقصان ہو گیا، اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: وترہ حقہ اس نے اسکے حق میں کمی کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اللہ تعالیٰ تیرے اعمال میں کمی نہیں کرتا۔ جس طرح تو کہتا ہے: دخلت البیت، أنت ترید فی البیوت یعنی ایک جملہ میں فی' صلہ موجود ہے اور دوسرے میں نہیں ہے؛ یہ جوہری کا نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ یہ وتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی ہوگا، یعنی تمہیں ثواب کے بغیر تنہا نہیں چھوڑے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

"یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ طلب نہ کرے گا تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور (یوں) ظاہر کر دے گا تمہاری ناگواریوں کو"۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ یہ کلام شرط اور جوب ہے۔ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ یعنی وہ تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم زکوۃ میں سارا مال ہی دے دو بلکہ اس نے بعض

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 329
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، التغلیظ فی تفویت العصر، جلد 1، صفحہ 226

مال نکالنے کا حکم دیا ہے؛ یہ ابن عیینہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ تمہارے اموال اپنی ذات کے لیے یا اپنی کسی ضرورت کے لیے نہیں مانگتا وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تا کہ اس کا ثواب تمہاری طرف لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے وہ تم سے اپنے اموال کا سوال کرتا ہے کیونکہ اموال کا وہی مالک ہے اور وہ عطا فرما کر احسان کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء رسالت کی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا سوال کرنے والے نہیں اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ (الفرقان: 57)

اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ یعنی وہ تم سے اصرار کرتا، یہ کہا جاتا ہے: أحفی بالمسئالۃ، الحف اور الح سب کا ایک ہی معنی ہے۔ حفی اسے کہتے ہیں جو سوال کرنے میں انتہا تک جائے، اسی طرح احفاء کا لفظ گفتگو اور منازعہ میں بہت دور تک جانا ہے۔ اسی معنی میں أحفی شاربہ ہے، یعنی اس نے مونچھیں کاٹنے میں بہت سختی کی۔

تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ۝ یعنی بخل تمہاری ناگواری کو ظاہر کردے گا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مال کا سوال کرنے میں ناگواری کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، ابن محیصن اور حمید نے وتخرج پڑھا اور أضغانکم کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ فاعل ہے۔

ولید نے یعقوب حضرمی سے ونخرج نقل کیا ہے۔ ابو معمر، عبدالوارث سے وہ ابو عمرو سے ویخرج جیم میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہاں گفتگو ختم ہوتی ہے اور پھر نئی کلام شروع ہوتی ہے، ان سے مشہور ویخرج ہے جس طرح باقی قراء کی قراءت ہے اس کا عطف ماقبل کلام پر ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ۝

"ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کردیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ اے مومنو! تم ہی وہ ہو جن کو دعوت دی جاتی ہے۔

لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی تم جہاد اور بھلائی کے راستہ میں خرچ کرو۔ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ یہاں عن، علی کے معنی میں ہے، یعنی اجر و ثواب اسے روکتا ہے وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ یعنی وہ تمہارے اموال کا محتاج نہیں وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ تم اموال کے محتاج ہو وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ یعنی ایسی قوم لے آئے گا جو تمہاری بنسبت اللہ

تعالیٰ کے زیادہ محتاج ہوں گے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴿۳۸﴾ صحابہ نے پوچھا: ہماری جگہ کن لوگوں کو بدل دیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: "یہ اور اس کی قوم، یہ اور اس کی قوم" (1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں سند میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن نجیح جو علی بن مدینی کے والد تھے نے یہ حدیث علاء بن عبدالرحمٰن سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں (2) جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اگر ہم روگردانی کریں تو ان کو ہماری جگہ لے آیا جائے گا پھر وہ ہماری مثل نہ ہوں گے؟ کہا: حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مارا فرمایا: "یہ اور اس کے ساتھی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا کے ساتھ لٹک رہا ہوگا تو فارس کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے" حضرت حسن بصری نے کہا: وہ عجمی لوگ ہیں (3)۔ عکرمہ نے کہا: وہ فارس اور روم کے لوگ ہیں۔ محاسبی نے کہا: عربوں کے بعد تمام عجمی لوگوں میں سے ایرانیوں سے بڑھ کر کون دین میں اچھا ہوگا اور ان میں سے ہی علماء ہوں گے۔

ایک قول کیا گیا ہے: وہ یمنی ہیں اور وہی انصار ہیں؛ یہ شریح بن عبید نے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا ہے: وہ انصار ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: وہ تابعی ہیں۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴿۳۸﴾ طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنے میں وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے خوش ہوئے اور فرمایا: "یہ دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہے"۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد 2، صفحہ 158 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 331

# سورۃ الفتح

آیاتہا ۲۹ ۴۸ سورۃ الفتح مدنیۃ ۱۱۱ رکوعاتہا ۴

سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدنی ہے اس کی انتیس آیات ہیں، یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ محمد بن اسحاق نے زہری سے وہ عروہ سے وہ مسعود بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت نقل کرتے ہیں دونوں نے کہا: سورۂ فتح مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق ابتدا سے آخر تک نازل ہوئی۔ صحیحین میں زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (1) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک سفر میں چل رہے تھے جبکہ حضرت عمر بن خطاب ان کے ساتھ رات کے وقت ساتھ ساتھ چل رہے تھے، حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے کوئی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا، حضرت عمر نے پھر عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا، انہوں نے عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا حضرت عمر نے کہا: عمر کی ماں روئے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار سوال کرنے میں مبالغہ سے کام لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی پھر میں سب لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے ڈر ہونے لگا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں تھوڑا وقت بھی نہیں ٹھہرا تھا کہ میں نے ایک آواز دینے والے کو آواز دیتے ہوئے سنا، میں نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آج مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر ہر چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

صحیح مسلم میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا: جب یہ آیات نازل ہوئیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے صحابہ کرام بڑے غمگین تھے جبکہ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا تھا فرمایا: ''ابھی مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر تمام دنیا سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہے'' (2)۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 749

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر صلح حدیبیہ، جلد 2، صفحہ 106

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو برا بھلا کہا جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِكُمۡ (الاحقاف:9) انہوں نے کہا: ہم ایک ایسے آدمی کی کس طرح پیروی کریں جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑا شاق گذرا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ لِّیَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے وَمَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِكُمۡ (الاحقاف:9) نازل کی تو مشرک اور منافق خوش ہوئے اور کہا: ہم ایسے آدمی کی کیسے اتباع کریں جو یہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا یعنی ہم نے آپ کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جس کے بدلے میں سرخ اونٹ مجھے خوش نہیں کرتے'' مسعودی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جس نے رمضان شریف کی پہلی رات میں نفلی نماز میں سورۂ فتح پڑھی اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ

''یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی''۔

اس فتح کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ بخاری شریف میں ہے محمد بن بشار، غندر سے، وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم فتح سے مراد یوم حدیبیہ ہی شمار کیا کرتے تھے۔ فراء نے کہا: فتح سے مراد فتح مکہ لیا کرتے تھے (2) جبکہ فتح مکہ تو فتح ہے اور ہم فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہماری تعداد چودہ سو تھی اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ضحاک نے کہا: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا یہ قتال کے بغیر فتح ہوئی، صلح بھی فتح کی صورت ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ کے مقام پر جانور قربان کرنا اور اپنے سر کا حلق کرانا تھا (4) حدیبیہ کی فتح عظیم نشانی تھی اس کا پانی نکالا گیا تو آپ نے اس میں کلی کی تو اس میں پانی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ جو افراد بھی آپ کے ساتھ تھے سب نے اس پانی کو پیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا: جب صحابہ حدیبیہ سے واپس آگئے (5) تو ایک آدمی نے کہا: یہ فتح نہیں، انہوں نے ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلکہ یہ سب سے بڑی فتح ہے مشرک اس بات پر

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، انا فتحنا لک فتحاً مبیناً، جلد 2، صفحہ 716
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 310
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 166
4۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 258
5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 332

راضی ہو گئے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے شہروں سے نرمی سے جانے دیں، تم سے فیصلہ کا سوال کریں، امان میں تم سے رغبت کریں جبکہ انہوں نے تم سے وہ کچھ دیکھ لیا ہے جس کو وہ ناپسند کریں" (1)۔

امام شعبی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے وہ کچھ حاصل کیا جو آپ نے کسی غزوہ میں حاصل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا، آپ کے ہاتھ پر بیعت رضوان ہوئی، صحابہ کو خیبر کی کھجوریں کھلائی گئیں، ہدی اپنے مقام کو پہنچی، رومی ایرانیوں پر غالب آئے، مومن اہل کتاب کے مجوسیوں پر غالب آنے سے خوش ہوئے۔

زہری نے کہا: حدیبیہ عظیم فتح تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تھے جب صلح ہو گئی تو لوگ ایک دوسرے سے ملے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جانا اور اس کے کلام کو سنا جس نے بھی اسلام کا ارادہ کیا اس کو قبول کرنے کی اس میں آسانی پائی دو سال بھی نہ گذرے تھے مگر مسلمان دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ آئے۔

مجاہد نے یہ بھی کہا اور عوفی کا یہ قول ہے: اس سے مراد فتح خیبر ہے؛ پہلا قول اکثر کا قول ہے جبکہ خیبر ایک وعدہ تھا جو ان سے کیا گیا جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ۔ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔ حضرت مجمع بن جاریہ جو ان قراء میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پڑھا کہا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر تھے جب ہم اس سے واپس آئے تو لوگ جو اونٹوں کو تیز چلا رہے تھے (2) بعض لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی کی ہے کہا: ہم تیزی سے نکلے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کراع غمیم میں پایا جب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کو پڑھا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: "ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ فتح ہے" خیبر کے اموال صلح حدیبیہ میں شریک لوگوں میں تقسیم کئے گئے ان میں وہی فرد شامل تھا جو حدیبیہ میں موجود تھا (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَتْحًا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ زبردستی فتح کیا گیا کیونکہ فتح کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر جسے سختی کے ساتھ فتح کیا گیا ہو یہ اس اسم کی حقیقت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فتح البلد صلحا صلح کا معنی سمجھ نہیں آتا مگر جب وہ فتح کے ساتھ ملا ہوا ہو پس فتح صلح میں مجازی معنی میں ہوگا۔ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ زبردستی فتح ہوا۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 166    2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 420

3۔ ابوداؤد، باب لی من اسھم سھما، حدیث 2359، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

”تا کہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرما دے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرما دے جو زبردست ہے“۔

ابن انباری نے کہا: فَتْحًا مُّبِیْنًا پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ یہ فتح سے متعلق ہے گویا فرمایا: ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے فتح کے ساتھ مغفرت کو جمع کر دے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لیے وہ چیز جمع کر دے جس سے دنیا و آخرت میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا: یہ لام قسم ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ لام مکسور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے ساتھ نصب دی جاتی ہے اگر یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہوتا لیقوم زید اس کی تاویل لیقومن زید ہے۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو مغفرت کی علت کیسے بنایا ہے؟ میں کہوں گا: اللہ تعالیٰ نے اسے مغفرت کی علت نہیں بنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار امور کو جمع کیا گیا ہے وہ مغفرت، اتمام نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت اور غالب مدد۔ گویا فرمایا: ہم نے تیرے لیے فتح مکہ کو آسان بنا دیا تیرے دشمن کے خلاف تیری مدد کی تا کہ آپ کے لیے دونوں جہانوں کی عزتوں اور دنیا و آخرت کے غلبہ کو جمع کر دے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد فتح مکہ ہو اس حیثیت سے کہ یہ دشمن کے ساتھ جہاد ہے، مغفرت اور ثواب کا سبب ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو روئے زمین پر جو بھی چیز ہے اس سے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے“ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس آیت کو پڑھا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بیان کر دیا ہے جو آپ کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس بارے میں حضرت مجمع بن جاریہ سے بھی ایک روایت مروی ہے۔

علماء نے لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے مراد ہے کہ اعلان نبوت سے قبل جو آپ سے ایسے اعمال ہوئے جن کو آپ اپنی شان کے خلاف خیال کرتے ہیں اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد جو اعلان نبوت کے بعد جو اعمال ہوئے؛ یہ مجاہد کا قول ہے، اسی کی مثل طبری اور سفیان ثوری نے کہا۔ طبری نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ۙ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (نصر) کی طرف راجع ہے یعنی اعلان نبوت سے پہلے اور

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 159

اعلان نبوت کے بعد اس آیت کے نزول تک۔

سفیان ثوری نے کہا: لِّيَغۡفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو وحی کے نزول سے پہلے آپ نے دور جاہلیت میں کیے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو بعد آپ نے نہ کیے، یہ واحدی کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ انبیاء سے گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد فتح سے پہلے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد فتح کے بعد کے اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد اس آیت کے نزول سے پہلے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد جو اس کے بعد ہیں۔

عطا خراسانی نے کہا: مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی خطا ہے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف اولی اعمال اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد انبیاء کے خلاف اولی اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد غزوہ بدر کے دن کی خطا اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد غزوہ حنین کے موقع کی خطا ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر جو خطا ہوئی وہ یہ تھی کہ آپ نے یہ دعا کی: اے الله اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا (2) تو زمین میں کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی (3) آپ نے اس قول کو کئی دفعہ دہرایا الله تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی آپ کو کیسے علم ہوا کہ اگر میں نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو میری کبھی بھی عبادت نہیں کی جائے گی؟ تو یہ وہ پہلی خطا تھی۔ جہاں تک دوسری خطا کا تعلق ہے تو وہ غزوہ حنین کا موقع ہے جب لوگ شکست کھا گئے تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور چچا زاد بھائی ابوسفیان سے کہا: مجھے وادی سے سنگریزوں کی ایک مٹھی اٹھا کر دو تو دونوں نے سنگریزے اٹھا کر دیئے آپ نے انہیں ہاتھ میں لیا اور مشرکوں کے منہ پر مارا اور فرمایا: شاھت الوجوہ۔ حم۔ لا ینصرون۔ تو مشرک سارے کے سارے شکست کھا گئے کوئی آدمی نہ بچا مگر اس کی آنکھیں ریت اور سنگریزوں سے بھر گئیں پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو ندا کی تو وہ پلٹ آئے جب وہ واپس لوٹے تو آپ نے انہیں فرمایا: ''اگر میں انہیں وہ مٹھی بھر سنگریزے نہ مارتا تو وہ شکست نہ کھاتے'' تو الله تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ مَا رَمَيۡتَ إِذۡ رَمَيۡتَ وَ لَٰكِنَّ ٱللَّهَ رَمَىٰ (الانفال: 17) یہ دوسری خطا تھی۔ ابوعلی روزباری نے کہا: الله تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر آپ کی کوئی پرانی یا نئی خطا ہوگی تو ہم آپ کے لیے اسے بخش دیں گے۔

وَ يُتِمَّ نِعۡمَتَهُۥ عَلَيۡكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نعمت سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نبوت و حکمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مکہ مکرمہ، طائف اور خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے تکبر کیا تھا اس نے خشوع و خضوع اپنا لیا اور جو جابر بنا ہوا تھا اس نے طاقت اختیار کر لی وَ يَهۡدِيَكَ صِرَٰطٗا مُّسۡتَقِيمٗا ۝ یعنی آپ کو

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 167　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 126

3۔ صوفیاء نے اسکی کیا ہی خوبصورت تعبیر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی زندگی تو مقام نیاز کے حوالے سے گذری تاہم یہ مرحلہ اور اس جیسے دوسرے مقامات مقام ناز سے تعلق رکھتے ہیں، لوٹنے کی جا ہے۔ مترجم۔

ہدایت پر ثابت قدم کرے گا یہاں تک کہ آپ کو اپنے پاس بلا لے گا۔

وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ۝ یعنی ایسی مدد کرے گا جو غالب ہوگی جس کے بعد کوئی ذلت و عاجزی نہ ہوگی۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًاۙ ۝

''وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں اپنے پہلے ایمان کے ساتھ، اور الله کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور الله تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بہت دانا ہے''۔

السَّكِیْنَةَ سے مراد سکون و طمانینت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی سکینہ کا لفظ ہے اس سے مراد طمانینت ہے مگر جو سورۂ بقرہ میں ہے، ایمان کی زیادتی کا معنی سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کے ساتھ مبعوث کیا گیا (1) جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بارے میں تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر نماز کو زائد کر دیا جب انہوں نے اس حکم میں آپ کی تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر زکوۃ کو زائد کیا، جب انہوں نے اس امر میں آپ کی تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر روزوں کو زائد کر دیا، جب انہوں نے اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر حج کا اضافہ کر دیا پھر الله تعالیٰ نے ان کے دین کو مکمل کیا الله تعالیٰ کا فرمان: لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ کا یہی مصداق ہے یعنی ایمان سے مراد خشیت ہے۔ ضحاک نے کہا: یہاں اس سے مراد یقین ہے (2)۔

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنود سے مراد ملائکہ، جن، شیاطین اور انسان ہیں۔ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا یعنی الله تعالیٰ اپنی مخلوق کے احوال سے باخبر ہے حَكِیْمًا جس کا ارادہ کرتا ہے اس میں حکیم ہے۔

لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًاۙ ۝

''تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرما دے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ الله تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے''۔

الله تعالیٰ نے سکینہ کو نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو پھر یہ زیادتی انہیں جنت میں داخل کرنے کے سبب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِّیُدْخِلَ میں لام اسی کے متعلق ہے جس کے متعلق لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کا لام ہے۔

وَ كَانَ ذٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا وعدہ اور گناہوں کی بخشش ہے عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ یہ غم

---

1۔ طبری، ج 26، صفحہ 84

2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 167

سے نجات اور ہر مطلب میں کامیابی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ پر اس آیت کو پڑھا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو تو ہمارے لیے کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ جب یہ حصہ پڑھا وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ انہوں نے عرض کی: آپ کو مبارک ہو تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ: 3) جب پڑھا: وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۝ تو امت کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا جب پڑھا: وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۝ تو یہ آیت وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (الروم) نازل ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (الاحزاب) پھر فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ (الاحزاب: 43) قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۝ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝

''اور تاکہ عذاب میں مبتلا کر دے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں انہیں ہی پر ہے گردش اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کر دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جہنم اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ یعنی انہوں نے گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف نہیں لوٹیں گے اور نہ ہی آپ کے صحابہ میں سے کوئی واپس لوٹے گا یہ اس وقت ان کا گمان تھا جب آپ حدیبیہ کے لیے نکلے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ مشرک تباہ و برباد کر دیں گے جس طرح کہا: بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا خلیل اور سیبویہ نے کہا: اس سے یہاں مراد فساد ہے۔

عَلَيْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ دنیا میں ان پر بری گردش ہوگی انہیں قتل کیا جائیگا اور انہیں قیدی بنالیا جائیگا اور آخرت میں جہنم ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے پڑھا دائرۃ السُّو یعنی ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جبکہ باقی قراء نے فتحہ دیا۔ جوہری نے کہا: ساءہ یسوءہ سَوْءًا، مَسَاءۃ، مَسَایہ یہ سرہ کی ضد ہے اس کا اسم السُّو ہے اسے علیھم دائرۃ السُّوْء بھی پڑھا گیا ہے یعنی شکست اور تکلیف جس نے اسے فتحہ دیا اس نے اسے مساءۃ سے مشتق مانا ہے۔

وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۝ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝ اس کے بارے میں گفتگو کئی دفعہ گزر چکی ہے الحمد اللہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب صلح حدیبیہ ہوئی تو ابن ابی نے کہا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے ہیں کہ جب اہل مکہ سے صلح کریں گے یا مکہ کو فتح کرلیں گے تو اس کا کوئی دشمن نہیں رہے گا ایرانی اور رومی کہاں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ آسمانوں اور زمین کے لشکر ایرانیوں اور رومیوں سے زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ سے مراد فرشتے ہیں اور زمین کے لشکر مومن ہیں۔ اس کو دوبارہ ذکر کیا کیونکہ جس کا ذکر پہلے ہوا تھا وہ قریش میں سے مشرکوں کے ذکر کے بعد تھا اور یہ منافقوں اور باقی ماندہ مشرکوں کے ذکر کے بعد ہے دونوں مقامات پر مراد خوفزدہ کرنا اور ڈرانا ہے اگر اللہ تعالیٰ منافقوں اور مشرکوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو یہ چیز اسے عاجز نہ کرسکتی لیکن اللہ تعالیٰ ایک معین عرصہ تک انہیں مہلت دیتا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝

”بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا تا کہ اے لوگو! تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تا کہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام“۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا قتادہ نے کہا: ہم نے آپ کو آپ کی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے کہ انہوں نے حق کی تبلیغ کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر گواہ بنا کر بھیجا کہ انہوں نے اطاعت یا معصیت میں سے جو اعمال کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو انکے لیے ان امور کو بیان کرنے والا بنا کر بھیجا جن کے ساتھ ہم نے آپ کو ان کی طرف بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز ان پر گواہی دیں گے۔ سورۃ النساء میں حضرت سعید بن جبیر کی روایت سے یہ معنی واضح طور پر گذر چکا ہے۔

مُبَشِّرًا جو اطاعت کرے اس کو جنت کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا وَّنَذِيْرًا اور آگ سے خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا گیا اسے جو نافرمانی کرے؛ یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں بشارت اور نذارت کا اشتقاق اور دونوں کا معنی گذر چکا ہے۔ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ تینوں کو حال مقدرہ کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے سیبویہ نے یہ مثال بیان کی ہے مررت برجل معه صقر صائدا غدا معنی ہے بے شک ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ ہم آپ کی شہادت کو قیامت کے روز مقدر کرنے والے ہیں اسی بنا پر تو کہتا ہے: رایت عمرًا قائما غدا۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ابن کثیر، ابن محیصن اور ابو عمرو نے لیؤمنوا پڑھا ہے اسی طرح یعزروہ ویوقروہ ویسبحوہ سب کو یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ مومنوں کا اس سے پہلے اور اس کے بعد میں ذکر موجود ہے جہاں تک اس سے ماقبل کا تعلق ہے تو وہ لِّيُدْخِلَ اور جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے تو وہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے؛ اسے ابو حاتم نے پسند کیا وَ تُعَزِّرُوْهُ تم اس کی عظمت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 312

بجالاؤ اور تفخیم شان کا اہتمام کرو؛ یہ حضرت حسن بصری اور کلبی کا نقطہ نظر ہے۔ تعزیر کا معنی تعظیم و توقیر ہے۔ قتادہ نے کہا: تم اس کی مدد کرو اور اس کا دفاع کرو اسی سے حد میں تعزیر ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی انسان کو برے اعمال سے روکتی ہے۔ قشیری نے کہا:

أَلا بَكَرَتْ مَيٌّ بغير سَفَاهةٍ تُعَاتِبُ والمَوْدُوْدُ ينفعه العَزْر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تقاتلون معه بالسيف تم آپ کی معیت میں تلوار کے ساتھ قتال کرتے ہو۔ بعض اہل لغت نے کہا: تم آپ کی اطاعت کرتے ہو[1] وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی تم آپ کو سردار بناتے ہو[2]؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اس کی عظمت بجالاتے ہو۔ توقیر کا معنی تعظیم کرنا ہے۔ دونوں میں ھاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے یہاں وقف تام ہے پھر تو کلام کو شروع کرے گا وَتُسَبِّحُوْهُ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو گے بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ صبح و شام۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غائب کی ضمیریں تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس صورت میں ہوگا تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی تم اس کے لیے ربوبیت کی صحت کو ثابت کرو اور اس کے لیے اس امر کی نفی کرو کہ اس کا کوئی بچہ ہو یا شریک ہو؛ قشیری نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ پہلا قول ضحاک کا ہے اس تعبیر کی صورت میں کلام کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوگا وہ وَتُسَبِّحُوْهُ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں بعض حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے گا وہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ہے یعنی تم آپ کو رسالت اور نبوت کے لقب سے بلایا کرو نام اور کنیت سے نہ بلایا کرو۔

وَتُسَبِّحُوْهُ کی دو صورتیں ہیں: (1) تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر قبیح امر سے پاکی بیان کرنا ہے یا اس سے مراد نماز کا فعل ہے جس میں تسبیح ہوا کرتی ہے بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ صبح و شام۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے، شاعر نے اس لفظ سے یہ معنی لیا ہے:

لَعَمْرِی لَأنت البيتُ أُكْرِمُ أهْلَه وأجلس فی أَفْيَائه بالأصائل[3]

میری زندگی کی قسم! تو ایسا گھر ہے جس کے مکینوں کی میں عزت کرتا ہوں اور شام کے وقت میں اس کے صحن میں بیٹھتا ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"(اے جان عالم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ حدیبیہ میں آپ کی اطاعت کرتے ہیں اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ اس امر کی وضاحت کی کہ ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت یہ اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: 80) یہ بیعت، بیعت رضوان ہے جس کی وضاحت اس سورت میں ان شاء اللہ آجائے گی۔

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 88    2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 313    3۔ ایضاً

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب دینے میں ہاتھ ان کی وفا میں ہاتھ سے بڑھ کر ہے جس قدر وہ اطاعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہدایت دینے میں بڑھ کر ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا احسان اس سے بڑھ کر ہے جوانہوں نے بیعت کی ہے۔ ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قوت اور نصرت ان کی قوت اور نصرت سے بڑھ کر ہے فَمَنْ نَّكَثَ جس نے بیعت کے بعد معاہدہ توڑا فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ تو وعدہ توڑنے کا ضرر اسی پر لوٹے گا کیونکہ اس نے اپنی ذات کے لیے ثواب کو حرام کر دیا ہے اور اپنے اوپر عقاب کو لازم کر دیا ہے وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ یعنی بیعت کرتے وقت اس نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا ایک قول یہ کیا گیا ہے ایمان لاتے وقت جو اس نے وعدہ کیا تھا فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۝ یعنی جنت میں۔ حفص اور زہری نے علیہُ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے جر دی ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر نے اسے فسنؤتیه نون کے ساتھ پڑھا ہے؛ فراء اور ابو معاذ نے اسے پسند کیا ہے باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطۂ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اسم قریب ہے۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۝۱۱

”عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے چھوڑے گئے تھے: ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل و عیال نے پس ہمارے لیے معافی طلب کریں (اے حبیب) یہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، آپ انہیں فرمایئے: کون ہے جو اختیار رکھتا ہے تمہارے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا' ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی ضرر کا یا ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی نفع کا' بلکہ اللہ تعالیٰ' جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے“۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ مجاہد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور دیل کے بدو ہیں (1) یہ وہ بدو قبائل تھے جو مدینہ طیبہ کے قریب رہا کرتے تھے جب صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کا ارادہ کیا تھا تو یہ لوگ گھروں میں بیٹھ رہے تھے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت دی تھی کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں وہ قریش سے ڈر کی وجہ سے گھروں میں بیٹھے رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے جانور ساتھ لیے تا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ آپ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے انہوں نے گرانی محسوس کی اور کام کاج کا بہانا بنایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ انہیں مخلفون کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت سے پیچھے رکھا تھا مخلف کا معنی متروک ہے۔ سورۃ البراۃ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا یعنی کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان امور کو سرانجام دے سکے فَاسْتَغْفِرْ لَنَا وہ مغفرت طلب کرتے

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 258

ہوئے آئے جبکہ ان کا اعتقاد ان کے ظاہر کے خلاف تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل ورسوا کر دیا ارشاد فرمایا: یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ یہ ان کا خالص نفاق تھا۔ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا حمزہ اور کسائی نے صرف یہاں ضُرًّا پڑھا ہے یعنی ایسا امر جو تمہیں نقصان پہنچائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد شکست ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ ضررتہ ضرا کا مصدر ہے۔ جب ضاد پر ضمہ ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو برا حال لاحق ہوتا ہے مصدر ایک دفعہ اور زیادہ دفعہ فعل کے وقوع کے معنی پر دلالت کرتا ہے؛ اسے ابو عبید اور ابو حاتم نے پسند کیا ہے دونوں نے کہا: یہ نفع کے بالمقابل ہے جو ضر کی ضد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں لغتوں کا ایک ہی معنی ہے جس طرح فَقر اور فُقر، ضَعف اور ضُعف۔ اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا نفع سے مراد مدد اور غنیمت ہے۔ یہ ان کا رد ہے جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہیں گے تو یہ ان سے تکلیف کو دور کردے گا اور ان کے لیے جلدی نفع لائے گا۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّ زُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا۝

"حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئیگا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی اور بڑا خوش نما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن رہے اس وجہ سے تم برباد ہونے والی قوم بن گئے"۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا یہ گمان اس لیے تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بہت تھوڑے ہیں وہ واپس نہیں پلٹیں گے وَّ زُیِّنَ ذٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد نفاق ہے فِیْ قُلُوْبِكُمْ یہ تزئین شیطان کی طرف سے تھی یا اللہ نے ان کے دلوں میں یہ چیز پیدا کر دی تھی وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ظن سوء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا۝ بورا سے مراد ہلاک ہونے والے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: وہ فسادی لوگ ہیں وہ بھلائی میں سے کسی چیز کے قابل نہیں (2)۔ جوہری نے کہا: بور سے مراد ایسا آدمی ہے جو فسادی ہے، ہلاک ہونے والا ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔ عبداللہ بن زبعری سہمی نے کہا:

یا رسول الملیك إن لسانی راتق ما فتقتُ إذ أنا بور(3)

اے اللہ کے رسول! جب سے میں گمراہ اور تباہ حال تھا اس وقت میری زبان نے جو چاق کیے اب میری زبان انہیں سینے والی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے: امرأۃ بور۔ ابو عبید نے اس کو بیان کیا ہے قوم بور، یعنی ہلاک ہونے والی قوم۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا۝ بور یہ بائر کی جمع ہے جس طرح حائل کی جمع حُول آتی ہے۔ قد بار فلان، یعنی فلاں ہلاک ہو گیا۔ اباره الله۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بُوْرًا کا معنی شریر لوگ، یہ ابن بحر نے کہا: حضرت حسان

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 92　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 314　3۔ ایضاً

بن ثابت نے کہا:

لاینفع الطُّول من نُوْكِ الرجال وقد یھدی الإلٰه سبیل المَعْشَر البور(1)

اس میں البور کا معنی ہلاک ہوانے والا ہے۔

وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ۝

''اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے ان تمام کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے''۔

یہ ان کے لیے وعید ہے اور اس امر کی وضاحت ہے کہ انہوں نے نفاق اپنا کر کفر کیا۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وہ اپنے بندوں سے غنی ہے، اللہ تعالیٰ نے احکام کا مکلف بنا کر انہیں آزمایا تا کہ جو ایمان لائے اس کو ثواب دیں اور جو کفر و نافرمانی کرے اسے سزا دے۔

سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

''کہیں گے (پہلے سفر جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہوئے اموال کی طرف تا کہ تم ان پر قبضہ کر لو ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں وہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ فرمایئے: تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آسکتے یونہی فرما دیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پھر وہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (ان کا یہ خیال غلط ہے) درحقیقت وہ احکام الٰہی کے اسرار کو بہت کم سمجھتے ہیں''۔

سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے فتح خیبر کا وعدہ کیا تھا یہ حکم ان کے لیے ہی خاص تھا وہ غزوہ خیبر میں حاضر تھے یا غائب تھے اور اہل حدیبیہ میں سے حضرت جابر کے علاوہ کوئی غائب نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اسی طرح حصہ رکھا جس طرح ان لوگوں کا حصہ رکھا تھا جو غزوہ خیبر میں موجود تھے خیبر کی تقسیم کے ذمہ دار حضرت جبار بن صخر انصاری جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت زید بن ثابت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 314

جو بنی تجارت سے تعلق رکھتے تھے دونوں حساب کو سمجھنے والے اور تقسیم کرنے والے تھے۔

ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡكُمۡ ہمیں چھوڑ دو تو کہتا ہے: ذرہ یعنی تو اسے چھوڑ دے ھو یذرہ، وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کی اصل وذرہ یذرہ ہے جس طرح وسعہ یسعہ ہے اس کا پہلا حرف حذف کر دیا گیا ہے اسے وذرہ کہتے ہیں اور واذر نہیں کہتے لیکن کہتے ہیں: ترکہ وھو تارک۔

مجاہد نے کہا: وہ مکہ کی طرف نکلنے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور لوگوں کو ساتھ لیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے کہا: ہمیں چھوڑ دو ہم تمہارے پیچھے پیچھے آتے ہیں اور تمہارے ساتھ مل کر جنگ کرتے ہیں۔

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی کلام کو تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا (التوبہ: 83) طبری اور دوسرے علماء نے اس قول کا انکار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک فتح خیبر اور فتح مکہ کے بعد ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں (1) جو اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے عوض خیبر کی غنیمتیں ان کے لیے خاص کر دی تھیں کیونکہ وہ حدیبیہ سے صلح پر واپس آ گئے تھے؛ یہ مجاہد اور طبری کا قول ہے اسے ہی طبری نے پسند کیا ہے؛ عام علماء کی یہی رائے ہے حمزہ اور کسائی نے كَلِمَ پڑھا ہے یعنی الف کو ساقط کیا ہے اور لام کو کسرہ دیا ہے یہ کلمہ کی جمع ہے جس طرح سمعہ اور سلم ہے باقی قراء نے اسے کلام پڑھا ہے جو مصدر ہے اسے ابو عبید اور ابو حاتم نے پسند کیا وہ اس ارشاد: اِنِّى اصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىۡ وَبِكَلَامِىۡ (الاعراف: 144) پر قیاس کیا ہے۔ کلام اس جملہ کو کہتے ہیں جو معنی دینے میں مستقل ہو۔ جوہری نے کہا: کلام اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر دونوں پر واقع ہوتی ہے اور کَلِم تین کلمات سے کم نہیں ہوتی کیونکہ یہ کلمہ کی جمع ہے جس طرح نبقہ اور نبق ہے اسی وجہ سے سیبویہ نے کہا: ھذا باب علم ما الکلم من العربیۃ یہاں اس نے الکلام کا لفظ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس نے تین چیزوں کا ارادہ کیا تھا اسم، فعل، حرف۔ تو کلم کا لفظ صرف جمع کے لیے ہی بولا جاتا ہے جہاں ایک اور جماعت پر واقع ہوا سے ترک کر دیا جاتا ہے۔ تمیم کہتا ہے: یہ کِلمہ ہے یعنی کاف مکسور ہے۔ سورۂ براء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ یعنی حدیبیہ سے ہمارے لوٹنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا تھا کہ خیبر کی غنیمتیں صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو حدیبیہ میں حاضر تھے۔

فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا یعنی ہم تمہارے ساتھ غنیمت لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إن خرجتم لم أمنعكم إلا أنه لا سهم لكم اگر تم نکلو گے تو میں نہیں روکوں گا مگر تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا، تو انہوں نے کہا: یہ تو حسد ہوا۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں ہمیں وہ بتا دیا تھا جو وہ کہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا۝ یعنی وہ صرف دنیا کے امور کو ہی

---

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 93

جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دین کے معاملہ کو تھوڑا ہی سمجھتے ہیں وہ جہاد کو ترک کرنا ہے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

"فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائیگی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگ جو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے، پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی منہ موڑا جیسے پہلے تم نے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ یعنی ان سے کہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پیچھے چھوڑے گئے تھے (1) سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطا بن ابی رباح، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ اور عطا خراسانی نے کہا: وہ ایرانی لوگ ہیں۔ کعب، حضرت حسن بصری اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا: وہ رومی ہیں۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: وہ ایرانی اور رومی لوگ ہیں۔ ابن جبیر نے کہا: مراد ہوازن ثقیف ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد ہوازن ہیں۔ قتادہ نے کہا: مراد غزوہ حنین کے موقع پر ہوازن اور غطفان ہیں (2)۔ زہری اور مقاتل نے کہا: مراد بنو حنیفہ ہیں جو اہل یمامہ تھے (3) جو مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے۔ رافع بن خدیج نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس آیت سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ پڑھا کرتے تھے ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کون لوگ ہیں یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں بنو حنیفہ سے قتال کی دعوت دی تو ہمیں علم ہو گیا کہ وہ لوگ بنو حنیفہ ہی ہیں (4)۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا، جبکہ آیت کا ظاہر اس کا رد کرتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بنو حنیفہ سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایرانیوں اور رومیوں سے جنگ کرنے کی دعوت دی۔ جہاں تک عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ مراد ہوازن اور غطفان ہیں جن سے غزوہ حنین میں مقابلہ ہوا تو اس میں یہ دلیل نہیں کیونکہ یہ امر ممتنع ہے کہ ان کے لیے داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا (التوبہ: 83) تو یہ اس امر پر دال ہے کہ داعی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ کوئی اور ذات ہے۔ یہ بات بھی معلوم و مشہور ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قوم کو دعوت نہیں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1705
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 96
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316
4۔ ایضاً

دی مگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے انہیں دعوت دی۔ زمخشری نے کہا: اگر یہ قتادہ سے ثابت ہو تو معنی ہوگا تم اس وقت تک میرے ساتھ نہیں نکل سکو گے جب تک تم میں دل کا مرض اور دین میں اضطراب موجود ہے یا یہ مجاہد کے قول کے مطابق ہے تو ان کے ساتھ معاہدہ یہ ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کریں گے مگر بطور نفل ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** **تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ** یہ ان لوگوں کے لیے حکم ہے جس سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ **يُسْلِمُوْنَ** کا عطف **تُقَاتِلُوْنَهُمْ** پر ہے یعنی دو امروں میں سے ایک امر ہوگا یعنی جنگ یا اسلام۔ ان کی تیسری صورت نہیں۔ حضرت ابی کی قرأت میں اویسلموا یہ حتی یسلموا کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: کُلْ أو تشبعَ یعنی حتی تشبعَ شاعر نے کہا:

فقلت له لا تبكِ عَيْنُكَ إنما نحاوِلُ مُلْكًا أو نموتَ فنُعْذَرا(1)

میں نے اسے کہا: تیری آنکھ نہ روئے بے شک ملک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ ہمیں موت آ جائے تو ہم معذور ہو جائیں۔

زجاج نے کہا فرمایا: **اَوْ يُسْلِمُوْنَ** کیونکہ معنی ہے أو یسلمون من غیر قتال یعنی جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لیں۔ یہ حکم مشرکوں سے جنگ کرنے کے بارے میں ہے اہل کتاب کے بارے میں نہیں ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** **فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا** اجر حسن سے مراد دنیا میں غنیمت اور مدد ہے اور آخرت میں جنت ہے **وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ** قبل سے مراد حدیبیہ کے موقع پر سفر ہے **يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾** عذاب الیم سے مراد آگ کا عذاب ہے۔

**لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾**

"نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے اگر یہ شریک جہاد نہ ہو سکیں، اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی **وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾** تو اپاہج لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا کیا حال ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی **لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ** یعنی وہ لوگ جو نابینا ہونے، اپاہج ہونے اور کمزور ہونے کی بنا پر جہاد

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 132

سے پیچھے رہتے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ سورۂ براءۃ اور دوسری سورتوں میں اس بارے میں گفتگو مفصل گذر چکی ہے۔ عرج اس بیماری کو کہتے ہیں جو ایک ٹانگ کو لاحق ہوتی ہے جب ایک میں تکلیف موثر ہے تو دونوں ٹانگوں میں مرض بدرجہ اولیٰ موثر ہوگی۔ مقاتل نے کہا: مراد اپاہج لوگ ہیں جو حدیبیہ کی مہم میں شریک نہیں ہو سکے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معذور قرار دیا تھا یعنی ان میں سے جو تمہارے ساتھ خیبر جانا چاہتا ہے تو وہ ایسا کرے۔

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ان امور میں اطاعت کی جس کا اسے حکم دیا گیا یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ نافع ابن عامر نے اسے ندخلہ پڑھا ہے مقصود تعظیم ہے باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابوعبید اور ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کا نام ہے وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبۡہُ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۷﴾۔

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ کَثِیۡرَۃً یَّاۡخُذُوۡنَہَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۱۹﴾

''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سی غنیمتیں بھی عطا کیں جن کو وہ عنقریب حاصل کریں گے، اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے''۔

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ یہ بیعت رضوان ہے یہ حدیبیہ میں ہوئی۔ اختصار کے ساتھ حدیبیہ کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مصطلق سے واپسی پر شوال میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور ذی قعدہ میں عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے آپ نے مدینہ طیبہ کے پڑوس میں رہنے والے بدووں کو بھی اس سفر میں شریک ہونے کی دعوت دی تو ان میں سے اکثر اس میں شریک نہ ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین، انصار اور عربوں میں سے جو آپ کے ساتھ شریک ہوئے انہیں لے کر روانہ ہوئے مجموعی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا: تعداد پندرہ سو تھی۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ آپ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تا کہ لوگوں کو بتائیں کہ آپ جنگ کے لیے نہیں نکلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی خبر قریش کو ہوئی تو ان کی جمعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد حرام اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے نکلی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جنگ کریں گے تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے انہوں نے خالد بن ولید کو گھڑ سوار دستہ کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف روانہ کر دیا یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی جبکہ آپ عسفان میں تھے آپ کا مخبر مبشر بن سفیان کعبی تھا آپ نے ایک راستہ اختیار کیا جو آپ کو ان کے پیچھے پہنچانے والا تھا اور آپ مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کی جانب سے حدیبیہ تک جا پہنچے اس بارے میں آپ کی راہنمائی کرنے والا بنو اسلم کا ایک آدمی تھا۔ جب یہ خبر ان قریش کو پہنچی جو خالد بن ولید کے ساتھ تھے تو وہ

قریش کی طرف چلے تاکہ انہیں اس خبر سے آگاہ کریں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ تک پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے کہا: یہ بغیر کسی وجہ کے بیٹھ گئی ہے اور یہ اڑی کر گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس نے اڑی نہیں کی نہ اس کا یہ طریقہ ہے لیکن اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، آج قریش جس معاہدہ کی طرف مجھے دعوت دیں گے جس میں صلہ رحمی ہو تو میں انہیں وہ تحریر دے دوں گا'' پھر رسول اللہ ﷺ وہاں فروکش ہوئے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ﷺ اس وادی میں پانی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اپنے صحابہ میں سے ایک ساتھی کو عطا فرمایا تو وہ اس وادی کے ایک بے آباد کنواں میں سے ایک کنوئیں میں اترا اس کے وسط میں اسے گاڑھا تو کثیر پانی سے وہ جوش مارنے لگا یہاں تک کہ وہ پانی سب لشکر کو کافی ہو گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی تیر کے ساتھ اس کنوئیں میں اترا تھا وہ حضرت ناجیہ بن جندب بن عمیر اسلمی تھے وہ اس دن نبی کریم ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو ہانکنے والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنوئیں میں تیر لے کر جانے والے حضرت براء بن عازب تھے اس کے بعد نبی کریم ﷺ اور قریش کے کفار کے درمیان سفارت کا سلسلہ جاری ہوا سفراء کی آمد و رفت اور باہم نزاع لمبا ہوتا گیا یہاں تک کہ سہیل بن عمرو عامری آیا تو اس نے آپ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں گے جب اگلا سال آئے گا تو عمرہ کے ارادہ سے آئیں گے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ مکرمہ میں بغیر اسلحہ داخل ہونگے صرف ان کے پاس تلواریں ہونگی وہ بھی نیاموں میں ہونگی سرور دو عالم ﷺ اور قریش کے درمیان صلح رہے گی، لوگ ان سالوں میں ایک دوسرے سے ملیں گے وہ ایک دوسرے سے امن میں ہوں گے، کفار میں سے جو مرد یا عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے گا اسے کفار کی طرف لوٹا دیا جائیگا اور مسلمانوں میں سے جو مرتد ہو کر کفار کے پاس چلا جائے گا تو اسے مسلمانوں کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں پر بڑا شاق گذرا یہاں تک کہ بعض نے اس بارے میں گفتگو بھی کی۔ رسول اللہ ﷺ بخوبی آگاہ تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''تم صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس صلح کو اپنے دین کے غلبہ کا سبب بنا دے گا'' پہلے صحابہ کے دلوں میں کچھ دوری پیدا ہو چکی تھی کہ اس گفتگو کے بعد ان میں انس پیدا ہو گیا۔ سہیل بن عمرو نے اس بات سے انکار کر دیا کہ صلح نامہ کے سرنامہ پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھے قریش نے آپ سے کہا: اگر ہم آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم آپ کو اس بات سے کیوں روکیں جس کا آپ ارادہ کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ آپ لکھیں باسمك اللهم حضرت علی شیر خدا نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول کے لفظ کو مٹانے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے مجھ پر پیش کرو'' تو رسول اللہ ﷺ نے وہ الفاظ اپنے ہاتھوں سے مٹا دیے اور حکم دیا کہ وہ لکھیں محمد بن عبد اللہ صلح کی تحریر کے بعد اسی روز حضرت ابو جندل بن سہیل آئے جبکہ وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے والد کے حوالے کر دیا۔ یہ عمل مسلمانوں پر بڑا شاق گذرا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا اور ابو جندل کو بھی بتایا کہ ''اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرما دے گا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ اہل مکہ نے آپ کو قتل کر دیا ہے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دعوت دی کہ وہ اہل مکہ سے جنگ کرنے کی بیعت کریں۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے موت پر بیعت لی۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ان سے یہ بیعت لی کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ یہ ایک درخت کے نیچے بیعت رضوان تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بتایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور یہ بتایا کہ وہ آگ میں داخل نہیں ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا تاکہ یہ حضرت عثمان کی جانب سے بیعت ہو جائے تو گویا وہ ایسے ہو گئے جیسے وہ حاضر ہیں۔ وکیع نے اسماعیل بن ابی خالد سے وہ شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے روز سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ حضرت ابوسفیان اسدی تھے۔

صحیح مسلم میں ابوزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم حدیبیہ کے روز چودہ سو تھے (1) ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا، کہا: ہم نے آپ کی اس امر پر بیعت کی کہ ہم نہیں بھاگیں گے، ہم نے موت پر آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے یہ سنا کہ حضرت جابر سے سوال کیا تھا کہ وہ حدیبیہ کے روز کتنے تھے؟ کہا: ہماری تعداد چودہ سو تھی، ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا ہم نے آپ کی بیعت کی۔ صرف جد بن قیس انصاری نے بیعت نہ کی وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔

سالم بن ابی جعد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اصحاب شجرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اگر وہ ایک لاکھ ہوتے تب بھی وہ ہمیں کفایت کر جاتی، ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ ایک روایت میں ہے: ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ بیعت کرنے والے تیرہ سو تھے، بنو اسلم مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔ یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ میں نے سلمہ سے کہا: حدیبیہ کے روز تم نے کس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی؟ جواب دیا: موت پر۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح نامہ لکھا یہ وہ تحریر ہے (2) جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں نے کہا: تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھو اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''اسے مٹا دو''۔ تو حضرت علی نے عرض کی: مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اسے مٹا دوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود مٹا دیا۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور تین دن قیام کریں گے وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونگے مگر جلبان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الأمارۃ، مبایعۃ الأمام الجیش عند ارادۃ القتال، جلد 2، صفحہ 129

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، صلح الحدیبیۃ، جلد 2، صفحہ 105

السلاح۔ میں نے ابو اسحاق سے پوچھا: یہ جلبان السلاح سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: تھیلا اور اس میں جو کچھ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے صلح کی جن میں سہیل بن عمرو بھی تھا نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل بن عمرو نے کہا: جہاں تک باسم اللہ کا تعلق ہے ہم اسے جانتے ہیں ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم جانتے ہیں یعنی باسمك اللهم فرمایا: ''لکھو محمد رسول کی جانب سے'' انہوں نے کہا: اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم آپ کی پیروی کرتے بلکہ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو۔ نبی کریم ﷺ فرمایا: ''لکھو محمد بن عبداللہ کی جانب سے'' انہوں نے نبی کریم ﷺ پر یہ شرط لگائی کہ جو آدمی آپ کی جانب سے ہمارے پاس آئیگا ہم اسے آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا آپ اسے واپس کر دیں گے۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم یہ شرط لکھیں گے، فرمایا: ''ہاں! ہم میں سے جو ان کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ نے اسے دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرما دے گا''۔

ابو وائل سے مروی ہے حضرت سہیل بن حنیف نے صفین کی جنگ کے دن کہا: اے لوگو! اپنی ذاتوں پر تہمت لگاؤ ہم حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اگر ہم جنگ کی رائے رکھتے تو ضرور قتال کرتے (1) وہ صلح رسول اللہ ﷺ اور مشرکوں کے درمیان تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: ''کیوں نہیں'' عرض کی: کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں؟ فرمایا: ''کیوں نہیں'' عرض کی: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں اور ہم واپس جا رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: ''اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا'' کہا: حضرت عمر چلے گئے اور غصہ کی وجہ سے صبر نہ کر سکے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا: اے ابو بکر! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں پوچھا: کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ کہا: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں ہم واپس جا رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ابھی تک فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: اے ابن الخطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ اسے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ پر سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کی طرف پیغام بھیجا اور اسے یہ سورت سنائی۔ حضرت عمر نے عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' تو حضرت عمر کا نفس مطمئن ہو گیا اور واپس آ گئے۔

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ صحابہ کے دلوں میں جو صدق اور وفا موجود تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا(2)؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ابن جریج اور قتادہ نے کہا: معنی ہے بیعت کے حکم پر ان کے راضی ہونے کو جان لیا کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ مقاتل نے کہا: بیعت کی ناپسندیدگی کو جان لیا کہ وہ موت تک آپ کی معیت میں جنگ کرتے رہیں گے۔

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، صلح الحدیبیۃ، جلد 2، صفحہ 105 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ کو نازل کیا یہاں تک کہ انہوں نے بیعت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مشرکوں نے انہیں جو روکا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب پورا نہ ہوا اس پر مومنوں کے دل میں جو دکھ تھا اسے جان لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تھا کہ آپ کعبہ شریف میں داخل ہو نگے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ حالت نیند کا خواب تھا'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ارشاد میں اس سال داخل ہونے کا تو کوئی تذکرہ نہ تھا۔ سکینہ سے مراد طمانینت اور وعدہ کی صداقت پر سکون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس سے صبر ہے۔

وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۟ قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: مراد خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے(1)۔ ایک قراءت یہ کی گئی ہے وآتاھم۔

وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا مراد خیبر کے اموال ہیں۔ خیبر جائیداد اور اموال والا تھا یہ حدیبیہ اور مکہ کے درمیان ہے مَغَانِمَ اس تعبیر کی بنا پر فَتْحًا قَرِيْبًا سے بدل ہے اور واؤ زائدہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّ مَغَانِمَ سے مراد فارس اور روم ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۟

''(اے غلامان مصطفیٰ!) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم اپنے اپنے وقت پر حاصل کرو گے پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ صلح اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تاکہ ہو جائے یہ ہماری نصرت کی نشانی اہل ایمان کے لیے اور تاکہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراط مستقیم پر''۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: مراد قیامت کے دن تک غنیمتیں ہیں۔ ابن زید نے کہا: مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں (2) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ سے مراد خیبر ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے۔

وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ الناس سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی صلح کے ساتھ تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا۔ قتادہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ اور خیبر کی طرف نکلے تو مدینہ کے یہودیوں کو تم سے روک لیا؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے(3) کیونکہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکوں کے ہاتھوں کے روکنے کا ذکر وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ سے مراد عیینہ بن حصن فزاری، عوف بن مالک اور ان کے ساتھی ہیں کیونکہ وہ آئے تھے تاکہ اہل خیبر کی مدد کریں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں سے انہیں روک دیا۔

وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ان کی شکست اور تمہاری سلامتی مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اس سے وہ جان جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی موجودگی میں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی حفاظت فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ہاتھوں کو تم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 103 3۔ ایضاً، جز 26، صفحہ 105

سے روک دینا مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جلدی عطا فرمائی ہے وہ مومنوں کے لیے اس بارے میں نشانی ہو جائے کہ آپ اس وعدہ میں سچے ہیں کہ وہ اس نعمت کو ضرور پا ئیں گے وَ لِتَكُونَ میں واؤ کوفیوں کے نزدیک زائد ہے۔ بصریوں نے کہا: یہ عاطفہ ہے اس کا عطف کلام مضمر پر ہے تقدیر کلام یہ ہے کف أيدى الناس عنكم لتشكروه ولتكون آية للمومنين۔

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ یعنی تمہیں مزید ہدایت سے نوازے گا یا تمہیں ہدایت پر ثابت قدم کرے گا۔

وَّ أُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرًا ۝

"اور کئی مزید فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

وَّ أُخْرٰى یہ هذه پر معطوف ہے تقدیر کلام یہ بنے گا فعجل لكم هذه المغانم ومغانم اخرى۔

لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ فتوحات ہیں (1) جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں جس طرح فارس اور روم کا علاقہ اور اسی طرح کی دوسری فتوحات جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں؛ یہ حضرت حسن بصری، مقاتل اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے، ضحاک، ابن زید اور ابن اسحاق کا بھی یہ قول ہے: مراد خیبر ہے اللہ تعالیٰ نے فتح سے پہلے اپنے نبی سے اس کا وعدہ کیا مسلمان اس کی امید تک نہ رکھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتح کی صحابہ کو خبر دی۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے اور قتادہ کا قول ہے مراد فتح مکہ ہے (2): عکرمہ نے کہا: مراد حنین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا یہ اس امر پر دال ہے کہ اس کے لیے کوشش پہلے کی گئی اور فی الحال مطلوب کا حصول فوت ہو چکا تھا جس طرح مکہ مکرمہ کے بارے میں تھا؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: قیامت تک کے لیے فتوحات مراد ہیں اور قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے یہ اس چیز کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا ہو یہ چیز محصور ہے اب اس کے فوت ہونے کا امکان نہیں تم اگرچہ اس وقت اس پر قادر نہیں ہو مگر یہ تمہارے لیے محبوس کی جا چکی ہے وہ تم سے فوت نہ ہوئی یعنی تمہارے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا سے مراد ہے وہ جانتا ہے کہ وہ تمہارے لیے ہے؛ جس طرح ارشاد فرمایا: وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ (الطلاق) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے محفوظ کر دیا ہے تا کہ اس کی فتح تمہارے لیے ہو۔

وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

"اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے دنیا بھر میں اپنا دوست اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 318
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 47

مددگار، یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز تبدیلی نہیں پائے گا''۔

وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ قتادہ نے کہا: مراد قریش کے کفار ہیں (1) جو حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنو غطفان، بنو اسد اور کفار ہیں جنہوں نے اہل خیبر کی مدد کا ارادہ کیا تھا وبال انہیں پر جا پڑا۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ سنة سے مراد طریقہ اور عادت ہے جو اس نے اپنے دوستوں کی دشمنوں کے خلاف مدد کی۔ سنة کا لفظ مفعول مطلق کے طور پر منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُنَّةَ اللّٰهِ سے مراد کسنة الله، ہے سنة کا معنی طریقہ اور سیرت ہے، شاعر کہتا ہے:

فلا تَجزَعَن من سِيرةٍ أنت سِرْتَها     فأوّلُ راضٍ سُنَّةً من يَسيرها

جس طریقہ پر تو چلا ہے اس سے نہ گھبرا جو آدمی کسی راستہ پر چلتا ہے وہی اس پر راضی ہوتا ہے۔

سنة کا معنی یہ بھی ہے یہ مدینہ کی کھجوروں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

**وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾**

''اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا''۔

وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ اس سے مراد حدیبیہ ہے۔ یزید بن ہارون نے روایت نقل کی ہے کہ حماد بن سلمہ، ثابت سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے اسی افراد مسلح ہو کر تنعیم پہاڑ سے اترے وہ بے خبری کے عالم میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے ہم نے انہیں جھگڑے کے بغیر پکڑ لیا اور انہیں زندہ رہنے کا موقع دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے جس درخت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے اسی اثنا میں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ تیس نوجوان ہمارے سامنے آ گئے جو مسلح تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا هل جئتم فی عهد أحد أو هل جعل لكم أحد أمانا کیا تم کسی فرد کے عہد و پیمان میں یہاں آئے ہو یا کسی نے تمہیں امان دی ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے انہیں جانے دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابن ہشام نے وکیع سے ذکر کیا ہے: قریش کے ستر یا اسی افراد مسلمانوں پر غارت گری مچانے اور ان کے اطراف میں کوئی موقع تلاش کرنے کے لیے آئے مسلمان ان کا ارادہ بھانپ گئے تو مسلمانوں نے انہیں قیدی بنا لیا یہ اس وقت ہوا جب

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 108

صلح کے بارے میں گفتگو کے لیے سفراء آ جا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا۔ ان افراد کو عتقاء کہا جاتا ان میں حضرت معاویہ اوران کے والد بھی تھے۔

مجاہد نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے نکلے کہ بے خبری کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حرم سے کچھ افراد کو پکڑ لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا یہ کامیابی مکہ کی وادی میں ہوئی تھی (1)۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی تھا جسے زنیم کہا جاتا وہ حدیبیہ کے ایک ٹیلہ پر چڑھا تو مشرکوں نے اسے تیر مارا اور اسے قتل کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھڑسوار دستہ بھیجا تو وہ کفار کے بارہ شاہسوار پکڑ کر لے آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ''کیا تمہارے حق میں میرے اوپر کوئی عہد و پیمان ہے (2)؟'' انہوں نے عرض کی: نہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابزی اور کلبی نے کہا: مراد اہل حدیبیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ مسلمانوں سے روک لیے یہاں تک کہ صلح ہوگئی سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور مسلمانوں کا قصد کیا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو بھی ان سے روک لیا تھا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت خالد بن ولید مشرکوں کے گھڑسوار دستہ میں موجود تھے۔ قشیری نے کہا: یہ ایک روایت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ وہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا: صلح کی بات چل رہی تھی کہ ابوسفیان آئے جبکہ وادی میں لوگوں اور اسلحہ کی ریل پیل تھی، کہا: میں چھ مشرکوں کو ہانکتا ہوا لایا جو مسلح تھے وہ اپنی ذاتوں کے لیے نفع اور نقصان کے کوئی مالک نہ تھے میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا حضرت عمر راستہ میں تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم جنگ جو لوگوں کے پاس آ رہے ہیں نہ ہمارے پاس کوئی اسلحہ ہے اور نہ ہی سواری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں سے ہی مدینہ کی طرف بھیجا تو صحابہ ہر قسم کا اسلحہ اور ہر قسم کے جانور لے آئے جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عکرمہ بن ابی جہل پانچ سو سواروں کے ساتھ آپ کے مقابلہ کے لیے نکلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: ''یہ تیرا چچازاد ہے جو پانچ سو سواروں کے ساتھ آ رہا ہے'' حضرت خالد نے عرض کی: میں اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ہوں۔ اسی دن سے انہیں سیف اللہ کا لقب دیا گیا ان کے ساتھ گھڑسوار دستہ تھا انہوں نے کفار کو بھگا دیا اور مکہ کی دیواروں تک دھکیل دیا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے ان کے درمیان لڑائی پتھروں کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیروں اور تیر کمانوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کف الید سے مراد معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ کفار میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو وہ ان پر لوٹا دیا جائے گا۔ مکہ مکرمہ سے کچھ مسلمان نکلے انہیں خوف تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مشرکوں کی طرف لوٹا دیں گے وہ ساحل سمندر پر اکٹھے ہوگئے ان میں حضرت ابوبصیر بھی تھے وہ کفار پر غارت گری مچاتے اور ان کے قافلے لوٹ لیتے یہاں

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 109 2۔ ایضاً، جز 26، صفحہ 110

تک کہ قریش کے سردار نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: انہیں اپنے پاس بلا لیجئے تا کہ ہم امن میں ہو جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بنو غطفان اور بنو اسد نے خیبر کے یہودیوں کا مسلمانوں سے دفاع کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ یہودیوں کے حلیف تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے روک دیا یہی کفّ الید ہے۔

بِبَطْنِ مَكَّةَ اس میں دو قول ہیں: (1) مراد مکہ مکرمہ ہے (2) مراد حدیبیہ ہے، کیونکہ اس کا کچھ حصہ حرم کا حصہ ہے۔۔ ماوردی نے کہا: مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ سے مراد فتح مکہ ہے۔ یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت صلح حدیبیہ کے متعلق فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جس طرح ہم نے صحابہ اور تابعین میں سے علماء سے روایت نقل کی ہے امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ عبد بن حمید، سلیمان بن حرب سے وہ حماد بن سلمہ سے وہ ثابت سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اسی افراد تنعیم پہاڑ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر اترے جبکہ نماز صبح کا وقت تھا وہ ارادہ رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو شہید کر دیں انہیں پکڑ لیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ جہاں تک فتح مکہ کا تعلق ہے جس پر اخبار دلالت کرتی ہیں کہ وہ زبردستی فتح ہوا اس بارے میں گفتگو سورۂ حجر میں اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۲۵

"یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا گیا مسجد حرام میں (داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں، اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی انکی طرف سے عار بے علمی کے باعث (نیز) تا کہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے اگر (یہ کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے"۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 159

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مراد قریش ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے سال تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھا انہوں نے قربانی کے جانوروں کو روک دیا اور انہیں اپنی جگہ تک نہ پہنچنے دیا وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے لیکن خود سری نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا اور دور جاہلیت کی حمیت نے انہیں دعوت دی کہ وہ وہ کام کریں جس کا وہ بطور دین اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر انہیں شرمندہ کیا اور اس پر انہیں دھمکی دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انس فرمایا کہ اس امر کی وضاحت کی اور آپ سے وعدہ کیا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا معکوف کا معنی محبوس ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی موقوف ہے۔ ابن علاء نے کہا: اس کا معنی مجموع ہے۔ جوہری نے کہا: عكفه أي حبسه ووقفه، يعكِفه وَيعْكُفه عَكْفًا۔ اسے قید رکھنا، روکے رکھنا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماعكفك عن كذا کس چیز نے تجھے اس چیز سے روکا؟ اسی معنی میں الاعتكاف في المسجد ہے، یعنی مسجد میں رکنا۔

اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ محل سے مراد قربان کرنے کی جگہ ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مراد حرم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: جس آدمی کو بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا گیا ہو اس کی ہدی کا محل حرم ہے، محل کسی شے کی غایت کو کہتے ہیں جب محل ہو تو مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ جا کر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ ہدی کے جانور ستر اونٹ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کے ساتھ اس جگہ کو ان کا محل بنا دیا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ کے تحت گزر چکی ہے صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو زبیر سے مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ ہم نے حدیبیہ کے سال اونٹ سات افراد کی جانب سے اور گائے سات افراد کی جانب سے ذبح کی (2)۔ ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہر سات افراد ایک اونٹ میں شریک ہوتے۔ ایک آدمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا بدنہ میں اتنے لوگ شریک ہو سکتے ہیں جتنے جزور میں شریک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا: وہ بدن ہی تو ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ میں موجود تھے کہا: ہم نے اس روز ستر اونٹ ذبح کیے تھے ہم آپس میں شریک ہوئے سات افراد ایک اونٹ میں ساتھی بنے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم عمرہ کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو قریش کے کفار بیت اللہ شریف کی زیارت سے مانع بن گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کو ذبح کیا اور اپنے سر کا حلق کرایا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس روز جس صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلق کیا تھا وہ خراش بن امیہ بن ابی العیص خزاعی تھا۔ رسول

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 319

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جواز الاشتراك في الهدي واجزاء البدنه والبقرة، جلد 1، صفحہ 424

3۔ صحیح بخاری، ابوب العمرة، اذا احصر المعتمر، جلد 1، صفحہ 243

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قربانی دیں اور احرام اتار دیں، صحابہ نے توقف کے بعد یہ کام کیا جس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہوئے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی: اگر آپ جانور کو ذبح کریں تو وہ بھی ذبح کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانور ذبح کیا تو صحابہ نے بھی اپنے جانور ذبح کر دیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا حلق کرایا اور حلق کرانے والوں کے حق میں تین دفعہ دعا کی اور قصر کرانے والوں کے حق میں ایک دفعہ دعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ جوئیں ان کے چہرے سے گر رہی تھیں فرمایا: ''کیا تجھے یہ جوئیں تکلیف دیتی ہیں (1)؟'' عرض کی: جی ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلق کرانے کا حکم دیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے۔ اسے امام بخاری اور دارقطنی نے نقل کیا ہے، یہ روایت سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ وَ الْهَدْيَ، الهدْی اور الهدِیّ دونوں لغتیں ہیں اسے حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدِیّ مَحِلَّه پڑھا گیا ہے یعنی تخفیف وتشدید دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا واحد هدِيَّة ہے سورۂ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ اس کا عطف صَدُّوْكُمْ کی ضمیر مخاطب کم پر ہے مَعْكُوْفًا یہ حال ہے اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ میں ان کا محل حرف جار کے حذف کرنے کے ساتھ نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی صدوا کم وصدوا الهدی عن ان یبلغ یہ جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو، گویا یہ فرمایا: وصدوا الهدی کراهیة ان یبلغ ابوعلی نے کہا: اس کا عکف پر حمل کرنا درست نہیں کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ عکف فعل متعدی میں آتا ہے آیت میں مَعْكُوْفًا آنا یہ اس امر کے جواز پر دال ہوگا کہ یہ معنی پر محمول ہو گویا جب یہ حبس (روکنا) ہے تو معنی کو اس پر محمول کیا جائے گا جس طرح رفث کو افضاء کے معنی پر محمول کیا جاتا ہے تو اسے الی کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے مگر اسے اس پر محمول کیا جائے تو اس کا محل نصب ہوگا۔ اگر سیبویہ کے قول پر قیاس کریں گے اور خلیل کے قول کے مطابق محل جر ہوگا یا مفعول ہوگا گویا کہا: اسے محبوس کیا گیا ہے یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ اپنے محل تک پہنچے۔ یہ بھی جائز ہے کہ أنْ میں جر کی تقدیر عن کے ساتھ ہو جو گذر چکا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وصدوکم عن المسجد الحرام وصدوا الهدی عن أن یبلغ محله اس کی مثل وہ روایت ہے جو سیبویہ نے یونس سے بیان کی ہے مررت برجل إنْ زیدٍ وإنْ عمرو۔ حرف جار کو مضمر کیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ مراد مکہ مکرمہ میں مومنوں میں سے کمزور لوگ ہیں جو کفار کے درمیان رہتے تھے، جس طرح حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت ابوجندل بن سہیل اور ان کی مثل لوگ ہیں۔ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ تم انہیں پہچانتے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نہیں جانتے کہ وہ مومن ہیں۔ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ تم انہیں قتل کر کے اور ان پر ٹوٹ پڑنے کے ساتھ انہیں روند دو۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: وطئت القوم یعنی ان پر ٹوٹ پڑا۔ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ اس کے بارے میں جائز ہے کہ یہ رجال ونساء سے بدل کے طور پر مرفوع ہو گویا تقدیر کلام یہ ہوگی لولا وطئکم رجالا

1۔ صحیح بخاری، ابواب العمرہ، قول اللہ تعالیٰ او صدقة وهی اطعام ستة مساكين، جلد 1، صفحہ 244

مؤمنین ونساء مومنات۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ کی ضمیر غائب ھم سے بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی لم تعلموهم وطأهم دونوں صورتوں میں یہ بدل اشتمال ہے لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ یہ رجال اور نساء کی صفت ہوگی اور لولا کا جواب محذوف ہے ولو أن تطؤر جالا مؤمنين ونساء مؤمنات لم تعلموهم لا ذن الله لكم في دخول مكة ولسلطكم عليهم لیکن وہ لوگ جو اپنے ایمانوں کو مخفی رکھے ہوئے ہیں ہم نے ان کی حفاظت کی ہے۔

ضحاک نے کہا: اگر کفار کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں میں مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم ان کے آباء کو روند ڈالو گے تو ان کے بیٹے بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ معرة سے مراد عیب ہے یہ عر سے مفعلہ کا وزن ہے جس کا معنی جرب (خارش) ہے یعنی مشرک کہتے: انہوں نے اپنے دینی بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قتل کی وجہ سے تمہیں وہ چیز پہنچتی جو اس وجہ سے تم کو لازم ہوتی ہے یعنی قتل خطا کا کفارہ (1)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دارالحرب میں مومن کے قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے دیت لازم نہیں کی جب کہ اس نے ہجرت نہ کی ہو اور اس کے ایمان کا علم بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء: 92) یہ کلبی، مقاتل اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ النساء میں گذر چکی ہے۔ ابن زید نے کہا: معرة کا معنی گناہ ہے۔ جوہری اور ابن اسحاق نے کہا: معنی ہے دیت کی چٹی۔ قطرب نے کہا: سختی اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: غم۔

**مسئلہ نمبر 3۔** بِغَيْرِ عِلْمٍ صحابہ کی فضیلت کا ذکر ہے اور ان کی صفت کریمہ کی خبر دی جارہی ہے کہ وہ معصیت سے دور اور تعدی سے محفوظ رہتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ اس میں سے کوئی چیز پائیں تو بغیر ارادہ کے وہ چیز ان سے صادر ہوتی ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی صفت بیان کی لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (النمل)

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** لِيُدْخِلَ میں لام محذوف کے متعلق ہے معنی یہ بنے گا اگر تم انہیں قتل کرو گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایمان کے متعلق ہو۔ مومنات کے علاوہ اسے صرف مومنین پر محمول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی مومنین کو چھوڑ کر اسے مومنات پر محمول کیا جائیگا کیونکہ سارے رحمت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مشرکین سے قتال کی اجازت نہیں دی تاکہ اہل مکہ میں سے جن کے بارے میں مسلمان ہونے کا فیصلہ ہوا ہے وہ صلح کے بعد مسلمان ہو جائیں اور اسی طرح ان میں سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے اور ان کا اسلام بہت اچھا ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوئے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 320

**مسئلہ نمبر** 2۔ لَوْ تَزَيَّلُوْا انزیلوا کا معنی تمیزوا ہے یعنی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جدا جدا ہو جائیں؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو کفار کو تلوار کے ساتھ عذاب دیا جاتا؛ یہ ضحاک کا قول ہے لیکن اللہ تعالیٰ مومنوں کی وجہ سے کفار کا دفاع کرتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس آیت لَوْ تَزَيَّلُوْا کے بارے میں پوچھا، فرمایا: مراد وہ مشرک ہیں جو نبی اللہ کے اجداد(1) میں سے تھے جو ان کے بعد ہوئے اور جو ان کے زمانہ میں ہوئے جن کی پشتوں میں مومن تھے اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب الیم دیتا۔

**مسئلہ نمبر** 3۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مومن حرمت کی وجہ سے کافر کے ساتھ رعایت کی جائیگی کیونکہ کافر کو اذیت مومن کو اذیت دینے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ابوزید نے کہا: میں نے ابن قاسم سے کہا بتایئے کہ مشرکوں کی ایک جماعت اپنے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں ہو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا ہو مشرکوں کے پاس مسلمانوں کے کچھ قیدی ہوں کیا اس قلعہ کو جلا دیا جائیگا یا نہیں؟ کہا: میں نے امام مالک سے سنا آپ سے ان مشرکوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا جو اپنی کشتیوں میں سوار ہیں کیا ہم ان پر آگ برسا سکتے ہیں جبکہ ان کشتیوں میں قیدی بھی ہیں؟ کہا: امام مالک نے فرمایا میں اسے جائز نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اہل مکہ کے لیے فرمان ہے: لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا اسی طرح اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو ڈھال بنا لے تو اس کو تیر مارنا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تیر مارا اور کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا تو اس پر دیت اور کفارہ ہوگا اگر علم نہ ہو تو نہ دیت ہوگی اور نہ کفارہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں علم ہو تو انہیں تیر مارنا جائز نہیں اگر وہ اس کے باوجود ایسا کریں تو وہ خطا قتل کرنے والے ہونگے اور دیت ان کی عاقلہ پر ہوگی اگر وہ نہ جانتے تو ان کو تیر مارنا جائز ہو جاتا جب فعل جائز ہو گیا تو یہ جائز نہیں کہ ان پر کسی قسم کا بوجھ ہو۔ ابن عربی نے کہا: ایک جماعت کا کہنا ہے اس کا معنی ہے اگر وہ عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں سے جدا ہو جاتے (2)۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ جو پشت میں ہے یا پیٹ میں ہے اسے نہیں روندا جاتا اور اس کی وجہ سے کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا جو عورت کے بطن میں ہو اور مرد کی پشت میں ہو اس کا اطلاق حضرت ولید بن ولید، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ابوجندل بن سہیل پر ہوتا ہے؛ امام مالک نے اسی طرح کہا ہے۔ ہم نے ایک رومی شہر کا محاصرہ کیا پانی ان سے روک لیا گیا وہ قیدیوں کو نیچے اتارتے جو ان کے لیے پانی لے جاتے تو انہیں تیر مارنے پر کوئی قدرت نہ رکھتا تو ہماری پسند کے بغیر پانی مل جاتا۔ امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب اور امام ثوری نے مشرکوں کے قلعوں پر پتھر پھینکنے کی اجازت دی اگرچہ ان میں مسلمان قیدی اور ان کے بچے ہوں اگر کوئی مشرک مسلمان کے بچے کو ڈھال بناتا ہے تو مشرک پر تیر برسایا جائیگا اگر کسی مسلمان کو وہ لگ جاتا ہے تو اس میں دیت اور کفارہ نہیں ہوگا۔ ثوری نے کہا: اس میں

1۔ علامہ آلوسی اور امام رازی وغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کو موحد ثابت کیا ہے۔

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1708

کفارہ ہوگا دیت نہ ہوگی۔ امام شافعی ہمارے قول کی موافقت کرتے ہیں کیونکہ ممنوع کے ہوتے ہوئے مباح چیز کا حصول جائز نہیں خصوصاً جب مسلمان کی زندگی کا سوال ہو۔ اس لیے قول وہی درست ہے جو امام مالک کا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل کرنا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ان شاء اللہ۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مصلحت ضروریہ کلیہ قطعیہ ہو۔ اس کے ضروری ہونے کا معنی یہ ہے کہ کفار تک تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ اس ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل نہ کیا جائے، کلیہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ ڈھال کو قتل کرنے میں تمام مسلمانوں کی مصلحت ہو اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو کفار اس ڈھال کو قتل کر دیں گے اور تمام امت پر غالب آجائیں گے قطعیہ کا معنی یہ ہے کہ اس ڈھال کو قتل کرنے سے وہ مصلحت قطعی طور پر حاصل ہو جائیگی ہمارے علماء کا کہنا ہے: ان قیود کے ساتھ اس مصلحت کو بنیاد بنانے میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ فرض کیجئے کہ ڈھال بنایا گیا فرد قطعی طور پر قتل ہو جاتا ہے تو وہ دشمنوں کے ہاتھوں مارا جائے گا تو عظیم فساد ظاہر ہو جائے گا وہ دشمنوں کا مسلمانوں پر غلبہ ہے یا وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائیگا تو دشمن ہوگا اور تمام مسلمان نجات پا جائیں گے۔

کسی دانشمند کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے: اس صورت میں کسی وجہ سے بھی ڈھال کو قتل نہ کیا جائیگا کیونکہ اس طریقہ کی ڈھال سے اسلام اور مسلمان سب برباد ہو جائیں گے لیکن جب یہ مصلحت فساد سے خالی نہیں تو وہ آدمی جو اس میں دقت نظر سے کام نہیں لیتا اس کا نفس اس سے نفرت کرتا ہے کیونکہ وہ فساد اس حاصل ہونے والے نفع کے مقابلہ میں معدوم ہے یا معدوم کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ عام قراءت لَوْتَزَيَّلُوْا ہے مگر ابوحیوہ نے اسے لوتزایلوا پڑھا ہے معنی میں یہ بھی تزیلوا کی طرح ہے تزایل کا معنی جدا ہونا ہے تزیلوا یہ تفعلوا کا وزن ہے یہ زِلتُ سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ تفعیلوا کا وزن ہے۔

لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لام یہاں سے یہ دو کلاموں کا جواب ہے: (1) لَوْلَا رِجَالٌ (2) لَوْ تَزَيَّلُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ لولا کا جواب محذوف ہے جبکہ وہ پہلے گذر چکا ہے اور لَوْتَزَيَّلُوْا سے نئی کلام شروع ہو رہی ہے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾

''جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول مکرم پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقوی کے کلمہ پر اور وہ اس کے حقدار بھی تھے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اِذْ میں عامل لَعَذَّبْنَا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لعذبناهم إذ جعلوا هذا یا یہ فعل مضمر ہے تقدیر کلام اذکر وا ہے الْحَمِیَّةَ یہ

فعلیۃ کا وزن ہے جس کا معنی ضد ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَمِیت عن کذا حَمِیَّة و مَحْمِیَة۔ جب تو اس سے خودداری کا اظہار کرے اور تجھے شرمندگی لاحق ہو کہ تو اس امر کو کرے۔ اسی معنی میں متلمس کا قول ہے:

أَلَا إِنَّنِي منهم وعِرْضِي عِرْضُهم كَذِي الأُنْفِ يحمي أَنْفَه أَنْ يُكْشَمَا

خبردار! میں ان میں سے ہوں اور میری عزت انکی عزت ہے جس طرح خوددار آدمی ہوتا ہے وہ اس امر سے حمیت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی ناک توڑ دی جائے۔

زہری نے کہا: ان کی حمیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار سے ضد کا اظہار کرنا (1) اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ساتھ کلام شروع کرنے سے ضد کا اظہار تھا اور صحابہ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنا تھا جو آدمی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے سے رک گیا تھا وہ سہیل بن عمرو تھا جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔

ابن بحر نے کہا: ان کی حمیت سے مراد ان کا اپنے معبودوں کے بارے میں عصبیت کا اظہار ہے (2) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں ضد تھی کہ وہ کسی اور کی عبادت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: انہوں نے ہمارے بیٹوں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کیا پھر وہ ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں لات وعزیٰ کی قسم! وہ اس شہر میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سکینہ سے مراد طمانیت اور وقار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تسلیم و رضا کے اوپر پختہ کرنا ہے کفار کے دلوں میں جو ضد داخل کی وہ ان کے دلوں میں داخل نہیں کی۔

وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلِمَةَ التَّقْوٰی سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے ایک مرفوع حدیث ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے (3) یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، عمرو بن میمون، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، سلمہ بن کہیل، عبید بن عمیر، طلحہ بن مصرف، ربیع، سدی اور ابن زید کا قول ہے یہی قول عطا خراسانی کا ہے انہوں نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اضافہ کیا۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ واللہ اکبر ہے۔ عطا بن ابی رباح اور مجاہد نے یہ بھی کہا اس سے مراد لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كلّ شئ قدير (4) ہے۔ زہری نے کہا: مراد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے یعنی مشرکوں نے اس کلمہ کا اقرار نہ کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کے لیے خاص کیا۔ كَلِمَةَ التَّقْوٰی سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ساتھ شرک سے بچا جاتا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: كَلِمَةَ التَّقْوٰی سے مراد اخلاص ہے (5) وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا وہ کفار مکہ کی بنسبت اس کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 320 2۔ ایضاً
3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 159۔ ایضاً، حدیث نمبر 3558، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 122 5۔ تفسیر مجاہد، سورۂ فتح، صفحہ 259

اپنے دین اور اپنے نبی کی صحبت کے لیے انہیں پسند کر لیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، پس جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرما دی تمہیں اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے“۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں اس حالت میں داخل ہوں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کر لی تو منافقوں کو شک ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ضرور داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ وہ اس سال کے علاوہ اور کسی سال میں مکہ مکرمہ داخل ہوں گے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابوبکر صدیق نے ہی یہ بات کی تھی کہ خواب کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہوتا آپ ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ خواب حدیبیہ کے متعلق ہی تھا اور انبیاء کے خواب حق ہوتے ہیں اور خواب انبیاء کو وحی کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہوا کرتی ہے۔

**لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** یعنی آنے والے سال تم اس میں داخل ہو گے۔ ابن کیسان نے کہا: نبی کریم ﷺ کو خواب میں جو کچھ کہا گیا یہ اس کی حکایت ہے۔ نیند میں آپ کو خطاب کیا گیا جس طرح معمول تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خبر دی کہ اس نے یہ بات کی ہے اسی وجہ سے استثناء کی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعلیم دی اسی پر عمل کیا جب ارشاد فرمایا:

**وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ** (الکہف)

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایسے امر میں استثناء کی جو معلوم ہے تا کہ مخلوق اس چیز میں استثناء کرے جس کا وہ علم نہیں رکھتے؛ یہ حسین بن فضل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء **اٰمِنِيْنَ** سے ہے یہ کلام بندوں کے خطاب کی طرف لوٹے گی جس طرح معمول ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** کا معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہیں داخل ہونے کا حکم دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ تجھے سہولت دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان شاء اللہ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے۔ ابو عبید نے کہا: ان یہ اذ کے معنی میں ہے (2) یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝** (البقرۃ) یہ بھی اذ کنتم کے معنی میں ہے۔ یہ تعبیر حقیقت سے بعید ہے کیونکہ اذ زمانہ ماضی اور اذا زمانہ مستقبل میں فعل کو خاص کرنے کے لیے آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے مسجد حرام میں داخل ہونے کا وعدہ کیا اور مشیت

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 345
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 189

کی شرط کے ساتھ اسے متعلق کر دیا یہ حدیبیہ کے سال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو خبر دی تو صحابہ اس سے بہت خوش ہوئے پھر یہ اس سال سے مؤخر ہو گیا جس میں انہوں نے طمع کی تو اس نے انہیں دکھ دیا یہ معاملہ ان پر شدید ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کی اور واپس لوٹ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آنے والے سال میں اجازت دی تو یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ خواب میں آپ کو کہا گیا تھا: لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ آپ کو خواب میں جو کچھ کہا گیا تھا قرآن حکیم میں اس کی حکایت بیان کی گئی ہے یہاں کوئی شک وغیرہ کا معاملہ نہیں جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ استثناء شک پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی شک نہیں۔ لَتَدْخُلُنَّ یہ تو تحقیق ہے تو شک کیسے ہو گا ان، اذا کے معنی میں ہے اٰمِنِيْنَ یعنی دشمنوں سے امن میں ہونگے۔

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ حلق اور قصر سب مردوں کے لیے ہے اسی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر غلبہ دیا۔ حلق کرنا افضل ہے، عورتوں کے لیے صرف بال چھوٹے کرانے کا حکم ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مروہ پر چوڑے پھل والے تیر سے کاٹے تھے۔ یہ عمرہ میں ہوا تھا حج میں نہیں ہوا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں حلق کروایا تھا(1)۔

لَا تَخَافُوْنَ یہ محلقین اور مقصرین سے حال ہے تقدیر کلام یوں ہے غیر خائفین۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا یعنی مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں تاخیر میں جو بھلائی اور بہتری ہے تم اسے نہیں جانتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جونہی آپ حدیبیہ سے واپس آئے تو خیبر کی طرف چل دیئے اور اسے فتح کر دیا آپ خیبر کے اموال کے ساتھ واپس لوٹے اس سال میں جو قوت اور سامان پہلے تھا اس سے کئی گنا حاصل کیا اور اس سے کئی گنا سامان اور قوت کے ساتھ مکہ کی فتح کے لیے گئے۔ کلبی نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے(2) کہ ان کا مکہ مکرمہ میں داخلہ ایک سال تک ہو گا تم اسے نہیں جانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جانتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۝ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب کے علاوہ کی فتح مقرر کر دی؛ یہ ابن زید اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے؛ یہ اکثر مفسرین کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دور اسلام میں جو فتوحات نصیب فرمائیں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر ان میں سے کوئی فتح نہیں تھی کیونکہ جب لوگ ملتے ہیں تو باہم جنگ ہوتی ہے(3) جب صلح ہوئی تو جنگ ختم ہو گئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے وہ آپس میں ملے گفتگو کی کوئی آدمی اسلام کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا جبکہ وہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہو تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے ان دو سالوں میں اسلام میں اتنے افراد داخل ہوئے جتنے اس سے پہلے شامل ہوئے تھے یا اس سے زیادہ داخل ہوئے تھے۔ اس امر پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے حدیبیہ جو چھ ہجری کا سال ہے صحابہ کرام کی تعداد چودہ سو تھی حدیبیہ کے سال کے بعد آٹھ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1709 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 322 3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 124

ہجری کو تعداد دس ہزار تھی۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۞

"وہ اللہ ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو کتاب ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اور رسول کی صداقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے"۔

رَسُوْلَهٗ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ دین کے معنی میں مصدر ہے اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رسول کو تمام دین پر غالب کر دے یعنی جو دین مشروع کیا ہے دلیل کے ساتھ اس پر غالب کر دے یعنی ہاتھ اور تلوار، باقی ماندہ کو منسوخ کر دیا۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۞ شہیدا تفسیر کے طور پر منصوب ہے باء زائدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے شہید کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کے حق میں شہادت نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو معجزات کے ساتھ واضح کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ آپ کو بھیجا اس پر گواہ ہے کیونکہ کفار نے اس امر کا انکار کیا کہ وہ یہ لکھیں یہ وہ چیز ہے جس پر محمد ﷺ نے صلح کی۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۞

"(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور (وہ سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور رضا کے ان کے (ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ان کے اوصاف تورات میں مذکور ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی مرقوم ہیں (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا تنے پر اس کا جوبن خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تا کہ آتش غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار، اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد مبتدا اور رسول اس کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ محمد مبتدا ہے اور رسول اللہ اس کی صفت ہے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ کا عطف مبتدا پر ہے اور س کی خبر بعد میں ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف نہیں ہوگا پہلی تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات آپ کے صحابہ کی صفات سے بڑھ کر ہیں پس لفظ محمد مبتدا رسول اللہ اس کی خبر ہوگی وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ دوسرا مبتدا اور شهداء اس کی خبر ہوگی۔ اور رحماء دوسری خبر ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ میں ان صفات کا ہونا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل حدیبیہ کفار پر شدید ترین تھے یعنی بہت زیادہ سخت تھے جس طرح شیر اپنے شکار پر سختی کرنے والا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ سے مراد تمام مومن ہیں۔

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باہم شفقت کرتے ہیں اور باہم محبت کرتے ہیں: حضرت حسن بصری نے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے، گویا کہا: الذین معه فی حال شدتهم علی الکفار وتراحمهم بینهم یعنی حضور کے صحابہ کفار پر حالت شدت میں اور آپس میں رحم کرنے کی حالت میں ہیں۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ان کے بارے میں یہ خبر دینا ہے کہ وہ بہت زیادہ نماز پڑھتے ہیں يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ سے جنت اور رضا کے طلب گار ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سیما سے مراد علامت ہے اس میں دو لغتیں ہیں یعنی مد اور قصر، یعنی ان پر رات کے وقت بیدار ہونے اور جاگنے کی علامات روشن ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ہے اسماعیل بن طلحی، ثابت بن موسیٰ ابو یزید سے وہ شریک سے وہ اعمش سے وہ ابوسفیان سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کثرت صلاته باللیل حسن وجهه بالنهار (1) جس کی رات کے وقت نماز زیادہ ہو جاتی ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے۔

ابن عربی نے کہا: کچھ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلط طریقہ سے حدیث کے معنی کو چھپانے کی کوشش کی اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مروی نہیں (2)۔ ابن وہب نے امام مالک سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس نشانی سے مراد وہ نشانی ہے جو زمین پر سجدہ کرنے کی وجہ سے پیشانی پر پڑ جاتی ہے؛ سعید بن جبیر نے بھی یہی کہا ہے۔

حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس رمضان کی صبح کو نماز پڑھی جبکہ مسجد کا چھت بارش کی وجہ سے ٹپکا تھا وہ چھپر نما تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے جبکہ آپ کی پیشانی اور ناک کے بانسے پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو قیامت کے روز چہرے پر ہوگی (3)؛ یہ قول سعید

---

1۔ سنن ابن ماجہ، اقامة الصلوٰة والسنة فیها، باب ما جاء فی قیام اللیل، صفحہ 95۔ ایضاً حدیث نمبر 1322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1719 3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 127

بن جبیر نے بھی کیا ہے اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے؛ یہ زہری کا قول ہے۔ صحیح میں ہے حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے ''جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے گا کہ اسے جہنم سے نکالے تو وہ فرشتوں کو حکم دے گا جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا اسے جہنم سے نکالو اللہ تعالیٰ جس پر رحم کرنے کا ارادہ کرے گا (1) وہ وہ ہوں گے جو یہ کہتے تھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ فرشتے انہیں سجدہ کے نشان سے پہچان لیں گے، آگ انسان کو کھا جائے گی مگر سجدہ کا اثر باقی رہے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دے گا کہ وہ آگ کا نشان کھا جائے''۔

شہر بن حوشب نے کہا: ان کے چہروں میں سے سجدوں کی جگہیں یوں ہوں گی جس طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ سیما دنیا میں ہوگی وہ اچھی تعریف ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مراد خشوع اور تواضع ہے۔ منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ کے بارے میں پوچھا کیا اس سے مراد وہ نشان ہے جو آنکھوں کے درمیان ہوتا ہے؟ فرمایا: نہیں بعض اوقات انسان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے کی طرح چیز ہو جاتی ہے جبکہ اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد خشوع کی وجہ سے ان کے چہروں پر نور ہے۔ ابن جریج نے کہا: مراد وقار اور رونق ہے۔ شمر بن عطیہ نے کہا: مراد رات کی عبادت کی وجہ سے چہرے کی زردی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب تو انہیں دیکھے گا جبکہ وہ مریض نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ان کے چہروں میں زخم کا اثر نہیں بلکہ مراد زردی ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: وہ رات کو نماز پڑھتے ہیں جب صبح کرتے ہیں تو اس کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہوتا ہے اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے: ''جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے (2)'' اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ فراء نے کہا: اس کی دو وجوہ ہیں: اگر تو چاہے تو کہے: معنی ہے جس طرح ان کے اوصاف قرآن میں ہیں اسی طرح ان کے اوصاف تورات و انجیل میں ہیں تو وقف الْاِنْجِيْلِ پر ہوگا اگر تو چاہے تو کہے: کلام کا اختتام مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ پر ہے پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے اور کہے: وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ اس صورت میں وقف التَّوْرٰىةِ پر ہوگا۔ مجاہد نے کہا: ھو مثل واحد (3) یعنی یہ تورات اور انجیل میں ان کی صفت ہے اس صورت میں التَّوْرٰىةِ پر وقف نہیں ہوگا۔ وقف الْاِنْجِيْلِ پر ہوگا اور پھر کلام نئے سرے سے شروع کرے گا۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ معنی ہوگا: وھم کزرع، شَطْئَهٗ سے مراد اولاد ہے؛ یہ ابن زید اور دوسرے علماء کا نقطۂ نظر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایک پودا ہے جب اس کے بعد کوئی چیز نکلے تو یہ اس کے لیے کہیں گے: فقد شطأہ۔ اخفش نے اَخْرَجَ شَطْئَهٗ کے بارے میں کہا: یعنی وہ اپنی طرف نکالتا ہے، ثعلبی نے اسے کسائی سے روایت نقل کیا ہے۔ فراء نے کہا: اشطأہ الزرع فھو

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجهمية وغيرهم، جلد 2، صفحہ 1106

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلوٰة والسنة فيها، ماجاء في قيام الليل، صفحہ 95

3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 259

مشطئ۔ جب وہ نکلے۔

شاعر نے کہا:

أخرج الشطأ على وجه الثرى ومن الأشجار أفنان الثمر

اس نے روئے زمین پر کونپل نکالی اور درختوں سے مختلف قسم کے پھل حاصل ہوتے ہیں۔

زجاج نے کہا: اَخْرَجَ شَطْئَهٗ یعنی اس نے نباتات کو نکالا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شَطْئَهٗ سے مراد بالی کا کانٹا ہے عرب اسے سنا بھی کہتے ہیں یہ بھی ہے (ایک جڑی بوٹی سبز ہو تو اس سے بھیڑ بکریوں کو شدید درد ہو جاتا ہے)؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بالی ہے ایک دانہ سے دس، نو اور آٹھ بالیاں نکلتی ہیں؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر اور ابن ذکوان نے شطأہ طاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ حضرت انس، نصر بن عاصم اور ابن وثاب نے شطاہ پڑھا ہے جس طرح عصاہ ہوتا ہے۔ جحدری اور ابن ابی اسحاق نے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ سب لغتیں ہیں۔

یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی بیان فرمائی ہے یعنی وہ تھوڑے ہونگے پھر زیادہ ہونگے اور پھر کثیر ہو جائیں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت کا آغاز کیا تو آپ کمزور تھے ایک کے بعد ایک نے دعوت کو قبول کیا یہاں تک کہ آپ کا معاملہ قوی ہو گیا جس طرح ایک دانہ ہوتا ہے پہلے وہ کمزور ظاہر ہوتا ہے پھر ایک حال کے بعد دوسرے حال میں قوی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا پودا اور شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ یہ صحیح ترین اور قوی ترین مثال ہے۔ قتادہ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم سے ظاہر ہونگے جو کھیتی باڑی کریں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے (1)۔

فَاٰزَرَهٗ اسے قوی کیا یا اس کی مدد کی اور اسے مضبوط کیا یعنی اس کونپل نے کھیتی کو مضبوط کیا۔ ایک قول اس کے برعکس ہے۔ یعنی کھیتی نے کونپل کو مضبوط کیا۔ عام قراءت فَاٰزَرَهٗ ہے یعنی مد کے ساتھ ہے۔ ابن ذکوان، ابوحیوہ اور حمید بن قیس نے فأزرہ قصر کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح نَعَلَه ہے معروف مد ہی ہے؛ امراء القیس نے کہا:

بِمَحْنِيَة قد آزر الضال نَبْتُها مَجَرِّ جيوش غانمين وخُيَّبِ (2)

محل استدلال قد آزر ہے۔

فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ سوق سے مراد عدد (لکڑی) ہے جس پر وہ کھڑا ہوتا ہے پس وہی اس کے لیے پنڈلی ہے۔ سوق یہ ساق کی جمع ہے یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یہ کھیتی کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے کھیتی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور شطأ سے مراد صحابہ کرام ہیں وہ تھوڑے تھے پھر زیادہ ہو گئے، کمزور تھے قوی ہو گئے؛ یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ لام حرف جار محذوف کے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہو سکتی ہے فعل

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 191 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 142

اللہ هذا المحمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ لیغیظ بهم الکفار۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھے وہ مومن ہیں جن کے اعمال صالح ہیں مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ یعنی ایسا ثواب جو ختم نہ ہوگا وہ جنت ہے منھم میں من بعضیہ نہیں یعنی بعض صحابہ کو بعض سے خاص کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ عام ہے یعنی بیانیہ ہے جسطرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:30) اس میں تبعیض کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ یہ جنس کو بیان کرنے لیے ہے یعنی اس ناپاکی سے بچو جو اوثان کی جنس سے ہے کیونکہ ناپاکی کئی اجناس سے واقع ہوسکتی ہے ان میں زنا، سود، شراب نوشی اور جھوٹ ہے من داخل کیا گیا ہے جو جنس کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح منھم ہے یعنی اس جنس سے یعنی صحابہ کی جنس سے، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: أنفق نفقتك مِنَ الدراهم یعنی اپنا خرچ اس جنس سے بنادے۔ حضور ﷺ کے صحابہ کو مغفرت کے وعدہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے مقصد ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے ساتھ مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔ آیت میں ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ ہے کہ مِنْ کلام کی تاکید کے لیے ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے یہ بھی عربی کے قول کے قائم مقام ہے قطعت من الثوب قمیصا مراد ہے تمام کپڑے کو قمیص بنادیا۔ من یہاں بعضیت کو ثابت کرنے کے لیے ہے قرآن میں سے اس کا شاہد وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ (الاسراء:82) ہے۔

اس کا معنی ہم قرآن کو شفا دینے کے لیے نازل کرتے ہیں اس کا ہر حرف شفا دیتا ہے شفاء اس میں سے بعض کے ساتھ خاص نہیں۔ لغویوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو من کو جنسیہ کہتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی منزل الشفاء من جنس القرآن ومن جهة القرآن ومن ناحية القرآن زہیر نے کہا:

أمن أم أوفى دِمْنَةٌ لم تَكَلَّمَ کیا توام اوفی دمنہ سے بات نہیں کرے گا۔ یہاں بھی من جنسیہ ہے ایک اور شاعر نے کہا:

أخو رَغائبَ يعطيها ويسألها　　يأبى الظُّلامة منه النَّوْفَلُ الزُّفَرُ

اس شعر میں بھی من کسی چیز کی تقسیم کو بیان نہیں کرتا کیونکہ مقصود یابی الظلامة ہے کیونکہ وہ نوفل زفر ہے۔ نوفل سے مراد کثیر عطیہ ہے، زفر سے مراد لوگوں کی جانب سے بوجھ اور مشقت اٹھانے والا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ ابو عروہ زبیری حضرت زبیر کے بیٹے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی شان میں تنقیص کیا کرتا تھا امام مالک نے اس آیت کو پڑھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ډ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ امام مالک نے کہا: لوگوں میں سے جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں بغض ہو تو وہ اس آیت کا مصداق ہوگا (1)؛ خطیب

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 193

ابو بکر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے بہت اچھی بات کی اور درست تاویل بیان کی ہے جس آدمی نے ان صحابہ میں سے کسی ایک کی شان میں تنقیص کی یا اپنی روایت میں کسی ایک پر بھی طعن کیا تو اس نے اللہ رب العالمین کا رد کیا اور مسلمانوں کے شرعی احکام کو باطل کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۗ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اس کے علاوہ دوسری آیات ہیں جو ان کی تعریف کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور ان کے صدق اور فلاح کی شہادت کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: 23) ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحشر) ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر)۔ یہ سب کچھ اس لیے ارشاد فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے حال اور مال کو جانتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیرُ النّاس قرنی ثم الّذین یلونهم (1) لوگوں میں سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تسبّوا أصحابی فلو أن أحد کم أنفق مثل أحدٍ ذهبا لم یدرك مُدّ أحدهم ولا نصیفه (2) تم میرے صحابہ کو گالیاں نہ دینا اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کے صدقہ کے ایک مد (ایک پیمانہ) اور اس کے نصف مد تک نہیں پہنچتا۔ دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں فلو أن أحد کم أنفق ما فی الأرض لم یدرك مُدّ أحدهم ولا نصیفه ہے۔ اگر تم میں سے کوئی زمین میں جو کچھ ہے اس کے برابر خرچ کرے تو وہ ان کے صدقہ کے ایک مد اور نصف مد تک بھی نہیں پہنچتا۔

ابو عبید نے کہا: اس کا معنی ان کے ایک مد تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی ان کے نصف مد تک پہنچتا ہے۔ نصیف سے یہاں نصف مراد ہے اسی طرح عشر کو عشیر، خمس کو خمیس، تسع کو تسیع، ثمن کو ثمین، سدس کو سدیس، ربع کو ربیع کہتے ہیں، عرب ثلث کو ثلیث نہیں کہتے۔

مسند بزار میں حضرت جابر سے ایک صحیح مرفوع حدیث مروی ہے: إنّ اللہ إختار أصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین وأختار لی من أصحابی أربعة یعنی أبابکر وعمر وعثمان وعلیا فجعلهم أصحابی (3)۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ میرے صحابہ کو چن لیا ہے اور میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار کو چنا ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم۔ فرمایا: فی اصحابی کلهم خیر میرے تمام صحابہ میں بھلائی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 515

2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سدو الابواب الا باب ابی بکر، جلد 1، صفحہ 518

3۔ کنز العمال، جلد 13، حدیث نمبر 36708

عویم بن ساعدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا، میرے لیے میرے صحابہ کو منتخب کیا ان میں سے میرے لیے وزراء، داماد اور سسرال بنائے، جو ان کو گالیوں دے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان سے توبہ قبول کرے گا اور نہ ہی فدیہ قبول کرے گا'' (1)۔

اس معنی میں احادیث بہت زیادہ ہیں، ان صحابہ میں سے کسی کے بارے میں نازیبا بات کرنے سے بچو جس طرح ان لوگوں نے کیا جنہوں نے دین میں طعن کیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ معوذتین ''سورۂ فلق اور سورۂ ناس'' قرآن میں سے نہیں ان دونوں سورتوں کے قرآن حکیم میں سے ہونے کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں مگر عقبہ بن عامر کی ایک روایت ہے اور عقبہ بن عامر ضعیف (2) ہے کسی اور نے اس مسئلہ میں ان کی موافقت نہیں کی پس اس کی روایت چھوڑ دی جائیگی کتاب وسنت میں سے جس کا ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے یہ اس قول کا رد ہے اور دین کی جو باتیں صحابہ نے نقل کی ہیں اس کا ابطال ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر ان لوگوں میں سے ہیں جن سے ہمارے لیے شرعی احکام نقل کیے گئے ہیں ان سے مروی روایات بخاری، مسلم اور دوسری احادیث میں ہیں یہ بھی ان میں سے ہوئی جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح بیان کی ان کی صفت کا ذکر کیا ان کی تعریف کی ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا ذکر کیا۔ جو آدمی آپ کی یا صحابہ میں سے کسی ایک کی جھوٹ کی طرف نسبت کرے تو وہ شریعت سے خارج ہے، قرآن کا ابطال کرنے والا ہے اور رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنے والا ہے ان میں سے۔ کسی ایک کی یہ نسبت کرنا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس کو گالی دی گئی تو اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عار اور عیب نہیں جس نے صحابہ کو گالیاں دیں رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت کی ان میں سے بہت سے جھوٹے مرتبہ والے کو جھٹلانا (جبکہ ان میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں) اللہ تعالیٰ کی لعنت میں داخل ہے جس کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ہر اس فرد پر اس کو لازم کیا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو گالی دی یا اس پر طعن کیا۔

عمر بن حبیب سے مروی ہے کہ میں ہارون رشید کی مجلس میں تھا کہ ایک بحث چھڑ گئی جس میں حاضرین نے جھگڑا کیا اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں ان میں سے ایک نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے ان میں سے بعض نے ایک حدیث کو مرفوع ذکر کیا باہم نزاع اور جھگڑا بڑھ گیا یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اس حدیث کو قبول نہیں کیا جائیگا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو مروی روایات ہیں ان میں ان پر تہمت لگائی جاتی ہے اور انہوں نے آپ کے جھوٹ کی تصریح کی۔ میں نے ہارون رشید کو دیکھا کہ اس نے ان کی طرف داری کی اور ان کے قول کی مدد کی، میں نے کہا: حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرنے میں صحیح ہیں اور جو وہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اس میں صحیح ہیں۔ رشید نے مجھے

---

1۔ کنز العمال، جلد 11، حدیث نمبر 32466

2۔ اس امر کو واضح کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحابہ پر طعن کرتے ہیں وہی لوگ معوذتین کے قرآن کا جز ہونے کا انکار کرتے ہیں اور وہی لوگ حضرت عقبہ بن عامر کو ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت عقبہ بن عامر سے بے شمار روایات مروی ہیں۔ مترجم۔

غضبناک نظروں سے دیکھا میں مجلس سے اٹھا اور اپنے گھر چلا آیا کچھ وقت نہ گذرا تھا کہ ڈاکیا دروازے پر آیا وہ داخل ہوا اور مجھے کہا: مقتول کی حیثیت سے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کرو خوشبو اور کفن کا انتظام کر لیجئے۔ میں نے کہا: اے میرے الله! تو جانتا ہے میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے اور اس بارے میں تیرے نبی کی تعظیم کی ہے کہ آپ کے صحابہ پر طعن کیا جائے، مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ میں ہارون رشید کے پاس گیا وہ سونے سے بنی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس کے سامنے چمڑے کی چٹائی پڑی ہوئی تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے کہا: اے عمر بن حبیب! میری بات کا ایسا جواب مجھے کسی نے نہیں دیا جیسا جواب تو نے مجھے دیا ہے۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! جو کچھ آپ نے کہا اور جو جھگڑا کیا اس میں رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور جو پیغام حق آپ لائے ہیں اس کی توہین کا پہلو نکلتا ہے جب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ جھوٹے ہیں تو شریعت باطل ہے روزوں، نماز، طلاق، نکاح اور حدود میں تمام احکام مردود غیر مقبول ہوں گے۔ اس نے اپنی طرف توجہ کی پھر کہا: اے عمر بن حبیب! تو نے مجھے نئی زندگی دی الله تعالیٰ تجھے زندگی عطا کرے اور مجھے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں: صحابہ سب کے سب عادل ہیں الله تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں انبیاء کرام اور رسل کے بعد وہ اس کی بہترین مخلوق ہیں؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس امت کے ائمہ کی جماعت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے یہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں کہ صحابہ کا حال دوسروں کے حال کی طرح ہے اس وجہ سے ان کی عدالت کے بارے میں بحث ضروری ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو انکے احوال کے درمیان بداءۃ امر کے حوالے سے فرق کرتے ہیں کہا: پہلے پہل وہ عادل تھے پھر ان کے احوال بدل گئے ان میں جنگیں اور خون خرابہ ہوا اس لیے بحث ضروری ہے۔ ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صحابہ کرام میں سے بہترین اور جلیل القدر ہستیاں جیسے حضرت علی شیر خدا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جو ان ہستیوں میں سے ہیں جن کی الله تعالیٰ نے تعریف کی، ان کا تذکرہ کیا۔ الله تعالیٰ ان سے راضی ہوا انہیں راضی کیا اور اس ارشاد کے ساتھ ان کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا: مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا خصوصا دس عشرہ مبشرہ جن کی جنت کی بشارت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی وہ سردار ہیں جبکہ ان کے بارے میں کثیر آزمائشیں اور امتحانات آتے رہے یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہوا جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دے گئے تھے ایسے امور ان کے مرتبہ اور فضیلت کو ساقط کرنے والے نہیں کیونکہ یہ امور اجتہاد پر مبنی ہیں ہر مجتہد ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ سورۂ حجرات میں اس موضوع پر گفتگو ہوگی انشاء الله۔

# سورۃ الحجرات

آیاتھا ۱۸ ۔ ۴۹ سورۃ الحجرات مدنیۃ ۱۰۶ ۔ رکوعاتھا ۲

یہ سورت مدنی ہے اس پر اجماع ہے۔ اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①

"اے ایمان والو آگے نہ بڑھا کرو اللہ تعالیٰ کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ علماء نے کہا: عربوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب میں سختی اور سوء ادبی تھی اسی طرح وہ لوگوں، القاب دینے میں بھی یہی رویہ اپناتے تھے یہ سورت مکارم اخلاق اور آداب کی رعایت کے حکم کے متعلق ہے۔ ضحاک اور یعقوب نے لا تقدموا تاء اور دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ تقدم سے مشتق ہے باقی قراء نے تُقَدِّمُوْا تاء کے ضمہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ تقدیم سے مشتق ہے دونوں کا معنی ظاہر ہے یعنی تم کوئی ایسا قول نہ کرو اور نہ ایسا فعل کرو جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے متجاوز ہو اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل سے آگے نہ بڑھو جس کا حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی ہو۔ جو اپنے قول اور فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی حکم دیتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس کا سبب نزول کیا ہے اس بارے میں چھ اقوال ہیں:

(1) ابن جریج کی حدیث سے واحدی نے اسے ذکر کیا ہے: کہا حضرت ابن ملیکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت نقل کی ہے (1) کہ بنو تمیم کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: قعقاع بن معبد کو امیر مقرر کیجئے، حضرت عمر نے عرض کی: اقرع بن حابس کو امیر مقرر کیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: تو نے محض میری مخالفت کی وجہ سے یہ بات کی ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ دونوں نے گفتگو لمبی کی یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اس بارے میں یہ آیات یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ حجرات، جلد 2، صفحہ 718

رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ نازل ہوئیں۔ اسے امام بخاری نے حسن بن عمر بن صباح سے نقل کیا اور مہدوی نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔ (2) روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو مدینہ طیبہ پر نائب بنائیں جب آپ خیبر کی طرف تشریف لے گئے حضرت عمر نے ایک اور آدمی کے بارے میں مشورہ دیا تو یہ آیات نازل ہوئیں؛ اسے بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ (3) ماوردی نے ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں (1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس صحابہ کو بنی عامر کی طرف بھیجا بنی عامر نے انہیں قتل کر دیا مگر تین آدمی پیچھے رہ گئے وہ سلامت رہے اور مدینہ طیبہ کی طرف واپس لوٹ آئے وہ بنو سلیم کے دو آدمیوں سے ملے انہوں نے ان دو افراد سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا دونوں نے کہا: بنی عامر سے تعلق رکھتے ہیں کیوں کہ بنی عامر، بنو سالم سے زیادہ معزز شمار ہوتے تھے۔ ان صحابہ نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ بنی سلیم کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: ہمارے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے اور ہم میں سے آدمی قتل کر دیئے گئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت سو اونٹ عطا فرمائی؛ ان دو آدمیوں کے قتل کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (4) قتادہ نے کہا: کچھ لوگ کہا کرتے تھے کاش! میرے بارے میں ایسی آیت نازل ہوتی، کاش! میرے بارے میں ایسی آیت نازل ہوتی تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ (5) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں منع کیا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلام کریں۔ مجاہد نے کہا: تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پہلے ہی حکم نہ دے دیا کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر حکم دے؛ اسے امام بخاری نے بھی ذکر کیا ہے۔ (6) حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں (3) جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نماز ادا کرنے سے قبل ہی قربانیاں کر دی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ ذبح کریں۔ ابن جریج نے کہا: وہ وقت جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے اس سے قبل تم طاعات کے اعمال نہ کرو۔

میں کہتا ہوں: یہ آخری پانچ اقوال انہیں قاضی ابو بکر بن عربی نے ذکر کیا اور اس سے قبل ماوردی نے اچھی طرح وضاحت کی قاضی نے کہا: یہ سب صحیح ہیں (4) عموم کے تحت داخل ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے جو ان آیات کے نزول کا سبب ہے ممکن ہے بغیر سبب کے نازل ہوئیں ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ قاضی نے کہا: جب ہم یہ کہیں کہ یہ طاعات کو ان کے اوقات سے پہلے لانے میں نازل ہوئی ہے تو وہ بھی صحیح ہے کیونکہ ہر وہ عبادت جس کا ایک خاص وقت ہو تو وقت سے پہلے اسے ادا کرنا جائز نہیں ہوتا جس طرح نماز، روزہ، حج یہ سب واضح ہیں مگر علماء نے زکوۃ پر اختلاف کیا ہے جو عبادت مالیہ ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 326
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 134
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 53
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1713

اور معنی مفہوم کے لیے مطلوب ہے وہ فقیر کی حاجت کو پورا کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے دو سال کا صدقہ جلدی لیا جب ایسی روایات آئی ہیں کہ صدقہ فطر کو عید الفطر سے پہلے جمع کیا جاتا تا کہ عید الفطر کے روز مستحق لوگوں کو وہ چیز دے دی جائے تو یہ امر سال یا دو سال پہلے زکوۃ کی ادائیگی کے جواز کو ثابت کرتا ہے اگر سال کا اختتام نہ ہوا اور نصاب اپنی حالت پر تھا تو زکوۃ کی ادائیگی ہوگئی اگر سال کا اختتام ہوا جبکہ نصاب تبدیل ہو چکا تھا تو واضح ہو گیا ہے کہ وہ نفلی صدقہ ہے۔

اشہب نے کہا: سال مکمل ہونے سے ایک گھڑی بھی پہلے دینا جائز نہیں (1) جس طرح نماز ہے گویا عبادت میں اس قاعدہ کو عام رکھا ہے ان کی رائے ہے کہ یہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ہے تو نظام اور حسن ترتیب میں اس کا پورا حق ادا کیا۔ باقی ہمارے علماء کی رائے ہے کہ تھوڑی سی تقدیم جائز ہے کیونکہ اتنی چیز معاف ہے مگر کثیر معاف نہیں۔ اشہب نے جو بات کہی وہ زیادہ واضح ہے کیونکہ تھوڑی چیز کا زیادہ سے الگ کرنا اصول شریعت میں صحیح ہے لیکن چند مقاصد جو تھوڑی چیز کے ساتھ خاص ہوں زیادہ کے ساتھ خاص نہ ہوں مگر ہمارے مسئلہ میں دن مہینہ کی طرح ہے مہینہ سال کی طرح ہے یا کلی تقدیم درست ہوگی جس طرح امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے کہا، جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو وہ اپنے اوقات پر ہی ادا کی جائے گی جس طرح اشہب نے کہا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے تعرض کو ترک کرنے میں یہ اصل ہے آپ کی اتباع اور آپ کی اقتدا کے وجوب میں بھی اصل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں ارشاد فرمایا: مروا أبا بكر فليصل بالناس (2) ابوبکر صدیق کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ سے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو بے شک ابوبکر صدیق جلد رونے والے ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے، حضرت عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم یوسف والیاں ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے'' تو صواحب یوسف کا معنی ہے وہ فتنہ جو جائز کو ناجائز کی طرف لوٹانے سے پیدا ہوتا ہے (3)۔ قیاس کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے یہ ان کی جانب سے باطل ہے کیونکہ جس امر پر دلیل قائم ہو تو اس کے بجالانے میں اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنا نہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اس آگے بڑھنے سے بچو جس سے منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو جاننے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1713
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام اذا، جلد 1، صفحہ 178
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1714

کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو اس بے ادبی سے کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا: اقرع بن حابس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسے اس کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم (1) اسے عامل نہ بنائیں دونوں صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گفتگو کی یہاں تک کہ ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تو نے محض میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے، حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد جب حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات کرتے تو ان کی گفتگو سنی نہ جا سکتی یہاں تک کہ ان سے سوال کیا جاتا۔ حضرت ابن زبیر نے اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ بعض علماء نے اسے حضرت ابن ابی ملیکہ سے مرسل نقل کیا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: وہ امام بخاری ہیں، کہا: یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے (2) دو بہترین آدمی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے ان دونوں کی آوازیں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلند ہوگئیں جب بنو تمیم کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس جو بنی مجاشع سے تعلق رکھتا تھا کا مشورہ دیا دوسرے نے ایک اور کا مشورہ دیا۔ نافع نے کہا: مجھے اسکا نام یاد نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر سے کہا: تو نے محض میرے ساتھ مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا، اس بارے میں دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن زبیر نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سناتے تھے یہاں تک کہ ان سے پوچھا جاتا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر نہیں کیا۔ مہدوی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب میری، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ کی آواز بلند ہوگئی ہم حضرت حمزہ کی بیٹی کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جب زید اسے مکہ مکرمہ سے لائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا کیونکہ اس بچی کی خالہ ان کے عقد میں تھی۔ یہ حدیث آل عمران میں گذر چکی ہے۔

صحیحین میں ہے حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے بارے میں خبر لاتا ہوں، وہ حضرت ثابت کے پاس آئے

1۔ اس سے قبل مختلف روایات مروی ہیں۔

2۔ صحیح بخاری، باب قولہ لا ترفعوا اصواتکم، جلد 2، صفحہ 718

انہیں اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے پایا پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ جواب دیا: بہت برا حال ہے۔ اس کی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند ہو جاتی تھی اس کے عمل رائیگاں گئے جبکہ وہ جہنمی ہو چکا ہے، وہ آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب کچھ بتایا تو موسیٰ جو اس سند کے راوی ہیں نے کہا: وہ آدمی ان کی طرف ایک عظیم بشارت لے کر گیا فرمایا: ''اس کے پاس جاؤ اس کو کہو تو جہنمی نہیں تو تو جنتی ہے (1)'' یہ بخاری کے الفاظ ہیں یہ ثابت' ثابت بن قیس بن شماس خزرجی ہے جن کی کنیت ابو محمد تھی یہ کنیت ان کے بیٹے محمد کی وجہ سے تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ابو عبدالرحمٰن ہے یوم حرہ کو انہیں شہید کیا گیا اس کے تین بیٹے تھے محمد، یحییٰ، عبداللہ۔ وہ بہت اچھے خطیب اور بلیغ تھے وہ اسی وجہ سے معروف تھے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب کہا جاتا جس طرح حضرت حسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر کہا جاتا جب بنو تمیم کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مفاخرہ کو طلب کیا ان کا خطیب کھڑا ہوا اور اظہار فخر کیا پھر ثابت بن قیس کھڑے ہوئے ایک عظیم و بلیغ خطبہ دیا اور ان پر غالب آ گئے ان کا شاعر کھڑا ہوا وہ اقرع بن حابس تھا اس نے یہ شعر پڑھے:

أتيناك كيما يعرف الناس إذا خالفونا عند ذكر المكارم

ہم آپ کے پاس آئے جس طرح لوگ جانتے ہیں جب لوگ مکارم کے ذکر کے وقت ہماری مخالفت کریں

وانا رؤس الناس من كل مَعْشَرٍ وأن ليس في أرض الحجاز كدارِمِ

ہم ہر قبیلہ کے لوگوں کے سردار ہیں جبکہ حجاز کی زمین میں دارم جیسا کوئی نہیں۔

وإن لنا المِرْباع في كل غارة تكون بنجد أو بأرض التهائم

ہمارے لیے ہر جنگ کے مال میں چوتھا حصہ ہوتا ہے وہ جنگ نجد میں ہو یا تہامہ کے علاقہ میں ہو۔

حضرت حسان نے کہا:

بَني دارمٍ لا تَفْخَرُوا إنّ فَخْرَكُمْ يعودُ وَ بَالًا عند ذكر المكارم

هَبِلتم علينا تفخرون وأنتُم لنا خَوَلٌ من بين ظِئْر وخادمِ

''اے بنی دارم! تم فخر نہ کرو بے شک تمہارا فخر مکارم کے ذکر کے وقت وبال بن جائے گا۔ تم ہلاک ہو! تم ہم پر فخر کرتے ہوں جبکہ تم ہمارے خادم ہو یا دایا اور خادم کے درمیان''۔ انہوں نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اچھا ہے، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا شاعر ہے ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

عطا خراسانی نے کہا: مجھے ثابت بن قیس کی بیٹی نے بتایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کا والد اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنا دروازہ بند کر لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ پایا تو اسے بلا بھیجا تا کہ پوچھیں کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی: میری آواز سخت ہے مجھے ڈر ہے کہ میرا عمل ضائع ہی نہ ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو ان لوگوں میں سے نہیں تو

1۔ صحیح بخاری، سورۂ حجرات، قولہ لاترفعوا اصواتکم، جلد 2، صفحہ 718

بھلائی کے ساتھ جئے گا اور بھلائی کے ساتھ مرے گا(1)'' پھر الله تعالیٰ نے اس آیت: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾ (النساء) کو نازل فرمایا، انہوں نے اپنے دروازے کو بند کر لیا اور رونے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پایا تو بلا بھیجا اور خبر دی عرض کی: یا رسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم میں جمال کو پسند کرتا ہوں اور میں اپنی قوم کا سردار بننا پسند کرتا ہوں فرمایا: ''تو ان میں سے نہیں بلکہ تو تعریف کی گئی زندگی گزارے گا، شہید کی حیثیت سے قتل ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا(2)'' اس بچی نے کہا: جب یمامہ کی جنگ کا مرحلہ آیا تو مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کے لیے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ نکلے جب صحابہ کی ان سے مڈ بھیڑ ہوئی تو صحابہ بکھر گئے۔ حضرت ثابت اور حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے نے کہا: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس طرح تو جنگ نہیں کرتے تھے پھر دونوں نے اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے اس روز حضرت ثابت کے جسم پر عمدہ زرہ تھی مسلمانوں میں سے ایک آدمی ان کے پاس سے گذرا اور اسے اتار لیا اسی اثنا میں ایک مسلمان سویا ہوا تھا تو حضرت ثابت اسے خواب میں آئے تو فرمایا: میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں یہ کہنے سے بچنا کہ یہ خواب ہے کہ تو اسے ضائع کر دے میں جب کل شہید ہوا تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی میرے پاس سے گذرا اس نے میری زرہ لے لی جبکہ اس کا پڑاؤ لوگوں کے ایک جانب ہے اس کے خیمہ کے پاس گھوڑا ہے جو لمبی رسی سے باندھا ہوا ہے اس نے زرہ پر توبرہ الٹا کیا ہوا ہے اس توبرہ پر کجاوا ہے، حضرت خالد کے پاس جاؤ اسے کہو کہ میری زرہ لینے کے لیے آدمی بھیجے جو زرہ لے آئے جب تو مدینہ طیبہ میں خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق کے پاس پہنچے تو ان سے عرض کرو۔ مجھ پر فلاں فلاں قرض ہے، میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں آزاد ہے وہ آدمی حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو بتایا حضرت خالد بن ولید نے زرہ لینے کے لیے آدمی کو بھیجا جو زرہ لے آیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی وصیت کے بارے میں بات کی تو آپ نے وصیت کو نافذ کر دیا۔ ہم کسی کے بارے میں نہیں جانتے کہ حضرت ثابت کے بعد کسی کی وصیت نافذ کی گئی ہو، الله تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ اسے ابو عمرو نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ یعنی ان سے خطاب نہ کرو۔ اے محمد! اے احمد! بلکہ یوں خطاب کرو: یا نبی الله! یا رسول الله! مقصود آپ کی عزت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق اپنی آوازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلند کیا کرتے تھے تا کہ کمزور مسلمان بھی ان کی اقتدا کریں تو مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ میں لام، فی کے معنی میں ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے سقط لفیہ یہ بھی علی کے معنی میں ہے، سقط علی فیہ۔

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ کاف، کاف تشبیہ ہے جو محل نصب میں ہے یعنی تم اس طرح آپ سے خطاب نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ انہیں مطلق جہر سے منع نہیں کیا گیا یہاں تک کہ ان کے لیے جائز ہی نہ ہو مگر یہ کہ وہ اشارہ اور مخفی طریقہ سے آپ سے ہم کلام ہوں انہیں مخصوص جہر سے منع کیا گیا ہے جو صفت سے مقید ہو وہ جہر ہے جو اس مماثلت کے ساتھ موصوف ہے جس کے وہ باہم عادی تھے وہ ایسا جہر تھا جس میں نبوت کی قدر و منزلت کا

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 353
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 326

خیال نہ ہو اور باقی ماندہ مراتب کا انحطاط ہو اگر چہ نبوت ورسالت تمام سے بڑھ کر مرتبہ ہے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اس وجہ سے کہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں، یہ بصریوں کا قول ہے۔ کوفیوں نے کہا: تا کہ تمہارے اعمال رائیگاں نہ چلے جائیں (1)۔

**مسئلہ نمبر 3۔** آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور آپ سے گفتگو کے وقت آواز کو پست رکھنے کا حکم ہے جب آپ بولیں اور تم بولو تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی آوازوں کو اس حد تک بلند نہ کرو جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچتی ہے اور اپنی آوازوں کو پست رکھو اس طرح کہ آپ کی کلام تمہاری کلاموں پر غالب رہے اور آپ کی بلند آواز کی گفتگو تمہاری بلند آواز کی گفتگو پر غالب ہو یہاں تک کہ آپ کی فضلیت تم پر نمایاں ہو۔ آپ کی سبقت ظاہر ہو اور آپ کا امتیاز تمہاری بلند آواز سے عیاں ہو ایسا نہ ہو کہ تم اپنے شور وغل سے آپ کی آواز کو دبا دو اور اپنے شور وغل سے آپ کی گفتگو پر غالب آ جاؤ۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے لاترفعوا باصواتکم بعض علماء نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر مبارک کے نزدیک بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا، بعض علماء کی مجلس میں بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا۔ مقصد ان کی تعظیم ہے کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہاں سے پردہ فرمانے کے بعد حرمت ایسے ہی ہے جس طرح ظاہری حیات میں آپ کی حرمت تھی (2) آپ کے وصال کے بعد آپ کا کلام اسی طرح ذی شاں ہے جس طرح اس کی عظمت اس وقت تھی جب آپ کی زبان سے آپ کا کلام سنا جائے جب آپ کا ارشاد پڑھا جا رہا ہو تو کسی کو زیب نہیں کہ وہ اپنی آواز بلند کرے اور نہ ہی اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کلام سے اعراض کرے جس طرح یہ اس وقت لازم تھا جب آپ کی مجلس میں آپ کی زبان سے اسے سنا جائے اللہ تعالیٰ نے مرور زمانہ کے باوجود اس مذکورہ دائمی حرمت پر یوں متنبہ کیا ہے وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا (الاعراف: 204) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی وحی ہے اس میں قرآن کی حکمت کی مثل حکمت ہے مگر چند معانی مستثنیٰ ہیں جن کی وضاحت کتب فقہ میں ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** آواز بلند کرنے اور عامیہ انداز میں گفتگو سے مراد استخفاف اور تحقیر نہیں (3) کیونکہ ایسا امر تو کفر ہے جبکہ مخاطب مومن ہیں بلکہ مقصود محض آواز ہے جو اس کے مناسب نہ ہو جسکے ساتھ عظماء اور بڑے لوگوں کی عزت و توقیر کو پیش نظر رکھا جاتا ہے وہ اس کے پست کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی سطح کی طرف لوٹانے کی سعی کرتا ہے جس سے عزت و توقیر عیاں ہو یہ نہی اس کی آواز کو بلند کرنے کو شامل نہ ہوگی جو صحابہ سے حالت جنگ، معاند سے مجادلہ، دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے ہوتی اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت نہ دیتی ہو حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے فرمایا جب لوگ غزوہ حنین کے موقع پر تتر بتر ہو گئے تھے: ''لوگوں کو آواز دو''۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی آواز بڑی بلند تھی۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ایک روز شب خون مارا گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے یوں آواز لگائی یا صباحاہ۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 327 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1714 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 352

آپ کی آواز کی سختی کی وجہ سے حاملہ عورتوں نے حمل گرا دیئے اسی بارے میں نابغہ نے کہا:

زَجْرُ أبِي عُرْوَةَ السباعَ إذا أشفق أن يختلطن بالغنم(1)

ابوعروہ کا درندوں کو جھڑکنا ہے جب اسے ڈر ہوتا کہ وہ ریوڑ سے خلط ملط ہو جائیں گے۔

راویوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ ریوڑ سے درندوں کو جھڑکتا تھا تو درندہ کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ زجاج نے کہا: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تقدیر کلام یوں ہے لان تحبط اعمالکم یعنی تمہارے اعمال ضائع چلے جائیں گے لام مقدرہ لام صیرورت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ انسان کفر کر بیٹھے جبکہ وہ علم نہ رکھتا ہو جس طرح کافر مومن نہیں ہو سکتا مگر اس وقت جب وہ ایمان کو کفر پر ترجیح دے اسی طرح مومن کافر نہیں ہو سکتا جب تک وہ کفر کا قصد نہ کرے اور بالاجماع اسے پسند نہ کرے اسی طرح کافر کافر نہیں ہو سکتا کہ وہ جانتا ہی نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۝۳

"بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے، انہی کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے"۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی پر کسی اور سے بات کرتے ہیں تو آپ کی تعظیم کی خاطر اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(2): جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: اللہ کی قسم! میں آواز کو بلند نہیں کروں گا مگر راز داری کرنے والے کی طرح۔ سنید نے ذکر کیا: عباد بن عوام، محمد بن عمرو سے وہ ابوسلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں آپ سے کلام نہیں کروں گا مگر جس طرح راز داری کرنے والا کلام کرتا ہے(3)۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بعد کوئی گفتگو نہ کی، آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنتے یہاں تک کہ جو پست آواز سے گفتگو ہوتی اسکو سمجھنے کے لیے کسی سے سوال کرتے تو یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ نازل ہوئی۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے ان کے دلوں کو خالص کر دیا(4)۔ اخفش نے کہا: تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ہر قبیح امر سے پاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ رکھ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات کو ختم کر دیا۔ امتحان یہ مَحَنْتُ

---

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 353
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 197
3۔ جامع اسباب النزول، صفحہ 323
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 327

الأدِيمَ مَخنًا سے باب افتعال کا مصدر ہے یعنی میں نے چمڑے کو وسیع کیا۔ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقوی کے لیے وسیع کر دیا، پہلے قول کی بنا پر امتحن قلوبهم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو خالص کر دیا جس طرح تیرا قول ہے اِمتحنتُ الفِضَّةَ۔ میں نے اسے پرکھا یہاں تک کہ میں نے اسے خالص پایا، کلام میں حذف ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے وہ الاخلاص ہے ابوعمرو نے کہا: کل شئ جَهَدته فقد محنته۔ ہر وہ جسے تو مشقت میں ڈالے تو نے اسے امتحان میں ڈالا۔ شاعر نے کہا:

أتت رذايا بادِيًا كلالها قد محنت وأضطربت آطالها(1)

کمزور اونٹنیاں آئیں جن کی تھکاوٹیں ظاہر تھیں اور ان کی ڈھاکیں مشقت میں تھیں اور مضطرب تھیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

"بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں"۔

مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آیت بنی تمیم کے بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ان کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مسجد میں داخل ہوئے اور حجرہ کے باہر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ ہمارے پاس باہر آئیں کیونکہ ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے، وہ ستر افراد تھے انہوں نے اپنے بچوں کا فدیہ پیش کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیلولہ کرنے کے لیے سوئے ہوئے تھے۔

روایت کی گئی ہے کہ جس نے ندا کی تھی وہ اقرع بن حابس تھا اسی نے یہ بات کہی تھی: اِن مَدحِی زَيْنٌ وإنَّ ذَمِّي شَيْنٌ میری مدح زینت اور میری مذمت عیب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذاك الله(2) وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت براء بن عازب سے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے روایت کیا ہے: کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: ہمیں اس آدمی کے پاس لے چلو اگر وہ نبی ہوا تو ہم اس کی اتباع کریں گے لوگوں میں سے سب سے زیادہ سعادت مند ہو جائیں گے اور اگر وہ بادشاہ ہوا تو ہم اس کے پہلو میں رہیں گے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آوازیں دینے لگے جبکہ آپ حجرہ میں موجود تھے: یا محمد! یا محمد! تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنو تمیم تھے۔ مقاتل نے کہا: وہ انیس تھے قیس بن عاصم، زبرقان بن بدر، اقرع بن حابس، سوید بن ہاشم، خالد بن مالک، عطا بن حابس، قعقاع بن معبد، وکیع بن وکیع، عیینہ بن حصن، یہ احمق آدمی تھا اس کی اطاعت کی جاتی تھی یہ سرداروں میں سے تھا جس کے پیچھے دس ہزار نیزے بردار ہوتے تھے اس کا نام حذیفہ تھا اسے عیینہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس کی ایک پلک دہری ہوئی تھی عبدالرزاق نے اسی عیینہ کے بارے میں کہا: یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (الکہف:28) سورۂ اعراف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول گذر چکا ہے جو کافی وشافی

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 356

2۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۂ حجرات، جلد 2، صفحہ 159

ہے؛ بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ روایت بیان کی ہے کہ وہ دوپہر کے وقت حاضر ہوئے جبکہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے وہ بلانے لگے: یا محمد! یا محمد! ہماری طرف نکلیے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور باہر تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''یہ بنی تمیم کے سخت دل لوگ ہیں اگر کانے دجال سے سب سے سخت لڑائی کرنے والے نہ ہوتے تو میں ان کی ہلاکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا کہ وہ انہیں ہلاک کر دے''(1)۔

حجرات، حجر کی جمع ہے اور حُجَر یہ حُجرۃ کی جمع ہے پس حجرات جمع کی جمع ہے اس میں دو لغتیں ہیں جیم پر ضمہ اور اس پر فتحہ۔

حجرہ سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جسے ایسی دیوار سے لوگوں کو روک دیا گیا ہو جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ اونٹ کے باڑے کو بھی حجرہ کہتے ہیں یہ فُعلۃ کا وزن ہے جو مفعولہ کے معنی میں ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع نے پڑھا الحُجرات یعنی جیم مفتوح ہے کیونکہ دونوں پے در پے ضمے ثقیل تھے اسے الحُجرات بھی پڑھا گیا ہے یعنی جیم ساکن ہے تخفیف کے لیے ہے اس کا معنی روکنا ہے جس چیز تک پہنچنے سے تو نے منع کر دیا تو تو نے اس پر حجر کر دیا پھر احتمال موجود ہے کہ منادی کل میں سے بعض ہو اسی وجہ سے فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ یعنی جو آپ کو آواز دیتے ہیں وہ ایسی قوم سے ہیں جن میں سے اکثر پر جہالت غالب ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

یعنی اگر وہ آپ ﷺ کے باہر آنے کا انتظار کرتے تو یہ ان کی دنیا کے لیے موزوں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ لوگوں سے حجاب نہ کرتے مگر چند اوقات میں جن میں ضروریات میں مصروف ہوتے ان اوقات میں آپ کو پریشان کرنا سوء ادبی ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنو عنبر کے قیدیوں کی سفارش کے لیے آئے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے نصف کو آزاد کر دیا اگر وہ صبر کرتے تو بغیر فدیہ کے آپ سب کو آزاد کر دیتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے حق میں نازل ہوئی اس کا سبب وہ ہے جسے قتادہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی مطلق کے صدقات وصول کرنے والا بنا کر بھیجا جب بنی مصطلق نے اسے دیکھا تو استقبال کے لیے آگے بڑھے تو یہ ان سے خوفزدہ ہو

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 358

گیا۔ ایک روایت میں ہے: یہ اس کینہ کی وجہ سے تھا جو ان کے اور بنی مصطلق کے درمیان تھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ''وہ چھان بین کرے حملہ میں جلدی نہ کرے'' حضرت خالد چلے یہاں تک کہ رات کے وقت ان کے پاس پہنچے آپ نے ان کی طرف اپنے جاسوس بھیجے جب جاسوس واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اسلام کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہیں انہوں نے ان کی آذان سنی اور انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب انہوں نے صبح کی تو حضرت خالد ان کے پاس آئے اور جاسوسوں نے جو کچھ ذکر کیا تھا وہ سب کچھ صحیح پایا حضرت خالد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئے اور سب کچھ بتایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: ''آہستہ روی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور تیزی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے''(1)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنی مصطلق کی طرف بھیجا جبکہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے جب انہوں نے اس کے بارے میں سنا تو وہ اس کے استقبال کے لیے سواریوں پر نکلے تو وہ ان سے خوفزدہ ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آیا اس نے بتایا کہ لوگوں نے اس کے قتل کا پروگرام بنایا ہے اور اپنے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کا ارادہ کیا اسی اثنا میں ان کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کے قاصد کے بارے میں سنا ہم نکلے تاکہ اس کی تعظیم بجالائیں اور ہمارے ذمہ جو صدقات ہیں وہ اسے ادا کریں تو وہ واپس چلا گیا اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اسے قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں اللہ کی قسم! ہم اس کے لیے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو ولید کو جھوٹا نام دیا گیا۔ ابن زید، مقاتل اور سہیل بن عبداللہ نے کہا: فاسق سے مراد کذاب ہے۔ ابوالحسن وراق نے کہا: جو اعلانیہ گناہ کرتا ہو۔ ابن طاہر نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کرتا ہو۔ حمزہ اور کسائی نے پڑھا۔ فتثبتوا یہ تثبت سے مشتق ہے باقی قراء نے **فَتَبَيَّنُوْٓا** پڑھا ہے جو تبین سے مشتق ہے ان تصیبوا یہ اصل میں لئلا تصیبوا تھا ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار حذف ہے **بِجَهَالَةٍ** یعنی خطا کے ساتھ **فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ** یعنی جلدی کرنے اور آہستہ روی اختیار نہ کرنے پر تم شرمندہ ہوئے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت میں دلیل ہے کہ جب راوی عادل ہو تو ایک راوی کی خبر قبول ہو گی کیونکہ فاسق کی خبر پر چھان بین کا حکم ہے جس کا فسق ثابت ہو اس کا قول بالا جماع باطل ہو گا کیونکہ خبر امانت ہے اور فسق ایسا قرینہ ہے جو اسے باطل کر دیتا ہے اجماع نے اس میں اسے مستثنیٰ کیا ہے جو دعویٰ اور انکار سے متعلق ہو اور غیر پر حق ثابت کرنا ہو جیسے کوئی کہتا ہے: ھذا عبدی اس کا قول قبول کیا جائے گا جب کوئی یہ کہے: فلاں نے یہ امر نافذ کیا ہے کہ تیرے لیے ہدیہ ہے تو اسے قبول کیا جائے گا، اسی طرح اس کی مثل میں کافر کی خبر قبول کی جائے گی جہاں تک کہ اس بات کا تعلق ہے کہ کسی غیر میں کسی نئی چیز کو لازم کیا جائے تو امام شافعی اور دوسرے علماء کی رائے ہے: وہ نکاح میں ولی نہیں ہو گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے کہا: وہ ولی

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی التانی والعجلۃ، جلد 2، صفحہ 160

ہوگا کیونکہ اس کا جو کچھ ہے اس کا ولی ہے تو اس کے وضع کا بھی ولی ہوگا جس طرح عادل ہوتا ہے اگر چہ وہ دین کے معاملہ میں فاسق ہے مگر اس کی غیرت وافر ہے اسی کے ساتھ وہ اپنے حرم کی حفاظت کرتا ہے، وہ مال خرچ کرتا ہے اور حرمت کی حفاظت کرتا ہے جب مال کا ولی ہے تو نکاح کا بدرجہ اولی ولی ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ابن عربی نے کہا: تعجب کی بات یہ ہے (1) کہ امام شافعی اور ان کی مثل لوگ فاسق کی امامت جائز قرار دیتے ہیں جو آدمی مال کے حسبہ (معمولی مال) پر امانت دار نہیں بنایا جا سکتا وہ دین کے قنطار (بڑا خزانہ) پر امانت دار کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ یہ اس کے لیے ہے کہ آپ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ والی جو لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں جب ان کے دین فاسد ہو جائیں اور ان کے پیچھے نماز کا ترک کرنا ممکن نہ ہو اور ان کو ہٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو ان کے ساتھ اور ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی جس طرح عثمان نے کہا: لوگ جو عمل کرتے ہیں نماز ان میں سے بہترین ہے جب وہ اچھا عمل کریں تو تو بھی اچھا عمل کر اور جب وہ برا عمل کرتے ہیں ان کی برائی سے اجتناب کر۔ پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جب کوئی آدمی ان کے ساتھ پاک صاف ہو کر نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کا اعادہ کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اسے اپنی نماز بنا لیتے ہیں نماز کے اعادہ کے وجوب کے بارے میں کہتا ہوں: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ ائمہ میں سے جس سے وہ راضی نہ ہو اس کے ساتھ نماز پڑھنے کو ترک کر دے بلکہ وہ خاموشی سے نماز کا اعادہ کرے کسی اور کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ جہاں تک اس کے احکام کا تعلق ہے اگر وہ والی ہو تو اس کے وہ احکام جو حق کے موافق ہوں تو وہ نافذ ہو جائیں گے اور جو اس کے مخالف ہوں گے ان کو رد کر دیا جائے گا جو اس نے اسی وقت نافذ کر دیا ہو تو اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اس قول کے علاوہ جو روایت بیان کی جاتی ہو یا قول جس کی حکایت بیان کی جاتی ہو کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ کلام بہت زیادہ ہے اور حق ظاہر ہے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا کسی غیر کا قاصد ہونا کہ وہ کسی قول کو پہنچائے یا کسی شے کو پہنچائے یا اسے آگاہ کرے جب وہ بھیجنے والے اور جس کی طرف بھیجا گیا ہے اس کے حق سے باہر نہ رکھے اگر اس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق ہو تو اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا (2)۔ یہ اس ضرورت کی وجہ سے جائز ہے جو اس کا سبب بنتی ہے۔ اگر لوگوں کے درمیان صرف عادل آدمی ہی ان امور کو سرانجام دیں تو کوئی امر حاصل ہی نہ ہو سکے کیونکہ وہ اس وصف سے خالی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ اس میں اس آدمی کے قول کا فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ تمام مسلمان عادل ہیں یہاں تک کہ ان کا جرم ثابت ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے سے قبل چھان بین کا حکم دیا ہے، حکم کے نافذ کرنے کے بعد چھان بین کرنے کا کوئی مطلب نہیں اگر حاکم چھان بین سے پہلے فیصلہ کر دے تو اس نے محکوم علیہ پر جہالت کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 7**۔ اگر وہ ظن غالب کی بنا پر فیصلہ کرے تو یہ جہالت پر عمل نہ ہوگا جس طرح دو عادل گواہوں کی بنا پر فیصلہ

---

1۔ احکام القرآن ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1715

2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1716

کیا جاتا ہے اور مجتہد کے قول کو قبول کیا جاتا ہے جہالت پر عمل اس وقت ہوگا جب اس آدمی کا قول قبول کیا جائے جب اس کا قول قبول کرنے سے ظن غالب حاصل نہ ہو۔

اس مسئلہ کو قشیری نے اور اس سے قبل کے مسئلہ کو مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں، اور اگر مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے کفر، فسق اور نافرمانی کو، یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں (یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے اور سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے تو تم اس کو نہ جھٹلاؤ اللہ تعالیٰ اسے تمہاری خبریں بتا دے گا کہ تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ اگر معاملہ ظاہر ہونے سے پہلے اس امر کی طرف جلدی کرے جس کا تم ارادہ کرو تو تمہارے لیے اس میں مشقت اور گناہ ہوگا کیونکہ اگر آپ اس قوم کو قتل کریں جس کی چغلی ولید بن عقبہ نے کھائی ہے تو وہ خطا ہوگی اور جو آدمی باہمی دشمنی کی وجہ سے انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ گناہگار ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ان کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کی وہ بات مان لیں جو وہ لوگوں کے بارے میں آپ کو پہنچاتے ہیں یا ان سے سنتے ہیں عنت کا معنی گناہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: عنت الرجل آدمی نے گناہ کیا عنت کا معنی فجور اور زنا بھی ہے جس طرح سورۂ نساء میں ہے۔ عنت کا معنی مشکل امر میں جا پڑنا ہے۔ سورۂ براءۃ میں عنتم کے ضمن میں اس بارے میں زیادہ گفتگو گذر چکی ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ یہ مخلص مومنوں کو خطاب ہے جو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں جھوٹ نہیں بولتے اور باطل خبریں نہیں دیتے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کا پسندیدہ ترین امر بنا دیا ہے۔

وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے یہاں تک کہ تم نے اسے پسند کیا۔ اس آیت میں قدریہ اور امامیہ وغیرہ کا رد ہے جس طرح پہلے کئی دفعہ گذر چکا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات کی ذاتوں، ان کے افعال، صفات، زبانوں اور رنگوں کی تخلیق میں منفرد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس (فسوق) سے مراد خاص طور پر جھوٹ ہے(1)، یہ ابن زید کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہر وہ عمل ہے جس میں اطاعت کا پہلو نہ ہو یہ فسقت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 329

الرطبة سے مشتق ہے جو اپنے چھلکے سے باہر آ جائے اور چوہیا بل سے باہر آ جائے۔ سورۂ بقرۃ میں اس بارے میں گفتگو مفصل گذر چکی ہے۔ عصیان یہ معاصی کی جمع ہے پھر کلام خطاب سے خبر کی طرف منتقل ہو گیا فرمایا: اُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اللہ تعالیٰ نے ان میں ایمان کی محبت رکھ دی اور کفر کو ان کے لیے ناپسندیدہ بنا یا یعنی اسے ان کے ہاں قبیح بنا دیا۔ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم)

نابغہ نے کہا:

یا دارَمِيَّةَ بالعَلْيَاء فالسَّنَدِ أقْوَت و طال عليها سالفُ اللأمَدِ

الرشد سے مراد سختی کے ساتھ حق کے راستہ پر استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے یہ رشاد سے مشتق ہے جس کا معنی چٹان ہے۔

ابووازع نے کہا: ہر چٹان رشاد ہے شاعر نے اس سے چٹان مراد لی ہے۔

وغير مُقَلَّد وموَشَّمات صَلِينَ الضَّوءِ من صُمِّ الرشاد(1)

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ تمہارے ساتھ فضل واحسان کے طور پر کیا ہے مراد فضل ونعمت ہے یہ آپ کے لیے کر دیا گیا ہے وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ جو تمہارے حق میں بہتر ہے اسے جانتا ہے اور تمہاری تدبیر کے بارے میں حکمت والا ہے۔

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝

''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے گروہ پر تو پھر سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرا دو ان کے درمیان عدل وانصاف سے اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے''۔

اس میں دس مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا معتمر بن سلیمان، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں (2) انہوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کاش آپ عبداللہ بن ابی کے ہاں جاتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے آپ گدھے پر سوار ہوئے اور مسلمان ساتھ چل رہے تھے یہ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 363 2۔ جامع اسباب النزول، جلد 325

شوریدہ زمین تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے تو اس نے کہا: مجھ سے دور ہی رہیے اللہ کی قسم! آپ کے گدھے کی بو مجھے اذیت دیتی ہے تو ایک انصاری نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گدھا خوشبو میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔ عبد اللہ کے لیے اس کی قوم کا ایک فرد غصے میں آ گیا ہر ایک کے لیے اس کے ساتھی غصے میں آ گئے ان کے درمیان شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں سے لڑائی شروع ہوگئی ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا: اوس اور خزرج کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: انصار کے دو قبیلے ڈنڈوں اور جوتوں سے باہم لڑے تو یہ آیت نازل ہوئی اس کی مثل سعید بن جبیر سے روایت مروی ہے کہ اوس وخزرج کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لڑائی ہوئی جو کھجور کی شاخوں، جوتوں وغیرہ کے ساتھ ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

قتادہ نے کہا: یہ انصار کے دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ان دونوں کا کسی حق کے بارے میں باہم جھگڑا تھا (1) ان میں سے ایک نے کہا: میں اپنا حق سختی سے لوں گا کیونکہ اس کے خاندان کے افراد زیادہ تھے دوسرے نے اسے دعوت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مسئلہ پیش کرتے ہیں تو پہلے ساتھی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا معاملہ ان کے درمیان ہی رہا یہاں تک کہ وہ لڑ پڑے اور ان میں سے بعض نے بعض کو ہاتھوں، جوتوں اور تلواروں سے مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا: یہ سمیر اور حاطب کی لڑائی کے بارے میں آیت نازل ہوئی، سمیر نے حاطب کو قتل کیا تھا تو اوس اور خزرج آپس میں لڑ پڑے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم اور مومنوں کو حکم ارشاد فرمایا کہ دونوں کے درمیان صلح کرائیں (2)۔ سدی نے کہا: انصار کی ایک عورت تھی جسے ام زید صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا وہ ایک غیر انصاری کے عقد میں تھی وہ اپنے خاوند سے الجھی اس عورت نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے افراد کے پاس چلی جائے اس کے خاوند نے اسے محبوس کر دیا اسے دوسری منزل میں رکھا جس میں اس کے خاندان کا کوئی فرد نہ تھا عورت نے اپنی قوم کے افراد کو پیغام بھیجا اس کی قوم کے لوگ آئے انہوں نے اسے نیچے اتارا تا کہ اسے لے جائیں۔ وہ آدمی نکلا اس نے اپنے خاندان کے لوگوں سے مدد طلب کی اس کے چچا زاد نکلے تا کہ عورت اور اس کے گھر والوں کے درمیان حائل ہو جائیں انہوں نے ایک دوسرے کو دھکے دیئے اور جوتوں سے ایک دوسرے کو مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طائفہ کا لفظ ایک آدمی، جمع اور دو کو شامل ہوتا ہے یہ معنی پر محمول ہوتا ہے لفظ پر محمول نہیں ہوتا کیونکہ دونوں طائفے قوم اور الناس کے معنی میں ہیں۔

حضرت عبد اللہ کی قراءت میں حتی لیفیئوا إلی أمر اللہ فان فاء وا فخذوا بینھم بالقسط ہے۔ ابن ابی عبلہ نے اقتتلتا پڑھا ہے کیونکہ طائفے دو ہیں اس کے بارے میں گفتگو سورۂ براءۃ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور) کے بارے میں کہا: مراد ایک اور اس سے اوپر ہے۔ اور طائفة من الشئ سے مراد اس کا ٹکڑا ہے۔

**فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا** انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دے کر ان کے درمیان صلح کراؤ خواہ ان کے حق میں ہو یا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1 صفحہ 58

ان کے خلاف ہو۔

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى یعنی ایک حد سے تجاوز کرے اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور کتاب کو نہ مانے یعنی اس سے مراد بات کو طول دینا اور فساد برپا کرنا ہے۔

حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف لوٹے فَاِنْ فَآءَتْ اگر وہ لوٹے فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ یعنی ان دونوں کو انصاف پر برانگیختہ کرو وَ اَقْسِطُوْا اے لوگو! انصاف سے کام لو تم باہم نہ لڑو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَقْسِطُوْا یعنی عدل سے کام لو۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۞ یعنی اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں اور حق پرستوں کو پسند کرتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ علماء نے کہا: مسلمانوں میں دو جماعتیں قتال کرنے میں دو حالتوں سے خالی نہ ہونگی یا تو وہ دونوں میں سرکشی کے راستہ پر باہم قتال کریں گی یا ایسا نہیں ہوگا اگر پہلی صورت ہو تو اس میں یہ ضروری ہوگا کہ دونوں کے درمیان ایسے آدمی کو لایا جائے جو دوری کو ختم کرے اور ایک دوسرے سے ہاتھ روک لیں اور الگ الگ ہو جائیں اگر وہ نہیں رکتے، صلح بھی نہیں کرتے اور سرکشی پر ہی کمر بستہ رہتے ہیں تو ان دونوں سے جنگ کی جائے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرتی ہو تو ضروری ہوگا کہ باغی گروہ سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ رک جائے اور توبہ کرلے، اگر وہ ایسا کرے تو اس کے درمیان اور جس کے ساتھ زیادتی کی گئی اس کے درمیان عدل و انصاف سے مصالحت کروائی جائے اگر کسی شبہ کی بنا پر دونوں میں جنگ چھڑ جائے دونوں فریق اپنی جگہ حق پر ہوں تو ضروری ہے کہ دلائل اور براہین کے ساتھ شبہ کو زائل کیا جائے اگر وہ لڑائی جھگڑے پر گامزن رہیں اور جس امر کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی اور حق کے واضح ہونے کے بعد جو انہیں اتباع حق کی نصیحت کی گئی اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو دونوں باغی گروہ بن جائیں گے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اس باغی گروہ کے ساتھ قتال واجب ہے جس کی بغاوت امام یا کسی مسلمان کے خلاف معلوم ہو اور جو آدمی مومنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کرتا ہے اس کے قول کو فاسد کرنے پر تگ و دو کرتا ہو اس کے خلاف بھی جنگ کرنا لازم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے: قتالُ المؤمن کفر(1) مومن سے جنگ کرنا (علامت) کفر ہے اگر مومن باغی سے قتال کرنا کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے کفر کا حکم دیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کیا جو اسلام سے وابستہ رہے اور زکوۃ دینے سے رک گئے۔ آپ نے حکم دیا: پیٹھ پھیر جانے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے کسی زخمی کو نہ مارا جائے ان کے اموال لینا حلال نہیں جبکہ کافر میں یہ چیزیں واجب ہیں۔ طبری نے کہا: اگر ہر وہ اختلاف جو دو فریقوں کے درمیان ہوتا اس میں واجب بھاگ جانا اور گھروں میں بیٹھ رہنا ہوتا تو کوئی حد قائم نہ ہوتی اور نہ باطل کو باطل کہا جاتا تو اہل نفاق اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے ہر چیز کو حلال کرنے کی راہ اپنا لیتے جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا تھا جس طرح مسلمانوں کے اموال لینا، ان کی عورتوں کو قیدی بنا لینا اور ان کے خون بہانا۔ وہ ان مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کریں اور مسلمان ان سے اپنے ہاتھوں کو روک لیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 58

خلاف ہے: خذ وا علی أیدی سفھائکم (1) اپنے بے وقوف لوگوں کے ہاتھوں کو روکو۔

**مسئلہ نمبر 4۔** قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ آیت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں اصل ہے اور غلط تاویل کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے میں بنیاد ہے صحابہ نے اسی پر بھروسہ کیا اور ملت کے بڑے لوگوں نے اسی کی پناہ لی (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں یہی آیت مراد لی: تَقْتُل عَمَّارًا الفئة الباغية عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ خارجیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: يخرجون على خير فرقة أو على حين فرقة وہ بہترین جماعت پر خروج کریں گے۔ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''دو جماعتوں میں سے ایسی جماعت انہیں قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہے'' جس ہستی نے ان سے جنگ کی وہ حضرت علی شیر خدا اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے مسلمان علماء کے نزدیک یہ ثابت ہے اور دینی دلیل سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت علی شیر خدا امام تھے اور جس نے بھی ان پر خروج کیا وہ باغی تھا اس کے ساتھ تو قتال واجب تھا یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے اور صلح پر راضی ہو جائے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا جبکہ صحابہ ان کے خون سے بری تھے کیونکہ جن لوگوں نے آپ کے خلاف شورش کی تھی ان کے ساتھ جنگ کرنے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا تھا فرمایا: میں وہ پہلا شخص نہیں بننا چاہتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں قتل کے ساتھ نیابت کرے۔ آپ نے آزمائش پر صبر کیا، امتحان کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور امت کو اپنی جان کا نذرانہ دے دیا پھر یہ ممکن نہ تھا کہ لوگوں کو بے مقصد چھوڑ دیا جاتا۔ حضرت عمر نے شوریٰ میں جن افراد کا ذکر کیا تھا خلافت کو ان پر پیش کیا گیا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ حضرت علی شیر خدا اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے تو آپ نے امت پر احتیاط کی غرض سے اسے لے لیا کہ ان کے خون باطل طریقہ سے نہ بہتے رہیں اور بے مقصد ان کا معاملہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائے بعض اوقات دین میں تبدیلی رونما ہوگئی اور اسلام کے ستون ٹوٹ گئے جب آپ کی بیعت کی گئی تو اہل شام نے مطالبہ کر دیا کہ وہ تب بیعت کریں گے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے ان کو پکڑیں اور ان سے قصاص لیں حضرت علی شیر خدا نے انہیں فرمایا: بیعت میں داخل ہو جاؤ اور حق کا مطالبہ کرو تم اس تک پہنچ جاؤ گے۔ انہوں نے کہا: آپ بیعت کے مستحق نہیں جبکہ حضرت عثمان کے قاتل صبح و شام آپ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی رائے اس بارے میں درست تھی کیونکہ حضرت علی شیر خدا اگر ان سے فوراً قصاص لیتے تو قبائل ان کی عصبیت میں کھڑے ہو جاتے تو تیسری جنگ شروع ہو جاتی آپ نے انتظار کیا تاکہ خلافت کا معاملہ مضبوط ہو جائے اور بیعت منعقد ہو جائے اور مجلس حکم میں اولیاء کی جانب سے مطالبہ ہو اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جائے۔

امت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ قصاص میں تاخیر کرے خصوصاً جب قصاص فتنہ بھڑکانے اور جمعیت کو منتشر کرنے کا باعث ہو۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لیے بھی ایسا ہی ہوا وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ولایت کے مسئلہ پر الگ نہ ہوئے تھے اور نہ ہی انہوں نے دیانت کے اعتبار سے ان پر اعتراض کیا تھا ان کی رائے

1۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 81 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1717

یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے بدلہ لینا یعنی انہیں پہلے قتل کرنا ضروری ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: ان کے درمیان جو جنگ واقع ہوئی اس کا سبب بھی یہی قول تھا جلیل القدر علماء کہتے ہیں کہ بصرہ میں ان کے درمیان جو واقع ہوا وہ جنگ کے ارادہ سے نہ ہوا تھا بلکہ اچانک ہوا تھا ہر ایک فریق نے اپنا دفاع کیا کیونکہ اس کا گمان یہ تھا کہ دوسرے فریق نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے کیونکہ معاملہ ان کے درمیان منظم ہو چکا تھا صلح مکمل ہو چکی تھی باہم رضامندی سے وہ الگ الگ ہونے والے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو خوف ہوا کہ انہیں پکڑ لیا جائے گا اور انکو گھیر لیا جائے گا وہ اکٹھے ہوئے، باہم مشاورت کی اور اختلاف کیا پھر ان کا اس رائے پر اتفاق ہوا کہ وہ دو فریقوں میں بٹ جائیں اور دونوں لشکروں میں سحری کے وقت جنگ شروع کر دیں تیر ان کے درمیان چلے وہ فریق جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھا اس نے شور مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے دھوکہ کیا اور جو فریق حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لشکر میں تھا اس نے شور مچایا کہ حضرت علی نے دھوکہ کیا اس طرح وہ امر تکمیل پذیر ہوا جس کی انہوں نے تدبیر کی تھی اور جنگ نے ان میں اپنی جگہ بنا لی ہر فریق اپنے کیے کا اپنے ہاں دفاع کر رہا تھا اور خون بہائے جانے سے مانع تھا۔ یہ دونوں فریقوں کی جانب سے درست عمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت تھی کیونکہ باہم جنگ اور دفاع اس طریقہ سے ہوا تھا؛ یہی قول صحیح اور مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ یہ قتال کا حکم ہے اور یہ فرض کفایہ ہے جب کچھ لوگ اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو باقی ماندہ افراد سے یہ حکم ساقط ہو گیا یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں سے ایک جماعت اسی وجہ سے گھروں میں بیٹھی رہی جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو درست قرار دیا، ان میں سے ہر ایک نے اپنا عذر پیش کیا جسے آپ نے قبول کیا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب یہ معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انہوں نے حضرت سعد کو ان کے کیے پر عتاب کیا اور انہیں کہا: نہ تو آپ ان میں سے ہوئے جنہوں نے دو ایسے گروہوں کے درمیان صلح کرائی جو آپس میں لڑ رہے تھے اور نہ ہی باغی جماعت سے جنگ کی۔ حضرت سعد نے کہا: میں نے باغی گروہ سے جو جنگ نہیں کی میں اس پر شرمندہ ہوں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک نے جو کیا اس کا وہ کامل طور پر ادراک نہیں رکھتا تھا یہ سب کچھ اجتہاد کے نتیجہ اور شرع کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا (2)۔

**مسئلہ نمبر 6۔** فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ ان کی صلح میں عدل یہ ہے (3) کہ ان کے درمیان جو خون خرابہ ہوا اور جو مال کا ضیاع ہوا اس کا مطالبہ نہ کریں کیونکہ جو کچھ نقصان ہوا وہ کسی تاویل کی بنا پر ہوا اور ان کے مطالبہ کی صورت میں حقیقت میں یہ صلح سے بھاگنا اور بغاوت میں دور تک جانا ہے۔ مصالحت میں یہی اصل وقانون ہے لسان الامت ☆ نے کہا: صحابہ کے درمیان جنگ میں حکمت یہ ہے کہ اہل اجتہاد کے قتال کے احکام کو جانا جاسکے کیونکہ اہل شرک

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1718 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1719 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1720

☆ اس سے مراد ابوبکر بن طیب باقلانی ہے انہیں یہ لقب قاضی عیاض نے دیا۔

کے ساتھ قتال کے احکام رسول اللہ ﷺ کی زبان اور آپ کے عمل سے معلوم ہو چکے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 7**۔ جب کوئی باغی خروج کرنے والا عادل امام پر خروج کرے جبکہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو امام تمام مسلمانوں کو ساتھ لے کر قتال کرے جو اسے کفایت کریں جنگ سے پہلے وہ انہیں اطاعت اور جماعت میں داخل ہونے کی دعوت دے اگر وہ اطاعت کی طرف لوٹنے اور صلح سے انکار کر دیں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے، ان کے قیدیوں کو قتل کیا جائے، ان کے بھاگ جانے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، ان کے زخمی کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی جائے، ان کے بچوں کو قیدی نہ بنایا جائے اور ان کے اموال پر قبضہ نہ کیا جائے جب عادل (امیر کا وفادار) باغی کو قتل کرے یا باغی عادل کو قتل کرے جبکہ وہ ایک دوسرے کے ولی ہوں تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے جان بوجھ کر قتل کرنے والا کسی صورت میں وارث نہیں بنے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عادل باغی کا وارث بنے گا۔ قصاص پر قیاس کیا گیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 8**۔ باغیوں اور خارجیوں نے جو خون یا مال برباد کیا پھر وہ تائب ہوئے تو اس کی وجہ سے ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: وہ ضامن ہوں گے۔ امام شافعی کے دو قول ہیں، امام ابوحنیفہ کے قول کی یہ دلیل ہے کہ یہ ظلم و زیادتی کے ساتھ اتلاف ہے تو ضمانت لازم ہوگی ہمارے نزدیک قابل اعتماد بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی باہم جنگوں میں بھاگ جانے والے کا پیچھا نہیں کرتے تھے اور زخمی کو قتل نہیں کرتے تھے، قیدی کو قتل نہیں کرتے تھے جان کے اتلاف اور مال ضائع ہونے کی صورت میں وہ ضمانت نہیں لیتے تھے وہی مقتداء ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عبداللہ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کیا حکم دیا ہے جو اس امت میں سے بغاوت کرتا ہے(1)؟'' عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، فرمایا: ''اس کے زخمی کو قتل نہ کیا جائے گا، اس کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، بھاگ جانے والی کی تلاش نہیں کی جائے گی اور ان کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا'' جو مال اصل حالت میں ہوا اس کو واپس کر دیا جائے گا یہ سب کچھ اس آدمی کے بارے میں ہے جو کسی تاویل کی بنا پر خروج کرتا ہے جو تاویل اس خروج کو جائز قرار دیتی تھی۔

زمخشری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے: اگر باغیوں کی تعداد تھوڑی ہو اس حیثیت میں کہ وہ اپنا دفاع نہ کر سکیں تو اس نے جو جنایت کی تھی تو لوٹ آنے کے بعد جماعت ضامن ہوگی اگر ان کی تعداد زیادہ ہو وہ قوت و شوکت والے ہوں تو وہ ضامن نہ ہوگی مگر محمد بن حسن شیبانی کا نقطہ نظر ہے آپ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ ضمانت اس پر لازم ہوگی جب وہ رجوع کرے مگر جمع ہونے اور لشکر کشی کرنے سے قبل یا جنگ ختم ہونے کے وقت اوزار رکھنے کے وقت کا معاملہ ہے تو اس نے جنایت کی تو وہ سب کے نزدیک ضامن ہوگا۔

عدل کے ساتھ اصلاح پر برانگیختہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ میں امام محمد کے نزدیک واضح ہے آیت کریمہ کے لفظ پر منطبق ہے(2)۔ دوسرے علماء کے قول کے مطابق اس کی توجیہ یہ ہے کہ باغی جماعت کو قلیل تعداد

---

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 365　2۔ ایضاً

پر محمول کیا جائے جس امر کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ غرض کینوں کو ختم کرنا ہے جنایات کی ضمانت دینا نہیں ہے یہ اس عدل حکم کے ساتھ حسن مطابقت نہیں رکھتا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے۔ دوسرے فَاَصْلِحُوْا کے ساتھ عدل کو ملایا گیا ہے پہلے فَاَصْلِحُوْا کے ساتھ نہیں ملایا گیا؟

میں اس کا جواب دوں گا: آیت کے شروع میں قتال سے مراد ہے کہ وہ دونوں باغی کی حیثیت میں قتال کریں یا ان میں شبہ پایا جائے کوئی بھی صورت ہو مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ حق کا ارادہ کرتے ہوئے شافی مواعظ کے ساتھ اور شبہ کی نفی کرنے کا اہتمام کرتے ہوئے جو جدائی واقع ہو چکی ہے اس میں اصلاح احوال کریں آگ کو ٹھنڈا کریں مگر جب وہ دونوں اصرار کریں تو ان سے جنگ ضروری ہے جہاں تک ضمانت کا تعلق ہے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جب ان میں سے ایک باغی ہو تو معاملہ اس طرح نہ ہوگا کیونکہ مذکورہ دونوں صورتوں میں ضمانت قابل توجہ ہوگی۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ اگر وہ کسی علاقہ پر غلبہ پالیں اور صدقات وصول کرلیں، حدود قائم کریں اور ان میں فیصلہ کریں ان پر نہ تو دوبارہ صدقات لازم کیے جائیں گے اور نہ حدود قائم کی جائیں گی اور انہوں نے جو فیصلے کیے ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا مگر جو کتاب، سنت اور اجماع کے خلاف ہو جس طرح جو باغی ہو تو اس کے فیصلے کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جاتا؛ یہ مطرف اور ابن ماجشون کا قول ہے۔ ابن قاسم نے کہا: کسی حال میں بھی یہ جائز نہیں (1)۔ اصبغ سے مروی ہے: یہ جائز ہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ جائز نہیں جس طرح ابن قاسم کا قول ہے؛ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اس نے ناحق ان لوگوں کے بارے میں عمل کیا ہے جس پر اس کی تولیت جائز نہ تھی تو یہ جائز نہ ہوگا جس طرح وہ اگر باغی نہ ہوتے تو بھی جائز نہ ہوتا۔ ہمارے لیے قابل اعتماد وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب فتنہ فرو ہو گیا اور صلح کی وجہ سے اختلاف کیا گیا تو صحابہ نے کسی کے حکم میں کوئی معارضہ نہ کیا۔ ابن عربی نے کہا: جو چیز میرے پاس پسندیدہ ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ فتنہ جب ختم ہو گیا تو امام وہی باغی تھا تو وہاں کون تھا جو معترض بنتا؟ (2)

**مسئلہ نمبر 10**۔ یہ جائز نہیں کہ صحابہ میں سے کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر خطا کو منسوب کیا جائے کیونکہ ہر ایک نے جو بھی عمل کیا اس میں وہ مجتہد تھا وہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا کا ہی ارادہ کرتے تھے وہ سب ہمارے آئمہ ہیں ان کے درمیان جو اختلاف ہوا ہم اس سے باز رہنے کے پابند ہیں ہم ان کا ذکر احسن انداز میں ہی کریں گے کیونکہ صحابہ احترام کے مستحق ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں برا بھلا کہنے سے منع کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کا ذکر کیا ہے اور ان سے راضی ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ چیز مختلف سندوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت طلحہ شہید ہیں جو روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں جس جنگ کے لیے وہ نکلے تھے وہ نافرمانی ہوتی (3) تو اس میں قتل ہونے والا شہید نہ ہوتا اسی طرح اگر جس جنگ میں وہ

---

1۔ جامع ترمذی، صفۃ القیامہ، جلد 2، صفحہ 73

2۔ حضرت مفسر کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ دوسرے فریق کے زیر تصرف بھی علاقے تھے جب ان علاقوں میں فیصلوں کو تبدیل نہ کیا گیا تو قاعدہ کلیہ تو واضح ہو گیا۔

3۔ ابن ماجہ، باب فضل طلحۃ بن عبید اللہ، حدیث نمبر 121، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نکلے تھے تو تاویل میں غلطی کرتے اور واجب میں کوتاہی کرتے کیونکہ شہادت تو اسی وقت ہوتی ہے جب اطاعت کی صورت میں قتل ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے معاملہ کو اس امر پر محمول کیا جائے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس امر پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی شیر خدا کی روایات میں سے صحیح اور عام یہ روایت ہے کہ حضرت زبیر کو قتل کرنے والا جہنم میں جائے گا اور ان کا یہ قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو''۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نافرمانی کرنے والے اور قتال کے ذریعے گناہ کار نہ تھے کیونکہ اگر معاملہ اس طرح ہوتا یعنی وہ عاصی اور گناہگار ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ کے بارے میں یہ نہ کہتے کہ وہ شہید ہے اور یہ خبر نہ دیتے کہ حضرت زبیر کا قاتل آگ میں ہے اسی طرح جو گھر میں بیٹھ گیا وہ تاویل میں غلطی کرنے والا نہیں بلکہ وہ درست ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اجتہاد کی راہ دکھائی جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ امر انہیں لعن طعن کرنے ان سے براءت کا اظہار کرنے اور ان کو فاسق قرار دینے کو ثابت نہیں کرتا، ان کے فضائل اور ان کے جہاد کو باطل نہیں کرتا اور دین میں جو ان کا عظیم مقام ہے اس کو ختم نہیں کرتا۔ رضی اللہ عنہم۔

بعض سے اس خون ریزی کے بارے میں پوچھا گیا جو ان کے درمیان واقع ہوئی تو یہ آیت پڑھی: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ)

بعض سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ ایسی خونریزی تھی اللہ تعالیٰ نے میرا ہاتھ اس سے پاک رکھا، میں اپنی زبان کو اس سے آلودہ نہیں کروں گا یعنی خطا میں واقع ہونے اور بعض پر ایسا حکم لگانے سے جو درست نہ ہو اس سے بچوں گا۔ ابن فورک نے کہا: ہمارے دونوں میں سے کچھ نے کہا کہ صحابہ کے درمیان جو تنازعات ہوئے ان کے بارے میں وہی رویہ اپناؤ جو حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان تنازعہ ہوا اس میں اپناتے ہو اس کے باوجود وہ ولایت اور نبوت کے دائرہ سے باہر نہ نکلے صحابہ کے درمیان جو معاملہ ہوا وہ بھی اسی طرح ہے۔

محاسبی نے کہا: جہاں تک خونریزی کا تعلق ہے ان کے اختلاف کی وجہ سے ہمارے لیے قول کرنا بہت مشکل ہے۔

حضرت حسن بصری سے ان کے قتال کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ حاضر ہوئے جبکہ ہم غائب تھے، وہ عالم تھے ہم جاہل ہیں، وہ اکٹھے ہو گئے تو ہم نے ان کی اتباع کی اور انہوں نے اختلاف کیا تو ہم نے توقف کیا(1)۔

محاسبی نے کہا: ہم وہی بات کرتے ہیں جس طرح حضرت حسن بصری نے کی ہے، ہم جانتے ہیں جو اس میں داخل ہوئے تھے وہ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے جس امر پر انہوں نے اتفاق کیا ہم اس کی پیروی کریں گے جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہم اس کے متعلق توقف کریں گے اور ہم اپنی جانب سے کسی رائے کو پیش نہیں کریں گے ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سے توفیق کے طالب ہیں۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 322

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰

”بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کروادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی دین و حرمت میں بھائی بھائی ہیں، یہ رشتہ نسب میں نہیں اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: دینی اخوت نسبی اخوت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ نسبی اخوت دینی مخالفت کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور دینی اخوت نسبی مخالفت کے باوجود ختم نہیں ہوتی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاتحاسدوا ولا تباغضوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا و کونوا عباد اللہ إخوانا (1) باہم حسد نہ کرو، باہم بغض نہ کرو، جاسوسی نہ کرو، خبر معلوم کرنے کی کوشش نہ کیا کرو باہم بھاؤ پر بھاؤ نہ کیا کرو بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ ”باہم حسد نہ کیا کرو، بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم بغض نہ کیا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، تم میں سے کوئی کسی کی خرید و فروخت کے معاہدہ پر معاہدہ نہ کرے بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ“۔ ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے، تقویٰ یہاں ہے“ آپ نے تین دفعہ سینہ کی طرف اشارہ کیا ”ایک انسان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے“ الفاظ مسلم کے ہیں۔

صحیحین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس پر عیب لگاتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ گھر بنانے میں اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے کہ اس پر ہوا کو روک دے مگر اس کی اجازت سے ایسا کرتا ہے، وہ ہنڈیا کی خوشبو سے اسے اذیت نہیں دیتا مگر اس کے لیے چمچہ پھر سالن بھیجتا ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے پھل نہ خریدے کہ وہ اسے لے کر پڑوسی کے بچوں کے پاس جائیں اور اس میں سے انہیں کوئی چیز نہ دیں“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یاد کرلو تم میں سے بہت ہی تھوڑے افراد اسے یاد رکھیں گے“۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ یعنی جن دو مسلمان افراد کے درمیان جھگڑا ہے ان میں صلح کرواؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوس و خزرج مراد ہیں جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابو علی نے کہا: اخوین سے مراد دو طائفے ہیں کیونکہ تثنیہ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے اور مراد کثرت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ: 64) ابو عبیدہ نے کہا: یعنی دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ۔ اس کا صدق تمام افراد پر آتا ہے۔ ابن سیرین، نصر بن عاصم، ابو العالیہ، جحدری اور یعقوب نے بین اخوتکم پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے اخوانکم پڑھا ہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، جلد 2، صفحہ 317

باقی قراء نے اخویکم یاء کے ساتھ تثنیہ کا صیغہ پڑھا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ اس آیت اور اس سے قبل والی آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ بغاوت ایمان کے اسم کو زائل نہیں کرتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سرکشی کرنے کے باوجود انہیں اخوۃ اور مومنین کا نام دیا ہے۔ حارث اعور نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک افراد کے بارے میں پوچھا گیا جبکہ ان کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے متعلق تھے کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا: نہیں وہ تو شرک سے بھاگے تھے، پوچھا گیا: وہ منافق تھے؟ فرمایا: نہیں کیونکہ منافق اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں، پوچھا گیا: ان کا کیا حال ہے؟ فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر بغاوت کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"اے ایمان والو نہ تمسخر اڑایا کرو مردوں کی ایک جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ، کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا، اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے اس روش سے تو وہی بے انصاف ہیں"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے بہتر ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اعتقاد اور باطنی طور پر اطاعت شعار ہونے میں بہتر ہوں۔ سخریہ کا معنی استہزاء ہے اس کا باب سخرت منه أسخر سُخْرًا مَسْخَرًا و سَخَرًا ہے" ابو زید نے یہ بیان کیا ہے سَخِرت به۔ یہ سب سے ردی لغت ہے۔ اخفش نے کہا: سخرت منه سخرت، ضحکت منه و ضحکت به اور هزئت منه و هزئت به سب نے کہا: یہ کہا جاتا ہے اس کا اسم سخریہ اور سخری ہے دونوں کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (الزخرف: 32) فلاں سخرۃ۔ وہ عمل میں مذاق کرتا ہے یہ کہا جاتا ہے: خادم سُخرۃ، رجل سُخرۃ، یعنی اس کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے۔ سُخَرۃ، لوگ اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی ان کے کان میں گرانی تھی جب صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی طرف سبقت کرتے جب وہ مجلس میں آتے تو صحابہ ان کی جگہ کھلی کر دیتے یہاں تک کہ وہ آپ کے پہلو میں بیٹھ جاتے تا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اس کو سن لیں، ایک دن وہ آئے جبکہ نماز فجر کی ایک رکعت ہو چکی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے ہر ایک آدمی نے اپنے آپ کو اپنی جگہ روک لیا اور اسی کے ساتھ چمٹ گئے

کوئی کسی کے لیے جگہ نہیں چھوڑ رہا تھا یہاں تک کہ جو آدمی جگہ نہ پاتا وہ کھڑا ہو جاتا، جب حضرت ثابت نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا اور کہتے: کھل جاؤ۔ لوگوں نے آپ کے لیے جگہ کھلی کر دی یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے جبکہ ان کے درمیان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آدمی تھا۔ حضرت ثابت نے کہا: جگہ دو۔ اس آدمی نے آپ سے کہا: آپ نے جگہ پالی ہے یہیں بیٹھ جائیے۔ حضرت ثابت اس کے پیچھے غصہ کی حالت میں بیٹھ گئے پھر کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: فلاں ہے۔ حضرت ثابت نے کہا کہ فلانہ کا بیٹا، اسے عار دلانا چاہتے تھے یعنی دور جاہلیت کی جو اس کی ماں تھی۔ اس آدمی کو بڑی حیا آئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ضحاک نے کہا: یہ بنو تمیم کے وفد کے بارے میں آیت نازل ہوئی جن کا ذکر سورۂ کے آغاز میں گذر چکا ہے انہوں نے فقراء صحابہ کا مذاق اڑایا جس طرح حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت ابن فہیرہ، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلیمان اور حضرت سالم جو ابوحذیفہ کے غلام تھے رضی اللہ عنہم۔ یہ بات انہوں نے اس وقت کی جب انہوں نے ان کے برے حال کو دیکھا تو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی(1)۔

مجاہد نے کہا: مراد غنی کا فقیر سے مذاق کرنا۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس کے گناہ پوشیدہ رکھے وہ اس آدمی کا مذاق نہ اڑائے جس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہو ممکن ہے کہ اس کے گناہوں کا دنیا میں ظاہر ہونا آخرت میں اس کے لیے بہتر ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عکرمہ بن ابی جہل کے حق میں نازل ہوئی جب وہ مدینہ طیبہ میں مسلمان کی حیثیت سے آیا مسلمانوں نے جب اسے دیکھا تو کہا: اس امت کے فرعون کا بیٹا۔ عکرمہ نے اس کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی آدمی اس پر مذاق کی جراءت نہ کرے جو اس کے سامنے آئے جبکہ اس کا حال پراگندہ ہو، اس کے بدن میں کوئی عیب ہو یا وہ اچھی طرح گفتگو نہ کر سکتا ہو ممکن ہے ضمیر کے اعتبار سے زیادہ مخلص اور دل کے اعتبار سے زیادہ صاف ہو اس آدمی کی بنسبت جو اس کی صفت کے مخالف ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا کہ وہ اس آدمی کو حقیر سمجھ رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اور اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عظیم قرار دیا ہے۔ سلف صالحین نے اس امر سے بچنے میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا، ان میں عمرو بن شرحبیل کا قول ہے: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ وہ بکری کے بچے کو بکری کا دودھ پلا رہا ہے تو میں اس پر ہنس پڑوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں وہ کام کروں گا جو اس نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آزمائش بات پر ہی منحصر ہے اگر میں کتے کا مذاق اڑاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میں کتا بنا دیا جاؤں۔ قوم کا لفظ مذکرین کے لیے خاص ہے۔ زہیر نے کہا:

وما أدري وسوف إخال أدري  أقوم آل حصن أم نساء(2)

میں نہیں جانتا ممکن ہے میں جان جاؤں کیا آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ہیں۔

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 202  2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 332

انہیں قوم کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ مصائب میں داعی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائم کی جمع ہے پھر ہر جماعت میں اس کو استعمال کیا جانے لگا اگرچہ وہ کھڑے نہ ہوں۔ قوم میں عورتیں مجازاً داخل ہو جاتی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ عورتوں کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ ان سے مذاق اکثر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ (نوح: 1) یہ سب کو شامل ہے۔ مفسرین نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے استہزاء کیا تھا آپ نے اپنی دونوں ڈھاکوں کو ایک سفید کپڑے سے باندھ رکھا تھا اور اس کی دونوں طرفوں کو پیچھے لٹکا دیا تھا وہ اسے گھسیٹ رہی تھیں۔ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے فرمایا: اسے دیکھو یہ اپنے پیچھے کیا گھسیٹ رہی ہے گویا وہ کتے کی زبان ہے۔ یہ ان دونوں کا مذاق تھا۔ حضرت انس اور ابن زید نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہی کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت ام سلمہ کو چھوٹے قد کا ہونے کی وجہ سے عار دلائی تھی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت صدیقہ کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے اپنے ہاتھ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اے اللہ کے نبی! وہ چھوٹے قد کی ہے۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کی: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم عورتیں مجھے عار دلاتی ہیں وہ مجھے کہتی ہیں: اے یہودن جو دو یہودیوں کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو نے یہ کیوں نہیں کہا: میرا جد حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے خاوند حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ صحیح ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی نقل کی فرمایا: ''مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میں کسی کی نقل کروں جبکہ میرے لیے یہ یہ ہے'' کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت صفیہ چھوٹے قد کی عورت ہے، ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا فرمایا: ''تو نے ایک بات کی ہے اگر اسے سمندر میں ملایا جائے تو وہ متغیر ہو جائے'' (2)۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن زمعہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایک اونٹ کو مارنے کی طرح کیوں اپنی بیوی کو مارتا ہے پھر اسے گلے لگاتا ہے'' صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے احوال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے'' (3)۔

یہ عظیم حدیث ہے اس پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ کسی کے عیب کی وجہ سے وہ قطع تعلق نہ کرے وہ اس کی اطاعت کے اعمال

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 202
2۔ ابوداؤد، باب فی الغیبة، حدیث نمبر 4232، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب تحریم ظلم المسلم الخ، جلد 2، صفحہ 317

دیکھے ممکن ہے جو اعمال ظاہرہ کی محافظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک مذموم وصف کو جانتا ہو جس کے ساتھ وہ اعمال صحیح نہ رہتے ہوں ممکن ہے جس میں ہم کوئی نافرمانی اور کوتاہی دیکھیں اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسا وصف محمود جانتا ہو جس کے باعث اس کے گناہ بخش دے۔ اعمال ظنی نشانیاں ہیں یہ قطعی ادلہ نہیں جس کے اعمال صالح دیکھیں اس کی تعظیم میں غلو نہ کریں جس کے برے اعمال دیکھیں اس کی تحقیر میں نہ جایا جائے اس میں غور و فکر کیجئے کیونکہ دقیق نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ لمز کا معنی عیب ہے۔ سورۂ براءۃ میں ارشاد باری تعالیٰ: وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ (توبہ: 58) میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ طبری نے کہا: لمز ہاتھ، آنکھ، زبان اور اشارہ سے ہو سکتا ہے اور ھمز صرف زبان سے ہوتا ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: 29) کی مثل ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کریں کیونکہ مومنین ایک نفس کی طرح ہیں گویا بھائی کو قتل کرنے والا اپنے آپ کو قتل کرنے والا ہے جس طرح مومنین ایک نفس کی طرح ہیں گویا بھائی کو قتل کرنے والا اپنے آپ کو قتل کرے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (النور: 61) یعنی تم میں سے بعض بعض کو سلام کرتے ہیں معنی ہے تم میں سے بعض بعض کو عیب نہ لگائیں۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: تم میں سے بعض بعض پر طعن نہ کریں۔ ضحاک نے کہا: تم میں سے بعض بعض پر طعن نہ کریں (1)۔ اسے لا تلمزون بھی پڑھا گیا ہے اَنْفُسَكُمْ کے قول میں یہ تنبیہ موجود ہے کہ دانش مند آدمی اپنے آپ پر عیب نہیں لگاتا اس لیے کسی غیر پر بھی عیب نہیں لگانا چاہیے کیونکہ غیر بھی اس کی ذات کی طرح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: المؤمنون کجسد واحد إن اشتکی عضو منه تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی (2) سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں اگر اس میں سے ایک عضو کو بیماری لگتی ہے تو سارا جسم اس کے لیے بیداری اور بخار کے ساتھ ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔

بکر بن عبداللہ مزنی نے کہا: اگر تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ تو ہمت سے عیوب کو دیکھے تو بہت زیادہ عیب لگانے والے، غور کر کیونکہ لوگوں پر وہی عیب لگاتا ہے جو اس کے عیوب سے زائد ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: يبصر أحدكم القذاة في عين أخيه ويدع الجذع في عينه تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی میں تنکا دیکھ لیتا ہے اور اپنی آنکھ میں شہتیر کو چھوڑ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انسان کی سعادت مندی اس میں ہے کہ دوسروں کے عیوب میں مشغول ہونے کی بجائے اپنے عیوب میں مشغول ہوا جائے۔ شاعر نے کہا:

المرء إن كان عاقلاً وَ رعًا أشغله عن عيوبه ورعه

كما السقيم المريض يشغله عن وجع الناس كلهم وجعه

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 332
2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، تراحیم المومنین، جلد 2، صفحہ 321

انسان اگر عقلمند ہو تو اس کا تقویٰ اسے لوگوں کے عیوب سے غافل کر دے گا۔ جس طرح ایک مریض ہوتا ہے اس کا درد اسے تمام لوگوں کے درد سے غافل کر دیتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لا تکشفن مساوی الناس ما ستروا فیتھك الله سترا عن مساویكا

واذكر محاسن مافیھم إذا ذكروا ولا تعب أحدا منھم بما فیك

جن عیوب کو لوگوں نے چھپا رکھا ہے تو انہیں ظاہر نہ کر ورنہ اللہ تعالیٰ تیرے عیوب کو ظاہر کر دے گا۔ جب ان کا ذکر ہو تو ان کی اچھائیوں کا ذکر کر اور جو عیب تجھ میں ہے وہ عیب کسی پر نہ لگا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ، نبز کا معنی لقب ہے اس کی جمع انباز ہے نبز مصدر ہے، تو اس کا باب یوں ظاہر کرتا ہے: نَبَزَہٗ یَنْبِزُہٗ نِبْزًا، یعنی اسے لقب دیا: فلان ینبز بالصبیان فلاں بچوں کو لقب دیتا ہے کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے اسے مشدد پڑھا جاتا ہے: یہ بھی جائز ہے نبزا اور نزب برے لقب کو کہتے ہیں تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ان میں سے بعض نے بعض کو لقب دیا۔

ترمذی میں ابو جبیرہ بن ضحاک سے مروی ہے کہا: ہم میں سے ایک آدمی کے دو یا تین نام ہوا کرتے تھے ان میں سے کسی ایک نام سے اسے پکارا جاتا (1) تو ممکن تھا کہ وہ ناپسند کرے تو یہ آیت نازل ہوئی وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

ابو جبیرہ نے کہا: وہی اخو ثابت بن ضحاک بن خلیفہ انصاری ہے، ابو زید بن سعید بن ربیع صاحب ہروی ثقہ ہے۔ مصنف ابی داؤد میں ان سے یہ روایت مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم میں سے کوئی ایسا آدمی نہ تھا مگر اس کے دو یا تین نام تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرمایا کرتے: ''اے فلاں!'' وہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم رک جایئے وہ اس نام سے ناراض ہو جاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی (2)؛ یہ ایک قول ہے۔

دوسرا قول ہے: حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد آدمی کو کفر کے ساتھ عار دلائی جاتی کہا جاتا: اے یہودی! اے نصرانی! تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ، ابو العالیہ اور عکرمہ سے مروی ہے قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے اے فاسق! اے منافق! یہ مجاہد اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (3)۔

---

1۔ جامع ترمذی، سورۂ حجرات، جلد 2، صفحہ 159

2۔ سنن ابن ماجہ، باب الالقاب، حدیث 3730۔ سنن ابی داؤد، باب فی الالقاب، حدیث 4311، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 152

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ یعنی یہ کتنی بری بات ہے کہ آدمی کا یہ نام ذکر کیا جائے اے زانی!، اے کافر!، جبکہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے اور توبہ کر چکا ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اپنے بھائی کا لقب ذکر کیا یا اس کے ساتھ مذاق کیا تو ایسا کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے ''کہ جس نے اپنے بھائی کے بارے میں کہا: اے کافر! تو یہ قول کسی ایک کی طرف لوٹے گا اگر اسی طرح ہوا جس طرح اس نے ذکر کیا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ قول کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا'' جس نے وہ عمل کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا یعنی مذاق، عیب لگانا تو ایسا کرنے والا فاسق ہوگا یہ جائز نہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابو ذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے ایک آدمی نے ان سے جھگڑا کیا تو حضرت ابو ذر نے اسے کہا: اے یہودیہ کے بیٹے!۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو یہاں سرخ اور سیاہ نہیں دیکھتا تو اس سے افضل نہیں'' یعنی تو تقویٰ کے ساتھ اس سے افضل نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔(1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کا مطلب ہے کہ آدمی نے برے اعمال کیے ہوں پھر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اسے سابقہ گناہوں پر عار دلانے سے منع کیا ہے اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی مومن کو اس گناہ کی وجہ سے عار دلائی جس سے اس نے توبہ کی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے آزمائش میں ڈالے اور اسے دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کرے''۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ جس کا استعمال غالب ہوتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس طرح کانا، کبڑا جس میں اس کا اپنا کوئی عمل دخل نہ ہو امت نے ایسا قول کرنے کی اجازت دی ہے اور اہل ملت نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ چیز ان کی کتب میں ہے جس سے میں راضی نہیں وہ گفتگو صالح جزرہ کے بارے میں ہے کیونکہ اس نے خزدہ میں تصحیف کی تھی۔ تو اسی کے ساتھ اس کا لقب رکھ دیا گیا، اسی طرح ان کا محمد بن سلیمان حضرمی کے بارے میں قول ہے مطین کیونکہ وہ مٹی میں گر پڑے تھے اسی کی مثل اور بھی اقوال ہیں جو متاخرین میں غالب آئے۔ میں دین کے معاملہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا۔ موسیٰ بن علی بن رباح مصری کہا کرتے تھے: میں کسی آدمی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ میرے باپ کا نام اسم مصغر کی صورت میں بنائے ان کے نام میں غالب عین کلمہ کا ضمہ تھا۔ جو قاعدہ اس تمام بحث کو ضبط کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ قول جسے انسان ناپسند کرے جب اسے اس کے ساتھ ندا کی جائے تو اذیت دینے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں بخاری نے جامع صحیح میں کتاب الادب کا ایک باب باندھا ہے باب ما یجوز من ذکر الناس نحو قولھم الطویل والقصیر لا یراد بہ شین الرجل کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما یقول ذوالیدین ابو عبد اللہ بن خویز منداد نے کہا: یہ آیت اس چیز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ انسان کو ایسا لقب نہ دیا جائے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور جسے وہ پسند کرتا ہے وہ لقب اسے دینا جائز ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو فاروق، حضرت ابوبکر کو صدیق، حضرت عثمان کو ذوالنورین، حضرت خزیمہ کو ذوشہادتین، کسی کو ذوشمالین اور کسی کو ذوالیدین وغیرہ کا لقب

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1723

دیا۔ زمخشری نے کہا: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے من حق المؤمنین أن یسمیه بأحب أسمائه إلیه(1) ایک مومن کا دوسرے مومن پر یہ حق ہے کہ اسے وہ نام دے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہو، اسی وجہ سے کنیت سنت اور ادب حسن میں سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کنیتیں عام کرو کیونکہ یہ آگاہ کرنے والی ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کا لقب عتیق اور صدیق تھا، حضرت عمر کا لقب فاروق تھا، حضرت حمزہ کا لقب اسد اللہ، حضرت خالد کا لقب سیف اللہ۔ دور جاہلیت اور دور اسلام میں کم ہی ایسا مشہور شخص ہوگا جس کا کوئی لقب نہ ہو عرب و عجم کی تمام قوموں میں ہمیشہ سے اچھے لقب ان کی گفتگوؤں اور مکاتیب میں جاری ہیں کسی نے انکار نہیں کیا۔

ماوردی نے کہا: جہاں تک مستحب اور مستحسن القاب کا تعلق ہے(2) تو وہ مکروہ نہیں رسول اللہ ﷺ نے کئی صحابہ کے ایسے اوصاف بیان کیے ہیں جو ان کے نمایاں لقب بن گئے۔

میں کہتا ہوں: جس کا ظاہر ناپسندیدہ ہو جب اس کے ساتھ صفت بیان کرنے کا ارادہ کیا ہو عیب کا ارادہ نہ ہو تو یہ اکثر ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مالک سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کہہ رہا تھا: حمید طویل، سلیمان اعمش، حمید اعرج، مروان اصغر۔ فرمایا: جب تو اس کی صفت کا ارادہ کرے اس کے عیب کا ارادہ نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن سرجس سے مروی ہے کہا: رأیت الأصلع یعنی عمر یقبل الحجر۔ میں نے گنجے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو حجر اسود کا بوسہ لے رہے تھے۔ ایک روایت میں الاصیلع کے الفاظ ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ یعنی جو ایسے القاب ذکر کرنے سے توبہ تائب نہ ہوا جس سے مسلمان اذیت محسوس کرتے ہیں فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ وہ ان منع کی گئی چیزوں کو اپنا کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۝۱۲

”اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“۔

اس میں دس مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ان دو مرد صحابہ۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 369　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 333

بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے ساتھی کی غیبت کی تھی اس کی وجہ یہ بنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا جب آپ سفر کرتے تو ایک محتاج آدمی کو دو خوشحال آدمیوں کے ساتھ ملا دیتے وہ ان کی خدمت کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کو دو آدمیوں کے ساتھ ملایا، حضرت سلمان اپنے پڑاؤ کی طرف نکلے اور نیند غالب آ گئی وہ سو گئے اور ان دونوں کے لیے کوئی چیز تیار نہ کی وہ دونوں آئے تو کھانا اور سالن نہ پایا دونوں نے کہا: جاؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے لیے کھانا اور سالن طلب کرو۔ وہ گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''اسامہ بن زید کے پاس جاؤ اسے کہو: اگر تیرے پاس زائد کھانا ہے تو تجھے دے دے'' حضرت اسامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خازن تھے حضرت سلمان فارسی اس کے پاس گئے حضرت اسامہ نے کہا: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں حضرت سلمان واپس آئے اور ان دونوں کو یہ سب صورتحال بتائی دونوں نے کہا: اس کے پاس کھانا تو تھا لیکن اس نے بخل کیا ہے پھر دونوں نے حضرت سلمان فارسی کو صحابہ کی ایک جماعت کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان کے ہاں بھی کوئی کھانا نہ پایا دونوں نے کہا: اگر ہم اسے سمیحہ کے کنویں کی طرف بھیجیں گے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جائے گا پھر وہ چلے تا کہ دیکھیں کیا حضرت اسامہ کے پاس کچھ ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: ''کیا وجہ ہے میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سبزی دیکھتا ہوں'' دونوں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ کی قسم آج ہم نے نہ گوشت کھایا ہے نہ کوئی اور چیز کھائی ہے۔ فرمایا: ''لیکن تم دونوں نے ظلم کیا تم سلمان فارسی اور اسامہ کا گوشت کھاتے ہو'' تو یہ آیت نازل ہوئی (1)؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے، یعنی تم اہل خیر کے بارے میں برا گمان نہ کرو اگر ان کے ظاہر امر کے بارے میں خیر جانتے ہو۔

**مسئلہ نمبر 2۔** صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إیّاکم والظنّ فإنّ الظنّ أکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباداللہ إخوانا ظن سے بچو بے شک ظن سب سے جھوٹی بات ہے تو ہ میں نہ رہا کرو، جاسوسی نہ کیا کرو، باہم ایک دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم حسد نہ کیا کرو، باہم بغض نہ رکھا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: یہاں اور آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ تحذیر اور نہی کا محل وہ تہمت ہے اس کا وہ عیب نہیں جو اسے ثابت کرتا ہے مثلاً کسی پر فاحشہ اور شراب نوشی کی تہمت لگائی جا سکتی ہے جو چیز اس کا تقاضا کرتی ہے وہ اس پر ظاہر نہیں ہوتی اس امر کی دلیل کہ یہاں ظن کا معنی تہمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں اس کے دل میں تہمت کا خیال آتا ہے وہ اس خبر کے لیے جاسوسی کرتا ہے اور بحث و تمحیص کرتا ہے وہ توجہ سے دیکھتا ہے اور توجہ سے سنتا ہے تا کہ وہ امر ثابت ہو جائے جو اس تہمت میں سے واقع ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ دے جو چیز گمانات کو ممتاز کرتی ہے کہ ان سے اجتناب ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس کی توضیح علامت اور ظاہری سبب نہ پاتا ہو تو وہ حرام ہے اور اجتناب ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس آدمی کے بارے میں یہ گمان کیا جا رہا ہے اس سے پردہ پوشی اور صالحیت دیکھی گئی ہو اور ظاہر میں امانت ہی دکھائی دیتی ہو تو اس کے بارے میں فساد اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 204

خیانت کا گمان حرام ہے اس آدمی کا معاملہ مختلف ہے جو لوگوں میں اس انداز میں مشہور ہو کہ شک وشبہ والے کام کرتا ہو اور اعلانیہ خبیث اعمال کا ارتکاب کرتا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون اور اس کی عزت کو حرام قرار دیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے کہ وہ اس کے بارے میں برا گمان کرے'' (1)۔ حسن سے مروی ہے: ہم ایسے زمانے میں تھے جس میں لوگوں کے بارے میں (برا) گمان حرام ہے اور تو آج ایسے زمانے میں ہے کہ تو عمل کر اور خاموش رہ اور لوگوں کے بارے میں جو چاہے گمان رکھ۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ظن کی دو حالتیں ہیں ایک حالت ایسی ہے جو جانی پہچانی ہے اور دلائل کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے تو اس کے موافق حکم دینا جائز ہے شریعت کے اکثر احکام غلبہ ظن پر مبنی ہیں جس طرح قیاس اور خبر واحد وغیرہ۔

دوسری حالت یہ ہے کہ دلالت کے بغیر نفس میں کوئی چیز واقع ہو جائے تو وہ اپنی ضد سے اولیٰ نہ ہو یہی شک ہے اس کے مطابق حکم دینا جائز نہیں اس سے نہی کی گئی ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی ابھی بیان کیا ہے۔

بدعتیوں کی ایک جماعت نے ظن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے اور اس پر عمل کرنے کے جواز کا انکار کیا ہے وہ دین میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتے ہیں اور معقولات میں اپنا دعویٰ کرتے ہیں اس میں کوئی قاعدہ نہیں جس پر انحصار کیا جا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کی مذمت نہیں کی بعض کی مذمت کی ہے بعض اوقات وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں: إیاکم والظن ظن سے بچو۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ شریعت میں ظن کی دو قسمیں ہیں۔ اس میں سے محمود وہ ہے جس کے ساتھ ظن کرنے والے کا دین اور جس کے بارے میں گمان کیا جا رہا ہے جب اس تک پہنچے اس کا دین محفوظ رہتا ہے مذموم اس کے مد مقابل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا (النور: 12) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ ظَنَنۡتُمۡ ظَنَّ السَّوۡءِ ۖۚ وَ كُنۡتُمۡ قَوۡمًۢا بُوۡرًا ۞ (الفتح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی بھائی کی تعریف کرے تو وہ کہے: میں یہ گمان کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی پاکی بیان نہیں کرتا'' فرمایا: ''جب تو یہ گمان کرے تو تحقیق کر لے، جب حسد کرے تو تجاوز نہ کر اور جب تو فال پکڑے تو کام کو جاری رکھ'' اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جس آدمی کا ظاہر اچھا ہو اس کے بارے میں برا گمان جائز نہیں، جس کا ظاہر قبیح ہو اس کے بارے میں برا گمان رکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ یہ مہدوی نے کہا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ وَلَا تَجَسَّسُوۡا ابو رجاء اور حضرت حسن بصری نے اسے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے علماء نے اسے ولا تحسسوا پڑھا ہے اس میں اختلاف ہے کیا دونوں کا معنی ایک ہے یا ان کے دو معنی ہیں؟ اخفش نے کہا: ان میں

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 372۔ ایضاً، ابن ماجہ، باب حرمۃ دم المؤمن و مالہ، حدیث نمبر 3921، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے ایک دوسرے سے بعید نہیں کیونکہ تحسس کا معنی ایسی چیز کے بارے میں بحث کرنا ہے جو تجھ سے پوشیدہ ہو اور تجسس سے مراد خبروں کو طلب کرنا اور ان کے بارے میں بحث کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تجسس کا معنی بحث کرنا۔ اسی سے یہ لفظ ذکر کیا جاتا ہے رجل جاسوس۔ جب وہ امور کی کرید کرتا ہو۔ اور تحسس سے مراد انسان کا کسی حاسہ سے اس چیز کا ادراک کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں فرق ہے تحسس کا معنی اپنے لیے تلاش کرنا اور اور تجسس کا معنی ہے کہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہو؛ یہ ثعلب کا قول ہے پہلا قول زیادہ معروف ہے۔ جسست الاخبار وتجسستہا۔ جب تو ان کو چھان بین کرے اسی معنی میں جاسوس ہے آیت کا معنی ہے جو امر ظاہر ہوا سے لے لو اور مسلمانوں کے پوشیدہ امور کا تجسس نہ کرو، یعنی تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا عیب تلاش نہ کرے یہاں تک کہ اس پر مطلع ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مخفی رکھا ہے۔

ابو داؤد کی کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اگر تو لوگوں کے پوشیدہ امور کا پیچھا کرے گا تو تو انہیں فاسد کر دے گا (1)'' حضرت ابو درداء نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جو حضرت معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اسے نفع دیا۔

مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے وہ حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: ''امیر جب لوگوں میں شک کی تلاش کرے تو اس نے انہیں خراب کر دیا'' (2) زید بن وہب سے مروی ہے کہ کوئی آدمی حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یہ فلاں ہے، اس کی داڑھی شراب ٹپکاتی ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: ہمیں تجسس سے روک دیا گیا ہے لیکن اگر ہمارے لیے کوئی چیز ظاہر ہو گی تو ہم اس کو اپنائیں گے (3)۔

ابو برزہ اسلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا نہ کیا کرو جو انسان ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اور اللہ تعالیٰ جس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے گھر میں رسوا کر دے گا'' (4)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: ایک رات میں نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ مل کر پہرہ دیا کہ ایک گھر میں ہمارے لیے چراغ ظاہر ہوا۔ دروازہ لوگوں پر کھلا ہوا تھا جنکی آوازیں بلند تھیں اور وہ فضول بات کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ گھر ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے وہ اس وقت شراب پی رہے ہیں تیری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری رائے ہے ہم نے وہ کام کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوْا ہم نے تجسس کیا ہے۔ حضرت

---

1۔ سنن ابی داؤد، باب النھی عن التجسس، جلد 2، صفحہ 314 2۔ ایضاً، حدیث نمبر 4245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً، حدیث نمبر 4246، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 313۔ ایضاً، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر 4236، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عمر واپس ہو گئے اور انہیں چھوڑ دیا۔

ابو قلابہ نے کہا: حضرت عمر بن خطاب بنی تنہ کی خدمت میں بیان کیا گیا کہ ابو محجن ثقفی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے گھر میں شراب پیتا ہے حضرت عمر وہاں تشریف لے گئے یہاں تک کہ اس کے گھر میں داخل ہوئے اس کے پاس صرف ایک آدمی تھا، ابو محجن نے کہا: یہ تیرے لیے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے تجسس سے تجھے منع کیا ہے۔ حضرت عمر وہاں سے نکلے اور اسے چھوڑ دیا۔

زید بن اسلم نے کہا: حضرت عمر بنی تنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بنی تنہ پہرہ دینے کے لیے نکلے دونوں کے لیے آگ ظاہر ہوئی دونوں نے اجازت طلب کی دروازہ کھولا گیا تو وہاں ایک مرد اور عورت تھی، عورت گانا گا رہی تھی اور مرد کے ہاتھ پر پیالہ تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے فلاں! تو یہ کام کر رہا ہے؟ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ حضرت عمر نے پوچھا: یہ تیری کیا لگتی ہے؟ عرض کی: میری بیوی ہے، فرمایا: اس پیالے میں کیا ہے؟ جواب دیا: میٹھا پانی۔ حضرت عمر نے پوچھا: تو کیا گا رہی تھی؟ اس نے عرض کی:

تطاول هذا الليل واسود جانبه وأرقني أن لاخليل الاعبه

فوالله لولا الله إني أراقبه لزعزع من هذا السرير جوانبه

ولكن عقلي والحياء يكفني وأكرم بعلي أن تنال مراكبه

پھر اس آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوْا حضرت عمر نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔

میں کہتا ہوں: اس خبر سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ عورت مرد کی بیوی نہیں تھی کیونکہ حضرت عمر زنا کی اجازت دینے والے نہیں تھے اس عورت نے ایسے اشعار پڑھے جن میں خاوند کا ذکر تھا اس نے یہ اشعار اس کی عدم موجودگی میں کہے تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

عمر بن دینار نے کہا: اہل مدینہ کے ایک آدمی کی بہن تھی وہ بیمار ہوگئی وہ اس کی عیادت کرتا تھا وہ فوت ہوگئی اور اس نے اپنی بہن کو دفن کیا وہ خود اس کی قبر میں اترا اس کی آستین سے ایک تھیلا گر گیا جس میں دینار تھے اس نے اپنے خاندان کے کچھ افراد سے مدد لی انہوں نے اس کی قبر کو کھودا اور تھیلہ لے لیا پھر اس نے کہا: میں اسے کھولوں گا یہاں تک کہ میں دیکھوں کہ میری بہن کا انجام کیا ہوا اس نے اسے کھولا تو قبر آگ سے بھڑک رہی تھی وہ اپنی ماں کے پاس آیا عرض کی: مجھے بتاؤ میری بہن کا عمل کیسا تھا؟ ماں نے کہا: تیری بہن مر چکی ہے اب اس کے عمل کے بارے میں سوال کا فائدہ؟ وہ لگاتار سوال کرتا رہا یہاں تک کہ ماں نے کہا: اس کا عمل یہ تھا کہ وہ نماز کو تاخیر سے پڑھتی جب لوگ سو جاتے تو وہ لوگوں کے گھروں کی طرف اٹھتی اور اپنے کان ان کے دروازوں کے ساتھ لگاتی اور ان کے معاملات کے بارے میں تجسس کرتی اور ان کے راز ظاہر کر دیتی۔ اس مرد نے کہا: اس وجہ سے وہ ہلاک ہوئی۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اللہ تعالیٰ نے غیبت سے منع کیا، اس کا معنی یہ ہے کہ تو کسی انسان کا ان

عیوب کے ساتھ ذکر کرے جو اس میں ہیں اگر وہ کسی ایسے عیب کا ذکر کرتا ہے جو اس میں نہیں تو یہ بہتان ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں اسی معنی کی حدیث موجود ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ (1)'' جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''تیرا اپنے بھائی کا ایسی چیز کے ساتھ ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے'' عرض کی گئی: بتایئے اگر وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہو جو میں کہتا ہوں؟ فرمایا: اگر اس میں وہ ہے جو کچھ تم کہتے ہو تو تو نے اس کی غیبت کی اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا'' جملہ کہا جاتا ہے: اغتابہ إغتیابا۔ جب اس میں واقع ہو اس کا اسم غیبۃ ہے اس سے مراد عدم موجودگی میں عیب کا ذکر کرنا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: غیبت کی تین صورتیں ہیں سب کتاب اللہ میں ہیں غیبت، افک، بہتان (2)۔ جہاں تک غیبت کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کرے جو اس میں ہو۔ افک سے مراد ہے تو اس کے بارے میں وہ کہے جو تجھ تک پہنچی ہو جہاں تک بہتان کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے تو وہ بات کرے جو اس میں نہ ہو۔

شعبہ سے مروی ہے کہ مجھے معاویہ بن قرہ نے کہا: اگر تیرے پاس سے کوئی ایسا آدمی گذرے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو تو تو کہے: اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے تو یہ غیبت ہوگی۔ شعبہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر ابو اسحاق سے کیا تو اس نے کہا: اس نے سچ بولا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسلمی ماعز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے بارے میں زنا کی گواہی دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ کو سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا: اسے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کا عمل پردہ میں رکھا تھا اس نے اپنے آپ کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اسے رجم کر دیا گیا جس طرح کتے کو رجم کیا جاتا ہے۔ آپ نے ان دونوں کو کوئی جواب نہ دیا پھر آپ لمحہ بھر چلے یہاں تک کہ ایک مردہ گدھے کے پاس سے گذرے جس کے پاؤں سے رسی باندھی گئی تھی فرمایا: ''اے فلاں! اے فلاں!''۔ دونوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں۔ فرمایا: ''اترو اور اس گدھے کا گوشت کھاؤ؟'' عرض کی: اے اللہ کے نبی! کون اسے کھاتا ہے؟ فرمایا: ''تم نے اپنے بھائی کی عزت سے جو حاصل کیا ہے وہ اس کے کھانے سے زیادہ سخت ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے'' (3)۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ میت نہیں جانتا کہ اس کا گوشت کس نے کھایا ہے جس طرح زندہ نہیں جانتا کہ کس نے اس کی غیبت کی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ مثال غیبت کی بیان کی ہے کیونکہ مردار کا گوشت حرام اور ناپسندیدہ ہوتا ہے اسی طرح غیبت دین میں حرام اور نفوس میں قبیح ہوتی ہے۔ قتادہ نے کہا: جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے رک جاتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ وہ زندہ کی غیبت سے رکے۔ غیبت کی جگہ گوشت کھانے کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، تحریم الظلم، جلد 2، صفحہ 322 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 60

3۔ سنن ابی داؤد، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3843، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عربوں کی یہ عادت عام تھی۔ شاعر نے کہا:

فإن أكلوا لحمي وفرت لحومهم وإن هدموا مجدي بنيت لهم مجدا

اگر وہ میرا گوشت کھائیں تو میں ان کے گوشت کو بڑھا دوں گا اگر وہ میری بزرگی کو ختم کرنا چاہیں تو میں ان کے لیے بزرگی بنا دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو لوگوں کے گوشت کھاتا رہا (غیبت کرتا رہا) اس نے روزہ نہیں رکھا لوگوں کی غیبت کرنے کو ان کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے جس نے کسی مسلمان کا نقص بیان کیا یا اس کی عزت کو پامال کیا تو وہ اس کے زندہ حالت میں گوشت کھانے والے کی طرح ہے جس نے اس کی غیبت کی وہ اس کے مردہ ہونے کی حالت میں گوشت کھانے کی طرح ہے''۔

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب مجھے معراج کرائی گئی میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' عرض کی: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتوں سے کھیلا کرتے تھے (1)۔

مستورد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کا ایک لقمہ کھایا (غیبت کی) اللہ تعالیٰ جہنم میں اسی کی مثل اسے کھلائے گا اور جسے کسی مسلمان کا کپڑا پہنایا گیا اللہ تعالیٰ جہنم سے اس کی مثل اسے لباس عطا کرے گا اور جو شہرت اور ریاکاری کے مقام پر کھڑا ہوا اللہ قیامت کے روز اسے شہرت اور ریاکاری کے مقام پر کھڑا کرے گا'' (2)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پہلے گذر چکا ہے: یامعشر من آمن بلسانه ولم يدخل الإيمان قلبه لا تغتابوا المسلمين اے وہ جماعت جو اپنی زبان سے ایمان لائی ہے اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو آدمیوں کو فرمانا: مالي أرى خضرة اللحم في أفواهكما کیا وجہ ہے میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سبزی دیکھتا ہوں، ابوقلابہ رقاشی نے کہا: میں نے ابو عاصم کو یہ کہتے ہوئے سنا جب سے میں نے غیبت میں جو وبال ہے اسے پہچانا ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

میمون بن سیاہ کسی کی غیبت نہیں کیا کرتے تھے اور نہ کسی کو چھوڑتے کہ ان کے ہاں کسی کی غیبت کرے آپ اسے منع کرتے اگر وہ رک جاتا تو ٹھیک ورنہ آپ اٹھ کھڑے ہوتے۔

ثعلبی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو صحابہ نے اس کے اٹھنے میں ضعف دیکھا انہوں نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم فلاں کتنا عاجز ہے۔ فرمایا: ''تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، حدیث نمبر 4235، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر 4237، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور تم نے اس کی غیبت کی ہے'' (1)۔

سفیان ثوری سے مروی ہے کہ کم سے کم غیبت یہ ہے کہ تو کہے: فلاں جعد قطط ہے یعنی وہ چھوٹا، بخیل اور سخت گھنگریالے بالوں والا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں کے ذکر سے بچو کیونکہ یہ ایک بیماری ہے تم پر اللہ تعالیٰ کا ذکر لازمی ہے کیونکہ وہ شفا ہے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی غیبت کرتے ہوئے سنا فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے کتوں کا سالن ہے۔

عمرو بن عبید سے کہا گیا: فلاں نے آپ کی غیبت کی یہاں تک کہ ہم نے آپ پر رحم کیا اس پر رحم کرو۔

ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میری غیبت کرتے ہیں؟ فرمایا: تیرا مقام و مرتبہ میرے ہاں اتنا نہیں کہ میں اپنی نیکیوں کا فیصلہ تیرے حق میں کر دوں۔

**مسئلہ نمبر 7**۔ ایک قوم کی یہ رائے ہے کہ غیبت صرف دیانتداری کے اعتبار سے ہوتی ہے یہ شکل و صورت اور حسب (اخلاق) میں نہیں ہوتی انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا عمل ہے۔ دوسرے علماء نے اسکے برعکس قول کیا ہے انہوں نے کہا: غیبت شکل و صورت، اخلاق اور حسب میں ہوا کرتی ہے شکل و صورت میں سب سے سخت ہوتی ہے کیونکہ جو کسی صنعت میں عیب لگاتا ہے تو وہ صانع میں عیب لگاتا ہے۔ یہ سب اقوال مردود ہیں جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اسے رد کرتی ہے جب آپ نے حضرت صفیہ کے بارے میں کہا: وہ چھوٹے قد کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا لقد قلت کلمۃ لو مزج بھا البحر لمزجتہ تو نے ایسی بات کہی ہے اگر اسے سمندر میں ملایا جائے تو اس کی حالت بدل جائے۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ اور جو روایت اس کے معنی میں ہوگی وہ پہلی روایات کے موافق ہوگی۔ قدیم علماء کی یہ رائے ہے کہ جب اس سے عیب کا ارادہ کیا جائے تو یہ غیبت ہوگی جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے سب علماء کے نزدیک وہ بھی مردود ہے کیونکہ پہلے زمانہ کے علماء جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ اور ان کے بعد تابعین میں سے تھے ان کے نزدیک دین (دیانت) میں غیبت سے بڑھ کر کوئی بڑی غیبت نہ تھی کیونکہ دیانت میں عیب سب سے بڑا عیب ہے کیونکہ ہر مومن اس بات کو زیادہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کے دین کے بارے میں کوئی بات ذکر کی جائے بنسبت اس کے جو اس کے بدن کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔ جس نے بھی یہ بات کی ہے اس کے رد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد ہی کافی ہے: اذا قلت فی اخیک مایکرہ فقد اغتبتہ جب تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی۔ الحدیث۔ جو آدمی

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 157

2۔ جامع ترمذی، صفۃ القیامۃ، جلد 2، صفحہ 73۔ سنن ابی داؤد، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر 4232، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یہ گمان کرے کہ یہ غیبت نہیں تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو رد کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی ارشاد کافی ہے: دماؤکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم (میں ایک دوسرے) پر حرام ہیں۔ یہ حکم دین و دنیا سب کو عام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من کانت عندہ لاخیہ مظلمۃ فی عرضہ أو مالہ فلیتحللہ منہ۔ جس آدمی نے اپنے بھائی کے ساتھ اس کی عزت یا مال میں ظلم کیا ہو تو اس سے اس امر کو اپنے لیے حلال کرا لے یعنی ازالہ کر لے خواہ معافی کی صورت میں ہو یا حق کی ادائیگی کے ساتھ ہو۔ یہ تو امر کو عام ہے جس نے اس میں سے کسی چیز کو خاص کیا ہے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا۔

**مسئلہ نمبر 8**۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غیبت گناہ کبیرہ میں سے ہے جس نے غیبت کی اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے کیا غیبت کرنے والے سے بدلہ لینا حلال ہو جاتا ہے؟ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: اس سے بدلہ لینا حلال نہیں یہ ایسی خطا ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا ہے اس نے دوسرے فرد کا مال نہیں لیا اور نہ ہی اس کے بدن کو ایسی تکلیف پہنچائی ہے جس وجہ سے بدن میں کوئی نقص واقع ہوا ہو، یہ کوئی ایسا ظلم نہیں ہے جس کے باعث وہ اس کے لیے حلال ہو جائے وہ ظلم جس کے باعث بدل اور ظلم لازم ہوتا ہے وہ مال اور بدن کا نقصان ہے۔

ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے: یہ ظلم ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے وہ اس کے لیے بخشش طلب کرے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے اس کے لیے بخشش کا طلب گار ہو۔ ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے: جس کی غیبت کی گئی اس کے لیے غیبت کرنے والے سے بدلہ لینا حلال ہے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے: ''جس کسی کی بھائی کے ہاں زیادتی ہو خواہ مال ہو یا عزت میں تو اس کو اس دن سے پہلے معاف کرا لے جہاں کوئی درہم اور دینار نہیں ہوتا اس روز اس کی نیکیاں لی جائیں گی اگر اس کی نیکیاں نہ ہونگی تو جس کی غیبت کی گئی اس کی برائیاں لی جائیں گی اور غیبت کرنے والے کی برائیوں میں اضافہ کر دیا جائے گا''۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کانت لہ مظلمۃ لاخیہ من عرضہ أو شیٔ فلیتحللہ منہ الیوم قبل ألا یکون دینار ولا درھم إن کان لہ عمل صالح أخذ منہ بقدر مظلمتہ وإن لم یکن لہ حسنات أخذ من سیئات صاحبہ فحمل علیہ جس آدمی پر کسی بھائی نے عزت یا کسی اور چیز میں ظلم کیا ہو تو وہ آج ہی اس سے حلال کرا لے اس دن سے پہلے جس روز کوئی دینار اور کوئی درہم نہ ہوگا اگر اس کا کوئی عمل صالح ہوگا تو ظلم کی مقدار کے مطابق اس سے عمل لے لیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں تو جس پر ظلم کیا گیا تھا اس کی برائیاں لے لی جائیں گی اور ظلم کرنے والے پر ڈال دی جائیں گی''۔ یہ احادیث سورۂ آل عمران آیت 109 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ میں گذر چکی ہیں۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر

ہوئی جب وہ اٹھی تو ایک عورت نے کہا: اسکا دامن کتنا لمبا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: تو نے اس کی غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی آثار دلالت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے جس نے غیبت کی ہے اس پر لازم ہے کہ انہیں معاف کرائے۔

جس نے یہ کہا کہ غیبت مال اور بدن میں ہوتی ہے علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو آدمی کسی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کا اس آدمی پر ظلم ہے جس پر تہمت لگائی گئی، وہ اس کے بارے میں حد کا مطالبہ کرے گا یہاں تک کہ اس پر حد جاری ہو جائے۔ یہ بدن اور مال میں نہیں اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ظلم عزت، بدن اور مال میں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے کے بارے میں فرمایا: فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ (النور: 13)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس آدمی نے کسی مومن پر ایسا بہتان لگایا جو اس میں نہ تھا اللہ تعالیٰ اسے طینۃ خبال (دوزخیوں کے زخموں کی پیپ) میں قید کر دے گا'' (1)۔ یہ سب چیزیں مال اور بدن کے علاوہ میں ہیں۔ جس نے یہ کہا: یہ ظلم ہے اور ظلم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس آدمی کے لیے بخشش طلب کرے جس کی اس نے غیبت کی تو اس نے الٹ بات کی کیونکہ اس نے اسکا نام ظلم رکھا، پھر کہا: اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے بخشش طلب کرے کیونکہ **مظلمہ** کا لفظ مظلوم کے ساتھ بے انصافی کو ثابت کرتا ہے جب بے انصافی ثابت ہوگئی تو ظالم سے اس وقت تک زائل نہ ہوگی مگر یہ کہ مظلوم اس کے لیے اسے حلال نہ کر دے۔

جہاں تک حضرت حسن بصری کے قول کا تعلق ہے تو وہ حجت نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من كانت له عند اخيه مظلمة فی عرض او مال فليتحللها منه (2) جس آدمی کو کسی بھائی کے ہاں عزت اور مال میں ظلم ہو تو وہ اس سے اسکے بارے میں معافی لے لے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے: جو آدمی معافی چاہے اور وہ اسے معاف نہ کرے اس کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو چیز حرام کر دی ہے وہ اسے حلال نہ کرے، ان میں سے ایک سعید بن مسیب ہیں کہا: جس نے مجھ پر ظلم کیا میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ ابن سیرین سے کہا گیا: اے ابا بکر! یہ ایسا آدمی ہے جو تجھ سے یہ سوال کرتا ہے کہ تو اس کی وہ غلطی معاف کر دے جو اس نے تیرے ساتھ کی ہے۔ آپ نے کہا: میں نے یہ چیز اس پر حرام نہ کی تھی کہ میں اسے اس پر حلال کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر غیبت کو حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز اس پر حرام کی ہے میں اسے کبھی بھی حلال نہیں کروں گا یعنی معاف نہیں کروں گا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد معاف کرنے پر دلالت کرتا ہے یہی دلیل ہے، معاف کر دینا رحمت پر دلالت کرتا ہے یہ معافی کی صورت میں ہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 40)

**مسئلہ نمبر 9**۔ ایسا فاسق جو اعلانیہ فسق کرتا ہے اس کے بارے میں غیبت کا یہ حکم نہیں کیونکہ حدیث طیبہ میں ہے: من القى جلباب الحياء فلا غيبة له (3) جو حیاء کی چادر اتار پھینکے اسکی کوئی غیبت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

---

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب الترھیب من الغیبۃ والبھت و بیانھا، جلد 3، صفحہ 516
2۔ فتح الباری، جلد 10، صفحہ 173
3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الشہادت، جلد 10، صفحہ 210

اذكروا الفاجر مافيه كي يحذره الناس فاجر میں جو برائی ہے اس کا ذکر کرو تا کہ لوگ اس سے احتیاط کریں۔ غیبت تو اس آدمی کے بارے میں ہے جو اپنی پردہ پوشی کرتا ہے حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ثلاث ليست لهن حرمة تین افراد ایسے ہیں جن کی کوئی حرمت نہیں (1) خواہش نفس کی غلامی کرنے والا (2) فاسق معلن (3) ظالم حاکم۔ جب حجاج مر گیا تو حضرت حسن بصری نے کہا: اے الله! تو نے اسے موت عطا کی ہے ہم سے اس کی سنت کو ختم کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے عیب کو ختم کر دے کیونکہ وہ ہمارے پاس آیا جبکہ وہ رتوند کی بیماری والا اور کمزور نظر والا تھا، وہ اپنا ہاتھ چھوٹے پوروں کے ساتھ بڑھاتا الله کی قسم! الله کی راہ میں اسے پسینہ نہیں آیا اور نہ اسے غبار پہنچا وہ اپنے بالوں کو کنگھی کرتا اور چال میں تکبر کا اظہار کرتا وہ منبر پر چڑھتا اور نیچے تب اترتا جب نماز کا وقت فوت ہو چکا ہوتا، نہ الله تعالیٰ سے ڈرتا اور نہ لوگوں سے حیاء کرتا اس کے اوپر الله اور اس کے زیر کمان ایک لاکھ یا زیادہ افراد تھے اسے یہ نہ کہتا: اے انسان نماز!۔ پھر حسن بصری کہتے: هيهات حال دون ذلك السيف والسوط۔

ربیع بن صبیح نے حضرت حسن بصری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ بدعتی کی برائی کرنا کوئی غیبت نہیں۔ اس طرح تیرا قاضی کو یہ کہنا: جس سے تو اپنے حق کے بارے میں مدد لیتا ہے کہ تو اس سے اپنا حق لے لے جس نے تجھ پر ظلم کیا تو کہتا ہے: فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے یا مجھ پر غضبناک ہوا ہے یا مجھ سے خیانت کی ہے یا مجھے مارا ہے یا مجھ پر تہمت لگائی ہے یا میرے ساتھ زیادتی کی ہے یہ کوئی غیبت نہیں۔ امت کے علماء اس پر متفق ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں مجھے کہا: لصاحب الحق مقال (1) صاحب حق کو گفتگو کا حق ہے اور کہا: غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے کہا: لي الواجد يحل عرضه وعقوبته (2)۔ جو آدمی قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوا سکا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کو سزا دینے کو حلال کر دیتا ہے اس کے بارے میں استفتاء بھی ہے جس طرح حضرت ہند نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ حضرت ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچے کے لیے کافی ہو میں اس کے بتائے بغیر مال لے سکتی ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں تو لے لے"۔ اس نے بخل اور ظلم کا ذکر کیا جو اس کے اور اس کے بچے کے لیے ہو۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غیبت کرنے والا شمار نہیں کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اس کی گفتگو کو تبدیل نہ کیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فتویٰ کا جواب ارشاد فرمایا، اسی طرح اگر اس کی برائی کے ذکر میں فائدہ ہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أما معاوية فصعلوك لا مال له وأما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه (3) جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے وہ کنگال ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں اور جہاں تک ابوجہم کا تعلق ہے تو وہ بیوی پر سختی کرتا ہے یا لگاتار سفر پر رہتا ہے۔ یہ جائز ہے مقصد یہ تھا کہ فاطمہ بنت قیس ان کے بارے میں کسی دھوکہ میں نہ رہے۔ محاسبی نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 10**۔ مَيْتًا اسے مَيِّتًا بھی پڑھا گیا ہے یہ لَحْمَ سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اخ سے حال ہو اور منصوب ہو۔ جب الله تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ ان سب سے کوئی یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے اس

1۔ صحیح بخاری، باب استقراض الابل، جلد 1، صفحہ 322 2۔ ایضاً 3۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 6، صفحہ 412

کے پیچھے اس ارشاد کا ذکر کیا فَكَرِهْتُمُوْهُ اس میں دو توجیہیں ہیں (1) تم مردار کو کھانا ناپسند کرتے ہو اسی طرح غیبت کرنا بھی تمہارے لیے مکروہ کر دیا گیا ہے؛ مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

(2) تم یہ ناپسند کرو کہ لوگ تمہاری غیبت کریں تو لوگوں کی غیبت کو تم بھی ناپسند کرو۔ فراء نے کہا: یعنی جب تم اسے ناپسند کرتے ہو تو ایسا نہ کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ تو خبر کا ہے معنی امر کا ہے یعنی تم اسے ناپسند کرو وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس پر اس کا عطف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف اجْتَنِبُوْا اور لَا تَجَسَّسُوْا پر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء ہے (1)۔ یہ آیت ابی ہند کے بارے میں نازل ہوئی، ابو داؤد نے اسے مرسل میں ذکر کیا ہے۔ عمرو بن عثمان اور کثیر بن عبید، بقیہ بن ولید وہ زہری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ ابو ہند کی شادی اپنی کسی عورت سے کر دیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ہم اپنی بیٹیوں کی شادیاں اپنے غلاموں سے کریں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

زہری نے کہا: یہ آیت خاص کر ابو ہند کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی (2) جو انہوں نے اس آدمی کے بارے میں کہا تھا جس نے جگہ نہ دی: اے فلاں کے بیٹے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: فلانہ کا ذکر کرنے والا کون تھا؟ ثابت نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قوم کے چہرے دیکھو'' اس نے لوگوں کی طرف دیکھا فرمایا: تو نے کیا دیکھا؟'' اس نے عرض کی: میں نے سفید، سیاہ اور سرخ رنگ کے چہرے دیکھے ہیں فرمایا: ''تو ان سے تقویٰ کے بغیر فضیلت حاصل نہیں کر سکتا'' تو یہ آیت نازل ہوئی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ (المجادلہ: 11)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا یہاں تک کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھے اور آذان دی تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا: اس اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تر حمدیں ہیں جس نے میرے والد کی روح کو قبض کر لیا یہاں تک کہ اس نے یہ دن نہ دیکھا۔

1۔ تفسیر کشاف، سورۃ الذاریات، جلد 4، صفحہ 374 2۔ جامع اسباب النزول، صفحہ 326

حارث بن ہشام نے کہا: محمد کو اس کالے کوے کے سوا کوئی مؤذن نہ ملا تھا۔ سہیل بن عمرو نے کہا: اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے تبدیل کر دیتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا: میں تو کچھ نہیں کہتا میں تو ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ بتا دے گا۔ جبریل امین حاضر ہوئے اور انہوں نے جو کہا تھا وہ بتا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا انہوں نے جو کہا تھا اس کے بارے میں پوچھا سب نے اس کا اقرار کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، انہیں نسبوں پر فخر کرنے، مال کی کثرت میں مقابلہ کرنے اور فقراء کو ذلیل کرنے سے جھڑکا کیونکہ دارومدار تقویٰ پر ہے یعنی سب حضرت آدم اور حضرت حواء کی اولاد میں سے ہیں بے شک فضیلت تقویٰ کی بنا پر ہے۔

ترمذی میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے(1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں خطبہ دیا فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت اور آباء پر فخر کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا ہے'' لوگ دو قسم کے ہیں (1) ایسا آدمی جو نیک، متقی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم ہے (2) دوسرا فاجر، شقی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور یہ آیت: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۝ پڑھی اسے عبداللہ بن جعفر جو علی بن مدینی کے والد ہیں سے نقل کیا وہ ضعیف ہے اسے یحییٰ بن معین اور دوسرے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے طبری نے اسے کتاب آداب النفوس میں نقل کیا ہے۔

یعقوب بن ابراہیم، اسماعیل سے وہ سعید جریری سے وہ ابونضرہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: مجھے اس نے بتایا جو اس وقت حاضر تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر ایام تشریق کے درمیانی دن خطبہ ارشاد فرمایا تھا فرمایا: ''اے لوگو! خبردار تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔ کیا میں نے تمہیں پیغام دیا ہے؟'' صحابہ نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''حاضر غائب کو پہنچا دے''۔

اس بارے میں مالک اشعری سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے حسب کو دیکھتا ہے وہ تمہارے نسب کو نہیں دیکھتا، وہ تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتا تمہارے دلوں دیکھتا ہے جس کا صالح دل ہو اللہ تعالیٰ اس پر شفقت فرماتا ہے تم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور تم میں سے سب سے محبوب وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے'' (2)۔

حضرت علی شیر خدا سے اس معنی میں شعر مشہور ہیں:

النّاس من جهة التمثيل أكفاء    أبوهم آدمُ والأُمّ حواء

لوگ ڈھانچے کے اعتبار سے برابر ہیں ان کے باپ حضرت آدم اور ماں حواء ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، باب التفسیر، سورۂ حجرات، جلد 2، صفحہ 159
2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، جلد 2، صفحہ 317

نفس کنفس وأرواحٌ مشاکلۃٌ وأعظمُ خُلقت فیھم وأعضاء

نفس نفس کی طرح ہے اور روحیں ایک جیسی ہیں ان میں ہڈیاں اور اعضاء بنائے گئے ہیں۔

فان یکن لَھُم من أصلھم حسبٌ یفاخرون بہ فالطین والماء

اگر ان کی اصل میں کوئی ذی شان چیز ہے جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں تو وہ مٹی اور پانی ہے۔

ما الفضل إلّا لأھل العلم إنّھم علی الھُدَی لمن استَھْدَی أدِلّاء

فضیلت اہل علم کے لیے ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے ان کے لیے یہ ہدایت پر راہنما ہیں۔

وقَدْرُ کلِ امرئ ما کان یحسنہ وللرجال علی الأفعال سیماء

ہر انسان کی اتنی قدر و منزلت ہے جس قدر وہ اچھا کام کرتا ہے اور افعال پر لوگوں کے نشانات ہوتے ہیں۔

وضدُّ کلّ امرئ ماکان یجھلہ والجاھلون لأھل العلم أعداء

انسان کی دشمن وہ چیز ہے جس سے وہ جاہل ہوتا ہے اور جاہل اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وضاحت کی ہے کہ اس نے مخلوقات کو مذکر اور مونث سے پیدا کیا۔ سورۃ النساء کے آغاز میں یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان دونوں کے بغیر پیدا کر دیتا جس طرح اس نے حضرت آدم کو پیدا کیا یا مذکر کے بغیر پیدا کرتا جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے یا مونث کے بغیر پیدا کرتا جس طرح حضرت حواء کو پیدا کیا یعنی دو جہتوں میں سے ایک جہت موجود تھی یہ قدرت میں جائز ہے وجود اس کے مطابق نہیں۔ یہ خبر آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم کی ایک پسلی سے پیدا کیا؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مونث میں انساب، اصہار، قبائل اور شعوب (چھوٹے قبائل) بنائے (1) اور ان سے انکی پہچان کو ظاہر کیا اور ان کے ذریعے ان میں تعلق جوڑا اس حکمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے ہر ایک ان کے نسب کو جامع ہے جب کوئی آدمی اس نسب کی نفی کرتا ہے تو تہمت لگانے کی وجہ سے وہ حد کا مستحق ہوتا ہے جس طرح اس کی جماعت اور اس کے حسب سے نفی کرے۔

وہ عربی کو کہتا ہے: اے عجمی! اور عجمی کو کہتا ہے: اے عربی! وغیرہ جس سے حقیقت میں نفی واقع ہو۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ متقدمین علماء اس طرف گئے ہیں کہ جنین صرف مرد کے پانی سے ہوتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش پاتا رہتا ہے اور اس خون سے مدد لیتا ہے جو اس میں ہوتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ (المرسلات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ (السجدہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ (القیامۃ: 35) یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ پیدائش ایک پانی سے ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ پیدائش مرد اور عورت کے پانی سے ہوتی ہے وہ اس آیت سے ثابت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 1725

ہے کیونکہ یہ ایسی نص ہے جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآىِٕبِ ؕ﴿۷﴾ (الطارق) اس سے مراد مردوں کی پشتیں اور عورت کی سینے کی ہڈیاں ہیں جس کی وضاحت بعد میں آئی گی۔

جس چیز سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماء، سلالہ اور نطفہ سے پیدا کیا ہے اسے والدین میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اس نے اس چیز پر دلالت کی کہ ماء (پانی) اور سلالہ (نکلنے والی چیز) دونوں کا ہے اور نطفہ بھی دونوں کا ہے کیونکہ جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ اسی پر دلیل ہے۔ عورت سے مادہ منویہ خارج ہوتا ہے جس طرح مرد سے مادہ منویہ خارج ہوتا ہے اسی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے جس کی وضاحت سورۂ شوریٰ میں گذر چکی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں کہا: فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ (القمر) مراد آسمان کا پانی اور زمین کا پانی ہے کیونکہ ملنا دو پانیوں سے ہی ہوسکتا ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿۸﴾ (السجدۃ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿۲۰﴾ (المرسلات)

**مسئلہ نمبر 5۔** وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا شعوب سے مراد قبائل کے رءوس (راس کی جمع) ہیں جس طرح ربیعہ، مضر، اوس، خزرج اس کا واحد شعب ہے انہیں یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ بکھرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں جس طرح درخت کی ٹہنیاں بکھرتی ہیں۔ شعب اضداد میں سے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: شعبته۔ میں نے اسے جمع کیا اسی سے مشعب کا لفظ ہے برما، کیونکہ اس کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

فَكَابٍ على حُرِّ الجبين ومُتَّقٍ بِمَدْرِيَةٍ كأنه ذَلْقُ مِشْعَبِ

شعر میں مشعب کا معنی برما ہے۔

و شعبته۔ جب تو اسے جدا کرے، اسی وجہ سے موت کو شعوب کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ جدا کرنے والی ہوتی ہے۔ جہاں تک الشعب کا تعلق ہے تو پہاڑ میں جو راستہ ہوتا ہے اسے شِعب کہتے ہیں اس کی جمع شعاب آتی ہے۔ جوہری نے کہا: الشعب سے مراد جس سے عرب اور عجم کے قبائل جدا ہوتے ہیں اس کی جمع شعوب ہے الشعوبیة۔ ایسا فرقہ جو عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت نہیں دیتا جہاں تک اس لفظ کا تعلق ہے جو حدیث میں ہے إن رجلًا من الشعوب أسلم۔ مراد عجمی ہے یعنی عجمیوں میں سے ایک آدمی اسلام لایا۔ شَعب سے مراد عظیم قبیلہ ہے: وہ ابو القبائل ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں یعنی وہ انہیں جمع کرتا ہے اور انہیں اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الشعوب سے مراد جمہور ہے جس طرح مضر (1)۔ قبائل سے افخاذ ہیں چھوٹا قبیلہ۔ مجاہد نے کہا: الشعوب جو نسب میں دور ہیں قبائل اس سے چھوٹے ہوتے ہیں (2)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ شعوب سے مراد قریبی نسب ہے۔ قتادہ کا قول ہے: مہدوی نے پہلا قول اس سے نقل کیا ہے، دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

رأيت سعودا من شعوب كثيرة فلم أر سعدًا مثل سعدِ بن مالك

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 160 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 336

میں نے کثیر قبائل سے سعد دیکھے اور ان میں سے سعد بن مالک جیسا کوئی سعد نہیں دیکھا۔ ایک اور نے کہا:

قبائل من شعوب ليس فيهم　　كريم قد يُعَدّ ولا نجيب

کئی قبائل ایسے ہیں جن میں کریم اور نجیب نہیں جسے شمار کیا جا سکے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعوب سے مراد یمن کے عرب ہیں جو قحطانی ہیں اور قبائل سے مراد ربیعہ، مضر اور عدنانی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعوب سے مراد عجم کے قبائل ہیں اور قبائل سے مراد عرب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں کہا کہ شعوب سے مراد موالی اور قبائل سے مراد عرب ہیں۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر شعوب وہ ہوں گے جن کی اصل معروف نہ ہو جس طرح ہندی، حبشی اور ترک، جبکہ قبائل سے مراد عرب ہیں جو تعلق رکھتے ہوں۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ شعوب سے مراد وہ ہو جو اطراف اور گھاٹیوں کی طرف منسوب ہوا اور قبائل انہیں کہیں جو نسب میں شریک ہوں۔ شاعر نے کہا:

تفرّقوا شُعَبًا فكل جزيرة　　فيها أمير المومنين ومنبر

وہ گھاٹیوں میں بکھر گئے تو ہر جزیرہ میں امیر المومنین اور منبر تھا۔

ابو عبید نے ابن کلبی سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں: شعب یہ قبیلہ سے بڑا ہوتا ہے، قبیلہ کے بعد فصیلہ، فصیلہ کے بعد عمارہ، عمارہ کے بعد بطن اور بطن کے بعد فخذ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعب پھر قبیلہ پھر عمارہ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ اور پھر عشیرہ ہوتا ہے۔ ایک ادیب نے یوں منظم کیا ہے، کہا:

إقصد الشَّعب فهو أكثر حَيّ　　عددًا فى الحواء ثم القِبيلة

ثم تتلوها العمارة ثم ال　　بطن والفخذ بعد ها والفصيلة

ثم من بعدها العشِيرة لكن　　هى فى جنب ماذكرناه قليلة

اور ایک شاعر نے کہا:

قبِيلة قبلها شَعْب وبعدها　　عِمارة ثم بَطْنٌ تِلْوُهٗ فَخِذٌ

وليس يؤوى الفتىء إلا فصيلة　　ولا سداد لِسَهم ماله قُذَذُ

قبیلہ سے پہلے شعب ہے اور اس کے بعد عمارہ ہے اس کے بعد بطن ہے اس کے پیچھے فخذ ہے نوجوان کو پناہ فصیلہ دیتا ہے، جس تیر کے پر نہ ہوں وہ سیدھا نہیں جاتا۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ سورۂ زخرف میں یہ بحث وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس آیت میں یہ چیز موجود ہے جو تیری اس امر پر راہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں تقویٰ کی ہی رعایت کی جاتی ہے حسب اور نسب کی رعایت نہیں کی جاتی۔ اسے اَنَّ پڑھا گیا ہے گویا کہا گیا: وہ انساب کا ذکر کرتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے سب سے معزز تم میں سے سب سے متقی ہیں تم میں نسب والے معزز نہیں۔

ترمذی میں حضرت سمرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حسب مال ہے اور کرم تقویٰ ہے(1)" کہا: یہ حدیث غریب صحیح ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف ہی راجع ہے نبی کریم ﷺ سے یہ نص آئی ہے۔ جو یہ پسند کرے کہ وہ لوگوں میں سے زیادہ محترم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ تقویٰ سے مراد یکون أکرم الناس فلیتق اللہ جو یہ پسند کرے کہ وہ لوگوں میں سے زیادہ محترم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ تقویٰ سے مراد ہے امر و نہی میں اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کرنا اور اس چیز سے متصف ہونا جس سے متصف ہونے کا حکم دیا اور اس سے بچنا جس سے تجھے منع کیا۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إن اللہ تعالیٰ یقول یوم القیمۃ إنی جعلت نسبا و جعلتم نسبا فجعلت أکرمکم أتقاکم وأبیتم إلا أن تقولوا فلان بن فلان وأنا الیوم أرفع نسبی وأضع أنسابکم أین المتقون أین المتقون(2)۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے نسب بنایا اور تم نے بھی نسب بنایا، میں نے نسب بنایا تم میں سے سب سے معزز وہ ہوگا جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہوگا اور تم نے انکار کر دیا مگر یہ کہ تم کہو: فلاں بن فلاں، میں آج اپنے بنائے گئے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے نسبوں کو پست کروں گا متقی کہاں ہیں؟ متقی کہاں ہیں؟۔

طبری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز میرے اولیاء متقین ہوں گے اگرچہ کوئی نسب میرے نسب کے زیادہ قریب ہو لوگ اعمال لائیں گے اور تم دنیا لاؤ گے جو تم اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے ہوگے تم کہو گے: اے محمد! میں اس طرح اس طرح کروں گا" اور اپنی دونوں جانب اعراض کیا۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث ہے کہ میں نے رازداری کے عالم میں نہیں بلکہ بلند آواز سے آپ کو کہتے ہوئے سنا: إن آل أبی لیس بأولیائی إنما ولیی اللہ وصالح المؤمنین(3)۔ میرے والد کی آل میرے اولیاء نہیں بے شک میرا ولی اللہ اور نیک مومن ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: من أکرم الناس لوگوں میں سے سب سے معزز کون ہے؟ فرمایا: "یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم"۔ عرض کی: ہم نے اس بارے میں آپ سے نہیں پوچھا فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ان میں سے متقی ہیں" عرض کی: ہم یہ بھی آپ سے نہیں پوچھ رہے فرمایا: "تم عرب کے معادن کے بارے میں پوچھتے ہو؟ ان میں سے دور جاہلیت میں جو بہترین تھے وہ دور اسلام میں بہتر ہیں جب وہ دین سمجھ جائیں" علماء نے یہ اشعار پڑھے:

ما یصنع العبد بعزّ الغنی والعزُّ کلّ العزّ للمُتّقی
من عرف اللہ فلم تغنہ معرفۃ اللہ فذاک الشّقی

بندہ مال و دولت کی عزت کو کیا کرے گا عزت تو سب کی سب متقی کے لیے ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اسے کوئی فائدہ نہ دے تو وہ بد بخت ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 160 2۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 93 3۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 886

**مسئلہ نمبر 7**۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ عمر بن محمد، عبید بن اسحاق، عطار سے وہ مندل بن علی سے وہ ثور بن یزید سے وہ سالم بن ابی جعد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ایک عورت سے شادی کی تو اس عورت پر اس کے حسب میں طعن کیا گیا اس آدمی نے کہا: میں نے اس کے حسب کی وجہ سے اس سے شادی نہیں کی میں نے اس سے شادی اس کے دین اور خلق کی وجہ سے کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تجھے یہ چیز کوئی تکلیف نہیں دیتی کہ وہ حاجب بن زرارہ کی آل میں سے نہ ہو'' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا ہے اس کے ذریعے اس نے خسیسہ کو بلند کر دیا، ناقصہ کو مکمل کر دیا ہے اس کے ذریعے ملامت کو دور کر دیا مسلمان پر کوئی ملامت نہیں ملامت تو جاہلیت کی علامت ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إني لأرجو أن أكون أخشاكم وأعلمكم بما أتقي (1) میں امید کرتا ہوں کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور جس چیز سے میں بچتا ہوں اس کے بارے میں تم سے زیادہ آگاہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز تھے۔ ابن عربی نے کہا: یہی وہ چیز ہے جسے امام مالک نے نکاح میں کفو کے طور پر معتبر جانا ہے۔ عبداللہ نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ غلام عربی عورت سے شادی کر سکتا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: حسب اور مال کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابوحنیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جوان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے نے حضرت سالم کو اپنا متبنی بنایا اور اس کی شادی اپنی بھتیجی یعنی ہند بنت ولید جوان کے بھائی ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی تھی سے کر دی یہ ایک انصاری عورت کے غلام تھے حضرت ضباعہ بنت زبیر یہ حضرت مقداد بن اسود کے عقد میں تھیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن حضرت بلال کے عقد میں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش حضرت زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کا عقد نکاح عربی عورت سے جائز ہے دین میں کفو کا اعتبار کیا جائے گا اس پر دلیل وہ روایت ہے جو سہل بن سعد سے صحیح بخاری میں مروی ہے (2) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی گذرا پوچھا: ''تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے کہ اگر دعوت نکاح دی تو اس کے ساتھ نکاح کیا جائے، اگر سفارش کرے تو مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے تو آپ کے پاس سے مسلمان فقراء میں سے ایک آدمی گذرا پوچھا: ''تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے اگر دعوت نکاح دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ آدمی دوسرے کی بنسبت زمین بھر کے لوگوں سے بہتر ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت سے نکاح اس کے مال، جمال اور دین کی وجہ سے کیا جاتا ہے (3)'' ایک روایت میں ہے اس کے حسب کی وجہ سے کیا جاتا ہے تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار کو لازم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1726 2: ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، الاکفاء فی الدین، جلد 2، صفحہ 762

پکڑ۔ حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی بیٹی کے لیے دعوت نکاح دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ حضرت عمر کو ان کی بیٹی کے لیے دعوت نکاح دی تو آپ نے توجہ نہ کی پھر حضرت عمر نے حضرت سلمان فارسی سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں تو حضرت سلمان فارسی نے ایسا نہ کیا۔ حضرت بلال نے بکیر کی بیٹی کو دعوت نکاح بھیجی تو اس کے بھائیوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت بلال نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے بنی بکیر سے کیا پایا ہے میں نے انہیں انکی بہن کے بارے میں دعوت نکاح دی تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے اذیت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال کی وجہ سے ناراض ہو گئے۔ بنی بکیر کو یہ خبر پہنچی وہ اپنی بہن کے پاس آئے انہوں نے کہا: ہمیں تیری وجہ سے کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے؟ ان کی بہن نے کہا: اس کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہے تو بھائیوں نے بہن کی شادی حضرت بلال سے کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجامت جب ابو ہند نے کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابو ہند کی شادی کر دو، ان کی شادی کر دو'' یہ بنو بیاضہ کا غلام تھا (1)۔

دار قطنی میں زہری کی حدیث عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بنی بیاضہ کا غلام ابو ہند حجام تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجامت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جسے یہ بات خوش کرے کہ اسے دیکھے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے تو وہ ابو ہند کو دیکھے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کا نکاح کر دو، اس کا نکاح کر دو'' (2)۔

قشیری ابو نصر نے کہا: نکاح کرتے وقت کفو میں نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ نکاح شجر نبوت کے ساتھ اتصال ہے یا علماء کے ساتھ جو انبیاء کے وارث ہیں یا جو زہد اور صالحیت میں قابل قدر ہیں متقی مومن فاجر اعلیٰ نسب والے سے بہتر ہے۔ اگر دونوں متقی ہیں تو اس وقت اعلیٰ نسب والے کو مقدم کیا جائے گا جس طرح نماز کی امامت کے لیے نوجوان کو بوڑھے پر مقدم کیا جاتا ہے جب تقویٰ میں برابر ہوں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

''اعراب کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے، آپ فرمایئے: تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں، بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے''۔

یہ آیت بنی اسد بن خزیمہ کے بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی (3) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں خشک سالی کے

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی الاکفاء، حدیث نمبر 1798، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دار قطنی، جلد 3، صفحہ 300

3۔ جامع اسباب النزول، صفحہ 327

دور میں آئے انہوں نے ایمان لانے کا اظہار کیا وہ مخفی طور پر مومن نہ تھے انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستے غلاظتوں میں بھر دیئے اور بھاؤ کو بڑھا دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہا کرتے تھے، ہم سامان اور عیال کے ساتھ آئے ہیں ہم تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے جس طرح بنوفلاں نے آپ سے جنگ کی ہمیں صدقہ دیجئے وہ آپ پر احسان جتلانے لگے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی کہ ہجرت سے قبل ہی انہیں مہاجر کا نام دیا جائے اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ ان کا نام بدو ہے وہ مہاجر نہیں (1)۔ سدی نے کہا: یہ آیت ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا ذکر سورۂ فتح میں ہے یعنی مزینہ، جہینہ، اسلم، غفار، دیل اور اشجع (2)۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے، تاکہ ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں جب انہیں مدینہ طیبہ کی طرف آنے کو کہا گیا تو وہ نہ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے: آیت بعض عربوں کے لیے خاص ہے کیونکہ ان میں سے کچھ اللہ اور یوم آخرت پر اسی طرح ایمان لائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

**وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا** کا معنی ہے ہم نے قتل اور قیدی بنائے جانے کے خوف سے تابعداری کی۔ یہ منافقوں کی صفت ہے کیونکہ وہ ظاہری طور پر ایمان لائے تھے ان کے دل ایمان نہیں لائے تھے جبکہ ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو ظاہر میں اس چیز کو قبول کرنا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں یہ جان کی حفاظت عطا کرتا ہے۔

**وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ** یعنی اگر تم ایمان میں اخلاص کا مظاہرہ کرتے **لَا يَلِتْكُمْ** تو تمہیں کوئی نقصان نہ دیتا یہ باب اس طرح ہے لاتہ یلیتہ ویلوتہ، اس میں کمی کرنا۔ ابو عمرو نے اسے لا یألتکم پڑھا ہے یعنی ہمزہ ہے اس وقت یہ ألت یألت ألتا سے مشتق ہے؛ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے وہ اس قول پر اعتبار کرتے ہیں: **وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ** (الطور:21)

شاعر نے کہا:

أبلِغْ بنی ثُعلٍ عنی مُغَلْغَلَةً     جَهْدَ الرِّسَالَةِ لا أَلْتًا ولا كَذِبًا

میری جانب سے بنی ثعل کو سختی سے پیغام پہنچا دو نہ اس میں کمی ہو اور نہ ہی کوئی جھوٹ ملا ہو۔

پہلا قول ابو عبید نے پسند کیا ہے۔ رؤبہ نے کہا:

وليلةٍ ذاتِ نَدًى سَرَيْتُ     ولم يَلِتْنِي عن سُرَاها لَيْتُ(3)

یعنی ان راتوں میں چلنے سے مجھے کسی مانع نے نہیں روکا؛ اسی طرح الاتہ عن وجهه ہے فعل اور أفعل دونوں ایک معنی میں ہیں یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: ما ألاتہ من عمله شیأ، یعنی میں نے اس میں کمی نہیں کی، یہ التہ کی مثل ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 337    2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 230    3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 338

ویأکلن ما أغنی الولیّ فلم یلت کأن بحافات النهاء المذارعا

اس میں اعنی، انبت کے معنی میں ہے اور فلم یلت لم ینقص منه شیأ کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما أغنت الأرض شیأ زمین نے کوئی چیز نہیں اگائی۔ الولی سے مراد وسمی (موسم بہار کی پہلی بارش) کے بعد جو بارش ہوتی ہے۔ اسے ولی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ وسمی کے بعد ہوتی ہے یہ نہیں فرمایا: لا یألتاکم کیونکہ الله تعالیٰ کی اطاعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۶

"(کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں، یہی لوگ راست باز ہیں۔ آپ فرمایئے: کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے، حالانکہ اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے"۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا یعنی انہوں نے تصدیق کی اور انہوں نے شک نہ کیا اور اسے جہاد اور اعمال صالحہ کے ساتھ سچ کر دکھایا۔

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وہ ایمان میں سچے ہیں وہ وہ نہیں جو قتل کے ڈر اور مال کی امید کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدوؤں نے قسم اٹھائی کہ وہ مخفی اور اعلانیہ ایمان دار ہیں اور جھوٹ بولا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ یعنی جس دین پر تم ہو تم اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں بتاتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

"وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے، فرمایئے: مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو"۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا یہ ان کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: جئناك بالا ثقال والعیال ہم آپ کی خدمت میں

کل ساز و سامان اور بال بچے لے کر آ گئے ہیں اَنْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لأن اسلموا، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ یہاں علی، باء کے معنی میں ہے بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ، اَنْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام بان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام لأن ہے حضرت عبداللہ کے مصحف میں اذھداکم ہے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنی اگر تم اس امر میں سچے ہو کہ تم ایماندار ہو۔ عاصم نے اسے اِن ھداکم پڑھا ہے یہ قول اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کی وجہ سے حقیقت سے بعید ہے یہ نہیں کہا جاتا: یمن علیکم ان یھدیکم ان صدقتم ظاہر قراءت اَنْ هَدٰىكُمْ ہے یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مومن تھے کیونکہ تقدیر کلام یہ ہے اِن آمنتم فذلك منّة الله علیکم اگر تم ایمان لائے ہو تو یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ ابن کثیر، ابن محیصن اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے یعنی یعلمون۔ یہ ان کے قول کا رد ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

الحمد لله رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلوة و السلام علی سید المرسلین

اس جلد کے ترجمہ کا اختتام بروز منگل 18 ستمبر 2007 بعد از نماز ظہر کو ہوا الحمد للہ اولاً و آخراً۔

محمد بوستان